حیات الحیوان (اردو)

تألیف

علّامہ محمدّ بن موسیٰ بن عیسیٰ کمال الدّین الدمیری

رحمۃُ اللہ علیہ

جلد اوّل

مترجم

مولانا عبدُ الرشید صاحب

فاضل خیر المدارس ، ملتان

نظر ثانی

مولانا سیّد خلیق ساجد بُخاری

مکتبۃُ الحسن

33 - حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور

علامہ کمال الدین الدمیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 808ھ) کی شہرہ آفاق کتاب

حیات الحیوان (مترجم)

جلد اول

مترجم: ______ مولانا عبدالرشید شجاع آبادی
(فاضل خیرالمدارس ملتان)

نظرثانی: ______ مولانا سید خلیق ساجد بخاری



مکتبۃ الحسن

33 حق سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
فون: 042-7241355

نام کتاب: ________ حیات الحیوان (مترجم) جلد اول

مؤلف: ________ علامہ محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ کمال الدین الدمیری رحمۃ اللہ علیہ

مترجم: ________ مولانا عبدالرشید شجاع آبادی (فاضل خیر المدارس ملتان)

نظر ثانی: ________ مولانا سید خلیق ساجد بخاری (فاضل وفاق المدارس)

تعداد: ________ 1100

سن اشاعت: ________ دسمبر 2006ء

ناشر: ________ مکتبۃ الحسن

باہتمام: ________ عبدالقدیر

مطبع: ________ مکی مدنی پرنٹرز، لاہور

قارئین سے درخواست ہے کہ تمام تر کوشش کے باوجود اس بات کا امکان ہے کہ کہیں کوئی غلطی یا کوئی خامی رہ گئی ہو تو ہمیں آگاہ کریں تاکہ آئندہ اس غلطی کو دور کیا جائے۔

(ادارہ)

مکتبۃ الحسن

33 حق سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فون: 042-7241355

فہرست عنوانات حیات الحیوان مترجم

حصہ اول

باب الباء

حالات زندگی علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی کمال الدین محمد، کنیت ابوالبقاء، والد کا نام موسیٰ بن عیسٰی ہے۔ ان کا نام پہلے کمال دین تھا بعد میں کمال الدین محمد رکھا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ بطور تبرک نسبت ہو جائے۔

۷۴۲ھ مطابق ۱۳۴۴ء کے اوائل میں قاہرہ میں ولادت ہوئی۔ جس کا ذکر خود انہوں نے اپنی کتابوں میں کیا ہے آپ نے قاہرہ میں تربیت حاصل کی اور یہیں پرورش پائی۔

یوں تو آپ قاہرہ میں پیدا ہوئے لیکن دمیرۃ کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہوئے (دمیرۃ مصر میں ایک بستی کا نام ہے) دمیرۃ کو بعض لوگ دال اور میم دونوں پر کسرہ پڑھتے ہیں اس طرح دمیری پڑھا جائے گا اور بعض لوگ دال پر فتح اور میم پر کسرہ پڑھتے ہیں اس طرح دمیری پڑھا جائے گا۔

مستند علماء نے اسی آخری قول کو ترجیح دی ہے۔

جب سن شعور کو پہنچے تو خیاط (درزی) کا کام شروع کر دیا۔ چند دنوں کے بعد یہ شغل ترک کر دیا اور علم وفن کی اہمیت معلوم ہونے پر جامعۃ الازہر میں تحصیل علم شروع کر دی۔ پھر ایسے مشغول ومتوجہ ہوئے کہ اپنے وقت کے قابل احترام اور جلیل القدر علماء میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ یہاں تک کہ عہدہ قضاء کی پیشکش بھی کی گئی لیکن آپ نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ عقائد میں اہلسنت اور فقہ میں شافعی مذہب سے وابستہ تھے اور تصوف میں کافی دسترس وادراک رکھتے تھے عابد وزاہد تھے آخری عمر میں تسلسل کے ساتھ روزے رکھنے لگے تھے۔

اہل علم وفن کہتے ہیں کہ استاذ کے اخلاق اور اس کے علوم کا اثر اس کے شاگردوں میں ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی شخصیت، رفعت علمی، علو مرتبت کا اندازہ لگانا ہو تو اس کے شاگرد امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ وغیرہ کا جائزہ لے لیجئے۔ اسی طرح علامہ ابن تیمیہؒ کے علوم اور ان کے شان علمی سے واقف ہونا ہو تو ان کے شاگرد حافظ ابن قیمؒ کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے۔

اسی طرح آپ نے علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ کی وسعت معلومات، ان کی شان علمی وشخصیت کا مشاہدہ کرنا ہو تو آپ

کی تصانیف میں خصوصی طور پر ''حیات الحیوان'' اوران کے اساتذہ کرام کی علمی رفعت و بلندی کو دیکھئے۔آپ نے اپنے وقت کے جید و یکتائے روزگار علماء وفقہاء سے علوم حاصل کئے۔

علم فقہ شیخ بہاء الدین سبکیؒ، جمال الدین اسنویؒ، کمال الدین نویری مالکیؒ وغیرہ سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا اور علم ادب شیخ برہان الدین قیراطیؒ اور بہاء بن عقیل سے حاصل کیا۔اور علم حدیث میں شیخ علی المظفر عطار مصریؒ الجامع للامام الترمذی ابوالفرج بن القاریؒ اور محمد بن علی حراویؒ وغیرہ کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیا۔

علوم معرفت، وظائف و عملیات امام یافعیؒ سے بھی سیکھے۔آپ نے علم حاصل کرنے کے بعد متعدد مقامات پر تدریس کا کام انجام دیا۔

آپ مکہ میں دو سال تک تعلیم و تدریس میں مشغول رہے۔القبہ، جامعہ الازہر، جامعہ الظاہر میں درس حدیث کی خدمات انجام دیں۔حافظ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ میں بھی ان کے درس حدیث میں شریک رہا اور سبق سے محفوظ ہوا اسی طرح مدرسہ ابن البقری باب النصر میں بروز جمعہ بعد نماز عصر وعظ و تبلیغ فرماتے۔

زیادہ تر مکہ مکرمہ اور قاہرہ میں تدریس و افتاء کا سلسلہ جاری رکھا۔چنانچہ شیخ صلاح الدین اقفہی نے مکہ میں اور شیخ تقی الدین الفاسی نے قاہرہ میں آپ سے شاگردی کا شرف حاصل کیا۔

علامہ دمیریؒ علم و عمل دونوں کے نمونہ تھے۔عبادت و ریاضت کے پیکر' تلاوت قرآن کی بیش بہا نعمت سے مالا مال تھے۔حج بیت اللہ اور کثرت صیام کے دلدادہ تواضع و خاکساری کے مجسمہ تھے اور ذکر اللہ کے وقت غلبہ خوف و خشیت سے آپ پر گریہ طاری ہو جاتا۔

کبھی کسی سے سختی اور ترش روئی سے گفتگو نہیں فرماتے تھے۔اور نہ کبھی فخریہ لباس زیب تن کیا۔آپ ان مبارک ہستیوں میں سے تھے جن کو اللہ جل شانہ نے حرمین شریفین کی مجاورت کا اعزاز بخشا تھا۔اگر آپ سے خرق عادت کے طور پر کبھی کشف و کرامت کا ظہور ہوتا تو اس کو چھپانے کی کوشش کرتے۔

شیخ مقریزیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ میں امام دمیریؒ کی خدمت میں غالباً دو سال کا عرصہ رہا۔مجھے ان کی مجلس پسند آئی، شفقت و محبت سے پیش آتے اور مجھے ان سے عشق ہو گیا تھا۔ان کے عالی مرتبت بلند پایہ شخصیت' شہرت' اخلاق و کردار' عبادت و ریاضت میں مستقل طور پر پابندی کرنے کی وجہ سے میں ان پر فریضۃ تھا۔

آپ نے ۷۶۲ھ میں حسب عادت حج کا فریضہ ادا فرمایا پھر مصر تشریف لے گئے پھر آپ ۷۶۳ھ میں مکہ تشریف لائے اور اسی سال آپ کے شیخ بہاؤ الدین سبکی کا انتقال ہوگیا۔ علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ۷۶۶ھ میں مکہ مکرمہ میں آ کر سکونت اختیار کر لی پھر سکونت ترک کر کے قاہرہ چلے گئے۔ پھر جب بھی مکہ میں تشریف لاتے تو حج بیت اللہ کا فریضہ ضرور ادا کرتے۔

مکہ مکرمہ کی رہائش وسکونت کے زمانہ میں فاطمہ بنت یحیٰی بن عیاد الصنہاجی مکیۃ سے نکاح کیا ان سے تین بچیاں پیدا ہوئیں۔

علامہ دمیری نے جہاں علوم سے طلباء کو مستفید اور خلق خدا کو فیض یاب کیا وہیں آپ نے قلم و کاغذ سے کام لے کر آئندہ آنے والوں کو کتابی شاگرد بننے کا موقع مرحمت فرمایا۔ آپ کی تصانیف کا دائرہ وسیع ہے جن میں سے کچھ تو شائع ہوسکیں اور کچھ طباعت سے رہ گئیں اور مخطوطات سے آگے نہ بڑھ سکیں۔

ان میں سے آپ کی کتاب حیات الحیوان الکبریٰ نے خاصی شہرت حاصل کی ہے کتاب کی ترتیب 773ھ میں مکمل ہوئی۔ اس میں حروف تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے حسب معلومات اکثر جانوروں کے خصائص وعادات کا تفصیلی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

جانوروں سے متعلق معلومات اس طرح جمع کی ہیں کہ پہلے لغوی حل، جانوروں کے نام اور کنیت، خصوصیات و عادات، احادیث میں ان کا تذکرہ، شرعی حلت وحرمت، ضرب الامثال، طبی خاصیتیں، خواب میں دکھائی دینے والے جانور کی تعبیر اور ان سے متعلقہ تاریخی واقعات، اشعار، گاہے بگاہے اوراد و وظائف تعویذات وعملیات وغیرہ درج کیے ہیں اور اس میں ہر فن کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

علامہ کمال الدین دمیری نے کتاب حیوۃ الحیوان اس غرض سے لکھی ہے کہ عربی کے مغلق ومشکل الفاظ کی شرح اور پیچیدہ لفظوں کی تصحیح ہو جائے اس لئے کہ بعض عبارتیں بہت دشوار ہوتی ہیں اور اس بات کی تائید میں مصنف کتاب علامہ دمیری کی عبارت پیش خدمت ہے جو انہوں نے کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرمائی ہے۔

هذا كتاب لم يسألني احد تصنيفه ولا كلفت القريحة تاليفه وانما دعاني الى ذلك انه وقع في بعض الدروس اللتى لا مخبأ فيها لعطر بعد عروس.

''اس کتاب کی تصنیف کے لیے کسی کا تقاضا نہیں تھا اور نہ یہ کسی دوست کی فرمائش پر لکھی گئی بلکہ بعض اسباق کی پیچیدگی اس کا باعث ہوئی اور یہ تقاضا اتنا بڑھا کہ اسے قابو میں رکھنا مشکل ہوگیا۔

عجیب وغریب معلومات کے بیش بہا مجموعہ کے باوجود اس میں ربط ویابسی کی بھرمار ہے، خصوصی طبی خواص پر عمل کرنا کسی پریشانی کا سبب بن سکتا ہے۔ بعض دیگر معلومات بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی اور آج کے سائنسی دور میں تحقیقات کے ذریعہ ناقص ثابت ہوچکی ہیں۔

علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال قاہرہ میں جمادی الاول ۸۰۸ھ بمطابق ۱۴۰۵ء میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

فقط

خلیق ساجد بخاری عفی اللہ عنہ

مقدمہ ''کتاب الحیوان''

(علامہ دمیری رحمتہ اللہ علیہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے دل وزبان کی نعمت کے ذریعے بنی نوع انسانی کو تمام مخلوقات پر شرف عطا فرمایا اور گفتگو و بیان کی دو نعمتوں کی وجہ سے اس (انسان) کو تمام حیوانات پر فضیلت عطا فرمائی۔ اور اس نے انسان کو عقل کی وہ حسین ترازو عطا کی جس کے ذریعے وہ تمام فیصلوں کو پرکھتا اور تولتا ہے اور یہی وہ نعمت عظمٰی ہے جس کے ذریعے انسان نے توحید باری پر مستحکم دلائل قائم کئے ہیں۔

میں (یعنی دمیری) اس ذات باری تعالیٰ کی تعریف وثناء بیان کرتا ہوں جس نے ہم پر مسلسل ومتواتر احسانات کا سلسلہ دراز کیا اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ اس کی ذات کی حقیقت انسانی ذہن کی حدود ورسوم سے وراء الوراء ہے (کسی کی وہاں تک رسائی نہیں ہے)۔ میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ جنہیں خاص طور پر آیات بینات عطا کی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی آل واصحاب پر ہمیشہ ہمیشہ صلوٰۃ وسلام نازل فرماتا رہے جب تک کہ زمین وآسمان قائم ہیں اور رات دن کی گردش جاری ہے۔

امابعد! اس کتاب کی تصنیف کے لیے نہ کسی صاحب نے مجھ سے کوئی سوال کیا اور نہ از خود میری طبیعت میں اس کا داعیہ پیدا ہوا بلکہ واقعہ یہ پیش آیا کہ چند ایسے دروس میں جن میں بات کا چھپانا اسی طرح ناممکن تھا جیسے دُلہن سے خوشبو کا چھپانا' مالک الحزین پرندے اور منحوس بجو کا ذکر آیا۔ ان حیوانات کے ذکر سے کچھ ایسی طویل کیفیت پیدا ہوئی جیسے جنگ بسوس (ایک بسوس نامی اونٹنی کی وجہ سے قبیلہ بنو بکر اور بنو تغلب میں جنگ ہوئی) تندرست رائے بیمار کے ساتھ جمع ہونے لگی، گدھ اور شتر مرغ کا فرق مٹنے لگا۔ بچھو زہریلے سانپ کے منہ لگنے لگا۔ دودھ چھٹے بچے حیوانوں کی برابری کرنے لگے' یار لوگ بکریوں کو اونٹوں کے ساتھ چرانے لگے' مچھلی اور گوہ کو برابر سمجھ بیٹھے اور ہر ایک نے طبعی طور پر بجو کے اخلاق اپنا لیے۔ مقتدا لوگوں نے چیتے کی کھال اوڑھ لی اور عام لوگوں نے برائیوں کو کبوتر کے طوق کی طرح اپنی گردن میں ڈال لیا۔ بڑے لوگ یہ سمجھنے لگے کہ وہ خود قطا پرندے سے زیادہ

سچے اوران کے چھوٹے فاختہ پرندے سے زیادہ خطا کار ہیں۔ تجربہ کار بوڑھا دومشکیزوں والی عورت ثابت ہوااور حاذق دانا وہ دیہاتی نکلا جو حنین کے دوموزے لے کر واپس آیا تھا۔ عاقل ''اشقر'' پرندہ کی طرح حیران ملا اور طالب علم حباریٰ پرندہ کی طرح سرگردان نظر آیا۔ سننے والا کہہ رہا تھا کہ تمام شکار جنگلی گدھے کے پیٹ میں ہے حتیٰ کہ طالب سیٹی بجانے والے پرندہ کی طرح کہہ رہا تھا کہ اے حقیر پرندے خاموش رہ!

یہ ماجرا میرے سامنے آیا تو میں نے کہا: کہ فیصلہ کرنے والے کے گھر میں خود جایا جاتا ہے اور کمان اس کے بنانے والے کو دی جائے تو حکمتیں ظاہر ہوتی ہیں' نیز گھڑ دوڑ ہی میں آگے بڑھنے والے گھوڑے کی پہچان ہوتی ہے اور صبح کے وقت ہی رات بھر چلنے والی کی تعریف ہوتی ہے۔

اس کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ سے جو کریم بھی ہیں منان بھی' ایک ایسی کتاب لکھنے کے بارے میں استخارہ کیا جو حیوانات کے بارے میں معلومات کی خوب جامع ہو۔

میں نے اس کتاب کا نام ''حیات الحیوان'' رکھا۔ اللہ تعالیٰ اسے میرے لیے جنت کی کامیابی کا ذریعہ بنائے اور تا مرورایام اسے لوگوں کے لیے نافع بنائے۔ بے شک وہ رحمان بھی ہے رحیم بھی۔

میں نے یہ کتاب حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دی ہے تا کہ حیوانات کے بارے میں معلومات حاصل کرنا آسان تر ہو سکے۔

فقط

(علامہ دمیری رحمتہ اللہ علیہ)

○



اَسَد

شیر

شیر درندوں میں ایک مشہور و معروف جانور ہے۔ عربی میں شیر کو اَسَدٌ کہتے ہیں۔ اس کی جمع اُسُوْدٌ، اُسُدٌ اور آسَاد وغیرہ آتی ہے۔ شیرنی کے لیے اَسَاَۃٌ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث ام زرع[1] میں ہے (کہ پانچویں عورت نے یہ کہا کہ) میرے شوہر کا تو یہ حال ہے کہ جب وہ گھر میں آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے۔ جب وہ گھر سے باہر جاتا ہے تو شیر بن جاتا ہے۔ (اور جو کچھ گھر میں ہوتا ہے وہ اس کی پوچھ تاچھ میں نہیں پڑتا)

---

[1] دمیری اس حدیث سے یہ استدلال کر رہے ہیں کہ کلام نبوت میں شیر کو اسد کہا گیا ہے اور اسی مادہ سے افعال بھی مستعمل ہیں۔ نبی اکرم ﷺ سے رات میں قصہ گوئی اور کہانی سنانے کے سلسلے میں کئی حدیثیں منقول ہیں، انہی میں یہ حدیث ام زرع بھی ہے۔ یہ قصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بہت طویل منقول ہے۔ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ گیارہ عورتوں نے یہ معاہدہ کیا کہ آج ہر عورت اپنے خاوند کا حال صحیح بیان کرے۔ کسی قسم کی کوئی بات چھپانے کی کوشش نہ کرے۔ چنانچہ ان گیارہ عورتوں نے قصہ بیان کیا۔ ان عورتوں کی داستان میں چونکہ قصہ ام زرع سب سے اہم اور طویل ہے اس لیے اس کو "حدیث ام زرع" کہا جانے لگا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پانچویں عورت نے یہ کہا کہ میرے خاوند کا حال یہ ہے کہ وہ جس وقت گھر میں آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے جب باہر جاتا ہے تو شیر بن جاتا ہے اور جو کچھ گھر میں ہوتا رہتا ہے وہ اس کی تحقیق و تفتیش میں نہیں اُلجھتا۔ اس عورت نے جو یہ انکشاف کیا اس کی وضاحت میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ آیا عورت اپنے شوہر کی مذمت کر رہی ہے یا مدح سرائی۔ چونکہ اس بات سے دونوں باتوں کا مفہوم نکلتا ہے لیکن واضح یہی ہے کہ مدح سرائی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر مذمت تسلیم کر لی جائے تو وہ کیسے؟ وہ اس طرح کہ شوہر جب گھر میں آتا ہے تو چیتا کی طرح سو جاتا ہے نہ کسی بات کا کہنا نہ کسی کام سے غرض۔ لیکن جب وہ گھر سے باہر جاتا ہے تو اچھا خاصا شریفوں جیسا برتاؤ کرتا ہے۔ گھر میں کچھ مصیبت آئے اس کو کچھ مطلب نہیں، وہ کسی کام میں دخل دیتا ہے نہ خفگی کا اظہار۔ وہ سونے والے کی طرح بے خبر ہو جاتا ہے۔ ہم جو چاہیں کھائیں پکائیں، وہ کسی بات کو نہیں پوچھتا اور نہ ہر بات کی تحقیق کرتا ہے کہ فلاں کام کیوں کیا، فلاں بات کیوں ہوئی۔ شیروں کی طرح خوب ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے۔ لیکن گھر میں جو کھانے پینے کی چیزیں ہیں ان کے پیچھے نہیں پڑتا کہ کہاں خرچ کیں جو چیز گھر میں آتی ہے تو گھر والوں کو آزادی ہے کہ جس طرح چاہیں اسے خرچ کریں۔

شیر کے نام

(عربی میں) شیر کے بہت سے نام ہیں۔ اہل علم نے لکھا ہے۔ کسی چیز کے زیادہ نام ہونا اس چیز کی اہمیت اور شرف پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ امام ابن خالویہ[1] کہتے ہیں کہ شیر کے پانچ سو نام ہیں اور اس کی اتنی ہی صفات ہیں۔ لیکن علی بن [2] قاسم بن جعفر

---

[1] ابن خالویہ' نام حسین بن احمد بن حمدان بن خالویہ ہے۔ کنیت ابوعبداللہ الہمد انی ہے' یہ فنون عربیہ ولغویہ دونوں کے عالم تھے۔ تعلیمی سلسلے میں شہر بغداد میں علمائے وقت ابن الانباری' ابوبکر بن مجاہد' ابوعمر' غلام ثعلب' امام نفطویہ' ابوسعید السیرانی وغیرہ سے استفادہ کیا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ امام ابن درید کے بھی شاگرد ہیں۔ یہ زندگی کے کسی دور میں سیف الدولہ بن ہمدان کے دربار میں تشریف لائے تو بادشاہ نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے منتخب کر لیا۔ بعد میں اس قدر شہرت حاصل ہوئی کہ مرجع خلائق بن گئے۔ آپ کی تصانیف ''کتاب لبس' شرح الورود والقعوذ کتاب اسماء الاسد' البدیع فی القراءۃ' الجمل فی النحو اور کتاب الاشتقاق'' وغیرہ مشہور ہیں۔ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے متنبی شاعر سے چند مناظرے بھی ہوئے۔ وفات ۳۷۰ھ مطابق ۹۸۰ھ میں ہوئی۔
(طبقات الشامیہ ص۲۱۲ ج۲)

[2] بخاری اور مسلم شریف میں مکمل روایت اس طرح ہے۔ ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ (فتح مکہ کے بعد) غزوہ حنین کے سال ہم (جہاد کے لیے) نبی کریم ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب کافروں سے مقابلہ ہوا تو (کچھ دیر کے لیے) مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے دیکھا کہ ایک مشرک مسلمان پر غالب آ گیا۔ میں نے اس کے پیچھے سے تلوار کا (بھرپور) وار کر کے زرہ کاٹ ڈالی۔ اس پر وہ مجھ پر جھپٹ پڑا اور اس نے مجھے اتنے زور سے دبوچا کہ موت کا مزہ آ گیا۔ لیکن موت نے اسے دبالیا اور میں چھوٹ گیا۔ اس کے بعد میں حضرت عمرؓ سے ملا اور کہا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے (کہ دشمن کے مقابلہ سے بھاگ رہے ہیں) انہوں نے کہا کہ اللہ کا حکم یہی ہے۔ پھر لوگ دوبارہ میدان جنگ میں آئے اور نبی کریم ﷺ (ایک جگہ) بیٹھ گئے اور فرمایا کہ **من قتل قتیلا له علیه بینة فله سلبه** جو شخص (دشمن کے) کسی آدمی کو قتل کر دے اور اس کا کوئی گواہ ہو تو مقتول کا چھینا ہوا مال اسی (قتل کرنے والے) شخص کا ہوگا۔

یہ سن کر میں کھڑا ہوا اور ارادہ کیا کہ اس مشرک کو قتل کرنے کا واقعہ بیان کروں لیکن سوچا کہ گواہی کون شخص دے گا۔ آخر میں بیٹھ گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے پھر اسی طرح فرمایا کہ جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کر دے اور اس کے قتل کرنے کا کوئی گواہ ہو تو مقتول کا چھینا ہوا مال اسی شخص کا ہوگا۔ میں نے پھر اپنا واقعہ بیان کرنا چاہا لیکن گواہی کون دے گا؟ یہ سوچ کر دوبارہ بیٹھ گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے پھر اسی طرح فرمایا۔ میں (جب اس مرتبہ بھی) کھڑا ہوا (لیکن زبان سے کچھ نہ کہہ سکا) تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ابوقتادہؓ! کیا بات ہے (تم بار بار کھڑے ہوتے ہو اور بیٹھ جاتے ہو مگر کچھ نہیں کہتے) تب میں نے حضور اکرم ﷺ کو بتا دیا کہ میں نے فلاں مشرک کو قتل کیا ہے۔ ایک شخص نے میری بات سن کر کہا کہ ابوقتادہؓ سچ کہتے ہیں اور اس مشرک کا مال میرے پاس موجود ہے۔ آپ ان کو میری طرف سے راضی کر دیجئے۔ (کہ یہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں اور ان کو اس مشرک کے مال کے عوض کوئی اور چیز دے دی جائے یا ان کو اس بات پر رضامند کر لیجئے کہ یہ میرے ساتھ کسی اور طرح مصالحت کر لیں) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے (یہ سن کر اس شخص سے) کہا کہ نہیں خدا کی قسم! ایسا نہیں ہو سکتا۔ رسول کریم ﷺ اس معاملے میں ان (ابوقتادہؓ) کی مرضی کے خلاف کوئی ارادہ نہیں کریں گے۔ ابوقتادہؓ اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے لیے (دشمن سے) لڑتا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جس مال پر ان (ابوقتادہؓ) کا حق ہے وہ تمہیں دے دیں۔

نبی کریم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ ابوبکرؓ ٹھیک کہتے ہیں۔ تم ابوقتادہؓ کو اس مشرک (مقتول) کا مال دے دو۔ چنانچہ اس شخص نے اس کا مال مجھ کو دے دیا اور میں نے اس مال سے ایک باغ خریدا جو قبیلہ بنوسلمہ میں واقع تھا اور یہ سب سے پہلا مال تھا جو مجھے اسلام لانے کے بعد حاصل ہوا۔

اللغوی نے ایک سوتیس ناموں کا اورذکر کیا ہے (اس طرح شیر کے نام چھ سے تیس ہوگئے) شیر کے مشہور نام یہ ہیں:

اسامة. البهيس. تاج. جخدب. حرث. حيدرة. دواس. رئبال. زفر. سبع. صعب. ضرغام. ضيغم. طثيار. عبنس. غضنفر. فراصفة. قسورة. كهمس. ليث. متانس. متهيب. هرماس. الورد.

علمائے لغت نے شیر کی کنیتیں یہ ذکر کی ہیں:

ابوابطال. ابوحفص. ابواخياف. ابوزعفران. ابوشيل. ابوعباس. ابوحرث وغيره.

شیر سے ابتدا کی وجہ

دمیریؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کی شیر سے (جو جنگل کا بادشاہ ہے) اس لیے ابتدا کی ہے کہ وہ جنگلی جانوروں میں اشرف وافضل سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے کہ شیر کی حیثیت اس کے طاقتور، بہادر، سنگ دل، چالاک، سوء مزاج اور بدخلق ہونے کی وجہ سے ایک بارُعب بادشاہ کی ہوتی ہے۔ غالباً اسی لیے شیر سے قوت، دلیری، بہادری، جرأت، اقدام اور حملہ آوری میں مثال دی جانے لگی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کو اسداللہ (شیر خدا) کہتے ہیں۔

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ شیر کے لیے یہ بات قابل فخر ہے کہ اس کے نام سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شیر خدا لقب دیا گیا ہے۔ ایسے ہی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو "فارس النبی" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شہسوار کہا جاتا ہے، اسداللہ کہا جاتا ہے۔ عطاء القائلی سلب المقتول روایت میں ہے:

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (یہ سُن کر اس شخص سے) کہا کہ خدا کی قسم یہ ہرگز نہیں ہوسکتا (کہ ہم مقتول کا سامان) قریش کے ایک چھوٹے سے بجو کو دے دیں اور (ابوقتادہ رضی اللہ عنہ) اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے (دشمن سے) لڑتا ہے انہیں محروم کردیں۔"

شیر کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ارسطو[1] نے لکھا ہے کہ میں نے شیر کی ایک ایسی قسم بھی دیکھی۔ جس کا رنگ سُرخ تھا اور اس کا چہرہ انسان کے چہرے کے مشابہ، اس کی دُم بچھو کی دُم کی مانند تھی۔ شاید عربی میں اسی شیر کو الورد کہتے ہیں۔ اس قسم کا ایک دوسرا شیر بھی ہے جس

---

[1] ارسطو یا ارسطاطالیس کا شمار دُنیا کے ماہر حکماء میں ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے طب وحکمت کا بانی مبانی کہا جاتا ہے۔ ۳۲۲ قبل مسیح ولادت ہوئی اور ۳۴۸ قبل مسیح وفات ہوئی۔ اکثر تصانیف سریانی زبان میں تھیں۔ بعد میں خاص طور پر اسحٰق بن حنین بانی فلسفہ مشائین نے عربی زبان میں منتقل کیں۔ ارسطو کی نمایاں ترین انسانی خدمات کی وجہ سے دُنیا کی تاریخ کبھی اس کو فراموش نہیں کرسکتی۔ اس کے شاگرد سکندر اعظم نے ایشیا کے تمام خطوں سے بہت سے جانور فراہم کر دیئے تھے اور ارسطو کو جانوروں کے مطالعہ کا موقع ملا۔ تشریح ومنافع الاعضاء جیسے اہم موضوع میں کافی مواد کا اضافہ کیا۔ حتیٰ کہ وہ تشریح تقابلی کے لیے تحقیق کا کام دینے لگے۔ ارسطو نے انسانوں اور بندروں کی ساخت کے اختلاف معلوم کیے۔ ہاتھیوں اور پرندوں کی تشریح بھی بیان کی۔ اطباء نے لکھا ہے کہ ارسطو نے لاشوں کا معائنہ کرکے بہت سے تجربات حاصل کیے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کو کہیں سے ایک ایسی کھوپڑی مل گئی تھی جو صرف ایک ہڈی پر مشتمل تھی اور اس میں کوئی درازنہ تھی۔ چنانچہ اس قول کی تصدیق بعد کے ڈاکٹروں میں "گریز اناٹمی" نے بھی کی ہے، لکھا ہے کہ کھوپڑی کی ہڈیاں بڑھاپے میں باہم متحد ہوجاتی ہیں اور درمیان کے درز کم وبیش غائب ہوجاتے ہیں۔ اس لیے بہت ممکن ہے کہ ارسطو نے اس قسم کی کھوپڑی کا مشاہدہ کیا ہو۔ بہرحال ارسطو نے علم تشریح کے موضوع پر ۳۸۴ قبل مسیح سب سے پہلے کتاب لکھی۔

کی شکل گائے کی شکل سے ملتی جلتی ہے اوراس کے کالے سینگ ہوتے ہیں جوایک بالشت کے برابر ہوتے ہیں۔

حیوانات کے ماہرین نے لکھا ہے کہ شیرنی کے بچہ دینے کا عجیب طریقہ ہے کہ شیرنی گوشت کا ایک بے حس وحرکت لوتھڑا پیٹ سے نکال کر زمین پر پھینک کر تین دن تک نگرانی کرتی ہے۔ پھر شیر اس ٹکڑے میں پھونک مارتا رہتا ہے تا آنکہ اس میں روح پیدا ہوتی ہے۔ بعد میں اعضاء وغیرہ بننا شروع ہوتے ہیں۔ پھر وہ لوتھڑا شکل وصورت اختیار کر لیتا ہے اور شیرنی اسے دودھ پلا کر پرورش کرتی ہے۔ پھر بچہ سات دن کے بعد آنکھیں کھول کر اس عالم کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ بچے کی نشوونما میں تقریباً چھ ماہ لگ جاتے ہیں۔ اسی دوران بچے کو اس کے ماں باپ حیوانی تربیت دے کر خود کفیل بنا دیتے ہیں۔

خصوصیات

ماہرین کہتے ہیں کہ شیر بہت سی ایسی صفات رکھتا ہے جو دیگر جانوروں میں نہیں پائی جاتیں۔ اس کی چند خوبیاں یہ ہیں۔

(۱) شیر بھوک کی حالت میں صبر کرتا ہے۔ (۲) پانی کی حاجت بہت کم محسوس کرتا ہے۔ (۳) یہ بھی خوبی ہے کہ وہ دوسرے جانوروں کا شکار کیا ہوا (جھوٹا) نہیں کھاتا۔ (۴) اگر شکار کھاتے ہوئے اس کا پیٹ بھر گیا تو بقیہ اسی جگہ چھوڑ دیتا ہے۔ پھر دوبارہ اس پر نہیں آتا۔ (۵) جب اسے شدید بھوک لگتی ہے تو بدخلق ہو جاتا ہے۔ (۶) لیکن جب شکم سیر ہوتا ہے تو سدھ جاتا ہے۔ (۷) شیر کتے کا جھوٹا پانی کبھی نہیں پیتا۔ بمصداق شاعر ؎

اَتــرُکُ حُبَّهــا مِــنْ غَیْرِ بُغْضٍ   وَ ذَاکَ لِکَثْرَةِ الشُّرَکَاءِ فِیْهِ

ترجمہ: میں نے اس سے بغیر کسی بغض وعداوت کے ترک تعلقات کر لیے ہیں کیونکہ اس نے بہت سے دوست بنا لئے ہیں۔

اِذَا وَقَـعَ الـذُّبَـابُ عَلٰی طَعَامٍ   رَفَعْـتُ یَدِیْ وَنَفْسی تَشْتَهِیْهِ

ترجمہ: جب کسی کھانے میں مکھی گر جاتی ہے تو میں اپنے ہاتھ کو (کھانے سے) روک لیتا ہوں حالانکہ میرے جی میں اس کی خواہش ہوتی ہے۔

وَتَـجْتَنِبُ الْاُسُوْدَ وُرُوْدَ مَاءٍ   اِذَا کَـانَ الـکِلَابُ وَلَغْنَ فِیْـهِ

ترجمہ: اور شیر کسی ایسے گھاٹ کا پانی نہیں پیتے جسے کتوں نے جھوٹا کر دیا ہو۔

بعض شعراء نے قلم کے بارے میں عجیب وغریب بات کہی ہے ؎

وارقـش مـرهـوف الشباه مهفهف   یشتـت شـمل الخطب وهو جمیع

ترجمہ: قلم نازک ہم شکلوں میں رنگارنگی کا حامل ہے جو حوادث کی تحریر سے دلجمعی میں انتشار پیدا کر دیتا ہے خود پُرسکون رہتا ہے۔

تـدیـن لـه الافـاق شـرقـا و مـغـربـا   و تـعـنـوالـه مـلاکـهـا و تـطـیـع

ترجمہ: قلم کے لیے مشرق ومغرب کی تمام چیزیں منقاد ہو جاتی ہیں۔ دُنیا کی طاقتیں اس کے لیے مطیع اور فرماں بردار بن جاتی ہیں۔

حمی الملک مفطوطا کما کان تحتمی   بـه الاسـد فی الآجام وهو رضیع

ترجمہ: قلم وہ ہے جو دودھ چھوٹنے کے بعد ملک کی اس طرح حفاظت کرتا ہے جس طرح وہ دودھ پینے کے زمانے میں کچھار میں رہنے والے شیروں کی حفاظت کرتا ہے۔ مشہور ہے کہ شیر نرکل کے گنجان درخت میں کچھار بناتا ہے)

شیر کی خصوصیات مین یہ بھی ہے کہ وہ شکار کو بغیر چبائے ہوئے اگلے دانتوں سے نوچ نوچ کر کھاتا ہے۔ اس کے منہ میں لعاب کم

آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اس کا منہ گندہ رہتا ہے۔

شیر کا نمایاں وصف یہ بھی ہے وہ نہایت بہادر اور دلیر ہوتا ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس میں بزدلی اور کم ہمتی بھی پائی جاتی ہے۔ شیر مرغ کی آواز سے گھبرا اُٹھتا ہے۔ سلفچی ہاتھ دھونے کے برتن کی کھنک سے خوف محسوس کرتا ہے۔ بلی کی خوف ناک آواز سے بھی ڈر جاتا ہے۔ آگ کو دیکھنے سے حیران ہو جاتا ہے۔

شیر کی گرفت نہایت مضبوط ہوتی ہے وہ کسی درندے سے اُلفت نہیں رکھتا اس لیے کہ وہ ان کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ وہ درندے اس کے کسی حملے کا جواب دے سکیں گے۔ اگر اس کی کھال کسی چیز پر رکھ دی جاتی ہے تو اس سے بال آہستہ آہستہ جھڑنے لگتے ہیں۔ وہ کوشش کے باوجود اگر کسی حائضہ عورت کے قریب بھی جانا چاہتا ہے تو نہیں جا پاتا۔ شیر ہمیشہ بخار میں مبتلا رہتا ہے۔ وہ طویل العمر ہوتا ہے' کبرسنی اور بڑھاپے کی علامت یہ ہے کہ دانت گرنے لگتے ہیں۔

احادیث نبویؐ میں شیر کا ذکر

ابن سیع السبتی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ آپ ایک مرتبہ کسی سفر میں تشریف لے جا رہے تھے تو گزر ایک ایسی جماعت پر ہوا جو ستا رہی تھی۔ آپ نے ان لوگوں سے ان کی خیریت معلوم کی۔ فرمایا کہ کیا تم لوگوں کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہاں راستے میں ایک شیر پڑتا ہے جس نے لوگوں کو خوف و دہشت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہ سن کر آپ سواری سے اُترے اور شیر کے قریب جا کر اس کے کان پکڑ کر راستے سے ہٹا دیا۔ پھر فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے تیرے بارے میں بالکل سچ فرمایا ہے کہ واقعی تجھ کو ابن آدم پر ان کے غیر اللہ سے ڈرنے کی وجہ سے مسلط کر دیا گیا ہے۔ اگر ابن آدم سوائے اللہ کے کسی سے نہ ڈریں تو پھر تو مسلط نہیں اور اگر ابن آدم اللہ کے علاوہ کسی سے بھی خوف نہ کھاتا تو وہ اپنے معاملات میں کسی پر بھروسہ نہ کرتا۔ (شفاء الصدور)

عبدالرحمان بن آدم سے مروی ہے کہ اگر ابن آدم اللہ کی طاقت اور قدرت پر کامل یقین رکھتا ہوتا تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہ کرتا اور نہ اپنے معاملات و مشکلات میں کسی اور پر توکل رکھتا۔ (ابوداؤد)

"حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام روئے زمین میں اس حال میں اُتریں گے کہ دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ان کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا ہے حالانکہ ان کے سر میں کسی قسم کی کوئی نمی یا تری نہ ہوگی۔ وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے۔

خنزیر کو قتل کر دیں گے (ان کی آمد سے) مال کی کثرت ہو جائے گی۔ زمین میں امن و انصاف پھیل جائے گا (عدل و انصاف کا یہ عالم ہوگا کہ) شیر اونٹ کے ساتھ' چیتا گائے کے ساتھ پانی پئیں گے۔ بکری اور بھیڑیا ایک ساتھ پانی پینے میں کوئی خوف و ہراس محسوس نہ کریں گے۔ یہاں تک کہ بچے سانپوں کے ساتھ کھیلتے ملیں گے۔ ایک دوسرے کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے۔ اس حالت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک زندہ رہیں گے پھر انتقال ہو جائے گا تو مسلمان تجہیز و تکفین کے بعد نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیں گے۔"

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ثور بن یزید کے حالات میں امام [1] ابونعیم کی کتاب الحلیۃ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ شیر صرف حرام کار کو کھاتا ہے۔ نیز حضرت سفینہؓ جو حضور کریم ﷺ کے غلام تھے۔ خود ان کا واقعہ جو شیر کے ساتھ پیش آیا ہے وہ تو مشہور ہے۔

(رواہ البزار والطبرانی وعبدالرزاق والحاکم وغیرہ)

محمد [2] بن المنکدر کہتے ہیں کہ مجھ سے خود حضرت سفینہؓ نے بیان کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ کشتی سے دریا کا سفر کر رہا تھا کہ وہ کشتی ٹوٹ گئی تو میں ایک تختہ پر بیٹھ گیا۔ وہ تختہ بہتا ہوا ایک شیر کی جھاڑی کے قریب لگ گیا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شیر میری طرف لپکا (جھپٹا) تو میں نے اس سے یہ کہا کہ میں سفینہ حضور اکرم ﷺ کا غلام ہوں۔ اس وقت میں راستہ سے بھٹک گیا ہوں (یہ سنتے ہی) شیر مونڈھے سے اشارہ کرنے لگا۔ یہاں تک اس نے مجھے سیدھے راستہ پر لا کھڑا کیا۔ اس کے بعد شیر گرجنے لگا تو میں سمجھ گیا کہ اب یہ رُخصت ہو رہا ہے۔ میں مامون ہو گیا۔

امام [3] بیہقیؒ نے محمد بن منکدر سے ہی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت سفینہؓ سرزمین روم کے قریب لشکر سے پیچھے رہ گئے تو آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ پھر آپ وہاں سے فرار ہو کر لشکر کو تلاش کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ راستے میں دیکھتے ہیں کہ ایک شیر کھڑا ہوا ہے۔ آپ نے شیر کو مخاطب کر کے فرمایا: اے ابوالحارث (یہ شیر کی کنیت ہے) کہ میں سفینہ حضور اکرم ﷺ کا غلام ہوں۔ میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آ گیا ہے۔ اتنے میں شیر دم ہلاتے ہوئے ان کی بغل میں کھڑا ہو گیا اور سفینہؓ جب کسی قسم کی آواز کو سنتے تو شیر کو پکڑ لیتے۔ چنانچہ آپ برابر شیر کے ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ لشکر کو پا لیا۔ اس کے بعد شیر واپس لوٹ گیا۔ (دلائل النبوۃ)

نوٹ: حضرت سفینہؓ [4] کے نام کے بارے میں علماء اُمت کا اختلاف ہے۔ بعض نے آپ کا نام رومان بتایا ہے۔ بعض نے مہران،

---

[1] ابونعیم اصفہانی کی ولادت ۳۴۸ھ میں ہوئی۔ شافعی مسلک کے محدث تھے۔ طالب علمی کا دور بصرہ، بغداد و نیشاپور وغیرہ میں گزارا۔ مشہور تصنیف ''حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء'' ہے جو برلن میں مخطوطات کے ذخیرے میں محفوظ ہیں۔ آپ کی وفات ۱۰۳۸ھ میں ہوئی۔ ۱۲

[2] محمد بن المنکدر التیمی مشہور تابعین میں سے ہیں۔ نہایت عبادت گزار صاحب علم وتقویٰ تھے۔ آپ نے جابر بن عبداللہ وانس بن مالک وابن الزبیر وربیعہ وغیرہ سے سماع حدیث کیا۔ نیز آپ سے جلیل القدر محدثین نے بھی روایتیں کی ہیں۔ مثلاً سفیان ثوری وامام مالک وغیرہ۔ آپ کی وفات ۱۳۰ ہجری میں ہوئی۔ تقریباً ستر سال یا اس سے زائد عمر پائی۔

[3] امام بیہقیؒ کی کنیت ابوبکر، نام احمد بن حسین بیہقی ہے۔ محدثین کے یہاں مقتداء کی حیثیت رکھتے ہیں اور آپ کی تصانیف کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہوئی ہے۔ مشہور تصانیف مبسوط السنن، دلائل النبوۃ وشعب الایمان وغیرہ ہیں۔ آپ کا شمار محدثین شوافع میں ہوتا ہے۔ پیدائش خسروہرد میں ماہ شعبان ۳۸۴ھ مطابق ۹۹۴ء میں ہوئی اور وفات نیشاپور میں ۴۵۶ھ مطابق ۱۰۶۶ء میں ہوئی۔ ۱۲

[4] سفینہ۔ بعض اہل علم نے لکھا کہ سفینہ آپ کا لقب تھا۔ نام کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ عرب ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ ابنائے فارس میں سے تھے۔ علماء نے اس بات میں بھی اختلاف نقل کیا ہے کہ آیا آپ نبی کریم ﷺ کے غلام تھے یا ام المؤمنین اُم سلمہؓ کے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اُم المؤمنین نے اس شرط پر آزاد کر دیا تھا کہ تم جب تک زندہ رہو گے حضور اکرم ﷺ کی خدمت کرتے رہو گے۔ سفینہ آپ کا لقب اس لیے پڑ گیا تھا کہ ایک مرتبہ سفر میں لوگ تھک گئے تھے تو آپ نے سارا سامان اپنے اوپر لاد لیا تھا تو نبی کریم ﷺ نے آپ کو سفینہ (کشتی) کے نام سے یاد کیا تھا۔ آپ سے آپ کی اولاد عبدالرحمٰن ومحمد وزیاد وکثیر وغیرہ نے روایت کی ہیں۔ ۱۲

بعض نے طہمان اور بعض آپ کا نام عمیر ذکر کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے تاریخ میں یہ لکھا ہے کہ آپ حجاج[1] بن یوسف الثقفی کے زمانے تک زندہ رہے۔ آپ سے امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔ نیز آپ کی روایت امام ترمذی' نسائی' ابن ماجہ وغیرہ نے بھی لی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی عتبہ بن ابی لہب کے لیے بددُعا

حضور اکرم ﷺ نے عتبہ بن ابی لہب کے لیے اس طرح بددُعا فرمائی کہ اے اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط فرما دیجئے۔ (چنانچہ عتبہ کو شام کے علاقے مقام زرقاء میں ایک شیر نے لقمہ بنالیا تھا)۔

(رواہ الحاکم من حدیث ابی نوفل بن ابی عقرب عن ابیہ وقال صحیح الاسناد)

اسود بن ہبار سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابولہب اور اس کا بیٹا عتبہ شام کے سفر کے لیے تیار ہوئے تو اسود بن ہبار کہتے ہیں کہ میں بھی ان کے ساتھ ہوگیا۔ جب ہم مقام شراۃ یا الشراع[2] میں ایک راہب کی عبادت گاہ کے قریب مقیم ہو گئے تو راہب نے کہا آپ لوگ یہاں کیسے مقیم ہو گئے۔ یہاں تو درندے کثرت سے رہتے ہیں۔ ابولہب نے کہا کہ آپ لوگ مجھ سے خوب واقف ہوں گے۔ تو ہم سب نے جواب میں جی ہاں کہا تو ابولہب نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے میرے بیٹے کے لیے بددُعا فرمائی ہے (تو آپ لوگوں کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ) اپنا سامان وغیرہ اس عبادت خانے کے اوپر جمع کر دیں اور میرے بیٹے کے لیے اس کے اوپر بستر لگا دیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس کے ارد گرد سو جائیں۔ چنانچہ ہم سب نے ایسا ہی کیا۔ سامان کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ خوب اونچا ہو گیا۔ پھر ہم لوگوں نے (احتیاطً) اس کے آس پاس کا دورہ کیا اور عتبہ سامان کے اوپر جا کر سو گیا۔ رات میں ایک شیر آیا اور اس نے ہم سب کے منہ سونگھنا شروع کیے۔ پھر وہ چھلانگ لگا کر سامان کے اوپر پہنچ گیا اور عتبہ کے سر کو اس کے جسم سے جدا کر دیا۔ اس وقت عتبہ اپنی زبان سے کہہ رہا تھا سیفی یا کلب (وائے میری تلوار' کتے) اس کے بعد وہ کچھ پھر کہنے کو قادر نہ ہو سکا۔ (رواہ ابونعیم)

ایک روایت میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ شیر نے جھنجھوڑ کر نوچ ڈالا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ عتبہ کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ ''شیر نے مجھے مار ڈالا'' پھر وہ اسی وقت مر گیا۔ اس کے بعد ہم لوگ شیر کو تلاش کرتے رہے لیکن وہ مل نہ سکا۔

فائدہ: جناب رسول اللہ ﷺ نے شیر کو کتا اس لیے فرمایا تھا کہ شیر بھی کتے کی طرح ایک ٹانگ اُٹھا کر پیشاب کرتا ہے۔

---

[1] حجاج بن یوسف ثقفی۔ یہ عبدالملک بن مروان خلیفہ کے زمانے میں حجاز کا گورنر بنایا گیا تھا۔ نہایت ظالم اور جابر آدمی تھا۔ ولادت ۶۶۱ء میں طائف میں ہوئی۔ نہایت مدبر' ہوشیار' سیاسی آدمی گزرا ہے۔ اس نے صحابہ کی ایک کثیر تعداد کو جام شہادت نوش کرا دیا۔ نیز مکہ کا محاصرہ کر کے مصعبؓ بن الزبیر کو جو خلافت کے دعوے دار تھے' قتل کر دیا۔ پھر بعد میں اسے عراق و خراسان کا بھی گورنر بنا دیا گیا۔ اس ظالم نے مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیر الاسدی الکوفی کو بھی نہیں بخشا اور ان کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ آپ نے حجاج کے لیے بددُعا کی تھی کہ اب تم میرے بعد کسی کو قتل نہیں کر سکتے۔ چنانچہ آپ کے قتل کے بعد حجاج پندرہ راتیں زندہ رہا۔ اس کے بعد وہ عارضہ شکم میں مبتلا ہوا غالباً دل یا انتڑیاں سڑنے لگی تھیں۔ تمام اطباء عاجز آ گئے۔ آخر کار اسی موذی مرض میں شہر واسط میں ماہ شوال یا رمضان شریف ۹۵ھ مطابق ۷۱۴ء میں انتقال کر گیا۔ تقریباً ۵۴ سال عمر پائی۔

احادیث میں تعارض اور اس کا حل

حدیث شریف میں آیا ہے:

اِنَّ النَّبِیَ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ : فَرِّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ [1] فِرَارَکَ مِنَ الْاَسَدِ (رواہ البخاری)

''نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم مجذوم (کوڑھی) سے اس طرح بھاگو جس طرح کہ تم شیر سے بھاگتے ہو۔''

دوسری روایت میں ہے:

انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اخذبید مجذوم وقال بسم اللّٰہ ثقۃ باللّٰہ وتوکلا علیہ وادخلھا معہ الصحفہ. (رواہ ابن ماجۃ)

''جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک کوڑھی کا ہاتھ پکڑ کا دُعا پڑھتے ہوئے اس کا کھانے میں اپنے ساتھ شریک کرلیا وہ دُعا یہ ہے: ''بسم اللّٰہ ثقۃ باللّٰہ وتوکلا علیہ''۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کوڑھ [2] اور برص متعدی ہوتے ہیں۔ مزید یہ بھی فرمایا کہ کوڑھی کی اولاد بھی اس سے بہت کم محفوظ

---

[1] کوڑھی سے ملنے جلنے، بچنے اور اجتناب کے سلسلے میں کئی حدیثیں ہیں۔ ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کوڑھی کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ وہ دیگر احادیث بھی ہیں جن میں اس قسم کا مضمون ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑ کا اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرلیا۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بیماری کا ایک دوسرے سے لگنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اس لیے یہ دو متضاد روایات سامنے آگئیں۔ اس تضاد و اختلاف کو دور کرنے کے لیے علماء کرام کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔ چنانچہ حافظ عسقلانی نے یہ لکھا ہے کہ جن احادیث میں چھوت چھات کی نفی کی گئی ہے ان کا حکم اپنے عموم و اطلاق کے ساتھ قائم اور باقی ہے اور ان لوگوں کی مخالطت وہم نشینی جو کوڑھ جیسے امراض میں مبتلا ہوں ان کی بیماری کے لگنے کا سبب ہرگز نہیں اور جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جو کوڑھی سے احتراز اور بچنے کو ظاہر کرتی ہیں ان کا مقصد محض وساوس و اوہام کا سدِّ باب ہے کہ کوئی شخص شرک کے بھنور میں نہ پھنس جائے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے جذامی کے ساتھ مجالست کی۔ اس کے ساتھ اُٹھا بیٹھا اور اسی دوران اللہ کا حکم یہ ہوگیا کہ وہ اُٹھنے بیٹھنے والا بھی کوڑھ میں مبتلا ہو گیا تو بعید نہیں کہ وہ اس وہم میں مبتلا ہو جائے کہ میں اس کوڑھی کے پاس اُٹھنے بیٹھنے ہی کی وجہ سے اس مرض میں مبتلا ہوگیا ہوں۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو اس اعتقاد سے بچانے کے لیے جو کفر و شرک کی حد تک پہنچاتا ہے، کوڑھی سے بچنے کا حکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے خود اپنی ذات کو اس حکم سے مستثنیٰ رکھا۔ اس لیے کہ آپ توکل کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ اس کی بناء پر مذکورہ وہم و گمان میں آپؐ کے مبتلا ہونے کا تصور بھی نہیں تھا۔ چنانچہ ایک کوڑھی کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرلینا اس پر شاہد ہے۔

اس لیے بطور خلاصہ یوں سمجھئے کہ کوڑھی سے بچنے کا حکم اس شخص کے لیے ہے جو اپنے اندر اس درجہ کا یقین و توکل نہ رکھتا ہو بلکہ اسے اس بات کا خوف ہو کہ اگر وہ کوڑھی کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کے درمیان مبتلا ہوگیا تو وہ اس وہم کا شکار ہو کر شرک خفی کا مرتکب ہو جائے گا۔ (التعلیق الصبیح)

[2] اہل عرب کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص بیمار کے قریب بیٹھ جائے اور اس کے ساتھ کھائے پیئے تو وہ بیماری اس میں بھی سرایت کر جائے گی۔ علماء نے لکھا ہے کہ عام طور پر اطباء کے نزدیک سات قسم کی بیماریاں ایسی ہیں جو ایک دوسرے کو لگتی ہیں:

(۱) جذام (کوڑھی) (۲) خارش (۳) چیچک (۴) آبلے جو بدن پر پڑ جاتے ہیں (۵) رمدور و تونڈی (۶) گندہ ذہنی اور (۷) وبائی امراض۔ اس لیے شریعت نے اس اعتقاد کو بھی باطل اور ردّ کر دیا ہے کہ مرض کا ایک دوسرے میں سرایت کرنا اور اُڑ کر لگنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا بلکہ اس کا تعلق نظام قدرت اور قادر مطلق کی مشیت سے ہے کہ جس طرح پہلا شخص بیمار ہوا اسی طرح دوسرا شخص بھی اس بیماری میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ چنانچہ شیخ کرمانی ؒ نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ چھوت کی بیماری کی کوئی حقیقت نہیں ہے تو جذام کی بیماری اس سے مستثنیٰ ہے۔

رہتی ہے۔ یہ مرض باپ میں ہونے کی وجہ سے اولاد میں بھی منتقل ہوتا ہے۔ (عیوب الزوجین)

امام دمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا کہ کوڑھ اور برص متعدی ہوتے ہیں' یہ مطلب ہے کہ وہ خود بذاتہ متعدی نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے اثر ڈالنے سے متعدی ہوتے ہیں اس لیے کہ خداوند قدوس کی یہ سنت جاری ہے کہ اگر کوئی صحیح وسالم آدمی کسی مبتلی بہ (مریض) کے ساتھ غیر معمولی طور پر قرب رکھتا ہو یا وہ دونوں ایک ساتھ رہتے ہوں تو وہ دوسرا بھی اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ ہم نشین اپنی قسمت میں مقدر ہونے کی وجہ سے ملوث ہو جاتا ہے۔ پھر اگر دوسرا بھی اسی مرض میں مبتلا ہو گیا تو لوگ یہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ امراض ہی متعدی ہیں حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسلام میں نہ تو (امراض میں) تعدیہ (چھوت چھات) ہے اور نہ نحوست و بدشگونی جیسے کہ ان شاء اللہ عنقریب ہی اس کا ذکر آ جائے گا۔

امام صیدلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''ناممکن ہے کہ مجذوم کا لڑکا اس مرض سے محفوظ رہے۔'' اس جملے کا مطلب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذاق کے مطابق سمجھنے کے لیے اس پر غور کیجئے ''کہ بچے نے باپ کی کسی رگ کو کھینچ لیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بھی مجذوم ہو گیا۔'' دوسری بات یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے آدمی سے فرمایا تھا جب کہ اس نے یہ شکایت کی کہ میری عورت نے ایک ایسے بچے کو جنم دیا ہے جس کا رنگ کالا ہے (اور وہ میرے ہم رنگ نہیں ہے) تو آپؐ نے فرمایا یہ بچہ بھی کسی ایسی رگ کے سبب کالا ہوا ہے۔ جس نے اس کو کھینچ لیا ہے یعنی اس بچے کی اصل میں کوئی شخص کالے رنگ کا رہا ہو گا جس کے مشابہ یہ بچہ ہو گیا ہے۔ حدیث کی اس طور پر شرح کرنے سے دو مختلف احادیث کا تعارض اُٹھ جاتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں مذکور ہے:

> ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آفت رسیدہ (مہلک مرض میں مبتلا) شخص کسی صحیح وتندرست آدمی کے یہاں نہ اُترے۔''[1]

دوسری حدیث میں ہے:

> ''(ایک دفعہ کا واقعہ ہے) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مجذوم شخص بیعت ہونے کے لیے حاضر ہوا تو آپؐ نے (اُمت کو سبق دینے کے لیے) اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا بلکہ آپؐ نے یہ فرمایا کہ تم اپنے ہاتھ کو نہ بڑھاؤ۔ بس میں نے تمہیں بیعت کر لیا۔''

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

> ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کسی مجذوم کو لگاتار نہ دیکھا کرے اور جب تم اس قسم کے لوگوں سے گفتگو کرنا چاہو تو یہ یاد رکھو کہ اس کے اور تمہارے درمیان کم از کم ایک نیزہ کا فرق ہونا چاہیے۔''

---

[1] امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ جذام میں ایک خاص قسم کی بو ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کوڑھی کے ساتھ اُٹھنے' بیٹھنے' ایک ساتھ کھانے پینے و ہمبستری میں زیادتی اختیار کرے تو وہ بو اس کو متاثر کر کے بیمار کر دیتی ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص ایسا کھانا کھا لے یا ایسی بو میں پھنس جائے جو اس کے مزاج و طبیعت کے موافق نہ ہو یا اس کا نقصان دینا ظاہر ہو تو وہ شخص اس سے متاثر ہوتا ہے اور مختلف قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ تمام چیزیں محض ایک ظاہری سبب بنتی ہیں۔ حقیقت میں وہ بیماری اللہ کے حکم ہی سے لاحق ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے کوڑھی سے پرہیز کرنا طبی نقطہ نظر اور اصول صحت کی رو سے ہو گا نہ کہ اس کو چھوت سمجھنے کی وجہ سے۔ ۱۲

جذام کے فقہی مسائل

شیخ صلاح الدین عراقیؒ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا **لا یورد ذوعاھۃ علی مصح** (کوئی آفت رسیدہ (مہلک مرض میں مبتلا شخص) کسی تندرست آدمی کے یہاں نہ جائے اس حدیث سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ اگر کسی بچے کی ماں برص یا جذام میں مبتلا ہو تو اس کے ذمے سے حق حضانت (پرورش کا حق) ساقط ہو جاتا ہے اس لیے کہ ماں کے ساتھ رہنے اور اس کا دودھ پینے کی وجہ سے بچے کو برص یا جذام ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے۔

دمیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو عراقیؒ نے لکھا ہے وہ بالکل صاف ہے۔ چنانچہ ابن[1] تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تائید کی ہے اور مالکیہ سے بھی یہی منقول ہے۔ مثلاً اگر کوئی مرض میں مبتلا شخص تندرست وصحت مند لوگوں کے ساتھ مسافر خانے یا سرائے وغیرہ میں رہنا چاہتا ہو تو اس پر پابندی لگادی جائے گی الا یہ کہ خود رہنے والے اجازت دے دیں۔

دوسری صورت میں یہ ہے کہ اگر کوئی مجذوم پہلے ہی سے سرائے وغیرہ میں رہتا ہو بعد میں صحیح وتندرست لوگ قیام کرنے کے لیے آجائیں تو اس جذامی کو ڈرا دھمکا کر نکال باہر کیا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ تندرست اس کا مطالبہ کریں۔

دمیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارے علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر کوئی ایسی باندی ہو جس کا مالک جذامی ہو تو باندی کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنے آقا کو ہم بستری کا موقع نہ دے۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ اگر کسی جذامی آدمی نے اپنی بیوی کو ہمبستری کے معاملہ میں پابند نہ کیا ہو، تاہم ان دونوں میں تفریق کرائی جاسکتی ہے۔ چونکہ بیوی خود مختار ہے اور اس کی خود مختاری کو شریعت اسلامیہ نے اس معاملہ میں تسلیم کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشن گوئی

حدیث میں ہے:

''نبی کریم ﷺ نے ایک عورت سے فرمایا کہ تجھے شیر کھا جائے گا'' چنانچہ شیر نے اُسے لقمہ بنالیا۔

ایک دوسری روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے کہ شیر چنگھاڑتے ہوئے کیا کہتا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ واقف ہیں۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا وہ کہتا ہے خدایا مجھے کسی نیک اور اچھے آدمی پر مسلط نہ فرمائیو۔''

---

[1] ابن تیمیہؒ۔ نام تقی الدین احمد بن شہاب الدین بن تیمیہ حرانی ہے۔ ولادت مقام حران قرب دمشق ۶۶۱ھ مطابق ۱۲۶۳ء وفات ذی قعدہ ۷۲۸ھ میں ہوئی آپ حنبلی مذہب تھے۔ ۶۶۷ھ میں آپ کے والد دمشق منتقل ہوگئے۔ ابن تیمیہ حدیث وقرآن، فقہ وکلام کے زبردست عالم تھے۔ سماع حدیث ابن عبد الرستم اور القاسم اربلی سے کیا۔ آپ کا مطالعہ نہایت وسیع تھا۔ تصانیف میں منہاج السنہ ہے۔ آپ نے اہل باطل کے خلاف زبان وقلم سے جہاد کیا مخالفین نے آپ کو بہت اذیتیں دیں کفر والحاد کے فتوے لگئے اور قید وبند کی صعوبتوں میں آخری ایام گذرے رحمہ اللہ تعالیٰ پر پابندی لگادی تھی۔

شیر کے خوف سے حفاظت کی دُعا

امام ابن سنی نے ایک اثر نقل کیا ہے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب تم کسی ایسی وادی میں ہو جہاں تم کو شیر سے ڈر لگ رہا ہو تو تم یہ پڑھا کرو: **''اعوذ بالدانیال وبالجب من شر الاسد''۔**

حضرت دانیال علیہ السلام کا واقعہ

اس اثر سے اشارہ ملتا ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام ایک گہرے کنوئیں میں ڈال دیئے گئے تھے تو جنگل کے درندے آپ کے پاس آ کر دُم ہلاتے ہوئے پیار و محبت سے بدن کو چاٹنے لگتے۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ[1] آتا اور یہ ندا دیتا: اے دانیال' دانیال! یہ سن کر آپ فرماتے آپ کون ہیں؟ فرشتہ جواب میں کہتا کہ میں تمہارے پروردگار کا فرستادہ ہوں۔ انہوں نے مجھے آپ کی خدمت میں کھانا دے کر بھیجا ہے۔ اس وقت حضرت دانیال علیہ السلام یہ مختصر دُعا پڑھتے:

''الحمد اللّٰہ الذی لا ینسی من ذکرہ الخ'' (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

ابن[2] ابی الدنیا نے ایک دوسری روایت ذکر کی ہے کہ بخت نصر بادشاہ نے دو شیروں کو غضب ناک کر کے ایک کنوئیں میں چھوڑ دیا۔ پھر حکم دیا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کو بھی کنوئیں میں ڈال دیا جائے۔ اس طرح سے آپ مشیت ایزدی کے مطابق ایک طویل عرصے تک کنوئیں میں پڑے رہے۔ چنانچہ آپ کو (بشری تقاضے کے مطابق) کھانے پینے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ارمیاء علیہ السلام کو ملک شام میں وحی بھیجی کہ تم دانیال (علیہ السلام) کے لیے عراق میں کھانے پینے کا انتظام کر کے جاؤ۔ چنانچہ ارمیاء علیہ السلام حکم الٰہی پا کر تشریف لے گئے۔ کنوئیں کی منڈیر پر کھڑے ہو کر ان کا نام لے کر آواز دینے لگے۔ اتنے میں دانیال علیہ السلام کنوئیں کے اندر سے بولے کہ آپ کون ہیں اور کیوں تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں ارمیاء ہوں مجھے آپ کے پروردگار نے بھیجا ہے۔ اس وقت دانیال علیہ السلام نے یہ دُعا پڑھی:

''اَلْحَمْدُ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَنْسٰی مَنْ ذَکَرَہٗ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَا یَغِیْبُ مَنْ رَجَاہُ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ مَنْ وَثَقَ بِہٖ لَا یَکِلُہٗ اِلٰی سِوَاہُ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ یَجْزِیْ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَالْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ یَجْزِیْ

---

[1] فرشتے (ملائکہ) خداوند قدوس کی ایک قسم کی مخلوق ہیں' جس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں مقرر فرما دیا ہے' کرتے رہتے ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے **لا یعصون اللّٰہ ما امرھم و یفعلون ما یومرون** (پ ۲۸: التحریم) کہ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے جس کام کے لیے حکم دیا جاتا ہے فوراً کر گزرتے ہیں۔ فرشتے لطیف جسم کے ہوتے ہیں لوگوں کو نظر نہیں آتے۔ فرشتوں کے موجود ہونے کا ثبوت خود قرآن کریم میں ہے اور احادیث رسول اللہ ﷺ وغیرہ میں بکثرت تذکرے موجود ہیں اس لیے ہر مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ فرشتوں کے وجود کو تسلیم کریں اور ان کو مستقل مخلوق مانیں۔ قرآن کریم اور احادیث میں تو بعض فرشتوں کی تصریح ہے اس لیے اس حقیقت کا انکار الحاد ہے اور نص قرآنی میں تحریفات کرنے کے مترادف ہے۔ بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ قرآن میں فرشتوں کا ذکر چھیاسی آیات میں اٹھاسی مرتبہ آیا ہے۔ ماقبل کی آسمانی کتابوں میں بھی فرشتوں کا ذکر ملتا ہے۔ (قصص القرآن ص ۱۴۱ ج اول)

[2] ابن الدنیا۔ نام ابوبکر عبداللہ بن ابی الدنیا۔ جلیل القدر عالم گزرے ہیں نیز خلیفہ عباسی کے گھر کے لوگوں کی تعلیم و تربیت کے معلم تھے۔ پیدائش ۸۲۳ء میں ہوئی۔ مشہور تصانیف ''الفرج بعد الشدۃ'' اور ''مکارم الاخلاق'' وغیرہ ہیں۔ آپ کی وفات ۸۹۴ء میں ہوئی۔ (المنجد)

بِـالـصَّبْـرِ نَـجَاةً وَ غُفْرَانًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ یَكْشِفُ ضُرَّنَا بَعْدَ كَرْبِنَا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هُوَ ثِقَتُنَا حِیْنَ یَسُوْءُ ظَنُّنَا بِاَعْمَالِنَا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هُوَ رَجَاءُ نَاحِیْنَ تَنْقَطِعُ الْحِیَلُ مِنَّا۔"

یہی واقعہ آپ سے دوسرے طریقے سے بھی منقول ہے کہ دانیال علیہ السلام جس بادشاہ کے زیر حکومت تھے اس کے دربار میں ایک دن نجومیوں اور اہل علم کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور یہ پیشن گوئی کہ فلاں رات میں ایک ایسا لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو آپ کے نظام سلطنت کو درہم برہم کردے گا۔ یہ سنتے ہی بادشاہ نے حکم دیا کہ اس رات میں جو بھی لڑکا پیدا ہو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ جب دانیال علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ کی ماں نے آپ کو شیر کی ایک جھاڑی میں ڈال دیا۔ اتنے میں شیر اور شیرنی دونوں آگئے اور آپ کو زبان سے چاٹنے لگے۔ اس طرح سے خداوند قدوس نے آپ کو ظالم بادشاہ سے حفاظت فرما کر نجات دی۔ پھر بعد میں آپ ان مراحل سے بھی گزرے جن کو اللہ جل شانہ نے مقرر فرمایا تھا۔

یہ بھی مروی ہے کہ ابوعبدالرحمٰن بن ابی الزناد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو بردہ بن ابی موسیٰ الاشعریؓ کے دست مبارک میں ایسی انگوٹھی دیکھی جس کے نگینہ میں آدمی کی تصویر بنی ہوئی تھی جسے دو شیر چاٹ رہے ہیں تو ابو بردہ نے کہا یہ انگوٹھی دانیال علیہ السلام کی ہے جس کو میرے والد محترم نے کسی ایسی جگہ سے حاصل کیا تھا جہاں دانیال علیہ السلام مدفون تھے۔ چنانچہ والد محترم نے اس سلسلے میں شہر کے علماء سے تحقیق کی تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ ہاں اس انگوٹھی میں حضرت دانیال علیہ السلام کا نقشہ ہے جنہیں دو شیر چاٹ رہے ہیں اور یہ اس لیے موجود ہے تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کے انعام واحسان کو فراموش نہ فرمائیں۔

دمیریؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت دانیال علیہ السلام پیدائش اور آخر عمر دونوں مرتبہ آزمائش میں مبتلا کئے گئے پھر آپ دونوں مرتبہ کامیاب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس نعمت سے نوازا کہ آپ کا نام لے کر پناہ مانگنے سے خداوند قدوس موذی درندوں سے حفاظت فرماتے ہیں۔

معاذ[1] بن رفاعۃ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ یحییٰ بن[2] زکریا علیہ السلام دانیال علیہ السلام کی قبر سے گزرے تو انہوں نے آپ کی قبر سے دُعا پڑھنے کی آواز سنی۔ وہ دُعا یہ تھی:

سُبْحَانَ مَنْ تَعَذَّذَ بِالْقُدْرَةِ وَ قَهَرَ الْعِبَادَ بِالْمَوْتِ.

"وہی پاک ذات ہے جو اپنی قدرت سے بندوں پر غالب ہے اور جس نے موت کے ذریعے بندوں کو مجبور بنا رکھا ہے۔"

اتنے میں اس دُعا کے جواب میں غیب سے ایک آواز آئی۔

---

[1] معاذ بن رفاعہ۔ آپ کا نام معاذ بن الحارث بن رفاعۃ الانصاری الزرقی ہے۔ ماں کا نام عفراء تھا جو عبید بن ثعلبہ کی لخت جگر تھیں۔ عبید بن ثعلبہ اور رافع بن مالک دونوں قبیلہ خزرج کے مایہ ناز مسلمان انصاریوں میں سے ہیں۔ غالباً یہ ان کے دونوں بھائی عوف ومعوذ نامی غز ۔ہ بدر میں شہید ہوئے۔ ۱۲

[2] یحییٰ بن زکریا علیہ السلام۔ دیگر آسمانی کتابوں میں آپ کا نام یوحنا المعمدان بتایا گیا ہے۔ غالباً حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل مبعوث کیے گئے۔ جنگل میں زاہدانہ زندگی گزارتے تھے۔ جب آپ کی عمر تیس سال کی ہوگئی تو دریائے اردن پر اللہ تبارک تعالیٰ سے دُعائے استسقاء کرنے کے لیے تشریف لائے اور اسی جگہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی اطلاع دی۔ اسی لیے آپ کا نام "السابق" بھی پڑ گیا۔ آپ بادشاہ ہیرودوس (جس کے وجود کا ۳۷ سال قبل مسیح پتہ چلتا ہے) کے زمانہ میں تھے۔ اسی بادشاہ نے آپ کو رقاصہ سلومہ کے اشارے پر قتل کر دیا تھا۔ یہ اس زمانہ کی مشہور ترین رقاصاؤں میں تھی۔ بادشاہ خاص طور پر اس کے رقص کا مشاہدہ کرتا تھا۔ ۱۲، المنجد

"میں ہی ہوں جس نے اپنی قدرت سے غلبہ پایا اور جس نے موت سے بندوں کو مغلوب کر رکھا ہے جو شخص یہ کلمات پڑھے گا اس کے لیے ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی چیزیں مغفرت کی دُعا کریں گی۔" (المجالس للدینوری)

دانیال علیہ السلام کا زمانہ

آپ بخت نصر مشہور ظالم و جابر بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ حضرت دانیال علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور حکمت سے سرفراز فرمایا تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ بادشاہ نے ان کو اسرائیلی قیدیوں کے ساتھ بند کر دیا تھا لیکن پھر بادشاہ نے خوفناک خواب دیکھا تو وہ گھبرا اُٹھا۔ لوگوں سے تعبیر پوچھی۔ سب نے عاجزی کا اظہار کیا۔ جب آپ سے تعبیر پوچھی تو آپ نے صحیح تعبیر بتلائی۔ بادشاہ کو یہ تعبیر پسند آئی۔ اسی وقت سے بادشاہ نے آپ کا احترام و اکرام کرنا شروع کر دیا۔

مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ دانیال علیہ السلام کی قبر مبارک نہر سویز میں دیکھی گئی ہے۔ چنانچہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قبر کی تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے۔ آپ نے یہ کام بھی انجام دیا کہ نبی علیہ السلام کے جسد اطہر کو نکال کر پھر سے کفنایا۔ نماز جنازہ پڑھ کر نہر سویز ہی میں دفن کر کے آپ کی قبر مبارک پر پانی بہا دیا۔ (المجالس للدینوری)

شیر کا سامنا ہو جائے تو یہ دعا پڑھے

عبدالجبار بن کلیب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سفر میں ابراہیمؒ بن ادہم کے ساتھ تھا۔ اتنے میں میں کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے سے شیر آ رہا ہے تو ابراہیمؒ نے یہ دُعا پڑھنے کی تلقین کی:

اَللّٰھُمَّ احْرُسْنَا بِعَیْنِکَ الَّتِیْ لَا تَنَامُ وَ احْفَظْنَا بِرُکْنِکَ الَّذِیْ لَا یُرَامُ وَارْحَمْنَا بِقُدْرَتِکَ عَلَیْنَا لَا نُھْلَکَ وَ اَنْتَ رِجَاءُ نَا یا اللّٰہ یا اللّٰہ.

شیخ عبدالجبار کہتے ہیں یہ دُعا پڑھتے ہی شیر چلا گیا۔ جب سے میں نے یہ معمول بنا لیا ہے کہ ہر خوفناک معاملے میں اس دُعا کو پڑھتا ہوں تو مجھے بھلائی ہی بھلائی نظر آتی ہے۔

عملیات

بعض محققین نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو خوف یا رنج وغم کی بیماری ہو تو ذیل کی آیات کو لکھ کر پہن لے ان شاء اللہ خوف و رنج جاتا رہے گا۔ اسی طرح دشمن پر غلبہ اور کاموں میں خیر و برکت' نیز امراض باطنیہ سے حفاظت بلکہ ہر جسمانی تکلیف کے لیے مفید ہے۔ ذیل کی یہ دونوں آیات ان خصوصیات کی حامل ہیں کہ ان میں تمام حروف تہجی جمع ہو گئے ہیں۔ اسی طرح ان میں سے کوئی آیت کسی پاک برتن میں لکھ کر عرق گلاب یا زیتون یا تل کے تیل سے دھو کر کسی بھی جسمانی تکلیف مثلاً پھوڑا' پھنسی' مسہ' ریح' اپھارا وغیرہ میں بہت مفید ہے۔ وہ دونوں آیات یہ ہیں:

(۱) ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُعَاسًا یَّغْشٰی طَآئِفَةً مِّنْکُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَھَمَّتْھُمْ اَنْفُسُھُمْ یَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاھِلِیَّةِ یَقُوْلُوْنَ ھَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّهٗ لِلّٰہِ یُخْفُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِھِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَکَ یَقُوْلُوْنَ لَوْ کَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا ھٰھُنَا قُلْ لَّوْ کُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِکُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ کُتِبَ عَلَیْھِمُ الْقَتْلُ اِلٰی مَضَاجِعِھِمْ وَلِیَبْتَلِیَ اللّٰہُ مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (پ۴: آل عمران)

(۲) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا (پ۲۶: الفتح)

ایک بادشاہ کی توبہ

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بادشاہ اپنی سلطنت میں گشت کرتے ہوئے ایک بستی میں پہنچا تو بادشاہ کو پیاس محسوس ہوئی تو اس نے ایک دروازے پر پہنچ کر پانی مانگا۔ اتنے میں وہ دیکھتا ہے کہ ایک خوب صورت عورت کوزے میں پانی لے کر آ رہی ہے۔ بادشاہ اس عورت کو دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا اور اسے پھسلانا شروع کر دیا۔ اتفاق سے عورت اس بادشاہ سے واقف تھی۔ جب اسے یہ یقین ہو گیا کہ وہ اپنے آپ کو بادشاہ سے نہیں بچا سکتی تو وہ عورت گھر میں گئی اور ایک کتاب نکال کر لے آئی اور یہ کہہ کر چلی گئی کہ آپ اس کتاب کو غور سے پڑھئے تاکہ آپ اپنے اس ارادے میں سدھار پیدا کر سکیں۔

بادشاہ کتاب کا مطالعہ کرنے لگا۔ اچانک اس کی نگاہ آیت زنا پر پڑی جس میں زانی اور زانیہ کے بارے میں زجر و توبیخ کا ذکر تھا اور زنا کرنے والوں کے لیے آخرت میں دردناک عذاب کی دھمکی تھی۔ یہ دیکھتے ہی بادشاہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ اس نے توبہ کی اور گناہ سے باز رہنے کا ارادہ کر لیا۔ عورت کو بلا کر کتاب اس کے حوالے کر دی اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔

اس واقعہ کے دوران عورت کا شوہر گھر میں نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب شوہر آیا تو عورت نے اس کو ماجرا سنایا۔ چنانچہ وہ انگشت بدنداں ہوا اور اسے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں بادشاہ کی خواہش واقعی یہ نہ رہی ہو۔ لیکن وہ عورت پر جرأت نہ کر سکا۔ چنانچہ شوہر کچھ دن تک غور و فکر کرتا رہا۔ عورت نے یہ کام کیا کہ شوہر کی موجودگی میں اقارب کے سامنے یہ واقعہ بتایا۔ تمام رشتہ داروں نے فیصلہ کیا کہ اس مقدمے کو بادشاہ کی خدمت میں ہی کیوں نہ لے چلیں۔ چنانچہ وہ حاضر ہوئے۔

سب سے پہلے انہوں نے آداب شاہی بجالاتے ہوئے کہا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بادشاہ کو سلامت رکھے۔ پھر رشتہ داروں نے کہا: "اے بادشاہ معظم! اس (شوہر) نے ہم سے کرایہ پر کھیتی کے لیے زمین لی ہے۔ معاہدے کے مطابق کھیتی کی۔ پھر ہماری زمین کو معطل کر رکھا ہے اور حال یہ ہے کہ نہ خود کھیتی کرتا ہے نہ ہماری زمین واپس کرتا ہے' حالانکہ زمین خالی پڑی رہنے کی وجہ سے بے کار ہو جاتی ہے۔

بادشاہ نے یہ سن کر (شوہر سے) کہا تم کو زمین میں کھیتی کرنے سے کون روکتا ہے؟ شوہر نے جواب دیا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ میری زمین میں ایک شیر رہنے لگا ہے۔ مجھے اس سے خطرہ ہے اور اس سے قریب ہونے کی ہمت نہیں پڑتی چونکہ میں جانتا ہوں کہ مجھ میں شیر سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ بس یہ سنتے ہی بادشاہ واقعہ سمجھ گیا۔ اس سوال و جواب کے بعد بادشاہ نے شوہر سے کہا دیکھو تمہاری زمین تو اچھی ہے کھیتی کے لائق ہے جاؤ اور کھیتی کرو۔ اب شیر تمہاری زمین میں کبھی نہیں آئے گا۔ پھر بادشاہ نے اسے اور اس کی بیوی کو انعام دیئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔

ایک اور واقعہ

مورخ ابن[1] خلکان لکھتے ہیں کہ جس وقت مازیار بادشاہ معتصم باللہ کے دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے اس پر غم و غصہ کا اظہار کیا۔

---

[1] "ابن خلکان" نام شمس الدین بن خلکان الاربلی الشافعی ہے۔ پیدائش ۶۰۸ھ مقام اربل مدرسہ مظفر الدین بن زین الدین میں ہوئی۔ ان کے والد ←

لوگوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا۔ آپ ان کے بارے میں جلدی نہ فرمائیں اس لیے کہ مازیار ایک اعلیٰ درجہ کے مال دار آدمی ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ نے ابوتمام کا یہ شعر پڑھا ؎

ان الاسود اسود الغاب همتها   یوم الکریهة فی المسلوب لاالسلب

ترجمہ: ''واقعی جنگ کے دن شیروں (بہادروں) کا مقصد مال و متاع کی وجہ سے حملہ کرنا نہیں ہوتا بلکہ ان کا نشانہ تو مال والا ہوتا ہے۔''

خالد الکاتب نے بھی عمدہ اشعار کہے ہیں ؎

علم الغیث الندی حتی اذا   ماوعاه علم الباس الاسد

ترجمہ: ''(ممدوح نے) بارش کو سخاوت کا سبق سکھایا۔ جب بارش نے یہ سبق یاد کرلیا تو (اسی ممدوح نے) شیروں کو بہادری کی تعلیم دی۔''

فاذا الغیث مقر بالندی   واذا اللیث مقربالجلد

ترجمہ: یہی وجہ ہے کہ بارش اس کی معترف ہے اور شیر اس کی بہادری کا اقرار کرتے ہیں ؎

ظفر الحب بقلب دنف   بک والسقم بجسم ناحل

ترجمہ: ''محبت اس دل کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی جو تیری محبت میں بیمار تھا اور بیماریاں ایک کمزور جسم کو حاصل کرنے میں کامیاب رہیں۔''

وبکی العاذل لی من رحمتی   فبکائی لبکاء العاذل

ترجمہ: ''تو ملامت کنندہ مجھ پر رحم کھاتے ہوئے روئے اور میں ان ملامت کرنے والوں کے رونے پر رویا۔''

فائدہ: خالد الکاتب مشائخ میں ہیں، بیگن کے موسم میں آپ پر سودائیت غالب آجاتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے بچے پیچھا کر کے آپ کا نام لے کر پریشان کرتے تو خالد معتصم باللہ کے محل میں پہنچ کر بچوں سے کہتے کہ بھائی میں سرد مزاج کیسے ہوسکتا ہوں۔ میرا حال تو یہ ہے ؎

بکی عاذلی من رحمتی فرحمته   وکم مسعد من مثله و معین

ترجمہ: ''مجھ پر ملامت کرنے والی میری نرمی کی وجہ سے رو پڑتے تو میں نے ان پر رحم کھایا اور ان جیسے میرے معین و مددگار کتنے ہی ہیں۔''

⟵ اسی مدرسے میں صدر مدرس کے عہدے پر فائز تھے۔ یہ فقہ اور تاریخ میں دسترس رکھتے تھے۔ چنانچہ اسی لیے انہیں قاضی ابن صائغ کو معزول کر کے قاضی القضاۃ بنایا گیا لیکن بعد میں برطرف کردیا گیا اور دوبارہ ابن الصائغ کو یہ عہدہ دیا گیا۔ پھر دوبارہ ابن الصائغ کو معزول کر کے انہی کو متعین کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کو مدرسۃ النجیبہ کا مدرس بنالیا گیا۔

ابن کثیرؒ نے البدایہ میں لکھا ہے کہ آپ کی تعلیم حلب، دمشق اور قاہرہ وغیرہ میں مکمل ہوئی۔ نیز تحریر و تقریر دونوں چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل قدرت سے نوازا تھا۔ میں نے بعض اساتذہ سے سنا ہے کہ یہ اکثر اپنے کلام میں لفظ کان کا استعمال کرتے۔ اس لیے اہل علم انہیں توجہ دلاتے کہ کان کا استعمال چھوڑ دیجئے۔ اسی کو عربی میں خل کان سے سے تعبیر کردیا گیا ہے۔ خدا کی مشیت کہ یہ اسی نام سے مشہور ہوگئے۔ مشہور تصانیف میں ''وفیات الاعیان' و انباء ابناء الزمان'' ہے۔ وفات یوم شنبہ ۲۷/ رجب ۶۸۱ھ میں ۷۳ سال کی عمر میں ہوئی۔ (وفیات الاعیان)

ورقت دموع العین حتی کانھا دموع دموعی لا دموع جفونی

ترجمہ: ''اور جب آنکھ سے آنسو بہنے لگے تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ یہ میری آنکھوں کے آنسو نہیں بلکہ آنسوؤں کے آنسو ہیں۔''

(وفیات الاعیان)

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ

مورخین نے لکھا ہے کہ نوح علیہ السلام نے انگور کی بیل لگائی۔ ایک دن ابلیس آیا اور اس نے اس میں پھونک ماری تو بیل سوکھ گئی۔ یہ ماجرا دیکھ کر آپ رنجیدہ ہو گئے۔ پھر آپ کی خدمت میں ابلیس آیا اور بولا: اے اللہ کے نبی! آپ رنجیدہ کیوں نظر آ رہے ہیں۔ آپ نے واقعہ سنایا۔ اس پر ابلیس نے یہ مشورہ دیا کہ اگر اس بیل کو سرسبز و شاداب دیکھنا چاہتے ہیں تو میرے مشورے پر عمل کیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس بیل پر شیر، چیتا، ریچھ، گیدڑ، کتا، لومڑی، مرغ، سات جانوروں کا خون بھینٹ کے طور پر چڑھا دوں۔ اس عمل سے مجھے یقین ہے کہ یہ بیل پھر سے سرسبز ہو جائے گی۔ آپ نے اسے اجازت دے دی اور یہ اجازت لاعلمی کی وجہ سے تھی۔ چونکہ نوح علیہ السلام کو اس وقت بھینٹ چڑھانے کی حرمت معلوم نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ ابلیس نے ان ساتوں جانوروں کا خون انگور کی بیل پر چڑھایا۔ اچانک وہ سبز ہونے لگی بلکہ خون ڈالنے سے اتنا فائدہ ہوا کہ ہمیشہ بیل میں ایک ہی قسم کے انگور لگتے تھے لیکن اس بار سات قسم کے انگور آ گئے۔ اسی وجہ سے شرابی شیر کی طرح بہادر، ریچھ کی طرح طاقت ور، چیتے جیسا غصہ ور، گیدڑ کی طرح بھونکنے والا، کتے کی طرح جھگڑالو، لومڑی کی طرح چاپلوس اور مرغ کی طرح چیختا رہتا ہے۔

اسی زمانے سے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر شراب حرام کر دی گئی۔ (روضۃ العلماء)

نوح[1] علیہ السلام کا نام عبدالجبار ہے اور آپ کے بھائی کا نام صابی بن لامک ہے۔ صابئین کا دین و مذہب انہی کی طرف منسوب ہے۔ اہل علم نے لکھا ہے کہ آپ اپنی اُمت کو ایک طویل مدت تک دین کی دعوت دیتے رہے۔ اس کے باوجود کم لوگ مسلمان ہوئے تو آپ اُمت پر نوحہ کیا کرتے اس لیے آپ کا نام نوح پڑ گیا۔

---

[1] ''نوح علیہ السلام'' سب سے پہلے نبی ہیں جن کو رسالت سے نوازا گیا۔ چنانچہ ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے ''یَا نُوْحُ اَنْتَ اَوَّلُ الرُّسُلِ اِلَی الْاَرْضِ۔'' ''مسلم باب الشفاعۃ'' اے نوح تم زمین میں پہلے رسول بنائے گئے ہو۔ علمائے انساب نے آپ کا نسب نامہ یوں بیان کیا ہے: نوح بن لامک بن متوشالح بن اخنوخ یا خنوخ بن یارد بن مہلیل بن قینان بن انوش بن شیث علیہ السلام بن آدم علیہ السلام۔ قرآن کریم نے نوح علیہ السلام کا تذکرہ تینتالیس جگہ کیا۔ نیز ان کی عمر کی تصریح بھی کی ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا۔ (عنکبوت) گویا ساڑھے نوسو سال کی طویل عمر پائی۔

ابومسلم خراسانی کے واقعات

عبدالرحمٰن بن مسلم جوابومسلم خراسانی[1] کے نام سے زیادہ مشہور ہے بنواُمیہ سے جنگ کے بعد ہروقت ذیل کے اشعار پڑھا کرتا تھا۔

ادرکت بالحزم والکتمان ماعجزت   عنه ملوک بنی مروان اذحشدوا

ترجمہ: ''میں نے احتیاط اورراز داری کا وہ مقام حاصل کرلیا ہے جس سے کہ بنومروان کے سارے بادشاہ یکجا ہوکربھی نہیں کرسکتے تھے۔''

مازلت اسعی بجهدی فی دمارهم   والقوم فی غفلة بالشام قد رقدوا

ترجمہ: ''میں انہیں تباہ وبرباد کرنے کی برابرکوششیں کرتا رہا اوردشمن ملک شام میں غافل سورہے تھے۔''

حتی ضربتهموا بالسیف فانتبهوا!   من نومة لم ینمها قبلهم احد

ترجمہ: ''آخرکاران پرمیں نے تلوار کا وار کیا تووہ ایسی نیند سے بیدار ہوئے کہ اس سے پہلے کوئی بھی اس طرح نہیں سویا تھا۔''

ومن رعی غنما فی ارض مسبعة   ونام عنها تولی رعیها الاسد

ترجمہ: ''اور جو چرواہا درندوں والی زمین میں بےخبری سے بکریوں کو چراتا ہے اور غفلت برتنے لگتا ہے تو اس کے جانوروں کی تولیت شیروں کی طرف منتقل ہوجاتی ہے۔''

ابن خلکان کہتے ہیں کہ ابوالعباس السفاح ابومسلم خراسانی کا بہت احترام کرتا لیکن جب سفاح کا انتقال ہوگیا پھراس کے بعد اس کے بھائی منصور[2] کوخلیفہ بنایا گیا تو اس کی خلافت کے دوران ابومسلم خراسانی سے کچھ ایسے امور سرزد ہوئے جس سے خلیفہ منصور بھڑک

---

[1] ابوالعباس السفاح۔ اس کا پورا نام سفاح عبداللہ بن محمد تھا۔ ابوالعباس کنیت تھی۔ ۱۰۴ھ یا ۱۰۸ھ میں پیدا ہوا اور یہ خلفائے عباسیہ کا سب سے پہلا خلیفہ گزرا ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے مسند سے حضرت ابوسعید خدری کی حدیث لکھی ہے کہ فتنہ وفساد کے زمانے میں اُمت میں ایک شخص جس کا نام سفاح ہے پیدا ہوگا' وہ لوگوں میں مال ودولت تقسیم کرے گا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ یہ کئی بھائی تھے۔ جب ابراہیم بن محمد سے لوگ بیعت ہونے لگے تو مروان بن محمد نے ان کو قتل کرادیا۔ اس واقعہ کے بعد لوگ ابراہیم کے بھائی عبداللہ سفاح کے اردگرد بیعت ہونے کے لیے جمع ہوگئے۔ چنانچہ اس نے ۱۳۲ھ میں اپنی خلافت کا اعلان کردیا۔ مورخ صولی کے بیان کے مطابق سفاح سخی اور وعدے کا پکا آدمی تھا۔ خون ریزی کو دیکھنا پسند کرتا اور پیش قدمی بھی کرتا۔ اسی لیے اس کے عملے نے ظلم وستم کا بازار گرم کردیا تھا۔ اسی وجہ سے اس کا نام سفاح پڑ گیا۔ اس کا انتقال نئے دارالسلطنت انبار کے مقام پر چیچک میں مبتلا ہوکر ذی الحجہ ۱۳۶ھ میں ہوا۔

[2] منصور۔ اس بادشاہ کا پورا نام منصور ابوجعفر ہے۔ خلفائے عباسیہ کا دوسرا خلیفہ تھا۔ ۹۵ھ میں پیدا ہوا۔ اس کو اس کے بھائی سفاح نے ولی عہد خلافت مقرر کیا۔ خلیفہ منصور بنوعباس میں سب سے زیادہ پُرہیبت' بہادر' مستقل مزاج' صاحب الرائے' دولت جمع کرنے والا' کھیل کود سے متنفر' نہایت عقل مند' علم وادب کا گہوارہ اور فقیہہ وعالم تھا۔ اس نے مخلوق خدا کو بکثرت قتل کرکے اپنی حکومت کو مستحکم بنایا اور منصور ہی وہ ہے جس نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو قاضی وجج بنانے کے سلسلے میں جیل خانہ بھجوادیا جہاں آپ نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ بعض نے لکھا ہے کہ منصور فصیح وبلیغ آدمی تھا' حکومت اس کی فطرت تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ بڑا حریص اور بخیل بھی تھا۔ ماتحتوں سے ایک ایک پیسہ کا حساب لے لیا کرتا تھا۔ اسی لیے لوگ اسے ابوالدوانیق کہنے لگے تھے۔

خطیب وابن عساکر وضحاک وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت میں منصور' القائم' سفاح اور مہدی پیدا ہوں گے۔ جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ القائم کے عہد خلافت میں تو ذرا بھی خون نہیں بہے گا۔ منصور کی رائے کبھی تبدیل نہیں ہوگی اور سفاح دولت لٹائے گا اور خون بہائے گا۔ لیکن مہدی اپنی خلافت کے دوران ملک کو عدل وانصاف سے مالا مال کردے گا۔ جس طرح کہ اس سے پہلے پورا ملک ظلم وستم سے بھرا ہوا تھا۔ امام ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ منصور کے زمانہ میں اسلامی ملکوں میں تدوین حدیث وغیرہ کا سلسلہ شروع ہوا اور ملک میں ہرقسم کی ترقی ہوئی۔ انتقال ۱۵۸ھ مطابق ۷۷۵ء ذی الحجہ مقام بطن میں ہوا۔

اُٹھااور ایسا ناراض ہوا کہ اس نے خراسانی کے قتل کا عزم کرلیا۔ منصور پریشان تھااور ہم نشینوں سے مشورہ کے باوجود کسی فیصلہ پر قادر نہ ہو سکا۔

ایک دن خلیفہ منصور نے مسلم بن قتیبہ سے مشورہ لیتے ہوئے کہا کہ آپ مجھے ابو مسلم کے بارے میں کیا رائے دیتے ہیں؟ مسلم بن قتیبہ نے جواب دیا کہ امیر المومنین ''لَوْ کَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا'' یہ اشارہ ہے کہ اگر سلطنت میں کئی بادشاہ ہوئے تو نظام حکومت درہم برہم ہو جائے گا۔

خلیفہ منصور یہ سنتے ہی کہنے لگا اے ابن قتیبہ تم نے مجھے بہت عمدہ مشورہ دیا۔ اب میں عقل مندی اور ہوشیاری سے کام لوں گا۔ چنانچہ منصور اس کے بعد سے ابو مسلم کی گھات میں لگا رہا اور اسے برابر دھوکہ دیتا رہا۔ آخر کار ایک دن منصور نے مدائن پہنچ کر ابو مسلم کے قتل کی منظم سازش کی اور اسے طلب کرلیا۔ خلیفہ نے لوگوں کو یہ سکھلا دیا تھا کہ جس وقت میں اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگوں تو تم لوگ حملہ کر دینا۔

جب ابو مسلم کو خلیفہ منصور کے دربار میں حاضر کیا گیا تو خلیفہ ان کے نقائص بیان کر کے ملامت کرنے لگا۔ اتنے میں منصور نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو لوگ ابو مسلم پر جھپٹ پڑے اور یہ چیخ کر کہنے لگا اے امیر المومنین کیا آپ مجھے دشمنوں کے ہاتھوں میں دینا چاہتے ہیں؟ خلیفہ منصور نے کہا: اللہ کے دشمن تم سے بھی بڑا کوئی دشمن ہے۔

جب ابو مسلم کو قتل کر دیا گیا تو اس کے تمام افراد مشتعل ہو گئے۔ خلیفہ منصور نے یہ چال چلی کہ ہزار ہا درا ہم و دنا نیر اُن کے حامیوں پر لُٹانے کا حکم دیا۔ اس پر وہ سب خاموش ہو گئے۔ پھر خلیفہ منصور نے ابو مسلم کے سر کو جدا کر کے اس کے ساتھیوں کے سامنے ڈال دیا۔ اس کے بعد ایک کپڑے میں لپیٹ دیا۔ یہ ہنگامہ ہو جانے کے بعد جعفر بن حنظلہ تشریف لائے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ابو مسلم کا سر ایک کپڑے میں لپٹا ہوا پڑا ہے تو بولے کہ امیر المومنین اب آج سے آپ کی خلافت کا پہلا دن شروع ہوتا ہے۔ خلیفہ منصور نے منظر کشی کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

فالقت عصاها واستقربها النوی   کما قرعینا بالایاب المسافر

ترجمہ: ''(محبوبہ نے) تھک کر اپنی لاٹھی ٹیک دی ہے اور فراق اس کی طبیعت میں جاگزین ہو گیا جس طرح کہ مسافر واپس آ کر سکون کا سانس لیتا ہے۔''

ابو مسلم کا سر کپڑے میں لپٹا پڑا ہوا تھا۔ اس حالت میں منصور نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ؎

زعمت ان الدین لا یقتضی   فاستوف بالکیل ابا مجرم

ترجمہ: ''تم یہ خیال کرتے تھے کہ قرضہ نہ اُتر پائے گا تو جناب ابو مجرم (جاؤ دیکھو) تول کر پورا حق وصول کرو''

اشرب بکاس کنت تسقی بها   اَمرُّ فی الحلق من العلقم

ترجمہ: ''تم جس پیالے میں دوسروں کو پلایا کرتے تھے اسی میں پی کر دیکھو تو وہ حلق میں ایلوے سے زیادہ کڑوا معلوم ہوگا۔''

ابو مسلم خراسانی کو لوگ ابو مجرم بھی کہا کرتے تھے چنانچہ ابو دلامہ شاعر نے کہا ہے: ؎

ابا مجرم ما غیر اللّٰه نعمة   علٰی عبده حتی یغیرها العبد

ترجمہ: ''اے ابو مجرم! اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنے بندے سے نعمت کو اس وقت تک نہیں چھینتا جب تک کہ بندہ خود بے قدری نہ کرنے لگے۔''

افی دولة المنصور حاولت غدره الا ان اهل الغدر آباءک الکرد

ترجمہ: ''(اے ابو مجرم) کیا تم منصور کی سلطنت میں غداری کرنا چاہتے ہو۔ یاد رکھو تمہارے آباؤ اجداد کرد ہی غداری کر سکتے ہیں۔''

ابا مجرم خوفتنی القتل فانتحی علیک بما خوفتنی الاسد الورد

ترجمہ: ''اے ابو مجرم تو نے مجھے قتل کی دھمکی دی تھی تو جس (بہادر) شیر سے مجھے ڈراتا تھا وہ تیرے ہی طرف رُخ کر لیا ہے۔''

خلیفہ منصور نے ابو مسلم کو قتل کرنے کے بعد لوگوں کے سامنے ایک تقریر کی۔ اس میں اس نے یہ کہا کہ واقعی ابو مسلم ابتداء میں تو نیک آدمی تھا لیکن آخر میں بُرا ہو گیا۔ پھر خلیفہ نے نابغہ ذبیانی کے ان اشعار کی تحسین کرتے ہوئے جو اس نے نعمان بن منذر کے بارے میں کہے تھے پڑھ کر اپنی تقریر ختم کی ؎

فمن اطاعک فانفعه لطاعتک کما اطاعک وادله علی الرشد

ترجمہ: ''اگر کوئی تمہارا کہنا مانتا ہو تو تم اسے فرماں بردار ہونے کی بناء پر فائدہ پہنچاؤ اور اسے ٹھیک راستے پر لگا دو۔''

ومن عصاک فعاقبه معا قبة کما تنهی الظلوم ولا تقعد علی ظمد

ترجمہ: ''اور جو تمہاری نافرمانی کرے تو اسے ایسی سزا دو جس سے ظلم کرنے والا باز آ جائے۔ کینہ لیے ہوئے بیٹھنا درست نہیں ہے۔

ابو مسلم خراسانی کے حالات

ابو مسلم خراسانی کے قتل کا واقعہ ماہ شعبان ۱۳۶ھ یا ۱۳۷ھ میں پیش آیا۔ مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ ابو مسلم سے حدیث کا سماع ثابت ہے۔ علماء و محدثین نے اس سے روایت بھی کی۔ اس ابو مسلم خراسانی کے بارے میں مشہور ہے کہ ایک دن خطبہ دے رہا تھا' اسی دوران ایک آدمی نے کھڑے ہو کر یہ کہا کہ یہ آپ کے سر پر کالا کپڑا کیسا ہے؟ تو بولا:

''مجھ سے ابو الزبیر نے اور ان سے جابر بن عبداللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر کالے رنگ کا عمامہ تھا۔ یہ لباس شاہی اور بارُعب قسم کے ہوا کرتے ہیں۔ یہ جواب دے کر اپنے غلام سے کہا کہ اے لڑکے اس کی گردن اڑا دو۔'' (رواہ الامام مسلمؒ)

ابن رفعہ کہتے ہیں کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:

''نبی کریم ﷺ منبر پر تشریف لے گئے تو آپؐ کے سر مبارک پر کالے رنگ کا عمامہ بندھا ہوا تھا اور اس کا شملہ آپؐ کے دونوں کاندھوں کے درمیان لٹک رہا تھا۔'' (مسلم)

ابن رفعہ کہتے ہیں کہ اسی وقت سے بنو عباس نے یہ طریقہ اپنایا ہے کہ خطبہ دیتے وقت کالا عمامہ ضرور باندھ لیا کرتے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ابو مسلم خراسانی نے جن لوگوں کو میدان کارزار یا قید کر کے بے گناہ قتل کیا ہے ان کی تعداد چھ لاکھ کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ (وفیات الاعیان)

علماء انساب نے اس کے نسب کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ عربی النسل تھا۔ بعض نے عجمی اور کچھ لوگوں نے

کر دقبیلہ کا ایک فرد بتایا ہے۔اسی کے ساتھ اہل علم نے خراسانی کے بارے میں عبداللہ بن مبارکؒ کا انٹرویو نقل کیا ہے کہ آپ سے کسی نے یہ سوال کیا کہ آپ کے خیال میں ابومسلم خراسانی اچھا تھا یا حجاج ابو مسلم سے زیادہ شرانگیز تھا۔(وفیات الاعیان)

ابومسلم خراسانی کے علم میں سلاست وروانی اعلیٰ درجہ کی تھی اور وہ حسن تدبیر کی نعمت سے بھی مالا مال تھا۔اس کو کسی سے مذاق کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا اور نہ اس کے چہرے پر خوشی وانبساط کے آثار نمایاں تھے اور نہ ہی جلدی سے غصہ ہوتا۔اس کا معمول تھا کہ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ اپنی اہلیہ کے پاس جاتا۔اس کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ کسی نے اس سے پوچھا کہ آپ نے بنوامیہ سے کیوں بغاوت کی؟ بولا کہ بنوامیہ نے اپنے دوست واقارب پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے آپ کو بہت دور کرلیا تھا۔انہوں نے دشمنوں کو مانوس کر کے قریب کرنا چاہا لیکن ہوا یہ کہ نہ دشمن دوست بن سکے بلکہ دوست واقارب دشمن ہو گئے۔یہ بھی مشہور ہے کہ ابومسلم بنوامیہ کے استیصال کرنے میں زیادہ ساعی رہا اور بنوعباس کی حکومت کو قائم کرنے اور اسی خاندان سے خلیفہ بنانے کی کوشش کی اور بنوعباس ہی کی خلافت کی داغ بیل ڈالی۔

خلیفہ منصور کا ایک دلچسپ جواب

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جب منصور نے ابن ہبیرہ کا محاصرہ کیا تو منصور نے کہا ابو ہبیرہ خود ہی اپنی عورتوں کے لیے خندق کھودرہا ہے۔جب یہ بات ابوہبیرہ کو معلوم ہوئی تو اس نے منصور سے کہلایا کہ جو میرے بارے میں یہ بات کہی ہے تو چلئے اسی بات پر آپ کا اور میرا مقابلہ ہو جائے۔منصور نے ابوہبیرہ کے پاس یہ جواب بھیجا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک مرتبہ شیر کی مڈبھیڑ ایک خنزیر سے ہوگئی۔خنزیر نے کہا آؤ مجھ سے مقابلہ کرلو۔شیر نے جواب دیا کہ میں تمہارے سامنے مقابلہ کے لیے کیسے آسکتا ہوں جب کہ تو میرے برابر نہیں ہے۔اگر تو نے میرا کوئی نقصان کر دیا تو میرے لئے شرمندگی ہوگی۔لیکن اگر میں نے تجھے پچھاڑ دیا تو کہے گا کہ میں خنزیر ہوں (میرا اور تیرا کیا مقابلہ) تو اس میں نہ تو مجھے داد تحسین ملے گی اور نہ ہی قتل کرنے میں کوئی فخر ہوگا۔خنزیر نے کہا اگر تو میرے مقابلے کے لیے نہیں نکلتا تو میں تمام درندوں سے بتادوں گا کہ شیر میرے مقابلہ کے لیے نہیں آیا' بزدل ہے۔شیر نے جواب دیا' تیرے جھوٹ بولنے کی عار کو برداشت کرنا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ میرے ہاتھ تیرے خون سے رنگین ہوں۔(البدایہ والنہایہ)

شیر کا شرعی حکم

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ' شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد ظاہری بلکہ جمہور علماء کے خیال میں شیر کا گوشت حرام ہے۔ان سب حضرات کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''درندوں میں جو جانور کچلی والا ہو (یعنی دانت سے اپنا شکار پکڑتا ہو) اس کا کھانا حرام ہے۔''

اس پر دمیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ (شوافع) کی رائے میں ذی ناب (کچلی والا) سے مراد وہ جانور ہیں جو اپنے کچلی کے دانتوں سے قوت پا کر شکار کرتے ہیں۔لیکن ماوردی لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ ذی ناب سے مراد وہ جانور ہیں جن کے کچلی کے دانت مضبوط اور توانا ہوں اور جن کے ذریعے وہ دوسرے جانوروں پر حملہ کر دیتے ہوں گویا ان کے نزدیک کچلی کے دانتوں سے حملہ کرنا حرمت کی علت ہے۔

ابواسحق المروزی نے لکھا ہے کہ جن جانوروں کی زندگی ان کے کچلی کے دانتوں پر منحصر ہو ان کو ذی ناب کہیں گے اور یہی حرام ہونے کی علت ہے۔مگر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہماری تحقیق ہے کہ ذی ناب وہ جانور ہیں جو اپنے کچلی کے دانتوں کے ذریعہ

شکار کرتے ہوں چاہے وہ ابتداء حملہ نہ کرتے ہوں۔ اسی طرح وہ جانور بغیر کچلی کے دانتوں کے بھی زندہ رہ سکتے ہوں۔ فقہاء نے یہ کل تین علتیں بیان کی ہیں۔

ان علتوں میں عام علت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ متوسط علت امام شافعی علیہ الرحمہ کی اور خاص قسم علت ابواسحاق المروزی کی ہے۔ چنانچہ پہلی دو علتوں کی بناء پر ضبع (لگڑ بگڑ، ہنڈار) حلال معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ضبع اپنے آپ کو بظاہر یہ دکھاتا ہے کہ وہ سو رہا ہے لیکن سامنے آنے والے جانور کو وہ فوراً شکار بنالیتا ہے اور تنہا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی علت کی بناء پر تمام بلیاں حلال ہو جاتی ہیں۔ اس لیے کہ بلی اپنے کچلی کے دانتوں سے تقویت نہیں لیتی اگرچہ بلی کا مقصود شکار ہوتا ہے۔ شاید یہ بات اس لیے ہوتی ہو کہ بلی کے کچلی کے دانت کمزور ہوتے ہیں۔ لیکن امام شافعی علیہ الرحمہ کے دوسرے ہم خیال بلی کی حرمت کو اپنا مذہب قرار دیتے ہیں (اس پر مزید بحث عنقریب باب السین میں آتی ہے) نیز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ علت کی وجہ سے گیدڑ بھی حلال ہوگا۔ چونکہ وہ حملہ کر کے ابتداء نہیں کرتا۔ لیکن ابواسحاق المروزی کی علت کے مطابق گیدڑ حرام ہے۔ اس لیے کہ وہ کچلی کے دانتوں کے ہی بل بوتے پر زندہ رہتا ہے اور یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ ہر کچلی والے جانور کو مکروہ قرار دیتے ہیں حرام نہیں کہتے۔ انہوں نے قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ. (الانعام پ. ع۵)

آپ کہہ دیجئے کہ جو احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لیے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار جانور ہو یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ خنزیر ناپاک ہے۔"

اس پر دمیریؒ کا خیال ہے کہ ہمارے اصحاب شوافع کے نزدیک یہی حدیث جس میں یہ مضمون ہے کہ "ہر کچلی والے درندے کا گوشت حرام ہے۔" مستدل ہے۔

اور امام مالکؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آیت میں تو صرف اس بات کی خبر دی جارہی ہے کہ اس وقت آیت میں مذکورہ چیزوں کے علاوہ اور دیگر چیزیں حرام نہیں تھیں۔ پھر بعد میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بتایا گیا کہ ہر کچلی والا درندہ حرام ہے اس لیے اس حدیث پر عمل کرنا ضروری ہو گیا۔ نیز ہمارے امام اپنے مسلک کی تائید میں کہتے ہیں کہ دیکھئے عرب لوگ شیر، بھیڑیا، کتا، چیتا، ریچھ وغیرہ نہیں کھاتے اور نہ ہی سانپ، بچھو، چوہا، چیل، کوا، گدھ، شکرہ اور بغاث[1] وغیرہ کھاتے ہیں۔

شیر کی خرید و فروخت نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے کہ اس سے کسی قسم کا نفع اُٹھانا ناجائز ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اس کے شکار کیے ہوئے کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

امثال

اہل عرب کا دستور ہے کہ وہ کثرت سے جانوروں کو بطور ضرب الامثال استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے اگر وہ کسی کی تعریف کر رہے ہوں یا مذمت تو اس مضمون کو بغیر جانوروں سے مثال دیئے ہوئے نامکمل سمجھتے ہیں۔ شاید وجہ یہ ہو کہ عرب اپنی زندگی درندوں کی جھاڑیوں،

---

[1] بغاث۔ سبزی مائل سفید رنگ کا ایک پرندہ ہوتا ہے جو گدھ سے چھوٹا ہوتا ہے اور اُڑنے میں سست ہوتا ہے۔ (مصباح اللغات)

کیڑے مکوڑوں اور سانپوں کے قریب گزارتے تھے۔ اسی ماحول میں وہ رہ کر ڈھلتے تھے۔ اسی لیے وہ جانوروں سے مثال دینے کے عادی ہو گئے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ:

''عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سے سنی ہوئی تقریباً ایک ہزار ضرب الامثال مجھے محفوظ ہیں۔''

(رواہ احمد باسناد حسن)

اسی لیے حسن بن عبداللہ العسکری نے اپنی کتاب ''الامثال'' میں تقریباً ایک ہزار احادیث اس قسم کی ذکر کی ہیں جن میں مثالیں اور کہاوتیں ہیں۔ انہی احادیث میں بعض وہ بھی ہیں جو شیر سے متعلق مثالیں ہیں۔ جس طرح کہ عرب کہتے ہیں:

هو اكرم من الاسد. هو ابخر من الاسد هو اكبر من الاسد هو اشجع من الاسد هو اجرأ من الاسد.

''وہ شیر سے زیادہ شریف ہے۔ وہ شیر سے زیادہ گندہ دہن ہے (منہ کا گندہ ہے) وہ شیر سے زیادہ طویل العمر ہے (کبیر السن ہے) وہ شیر سے زیادہ بہادر ہے۔ وہ شیر سے زیادہ دلیر ہے۔''

ایسے ہی عرب شیر سے ڈرنے کے بارے میں مثالیں دیتے تھے۔ ایک مرتبہ مجنوں (عامر بن قیس۔ یہ نام مختلف فیہ ہے) نے لیلیٰ سے کہا: ؎

يقولون لي يوما و قد جئت فيهم و في باطني ناريشب لهيبها

ترجمہ: ''ایک دن جب میں ان کے محلے میں گیا اور اس وقت میرا اندرون شعلہ عشق سے بھڑک رہا تھا تو وہ بولے:

اما تخنشى من اسدنا فاجبتهم هوى كل نفس اين حل حبيبها

ترجمہ: ''کیا تم ہمارے بہادر نوجوان (شیر) سے ڈرتے نہیں ہو؟ میں نے کہا کہ ہر شخص کا میلان اسی طرف ہو جاتا ہے جہاں اس کا محبوب مقیم ہوتا ہے۔''

عرب اسد الشریٰ سے بھی مثال دیتے۔ یہ اس وادی کا نام ہے جہاں شیر کثرت سے رہا کرتے تھے اور یہیں سے سلمیٰ (عرب کی مشہور محبوبہ) کے گھر کا راستہ تھا۔ چنانچہ فرزدق شاعر نے کہا ہے ؎

وان الذى يسعى ليفسد زوجتى كساع الى اسد الشرى يثتبيلها

ترجمہ: ''جو میرے اور میری بیوی کے درمیان بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو گویا وہ وادی اسد الشریٰ سے شیر کے بچوں کو اُٹھاتا ہے۔''

فرزدق کا مشہور قصیدہ

ذیل کا قصیدہ فرزدق کی طرف منسوب ہے۔ اس کے مضامین اور نکتہ آفرینی کی وجہ سے یہی توقع ہے کہ فرزدق کی بخشش ہو جائے گی۔ واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک سال ہشام بن عبدالملک اپنے باپ کے دور میں حج کرنے کے لیے آیا۔ طواف کرتے ہوئے اس نے چاہا کہ حجر اسود کی تقبیل واستلام سے مشرف ہو۔ لیکن کثرت اژدھام کی وجہ سے قادر نہیں ہو سکا۔ پھر اس کے لیے کرسی لائی گئی۔ وہ اس پر بیٹھ گیا۔ اسی دوران حضرت زین العابدین علی بن الحسین بن علی جو نہایت خوب صورت اور خوشبو سے معطر تھے۔ تشریف لائے اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے لیے آگے بڑھے اور جب انہوں نے حجر اسود کے بوسہ کا ارادہ کیا تو اژدھام چھٹتا گیا جگہ مل گئی۔ یہ ماجرا دیکھ کر ہشام

حیرت زدہ رہ گیا۔ اتنے میں ایک شامی آدمی (جو اس کے ساتھ تھا) پوچھنے لگا؟ شہزادہ مکرم! یہ شخصیت کون ہے کہ اس کے احترام میں عوام غیر معمولی شغف لے رہے ہیں تو اس شامی کو ہشام نے بتایا کہ میں اسے نہیں جانتا حالانکہ وہ جانتا تھا۔ اسی مجمع میں فرزدق بھی موجود تھا۔ اس شاعر نے یہ سنتے ہی کہا کہ میں انہیں جانتا ہوں۔ شامی نے کہا کہ بتایئے کون ہیں؟ اس وقت فرزدق نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی شان میں یہ قصیدہ برجستہ کہا ؎

هذا الذی تعرف البطحاء وطائته و البیت یعرفه والحل والحرم

''یہ وہ آدمی ہے جس کو بطحاء کی نرم زمین' بیت اللہ' حل وحرم' سب جانتے پہچانتے ہیں۔''

هذا علی رسول اللّٰه والده امست بنور هداة تهتدی الامم

''یہ زین العابدین علی رضی اللہ عنہ ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نانا ہیں ان ہی کے نور عرفان سے قومیں ہدایت پا رہی ہیں۔''

هذا ابن خیر عباد اللّٰه کلهم هذا التقی النقی الطاهر العلم

''یہ اللہ کے نیک بندوں میں سے سب سے بہتر شخص کے بیٹے ہیں۔ صاف ستھرے' متقی' پاکیزہ اور سردار ہیں۔''

اذا راته قریش قال قائلها الٰی مکارم هذا ینتهی الکرم

''جب قریش ان کی زیارت کرتے ہیں تو بے ساختہ ہو کر کہتے ہیں کہ ان صاحب کے افعال کریمانہ پر بزرگی کی انتہا ہے۔''

ینمی الی ذروة العزاللتی قصرت عن نیلها عرب الاسلام و العجم

''یہ صاحب شرف وعزت کے ایسے مقام پر فائز ہیں جس کے حاصل کرنے سے عربی و عجمی سبھی لوگ عاجز رہتے ہیں۔''

یکاد یمسکه عرفان راحته رکن الحطیم اذا ماجاء یستلم

''ممکن ہے کہ حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت رکن حطیم ان کو روک لے اس لیے کہ وہ ان کی ہتھیلی کو پہچانتا ہے۔''

فی کفه خیزران ریحه عبق من کف اروع فی عزینه شمم

''ان کے دست مبارک میں عصائے شاہی ہے جس میں حسین ہتھیلی کے مس ہونے کی وجہ سے خوشبو پھوٹ رہی ہے اور ان کی ناک حسین و ہموار ہے۔''

یغضی حیاء و یُغضٰی من مهابته فما یکلم الاحین یبتسم

''یہ شرم وحیاء کی وجہ سے نگاہوں کو نیچی رکھتے ہیں بلکہ ان کی ہیبت سے لوگ نگاہیں نیچی کر لیتے ہیں اور جب وہ مسکراتے ہیں تو لوگوں کو بات کرنے کی ہمت ہوتی ہے۔''

ینشق نور الهدی من نور غرته کالشمس ینجاب عن اشراقها القتم

''ان کی روشن پیشانی کی چمک سے ہدایت کا نور پھیل رہا ہے جس طرح کہ طلوع آفتاب سے (صبح ہو جاتی ہے) اور تاریکی کافور ہو جاتی ہے۔''

مشتقة من رسول اللّٰه نبعه طابت عناصره والخیم والشیم

''ان کا شریف خاندان جناب رسول اللہ ﷺ سے ملتا ہے۔ان کی نسل' عادت وخصلت سب پاکیزہ ہیں۔''

هٰذا ابن فاطمة ان کنت جاهله بجده انبیاء اللّٰه قدختموا

''اگر تم ان سے ناواقف ہوتو سنو! یہ حضرت فاطمہؓ کے صاحبزادہ ہیں اوران کے جدامجد پر انبیاء کا سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا ہے۔''

اللّٰه شرفه قدما و عظمه جری بذالک له فی لوحه القلم

''اللہ ہی نے ان کو شرافت و بزرگی عطا فرمائی ہے جس کے متعلق لوح محفوظ میں قلم جاری ہو چکا ہے۔''

کلتا یدیه غیاث عم نفعهما یستو کفان ولا یعروهما عدم

''ان کے دونوں ہاتھوں سے فیض عام ہے ان سے بخشش طلب کی جاتی ہے اوران کے دونوں ہاتھ برابر کشادہ ہیں ان پر کبھی افلاس طاری نہیں ہوتا۔''

سهل الخلیقة لا تخشی بوادره یزینه اثنان حسن الخلق والشیم

''یہ نرم خو ہیں ان سے بے جا غیظ وغضب کا خطرہ نہیں ہے ان کو بردباری' بزرگی دو خصلتوں سے زیب وزینت ہے۔''

حمال اثقال اقوام اذا افترحوا حلو الشمائل یحلو عنده نعم

''جب کوئی قوم ان سے قرض مانگتی ہے تو یہ اس بوجھ کو برداشت کرتے ہیں۔ان کی تمام عادتیں میٹھی ہیں۔ان کے نزدیک بوقت سوال کلمہ ''نعم'' ہی اچھا ہے (یعنی کبھی انکار نہیں کرتے)۔''

ما قال لا قط الا فی تشهده لو لا التشهد کانت لاؤه نعم

''انہوں نے تشہد کے علاوہ کبھی کلمہ ''لا'' (یعنی نہیں) استعمال ہی نہیں کیا۔اگر تشہد نہ ہوتا تو ان کے ہاں کلمہ ''لا'' بھی ''نعم'' (یعنی ہاں) ہی ہوتا۔

عم البریة بالاحسان فانقشعت عنها الغیابة والاملاق والعدم

''یہ احسان نوازی کی وجہ سے تمام مخلوق پر چھا گئے اوران کی وجہ سے مخلوق سے تاریکی' افلاس' فقروفاقہ دور ہو گیا۔''

من معشر حبهم دین و بُغضِهمو کفر و قربهموا منجی وسعتصم

''یہ ایسے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جن سے محبت رکھنا عین دین ہے۔دشمنی رکھنا کفر ہے ان کی قربت باعث نجات وذریعہ حفاظت ہے۔''

یستدفع السوء والبلوی بحبهم و یستزادبه الاحسان والنعم

''ان کی محبت کے ذریعہ مصیبتیں اور بلائیں دور کی جاتی ہیں اورانہی کے ذریعے نعمتوں اور عطایا میں اضافہ کرایا جاتا ہے۔''

من جده دان فضل الانبیاء له فی کل بدء و مختوم به الکلم

''ہر چیز میں اللہ کے ذکر کے بعد ان کا ذکر مقدم ہے اورانہی کے ذکر کے بعد کلام ختم کیا جاتا ہے۔''

ان عد اهل التقی کانوا ائمتهم او فیل من خیر اهل الارض قیل هم

''اگر متقی لوگوں کو شمار کیا جانے لگے تو یہ ان کے پیشوا ہیں اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ زمین میں سب سے بہتر کون ہے تو یہی جواب ہوتا ہے کہ یہی ہیں۔''

لا یستطیع جواد بُعْدَ غایتھم ولا یدانیھمو قوم و ان کرموا

''کوئی ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ کوئی قوم ان کے برابر ہو سکتی ہے خواہ کتنی ہی شریف و کریم الطبع ہو۔''

ھم الغیوث اذا ما ازمة ازمت والاسد اسد الشری والباس معتدم

''جب کبھی قحط سالی ہوتی ہے تو یہ ابر باران کی طرح ہو جاتے ہیں اور خوف و دہشت کے وقت شری مقام کے شیروں کی طرح جری ہوتے ہیں۔''

لا ینقص العسر بسطا من اکفھم سیان ذالک ان اثروا وان عدموا

''ان کی ہتھیلیوں کی فراخی کو فقر و فاقہ تنگ نہیں کر سکتا۔ ان کے یہاں تو آسودگی اور تنگی دونوں برابر ہیں۔''

یابی لھم ان یحل الذم ساحتھم خلق کریم و اید بالندی ھضم

''ان کی مذمت و برائی کرنے سے ان کے پاکیزہ اخلاق اور فیاض ہاتھ روکتے ہیں۔''

ای الخلائق لیست فی رقابھم لا ولیة ھذا اولہ نعم

''مخلوق میں ایسا کون ہے جس کی گردن میں ان کی نوازش و کرم کو طوق نہ ہو۔''

من یعرف اللّٰہ اولیة ذا فالدین من بیت ھذا نالہ الامم

''جو شخص خدا کو جانتا ہے وہ ان کی عظمت کو بھی پہچانتا ہے اس لیے کہ سبھی لوگوں نے ان کے گھرانے سے دین حاصل کیا ہے۔''

ان کنت لا تعرفہ فاللّٰہ یعرفہ والعرش یعرفہ واللوح والقلم

''اگر تم ان کو نہیں جانتے پہچانتے تو خدا تعالیٰ ان کو جانتا ہے۔ عرش، لوح محفوظ اور قلم بھی ان کو جانتے ہیں۔''

و لیس قولک ھذا بضائرہ العرب تعرف من انکرت العجم

''اور تیرا یہ کہنا کہ وہ کون ہیں ان کے لیے مضر نہیں اس لیے کہ جس کا تم انکار کرتے ہو ان کو عربی و عجمی سب جانتے ہیں۔''

یہ قصیدہ سنتے ہی ہشام کو غصہ آ گیا۔ چنانچہ مکہ و مدینہ کے درمیان مقام عسفان میں فرزدق کو قید کر لیا۔ جس وقت حضرت زین العابدینؒ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرزدق کو بارہ ہزار درہم بھیجے اور معذرت کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہمارے پاس اس سے زیادہ ہوتے تو ہم زائد پیش کرتے۔ فرزدق نے کہا فرزند رسول ﷺ! جو بھی میں نے کہا ہے وہ صرف اللہ و رسول کے لیے غصہ کی وجہ سے کہا ہے۔ کچھ لینے کی غرض سے نہیں کہا۔ آپ نے فرمایا بہت بہت شکریہ۔ بات یہ ہے کہ ہم اہل بیت ہیں جب کسی کو کچھ دیتے ہیں تو پھر ہم واپس نہیں کرتے۔ اس پر فرزدق نے آپ کا ہدیہ قبول کر لیا۔ اور قید خانہ میں بھی ہشام کی ہجو کرتا رہا حتیٰ کہ ہشام نے اس کو رہا کر دیا۔

فرزدق

فرزدق کا نام ہمام بن غالب ہے فرزدق لقب ہے لیکن لقب ان کے نام پر غالب آ گیا اور اسی نام سے زیادہ مشہور ہو گیا۔ لغت کے

اعتبار سے فرزدق کے معنیٰ ''گندھے آٹے کا پیڑا بنانا'' ہے اس کا واحد فرزدقہ آتا ہے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ فرزدق نام سے یہ اس لیے مشہور ہو گیا کہ اس کے ایک مرتبہ چیچک نکل آئی۔ اللہ تعالیٰ نے شفاء بخشی۔ چیچک سے نجات تو مل گئی لیکن اس کا چہرہ داغ دار ہو گیا اور بُرا معلوم ہونے لگا۔ اس پر اسے فرزدق کہا جانے لگا۔ بعض نے مشہور ہونے کے وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ بدخلق، گرم مزاج تھا۔ اس لیے اس کو فرزدق کہا جاتا تھا۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ اس کے آباؤ اجداد میں ایک شخص ''محمد بن سفیان'' نامی گزرا ہے جس کا شماران تین شخصوں میں ہوتا ہے جنہوں نے زمانۂ جاہلیت میں محمد نام رکھا تھا۔ اس لیے کہ تاریخ میں ان تین کے علاوہ اور کسی کا ذکر نہیں ملتا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے قبل ان کا نام رکھا گیا ہو۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان تینوں کے آباؤ اجداد میں سے بعض لوگ اپنے زمانہ کے کسی ایسے بادشاہ کی خدمت میں آئے جس کو آسمانی کتابوں کا علم رکھتا تھا۔ اس نے ان کو نبی کریم ﷺ کی بعثت اور ان کے نام مبارک سے آگاہ کیا۔ جب ان میں سے ہر ایک اپنے وطن واپس ہو گئے تو دُنیا سے انتقال کرتے ہوئے ان لوگوں نے اپنی عورتوں کو حاملہ دیکھ کر نذر مانی اور یہ وصیت بھی کی کہ اگر کوئی فرزند پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا۔ چنانچہ ان لوگوں کے مرنے کے بعد یہی کیا گیا اور ان سب عورتوں نے اپنے بچوں کا نام محمد رکھا۔

وہ تین اشخاص یہ ہیں (۱) محمد بن سفیان بن مجاشع۔ یہ فرزدق کے دادا ہوتے ہیں۔ (۲) محمد بن احیحہ بن الجلاح یہ عبدالمطلب کے ماں شریک بھائی تھے۔ (۳) محمد بن حمران بن ربیعہ۔

لیکن جب رسول اللہ ﷺ کے دوسرے اسم گرامی ''احمد'' کی یہ خصوصیت ہے کہ اس سے پہلے یہ نام کسی کا نہیں رکھا گیا۔

کشتی نوح میں شیر بھی تھا

حضرت زید بن اسلم اپنے والد محترم سے بیان کرتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ''حضرت نوح علیہ السلام (اللہ کے حکم کے مطابق کشتی میں سوار ہوئے تو آپ نے ہر جانور کے ایک ایک جوڑے کو ساتھ لیا تو ان کے اصحاب نے کہا (ہم کیسے سکون کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ درانحالیکہ ہمارے ساتھ شیر بھی سوار ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے شیر پر بخار مسلط فرما دیا۔ یہ روئے زمین میں سب سے پہلا بخار تھا۔ جب ہی سے شیر دائمی بخار میں مبتلا رہتا ہے۔ پھر ان لوگوں کو چوہیا سے شکایت ہوئی تو انہوں نے شکوہ کیا کہ چوہیا تو ہمارا کھانا پینا اور دیگر سامان وغیرہ خراب کر رہی ہے تو اللہ تعالیٰ نے شیر کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ چھینک مارے۔ چنانچہ شیر نے ایسے ہی کیا تو اس کی چھینک سے بلی نکل پڑی تو چوہیا بلی کو دیکھ کر چھپ گئی۔''

ایک دوسری روایت میں مذکور ہے:

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ کشتی میں ہر جانور کے ایک جوڑے کو لے کر سوار ہو جائیں تو آپ نے فرمایا میں شیر اور بکری کے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا۔ اسی طرح بھیڑیا اور بکری کے بچے کے ساتھ اور کبوتر و لومڑی کے ساتھ کس طرح نباہ کی سوچوں گا تو اللہ نے وحی کی کہ اے نوح ان تمام جانوروں میں عداوت کس نے پیدا کی تو آپ نے عرض کیا اللہ نے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تو پھر میں ہی ان میں ایسی اُلفت ومحبت پیدا کر دوں گا کہ یہ ایک دوسرے کے لیے ضرر رساں نہیں ہوں گے۔'' (حلیۃ ابی نعیم)

طبی شیر کی[1] خاصیتیں

شیخ عبدالملک بن زہیر جو خواص اشیاء کے عالم ہیں کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے پورے بدن پر شیر کی چربی کی مالش کر لے تو اس کے نزدیک کوئی درندہ نہیں آئے گا اور نہ ایسے آدمی کو درندوں کے خطرات کا اندیشہ رہے گا۔ اگر گھڑیال (مگرمچھ) شیر کی چنگھاڑ سن لیتا ہے تو اس کا دم گھٹ جاتا ہے۔ اگر کوئی آدمی مہینے کی پہلی تاریخ میں شیر (نر) کا پتہ انڈے کے ساتھ ملا کر پی لے تو اس کے لیے عورت کی تمام گرہیں کھل جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کی بال دار کھال کا ایک ٹکڑا باندھ کر گلے میں ڈال لے تو مرگی کا وہ عارضہ جو بالغ ہونے سے پہلے ہو درست ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر بالغ ہونے کے بعد ہوا ہو تو کارآمد نہ ہوگا۔ اگر کسی جگہ اس کے بالوں میں آگ لگا دی جاتی ہے تو اس کی مہک سے تمام درندے بھاگ جاتے ہیں۔ شیر کا گوشت فالج کے لیے بہت مفید ہے۔ اگر اس کی کھال کا کوئی چھوٹا سا ٹکڑا کپڑے کے صندوق میں رکھ دیا جائے تو ان کپڑوں میں دیمک وغیرہ لگنے کا اندیشہ نہیں رہتا۔ اگر کوئی شخص اس کے دانت کو اپنے ساتھ رکھے تو دانتوں کے درد سے محفوظ رہے گا۔

شیر کی چربی کی مالش ہاتھ اور پیر میں کرنے سے ٹھنڈک کا احساس نہیں ہوتا اور پورے بدن پر مالش کرنے سے جوں وغیرہ کا اندیشہ نہیں رہتا۔ ہرمس نے لکھا ہے کہ شیر کی کھال پر بیٹھنے سے بواسیر، گنٹھیا (پاؤں کا درد) اور انگوٹھے کے درد جیسے امراض سے شفاء نصیب ہوتی ہے۔ شیر کی پیشانی کی چربی گلاب کے تیل میں ملا کر چہرے پر لگانے سے عوام تو کیا بادشاہ تک مرعوب ہو جاتے ہیں۔

طبریؒ نے وضاحت کی ہے کہ اگر کوئی شیر کے پتے کا سرمہ استعمال کرے تو آنکھوں کی روشنی اور بینائی بڑھتی ہے اگر کسی شخص کو یرقان[2] ہو گیا ہو تو شیر کے پتے کو ایک دانق[3] کے برابر آب اسبغول اور پودینہ میں ملا کر پلایا جائے تو بہت نفع بخش ہے۔ اگر کوئی شخص شیر کے فوطے (خصیئے) کو بورق[4] احمر و مصطگی میں ملا کر خشک کرے اور باریک کر کے ستو میں نہار منہ بطور شربت استعمال کرے تو پیٹ

---

[1] علم طب: وہ علم ہے جس میں جسمانی امراض کے علاج معالجہ کا بیان اور تدابیر حفظان صحت ذکر کئے گئے ہوں۔ اس کا موضوع بدن انسانی۔ مقصد جسمانی امراض کی زد سے بچنا ہے۔ طب کی ابتداء کے متعلق دو خیال ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ الہامی ہے اس لیے مختلف انبیاء کی طرف انتساب کیا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام پر منکشف ہوا۔ کچھ حضرت شیث علیہ السلام پر بعضے سلیمان علیہ السلام وموسیٰ علیہ السلام کو بتاتے ہیں۔ دوسرے لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ انسانی دماغ کی سعی پیہم کا ایک نمونہ اور قوت فکر کا ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ اہل ہنود اسے برہماجی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یونانی اسے اسقلیبوس کی طرف۔ اہل چین شہنشاہ ہوانگ ٹی کو اول قرار دیتے ہیں۔ اہل بابل، اہل مصر، اہل روم یہ تینوں اپنے اپنے متعلق یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے یہاں سب سے پہلے یہ علوم رونما ہوئے وہ اس طرح کہ قدیم شہروں کے دبے ہوئے کھنڈرات کو کھودنے سے ایسے ایسے کتبات و تحریرات برآمد ہوئیں جن سے لوگوں نے تجربات کئے تو زبردست کامیابی ہوئی۔ اس طرح یہ علم طب رواج پا گیا۔ پھر بعد میں مسلمان اطباء نے اس کا ترجمہ عربی میں کر کے بام عروج پر پہنچایا پھر مسلمانوں میں اس کی اشاعت کا سہرا ابوبکر بن زکریا رازی (۸۵۰ء) کے سر ہے۔

[2] یرقان اس مرض کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے آنکھوں میں زردی اور جسم میں پیلا پن ہو جاتا ہے۔ اردو میں اسی کو پیلا پن اور کافور بھی بولتے ہیں۔

[3] دانق کو وانگ بھی کہتے ہیں جو ایک وزن ہے برابر چھوڑتی۔ بعض کے نزدیک دانگ کا وزن ایک ماشہ یا نصف ماشہ یا چھ مثقال یا آٹھ جو ہے لیکن چھرتی پر اکثر کا اتفاق ہے۔

ایک دانق درہم کے چھٹے حصے یا دو قیراط کے برابر ہوتا ہے۔ (ج)

[4] بورق: یہ ایک معدنی نمک ہوتا ہے جو شور زمین میں پیدا ہوتا ہے۔ سب سے بہتر وہ سمجھا جاتا ہے جو ارمنی کہلاتا ہے۔

کے ہر درد کے لیے مفید ہے۔ جیسے آنتوں میں اینٹھن یا مروڑ ہو یا پسلی کے نیچے درد ہو یا رحم عورت میں درد ہو۔ نیز بواسیر و پیچش کے لیے بھی سودمند ہے۔

اگر کسی کو اختلاج کی شکایت ہو تو شیر کے دماغ کو پرانے زیتون کے تیل میں ملا کر مالش کریں یہ شکایت جاتی رہے گی۔ اگر کسی کو سستی، کاہلی کی شکایت ہو یا بدن میں جھائیاں پڑ گئی ہوں تو اس کی چربی کی مالش بہت مفید ہے۔ بلکہ چہرے کے تمام امراض کے لیے شفاء بخش ہے۔ اسی طرح اگر اس کے گوبر کو خشک کر کے رگڑنے والی خوشبو میں ملا کر سپید داغوں میں لگائے تو یہ شکایت جاتی رہتی ہے۔ اگر اس کے گوبر کو خشک کر کے برابر لے کر کسی شراب کے عادی کو بغیر بتائے ہوئے نوش کرا دیں تو وہ شخص شراب سے اتنا متنفر ہو جائے گا کہ وہ شراب دیکھنا تک گوارا نہ کرے گا۔ اگر اس کے پتے کو شہد میں ملا کر کنٹھ مالا میں لگایا جائے تو وہ درست ہو جائے گا۔ اور اگر اس کی چربی کو لہسن میں ملا کر باریک کر لیا جائے پھر اس کی بدن پر مالش کی جائے تو کوئی درندہ قریب نہیں آئے گا۔

تعبیر[1]

اگر کسی کو خواب میں شیر نظر آتا ہے تو اس کی مختلف صورتیں ہیں، کبھی وہ ظالم و جابر کی شکل میں نظر آتا ہے کبھی زبردست بہادر، مضبوط قسم کی گرفت کرنے والا، کبھی خطرناک دشمن اور کبھی نہایت کامیاب حملہ آور کی تصویر میں آتا ہے۔ شیر تمام جانوروں میں اتنا خطرناک ہوتا ہے کہ اس کے چنگل سے نہ کوئی دوست مامون رہتا ہے اور نہ کوئی دشمن۔

معبرین نے لکھا ہے کہ شیر خواب میں اکثر موت کی خبر دیتا ہے اس لیے کہ وہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیتا ہے لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ مریض کو اس کی عافیت، خیریت کی خوشخبری دیتا ہے۔

اگر کسی نے خواب میں شیر اور دیکھا کہ شیر اس کو نہیں دیکھ رہا بلکہ یہ شیر کو دیکھ کر بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ جس چیز سے خوف کھا رہا تھا اس سے نجات مل جائے گی مزید اسے علم و حکمت کی دولت بھی نصیب ہوگی۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فَفَرَرْتُ مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَ جَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ.

"پھر جب مجھ کو ڈر لگا تو میں تمہارے یہاں سے مفرور ہو گیا۔ پھر مجھ کو میرے رب نے دانش مندی عطا فرمائی اور مجھ کو پیغمبروں میں شامل کر دیا۔"

علامہ محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے دیکھا کہ شیر اس کے سامنے آ گیا۔ پھر وہ اس سے بھاگ رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ دیکھنے والا دائمی بخار میں مبتلا ہو جائے گا یا قید خانہ میں زندگی گزارے گا۔ اس لیے کہ بخار مومن کے لیے قید خانہ ہے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی بھی مرض میں مبتلا ہونے کی تعبیر دیتے ہیں۔ اگر کسی نے دیکھا کہ وہ شیر کے بال یا گوشت یا اس کی ہڈی لیے ہوئے ہے تو تعبیر یہ دی جائے گی کہ کسی حاکم یا دشمن سے مال و دولت ملے گا۔ اگر کسی نے یہ دیکھا کہ وہ شیر پر سوار تو ہو گیا ہے لیکن اسے خوف بھی محسوس ہو رہا

---

[1] خواب، عربی میں اسے رویاء کہتے ہیں۔ علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ خواب کے معانی یہ ہیں کہ وہ بات جو انسان خواب و نیند میں دیکھے۔ جمہور محققین کی یہ رائے ہے کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو محض خیال ہی خیال ہے کہ دن بھر انسان کے دل و دماغ اور ذہن پر جو باتیں چھائی رہتی ہیں وہ خواب میں متشکل ہو کر نمودار ہو جاتی ہیں۔ دوسرا خواب وہ ہے جو شیطانی اثرات کی عکاسی کرتا ہے جیسے کہ عام طور پر ڈراؤنے خواب نظر آیا کرتے ہیں۔

ہے تو کسی پریشانی یا آزمائش میں مبتلا ہوگا۔ لیکن اگر سوار ہونے والا اس سے خوف نہیں کھا رہا تو پھر تعبیر یہ ہوگی کہ وہ اپنے دشمن پر غالب آجائے گا اور اگر یہ دیکھا کہ وہ شیر کے ساتھ بغیر خوف و ہراس کے لیٹا ہوا ہے تو تعبیر ہوگی کہ دشمن سے محفوظ رہے گا۔ اگر کسی نے یہ دیکھا کہ وہ شیر کا سر کھا رہا ہے تو کسی سلطنت کا بادشاہ بنایا جائے گا اور اگر کسی نے یہ دیکھا کہ وہ شیر کو چرا رہا ہے تو تعبیر دی جائے گی کہ وہ کسی ظالم حاکم کے ساتھ بھائی چارگی کا معاملہ کرے گا۔ اگر کسی نے دیکھا کہ وہ اپنی گود میں شیر کے بچے کو لیے ہوئے ہے تو خواب دیکھتے وقت اگر اس کی بیوی حاملہ تھی تو اسے بتایا گیا ہے کہ وہ ایک لڑکے کو جنم دے گی۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ کسی امیر کے بچے کی پرورش کرے گا۔ اگر دیکھا کہ شیر اسے دیکھ کر چنگھاڑ رہا ہے تو تعبیر ہوگی کہ دیکھنے والا بیمار ہو جائے گا اور اگر دیکھا کہ شیر نے اسے قتل کر دیا تو اگر وہ غلام تھا تو آزاد ہو جائے گا ورنہ دیکھنے والے کو کسی حاکم سے ڈر یا خوف ہوگا۔ اگر کسی نے دیکھا کہ شیر چنگھاڑ رہا ہے تو اس کو کسی حاکم کی طرف سے ڈانٹ کا اندیشہ رہے گا۔ اگر کسی نے یہ دیکھا کہ شیر اس کی خوشامد کر رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اس سے عجیب و غریب امور سرزد ہوں گے۔ بلکہ بعض اوقات یہ تعبیر بھی دے سکتے ہیں کہ دشمن مغلوب ہو جائے گا۔

علم الکلام[1] اور ایک علمی بحث

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''اگر یہ بات لوگوں کی سمجھ میں آجائے کہ علم کلام میں باطل خواہشات کے علاوہ کچھ نہیں ہے تو علم کلام سے لوگ اس طرح بھاگیں جیسا کہ شیر سے بھاگتے ہیں۔''

امام غزالی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ اگر آپ کے نزدیک علم جدال پڑھنا اور علم کلام حاصل کرنا درست نہیں جیسا کہ آپ علم نجوم کے بارے میں کہتے ہیں تو دراصل علم کلام جائز ہے یا مستحب لیکن اس کے علاوہ بعض علمائے کرام نے علم کلام کے سلسلے میں اعتدال سے ہٹ کر کام لیا ہے اور اس کے سیکھنے یا نہ سیکھنے کے سلسلے میں علماء کا اختلاف ذکر کیا ہے۔

علماء میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے علم[1] کلام کا درس اور تدریس بدعت یا حرام قرار دیا ہے۔ اس پر مزید وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی بندہ اپنے رب سے اس حال میں ملاقات کرتا ہے کہ اس نے سوائے شرک کے سارے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اپنے رب سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ علم کلام کا عالم ہو۔

اور بعض وہ علماء کرام ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ علم کلام کا سیکھنا واجب ہی نہیں بلکہ فرض ہے۔ فرض کفایہ یا فرض عین۔ ان کی مراد

---

[1] ''علم کلام'' اس کا دوسرا نام علم العقائد بھی ہے۔ اسلامی عقائد سے متعلق تمام بحثوں کا نام علم کلام ہے بشرطیکہ شرعی قوانین سے استنباط کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل سے بھی کام لیا گیا ہو ورنہ صرف علم العقائد کہتے ہیں۔ اصطلاح میں متکلم ابوالخیر کے قول کے مطابق وہ علم ہے جس سے تفصیلی دلائل کے ساتھ دینی عقائد اور اسلامی نظریات کے اثبات اور شکوک و شبہات کے جوابات دینے پر قدرت حاصل ہو۔

لیکن متاخرین نے کہا ہے کہ علم کلام وہ ہے جس میں دینی عقائد کے بارے میں خدائے پاک کی ذات وصفات' فلسفیات اور اقسام ممکنات سے بحث کی جاتی ہو۔ اور اس علم کا موضوع باری تعالیٰ کی ذات وصفات ہیں اور مقصد دینی سعادت اور اسلامی احکامات کی معرفت ہے۔ اس علم کی اولیت کا شرف امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے۔ چنانچہ آپ کی کتاب ''الفقہ الاکبر'' اس سلسلے میں بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ پھر جب خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں مخالفین نے سر اٹھایا تو اہل اسلام نے باقاعدہ علم کلام کی تدوین کی۔ اس دور کا سب سے پہلا مؤلف ابوالہذیل معتزلی ہے۔ پورا نام محمد بن ہزیل بن عبداللہ بن مکحول ہے۔ ۱۳۱ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۳۵ھ میں وفات پائی ملا۔

اس فتویٰ سے یہ ہے کہ علم کلام کا سیکھنا اور سکھانا افضل الاعمال اور اعمال صالحہ میں ہے بلکہ عبادت کی اعلیٰ قسم ہے چونکہ علم کلام سے توحیدی علوم میں مضبوطی ہوتی ہے۔ علم کلام سے دین وملت کے خلاف تمام طاقتوں کا دفاع کرنا ہوتا ہے۔

جن علماء کرام نے یہ کہا کہ علم کلام کا سیکھنا حرام ہے ان میں امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، سفیانؒ اور تمام محدثین ہیں۔

ابن عبدالاعلیٰ نے فرمایا کہ ایک بار امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک متکلم حفص الفرد سے مناظرہ میں مصروف تھے۔ اس دن میں نے امام شافعیؒ سے یہ سنا کہ بندے کے لیے یہ بہتر ہے کہ اپنے رب سے اس حالت میں ملاقات کرے کہ وہ سوائے شرک کے تمام گناہ کا مرتکب ہو بہ نسبت اس کے کہ وہ علم کلام کا علم رکھتا ہو۔ امام شافعیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے علماء حدیث کے ایسے قول کی خبر ملی ہے کہ (اگر مجھے معلوم نہ ہوا ہوتا) تو میں گمان نہ کرسکتا تھا کہ وہ ایسی بات کہیں گے کہ یہ بہتر ہے کہ بندہ اللہ کی تمام منع کی ہوئی چیزوں کے ارتکاب کرنے میں مبتلا ہو۔ لیکن شرک جیسا گناہ سرزد نہیں ہوا تو بھی کوئی مضائقہ نہیں بہ نسبت اس کے کہ وہ علم کلام کا مطالعہ کرتا ہو۔

کرابیسیؒ سے منقول ہے کہ امام شافعیؒ سے علم کلام کے سلسلے میں سوال کیا گیا تو آپ نے غصہ کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اس سلسلے میں حفص الفرد اور ان کے اصحاب وغیرہ نے سوال کیا تو اللہ نے انہیں ذلیل کر دیا۔ یہ بھی منقول ہے کہ جب امام شافعیؒ بیمار ہو گئے تو حفص الفرد ان کی خدمت میں آئے اور امام شافعیؒ سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ تم حفص الفرد ہو (اللہ پاک تمہارا محافظ نہ بنے) اور نہ تم ان کی حفاظت میں رہو۔ جب تک کہ تم ان چیزوں سے توبہ نہ کرلو جس میں تم مشغول رہتے ہو۔ یہ بھی فرمایا کہ اگر تم کسی سے سنو کہ وہ اس موضوع پر گفتگو کر رہا ہے کہ اسم مسمیٰ کا عین ہوتا ہے یا غیر تو گواہ رہنا کہ وہ اہل کلام میں سے ہے اور ان کا کوئی دین ومذہب نہیں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میرا فتویٰ اہل کلام کے بارے میں یہ ہے کہ انہیں کھجور کی چھڑی سے مارا جائے اور ان کو گشت کرایا جائے اور یہ بھی کہنا چاہیے کہ یہ ان لوگوں کی سزا ہے جنہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اپنا مشغلہ علم کلام کو بنایا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا ان کے بارے میں یہ تاثر ہے کہ علم کلام کا عالم کبھی فلاح نہیں پا سکتا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ان کے بارے میں یہ بھی تجربہ ہے کہ علم کلام کا مشغلہ رکھنے والے کے دل میں کوئی نہ کوئی باطنی مرض ضرور ہوگا۔ مثلاً نفاق، شکوک وشبہات، زیغ وضلال۔

پھر احمد بن حنبلؒ نے اسی مجلس میں علم کلام کی مذمت میں گفتگو طویل فرمائی اور فرمایا کہ الحراث المحاسی باوجود اپنے زہد وتقویٰ کے اہل بدعت کے رد میں ایک کتاب تصنیف فرما رہے تھے لیکن بعد میں یہ ارادہ ترک کر دیا۔ امام احمدؒ نے ان سے فرمایا کہ مجھے افسوس ہے کہ جب آپ رد بدعات میں کتاب تصنیف کریں گے تو کیا آپ سب سے پہلے بدعات کو نقل نہیں کریں گے اس کے بعد اس پر رد لکھنا پڑے گا (تو یہ کام گو درست ہے لیکن اسی کے ساتھ) یہ اس طرح ہو جائے گا کہ گویا آپ نے ان کو بدعات کے مطالعہ کرنے پر اُبھارا (تو یہ کتاب اگرچہ رد بدعات میں ہے لیکن برائی کا بھی سبب بن سکتی ہے)۔

امام مالک نے فرمایا ہے اہل باطل، نفس پرست اور متبدعین کی شہادت قابل قبول نہیں ہے۔ امام مالکؒ کے اس قول کی تاویل کرتے ہوئے ان کے بعض اصحاب نے یہ کہا ہے کہ آپ نے اہل باطل (اہل ہواء) سے مراد علماء کلام کو لیا ہے چاہے وہ جس مذہب کے پیروکار ہوں۔

امام ابو یوسفؒ (جو امام اعظم ابو حنیفہؒ کے اجل تلامذہ میں ہیں) نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے علم کلام کے ذریعے علم حاصل کیا (علم حاصل کرنے کے سلسلے میں علم کلام کو آلۂ کار بنایا (یعنی علم کلام سے ابتداء کی) وہ زندیق ہیں۔

اور سلف صالحین میں سے بعض محدثین نے امام ابو یوسفؒ کی اس بات پر اتفاق کیا ہے۔ (حاصل یہ نکلا کہ) علم کلام کے سیکھنے کے سلسلے میں علماء کرام سے بہت سی وعیدیں منقول ہیں لیکن جن لوگوں نے تشدد آمیز کلمات استعمال کئے ہیں ان کا تو شمار ہی نہیں کیا جاسکتا۔

دیگر اصحاب کا استدلال

دوسرے خیال والے جنہوں نے علم کلام کو واجب یا فرض کفایہ قرار دیا ہے کا استدلال یہ ہے کہ علم کلام کا صرف وہ حصہ ممنوع ہے جس میں اشیاء کے جوہر یا عرض ہونے سے گفتگو کی گئی ہے اس لیے کہ یہ ایسی اصطلاحات ہیں جن کا وجود صحابہؓ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور مسعود میں نہیں تھا۔ تو اس عجیب وغریب بحث کی تفصیل حلق سے اُتارنے کے لیے اس طرح کی جاتی ہے کہ دیکھئے کوئی بھی علم ہو اس میں کچھ ایسی اصطلاحات سمجھانے کے لیے ذہن کو تیز اور حاضر کرنے کے لیے ایجاد کی جاتی ہیں جیسے کہ حدیث شریف اور تفسیر سے متعلق کوئی اصطلاح یا فقہ سے متعلق بعض ایسی صورتیں وضع کرتے ہیں جن کا وقوع نادر حالات میں ہوا کرتا ہے تو ہمیں استدلال کے لیے ایسے طریقے ترتیب دینے پڑیں گے جس سے کسی بدعتی میں (وقت پڑنے پر) جوش اور استقلال پیدا کرسکیں یا اسے (الزامی یا تحقیقی جواب دے کر) شبہات میں اُلجھادیں یا محض اپنے ذہنوں کو تیز کردیں یا اپنے آپ کو دلائل اور براہین سے مسلح کرنے کے لیے تاکہ وہ وقت پڑنے پر فوراً کام آسکیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی نے ہتھیار اور اسلحہ کی مکمل تیاری جنگ کرنے کے لیے جنگ سے پہلے ہی کرلی ہو۔

ایک اور اعتراض اور اس کا جواب

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ علم کلام کے حصول کے سلسلے میں آپ کو نزدیک راجح اور مختار قول کون سا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ علم کلام میں مطلقاً مذمت یا مطلقاً مدح کے جواز کا قائل ہونا سراسر غلطی ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے۔

تفصیل اور شرح

(۱) بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں حرمت خود موجود ہوتی ہے جیسے کہ شراب اور مردار کہ اس میں حرام ہونے کا وصف خود اسی میں موجود ہے۔ پہلی میں تو یہ ہے کہ شراب آدمی کو نشہ میں مبتلا کردیتی ہے کہ اسے کسی چیز کا ہوش نہیں رہتا۔ دوسری چیز میں مرا ہوا ہونا ہے جس سے اس میں صحت اور پاکیزگی کے اثرات ختم ہوجاتے ہیں اور تعفن وفساد کی کیفیت پیدا ہوتی ہے نیز انسانی صحت کے لیے مضر ثابت ہوتی ہے۔ اس کے باوجود لوگ ہم سے اس شے کے بارے میں فتویٰ لیں تو ہم اسے حرام قرار دیں گے اور اس کے دوسرے پہلو کی طرف توجہ نہیں دیں گے کہ مردار حالت اضطرار میں مباح ہوجاتا ہے یا مثلاً کسی وقت انسان کھانا کھارہا ہو اور کھانے کے دوران اس کے حلق میں پھندا لگ گیا (اٹک گیا) اور نگلنے کے لیے سوائے شراب کے اور کوئی چیز موجود نہیں تو شراب کا پینا مباح ہوجاتا ہے (یہ استثنائی شکلیں گاہے گاہے پیش آتی ہیں اس لیے اس کے بیان کی حاجت نہیں)۔

(۲) اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں حرمت ذات میں نہیں ہوتی بلکہ کسی خارجی وصف کی وجہ سے لاحق ہوجاتی ہے جیسے کہ ایک مسلمان نے کسی چیز کو خرید لیا ہو اور اس نے مدت خیار بھی رکھی ہے تو اس مدت خیار میں اس شے کے بارے میں بیع کا معاملہ کرنا حرام ہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ جمعہ کی اذان کے وقت بیع کرنا۔ تیسری مثال مٹی کھانا وغیرہ۔ اس لیے کہ مٹی کھانے میں بہت سے نقصانات ہیں۔ پھر یہ مٹی کھانے کے مسئلے میں بہت سی صورتیں ہیں کہ آیا کم مٹی نقصان دیتی ہے یا زیادہ۔ اس لیے کہ مطلق یہ کہیں گے کہ مٹی کھانا حرام ہے جیسے کہ زہر قاتل ہے چاہے اس کم کھائے یا زیادہ دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ اور اگر زیادہ کھالیا جاتا ہے تو قطعاً نقصان دیتا

ہے بلکہ آدمی کوموت کے گھاٹ اُتار دیتا ہے توزہر کو مطلقاً حرام کہا جائے گا۔

یا جیسے کہ شہد ہے کہ شہد کا زیادہ کھانا ایسے آدمی کے لیے جس کا مزاج گرم ہونقصان دیتا ہے اور یہ بالکل مٹی کی طرح ہے۔اس لیے کہ مٹی کا زیادہ کھانا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا شراب پر حرام ہونے کا مطلق حکم لگانا اور شہد کے حلال ہونے پر مطلق حکم لگانا ان کے غالب احوال پرنظر کرتے ہوئے ہے۔ توکسی شے کے حکم لگانے کے لیے اس کے غالب احوال کا خیال کیا جاتا ہے۔

اس وضاحت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سب سے بہتر یہ ہے کہ علم کلام میں تشفی بخش تفصیل کریں اور یہ کہیں کہ علم کلام میں نقصان بھی ہے اور فائدہ بھی۔ اس لیے علم کلام کے فوائد کو سامنے رکھتے ہوئے استفادہ کے وقت اسے ضرورت کے پیش نظر حلال یا مندوب واجب قرار دیا جائے گا۔ اگر علم کلام سے نقصان اور مضرت کا خطرہ ہوتو پھر وہ اس وقت حرام ہو جاتا ہے۔ علم کلام سے نقصان اس طرح ہوتا ہے کہ بسا اوقات اس سے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔ عقائد متزلزل ہوکران کا ایقان اور اذعان بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ حالات آدمی کو ابتداء ہی میں پیش آتے ہیں۔ جبکہ دلائل مشکوک ہوں یا اس میں لوگ اختلاف کررہے ہوں تو اس طرح اعتقاد میں خلل واقع ہوتا ہے۔

مزید علم کلام سے نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی کبھی مبتدعین اپنے باطل دعوؤں میں ایسی مضبوطی کر لیتے ہیں جس کی بناء پر وہ اصرار کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے اعتقاد میں مزید پختگی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ نقصان محض تعصب اور ہٹ دھرمی کی بنیاد پر جھگڑے سے پیدا ہوتا ہے۔

علم کلام کا فائدہ

علم کلام کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں حقائق کا وضاحت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اور جن پر حقائق کی بنیاد ہوتی ہے ان کی معرفت ہو جاتی ہے اور دیگر فوائد یہ ہیں کہ علم کلام سے عوام کے عقائد کی حفاظت اور مبتدعین کے شکوک وشبہات اور انہیں ہر گمراہ موڑ سے بچانا مقصود ہوتا ہے۔ اس لیے کہ عوام الناس علمی اعتبار سے زیادہ مسلح نہیں ہوتے بلکہ وہ اس معاملات میں کمزور ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اہل بدعت کی بحثوں سے خطرہ میں پڑ جاتے ہیں (سب سے اہم بات یہ ہے) کہ عوام سلف صالحین کے طریقہ کار کے متبع اور وہ اپنے آپ کو ان کے نقش قدم پر چلنے کا پابند سمجھتے ہیں۔

اس لیے عوام کے عقائد کو مبتدعین کی تلبیسات اور ان کے رسم ورواج سے محفوظ رکھنا علماء کرام کا فریضہ ہے۔ جس طرح کہ اموال اور دیگر حقوق کی حفاظت کرنا ان کا کام ہوتا ہے اسی طرح قضاء اور ولایت کے مسائل ہیں جب تک علماء کرام ان مسائل کی درس وتدریس اور اس کی نشرواشاعت کے لیے کمربستہ نہیں ہوں گے اس وقت تک یہ علوم باقی نہیں رہ سکتے اور اگر ترک کر دیا جائے تو یہ نتیجہ ہوگا کہ یہ علوم ختم ہو جائیں گے۔

لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ علم کلام کی طباعت اور اسے کتابی شکل میں پیش کرنا مبتدعین کے شکوک وشبہات کے زائل کرنے کے لیے کافی نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو درس وتدریس سے ذہنوں میں نہ بٹھایا جائے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علم کلام کا درس وتدریس ضروری قرار دیا جائے۔ لیکن تدریس عوام کا کام نہیں ہے جیسے کہ فقہ اور تفسیر وغیرہ کا پڑھنا عوام کا فریضہ نہیں (بلکہ یہ علماء کا منصب ہے یہ انہی کا حق ہے) چونکہ علم کلام کی مثال دوا کی سی ہے اور علم فقہ مثل غذا کے ہے اور ظاہر ہے کہ غذا کے نقصان سے حفاظت مشکل ہے ف دوا کے کہ اس سے احتیاط کی جاسکتی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ علماء نے توحید کی تعریف یہ کی ہے کہ توحید علم کلام اور بحث ومباحثہ کے اصول اور قوانین کے پہچاننے اور مقابل کے تمام اعتراضات کو اپنے دائرہ عمل کے اندر لانے کو کہتے ہیں اور یہی لوگ کبھی توحید کا اطلاق شکوک وشبہات پیدا کرنے کی استعداد وصلاحیت اور الزامی جوابات دینے کی لیاقت پر بھی کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں بعض طبقات نے اپنے آپ کو اہل توحید اور اہل عدل تک کہلایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ توحید کی تعریف یہ نہیں بلکہ دوسری تعریف ہے۔ جس کو متکلمین کا ایک گروہ خود سمجھنے سے قاصر ہے۔ لیکن اگر وہ کچھ سمجھ بھی پائے ہیں تو وہ صحیح طور پر توحید کی تعریف کرنے پر قادر نہیں ہو سکے ہیں۔

توحید کی صحیح تعریف

توحید کی صحیح تعریف یہ ہے کہ (دُنیا میں) جو امور پیش آتے ہیں یا کوئی بھی واقعہ وجود پذیر ہوتا ہے چاہے اس کا تعلق خیر سے ہو یا شر سے ان سب کا وقوع اللہ رب العزت کی جانب سے اور اس کے حکم سے ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ اس طور پر رکھیں جس سے کچھ توجہ اسباب کی جانب بھی منتقل ہو جائے۔ یہ سب سے بہتر توحید ہے۔

توحید ایسا نفیس جوہر ہے۔ جس پر دو قسم کے غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ ان میں سے ایک غلاف اصلی جوہر سے قریب ہوگا اور ایک بعید (گویا توحید کے دو درجے ہیں)۔

پہلا درجہ توحید کا یہ ہے کہ آپ زبان سے لا الٰہ الا اللّٰہ پڑھ لیں۔ یہ توحید تو ہے لیکن ایسی توحید کا اقرار ہے۔ جس سے نصاریٰ کے عقیدہ تثلیث کا ابطال ہوتا ہے لیکن ایسی توحید کا اقرار کبھی منافق بھی کر لیتا ہے۔ جس کا باطن اس کے ظاہر کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتا۔

دوسرا درجہ توحید کا یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللّٰہ کا اقرار کرنے کے بعد پھر دل میں کسی قسم کا چور یا کوئی مخاصمت موجود نہیں ہوتی بلکہ باطن کی طرح ظاہر میں بھی اس عقیدہ کی پاکیزگی موجود ہوتی ہے۔ یہ توحید عوام الناس سے متعلق ہوتی ہے۔ چنانچہ متکلمین علماء کرام کا یہی فریضہ ہوتا ہے کہ وہ اسی توحید کے بارے میں عوام کی حفاظت اور نگرانی کرتے رہیں اور مخالفین ومبتدعین کے شبہات کو ان سے دور کر کے ان کو اطمینان قلبی نصیب کراتے رہیں۔

چنانچہ علماء کرام اور فقہاء عظام نے اس توحیدی جوہر کو دو غلاف سے ڈھانک دیا ہے اور ان دو درجات سے تمام لوگوں کو وابستہ کر دیا ہے۔ لیکن لوگوں کا یہ حال ہو گیا کہ انہوں نے توحید کے ان دونوں غلافوں کو اس طرح چھوڑ دیا کہ اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ توحید کا مغز کیا ہے تو وہ یہ ہے کہ پیش آنے والے تمام امور کو آپ یہ سمجھیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔ اسی کے ساتھ یک گونہ التفات اسباب وعلل کی جانب بھی ہو۔ پھر آپ خدا کی اس طرح عبادت کرنے لگیں جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ خالق حقیقی کو واقعی معبود اور اسے ہی عبادت کے لیے یکتا سمجھ رہے ہیں اور اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہیں کرتے۔

اس تفصیل اور شرح کے بعد مذکورہ تعریف سے عقائد باطلہ اور اتباع نفس (خود بخود) خارج ہو جاتے ہیں۔ (اب ہم یہ سمجھیں گے کہ) جب کوئی شخص اپنے نفس اور خواہش کی اتباع کرے گا تو گویا اس نے اپنا معبود اپنے نفس کو بنا لیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهُ هَوَاهُ

''اے پیغمبر! آپ نے اس شخص کی ہلاکت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے۔''

اَبْغَضُ اِلٰهٍ عُبِدَ فِی الْاَرْضِ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ الْهَوٰی.

''خدا کے نزدیک زمین پر بندے کا مبغوض ترین معبود اس کا نفس ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص غور اور فکر سے کام لے گا تو اس پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ بتوں کی پوجا کرنے والے دراصل ان کی پوجا نہیں کرتے بلکہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں (وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ ان کے آباء واجداد جس دین کے پیروکار تھے اور جس ماحول میں وہ زندگی بسر کرتے تھے اس کے اثرات سے ان کی نسلیں بھی نہیں بچ پاتیں بلکہ اولاد بھی اسی رنگ میں رنگی جاتی ہے تو گویا) وہ اپنے میلان نفس اور خواہشات کی اتباع کر رہے ہیں۔اور یہی ھویٰ کی تعبیر اور تفسیر ہے۔چنانچہ اس شرح سے مخلوقات پر تشدد اور سختی برتنا اور ان کی طرف توجہات کرنا توحید سے خارج ہو جائے گا۔

چونکہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ جو کچھ دُنیا میں ہو رہا ہے یا ہوگا وہ سب خداوند قدوس کی مرضی کے مطابق ہے تو کوئی بھی آدمی کسی غیر پر سختی نہیں کر سکتا۔پس توحید تو اس برتر مقام کا نام ہے۔چنانچہ توحید میں صدیقین کا یہی مقام ہوتا ہے۔

اب آپ اس پر غور کریں کہ آپ کے ذہن کو کس چیز سے پھیرا گیا اور توحید کے کس غلاف پر قناعت اختیار کرنا چاہیے۔تو درحقیقت موحد وہ ہے جس کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ ایک ہے اور اس کی تمام تر توجہات کا مرکز وہی ذات ہو۔اس کے علاوہ اپنے قلب کو اسی یقین اور اعتماد پر جماد ے۔اھ

دمیریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب ''الجواہر الفرید فی علم التوحید'' کے آٹھویں باب میں تفصیل کے ساتھ اس پر تشفی بخش کلام کیا ہے جس سے ہر قسم کے شبہات رفع ہو جاتے ہیں۔مزید میں نے اپنی کتاب کو اکابر علماء اور صحابہ کرامؓ کے اقوال سے بھی زینت بخشی ہے۔اھ

علم نجوم[1]

یہ بھی یاد رکھیے کہ علم نجوم کا سیکھنا اور اسے حاصل کرنا بُرا سمجھا گیا ہے۔چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب تقدیر کا ذکر ہونے لگے تو خاموشی اختیار کرو۔جب ستاروں کا ذکر ہونے لگے تو خاموشی اختیار کرو اور میرے صحابہ کرامؓ پر گفتگو ہونے لگے تو بھی خاموش رہو۔''

---

[1] ''علم نجوم'' اس علم کو کہتے ہیں جس میں فلکی تشکلات افلاک اور ستاروں کی اوضاع (مثلاً مقارنہ' مقابلہ' تثلیث' تسدیس اور تربیع وغیرہ) کے ذریعے عالم کون وفساد کے واقعات سے بحث کی جاتی ہے۔اس علم کے تین شعبے قرار دیئے گئے ہیں۔حسابیات' طبعیات' وہمیات' جہاں تک حسابی علم کا تعلق ہے تو قرآن نے صراحت کے ساتھ یہ بیان کر دیا ہے کہ چاند اور سورج کی گردش حساب کے مطابق ہے۔چنانچہ ارشاد ربانی ہے اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (سورج اور چاند حساب کے ساتھ چلتے ہیں) اس لیے یہ شعبہ قابل اعتقاد ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔طبعیات کا یہ حال ہے کہ اس کے بروج میں سورج کے انتقال سے اس طور پر بحث کرتے ہیں کہ جس میں موسم گرما سرما اور بہار کی تبدیلی وغیرہ کا لحاظ کرنا پڑتا ہے اس میں بھی کوئی بُرائی نہیں اور وہمیات میں عالم میں رونما ہونے والے حالات پر ستاروں کے اثر سے بحث کرتے ہیں اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اس لیے شرعاً ممنوع ہے۔(کشف الظنون [illegible]) امام غزالیؒ نے [illegible] میں لکھا ہے کہ احکام سے متعلق علم نجوم کے بارے میں یہ ہوتا ہے کہ [illegible] اسباب کی بنیاد پر آنے والے واقعات کی پیشین گوئی کی جاتی ہے۔یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہ کوئی ڈاکٹر نبض دیکھ کر یہ بتلادے کہ فلاں مرض عنقریب پیدا ہوگا۔شریعت نے مذموم قرار دیا ہے۔بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ ستارے ہی موثر حقیقی ہیں تو وہ حرام کا مرتکب ہے۔امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اگر نجومی کا اعتقاد یہ ہے کہ موثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن عادت یہ ہے کہ اوضاع وحرکات مقررہ سے کچھ تاثیر پیدا ہو جاتی ہے تو میرے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

''میں اپنے بعد اُمت کے لیے تین باتوں کا خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔ اماموں کے ظلم و زیادتی سے' ستاروں پر ایمان و یقین سے اور تقدیر (قسمت) کے انکار سے''

اور امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے ارشاد فرمایا:

''علم نجوم سے ممانعت تین وجوں سے کی گئی ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس سے لوگوں کے عقائد متاثر ہوتے ہیں۔ چنانچہ انہیں جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں کی چال کے بعد فلاں فلاں حادثات رونما ہوں گے تو ان کے دلوں میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ ستارے ہی موثر حقیقی ہیں اور یہی معبود ہیں اور یہی دُنیا کے منتظم ہیں۔ اس لیے کہ یہ لطیف جواہر آسمان کی بلندیوں پر واقع ہیں جس کی وجہ سے دلوں میں ان کی عظمت جم جاتی ہے۔ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ خیر اور شر کا وقوع انہی سے ہوتا ہے۔ ان اعتقادات کی وجہ سے اللہ کی یاد دل سے نکل جاتی ہے۔ کمزور اور ضعیف الاعتقاد شخص کی نظر وسائل سے آگے نہیں بڑھتی۔ اس کے برخلاف ماہر اور پختہ عالم ان سب حقائق سے خوب واقف ہوتا ہے۔

دوسری وجہ ممانعت کی یہ ہے کہ نجوم کے احکام یا حوادثات سے متعلق اس کی پیشن گوئیاں محض تخمینے اور اندازے پر مبنی ہیں۔ ہر کسی کے حق میں ان کا علم نہ واقعی ہوتا ہے اور نہ ظنی اس لیے ظاہر ہے کہ علم نجوم کے ذریعے کوئی حکم لگانا جہل پر حکم لگانے کے مانند ہے۔ اس صورت میں علم نجوم کی برائی محض اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ خالص جہل ہے اس لیے نہیں کی جاتی کہ وہ بھی علم ہے اور جو حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں مشہور ہے کہ انہیں علم نجوم دیا گیا تھا تو وہ معجزہ تھا۔ اب یہ علم ختم ہو چکا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی نجومی کی دی ہوئی خبر سچی بھی ہو جاتی ہے تو وہ ایک اتفاقی بات ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نجومی مسبب کے کسی ایک سبب سے واقف ہو جاتا ہے اور اس کی دیگر شرطیں اس سے اوجھل رہتی ہیں اور مسبب کا وقوع انہی شرائط پر موقوف رہتا ہے جن کی معلومات کا دائرہ انسان کے بس میں نہیں رہتا۔ اگر اتفاقاً اللہ تعالیٰ باقی شرطوں کو واضح کر دیتے ہیں تو نجومی کا دعویٰ واقعی پورا ہو جاتا ہے اور اگر وہ شرطیں پوری نہیں ہوتیں تو دعویٰ غلط ہو جاتا ہے۔ مثلاً

اگر کوئی شخص پہاڑوں کے اوپر سے گھٹا ٹوپ بادل دیکھ کر محض تخمینے اور اندازے سے یہ کہہ دے کہ آج تو بارش ہوگی حالانکہ آسمان کے ابر آلود ہونے کی صورت میں یہ امکان رہتا ہے کہ بارش ہو جائے اور اس کا بھی امکان رہتا ہے کہ بارش نہ ہو دھوپ نکل آئے تو یہ بات واضح ہو گئی کہ محض بادلوں کا ہونا بارش کے لیے کافی نہیں ہے۔ بلکہ بارش کے دیگر اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔

ایسے ہی اگر کوئی ملاح ہواؤں کا رُخ دیکھ کر یہ دعویٰ کر دے کہ کشتی صحیح سلامت گزر جائے گی۔ اگرچہ وہ ہواؤں کا تجربہ کار اور ہواؤں کے رُخ کو خوب پہچانتا ہو۔ تاہم ہواؤں کے اور بھی اسباب ہو سکتے ہیں جو اس کے علم میں نہ ہوں۔ اس لیے کبھی تو اس کا کہنا واقعہ کے مطابق ہوتا ہے اور کبھی اس کا یہ اندازہ غلط نکلتا ہے۔

علم نجوم کی ممانعت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اس لیے یہ غیر ضروری علم ہے اور عمر جیسی قیمتی چیز کو ایسے کام میں صرف کرنا جس کا کوئی فائدہ نہ ہو کہاں کی دانش مندی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہو سکتا ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے:

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسے شخص کے پاس ہوا جس کے اردگرد لوگ جمع تھے۔ آپؐ نے پوچھا یہ کون ہے؟ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بڑا علم والا آدمی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کس چیز کے بارے میں معلومات رکھتا ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ اشعار اور عرب کے نسبوں کے بارے میں۔ آپؐ نے فرمایا (اس کے پاس یہ ایسا) علم ہے جس سے کوئی

فائدہ نہیں اور اس سے جہل نقصان کا باعث نہیں۔ (ابن عبدالبر)

دوسری روایت میں یوں وارد ہے:

''علم تو بس تین ہیں: آیت محکمہ کا علم، سنت جاریہ کا علم یا (مال موروثہ کی تقسیم) کا علم۔ (ابوداؤد و ابن ماجہ)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علم نجوم اور اس جیسے دوسرے علوم میں مشغول ہونا اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ہے اور ایسے امور میں اوقات ضائع کرنا ہے جن سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے جو کچھ قسمت میں ہے وہ تو واقع ہو کر رہتا ہے۔

یہ بھی ملحوظ رکھئے کہ علم نجوم کا طب سے اور علم تعبیر سے موازنہ نہ کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ طب سے انسانی ضروریات وابستہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کے اکثر دلائل حکماء اور اطباء کو معلوم ہو جاتے ہیں۔

ایسے ہی تعبیر کا علم ہے یہ اگرچہ قیاسی ہے لیکن اسے احادیث میں نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے نیز اس میں کسی قسم کا خطرہ اور عقیدے کے بگاڑ کا اندیشہ نہیں۔

دمیریؒ کہتے ہیں اسی ضرورت کے تحت ہم نے اپنی اس کتاب میں ان دونوں علوم (طب اور تعبیر) سے دلچسپی لی ہے چونکہ ان علوم میں غلطیوں کا امکان کم ہے۔

الابل

اِبِلٌ. اِبُلٌ[1] (اونٹ) اس کی جمع آبال آتی ہے لیکن جب یائے نسبتی لگاتے ہیں تو اِبِلِیٌّ یائے مفتوح استعمال کرتے ہیں۔ ابن سیدۃ نے کہا ہے لفظ جمال[2] اسم واحد ہے جس کا اطلاق جمع پر بھی کیا جاتا ہے حالانکہ نہ وہ جمع ہوتا ہے اور نہ اسم جمع بلکہ وہ جنس پر دلالت کرتا ہے۔

اور جوہری نے لکھا ہے کہ اس لفظ کی جمع نہیں آتی بلکہ یہ مونث ہے۔ اس لیے قاعدہ یہ ہے کہ وہ اسم جمع جن کا واحد ان کے لفظوں سے نہ ہو اور وہ ذوی العقول میں استعمال ہوتے ہوں تو ان کے لیے تانیث (مونث ہونا) لازم ہو جاتی ہے لیکن جب تصغیر بناتے ہیں تو ھاء کا اضافہ کردیتے ہیں جیسے اُبَیْلَةٌ وَ غُنَیْمَةٌ وغیرہ۔

عروۃ البارقی کی روایت ہے:

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ (تمام جانوروں میں) اونٹ تو گھر والوں کے لیے باعث عزت وشرف اور بکریاں برکت کا سبب ہوتی ہیں اور خیر و بھلائی تو گھوڑوں کی پیشانیوں[3] میں قیامت کے لیے بندھی ہوئی ہے۔'' (رواہ ابن ماجہ)

---

[1] ''ابل'' مصباح اللغات اور المنجد وغیرہ میں ہے کہ اس لفظ کا استعمال مفرد کے لیے نہیں ہوتا۔۱۲

[2] ''جمل'' اس کی جمع جمال، اجمال، جمل اور جمالۃ جمع جمالات و جمائل وغیرہ آتی ہے لیکن جمل کا اطلاق اونٹنی کے لیے بہت کم ہوتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے شربت لبن جملی ''میں نے اپنی اونٹنی کا دودھ پیا۔ مزید لفظ جمل اضافت کے طور پر دیگر معانی میں بھی آتا ہے جیسے جمل الیہود (گرگٹ) جمل البحر ہل مچھلی) جمل الماء ایک آبی پرندہ جس کی چونچ لمبی ہوتی ہے۔ (مصباح ص ۱۴۲)

[3] پیشانی سے مراد یہاں گھوڑوں کی ذات ہے جیسے کہتے ہیں فلاں مبارک الناصیۃ یعنی فلاں آدمی ذات کا مبارک ہے۔ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اللہ نے گھوڑوں میں ایک خاص قسم کی برکت رکھی ہے اس لیے کہ گھوڑوں کے ذریعے جہاد کیا جاتا ہے جس میں دُنیا و آخرت کی بھلائی ہے (مرقاۃ) جیسے کہ موقع پر فرمایا گیا ہے کہ جہاد میں آخرت کا ثواب اور دُنیا میں مال غنیمت حاصل ہوتا ہے۔

وہب بن منبہ کی روایت ہے:

''آدم علیہ السلام اپنے مقتول بیٹے کے لیے اتنے اتنے برس تک اونٹ جمع کرتے رہے اور ان دنوں میں حوا سے نہیں ملے (یعنی ان سے دور رہے اُنس نہیں رکھا)۔'' (رواہ ابن ماجہ)

اہل لغت نے لکھا ہے کہ عرب اونٹ کو بنات اللیل بھی کہتے ہیں۔ اگر اونٹ نو سالہ یا چار سالہ (جذعہ) ہو گیا ہو تو دونوں صنفوں نر اور مادہ کے لیے لفظ بعیر استعمال کرتے ہیں۔ اس کی جمع اَبْعِرَۃٌ، بُعْرَان جمع الجمع اباعرو اباعیر وغیرہ آتی ہیں۔ شَارِف بوڑھی اونٹنی کو کہتے ہیں جمع شُرُف، شُرف، شُروف اور شُرُف وغیرہ آتی ہے عوامل دو کوہان والے اونٹ کو کہتے ہیں۔

اونٹ، بھاری بھرکم فرماں بردار جانور ہوتا ہے لیکن روز بروز دیکھنے کی وجہ سے اس کا انوکھا پن جاتا رہا ہے لیکن یورپ والوں کے لئے اب بھی ہے۔

اونٹ کی خصوصیات

اونٹ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بھاری بوجھ لاد کر بلا تکلف اُٹھ جاتا ہے اور بیٹھ بھی جاتا ہے۔ اس کی فرماں برداری کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی چوہیا اس کی نکیل دبا کر جہاں لے جانا چاہے آسانی کے ساتھ لے جا سکتی ہے۔ اطاعت سے کبھی روگردانی نہیں کرتا۔ اس کی پشت پر اتنی وسعت ہے کہ انسان مع ساز و سامان کھانے پینے کی چیزوں، ضروری برتن، گدا، تکیہ اور کپڑوں کے ساتھ سواری کر سکتا ہے اور اسے ایسا محسوس ہو گا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہے۔ ان تمام چیزوں کے باوجود اونٹ (اس مصنوعی گھر کو) لے کر چلتا پھرتا ہے۔ قرآن کریم میں اسی غرابت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اَفَلاَ یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ

''کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیا گیا (الغاشیہ)۔''

خدا تعالیٰ نے اس کی لمبی گردن اس لیے بنائی تا کہ وہ بوجھ لے کر آسانی کے ساتھ اُٹھ بیٹھ جائے اور بھاری بوجھ اُٹھا سکے۔ ان علاقوں کے دانش وروں سے سوال کیا گیا جہاں اونٹ کی نسلیں نہیں ہوتی کہ اونٹ کیا چیز ہے؟ تو انہوں نے غور و خوض کے بعد یہ جواب دیا کہ وہ ایک لمبی گردن کا جانور ہوتا ہے۔ اھ

اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو اس قسم کا اس لیے پیدا کیا ہے تا کہ پانی کی کشتی کی طرح خشکی کی کشتی بھی تیار ہو جائے۔ اونٹ کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ پانی پر صبر کرنے کی زبردست قوت کا مالک ہے۔ چنانچہ وہ سفر میں دس دن تک پانی نہ ملنے کی وجہ سے صبر کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح یہ ہر اس گھاس پھونس کو کھا لیتا ہے جس کو دوسرے جانور نہیں کھاتے۔

سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں ایک مرتبہ راستے میں قاضی شریح سے ملاقات ہو گئی تو میں نے ان سے یہ کہا کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں کوڑی (کناستہ)[1] جا رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ وہاں جا کر کیا کریں گے؟ فرمایا کہ میں وہاں اونٹوں کو دیکھوں گا کہ اللہ نے ان کو عجیب انداز میں پیدا کیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

عَلَیْهَا وَ عَلَی الْفُلْکِ تُحْمَلُوْنَ.

''ان پر (بھی) اور کشتی پر (بھی) لدے لدے پھرتے ہو۔''

---

[1] الکناسۃ: کوفہ کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اونٹوں کا تذکرہ کشتیوں کے ساتھ اس لیے فرمایا ہے کہ اونٹ بھی بظاہر ایک خشکی کی کشتی ہے۔ اس معنی میں ذوالرمۃ شاعر نے کہا ہے ؎

سفینۃ بر تحت خدی زمامھا

''(خشکی کی کشتی) اونٹ کی مہار اس کے دونوں رخساروں کے نیچے ہوتی ہے۔''

دوسری جگہ ذوالرمۃ نے اونٹ کو ''صیدح'' نام سے مخاطب کیا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے ؎

سمعت الناس ینتجعون غیثا فقلت لصیدح انتجعی بلا لا

''میں نے لوگوں کے بارے میں سنا ہے کہ وہ گھاس کے سراغ میں نکلے ہیں تو میں نے صیدح اونٹنی سے کہا کہ تو بھی ہموار زمین میں تلاش کر لے۔''

صیدح ذوالرمۃ شاعر کی اونٹنی کا نام تھا۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ مذکورہ شعر سیبویہ نحوی کا ہے۔ شعراء نے ''النـاسُ'' کو زبر اور پیش دونوں طریقوں سے پڑھا ہے۔ مرفوع ہونے کی صورت میں حکایت کے طور پر یہ معنی ہو جائیں گے کہ ''ان کلمات کو لوگوں نے سنا'' خلاصہ یہ کہ جو بھی اعراب درست ہو نکتہ آفرینی ضرور ہے۔ (صیدح پر تفصیلی روشنی باب الصاد میں ڈالی جائے گی)

اونٹ کے مطلق احادیث نبوی

''اونٹ کو برا بھلا نہ کہا کرو اس لیے کہ وہ خون کا پھایا اور شریف آدمی کے لیے مہر ہے۔''[1]

مطلب یہ ہے کہ اونٹوں کو دیات وغیرہ میں دیا جاتا ہے جس کے ذریعے سے خون ریزی سے بچت اور زندگی کی حفاظت ہو جاتی ہے اور قاتل قصاصاً قتل (خون بہا) سے محفوظ ہوتا ہے (یہ توضیح فصیح اللغۃ میں موجود ہے۔ دوسری روایت ہے:

''اونٹوں کو برا بھلا نہ کہو اس لیے کہ وہ اللہ پاک کی روح ہیں۔''

ابن سیدہ نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اونٹ کا شمار ان چیزوں میں ہے جن سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو فراخی نصیب کرتے ہیں۔

ایک دوسری روایت ہے:

''اونٹوں کو گالی نہ دو اس لیے کہ یہ رحمان پاک و برتر کی روح ہیں۔''

ابو موسیٰ الاشعریؓ سے ایک دوسری حدیث ہے:

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قرآن کی خبر گیری کرو (یعنی قرآن برابر پڑھتے رہا کرو تا کہ بھولو نہیں) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے قرآن سینوں سے اتنی جلدی نکل جاتا ہے کہ اونٹ بھی اتنی جلدی[2] اپنی رسی سے نہیں نکلتا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صاحب قرآن (قرآن پڑھنے والے) کی مثال بندھے اونٹ کی سی ہے۔ اگر مالک اونٹ کی خبر

---

[1] زخم پر خون روکنے کے لیے جو چیز رکھی جاتی ہے اس عربی میں رفوۃ کہتے ہیں۔ (المنجد)

[2] مطلب یہ ہے کہ اگر اونٹ کا مالک اپنے اونٹ سے غفلت برتے تو اونٹ رسی سے نکل بھاگتا ہے۔ اسی طرح اگر قرآن کریم برابر نہ پڑھا تو وہ اونٹ سے بھی جلدی سینہ سے نکل جاتا ہے یعنی جلدی بھول جاتا ہے۔ ۱۲ (محمد عباس فتح پوری)

گیری کرتا ہے تو وہ بندھا اور رُکا رہتا ہے اور اگر اسے چھوڑ دیتا ہے تو وہ جاتا رہتا ہے۔ اسی طرح اگر قرآن پڑھنے والا رات اور دن پڑھتا رہتا ہے تو اسے محفوظ رہے گا۔ اگر نہ پڑھے اور یاد نہ کرے تو قرآن اس کے سینے سے نکل جاتا ہے۔''

انہی سے ایک دوسری روایت ہے:

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لوگ سو اونٹوں کی طرح ہیں جس میں کوئی بھی سواری کے لائق نہ[1] ہو۔'' (بخاری و مسلم)

(اس کی تفصیل باب راء راحلہ میں آئے گی)

اونٹ کی اقسام

(۱) **الارحبیة:** اس اونٹ کو کہتے ہیں جو قبیلہ ''بنو ارحب'' کی طرف منسوب ہو۔ ''بنو ارحب'' قبیلہ ھمدان کی ایک شاخ ہے۔ شیخ ابن صلاح کہتے ہیں کہ ''ارحبیہ'' یمنی اونٹ کا نام ہے۔

(۲) **الشذقمیه:** نامی اونٹ نعمان بن منذر کا ایک عمدہ قسم کا اونٹ تھا اس لئے اس کی نسلیں اسی نام کی طرف سے منسوب ہوگئیں۔

(۳) **العیدیه:** (عین کی زیر کے ساتھ) ان اونٹوں کو جو قبیلہ ''بنو العید'' کی طرف منسوب ہوئے ''العیدیہ'' کہتے ہیں۔ صاحب الکفایہ کے قول کے مطابق ''العیدیہ'' قبیلہ ''بنو مہرہ'' کی شاخ ہے۔

(۴) **المجدیه:** یمنی اونٹ کو کہتے ہیں جو عمدہ ہونے میں مشہور ہے۔

(۵) **الشدنیه:** صاحب الغایہ کے قول کے مطابق ''الشدنیہ'' وہ اونٹ ہیں جو فحل یا بلد کی طرف منسوب ہیں۔

(۶) **المھریه:** وہ اونٹ ہیں جو ''مہرہ بن حیدان'' کی طرف منسوب ہیں۔ ابن صلاح کہتے ہیں کہ مہرہ بن حیدان قبیلہ کا باپ تھا۔ (مہرہ کی جمع مہاری ہے) امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ''المھریہ'' ردی اونٹوں کو کہتے ہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں اس لئے کہ انہی اونٹوں میں بعض جنگلی اونٹ ہوتے ہیں اور ان کو جنگلی اونٹ ہی کہا جاتا ہے۔ بعض لغویین یہ کہتے ہیں کہ وہ قوم عاد اور

---

[1] امام بیہقیؒ نے اپنی سنن میں اس حدیث کا یہ مفہوم بتایا ہے کہ لوگ دینی احکام میں برابر ہیں۔ شریف، رذیل، صاحب منصب و غیر منصب، کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہیں۔ جس طرح کہ سو اونٹ ہوں اور ان میں کوئی بھی سوار و بار برداری کے لائق نہ ہو۔ ابن قتیبہؒ نے کہا ہے کہ راحلہ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو شریف اور فرماں بردار، سواری کے لائق، تمام اوصاف حمیدہ کا حامل ہو۔ اس لحاظ سے حدیث کا یہ مفہوم ہوگا کہ تمام لوگ برابر سرابر ہیں۔ نسب وغیرہ کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ وہ سو اونٹوں کی طرح ہیں جس میں کوئی سواری کے لائق نہ ہو۔

ازہریؒ بھی یہی کہتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ راحلہ میں ہاء مبالغہ کے لیے ہے اور ابن قتیبہؒ نے جو مفہوم بیان کیا ہے وہ غلط ہے بلکہ مفہوم یہ ہے کہ زہد و تقویٰ میں کامل راغب الی الآخرۃ اشخاص دُنیا میں کم رہ گئے ہیں جس طرح کہ سواری کے لائق اونٹ بہت کم رہ گئے ہیں۔ امام نوویؒ نے ابن قتیبہؒ و ازہریؒ سے زیادہ اچھا مفہوم بتایا ہے وہ یہ ہے کہ ایسے اشخاص جن کے اوصاف حمیدہ اور اندرونی حالات بہتر ہوں بہت کم ہیں۔ جس طرح کہ اونٹوں میں فرماں بردار سواری کے لائق بہت کم رہ گئے ہیں۔ شیخ المفسرین قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ یہاں حدیث میں لوگوں کو اونٹوں کے بالمقابل بطور تمثیل کے اس مناسبت سے ذکر کیا ہے کہ وہ آدمی جو سخی المزاج کریم الطبع ہو اور جو لوگوں کی خدمات بے حد کرتا ہو۔ لوگوں کے حقوق ادا کرتا ہو۔ پریشانیاں دور کرتا ہو۔ دوسروں کے کام آتا ہو۔ ایسا آدمی بہت کم نظر آتا ہے بلکہ ایسے آدمی کا وجود تقریباً معدوم ہی ہے۔ اس لیے کہ بعض لغویین کہتے ہیں کہ راحلۃ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو اوصاف حمیدہ میں کامل، دیکھنے میں خوب صورت، سفر اور بوجھ لادنے میں مضبوط اور طاقت ور ہو۔ اس لیے لوگوں کو راحلۃ کے بالمقابل بطور مثال کے ذکر کیا ہے اور یہی مفہوم حدیث نبوی کا میرے خیال میں زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲ (محمد عباس فتح پوری)

قوم ثمود کے بقایا اونٹ کی نسلوں سے ہوتے ہیں لیکن (اہل لغت) کچھ اونٹوں کے دوسرے نام بھی رکھ دیتے ہیں۔اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ بعض اونٹوں میں مختلف قسم کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ان میں سے کچھ اچھے اور کچھ برے ہوتے ہیں۔

(۷) العیس: ان اونٹوں کو کہتے ہیں جن کے مزاج میں سختی یا شدت زیادہ پائی جاتی ہے۔

(۸) الشملال: وہ اونٹ ہیں جو ہلکے پھلکے ہوں۔

(۹) الیعملۃ: کام کرنے والے اونٹوں کو کہتے ہیں۔

(۱۰) الوجناء: وہ اونٹ ہیں جن کے مزاج میں سختی ہو۔

(۱۱) الناجیۃ: ان اونٹوں کو کہتے ہیں جو تیز رفتار ہوں۔

(۱۲) العرجاء: چھریرے بدن والے اونٹوں کو کہا جاتا ہے۔

(۱۳) الشمر دلۃ: لمبے بدن والے اونٹوں کا کہا جاتا ہے۔

(۱۴) الھجان: اچھی قسم کے اونٹوں کو کہا جاتا ہے۔

(۱۵) الکوما: بڑے بڑے کوہان والی اونٹنیوں کو کہتے ہیں۔

(۱۶) الحرف: دبلی اور چھریرے بدن والی اونٹنی کو کہتے ہیں۔

(۱۷) القوداء: لمبی گردن والی اونٹنی کو کہتے ہیں۔

(۱۸) الشملیل: تیز رفتار اونٹنی کو کہتے ہیں۔

کعب بن زہیر نے اپنے ایک شعر میں اونٹ کی ان اقسام کا ذکر کیا ہے۔

حرف ابوھا اخوھا من مھجنة و عمھا و خالھا قوداء شملیل

ترجمہ: ''(اس اونٹنی) کے باپ اور بھائی بدن کے ہلکے' سفید اور نسل کے شریف ہیں اور اس کے چچا اور ماموں بھی ہیں اور ان کی گردنیں اونچی' تیز رفتار تیز ہیں۔''

وضاحت: ابوعلی القالیؒ ابوسعید سے نقل کرتے ہیں کہ **ابوھا و اخوھا** سے شاعر کی مراد یہ ہے کہ اس اونٹنی کے باپ اور بھائی دونوں شریف ہیں لیکن بعض نے بیان کیا ہے کہ ابوہا واخوہا اسی طرح عمہا وخالہا کا مطلب یہ ہے کہ باپ' بھائی اور چچا' ماموں یہ چاروں نسبتیں ایک ہی اونٹ کے اندر پائی جاتی ہیں اور اس قسم کا اونٹ عرب میں بہترین قسم کا سمجھا جاتا ہے۔یہ نسبتیں یوں جمع ہو جائیں گی کہ نوجوان اونٹ جو اپنی ماں سے جفتی کرے،اور بعد میں جو بچہ پیدا ہو تو جفتی کرنے والا اونٹ باپ کی نسبت کے ساتھ پیدا شدہ بچہ کی وجہ سے بھائی بھی ہو گیا۔اسی طرح یہی (ماں سے جفتی کرنے والا) جس پہلے باپ (اونٹ) کا بچہ ہے اس کی نسبت سے یہ (ماں سے جفتی کرنے والا) اونٹ چچا بھی ہو گیا اور ماموں بھی۔

حضرت کعبؓ کے عمدہ ترین کلام میں یہ بھی ہیں ؎

لو کنت اعجب من شی لا عجبنی سعی الفتی و ھو مخبوء له القدر

ترجمہ: ''مجھے اگر کوئی چیز پسند آتی تو جوان آدمی کی کوششیں پسند آتی ہیں جو اس کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے۔''

یسعی الفتی لامور لیس یدرکھا فالنفس واحدۃ والھم منتشر

ترجمہ: ''نوجوان آدمی ایسے امور کے لیے کوشش کرتا ہے جسے وہ حاصل نہیں کر پاتا اس لیے کہ جان تو ایک ہے اور مقاصد مختلف ہیں۔''

والمرء ماعاش ممدور امل لاتنتھی العین حتی ینتھی الاثر

ترجمہ: ''اور آدمی جب تک زندہ رہتا ہے اس کی تمنائیں بڑھتی رہتی ہیں۔ آنکھیں اس وقت تک قائم رہتی ہیں جب تک کہ نقش قدم ختم نہیں ہوتے۔''

حیوانات کے ماہرین نے لکھا ہے جس وقت اونٹ غصہ میں ہوتا ہے تو وہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ اس وقت اونٹ بدخلق ہو جاتا ہے، منہ سے جھاگ نکلنے لگتی ہے۔ بلبلانے لگتا ہے۔ اسی طرح غصہ کی حالت میں اونٹ چارہ کم کھاتا ہے۔ شقشقہ نکلتی ہے اور شقشقہ اونٹ کی اس سُرخ کھال کو کہتے ہیں جس کو وہ اپنے پیٹ سے نکال کر پھونک مارنے لگتا ہے۔ اسی حالت میں اگر تم اس کی باچھ کو دیکھو تو پہچان میں نہیں آئے گا۔ لیثؒ کہتے ہیں کہ یہ بات صرف عربی اونٹوں میں پائی جاتی ہے لیکن یہ زیادہ صحیح بات نہیں ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ خطابت اور تقاریر شیطان کی جھاگ ہیں۔ گویا آپ نے فصیح اور بلیغ آدمی کو بڑبڑانے والے اونٹ سے تشبیہ دی اور اس کی زبان کو اونٹ کے جھاگ سے۔

''فاطمہ بنت قیس سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان سے یہ فرمایا تھا کہ (حضرت) معاویہؓ فقیر اور محتاج ہیں، رہ گیا ابوجہم تو میں اس کے بڑبڑانے سے خوف محسوس کرتا ہوں۔''

اونٹ کی عادتیں

اونٹ کی عادت ہے کہ وہ سال بھر میں صرف ایک بار جفتی کرتا ہے لیکن اس کی جفتی دیرپا ہوتی ہے اور وہ اس دوران بار بار انزال کرتا ہے۔ اسی لئے جب وہ جفتی سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس میں کمزوری اور سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ اونٹنی تین سال میں حاملہ ہو پاتی ہے اسی لئے اونٹنی کو حقہ بھی کہہ دیتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ حقہ والی ہو جاتی ہے۔

حیوانات کے ماہرین نے بتایا ہے کہ اونٹ سب سے زیادہ بغض اور کینہ رکھنے والا جانور ہوتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اس میں صبر وتحمل اور دوسروں پر حملہ کرنے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔

صاحب المنطق نے کہا ہے کہ اونٹ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنی ماں پر (جفتی کرنے کے لیے) نہیں چڑھتا۔ مزید انہوں نے ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ گزشتہ زمانے میں ایک آدمی نے یہ کیا کہ اونٹنی کو ایک کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ پھر اس نے اس کے نوجوان بچے کو اس پر چھوڑ دیا تو وہ چڑھ گیا۔ جب اس بچے نے اپنی ماں کو پہچان لیا کہ یہی ماں ہے تو اس نے اپنے ذکر کو کاٹ لیا۔ پھر وہ نوجوان اونٹ اس آدمی سے بغض رکھنے لگا۔ یہاں تک کہ اس اونٹ نے موقع پا کر آخر کار اس کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ پھر اس نے اپنے آپ کو بھی ہلاک کر دیا۔

اونٹ ایسا جانور ہے جس کے پتہ نہیں ہوتا۔ شاید اسی لیے اس کے اندر صبر وتحمل کی بے پناہ قوت ہوتی ہے۔ اس کے اندر نہایت اطاعت اور فرماں برداری کا جذبہ کارفرما رہتا ہے۔ اونٹ کی کنیت ابوایوب ہے۔

لیکن اس کے جگر میں ایسی چیز پائی جاتی ہے جو پتے کے مانند ہوتی ہے۔ غالباً وہ ایک قسم کی کھال ہے جس میں لعاب لگا ہوا ہوتا ہے اور اس کھال کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اس کا سرمہ آنکھوں میں استعمال کیا جائے تو پرانے پھولے کے لیے نفع بخش ہے۔

اونٹ میں خاص بات یہ ہے کہ وہ کانٹے دار درختوں کو بھی مزے لے کر کھا جاتا ہے۔ اسے اس کے ہضم کرنے میں کسی قسم کی کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ اس لیے کہ اس کی انتڑیاں اتنی مضبوط ہوتی ہیں کہ اس خار دار چیز کو ہضم کرنے میں پریشانی نہیں ہوتی۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ اونٹ جو کو بڑی مشکل سے ہضم کر پاتا ہے۔ اور اہل عرب میں تعجب خیز بات یہ دیکھی گئی ہے کہ جب کسی اونٹ کو خارش ہو جاتی ہے تو دیگر صحیح وسالم اونٹوں کو بھی داغ دیتے ہیں تاکہ مرض متعدی نہ ہونے پائے اور خارشی اونٹ درست ہو جائے۔

نابغہ نے کہا ہے: ؎

وحملتنی ذنب امرئی و ترکته كذا العريكوى غيره وهو راتع

ترجمہ: ''مجھے کسی انسان کی غلطی برانگیختہ کرتی ہے تو میں غلطی کرنے والے کو چھوڑ دیتا ہوں (اور انتقام دوسرے سے لیتا ہوں)۔''

ایسے ہی خارشی اونٹ کی وجہ سے غیر خارشتی اونٹوں کو (صحت مندی کے باوجود) داغ دیا جاتا ہے۔ یہی مفہوم کسی اور نے ادا کیا ہے ؎

غیری جنی وانا المعاقَب فیکم فکاننی سبابة المتندم

ترجمہ: ''گناہ دوسرے نے کیا اور مجھے سزا دی گئی گویا کہ جرائم پیشہ لوگوں کے اشارے پر مجھے نشانہ بنالیا جاتا ہے۔''

لیکن ابوعبید القاسم بن سلام نے اس کا انکار کیا ہے۔ نیز اہل علم کی ایک جماعت نے ایک روایت نقل کی ہے:

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بنوفزارہ کا ایک فرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی نے ایسا بچہ جنا ہے جس کا رنگ کالا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں! آپؐ نے فرمایا کس رنگ کے ہیں؟ اس نے عرض کیا سرخ رنگ کے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیا ان میں کوئی اونٹ خاکستری رنگ کا بھی ہے اس نے عرض کیا کہ ان میں خاکستری رنگ کے بھی ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا بس وہی بات ہے (جو اس میں ہے) پھر اس نے عرض کیا۔ اچھا آپ یہ بتائیے کہ ان اونٹوں میں یہ کالے رنگ کا کیسے پیدا ہو گیا تو آپؐ نے فرمایا بچہ بھی کسی ایسی رگ کی وجہ سے کالا ہوا ہے جس نے اس کو کھینچ لیا ہے (یعنی اس بچہ کی اصل میں بھی کوئی شخص کالے رنگ کا رہا ہوگا۔ جس کے مشابہ یہ بچہ ہو گیا)۔''

(اس سے قبل اس حدیث کا تذکرہ شیر کے باب میں گزر گیا ہے) اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ''شاید اس سیاہ رنگ کو کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس آدمی کو اس سیاہ فام غلام کی کنیت کی نفی کرنے کی اجازت مرحمت نہیں فرمائی۔

توضیح: جن صاحب کا اس حدیث میں واقعہ مذکور ہے ان کا نام ضمضم بن قتادة العجلی ہے لیکن ان کا تذکرہ ابن عبدالبرؒ نے کتاب الاستیعاب میں ذکر نہیں کیا۔ نیز اس حدیث کے علاوہ اور کوئی دوسری حدیث ان سے مروی نہیں ہے۔ حدیث کے دیگر ذخیرے مسند وغیرہ میں بھی اس نام کا ذکر ملتا ہے۔ نیز اس حدیث کو شیخ عبدالغنیؒ نے کچھ زیادتی کے ساتھ نقل فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں کہ بنوعجل کی ایک عورت تھی۔ چند بوڑھی عورتیں قبیلہ بن عجل کی مدینہ منورہ آئیں اور سب اس عورت کے بارے میں سوال کرنے لگیں کہ اس نے سیاہ فام غلام جنم دیا ہے۔ یہ بھی کہا کہ ان کے آباء واجداد میں ایک سیاہ رنگ کا آدمی گزرا ہے۔ شیخ عبدالغنیؒ نے اس آدمی کا نام ضمضم بن قتادة العجل ذکر کیا ہے۔ خطیب ابوبکر علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ ان عورتوں نے یہ کہا تھا کہ ان کے خاندان میں ایک سیاہ رنگ کی دادی گزری ہیں۔

اونٹ کے شرعی احکام

اونٹ کا گوشت حلال ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اُحِلَّتْ لَكُمْ[1] بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ.

''تمہارے لیے چوپائے حلال کر دیئے گئے۔''

علامہ دہری لکھتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے لیے اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ حرام کر لیا تھا تو یہ ان کا اپنا اجتہاد اور اپنے نفس کے لیے ایک کردار تھا۔ اہل علم اس کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ آپ دیہات میں رہتے تھے آپ کو عرق النساء کی شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ معلوم ہوا کہ آپ کو اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ نقصان دہ ثابت ہو رہا ہے۔ چنانچہ اسے اپنے لیے حرام قرار دے کر کھانے پر پابندی لگالی۔

چونکہ حضرت محمد ﷺ کی شریعت مستقل شریعت ہے اور ہر نبی کی شریعت میں مسائلی اور جزوی اختلاف بھی رہا ہے اس لیے آپؐ سے اونٹ کے گوشت کے بارے میں دو قسم کی روایات ہیں اس لیے علماء اُمت میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اگر کسی کا وضو ہو۔ پھر وہ اس کے بعد اونٹ کا گوشت تناول کر لے تو آیا اس کا وہ وضو برقرار رہے گا یا ٹوٹ جائے گا؟ علماء کی کثیر جماعت کا مذہب ہے کہ وضو نہیں ٹوٹے گا۔ یہی مذہب صحابہ کرامؓ میں خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق وعمر بن خطاب وعثمان بن عفان وعلی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرت عبداللہ بن مسعود وابی بن کعب وعبداللہ بن عباس' ابوالدرداء وابوطلحہ انصاری وابوامامہ باہلی وعامر بن ربیعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ کا ہے اور یہی مذہب جمہور تابعین امام مالکؒ وامام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وامام شافعیؒ کے تلامذہ میں سے امام بیہقیؒ کا ہے اور ایک روایت کے مطابق امام شافعیؒ کا قدیم قول یہی تھا (دونوں مذاہب کے دلائل کی تفصیل ان شاء اللہ الجیم فی الجزور جزور کے تحت آئے گی)۔

اونٹ کے کوہان کے سلسلے میں امام احمدؒ سے دونوں قسم کی روایات ہیں (کہ جائز بھی ہے اور ناجائز بھی) لیکن اونٹ کے دودھ پینے کے بارے میں امام احمدؒ کے تلامذہ سے دونوں وجہیں مروی ہیں (پیا بھی جا سکتا ہے اور نہیں بھی)۔

(معاطن ابل) اونٹ کے باڑے میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ عطن اور اعطان وہ مکانات کہلاتے ہیں جہاں پر اونٹ پانی وغیرہ پی کر آرام کرتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے:

> ''براء بن عازب سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کے بارے میں مسئلہ پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم (اس کے بعد) وضو کر لیا کرو۔ پھر یہی مسئلہ آپؐ سے بکری کے گوشت کے بارے میں پوچھا

---

[1] لفظ بہیمۃ ان جانوروں کے لیے بولتے ہیں جن کو عادۃً غیر ذوی العقول سمجھا جاتا ہے اس لیے کہ لوگ ان کی بولی کو عادۃً نہیں سمجھتے تو ان کی مراد مبہم رہتی ہے۔ امام شعرانی کہتے ہیں کہ بہیمہ کو بہیمہ اس لیے نہیں کہتے کہ اس کو عقل نہیں اور عقل کی باتیں اس پر مبہم رہتی ہیں جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عقل وادراک سے کوئی جانور بلکہ کوئی شجر وحجر بھی خالی نہیں۔ ہاں درجات کا فرق ضرور ہے۔ ان چیزوں میں اتنی عقل نہیں جتنی انسانوں میں ہوتی ہے۔ اسی لیے تو انسان کو احکام کا مکلف بنایا گیا ہے جانوروں کو مکلف نہیں بنایا گیا ورنہ ضروریات کی حد تک ہر جانور بلکہ ہر شجر وحجر کو حق تعالیٰ نے عقل وادراک بخشا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ ''وَ اِنْ مِنْ شَىْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ'' عقل نہ ہوتی تو اپنے خالق ومالک کو کس طرح پہچانتی اور کس طرح تسبیح کرتی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ چوپایہ جانداروں کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اور لفظ انعام پالتو جانور جیسے اونٹ' گائے' بھینس' بکری وغیرہ پر بولا جاتا ہے۔ بہیمۃ کا لفظ عام تھا انعام کے لفظ نے اس کو خاص کر دیا۔ مراد آیت کی یہ ہوگئی کہ گھریلو جانوروں کی آٹھ قسمیں تمہارے لیے حلال کر دی گئیں اور ان کا تذکرہ سورۂ انعام میں ہے۔

گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم اس کے بعد وضو نہ کیا کرو۔ پھر آپؐ سے اونٹ کے باڑہ میں نماز کے بارے میں سوال کیا گیا (کہ آیا وہاں نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ تم اونٹ کے باڑہ میں نماز نہ پڑھا کرو اس لیے کہ وہ شیاطین کا ٹھکانہ بن جاتی ہے۔ پھر یہی سوال بکری کے رہنے کی جگہ کے بارے میں کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا ہاں اس میں نماز ادا کرو اس لیے کہ بکریاں [1] مبارک ہیں۔''

عبداللہ بن مغفلؓ کی ایک روایت ہے:

''جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اونٹ شیاطین سے پیدا کیے گئے ہیں۔''

اونٹ کی زکوٰۃ

پانچ اونٹوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس لیے جب پانچ اونٹ جمع ہو جائیں تو ان کی زکوٰۃ صرف ایک چرنے والی بکری ہے۔ اسی طرح دس اونٹوں میں دو بکریاں۔ پندرہ اونٹوں میں تین بکریاں' بیس اونٹوں میں چار بکریاں واجب ہوتی ہیں۔ اب اس کے آگے زکوٰۃ یوں ادا کرنی پڑے گی کہ جب پچیس اونٹ ہو جائیں تو ایک بنت مخاض' چھتیس اونٹوں میں ایک بنت لبون (دو سال کا بچہ)' چھیالیس اونٹوں میں ایک حقہ' اکسٹھ اونٹوں میں ایک جذعہ' چھہتر اونٹوں میں دو بنت لبون۔ اکیانوے اونٹوں میں دو حقے۔ ایک سو اکیس اونٹوں میں تین بنت لبون ہوں گے۔ پھر اس کے بعد زکوٰۃ اسی طرح دینی ہوگی۔ ہر چالیس اونٹوں کی زیادتی میں ایک بنت لبون اور پچاس اونٹ ہو جانے پر ایک حقہ واجب ہوگا۔ ایک سال کے اونٹ کو بنت مخاض' دو سال کے اونٹ کو بنت لبون' تین سال کے اونٹ کو حقہ چار سالہ اونٹ کو جذعہ کہتے ہیں۔ اور جو بکری اونٹ کی زکوٰۃ میں دی جائے گی۔ وہ دو سالہ بکری ہونی چاہیے (عربی میں معز بولتے ہیں جس کا اطلاق بکرا' بکری دونوں پر ہوتا ہے) یا یک سالہ دُنبہ دینا ہوگا۔ بقیہ زکوٰۃ کے احکام مشہور و معروف ہیں۔

مسئلہ: امام متولیؒ کہتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے کسی شخص کے لیے اپنے مرنے کے بعد ایک اونٹ (ابل) دینے کی وصیت کی تو ورثاء (جن کو وصیت کی گئی ہے) ان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ نر یا مادہ جو چاہیں دے سکتے ہیں۔ لیکن اگر ورثاء نے اونٹ کا بچہ (فصیل) یا یک سالہ اونٹ (بنت مخاض) دیا تو جس شخص کو دینے کی وصیت کی گئی ہے اس کا قبول کرنا ضروری نہیں۔

امثال

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ سو اونٹوں کے مانند ہیں جن میں کوئی بھی سواری کے لائق نہ ہو (مسلم و ترمذی) (یعنی لوگوں میں اچھی قسم کے لوگ کم ہیں۔ مزید توضیح باب **الراء المهملہ** کے عنوان میں آئے گی۔

ازہریؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ صحیح معنی میں دُنیا سے کنارہ کش اور آخرت کی طرف راغب حضرات کمتر ہیں جس طرح کہ سواری کے قابل اونٹ کمیاب ہیں۔ اہل عرب کہتے ہیں:

''انہوں نے جی بھر کے گالیاں دیں اور اونٹ لے کر چلتے بنے۔''

---

[1] حدیث میں بکریوں کی جگہ نماز پڑھنے کی اجازت اور اونٹوں کی جگہ ممانعت متعدد وجوہات سے ہے' اس لیے کہ بکریوں کے مزاج میں سکینت مسکینیت اور رہنے کی جگہ صاف ستھری ہوتی ہے اسی طرح ہموار اور سطح ہونے کے ساتھ مینگنیاں ایک حد تک رہتی ہیں۔ اس کے برخلاف اونٹوں کی جگہوں میں گندگی ہوتی ہے۔ زمین اونچی نیچی ناہموار اور مزاج میں سرکشی شیطنت ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے نمازی آدمی کو تشویش رہتی ہے اس لیے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ ۱۲

بعض اہل علم نے یہ لکھا ہے کہ یہ مثال سب سے پہلے کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی نے استعمال کی اور یہ اس شخص کے لیے بولی جاتی ہے جس کا کام بکواس، بدگوئی اور لفاظی کے علاوہ کچھ نہ ہو (یعنی صرف زبان سے کہتا ہو عمل نہ کرتا ہو۔ دوسری مثال یہ ہے کہ عرب کہتے ہیں: **ما ھکذا یا سعد تورد الابل** (اے سعد! اس طرح اونٹوں کو پانی نہیں پلایا جاتا) یعنی معاملات کو اس برے طریقے سے انجام نہیں دیا جاتا۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو نامناسب کام کرنے لگے۔ اس مثال کو حضرت علیؓ [1] نے استعمال کیا تھا جس کی تصریح بیہقیؒ وغیرہ کی روایات میں ہے۔

تیسری مثال **یا ابلی عودی الی مبارک** (اے میرے اونٹ اپنی باڑھ میں لوٹ جا) یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو ایسی چیز سے بھاگنے لگے جو اس کے لیے لابدی اور ضروری ہو۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس کی بھلائی کا بھی پہلو ہو۔

اونٹ کی طبی خاصیتیں

امام ابن زہیرؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ اگر اونٹ کی نگاہ سہیل [2] ستارے پر پڑ جاتی ہے تو وہ مرجاتا ہے۔ اونٹ کا گوشت اسی طرح یک سالہ مینڈھا ہو یا پہاڑی مینڈھا ہو، ان سب کا گوشت خراب اور ردی ہوا کرتا ہے۔ اگر اونٹ کے بالوں کو جلا کر بہتے ہوئے خون پر چھڑک دیا جائے تو خون بہنا بند ہو جاتا ہے۔ اگر اونٹ کی چیچڑی کسی عاشق کی آستین میں باندھ دی جاتی ہے تو اس کا عشق زائل ہونے لگتا ہے۔

اگر اونٹ کے پیشاب کو نشہ میں مبتلا شخص پی لے تو اسی وقت نشہ اُتر جاتا ہے۔ اونٹ کا گوشت قوت باہ میں اضافہ کرتا ہے۔ اسی طرح جماع کے بعد سستی کو دور کر کے چستی، نشاط اور تازگی پیدا کرتا ہے۔ نیز ورم جگر میں بھی مفید ہے۔ اگر کوئی عورت بانجھ ہی کیوں نہ ہو حیض سے پاک ہونے کے بعد تین دن تک اونٹ کی پنڈلی کا مغز نکال کر کسی روئی یا اون کے پھاہے میں رکھ کر (اپنی فرج میں) باندھے رہے پھر اس کے بعد اس عورت سے جماع کیا جائے تو اس کے حمل ٹھہر جائے گا۔ (ماہرین اطباء نے عورت کے بانجھ ہونے کا پتہ لگانے کا طریقہ بتایا ہے جو ان شاء اللہ عنقریب ہی انسان کے عنوان میں آئے گا)۔

علم تعبیر [3]

تعبیر کا علم جاننے والوں نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے خواب میں یہ دیکھا کہ وہ سو اونٹوں پر مشتمل ریوڑ کا مالک ہو گیا تو یہ تعبیر دی جائے گی کہ وہ باعزت لوگوں کا حاکم بنے گا۔ نیز اسے بہت سا مال بھی ملنے کی توقع رہے گی۔ اسی طرح اگر کسی نے یہ دیکھا کہ بکریوں کا ریوڑ اس

---

[1] بعض ادباء نے تصریح کی ہے کہ یہ ضرب المثل کے طور پر اولاً مالک بن زید مناۃ بن تمیم نے اپنے بھائی سعد کو بے پرواہی سے اونٹوں کو پانی پلانے پر تنبیہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ (المنجد فرائد الادب)

[2] [3] علم تعبیر رویاء ایک مستقل فن ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ پیغمبروں میں سب سے ممتاز حیثیت اس فن میں حضرت یوسف علیہ السلام کو حاصل تھی۔ اور خاتم النبیین ﷺ فداہ آباءنا و امھاتنا کا کیا کہنا، آپ کو تو تمام اولین و آخرین کا علم دیا گیا تھا۔ خدا کے بعد بس آپؐ ہی ہر چیز میں حرف آخر تھے۔ اُمت محمدیہ میں تعبیر کا ملکہ ابو ہریرہؓ کے شاگرد محمد بن سیرینؒ کو حاصل تھا۔ یہ علم ایک خاص ملکہ ہے اور عطیۂ ربانی ہے جس کو اللہ تعالیٰ چیدہ اور چنیدہ حضرات کو عطا فرماتا ہے۔ امام ابوالخیر کہتے ہیں کہ علم تعبیر رویاء وہ علم ہے۔ جس میں نفسانی تخیلات اور غیبی امور دونوں میں اس طور پر مناسبت معلوم جاتی ہے کہ جس میں تخیلات کو غیبی امور میں منطبق کر کے خارج کر کے نفسانی حالات یا دُنیا کے خارجی حالات پر استدلال کرتے ہیں اور خواب کے ذریعے انسان کو محض خوشخبری دینا یا ڈرانا مقصود ہوتا ہے۔ اس فن میں کثیر کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ شیخ ابوسعد نصر بن یعقوب الدینوری نے خلیفہ قادر باللہ احمد عباسی ۳۹۷ھ کے لیے "تعبیر القادری" نام کی ایک عظیم کتاب تصنیف کی تھی جس میں یہ بیان کیا ہے کہ سات ہزار پانچ سو ماہر معبرین گزرے ہیں۔ ۱۲

کے ہاتھ میں آ گیا یا اسے کوئی بکری یا اونٹنی مل گئی ہے تو اس کی بھی یہی تعبیر ہوگی۔

نیز معبرین نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کسی نے دیکھا کہ وہ خواب میں اونٹوں کا مالک بن گیا ہے تو اسے بہترین صلہ اور دین و مذہب اور عقیدے میں سلامتی نصیب ہوگی۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اَفَلا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ.

"کیا وہ اونٹوں میں غور نہیں کرتے کہ وہ کس عجیب و غریب انداز میں پیدا کیا گیا ہے۔"

لیکن اگر کسی نے یہ کہا کہ میں نے خواب میں جمل (اونٹ) دیکھا ہے تو اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ وہ برے اعمال کا ارتکاب کر رہا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

وَ لَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلَجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ.

"وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے کے اندر سے نہ گزر جائے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّها تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ.

"وہ آگ محل جیسی بڑی بڑی چنگاریاں پھینکے گی (جو اچھلتی ہوئی یوں محسوس ہوں گی) گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں۔ (المرسلات آیت ۳۲_۳۳)۔"

اگر کسی نے خواب میں اَنْعَام (مویشی چوپائے) دیکھے ہیں کہ اس نے انہیں چرانے کے لیے چھوڑ دیا ہے تو اس کی تعبیر یہ دی جائے گی کہ وہ پیچیدہ معاملات میں قابو پا جائے گا اور مزید نعمت خداوندی اس شخص کو نصیب ہوں گی۔ اس لیے قرآن مجید میں مذکور ہے:

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ. (پ ۱۴ ع ۱۷ : النحل)

"اور اسی نے چوپاؤں کو بنایا کہ ان میں تمہارے جاڑے کا بھی سامان ہے اور بھی کتنے فائدے ہیں اور بعضوں کو کھاتے بھی ہو۔"

اگر کسی نے یہ دیکھا کہ وہ عربی اونٹوں کو چرا رہا ہے تو وہ گویا عرب قوم کا والی بنایا جائے گا۔ اگر کسی نے دیکھا کہ کسی شہر میں اونٹ ہی اونٹ ہیں تو اس کی یہ تعبیر دی جائے گی کہ اس شہر میں وباء اور جنگ وغیرہ کا امکان ہے۔

امام جیلیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے یہ دیکھا کہ وہ اونٹ کا مالک ہو گیا ہے تو وہ عزت و شوکت کی دولت سے مالا مال ہوگا اور ارطامیدورس نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص خواب میں یہ دیکھتا ہے کہ اس نے اونٹ کا گوشت کھایا ہے تو وہ بیمار پڑ جائے گا۔

امام المعبرین محمد[1] بن سیرینؒ نے فرمایا ہے کہ خواب میں اونٹ کا گوشت کھانے سے کوئی حرج نہیں اس لیے کہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ آیت اوپر گزر چکی ہے۔

اور بقیہ تفصیل ان شاء اللہ باب جیم میں جمل کے عنوان میں آئے گی۔ واللہ اعلم

---

[1] محمد بن سیرینؒ۔ یہ فقیہہ، زاہد، عالم، محدث، مشہور تابعین میں سے تھے۔ انس، ابن عمر، ابی ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ سے روایت حدیث کی ہے۔ یہ تعبیر رویاء کے فن میں امام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خواب کی تعبیر دینے میں خاص ملکہ عنایت فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے ان کی فرمائش پر لعاب دہن ان کے منہ میں لگا دیا تھا تو اس کی تاثیر سے حضرت یوسف علیہ السلام کا اثر آ گیا تھا اور آپ انہی کی طرح خوابوں کی تعبیر دینے لگے۔ چنانچہ وہ تعبیریں روز روشن کی طرح واضح ہو جایا کرتیں۔

اَبَابِیل [1] (جھنڈ)

اس کا واحد اِبالۃٌ آتا ہے۔ لیکن ابوعبید القاسم بن سلام نے فرمایا ہے کہ اس کا واحد نہیں آتا ہے۔ اس کے معنی جماعت فرقے، غول کے غول پرندے وغیرہ کے ہیں۔ بعض لغویین نے لکھا ہے کہ اس کا واحد ابول، عجول کے وزن پر آتا ہے۔ بعض اہل علم نے کہا ہے ابیل سکیت کے وزن پر آتا ہے اور بعض نے ایبال، دینار اور دنانیر کا وزن بتایا ہے۔

امام فارسیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کا واحد اِبالۃ تشدید کے ساتھ سنا گیا ہے۔ لیکن فراء نحوی نے تخفیف (بغیر تشدید) کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اب قرآن مجید کی آیت:

وَاَرْسَلَ عَلَیْھِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ.

''اور آپ کے رب نے ان کے اوپر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے۔''

میں مفسرین صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہوگیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں کون سا پرندہ مراد ہے۔ چنانچہ سعید بن جبیرؓ نے فرمایا ہے کہ ابابیل سے مراد وہ پرندہ ہے جو اپنا گھونسلا زمین و آسمان کے درمیان بناتا ہے وہیں بچے وغیرہ کی پیدائش بھی عمل میں آتی ہے اس کی منقار پرندوں کی مانند ہوتی ہے اور اس کے بازو کتے کے بازو کے مشابہ ہوتے ہیں۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ وہ ہرے رنگ کے پرندے دریا سے نکل کر آتے تھے جن کے سر درندوں کے مانند تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابابیل وہ پرندے تھے جن کو خداوند قدوس نے اصحاب فیل (ہاتھی والوں) پر مسلط فرمایا تھا اور وہ بالکل بلسان [2] جیسا ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ پرندے (وطواط [3]) چمگادڑ جیسے تھے۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ابابیل زرزور [4] پرندے جیسا ہوتا ہے۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ پرندے خاطف [5] پرندے سے کچھ مشابہ تھے اور خاطف سنونو [6] پرندے کا نام ہے جو آج کل مسجد حرام میں رہتا ہے اس کا واحد سنونۃ آتا ہے۔

---

[1] ابابیل غول اور جھنڈ کو کہتے ہیں۔ یہ کسی خاص جانور کا نام نہیں ہے۔ اردو زبان میں جو ایک خاص چڑیا کو ابابیل کہتے ہیں مراد نہیں ہے۔ وہ پرندے جو اللہ نے ابرہہ کے لشکر کو تباہ کرنے کے لیے بھیجے تھے کبوتر سے کسی قدر چھوٹے تھے اور کوئی ایسی جنس تھی جو پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی (قرطبی) بعض کم فہم لوگوں نے اس سلسلہ میں یہ لب کشائی کی ہے کہ ابابیل پرندے نہیں تھے کوئی بارود کی گولی وغیرہ تھیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ طیراً وغیرہ رکیک تاویلیں کی ہیں وہ تاویلیں ان واضح تفسیروں اور حقائق کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔

[2] مصباح اللغات میں ہے کہ البلسان سے مراد ایک درخت ہے۔ جس کے پھول چھوٹے سفید رنگ کے ہوتے ہیں اور پتے تلی کے مانند اور اس سے خوشبودار تیل نکلتا ہے اور اس کے بالکل متصل البلشون کا معنی بگلا لکھا ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب فیل پر مسلط کئے جانے والے پرندے بگلا کی مانند ہوں گے۔

[3] وطواط کے معنی لغت میں چمگادڑ کے ہیں لیکن ایک قسم کی پہاڑی ابابیل کو بھی کہتے ہیں۔ اس کی جمع وطاوط، وطاویط آتی ہے۔ ۱۲ (مصباح ص ۹۵۳)

[4] زرزور ایک قسم کا پرندہ ہے جو گھریلو چڑیا سے بڑا ہوتا ہے۔ بعض ان میں بالکل کالے رنگ کے ہوتے ہیں اور بعض پر سفید چتی ہوتی ہے اس کی جمع زراز یر وزرازرۃ آتی ہے۔ (مصباح ص ۳۳۵)

[5] خاطف، خطاف وخطاطیف یہ ابابیل کے مانند ایک پرندہ ہوتا ہے۔ (مصباح اللغات)

[6] بعض لغویین نے ابابیل ہی کو سنونو کہا ہے۔ اس کا واحد سنونوۃ اور سنونیۃ لکھا ہے۔ ۱۲ (مصباح ص ۴۰۲)

نیز ابیلی نصرانی راہب کو بھی کہا جاتا ہے اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابیل الابیلین کہا کرتے تھے جیسے کہ عرب شاعر نے کہا ہے۔

اما و دماء مائرات تخالها علٰی قنة العزی و بالنسر عَندَما

ترجمہ: ''تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ موجیں مارنے والے ان خون کے سمندروں کی قسم جو تم کو عزیٰ اور نسر کی چوٹی پر دم الاخوین کی طرح سُرخ نظر آ رہے تھے۔''

وما سبح الرهبان فی کل بیعة ابیل الابیلین عیسٰی بن مریما

ترجمہ: ''اور ان تسبیحات کی قسم جو ہر عبادت گاہ میں راہبوں نے پڑھیں اور راہبوں کے آقا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے پڑھیں۔''

لقد ذاق منا عامر یوم لعلع . حساما اذا ماهز بالکف صمما

ترجمہ: ''کہ عامر نے یوم جنگ میں ہماری جانب سے اس تلوار کا ذائقہ چکھا ہے کہ جب وہ ہاتھ میں حرکت کرتی ہے تو گردنیں اُڑاتی چلی جاتی ہے۔''

ابالة زیر کے ساتھ لکڑی یا گھاس کے گٹھے کو کہتے ہیں اور ضغث علی ابالة[1] مصیبت پر مصیبت کے معانی میں آتا ہے۔

اَتَان - گدھی

اَتَانٌ۔ (ہمزہ اور تاء کے زبر کے ساتھ ہے) گدھی۔ لیکن گدھی کے لیے لفظ اتانة (تاء تانیث کے ساتھ) استعمال نہیں کریں گے اور یوں کہیں گے ثلاث اتن (تین گدھیاں) جیسے کہ عناق اور عنق (بکری کا بچہ) استعمال کرتے ہیں اور کثرت کے لیے اُتُنٌ و اُتْنٌ کہتے ہیں استائن الرجل (اس نے ایک گدھی خریدی اور اسے اپنے لیے رکھ لیا۔

محمد بن سلام فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک قریشی نے بیان کیا ہے کہ ایک دن خالد بن عبداللہ القشیری جو امیر عراق تھے شکار کرنے کے لیے نکلے۔ اتفاقاً وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر تنہا رہ گئے تو وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عرب کا دیہاتی سامنے سے ایک دبلی اور کمزور گدھی پر سوار آ رہا ہے اور اس کے ساتھ ایک بڑھیا بھی ہے۔ اس دیہاتی سوار سے قشیری نے کہا کہ تم کس خاندان کے فرد ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک معزز' قابل فخر خاندان سے ہوں اور میں اس گھرانے کا آدمی ہوں جسے عزت و سطوت ورثہ میں ملی ہے۔

قشیریؒ نے کہا کہ کیا تم قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے ہو؟ اچھا یہ بتاؤ کہ تم اس قبیلے کی کس شاخ سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اس شاخ سے متعلق ہوں جو گھوڑوں پر سوار ہو کر نیزہ بازی کرتے ہیں اور مہمانوں کے آنے پر ان سے معانقہ کرتے ہیں۔ قشیریؒ نے کہا کہ شاید تم قبیلہ عامر سے متعلق ہو۔ لیکن آخر اس کی کس شاخ سے ہو؟ اس دیہاتی نے جواب دیا کہ میں باعزت سردار اور قوم کا درد رکھنے والے خاندان کا ہوں۔ قشیریؒ نے کہا تب تو تم قبیلہ جعفر کے معلوم ہوتے ہو (لیکن یہ بھی ایک بڑا قبیلہ ہے) آخر اس کی کس شاخ سے متعلق ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس شاخ کے آفتاب و ماہتاب اور سپہ سالاروں کے خاندان سے منتسب ہوں۔ قشیریؒ نے کہا تو تم منتخب افراد سے ہو۔ مزید یہ بتاؤ کہ تم یہاں کس کام سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ گردش زمانہ اور خلفاء کی توجہات کے کم ہونے کی

---

[1] ابیل کی جمع آبال وابل وابیلی آتی ہے۔۱۲ (مصباح ص ۲۶)

وجہ سے۔ قشیریؒ نے کہا کہ تم نے اس مقصد سے کس کے یہاں کا ارادہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ تمہارے اس امیر سے کہ جس کی مال داری نے اسے اوج ثریا پر پہنچا دیا ہے۔ لیکن اس کے خاندان والوں نے اسے گرا دیا ہے۔ پھر قشیریؒ نے پوچھا کہ آخر تمہارا ان کے یہاں جانے کا کیا مقصد ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں ان کے آباء واجداد کی داد و دہش سے مالا مال ہونے آیا ہوں۔ پھر قشیریؒ نے کہا کہ تم نے اب تک جتنے جوابات دیئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اس سلسلے میں کچھ اشعار بھی کہے ہیں۔ اعرابی نے اپنی عورت سے کہا (جو اس کی ردیف تھی) کہ تم اشعار سناؤ۔ اس عورت نے کہا کہ ہم نے تو ملامت گر کی مدح سرائی میں بہت مصائب جھیلے ہیں اچھا آج تو چھوڑ یئے۔ اس لیے ملامت گر کی مدح سرائی باعث رسوائی ہے تو اس اعرابی نے کہا کہ نہیں اشعار سناؤ تو اس عورت نے سنانا شروع کیا۔

الیک ابن عبداللّٰہ بالجد أرقلت بنا البید عیس کالقسی سوا هم

ترجمہ: "اے ابن عبداللہ ہم تمہارے پاس میدان کو طے کر کے جس مشقت سے آئے ہیں (وہ ہمیں معلوم ہے) اونٹ تھک گئے اور ان کی کمر دوہری ہوگئی ہے۔"

علیها کرام من ذوابة عامر اضربهم جدب السنین العوارم

ترجمہ: "اونٹ پر سوار ہو کر بنو عامر کے وہ شرفاء آئے ہیں جنہیں سیل عرم کی طرح خشک سالی نے بہت ہی زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔"

یردن امرأ یعطی علی الحمد ماله وهانت علیه فی الثناء الدراهم

ترجمہ: "وہ ایسے گھر کا قصد کر کے چلے ہیں جو تعریف میں مال لٹاتا ہے اور جود وعطا اس کی فطرت ہے۔"

فان تعط مانهوی فهذا ثناؤنا وان تکن الاخری فما ثم لائم

ترجمہ: "اگر تم ہمیں نواز دیتے ہو تو ہماری طرف سے تمہاری مدح خوانیاں ہیں اور اگر نہیں دیتے (تو ہماری طرف سے کوئی زور نہیں) ملامت کی کوئی بات نہیں۔

قشیریؒ نے کہا کہ اے اللہ کے بندے تمہارے اشعار تو بہت عمدہ ہیں لیکن تم اتنی دبلی گدھی پر سوار ہو کر آئے ہو اور تم یہ سمجھ رہے ہو کہ بھورے رنگ کے اونٹ پر بیٹھے ہوئے ہو اور تم نے اپنے اشعار میں آدمی کے وہ اوصاف بیان کئے ہیں جو تمہاری گفتگو سے ظاہر نہیں ہوتا۔

اعرابی نے کہا: اے بھتیجے جو ہم نے ملامت گر کی مدح سرائی میں مشقت جھیلی ہے وہ ہمارے لیے اشعار میں غلط تعریف سے زیادہ گراں ہے۔

پھر قشیریؒ نے کہا کہ تم خالد بن عبداللہ القشیری کو جانتے ہو تو اس اعرابی نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا۔ اس نے کہا کہ میں ہی خالد بن عبداللہ القشیری ہوں، تو اس اعرابی نے کہا کہ خدا کی قسم! تمہی خالد ہو تو انہوں نے جواب دیا جی ہاں جس سے تم سوال کر رہے ہو وہی خالد بن عبداللہ القشیری ہے اور تم کو میں ایسی چیز دینے والا ہوں جس کا بدل تم نہیں دے سکتے۔ تو اس اعرابی نے کہا کہ اے ام جحش تم اپنی گدھی کا رُخ پھیر دو۔ قشیری اس عورت سے کہنے لگے تم ایسا نہ کرنا تم اور تمہارے شوہر دونوں یہاں ٹھہرے رہیں۔ اس اعرابی نے کہا کہ نہیں نہیں خدا کی قسم! کیا میں ان کو کچھ سنا کر مال لے سکتا ہوں۔ اتنا کہہ کر اس اعرابی نے گدھی کو موڑا اور چل دیا۔ قشیریؒ نے کہا کہ اس طرح کے کام یہ اور اس کے آباء کرتے ہی رہتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے:

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اون پہنا اور بکری کا دودھ دوہا اور گدھی پر سوار ہوا تو اس کے اندر ذرہ برابر تکبر نہیں ہے۔'' (البیہقی)

اسی قسم کے مضمون کی تائید عبدالرحمٰن بن عمار بن سعد کے حالات زندگی میں مذکور ہیں۔ (الکامل)

نیز دوسری روایت میں حضرت جابرؓ اور ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مندرجہ ذیل چیزیں کبر اور تکبر سے محفوظ رکھتی ہیں' اونی لباس غریب مومنین کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا' گدھی پر سوار ہونا' بکری کو ٹانگوں میں دبا کر دوہنا اور تمہارے اپنے اہل وعیال کے ساتھ کھانا' کھانا وغیرہ۔''

زرارہ بن عمرو النخعی' حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں نصف رجب ۹ھ کے قریب تشریف لائے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے راستے میں ایک خواب دیکھا ہے جس کی وجہ سے میں خوف زدہ ہوں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ تم نے کیا دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے یہ دیکھا کہ میں نے ایک گدھی اپنے اہل وعیال کے پاس چھوڑی جس نے ایک سالہ بکری کا بچہ سُرخی مائل کالے رنگ کا جنم دیا ہے اور یہ دیکھا ہے کہ زمین سے آگ سلگی جو میرے اور میرے بیٹے جس کا نام عمرو ہے حائل ہوگئی ہے اور اس آگ سے آواز آرہی ہے کہ میرا شعلہ بینا اور نابینا دونوں کو جلائے گا۔

تو حضور اکرم ﷺ نے اس آدمی کو یہ تعبیر دی کہ کیا تو نے اپنے گھر میں ایک خوش طبع باندی چھوڑی ہے؟ تو اس نے عرض کیا کہ جی ہاں یارسول اللہ ﷺ! تو آپؐ نے فرمایا کہ اس نے تیرا ہی بچہ جنا ہے اور وہ تیرا بیٹا ہے تو اس آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کہ وہ سیاہ رنگ کا سُرخی مائل کہاں سے پیدا ہوگیا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے قریب ہو جاؤ تو وہ قریب ہوگیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے والد کو برص تھا۔ تم اسے چھپا رہے ہو۔ تو اس نے کہا کہ خدا کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر مبعوث کیا ہے۔ اس سے قبل سوائے آپ کے کسی نے یہ نہیں بتایا۔ پھر اس نے کہا کہ جی ہاں آپ نے سچ فرمایا ہے۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اچھا جو تم نے آگ دیکھی ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ ایک فتنہ کی شکل میں میرے بعد ظاہر ہوگی۔ تو زرارہ نے عرض کیا کہ وہ کون سا فتنہ ہے جو آپ کے بعد برپا ہو جائے گا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ لوگ اپنے امام کو قتل کر دیں گے۔ آپس میں جھگڑیں گے اور وہ بڑے لوگ ہوں گے اور ان کی انگلیوں کے درمیان ایک مومن کا خون دوسرے کے سامنے بہے گا جیسے کہ وہ پانی سے زیادہ سستا ہو اور اس کام کو گناہ گار اچھا سمجھیں گے۔ اگر تو اس فتنہ کو نہ پاسکا تو تیرا بیٹا ضرور دیکھے گا۔

زرارہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ دُعا فرما دیجئے کہ میں اس فتنہ کو نہ دیکھ سکوں۔ چنانچہ آپؐ نے اُن کے لیے دُعا فرمائی۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس فتنہ سے مراد فتنہ عثمانؓ ہے جس میں آپؓ کو شہید کیا گیا اور **الاسفح الاحوی** چتکبرے کو کہتے ہیں۔

کہاوت

عرب کہتے ہیں **کان حمارا فاستتان** (یعنی وہ گدھا تھا پھر گدھی بن گیا) **استاتن بمعنی صارا تانا** یعنی قوی تھا ذلیل وکمزور ہوگیا۔ باعزت تھا پھر ذلیل ہوگیا۔ یہ مثل اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو اولاً باعزت رہا ہو' بعد میں ذلیل بن گیا ہو۔

تعبیر[1]

گدھی کو خواب میں دیکھنا ایسی عورت پر دلالت کرتا ہے جو کاروبار میں مددگار' انتہائی سودمند اور نسل واولاد والی ہوتی ہے۔ اور لفظ **الاتان ایتان** سے بنا ہے' (ہمیشہ فائدہ مند)۔

---

[1] شرعی حکم۔ گدھے کی دو قسمیں ہیں: (۱) گھریلو گدھا (۲) جنگلی گدھا۔ بالاتفاق تمام ائمہ کے نزدیک جنگلی گدھا اور گریلو گدھا دونوں حرام ہیں۔

اخطب

اخطب: احمر کے وزن پر ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک صرد[1] نامی پرندہ ہے۔
شاعر نے کہا ہے ؎

ولا انثنی من طیرة عن مریرة اذا لاخطب الداعی علی الدوح صرصرا

ترجمہ: ''میں طیش کی وجہ سے اپنے پختہ ارادے سے نہیں پھرتا ہوں جب کہ اخطب[2] کسی بڑے درخت پر بیٹھ کر آندھی کو آواز دے رہا ہو (جس سے بدشگون لیا جائے)۔''
اخطب ایسے گدھے کو کہتے ہیں جس کی پشت سبز رنگ کی ہو۔ فراء نحوی نے لکھا ہے خطاء ایسی گدھیوں کو کہتے ہیں جن کی پشت پر کالی کالی دھاریاں ہوں اور گدھے کو اخطب کہتے ہیں۔

اُخَیْضِرُ

(ابن سیدہ نے کہا ہے) اخیضر[3] سبز رنگ کی مکھی جو کالی مکھی کے برابر ہوتی ہے۔

اَخیل

اخیل اس پرندے کو کہتے ہیں جو سبز رنگ کا ہوتا ہے۔ اس کے بازوؤں میں اس کے رنگ کے برعکس ایک چمک سی موجود ہوتی ہے۔ اس پرندہ کا نام اخیل[4] اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کی پشت میں ایک تل سا ہوتا ہے۔
بعض لغویین نے یہ لکھا ہے کہ اسے شقراق کہتے ہیں (اور شقراق فاختہ سے بڑا ایک پرندہ ہوتا ہے جس کو شقرق اور شرقرق بھی کہتے ہیں۔ اس کا مفصل تذکرہ باب شین میں آئے گا) اگر اس کو نکرہ استعمال کریں گے تو منصرف پڑھیں گے۔ علمیت کے علاوہ اگر اس کو بطور نکرہ استعمال کیا جائے گا تو منصرف (حرکت کے ساتھ) آئے گا۔ لیکن بعض نحویین نے کہا ہے کہ چاہے اسے معرفہ استعمال کریں یا نکرہ دونوں صورتوں میں غیر منصرف رہے گا۔ اس لیے کہ یہ لوگ التخیل مصدر سے اس کو صفت تسلیم کرتے ہیں اور وہ مندرجہ ذیل شعر سے استدلال کرتے ہیں ؎

ذرینی وعلمی بالامور و شیمتی فما طائری فیها علیک باخیلا

ترجمہ: ''آپ مجھے چھوڑ دیجئے اور تمام معاملات مجھے بتا دیجئے اس لیے کہ میری عادت یہ ہے کہ میں آپ کے بارے میں بدشگونی کا تصور تک نہیں کرسکتا۔''

---

[1] صرد جو موٹے سر سفید پیٹ اور سبز پیٹھ کا ایک پرندہ ہوتا ہے جو چھوٹے پرندوں کو شکار کرتا ہے (لٹورا) اس کی جمع صردان ہے۔
[2] بعض نے اخطب کا اطلاق شکرا پر بھی کیا ہے۔
[3] بعض نے یہ کہا ہے کہ اُخیضر اس پرندے کو کہتے ہیں جس کا رنگ سبزی مائل زرد ہوتا ہے اور اسی کو اخیل بھی کہتے ہیں۔ اس کی جمع خضاری آتی ہے۔
[4] خیلان ایک دریائی جانور ہے جس کا نصف حصہ انسان جیسا اور نصف حصہ مچھلی کا سا ہوتا ہے۔

اَرْبَدُ

یہ ایک قسم کا زہریلا سانپ ہوتا ہے۔ اس کے کاٹنے سے چہرے کا رنگ خاکستری ہو جاتا ہے۔ اسی سے متعلق عبدالملک بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہ کی قبر پر زیاد کو کھڑے دیکھا کہ وہ یہ اشعار پڑھ رہے ہیں ؎

ان تحت الاحجار حزما وعزما وخصیما الد ذامعلاق

ترجمہ: ''پتھروں کے نیچے لکڑیوں کے گھٹے کی طرح (سمٹا ہوا) بہادر، سخت حملہ آور جھگڑالو دشمن ہے۔''

حیة فی الوجار اربد لاینفع منه السلیم نفث الراقی

ترجمہ: ''اپنے بل میں ایک اربد سانپ رہتا ہے جس کی پھنکار سے جھاڑ پھونک کرنے والا بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔''

زیاد نے کہا کہ جس سے بھی میں دشمنی کرتا ہوں تو آخری درجہ کی دشمنی کرتا ہوں اور جس سے بھائی چارگی واخوت کا معاملہ کرتا ہوں تو اسے بھی آخر تک نبھاتا ہوں۔

(دمیریؒ کہتے ہیں) کہ امام جوہریؒ نے کہا ہے کہ ذومعلاق کے معنی انتہائی جھگڑالو کے ہیں۔

جیسے کہ مہلہل نے کہا ہے ؎

ان تحت الاحجار حزما و جودا وخصیما الد ذامعلاق

ترجمہ: ''پتھروں کے نیچے ایک لکڑیوں کے گھٹے کی طرح (سمٹا ہوا) سخت حملہ آور جھگڑالو دشمن موجود ہے۔''

ارخ

ابن درستویہ نے لکھا ہے کہ یہ دو سال کی اس مادہ گائے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ ابھی جفتی نہ کی گئی ہو۔ اس کی جمع اروخ واراخ آتی ہے۔ مزید موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ مجھے قبیلہ مزینہ کے ایک دیہاتی نے مکہ کے راستے میں یہ شعر سنایا جسے اس نے اپنے لیے کہا تھا ؎

ایام عهدی فیک کانها ارخ یرود بروضة مثقال

ترجمہ: ''میری زندگی کے دن تمہارے ساتھ ایسے گزرے جیسے کہ گورخر گھنے جنگل میں رہتا ہے۔''

امام جوہریؒ نے لکھا ہے کہ لارخ جنگلی گائے (نیل گائے) کو کہتے ہیں۔ لیکن صاحب المغرب نے لکھا ہے کہ جنگلی گائے کے بچے کو کہتے ہیں۔

اَرَضَة [1]

(دیمک، گھن) یہ ایک چھوٹا سا جانور آدھے مسور کے دانہ کے برابر ہوتا ہے اور لکڑی کو کھاتا رہتا ہے۔ اس کو سُرفہ [2] بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ زمین کا کیڑا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے (جس پر تفصیل کے ساتھ باب سین میں روشنی ڈالی جائے گی) لیکن چونکہ یہ اپنی کاریگری کا اظہار زمین ہی میں کرتا ہے اسی نسب سے اسے **دابۃ الارض** کہا گیا ہے۔

امام قزوینیؒ کہتے ہیں کہ دیمک جب ایک سال کا ہو جاتا ہے تو اس کے دو لمبے لمبے پر نکل آتے ہیں جن سے وہ اُڑنے لگتا ہے اور اسے دابۃ الارض (زمین کا کیڑا) بھی کہتے ہیں۔ اسی کیڑے نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں جنات کو اطلاع دی تھی کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ چیونٹی دیمک کی دشمن ہوتی ہے۔ چنانچہ چیونٹی اس کے پیچھے کی جانب سے آتی ہے اور اسے اُٹھا کر اپنے سوراخ کی طرف لے کر چل دیتی ہے لیکن اگر وہ دیمک کے سامنے سے آتی ہے تو وہ اسے قابو میں نہیں کر پاتی' اس لیے کہ دیمک اس وقت مقابلہ کرنے لگتی ہے۔ (الاشکال)

دیمک کی خصوصیات

دیمک کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ لکڑی کے جال کی طرح ایک اچھا سا لکڑی کا مکان بنالیتا ہے اور وہ نیچے سے بنتا ہوا اوپر کی طرف چڑھتا چلا جاتا ہے اور اس کے گھر کی کسی جہت میں ایک چوکور دروازہ ہوتا ہے اور اس کا گھر ایک تابوت ہوتا ہے۔ اسی سے کہا گیا ہے کہ **تعلم الاوائل بناء النواویس علٰی موتاھم** (کہ بڑے بزرگوں نے قبرستان کی عمارت اپنے مرنے والوں کے لیے بنانا سکھایا ہے)۔

حدیث شریف میں مذکور ہے کہ جب قریش کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ نجاشی بادشاہ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کیا ہے تو یہ بات قریش کو ناگوار معلوم ہوئی چنانچہ انہوں نے اس کا یہ اثر لیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام پر غم وغصہ کا اظہار کرنے لگے اور قریش نے بنوہاشم کے خلاف آپس میں ایک معاہدہ کیا کہ وہ اب سے ان مسلمانوں سے نکاح نہیں کریں گے اور نہ خرید وفروخت کا معاملہ کریں گے اور نہ ان سے ملیں گے۔

روایت میں آتا ہے کہ اس معاہدے کے لکھنے والا بغیض بن عامر نامی شخص تھا تو اس کے ہاتھ بے کار اور شل ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب معاہدہ نامہ تیار ہو گیا تو انہوں نے اسے لے جا کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا اور تمام بنوہاشم کو شعب ابی طالب میں بند کر دیا۔ یہ واقعہ محرم کی ابتدائی تاریخوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ساتویں سال پیش آیا۔

اس معاہدے کی سب نے پابندی کی۔ لیکن بنوعبدالمطلب نے اس سلسلہ میں جانبداری سے کام لے کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا اور قریش نے بنوہاشم کے لیے کھانے پینے کے سامان اور ان کے تمام لوازمات بند کر دیئے۔

---

[1] ارضۃ کے معانی دیمک اور گھن دونوں کے آتے ہیں لیکن اردو زبان میں اس کو دیمک کہتے ہیں جو لکڑی وغیرہ میں لگ جاتا ہے اور غلہ میں لگتا ہے اس کو گھن بولتے ہیں۔۱۲

[2] سرفہ کے معانی میں گھن کے ہیں جو سُرخ جسم اور کالے سر والا کیڑا جو چھوٹی لکڑیوں کو اپنے لعاب سے جوڑ کر گھر بناتا ہے اور اس میں داخل ہو کر مر جاتا ہے۔ اسی سے مثال بھی دیتے ہیں **ھو اصنع من سرفۃ**۔ وہ سرفہ (گھن) سے زیادہ کاریگر ہے۔ (مصباح ص ۳۷۴)

پھرانہوں نے ان پراتنی زبردست پابندی لگادی کہ وہ خاص وقت میں نکالتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس بائیکاٹ میں ساری قوت صرف کردی۔ انہوں نے یہ معاملہ تین سال تک قائم رکھا۔ پھر جناب باری تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو اس معاہدہ نامہ پر مطلع کیا۔ جس میں ان لوگوں نے جوروظلم کی باتیں اوراس قسم کے معاہدے کی پابندی پرعمل کرنے کوواجب قراردیا تھا۔ چنانچہ اس معاہدہ نامہ کوسوائے اللہ رب العزت کے نام کے سب کو دیمک چاٹ گیا تھا۔ بعد میں ابوطالب نے اہل قریش کو یہ بات بتائی کہ تمہارے اس معاہدہ نامہ کو دیمک چاٹ گیا ہے تو قریش نے جب صحیفہ کو دیکھا تو واقعی وہی بات تھی جیسے کہ حضوراکرم ﷺ نے ان کو بتایا تھا۔ چنانچہ قریش نے ان تمام محصورین کوشعب ابی طالب سے رہا کردیا۔ (بخاری ومسلم)

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ ایک کھجور کے تنے کے قریب نماز پڑھ رہے تھے اور آپؐ نے اسے منبر بنالیا تھا۔ وہ تنا آپؐ سے اس طرح محبت والفت کرنے لگا جیسے کہ اونٹنی اپنے بچے سے پیار کرتی ہے۔ پھر آپؐ نے اپنا دست مبارک اس پر پھیرا تو وہ اپنی جگہ پر ٹھہر گیا۔ پھر جب کبھی وہ سجدہ گاہ ختم ہونے لگا اور بدلنے لگا تو ابی بن کعبؓ نے اس تنے کو اپنے گھر لے جا کرمحفوظ کرلیا۔ جب وہ کھجور کا تنا بوسیدہ ہوگیا تو اس کو دیمک نے چاٹ ڈالا۔ چنانچہ وہ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ (ابن سعد وابن ماجہ)

(اس کا تفصیلی ذکر باب الدال فی لفظ الدابۃ کے عنوان میں آجائے گا)

دیمک کا شرعی حکم

دیمک گندی چیز ہے اس لیے اس کا کھانا حرام ہے۔ قاضی حسین نے فرمایا ہے کہ اگر کسی ایسی جگہ جہاں دیمک نے گھر بنالیا ہو اور وہ زمین ڈھیلے دار ہو تو اس مٹی سے تیمم کرنا جائز ہے۔ اور وہ مٹی دیمک کے لعاب کے اختلاط کی وجہ سے مانع نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ دیمک کا لعاب پاک ہے تو گویا دیمک کی لعاب دار مٹی کا حکم اس آٹے کا ہوگیا جس کو کسی سرکہ یا گلاب کے عرق سے گوندھا گیا ہو۔ لیکن دیمک کی چاٹی ہوئی لکڑی یا کتاب کا کچھ حصہ باقی رہ گیا ہو تو ان سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ یہ مٹی نہیں ہے اور تیمم صرف مٹی سے جائز ہے۔

کہاوت ومثال

عرب کہتے ہیں ھو اکل من ارضۃ وہ دیمک سے زیادہ کھانے والا ہے۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو زیادہ کھاتا ہو۔

ھو اصنع من ارضۃ وہ دیمک سے زیادہ کاریگر ہے۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو اپنے فن میں کمال رکھتا ہو۔

تعبیر

دیمک کو اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے تو وہ علوم میں بحث ومباحثہ اور تکرار وغیرہ پر دلالت کرتا ہے۔

ارقم[1]

چتکبرا سانپ۔ یہ وہ سانپ ہے جس کے جسم پر سفیدی وسیاہی دونوں اس طرح معلوم ہوتی ہیں جیسے کہ اس کے جسم پر کچھ لکھا گیا ہو یا کسی قسم کا کوئی نقشہ بنایا گیا ہو۔

---

[1] الارقم: PERIOPS

ایک واقعہ یوں نقل کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے کسی آدمی کی ہڈی توڑ ڈالی تو وہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ بن خطاب کی خدمت میں قصاص کا مطالبہ لے کر آیا تو آپؓ نے کسی وجہ سے قصاص دلانے سے انکار کر دیا تو اس نے کہا کہ معاملہ تو بالکل ارقم (چتکبرا سانپ) جیسا ہو گیا ہے کہ دونوں صورتوں میں نقصان ہی نقصان ہے۔ اگر آپ سانپ کو چھوڑ دیں تو اس سے کسی وقت بھی ڈسنے کا خطرہ رہتا ہے اور اگر آپ اسے مار ڈالیں تو بھی نقصان کا اندیشہ رہتا ہے۔

ابن الاثیر کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جنات سانپوں کے مارنے کا بدلہ لیا کرتے ہیں تو بسا اوقات ایسا ہوتا کہ سانپ کا قاتل انتقال کر جاتا یا پاگل ہو جایا کرتا۔ (النہایہ)

تو یہ بات بالکل ایسے ہی ہو گئی جیسے کہ کسی آدمی پر دو نقصان دہ چیزوں کا اجتماع ہو گیا ہو اور وہ اس کے ردعمل کی کسی بھی تدبیر سے واقف نہ ہو تو گویا اس کا دونوں طرف سے نقصان ہوتا ہے۔ ایک تو ہڈی بھی ٹوٹ گئی اور قصاص بھی نہیں ملا۔ (النہایہ)

بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ ارقم (چتکبرا سانپ) وہ ہے جس کے جسم پر سُرخی اور سیاہی دونوں ہوتی ہیں چنانچہ مہذب الملک ارقم کو تشبیہہ دیتے ہوئے کہتا ہے ۔

کانون أذهب برده کانوننا مابین سادات کرام حذق

ترجمہ: ''آتش دان نے اس کی ٹھنڈک کو ختم کر دیا ہے ہمارا آتش دان بڑے بڑے کریم لوگوں کے درمیان رکھا ہوا ہے۔''

بارقم حمر البطون ظهورها سود تلغلغ باللسان الازرق

ترجمہ: ''وہ آتش دان ارقم (چتکبرا سانپ) کے مانند ہے جس کے پیٹ میں سُرخ رنگ کے خطوط اور پشت میں چتکبری رنگ کی دھاریاں ہوں اور وہ لپلپا رہا ہو۔

ارنب[1]

خرگوش۔ اس کی جمع ارانب آتی ہے اور یہ اسم جنس ہے جس کا اطلاق نر اور مادہ دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا جانور ہے جو بکری کے چھوٹے بچے کے مشابہ ہوتا ہے۔ جس کے دونوں ہاتھ چھوٹے اور پیر لمبے ہوتے ہیں۔ زرافہ[2] جانور کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ نیز پچھلی ٹانگوں کی مدد سے ہی چلتا پھرتا ہے۔

جاحظ کہتے ہیں کہ جب تم ارنب بولو گے تو مادہ ہی مراد ہو گی جیسے کہ عقاب کہنے سے اس کی مادہ مراد ہوتی ہے اور یوں استعمال کریں گے۔ **هذا العقاب وهذه الارنب.**

مبرد نحوی نے کہا ہے کہ عقاب کا اطلاق نر اور مادہ دونوں پر ہوتا ہے۔ ان دونوں میں اسم اشارہ سے تمیز کریں گے جس طرح کہ ارنب میں کرتے ہیں۔ (الکامل)

عربی میں نر خرگوش کو خُزز کہتے ہیں اور اس کی جمع خزان آتی ہے جیسے کہ صرد و صردان. دیگر لغات میں اس کی جمع اخزة بھی

---

[1] الارنب: اردو خرگوش۔ بلوچی ہرگوش۔ سندھی سہو۔ کشمیری خرگوش ۱۲۔

[2] زرافہ ایک جانور کا نام ہے۔ جو اونٹ کے برابر ہوتا ہے اور اس کی اگلی ٹانگیں لمبی اور پچھلی چھوٹی ہوتی ہیں۔ نیز اس کی گردن گھوڑے کے مانند ہوتی ہے۔

ملتی ہے اور مادہ خرگوش کے لیے لفظ عکرشة استعمال کریں گے اور خرگوش کے بچے کے لیے خرنق استعمال کرتے ہیں اور اس کے چوزوں کے لیے تین لفظ علی الترتیب آتے ہیں۔ پہلے خرنق پھر سخلة پھر ارنب کہتے ہیں۔

نر خرگوش کی ایک قسم ایسی ہوتی ہے کہ اس کے جسم کے ایک حصے میں ہڈی اور دوسرے حصے میں گوشت کا پٹھ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس قسم کی نوع لومڑی میں بھی پائی جاتی ہے۔

بسا اوقات مادہ خرگوش اپنے نر سے خود جفتی کرنے لگتی ہے۔ چونکہ اس میں شہوت کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے۔ نیز مادہ خرگوش حالت حمل میں جفتی کر لیتی ہے۔ اس جانور میں عجیب وغریب بات یہ ہے کہ یہی جانور ایک سال نر رہتا ہے اور دوسرے سال مادہ بن جاتا ہے۔ (فسبحان القادر علیٰ کل شئی)

عجیب وغریب قصہ

ابن اثیر نے ۶۱۳ھ میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ میرے ایک دوست نے خرگوش کا شکار کیا تو جب اس نے اس خرگوش کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں عضو مخصوص بھی ہے اور ایک شرمگاہ بھی ہے۔ چنانچہ لوگوں نے جب اس کا پیٹ چاک کر کے معائنہ کیا تو دونوں چیزوں کو موجود ہونے کی وجوہات موجود تھیں۔

ابن اثیرؒ نے اس سے بھی تعجب خیز دوسرا واقعہ نقل کیا ہے کہ ہمارے ایک پڑوسی کی لڑکی تھی جس کا نام صفیہ تھا۔ جب اس کی عمر پچیس سال کی ہوئی تو اس کے مردانہ عضو مخصوص نکل آیا۔ پھر اس کے بعد اس کے داڑھی بھی نکل آئی۔ چنانچہ اس میں دونوں جنسوں کے عضو مخصوص جمع ہو گئے۔ (اسی قسم کی مثال ضبع میں بھی آئے گی)

خرگوش کی خصوصیات

خرگوش کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ آنکھیں کھول کر سوتا ہے۔ جب شکاری آتا ہے تو اس کی آنکھیں کھلی ہوئی دیکھ کر یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ جاگ رہا ہے تو وہ واپس چلا جاتا ہے۔ خرگوش کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ جب یہ دریا دیکھتا ہے تو مر جاتا ہے۔ چنانچہ اسی لیے اکثر یہ دریا کے کنارے پائے جاتے ہیں۔ امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ یہ درست نہیں۔

عرب خرگوش کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ جنات خرگوش میں حیض ہونے کی وجہ سے اس سے دور رہتے ہیں۔ چنانچہ شاعر نے کہا ہے ؎

وضحک الارانب فوق الصفا كمثل دم الحرب يوم اللقا

ترجمہ: ''صفا پہاڑی پر خرگوش کے حیض کا خون اس طرح بکھرا ہوا ہے جس طرح کہ جنگ کے دن خون بہتا رہتا ہے۔''

تنبیہ: چار قسم کے جاندار ایسے ہیں جن کو حیض آتا ہے (۱) عورت (۲) ضبع (لگڑ بگڑ ہنڈار) (۳) چمگادڑ (۴) خرگوش۔ اور بعض اہل علم نے یہ بھی لکھا ہے کہ کتیا کو بھی حیض آتا ہے۔

چنانچہ جابر بن الحویرث عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے خرگوش کے بارے میں فرمایا کہ انہیں حیض آتا ہے۔'' (ابوداود)

ابن معین نے جابر بن الحویرث کے بارے میں فرمایا کہ میں انہیں نہیں جانتا لیکن ابن حبان ان کو ثقات میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن صرف ایک ہی حدیث کی روایت ان سے مشہور ہے۔

ابن عمرؓ ہی سے ایک اور روایت میں ہے:

''جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک خرگوش پیش کیا گیا تو آپؐ نے اسے تناول نہیں فرمایا اور نہ اس سے روکا۔''

(البیہقی)

گویا حضور ﷺ کا خیال یہ تھا کہ خرگوش کو حیض آتا ہے اور وہ گوشت وغیرہ بھی کھاتا ہے۔ جگالی کرتا ہے مینگنی کرتا ہے نیز اس کے دونوں پیروں کے نیچے اور جبڑوں کے اندرونی حصے میں بال بھی ہوتے ہیں۔

خرگوش کا شرعی حکم

تمام علماء کے نزدیک خرگوش کا گوشت حلال ہے۔ لیکن ایک روایت کے مطابق مکروہ ہے جس کی روایت ابن عمرؓ اور ابن ابی لیلیٰ نے کی ہے اور ہم اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کو ایک طبقے نے انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ:

''(ایک دن) ہم نے مقام مرالظہران [1] میں (شکار کے لیے) ایک خرگوش کا تعاقب کیا۔ چنانچہ میں نے (دوڑ کر) اس کو پکڑ لیا اور پھر اس کو ابوطلحہؓ کے پاس لایا۔ ابوطلحہؓ نے اس کو ذبح کیا اور اس کا ایک سرین اور دونوں رانیں رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجیں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اسے قبول فرمالیا۔'' (بخاری و مسلم و ترمذی)

اور بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اسے قبول فرما کر اس سے تناول بھی فرمایا۔ (کتاب الھبہ)

ایک دوسری روایت میں ہے:

''میں ایک طاقت ور نوجوان لڑکا تھا۔ میں نے ایک خرگوش کا شکار کیا اور اس کا گوشت پکایا۔ مجھے حضرت ابوطلحہؓ نے اس کی ایک ران دے کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے:

''جناب رسول اللہ ﷺ سے خرگوش کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ حلال ہے۔''

محمد بن صفوان سے ایک دوسری حدیث منقول ہے کہ:

''انہوں نے دو خرگوشوں کا شکار کیا پھر ان دونوں کو پتھر کے دو ٹکڑوں سے ذبح کیا۔ اتنے میں جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپؐ نے ان دونوں کو کھانے کا حکم فرمایا۔''

لیکن ابن قانع کی معجم میں محمد بن صفوان یا صفوان بن محمد سے روایت ہے۔

جن علماء نے خرگوش کے گوشت کو مکروہ قرار دیا ہے مثلاً ابن ابی لیلیٰ اور ان کے تمام موافق علماء وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

''حبان بن جزء کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ آپؐ خرگوش کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا نہ تو میں اسے کھاؤں گا اور نہ اسے حرام کہتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ پھر میں نے اس کی وجہ دریافت کی کہ ایسا کیوں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اسے خون آتا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ اچھا لگڑ بگڑ (ہنڈار) کے بارے

---

[1] مرالظہران۔ یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک پرانے راستہ کے قریب مکہ سے شمالی جانب تقریباً سولہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے یہ ایک نخلستانی علاقہ ہے جہاں تھوڑی بہت آبادی بھی ہے۔

میں کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا لگڑ بگڑ کو کون کھائے گا۔ (ترمذی)

امام ترمذیؒ کے خیال میں اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔ نیز امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو ابوبکر بن ابی شیبہ سے روایت کیا ہے۔ لیکن اس میں ضبع کے ساتھ ثعلب[1] اور ضب کا اضافہ موجود ہے۔

جب کہ بعض روایات میں ہے:

''اور میں نے نبی کریم ﷺ سے بھیڑیئے کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا اسے کوئی بھی شخص نہیں کھائے گا جس کے اندر ذرا سا خیر ہوگا۔''

امام دمیریؒ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسی ضعیف حدیث نہیں ہے۔ جس میں خرگوش کی حرمت کی تصریح موجود ہو۔ لیکن ان دو قسم کی روایات سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ خرگوش گندہ جانور رہتا ہے لیکن اسے کھایا جا سکتا ہے۔

امثال

اہل عرب خرگوش سے بھی مثالیں دیا کرتے تھے۔ چنانچہ کہا کرتے **اقطف من ارنب واطعم اخاک من کلیة الارنب** (خرگوش سے گردے لے کر اپنے بھائی کو کھلاؤ) اسی طرح کی ایک دوسری مثال بھی ہے **اطعم اخاک من عقنقل الضب** (اپنے بھائی کو گوہ کی انتڑیاں کھلاؤ) یہ دونوں مثالیں اہل عرب غم خواری، غم گساری اور مدد کرتے وقت بولتے ہیں **فی بیتہ یوتی الحکم** (اس کے گھر میں ہی فیصلہ دیا جاتا ہے) اہل عرب نے یہ ضرب المثل جانوروں سے لی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک واقعہ بھی مشہور ہے ایک خرگوش نے ایک کھجور اُٹھائی اسے لومڑی نے چھین کر کھا لیا۔ چنانچہ یہ دونوں جھگڑا کرتے ہوئے اپنا مقدمہ گوہ کے پاس لے گئے۔ خرگوش نے شکایت کرتے ہوئے کہا کہ اے ابوحسل (یہ گوہ کی کنیت ہے) تو گوہ نے کہا **سمیعاً دعوت** (کہ تو نے سننے والے ہی کو پکارا ہے) خرگوش نے کہا ہم دونوں تمہارے پاس فیصلہ کرانے کے لیے آئے ہیں تو گوہ نے کہا **عادلاً حکیمًا** (کہ تم منصف اور دانا ہی کے پاس آئے ہو) پھر خرگوش نے کہا تم ہمارے پاس آؤ۔ گوہ نے کہا **فی بیته یوتی الحکم** (عدالت میں ہی فیصلہ کے لیے آیا جاتا ہے)۔

خرگوش نے کہا کہ میں نے ایک کھجور پائی۔ گوہ نے کہا **حلوة فکلیها** (کھجور تو میٹھی ہوتی ہے کھا لو)۔ خرگوش نے کہا اس لومڑی نے چھین لیا ہے تو گوہ نے کہا **لنفسه بغی الخیر** (اپنے لیے ہی بھلائی اور اچھائی کی جاتی ہے)۔ خرگوش نے کہا کہ پھر میں نے اسے ایک ہاتھ رسید کیا۔ تو گوہ نے کہا **بحقک اخذت** (تو نے اپنا حق وصول کیا)۔ خرگوش نے کہا پھر اس نے میرے بھی رسید کر دیا۔ تو گوہ نے کہا **حرا انتصر لنفسه** (کہ آزاد نے اپنی ہی تو مدد کی)۔ تو خرگوش نے کہا تم ہمارے درمیان فیصلہ کر دو۔ تو گوہ نے کہا **قد قضیت** (میں نے تو فیصلہ کر دیا)۔

چنانچہ گوہ نے جو جو باتیں کہی تھیں وہ سب ضرب المثل کے طور پر استعمال ہونے لگیں۔

اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ بھی ہے:

ایک مرتبہ عدی بن ارطاۃ قاضی القضاۃ شریح کے پاس عدالت میں آئے تو عدی نے کہا آپ کہاں ہیں؟ تو قاضی شریح نے فرمایا **بینک وبین الحائط** (تمہارے اور دیوار کے درمیان ہوں)۔ عدی نے کہا کہ میں ایک مقدمہ لے کر آیا ہوں، آپ سماعت فرمایئے تو قاضی نے کہا **للاسماع جلست** (سننے ہی کے لیے تو بیٹھا ہوں)۔ عدی نے کہا میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے تو قاضی نے

---

[1] لگڑ بگڑ۔ گوہ۔ لومڑی اور بھیڑیا ان سب کا گوشت بالاتفاق سب کے نزدیک حرام ہے۔ محمد عباس فتح پوری

فرمایا بالوفاہ و البنین (بیوی سے موافقت اور اولاد نصیب ہو)۔ پھر عدی نے کہا اس کے گھر والوں نے یہ شرط لگائی ہے کہ میں اسے ان کے گھر سے باہر نہیں لے جاسکتا۔ تو قاضی صاحب نے فرمایا اوف لھم بالشرط (تم ان کی شرط پوری کرو)۔ عدی نے کہا میں تو ان کے گھر سے لے جانا چاہتا ہوں۔ قاضی نے کہا فی حفظ اللہ (خدا حافظ ہے) عدی نے کہا آپ فیصلہ کر دیجئے۔ قاضی جی نے فرمایا قد فعلت (میں نے کر تو دیا)۔ عدی نے کہا کس پر کیا؟ قاضی صاحب نے فرمایا علی ابن امک (تمہاری ماں کے بیٹے پر)۔ عدی نے کہا کس کی شہادت سے؟ قاضی نے کہا بشهادة ابن أخت خالک (تمہاری خالہ کی بہن کے لڑکے کی شہادت دینے سے)۔

قاضی شریح کے حالات

شریح بن الحرث بن قیس الکندی۔ آپ کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا قاضی مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کوفہ میں قاضی کی حیثیت سے پچھتر سال تک خدمت کرتے رہے۔ اتنی طویل مدت میں آپ سوائے تین سال کے برابر عہدہ قضاء پر مامور رہے۔

واقعہ یوں پیش آیا تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو فتنہ اُٹھا تھا اسی دوران آپ سے حجاج بن یوسف نے استعفیٰ طلب کرلیا تھا۔ چنانچہ آپ نے فوراً استعفیٰ دے دیا۔ اس کے بعد آپ نے کبھی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہیں فرمایا۔ پھر آپ کا انتقال ہوگیا۔

قاضی شریح کا شمار اکابر تابعین' باکمال اہل علم لوگوں میں ہوتا ہے۔ آپ خاص طور پر قضاء کے معاملات میں مکمل دسترس رکھتے تھے۔ آپ کے چہرے پر داڑھی اور مونچھ نہیں آئی تھی۔ اکابر میں اس قسم کے چار حضرات ایسے گزرے ہیں جن کے چہرے پر بڑھاپے تک بال نہیں آئے تھے۔ (۱) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (۲) قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ (۳) احنف بن قیس جو حلم و بردباری میں ضرب المثل ہیں (۴) قاضی شریحؒ۔

ابن خلکان کہتے ہیں کہ قاضی شریحؒ کے صرف ایک اولاد تھی چنانچہ جب آپ بیمار ہوئے تو یہی مرض آپ کا جان لیوا ثابت ہوا اور آپ کا انتقال ہوگیا۔ انتقال سے قبل آپ کا بیٹا بہت پریشان تھا مگر بعد میں وہ بالکل نہیں گھبرایا۔ یہ حالت دیکھ کر کسی نے آپ کے بیٹے سے سوال کیا۔ یہ کیا بات ہے کہ اس بیماری سے قبل تو آپ بہت پریشان نظر آرہے تھے اور آپ پر کسی طرح کے خوشی کے آثار نظر نہیں آتے تھے اور اب یہ حال ہے۔ تو آپ کے صاحبزادے نے جواب دیا کہ اس وقت میری گھبراہٹ اس کے لیے رحمت اور شفقت کے طور پر تھی۔ لیکن جب تقدیر کا لکھا ہوا واقع ہوگیا تو پھر میں اس کے قبول اور تسلیم کرنے پر رضامند ہوگیا۔ (وفیات الاعیان)

انہی سے متعلق امام ابن الفرج الجوزیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ زیاد نے حضرت معاویہؓ کی خدمت میں لکھا: ''اے امیر المؤمنین! میں نے اپنے بائیں ہاتھ سے عراق کو آپ کے لیے قابو کر رکھا ہے اور دائیں ہاتھ کو آپ کی اطاعت و فرماں برداری کے لیے فارغ کر دیا ہے اس لیے مجھے حجاز کا والی بنا دیجئے۔ اس زمانے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ زندہ تھے اور مکہ میں سکونت پذیر تھے تو اس درخواست کی اطلاع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی کہ زیاد نے حضرت معاویہؓ سے اس قسم کی درخواست کی ہے۔ چنانچہ آپ نے زیاد کے لیے بددُعا فرمائی۔ خدایا اگر آپ چاہیں تو ہم سب کو زیاد کے دائیں ہاتھ سے محفوظ رکھئے۔ اس بددُعا کا اثر یہ ہوا کہ زیاد کے دائیں ہاتھ میں طاعون ہوگیا اور تمام اطباء کا یہ اتفاق ہوگیا کہ دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

زیاد نے تمام اطباء کی اس رائے پر قاضی شریح سے مشورہ کیا (کہ مجھے یہ مرض ہے اور اطباء نے یہ مشورہ دیا ہے) قاضی شریح نے یہ مشورہ دیا کہ آپ ہاتھ نہ کٹوایئے۔ اس لیے کہ یہ رزق تو تقسیم ہو چکا ہے اور موت بھی مقرر ہو چکی ہے۔ مجھے یہ بُرا معلوم ہوتا ہے کہ آپ دُنیا

میں جب تک زندہ رہیں ہتھ کٹے رہیں۔ لیکن اگر آپ ہاتھ کٹوادیں گے اور اسی دوران موت بھی آجائے تو آپ خدائے پاک سے ہاتھ کٹنے کے بارے میں سوال کریں گے اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیے کہ جب خداوند قدوس آپ سے ہاتھ کٹنے کے بارے میں سوال کریں گے کہ تم نے اپنے ہاتھ کیوں کٹوائے تھے؟ تو آپ یہ جواب دیں گے کہ قضاء وقدر کے خوف اور آپ سے ملاقات نہ کرنے کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ چنانچہ تاریخ میں موجود ہے کہ زیاد کی اسی دن موت واقع ہوگئی۔ زیاد سے اکثر لوگ خوش رہتے تھے۔ قاضی شریح کے اس قسم کا مشورہ دینے پر لوگ قاضی صاحب کو برا بھلا کہنے لگے تو آپ لوگوں کو جواب دیتے ہوئے کہتے تھے کہ اس نے مجھ سے مشورہ کیا تھا۔ اگر وہ مجھ سے مشورہ نہ کرتا اور مشورہ دینے والے کو امانت دار ہونے کی شرعی پابندی نہ ہوتی تو میں بھی یہی چاہتا کہ زیاد کا ایک ہاتھ آج اور پاؤں کل کاٹا جاتا۔ پھر ہر ایک عضو کو روزانہ کاٹا جاتا۔

اسی موقع سے ابوالفتح البستی نے اپنے لمبے قصیدہ میں کہا ؎

لا تستشر غیر ندب حازم فطن   قد استوت منه اسرار و اعلان

ترجمہ: ''ہوشیار وزیرک اور عقلمند کے علاوہ اور کسی سے مشورہ نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ اس کے نزدیک اندرون اور بیرون دونوں برابر ہیں۔''

فللتدابیر فرسان اذا رکضوا   فیها ابرواکما للحروب فرسان

ترجمہ: ''اور تدبیروں کے لیے شہسوار بھی ہوتے ہیں جب کہ وہ اس میں قدم رکھتے ہیں تو لوٹتے ہیں جس طرح کہ میدان جنگ میں شہسوار ہوتے ہیں۔''

(یہ ایک طویل قصیدہ ہے باب ثاء میں ثعبان کے تحت اس قصیدہ کا ذکر بھی آجائے گا)

مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ قاضی شریح سے حجاج بن یوسف ثقفی کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ مومن آدمی تھا؟ تو قاضی صاحب نے جواب دیا کہ وہ طاغوت (شیطان) پر ایمان ویقین رکھتا تھا اور اللہ کے ساتھ کفر کرتا تھا۔

قاضی صاحب کی وفات ۷۹ھ یا ۸۰ھ میں ہوئی۔ آپ کی ایک سو بیس سال کی عمر ہوئی۔

خرگوش کے طبی خواص

جاحظ [1] نے لکھا ہے کہ اہل عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ اگر کوئی شخص خرگوش کے ٹخنے پہنے رہے تو اس پر نگاہ بد اور سحر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جنات [2] خرگوش کے قریب اس وجہ سے نہیں آتے کہ یہ ان جانوروں میں سے ہے جنہیں حیض آتا ہے۔

---

[1] ابوعثمان عمر بن محبوب جاحظ۔ یہ بڑے درجہ کے ادیب، فصیح اور بلیغ عالم گزرے ہیں۔ معتزلہ کے اماموں میں سے ہیں۔ نظام معتزلی کے شاگرد تھے۔ نیز ابوتلمس عمرو بن قلع کنعانی کے غلام تھے۔ ان کے دادا سیاہ فام اور عمرو بن قلع کے ساربان تھے۔ جاحظ بصرہ میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم حاصل کی۔ بعض نے لکھا ہے کہ باقاعدہ معتزلہ کے ایک فرقہ کے بانی تھے جو جاحظیہ نام سے مشہور ہوا۔ ان کا انتقال بصرہ ہی میں ۲۵۵ھ مطابق ۸۶۸ء میں ہوا۔ ان کی مشہور تصانیف ''کتاب الحیوان'' ''کتاب البخلاء'' اور ''البیان والتبیین'' وغیرہ ہیں۔

[2] ''جنات'' خدا کی ایک مستقل مخلوق ہے جس کی حقیقت تخلیق سے ہم اچھی طرح واقف نہیں اور نہ عام انسانی آبادی کی طرح نظر آتے ہیں لیکن قرآن نے جو تصریحات کی ہیں وہ ہمارے لیے ضروری قرار دیتی ہیں کہ ہم یہ اعتقاد رکھیں کہ وہ بھی انسان کی طرح مستقل مخلوق ہیں۔ اسی طرح وہ شریعت کے مکلف بھی ہیں ان میں توالد وتناسل کا سلسلہ بھی ہے۔ اسی طرح ان میں نیک وبد بھی ہیں۔ قرآن کی دیگر آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان بھی جن ہی کی نسل سے ہے اور ابلیس نے خدا کے سامنے بحث کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ اس کی آگ سے تخلیق ہوئی ہے۔ قرآن کریم میں جن اور جان۔ اجنہ، سینتیس مرتبہ اکیس آیات میں مذکور ہوا ہے۔ (قصص القرآن ص ۴۲ ج ۱)

- اگر کسی شخص کے شفا پا جانے کے بعد کسی عضو میں ارتعاشی کیفیت پیدا ہو گئی ہو تو ایسے شخص کو خشکی کے خرگوش کو بھون کر اس کا دماغ کھانے میں دیا جائے تو نہایت مفید ثابت ہوگا۔
- اگر کوئی شخص دو چنے کے برابر خرگوش کا دماغ لے کر نصف رطل کے چھٹے حصہ کے برابر گائے کا دودھ لے کر استعمال کرے تو اس نسخے کے عمل پیرا ہونے والے شخص پر بڑھاپے کا آثار پیدا نہ ہوں گے۔
- خرگوش کا انفحہ [1] (پنیر مایہ) سرطان [2] کے مرض میں لگانا بہت ہی مفید ہے۔
- اگر کوئی عورت نر خرگوش کے انفحہ کو پی لے تو اس کے نر اولاد پیدا ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی عورت مادہ خرگوش کی انفحہ پی لے تو لڑکی پیدا ہوگی۔
- اگر خرگوش کی مینگنی یا گوبر کو کوئی عورت باندھ کر لٹکا لے تو وہ عورت حاملہ نہیں ہو سکتی۔
- بقراط [3] نے لکھا ہے کہ خرگوش کا گوشت گرم خشک ہوتا ہے۔ پیٹ کو صاف کرتا ہے اور پیشاب اچھی طرح سے کھل کر آتا ہے اور وہ خرگوش اچھا سمجھا جاتا ہے جسے کتے نے شکار کیا ہو تو یہ موٹاپے کے اضطرابی حالت میں نفع بخش ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ یہ عمل کرنے سے نیند ختم ہو جاتی ہے اور سوداء کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اس کے دفعیہ کے لیے اطباء نے تر مصالحے کی تجویز کی ہے۔ البتہ یہ مذکورہ عمل ٹھنڈے مزاج والوں کے لیے زیادہ سازگار معلوم ہوتا ہے۔
- اگر خرگوش کا دماغ بھون کر فلفل (سیاہ مرچ) کے ساتھ ملا کر کھایا جائے تو رعشہ کے لیے مفید ہے۔
- بعض خرگوش کا گوشت خشک ہوتا ہے اس لیے کہ انہیں چرنے کے لیے ایسی جگہ چھوڑ دیا جاتا ہے جہاں پانی میں گھاس پھونس وغیرہ رہتی ہے جس سے ان کے گوشت میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے بہ نسبت ان خرگوشوں کے جن کو گھر ہی میں چرایا گیا ہو۔ اھ
- امام قزوینی [4] کہتے ہیں اگر ایک دانق خرگوش کے دماغ میں دو جبے کافور ملا کر کسی کو پلا دیا جائے تو جو بھی اس شخص کو دیکھے گا تو وہ محبت کرنے لگے گا اور اگر کوئی عورت اسے دیکھ لے گی تو وہ عاشق ہوگی۔ یہاں تک کہ ایک ساتھ رہنے کے لیے مطالبہ کرے گی۔
- خرگوش کا خون اگر کوئی عورت نوش کر لے تو وہ کبھی بھی حاملہ نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر اس کے خون کو سپید داغوں اور جھائیوں میں لگائے تو ان شاء اللہ وہ ختم ہو جائیں گے۔

---

[1] انفحہ بکری کا بچہ جو صرف ابھی دودھ ہی پیتا ہو اس کے پیٹ سے ایک چیز نکالتے ہیں اور کپڑے میں لت پت کر لیتے ہیں۔ پھر وہ پنیر کے مانند گاڑھا بن جاتا ہے عوام اسے انفحہ کہتے ہیں۔ ۱۲ مصباح اللغات۔ اردو میں پنیر مایہ اور حسنہ بھی کہتے ہیں۔

[2] سرطان ایک پھوڑے کا نام ہے جس میں کیکڑے کی ٹانگوں کی طرح رگیں دکھائی دیتی ہیں۔ (مصباح اللغات) انگلش میں اسے کینسر کہتے ہیں۔

[3] بقراط مشہور قدیم اطباء میں سے ہے۔ یونان کے جزیرہ کوس میں ۴۶۰ قبل مسیح پیدا ہوا۔ اس کو ارتعششتا نے ہدیہ بھیج کر علاج معالجہ کے لیے بلایا تھا لیکن اس نے ہدیہ لینے سے انکار کر دیا اور معالجے کے لیے بھی نہیں گیا۔ اس لیے کہ وہ اس کے وطن کے دشمنوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کا انتقال تسالیا میں ہوا۔ اس کی بعض تصانیف کو عربی زبان میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ جیسے "تقدیمۃ المعرفۃ" اور طبیعۃ الانسان" وغیرہ۔ (المنجد ص ۸۰ ج ۲)

[4] زکریا قزوینی ۱۲۰۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ایک زبردست عالم ہونے کے ساتھ ساتھ طبی علوم سے دلچسپی رکھتے۔ شہر واسط میں عہدہ قضا سنبھالا اور ایک عجیب وغریب کتاب "عجائب المخلوقات" تصنیف کی جس کی وجہ سے آپ بلینوس العرب اور ہیرودوتس کے لقب کے مستحق ہوئے۔ ۱۲۸۳ھ میں انتقال ہوا۔ ۱۲

○ اگر کوئی عورت خرگوش کے دماغ کو کھا کر اس میں سے پھر تھوڑا اپنی شرمگاہ میں رکھ لے بعد میں شوہر سے صحبت کرے تو وہ عورت ان شاءاللہ حاملہ ہوگی۔ اسی طرح اگر اس کے دماغ کو لے کر بچوں کے مسوڑھوں میں لگا دیا جائے تو ان کے دانت جلد تر نکل آئیں گے۔

○ اگر کوئی شخص خرگوش کے خون کا سرمہ آنکھوں میں لگائے تو اس کی آنکھوں میں کسی قسم کے بال نہیں آئیں گے۔ مہر راس حکیم نے لکھا ہے کہ اگر خرگوش کے پتے کو گھی اور عورت کے دودھ میں ملا کر بطور سرمہ استعمال کریں تو اس سے آنکھوں کے پھوڑے اور دیگر زخموں سے نجات مل جائے گی۔

○ خرگوش کے خون کو جسم کے کالے داغوں میں لگایا جائے تو ان شاءاللہ یہ شکایت جاتی رہے گی۔

○ اگر کوئی بستر میں پیشاب کرنے کا عادی ہو گیا ہو تو خرگوش کا گوشت پابندی کے ساتھ کھانا مفید رہے گا۔ ارسطو نے لکھا ہے کہ اگر خرگوش کے پنیر مایہ کو سرکہ میں ملا کر نوش کیا جائے تو سانپ کے زہر کے لیے مفید ہے۔

○ اسی طرح اگر اسے ایک لوبیا کے برابر نوش کرائیں تو چوتھیا کا بخار جاتا رہے گا۔ لیکن اگر ایک درہم کی مقدار پلائیں تو ولادت آسانی سے ہوگی۔

○ اسی طرح اگر اس کے پنیر مایہ کو خطمی میں ملا کر زخم پر رکھ دیا جائے تو جس میں کیل وغیرہ پھنس گئی ہو تو وہ کیل ان شاءاللہ جلد تر نکل جائے گا اور اسی عمل سے بدن سے کانٹا بھی نکل جائے گا۔

○ اگر خرگوش کے گوبر کو حمام (غسل خانہ) میں دھونی دے دیں تو پھر جو بھی اسے سونگھے گا تو اس سے گوز نکلے گی۔

○ اگر کوئی شخص خرگوش کے خصیے کو کسی ایسی جگہ لیپ کر دے جہاں کسی موذی جانور نے ڈس لیا ہو تو اس کے زہر کے اثرات جاتے رہیں گے۔

○ اگر خرگوش کی چربی کو کسی عورت کے تکیے کے نیچے رکھ دیں تو وہ عورت خود بخود نیند کی حالت میں راز فاش کر دے گی۔

○ اگر کوئی خرگوش کی داڑھ کو گلے میں باندھ کر لٹکا لے تو وہ داڑھ کے درد سے محفوظ رہے گا اور اسے سکون نصیب ہوگا۔

تعبیر

خرگوش کی خواب میں تعبیر ایک خوب صورت عورت کی ہے لیکن اس عورت میں محبت والفت نام کی کوئی چیز نہیں ہوگی۔ اگر کسی شخص نے خواب میں خرگوش کو ذبح کر دیا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اس کی عورت زندہ نہیں رہے گا یا اس سے جدا ہو جائے گی۔

اگر کسی شخص نے یہ دیکھا کہ اس نے خرگوش کا پکا ہوا گوشت کھایا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اسے ایسی جگہ سے رزق ملے گا جہاں سے اسے تصور تک نہ رہا ہوگا۔

اور اگر کسی نے یہ دیکھا کہ اس نے خواب میں خرگوش کا شکار کیا ہے یا کسی نے خرگوش بطور ہدیہ عنایت کیا ہے یا اس نے خرگوش خریدا ہے تو ان سب کی یہ تعبیر ہوگی کہ اسے رزق کی دولت نصیب ہوگی۔ لیکن اگر ان خوابوں کا دیکھنے والا غیر شادی شدہ ہو تو اس کا کہیں سے رشتہ آئے گا۔ لیکن اگر وہ شادی شدہ تھا تو اس کی اولاد ہوگی یا وہ اپنے مخالف آدمی پر غالب اور کامیاب ہوگا۔

ارنب بحری

دریائی خرگوش۔ امام قزوینیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ ایک ایسا جانور ہوتا ہے جس کا سر خرگوش کے مانند اور اس کا تمام بدن مچھلی کی طرح ہوتا ہے۔ لیکن شیخ الرئیس بن [1] سینا نے کہا ہے کہ وہ ایک چھوٹا سا زہریلا جانور ہے جو سیپ میں پیدا ہوتا ہے اور وہ اتنا زہریلا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اسے نوش کر لے تو فوراً ہمیشہ کی نیند سو جائے گا۔

شرعی حکم

اس کا گوشت چونکہ زہریلا ہوتا ہے اس لیے فقہا نے اس کا کھانا حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ یہ جانور فقہا کے اس قاعدے سے مستثنٰی قرار دیا گیا ہے **ما اکل شبهه فی البر اکل شبهه فی البحر** "جس جانور کا ہم شکل خشکی میں کھانا جائز ہوگا اس کا ہم شکل دریائی بھی جائز ہوگا"۔ اس لیے یہ جانور شکل وصورت میں خشکی والے خرگوش کے مکمل مشابہ نہیں ہوتا۔ صرف نام کی مشابہت علت کے لیے کافی نہیں سمجھی گئی۔

اُرْوِیَّة

پہاڑی بکری۔ **اروية همزه** پر پیش اور زیر دونوں پڑھے جا سکتے ہیں۔ راء پر سکون واؤ پر زیر اور یاء پر تشدید کے ساتھ ہے اور یہ لفظ نر کے لیے بولا جاتا ہے۔ مادہ کے لیے وعولی استعمال کرتے ہیں۔ اسی مادہ سے ایک لفظ عورت کے لیے بھی بولتے ہیں۔ اس کی جمع مذکر

---

[1] بوعلی سینا۔ صفر ۳۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم وتربیت بخارا میں ہوئی۔ دس سال میں قرآن مجید اور علم ادب کا کافی حصہ ازبر کر لیا تھا۔ یہ ایک ماہر طبیب، زبردست منطقی وفلسفی گزرے ہیں۔ شیخ الرئیس کے نام سے مشہور ہوئے۔ بظاہر شیخ کی گفتگو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے علم طب ذاتی مطالعہ سے حاصل کیا ہے لیکن ابن ابی اصیبعہ نے عیسیٰ بن مسیحی جرجانی کے حال میں لکھا ہے کہ وہ فن طب میں شیخ کے استاد تھے۔ (طبقات الاطباء ص ۳۲۸ ج ۱)

ان کے مطالعہ کا یہ حال تھا کہ رات دن مصروف مطالعہ رہتے جب کوئی دشواری پیش آتی تو مسجد میں تشریف لے جاتے۔ دُعا مانگتے تو وہ پیچیدگی دور ہو جاتی ایک مرتبہ بخارا کا فرماں روا نوح بن منصور بیمار ہو گیا اور تمام اطباء اس کے علاج سے عاجز ہو گئے تو ان کو بلایا گیا۔ وہ ان کے علاج سے شفا پا گئے تو آپ کی شہرت ہو گئی اس کے مقربین میں ہو گئے۔ اسی کی وجہ سے اس کو حاکم کے مخصوص کتب خانہ میں جانے کی اجازت مل گئی۔ یہ نہایت تندرست اور قوی آدمی تھے۔ لیکن غیر محتاط ہونے کی وجہ سے کمزور ہو گئے۔ کبھی کبھی مطالعہ کے لیے نیند کو دور کرنے کے لیے شراب بھی نوش کر لیتے۔ پھر شراب کے خوگر ہو گئے۔ جس کی وجہ سے صحت پر بُرا اثر پڑا۔ لیکن راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ شیخ ہی وہ پہلے شخص ہیں جس نے دربار شاہی سے تعلق پیدا کیا۔ ورنہ اس سے قبل اطباء اس کو عار سمجھتے تھے۔ شیخ نے سب سے بڑا کارنامہ یہ کیا کہ علمی اصول پر تصوف کو مرتب کیا۔ جو باتیں مستبعد معلوم ہوئیں ان کو عقلی دلائل سے ثابت کیا۔

شیخ نے پہلی بار آنکھ کے طبقات ملتحمہ، صلبیہ، قرنیہ، مشیمیہ، عنبیہ، اور شبکیہ اور رطوبات جلدیہ وبیضیہ کو واضح طور پر بیان کیا اور عصب بصری، تقاطع صلیبی کی تشریح بھی کی (حکمائے اسلام کے تشریحی کارنامے) شیخ کے مشہور تلامذہ ہیں (۱) ابن ابی صادق (۲) المعصومی۔ ان کے بارے میں شیخ کہتے تھے کہ ان کو میرے یہاں وہ مقام حاصل ہے جو افلاطون کے یہاں ارسطو کو (۳) جوزجانی (۴) حسین بن طاہر زبلہ اصفہانی مجوسی (۵) بہمن یار بن مرزبان وغیرہ ہیں۔ شیخ کی مشہور تالیفات کتاب الحیوان، کتاب النباتات، کتاب الشفاء، کتاب القانون، کتاب القولنج، کتاب الہدایہ۔ رسالہ حی بن یقظان ورسالۃ الطیر وغیرہ ہیں۔ رمضان ۴۲۸ھ بروز جمعہ ہمدان میں ترپن یا اٹھاون سال کی عمر میں وفات پائی۔

اور مونث دونوں کے لیے اراوی ، اراو ، اروی وغیرہ آتی ہے۔ اصل میں ارویۃ افعولۃ کے وزن پر آتا ہے۔ لیکن علماء صرف نے دوسرے واؤ کو یاء سے بدل کر واؤ میں مدغم کر دیا ہے۔ واؤ کو یاء کی مناسبت سے زیر کر دیا ہے۔ اسی لیے ثلاث اراوی افاعیل کے وزن کے مطابق استعمال کریں گے۔ لیکن جب اس سے بھی زیادہ کثیر تعداد کو تعبیر کرنا ہو تو اروی ھمزہ کو زبر دے کر افعل کے وزن کے مطابق صرفی قواعد کے خلاف استعمال کریں گے۔

نیز بعض لغویین نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ الاروی بکری کو کہتے ہیں۔

پہاڑی بکری کا ذکر احادیث میں

حدیث شریف میں مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حالت احرام میں ایک پہاڑی بکرا بطور ہدیہ پیش کیا گیا۔ دوسری حدیث میں اسی طرح ہے کہ:

''عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ جنگ اُحد کے دن میں پہاڑ پر اس طرح سے پناہ گزین ہو گیا تھا جس طرح کہ پہاڑی بکری پہاڑ میں رہا کرتی ہے۔ پھر میں اچانک نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چند صحابہ کے جھرمٹ میں تشریف فرما ہیں اور آپ پر یہ آیت کریمہ نازل ہو رہی ہے: **ما محمد الا رسول قدخلت من قبله الرسل**۔''

دوسری روایت میں عمرو بن عوف کے دادا سے مروی ہے:

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلا شبہ دین (اسلام) حجاز (مکہ اور مدینہ اور اس کے متعلقات) کی طرف اس طرح سمٹ آئے گا جس طرح کہ سانپ اپنے بل کی طرف سمٹ آتا ہے اور دین حجاز میں اس طرح جڑ پکڑ لے گا جیسے پہاڑی بکری پہاڑ کی چوٹی پر رہنے لگتی ہے اور دین کسمپرسی کی حالت میں دُنیا میں آیا اور آخر میں بھی یہی حالت ہو جائے گی۔ پس خوش خبری[1] ہو غریبوں کو وہی اس چیز (یعنی میری سنت) کو درست کر دیں گے جس کو میرے بعد لوگوں نے خراب کر دیا ہوگا۔'' (ترمذی)

دوسری حدیث میں ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت یونس ابن متی علیہ السلام کھلے ہوئے چٹیل میدان میں ڈال دیئے گئے تو اللہ پاک نے وہاں پر کدو کا درخت اُگا دیا اور آپ کے لیے ایک جنگلی بکری کا انتظام کر دیا جو خشکی سے چر کر آپ کے سامنے آ کر ٹانگ اُٹھا دیتی۔ آپ اس کے دودھ سے صبح و شام سیراب ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کا جسم گوشت سے بھر آیا۔''

ابن عطیہ[2] کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی راحت کے لیے کدو کا سایہ کر دیا تھا۔ اسی طرح آپ کی پرورش کا انتظام یوں کیا تھا کہ

---

[1] مطلب یہ ہے کہ اسلام دُنیا میں کسمپرسی کی حالت میں آیا۔ اس معنی کو کہ اسلام کے ماننے والے غریب قسم کے لوگ اور کم تعداد میں تھے جس کی وجہ سے انہیں اپنے وطن کو چھوڑ کر دیگر ملکوں اور شہروں کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ اسی طرح آخر میں بھی ایسا ہی ہو جائے گا۔ اسلام غریبوں ہی کی طرف لوٹ کر آئے گا اور قیامت کے قریب اس پر عمل کرنے والے اور ماننے والے بہت کم تعداد میں ہوں گے تو گویا اسلام کسمپرسی میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس لیے ان غریبوں اور کم تعداد مسلمانوں کے لیے جن کے قلوب ایمان و اسلام کی روشنی سے منور ہوں گے خوش قسمتی اور سعادت ہے' اس لیے کہ آخر زمانے میں بھی بے چارے اسلام پر ثابت قدم رہیں گے اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ و صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسوۂ حسنہ سے اپنی زندگی کو سنواریں گے۔ ۱۲

[2] ''ابن عطیہ'' ابو محمد عبدالحق بن ابی بکر بن عطیہ غرناطی۔ یہ زبردست مفسر گزرے ہیں۔ ان کی تفسیر کا نام تفسیر المحرر الوجیز ہے۔ ۵۴۴ھ میں انتقال ہو۔ (قضاء الارب ص ۲۴۰)

آپ کی خدمت میں ایک پہاڑی بکری روزانہ صبح وشام آکر دودھ پلایا کرتی تھی۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام پر فضل کا معاملہ فرمایا تھا۔قسم قسم کی غذا کدو سے ملتی تھی اور دل بہلانے کے لیے مختلف قسم کی دلچسپ چیزیں موجود رہا کرتیں۔

ابن جوزیؒ نے حضرت حسنؓ سے اللہ تعالیٰ کے قول ''وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ'' کے تحت اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں ایک پہاڑی بکری کو ایک پہاڑی درہ سے بھیجا تھا۔

اور عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ ایک آدمی سے گفتگو کر رہے تھے وہ مغلوب ہو گیا تو اس نے یہ کہا کہ پہاڑی بکرا اور شتر مرغ دونوں ایک ساتھ جمع ہو گئے۔گویا وہ یہ مراد لے رہا تھا کہ دو آدمی متضاد گفتگو میں محو کلام ہیں۔اس لیے کہ پہاڑی بکرا تو چوٹی پر رہتا ہے اور شتر مرغ نرم اور خوشگوار علاقے میں پایا جاتا ہے۔

اس پہاڑی بکرے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بچوں کی شفقت ومحبت کا جذبہ موجود ہوتا ہے اور اگر کسی شکاری نے ان میں سے کسی ایک بچے پر حملہ کر کے شکار کیا تو دوسرا اس کے پیچھے ہی بھاگا چلا آتا ہے۔گویا وہ ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔نیز اس جانور کے اندر ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا مادہ بھی پایا جاتا ہے۔مثلاً یہ ایسا کرتا ہے کہ جو چیزیں اس کے ماں باپ کھاتے ہیں وہ ان کو لے کر ان کی خدمت میں جاتا رہتا ہے۔پھر مزید حسن سلوک یہ کرتا ہے کہ جب اس جانور کے والدین بڑھاپے کی وجہ سے کھانے پینے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو یہ جانور غذا کو اپنے دانتوں سے چبا چبا کر کھلاتا رہتا ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ پہاڑی بکرے کے دونوں سینگوں میں دو سوراخ ہوتے ہیں جس سے وہ سانس لیتے رہتے ہیں اور جب یہ دونوں سوراخ کسی وجہ سے بند ہو جاتے ہیں تو ان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

پہاڑی بکرے کا شرعی حکم

پہاڑی بکری (بالاتفاق) حلال ہے۔مفصل مضمون باب واؤ میں وعل کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

امثال

''انما فلان کبارح الاروی'' واقعی فلاں آدمی پہاڑی بکرے کی شب کی طرح ہے۔اس لیے کہ پہاڑی بکرا پہاڑوں اور اس کی چوٹیوں پر رہتا ہے اس لیے وہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے۔لوگ اس کو بہت کم دیکھ پاتے ہیں۔اسی مناسبت سے جس شخص سے کرم واحسان کا وقوع کبھی کبھی ہو جایا کرتا ہو تو ایسے شخص کے لیے بطور مثل اور کہاوت کے استعمال کرتے ہیں۔اسی طرح دوسری مثال یہ ہے:''تکلم فلان فجمع بین الاروی والنعام'' فلاں شخص نے ایسی گفتگو کی کہ گویا پہاڑی بکرا اور شتر مرغ دونوں جمع ہو گئے۔یعنی دو متضاد چیزیں جمع ہو گئیں (جیسے کہ ابھی گزرا) اسی طرح تیسری مثال یہ ہے:''ماجمع بین الاروی والنعام'' یہ مثال اس وقت استعمال کی جاتی ہے جب کہ کسی وقت دو شدید مختلف المزاج چیزوں کا سنگم ہو تو یہ مثل بول کر یہ مراد ہوتی ہے کہ یہ خیر وشر ایک ساتھ کیسے جمع ہو گئے۔

فائدہ: سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل۔آپ ان دس خوش قسمت اصحاب میں سے ہیں جن کو دنیا میں جنت کی بشارت سُنادی گئی ہے (مسلم شریف) میں روایت مذکور ہے کہ اروی بنت اویس آپ سے کسی معاملے میں اُلجھ گئیں۔چنانچہ اپنا مقدمہ لے کر مروان بن حکم جو اس دوران مقام حیرہ اطراف مدینہ میں رہا کرتے تھے' پہنچ گئیں تو اروی بنت اویس نے یہ شکایت کی کہ جناب سعید بن زید میرے حق کو دینا نہیں چاہتے اور انہوں نے میری زمین کے کچھ حصے کو اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔اروی کا یہ بیان سن کر جناب سعید بن زید نے فرمایا

کہ میں اس عورت پر کیسے ظلم کرسکتا ہوں حالانکہ میرے سامنے نبی کریم ﷺ کی وہ حدیث بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:
''اگر کوئی شخص کسی کی زمین کے ایک بالشت کے برابر بھی حصہ پر زبردستی قبضہ کرے گا تو اس کو قیامت کے دن سات زمینوں کے برابر کی طوق پہنائی جائے گی۔''
یہ کہہ کر آپؓ نے اس کے لیے زمین چھوڑ دی۔ پھر آپؓ نے مروان بن حکم سے فرمایا کہ آپ اس عورت کے معاملے کو جانے دیجئے اور اس عورت سے بچئے۔ پھر آپؓ نے اس عورت کے لیے وہیں بددُعا فرمائی کہ:
اللّٰھم ان کانت کاذبة فاعم بصرھا و اجعل قبرھا فی بئرھا.
''اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو تُو اسے اندھی کردے اور اس کی قبر کنویں میں بنادے۔''
اس وقت اروی بن اویس اندھی ہوگئی۔ پھر اسی دوران ایک سیلاب آیا جس نے اس عورت کی زمین کی حدود کو واضح کردیا۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے اروی کو نابینا کردیا تو اس کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ وہ دیواروں کو کھوج کھوج کر پکڑ پکڑ کر چلتی تھی اور یہ کہتی تھی کہ مجھے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کی بددُعا لگ گئی ہے۔ چنانچہ وہ اسی حالت میں چلتی چلتی کنوئیں میں گر کر مرگئی۔
بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ اس عورت نے حضرت سعیدؓ سے یہ گزارش کی کہ وہ اس کے لیے دُعائے خیر فرمادیں تو آپؓ نے یہ جواب دیا کہ جو خصوصیت مجھے اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی ہے وہ میں کسی حالت میں واپس نہیں کرسکتا۔
ایک قول یہ مروی ہے کہ جب اہل مدینہ کسی کو بددُعا دیتے تو اکثر یہی کہا کرتے کہ:
اعماہ اللہ کما اعمی اروی
''اے اللہ! اسے نابینا کردے جیسے کہ اروی کو کردیا تھا۔''
چنانچہ اہل مدینہ اروی سے اس عورت ہی کو مراد لیا کرتے تھے۔ پھر بعد میں جاہلوں نے بھی کہنا شروع کردیا **اعماہ اللہ کما اعمی الاروی**۔ لیکن یہ **جھال الاروی** سے اس پہاڑی بکرے کو مراد لینے لگے جو اندھا ہو۔ اس لیے ان کا یہ خیال تھا کہ یہ پہاڑی بکرا اندھا ہوتا ہے لیکن صحیح وہ ہے جو ماقبل میں گزر چکا۔

طبی فوائد

اگر کوئی چست، فعال اور دوڑ دھوپ کرنے والا شخص ہو اور اسے تھکن اور بدن میں درد محسوس ہوتا ہو تو اس بکرے کے سینگ اور کھر کو پیس کر تیل میں ملا کر تمام بدن اور پنڈلی میں مالش کرے تو اسے اتنا آرام محسوس ہوگا جیسے کہ اس نے کوئی کام ہی کیا نہ ہو۔

اساریع

(سبزی کے کیڑے) اساریع (ہمزہ پر زبر ہے) اس کا واحد **اسروع ویسروع** ہے۔ ان سُرخ کیڑوں کو کہتے ہیں جو سبزی میں ہوا کرتے ہیں۔ یہ اس کی کھال کو اُتار کر اس کو اپنا بستر بنالیتے ہیں۔ ابن مالک فرماتے ہیں کہ ابن السکیت نے کہا ہے کہ اصل میں یسروع یاء پر زبر کے ساتھ ہی ہے۔ لیکن کلام میں یفعول کے وزن پر استعمال نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض لغویین نے یہ بھی کہا ہے کہ اساریع وہ کیڑے کہلاتے ہیں جن کے سر سُرخ رنگ کے اور جسم سفید رنگ کے ہوتے ہیں اور وہ اکثر ریتلی زمین میں رہتے ہیں اور یہی وہ کیڑے ہیں جن سے عورتوں کی انگلیوں کو تشبیہ دیا کرتے ہیں۔

اور بعض اہل علم نے یہ لکھا ہے کہ اساریع **شعمة الارض** نامی کیڑوں کو کہتے ہیں (جس کو اردو زبان میں کیچوا کہتے ہیں) لیکن صحیح یہ ہے کہ اساریع کیچوے کو نہیں کہتے (جیسے کہ عنقریب ہی باب شین میں وضاحت آ جائے گی)۔

الکفاة میں مذکور ہے کہ اساریع وہ کیڑے ہیں جو لمبے لمبے جسم والے ہوتے ہیں اور ریت میں رہا کرتے ہیں اور انہی سے عورتوں کی انگلیوں کو تشبیہہ دیا کرتے ہیں اور انہی کیڑوں کا دوسرا نام **نبات النقاوز**[1] بھی ہے۔ چنانچہ ادب الکاتب میں بھی اس بات کی تائید موجود ہے کہ اساریع وہ کیڑے ہیں جو نرم اور چکنے سفید رنگ کے ہوا کرتے ہیں جن سے عورتوں کی انگلیوں کو تشبیہہ دیتے ہیں۔ اس کا واحد اسروع ہوتا ہے۔

اسی طرح ابن مالک نے اپنی کتاب **المنتظم الموجز فیما یھمز ولا یھمز** میں لکھا ہے کہ یسروع اور اسروع وہ کیڑے کہلاتے ہیں جو ترکاریوں میں ہوتے ہیں۔ یہ اس کی کھال کو اُتار کر اس کا بستر بنا لیتے ہیں اور پھر آخر میں یہی قول ابن السکیت کا بھی لکھا ہے۔ (الکفایۃ)

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ ابن السکیت کی طرف سے جو وضاحت بیان کی گئی ہے وہ اس طرح نہیں ہے بلکہ وہ یوں ہے کہ ابن السکیت نے کتاب اصلاح المنطق میں یہ لکھا ہے کہ اساریع وہ کیڑے ہیں جو ریت (رمل میں رہا کرتے ہیں یہ کھال کو اُتار کر اس کو اپنا بستر بنا لیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ ابن السکیت کے یہاں بقل کا ذکر نہیں ہے بلکہ رمل کا ذکر ہے اس لیے یہی زیادہ قرین قیاس ہے کہ دراصل بقل (ترکاری) کا ذکر تھا اور رمل (ریت) کی کتابت یہ غلطی سے طبع ہو گئی ہے۔

اساریع کا شرعی حکم

ان کیڑوں کا کھانا حرام ہے اس لیے کہ ان کا شمار (حشرات الارض) کیڑے مکوڑوں میں ہوتا ہے۔

طبی فوائد

اگر ان کیڑوں کو باریک پیس کر کٹے ہوئے پٹھے پر رکھ دیا جائے تو فوراً ہی فائدہ ہوگا۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اگر اساریع کو دھو کر سکھا لیا جائے۔ پھر انہیں خوب باریک پیس کر اور تل کے تیل میں ملا کر ذکر میں لگانے سے ذکر موٹا ہو جاتا ہے۔ (الحاوی)

تعبیر

اگر کسی شخص کو یہ کیڑے خواب میں نظر آئیں تو اس کی تعبیر یہ دی جائے گی کہ کوئی ایسا آدمی جو بظاہر متقی اور پرہیزگار معلوم ہوتا ہوگا لیکن اس آدمی کے حالات اور اس کا نفاق لوگوں پر پوشیدہ نہ ہوگا اس کے باوجود وہ چور اور ڈکیت ہوگا۔ تھوڑا تھوڑا کر کے مال سرقہ کر کے لے جائے گا۔

معبرین کہتے ہیں کہ یسروع ہرے رنگ کے کیڑے ہوتے ہیں جو انگور کی بیلوں مقائی اور خوشوں وغیرہ میں ملتے ہیں۔

اسفع (شکرا)

اسفع صقر اور شکرے کو کہتے ہیں جس کا رنگ سُرخی مائل سیاہ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ اسفع اس کالے تل کو کہتے ہیں جو

---

[1] بعض نے اساریع کا دوسرا نام شحمۃ النقاء و نبات النقاء دونوں بتائے ہیں۔ ۱۲

عورت کے دونوں رخساروں میں ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں مذکور ہے۔ امرأة سفعاء الخدین کہ ایک ایسی عورت کھڑی ہوئی جس کے دونوں رخساروں میں کالا تل تھا۔ نیز کبھی حمامۃ [1] (کبوتر) کو بھی سفعاء کہہ دیتے ہیں یا اسے کبوتری کے لیے بطور صفت استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے کہ کبوتری ہو یا کبوتر اس کی گردن کا رنگ سیاہ مائل سُرخی ہوتا ہے۔ (مصباح ص ۱۷۴)

الاسقنقور

(ایک چھوٹی قسم کیا چھپکلی) ابن بختیشوع کہتے ہیں کہ یہ خشکی کا مگرمچھ ہے جس کا گوشت دوسرے درجے کا گرم ہوتا ہے۔ اگر اس میں نمک ملا کر ایک مثقال کے بقدر پیا جائے تو قوت باہ میں اضافہ کرتا ہے۔ اور شہوت کو اُبھارتا ہے اور گردے کی برودت کو دور کر کے اس میں گرمی پہنچاتا ہے اور اس کی تکلیف کو رفع کرتا ہے۔ ابن زہریؒ لکھتے ہیں کہ یہ مصر جیسے ممالک میں پائے جانے والے جانوروں میں سے ایک جانور ہے جو اپنی نشوونما کے آخری مرحلے میں چھپکلی جیسا ہوتا ہے۔

اگر اس کی آنکھ کو کسی ایسے شخص پر ملا جاوے جو رات میں ڈرتا ہو تو اسے اس مرض سے نجات دلاتا ہے۔ ہاں اگر اس کا دماغی توازن ہی خراب ہو تو اس میں یہ مفید نہیں ہوگا۔

ارسطاطالیس اپنی مشہور کتاب ''الحیوان الکبیر'' میں لکھتے ہیں کہ اس کا پتا قوت باہ میں اضافہ کرتا ہے اور مصر کے علاوہ تمام ممالک میں بھوک کو جگاتا اور خوراک بڑھاتا ہے۔ ہندوستانی بادشاہوں کو پیش کیے جانے والے ہدیوں میں یہ سب سے نفیس ہدیہ سمجھا جاتا تھا کیونکہ یہ لوگ اسے سونے کی چھری سے ذبح کرتے اور اس میں مصری نمک بھر کر اپنے وطن لے جایا کرتے تھے۔ پھر ایک مثقال کے بقدر جب اس نمک کو انڈے یا گوشت کے ساتھ استعمال کرتے تھے تو انہیں بے حد فائدہ محسوس ہوتا تھا۔

باب السین میں اسقنقور ہندی کی تفصیل ان شاء اللہ تمساح کے عنوان کے تحت آئے گی۔ کہ مگرمچھ (تمساح) جو کہ خشکی میں انڈا دیا کرتا ہے۔ اگر اس کا کوئی انڈا پانی میں چلا جائے اور اس سے بچہ پیدا ہو تو اسے ''تمساح'' کہتے ہیں اور جو خشکی ہی پہ پیدا ہوا سے اسقنقور کہتے ہیں۔

اسود سالخ

ایک خاص قسم کا سانپ ہے جو نہایت سیاہ ہوتا ہے۔ اسے ''سالخ'' اس لیے کہتے ہیں کہ سَلَخَ یَسلخ کے معنی اُتارنے کے ہیں اور یہ ہر سال اپنی کینچلی اُتارتا ہے۔ واحد کے لیے اسودٌ سالخٌ آتا ہے خواہ مذکر کے لیے ہو یا مؤنث کے لیے۔ مؤنث کے لیے صفت کا صیغہ سالخۃ (مؤنث) استعمال نہیں ہوتا۔ اس کا تثنیہ ''اسودان سالخ'' آتا ہے۔ امام اصمعی وابوزید فرماتے ہیں کہ سالخ جو کہ صفت کا صیغہ ہے، تثنیہ مستعمل نہیں ہے۔ مگر ابن درید نے اس کے بھی تثنیہ استعمال ہونے کو نقل کیا ہے۔ ہمارے (یعنی دمیری کے) نزدیک اصمعی کا ہی قول راجح ہے اور صحیح ہے۔ اس کی جمع اساود سالخة یا سوالخ آتی ہے۔

---

[1] عربی میں الحمام کبوتر کو کہتے ہیں۔ واحد کے لیے حمامۃ بھی استعمال کرتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ حمامۃ کا اطلاق نر و مادہ دونوں پر ہوتا ہے اس لیے کہ اس تاء تانیث کے لیے نہیں ہوتی ہے بلکہ تاء وحدت ہوتی ہے اور بسا اوقات حمام مفرد کے لیے بھی لاتے ہیں۔ اس کی جمع حمائم اور حمامات آتی ہے۔ (مصباح ص ۱۷۴)

اسودین سے تحفظ کی دُعا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے اور رات ہوتی تو آپؐ یہ دُعا مانگتے اور یہ کہتے کہ:

''یَا اَرْضُ! رَبِّیْ وَ رَبُّکَ اللّٰہُ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شِرُّکِ وَشَرِّمَا فِیْکِ وَشَرِّمَاخُلِقَ فِیْکِ وَشَرِّمَا یَدُبُّ عَلَیْکِ. اَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ اَسَدٍ وَ اَسْوَدَ وَ مِنَ الْحَیَّۃِ وَالْعَقْرَبِ وَ مِنْ سَاکِنِ الْبَلَدِ وَ مِنْ وَالِدٍ وَ مَا وَلَدَ. (رواہ ابوداؤد ونسائی والحاکم)

''اے زمین! میرا بھی اور تیرا بھی (سب کا) پروردگار اللہ ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی تیرے شر سے اور جو تمہارے اندر مخلوق ہے اس کے شر سے اور اس شر سے جو تمہارے اندر پیدا کیا گیا ہے میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیر اور اسود (یعنی خاص قسم کے سانپ) وبچھو سے اور ساکن البلد یعنی جنات سے اور والد وماولد یعنی ابلیس وشیاطین سے۔''

ساکن البلد سے مراد جنات اور والد وماولد سے مراد ابلیس وشیاطین ہیں۔

صحیحین میں مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نماز کی حالت میں بھی اسودین یعنی سانپ وبچھو کو مار ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ ابن ہشام نے اپنے اشعار میں اس کا تذکرہ اس طرح کیا ہے ؎

ما بال عینک لا تنام کانما کحلت اماقیھا بسم الاسود

''تمہاری آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ سوتی نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ تم نے اس کی پتلیوں پہ سانپ کے زہر کا سرمہ لگا لیا ہے۔''

حنقا علی سبطین حلا یثربا اولی لھم بعقاب یوم الاسود[1]

''جن کو ان دونواسوں کے بغض نے اندھا کر دیا ہے جو مدینہ میں مقیم ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ سیاہ دن کے عذاب کا انتظار کریں۔''

اور امام شافعیؒ نے اپنے اشعار میں اسے اس طرح ذکر کیا ہے ؎

والشاعر المنطیق اسود سالخ والشعر منہ لعابہ و مجاجہ

''اور زیادہ شعر گو شاعر اسود سالخ ہے' شعر ہی اس کا لعاب اور اس کا جھاگ ہے۔''

وعداوۃ الشعراء داء معضل ولقد یھون علی الکریم علاجہ

''شعراء کی دشمنی ایک دشوار مرض ہے۔ مگر شرفاء کے لیے اس کا علاج آسان ہے۔''

متفرق واقعات

عبدالحمید بن محمود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ ہم لوگ حجاج کے پاس جا رہے تھے۔ جب ہم لوگ مقام ''صفاح'' پر پہنچے تو ہمارے ایک ساتھی کا انتقال ہو گیا۔ ہم لوگوں نے اس کے لیے قبر کھودی۔ اس درمیان میں دیکھتا ہوں کہ ایک سیاہ سانپ (اسود سالخ) آیا اور پوری قبر کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ ہم لوگوں نے ایک دوسری قبر کھودی مگر پھر وہی ہوا کہ اسی طرح ایک سانپ آیا اور پوری قبر کو اپنے گھیرے میں لے کر اس میں بیٹھ گیا۔ ہم لوگوں نے پھر ایک تیسری قبر کھودی مگر اس

[1] یوم اسود: غالباً اس سے شاعر کی مراد موت کا دن یا یوم قیامت ہے۔ (ج)

بار بھی وہی قصہ پیش آیا تو بالآخر ہم لوگ اسے یوں ہی چھوڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ فرمائیں اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ اس کا وہ عمل ہے جسے وہ اپنی حیات میں کیا کرتا تھا۔ لہٰذا تم جاؤ اور اسے اسی طرح کسی کنارے میں دفن کردو۔ کیونکہ اگر تم اس کے لیے پوری زمین بھی کھود ڈالو گے تو تم اسے اسی طرح پاتے رہو گے۔

اس شخص کا بیان ہے کہ ہم نے اسے بالآخر اسی طرح سانپ کے ساتھ ہی دفن کردیا اور سفر سے واپسی کے بعد میں اس کی بیوی کے پاس گیا تاکہ اس کے عمل کے بارے میں کچھ دریافت کروں تو اس کی بیوی نے بتایا کہ وہ کھانا بیچا کرتا تھا اور ہر روز اپنے گھر والوں کے واسطے شام کی خوراک اس میں سے نکال لیا کرتا تھا اور اس میں اتنی ہی جو کی بھوسی ملا کر فروخت کردیا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کا عذاب اللہ نے اسے اس طرح دیا۔

امام طبرانیؒ اپنی کتاب **المعجم الاوسط** میں اور امام بیہقیؒ **کتاب الدعوات الکبیر** میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت بسند عکرمہ نقل کی ہے۔ اس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب قضاء حاجت کے لیے جایا کرتے تو بہت دور نکل جاتے۔ ایک روز آپ قضاء حاجت کے واسطے تشریف لے گئے اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ آپؐ نے خفین (جوتے) کو اُتار کر الگ رکھ دیا۔ پھر پہنتے وقت ابھی ایک ہی خف پہنا تھا کہ ایک پرندہ آیا اور دوسرا خف لے کر اُڑ گیا اور خوب اونچائی پہ جا کر چکر لگانے لگا۔ اسی دوران اس خف سے ایک سیاہ رنگ کا سانپ (اسود سالخ) نکل کر زمین کی طرف گرا۔ آپؐ نے اسے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ ایک عظیم احسان ہے جو اللہ نے ابھی مجھ پر کیا ہے۔ پھر یہ دُعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِہٖ وَمِنْ شَرِّ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ وَمِنْ شَرِّ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی اَرْبَعٍ.

”اے اللہ! ہم پناہ مانگتے ہیں آپ کی اس کے شر سے جو اپنے پیٹ کے بل چلتا ہے (مثلاً سانپ بچھو) اور اس کے شر سے جو دو پاؤں کے سہارے چلتا ہے (مثلاً انس وجن) اور اس کے شر سے جو اپنے چار پاؤں کے سہارے چلتا ہے۔ (مثلاً حیوانات ودرندے)۔“

اس حدیث کی دوسری نظائر کا جو صحیح الاسناد بھی ہیں۔ ان شاءاللہ باب الغین میں غراب کی بحث کے ذیل میں آجائیں گی۔

سالم بن ابی الجعد کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم میں ایک شخص تھا جو لوگوں کو بہت تکلیف پہنچایا کرتا تھا۔ لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے شکایت کی اور درخواست کی کہ آپؑ اس کے لیے بددُعا کریں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے جواب دیا کہ جاؤ تم اس کے شر سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ وہ شخص روزانہ لکڑی چننے جایا کرتا تھا۔ چنانچہ وہ اس روز بھی اس ارادہ سے نکلا۔ اس روز اس کے ساتھ دو چپاتی تھیں اس نے ایک کو کھالیا اور دوسری صدقہ کردی۔ غرض وہ گیا اور لکڑی چن کر شام کو صحیح وسالم واپس لوٹ آیا' اسے کچھ نہیں ہوا۔ لوگ صالح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ وہ لکڑی چن کر صحیح وسالم لوٹ آیا ہے اسے کچھ بھی نہیں ہوا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو تعجب ہوا۔ انہوں نے اس شخص کو بلوایا اور اس سے دریافت کیا کہ تم نے آج کون سا عمل کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ میں آج لکڑی چننے نکلا تھا اور میرے پاس دو روٹیاں تھیں' میں نے ایک کو صدقہ کردیا اور دوسری کو کھالیا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اس لکڑی کے گٹھر کو کھولو۔ لوگوں نے اسے کھولا تو اس میں سے ایک سیاہ سانپ (اسود سالخ) کسی درخت کے تنے کی مانند پڑا ہوا تھا اور اپنا

دانت لکڑی کے ایک موٹے تنے پر گاڑے ہوئے ہے تو حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے اسی عمل یعنی صدقہ کی وجہ سے اللہ نے تجھے اس سے بچالیا۔

اس کی نظیر ان شاءاللہ باب الذال میں ذئب کے بیان میں بالتفصیل آئے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک جماعت کا گزر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ہوا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیش گوئی فرمائی کہ ان شاءاللہ اس میں سے ایک کی موت آج واقع ہوگی۔ وہ لوگ گزر کر چلے گئے اور جب شام کو واپس لوٹے تو ان کے ساتھ لکڑی کا ایک گٹھا تھا اور ان میں سے کوئی بھی نہیں مرا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اسے رکھو اور جس کے مرنے کی پیش گوئی کی تھی اس سے کہا کہ اسے کھولو۔

چنانچہ جب اس نے اسے کھولا تو اس میں سے ایک سیاہ رنگ کا سانپ (اسود سالخ) نکلا۔ حضرت عیسیٰ نے اس سے دریافت کیا کہ تم نے آج کون سا عمل کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایسا تو کوئی بھی عمل نہیں کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ غور کرو اور سوچو (تم نے ضرور کوئی نیک عمل کیا ہوگا) تو اس نے جواب دیا کہ یوں تو میں نے کوئی بھی نیک عمل نہیں کیا۔ البتہ میرے پاس روٹی کا ایک ٹکڑا تھا۔ ایک مسکین میرے پاس سے گزرا اور مجھ سے سوال کیا تو میں نے اس کا کچھ حصہ دے دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے اسی عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے محفوظ رکھا۔

اِصْرَمَان

(کوا اور بھیڑیا) ابن السکیت فرماتے ہیں کہ ان دونوں (کوا اور بھیڑیا) کو اصرمان اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دونوں انسانوں سے الگ تھلگ اور دور رہتے ہیں۔ اصرمان کا اطلاق[1] رات اور دن پر بھی ہوتا ہے۔ اس لیے ان میں سے ہر ایک دوسرے سے جدا اور منقطع ہوتے ہیں۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ

امام احمدؒ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ ایک ایسے شخص کے بارے میں بتاؤ جس نے پوری عمر کبھی نماز نہیں پڑھی۔ مگر جنت میں داخل ہوگیا؟ لوگوں کو اگر معلوم نہ ہوتا تو آپؓ سے دریافت کرتے کہ آپ ہی بتا دیجئے تو بتاتے کہ وہ اصیرم بن عبدالاشہل ہیں۔

عامر بن ثابت فرماتے ہیں کہ میں نے محمود بن لبید سے دریافت کیا کہ ان کا یہ واقعہ کس طرح ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ وہ اسلام کا انکار کیا کرتے تھے۔ مگر جب غزوۂ اُحد کا موقع آیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نیت جہاد اُحد کی طرف نکلے تو اصیرم پہ اسلام کی حقانیت واضح ہوگئی اور وہ اسی وقت اسلام قبول فرما کر تلوار ہاتھ میں لے کر جہاد کے لیے نکل پڑے اور جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شہادت کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ اہل جنت میں سے ہے۔

---

[1] یعنی جس طرح کوا اور بھیڑیا کے لیے اصرمان کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح رات و دن کے مجموعہ کے لیے بھی اصرمان کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

اَصَلَةٌ

(بہت زہریلا سانپ) ہمزہ' صاد اور لام تینوں پر زبر ہے' اس کی جمع اُصُل ہے۔

ابن انباری لکھتے ہیں کہ یہ ایک چھوٹے جسم اور بڑے سر کا سانپ ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ گھوڑ سوار پہ جست لگا کر اسے کاٹتا اور ہلاک کرتا ہے۔

کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ یہ ایک نہایت اذیت رساں سانپ ہے۔ اس کے ایک پاؤں ہوتا ہے' وہ اس پر کھڑا ہوتا' گھومتا اور جست لگاتا ہے۔

امام اصمعیؒ نے اپنے اشعار میں اس کا ذکر اس طرح کیا ہے ؎

یا رب ان کان یزید قد اکل　　لحم الصدیق عللا بعد نهل

ترجمہ: "اے پروردگار! اگر یزید نے دوست کا گوشت خوب سیر ہو کر کھالیا ہے۔"

فاقدرله اصلة من الاصل　　کیساء کالقرصة اوخف جمل

ترجمہ: "تو تُو اس پر (اصلہ) سانپوں میں سے کوئی سانپ مسلط کر دے جو گوے یا اونٹ کے تلوے کی طرح اس پر لیٹا ہوا اور اسے ڈھکے ہوئے ہو۔"

امام نحو علامہ جاحظ اہل عرب کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہاں کے بدوی کہا کرتے ہیں کہ (اصلہ) سانپ جہاں سے گزرتا ہے (شدت زہر کی وجہ سے) اسے جلا ڈالتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہلاک کرنے اور ہر چیز کے استیصال کرنے کی وجہ سے اس کا نام "اصلہ" رکھا گیا ہے۔

دجال کی پہچان

حدیث میں دجال کی ایک پہچان یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کا سر (اصلہ) سانپ کے سر جیسا ہوگا اور بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ اس سانپ کا چہرہ انسان ہی کے چہرے کی طرح کافی بڑا ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ اس کا چہرہ اس طرح کا اس وقت ہوتا ہے جبکہ اس کی عمر ایک ہزار سال ہو جائے۔

اس سانپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسے کوئی شخص اگر دیکھ لے تو وہ سانپ اس کو چھوڑتا نہیں مار ہی ڈالتا ہے اس کی مزید کچھ تفصیل ان شاءاللہ باب الحاء میں آجائے گی۔

اَطْلَسُ

(سیاہ بھیڑیا) یہ سیاہی مائل خاکستری رنگ کا ایک بھیڑیا ہے۔ نیز ہر وہ جانور جو اس رنگ کا ہو اسے اطلس کہا جاتا ہے۔ کمیت نے محمد بن سلیمان ہاشمی کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں اس میں اس کا تذکرہ اس طرح کیا ہے ؎

تلقی الامان علی حیاض محمد　　ثولا محزفة و ذئب اطلس

ترجمہ: "محمد کے دربار میں مجتمع شہد کی مکھی اور سیاہی مائل خاکستری بھیڑیئے نے بھی پناہ حاصل کی ہے۔"

لاذی تخاف ولا لهذا جرأة تهدی الرعیة ما استقام الرئیس

ترجمہ: ''یہ ایسی پناہ ہے جہاں لوگ خوف کھاتے ہیں مگر اس کی جرأت نہیں' جب تک امیر باقی ہیں وہ رعایا کی رہبری وقیادت کرتے رہیں گے۔

علامہ جوہری نے اس شعر سے یہ دلیل دی ہے کہ سرداران قوم کے لیے جس طرح قیم کا لفظ (بطور لقب) استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح لفظ رئیس کا بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

اطوم

(سمندری کچھوا) اطوم بروزن اُنُوق۔ علامہ جوہریؒ فرماتے ہیں کہ یہ سمندری کچھوا ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے موٹے کھال کی مچھلی بتلایا ہے جس کا چمڑا اونٹ کے چمڑے جیسا ہوتا ہے اور اس سے شتر بانوں کے لیے خف تیار کیا جاتا ہے۔ کچھ حضرات نے اسے زرافہ اور کچھ نے گائے کہا ہے۔

ابن سیدہ کہتے ہیں کہ اس سمندری کچھوے کو اطوم اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مچھلی کے مشابہ ہوتا ہے اگرچہ اس کا چمڑا موٹا اور سخت ہوتا ہے۔

اطیش

ابن سیدہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک پرندہ ہے۔ اطیش کے لغوی معنی خفت عقل اور بے وقوفی کے ہیں اور اسی معنی میں امام شافعیؒ نے بھی اسے استعمال کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ مارأیت افقه من اشهب لو لا طیش فیه یعنی اگر اشہب میں خفت عقل و بے وقوفی نہ ہوتی تو اس سے بڑا فقیہہ میں نے نہ دیکھا ہوتا۔

اشہب کون ہیں؟

یہ اشہب بن عبدالعزیز بن داؤد ہیں' مصران کا اصل وطن ہے۔ یہ فقہ مالکی کے بڑے چوٹی کے فقیہہ تھے۔ ان کی تاریخ ولادت کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ جس سال حضرت امام شافعیؒ کی ولادت ہوئی ہے اسی سال ان کی بھی ولادت ہوئی۔ یعنی دونوں حضرات کی پیدائش ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے۔ ان کی وفات امام شافعیؒ کی وفات کے ۱۸ دنوں بعد ہوئی ہے۔

ابن عبدالحکیم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے کانوں سے سُنا کہ یہ امام شافعیؒ کی موت کے لیے دُعائیں کرتے تھے۔ امام شافعیؒ سے جب اس کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا ؎

تمنی رجال ان اموت و ان امت فتلک سبیل لست فیها باوحد

ترجمہ: ''لوگ میری موت کی تمنائیں کرتے ہیں اور اگر میں مر بھی گیا تو یہ ایک ایسی راہ ہے جس میں میں منفرد نہیں ہوں (بلکہ ہر کسی کو اس راہ سے گزرنا ہے)۔''

فقل للذی یبغی خلاف الذی مضی تهیأ لاخریٰ مثلها فکان قد

ترجمہ: ''تو اس سے کہہ دو جو گزرے ہوئے (یعنی جو تقدیر میں لکھا جا چکا اور جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی) کے خلاف راہیں تلاش کر رہا ہے (اور آرزوئیں لگا رہا ہے) کہ وہ موت جیسی ہی کسی اور آفت کی آمد کی تیاری کرے۔ کیونکہ موت تو ایک امر واقعہ ہے (وہ تو آ کر ہی رہے گی)۔''

شیخ ابن عبدالحکیم فرماتے ہیں کہ جب امام شافعیؒ کا انتقال ہوا تو اشہبؒ نے ان کے ترکہ میں سے ایک غلام خرید لیا۔ پھر جب امام اشہبؒ کی وفات ہوگئی تو پھر ایک ماہ بعد میں نے ان کے ترکے سے اسی غلام کو خرید لیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ابن عبدالحکیم فرماتے ہیں کہ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ شکم مادر میں مستقر ہو گئے تو آپ کی ماں نے یہ خواب دیکھا کہ ستارہ مشتری اپنے برج سے نکل کر مصر میں ٹوٹ کر گر گیا۔ پھر وہ ہر شہر اور ہر ملک میں کمان بن کر واقع ہوا۔ تو یہ خواب سن کر علماء معبرین نے یہ تعبیر بتائی کہ خواب دیکھنے والی عورت سے ایک زبردست عالم پیدا ہوگا جس کے علوم سے خاص طور پر مصر والے مستفید ہوں گے۔ پھر اس کے بعد تمام ممالک والے اس سے مستفید ہوں گے۔ تمام علماء کرام کا اتفاق ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ورع وتقویٰ، امانت و دیانت وغیرہ میں ثقہ اور قابل اعتماد ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اصول فقہ میں سب سے پہلے کلام کیا ہے اور مسائل کے استخراج کا کام شروع کیا۔ آپ کا حال یہ تھا کہ جب کوئی شخص آپ کی خدمت میں تازہ کھجور پیش کرتا تو آپ اس سے فرماتے کہ بھائی تم نے یہ کتنا عمدہ اور قابل تحسین کام کیا ہے۔ لیکن علم کی دولت تمہارے اس کام سے زیادہ محبوب ترین ہے۔ پھر اس کے بعد آپ کھجور نہیں کھاتے تھے۔

آپ کے حالات میں یہ آتا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایک باندی خریدی۔ آپ کا رات میں مطالعہ و درس وغیرہ کا معمول رہا کرتا تھا۔ آپ کی باندی آپ کی ملاقات کی منتظر کھڑی رہا کرتی تھی لیکن آپ اس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوتے تھے تو ایک دن وہ باندی غلاموں کے تاجر کے پاس گئی اور اس سے شکایت کی کہ اچھا تم نے مجھے ایک مجنون آدمی کے ہاتھ فروخت کر کے قید و مشقت میں ڈال دیا ہے۔ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اس شکایت کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی مجنون تو وہ ہے کہ جسے علم کی قدر و عظمت کا احساس ہو۔ اس کے باوجود وہ اسے ضائع کر دے یا وہ سستی سے کام لے کہ علوم سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک شریف اور بہادر صاحب فضل اور سخی آدمی تھے۔ آپ پر کسی کی کوئی چیز بھی باقی نہیں تھی۔ نیز آپ مال وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے تھے۔ آپ کے مناقب تو بے شمار ہیں لیکن انہی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ آپ کی پیدائش مقام غزہ میں ۱۵۰ھ میں ہوئی۔

بعض مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ آپ کی ولادت اس سال ہوئی تھی جس سال امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ بعض اہل علم نے یہ لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات اکیاون والے سال میں ہوئی ہے اور بعض ترپن والے سال میں ہونے کے قائل ہیں۔

اور بعض مؤرخین نے یہ تصریح کی ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اسی دن وفات ہوئی جس دن کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی ہے (یعنی بجائے سال اور برس کے دن کا ذکر ہے)۔ (تہذیب الاسماء والصفات)

بعض نے کہا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت شہر عسقلان یا یمن میں ہوئی ہے۔

مؤرخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ آپ عسقلان میں پیدا ہوئے ہیں۔ پھر آپ مقام غزہ سے مکہ شہر میں چھ سال کی عمر

میں منتقل ہوگئے۔اسی طرح آپ ۱۹۱ھ میں مصر تشریف لے گئے۔لیکن بعض نے یہ کہا ہے کہ آپ ۲۰۱ھ میں مصر تشریف لے گئے ہیں۔ لیکن بعض نے یہ کہا ہے کہ آپ مصر میں رہے یہاں تک کہ آپ ۲۰۴ھ میں واصل بحق ہوگئے۔
مشہور یہ ہے کہ آپ کی قبر مبارک مصر میں مقام قرافہ میں واقع ہے۔آپ نے کل ۵۴ سال کی عمر پائی۔

الاغثر

ابن سیدہ نے فرمایا ہے کہ الاغثر ایک آبی پرندہ ہے جس کی گردن لمبی اور بدن پر کثرت سے بال ہوتے ہیں۔

الافال والافائل (اونٹ کا بچہ)

افال اور افائل اونٹ کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں جن کو بنت مخاض بھی کہتے ہیں (یعنی جس بچے کا ایک سال مکمل ہوگیا ہو) اس کے واحد کے لیے افیل اور مادہ بچہ کے لیے افیلۃ استعمال کرتے ہیں۔ان شاءاللہ اس کا تفصیلی ذکر تبیع میں آئے گا۔

الافعٰی (سانپ)

عربی میں الافعٰی سانپنی یعنی مادہ سانپ کو اور اُفعون نر سانپ کو کہتے ہیں۔ہمزہ اور عین میں پیش ہے۔امام زبیدیؒ نے فرمایا ہے کہ افعٰی ایک چتکبرا سانپ ہوتا ہے جس کی گردن، پر اور منہ بڑا ہوتا ہے لیکن ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے دو سینگیں بھی ہوتی ہیں اور اس کی کنیت ابوحیان وابویحییٰ ہے اس لیے کہ یہ سانپ ایک ہزار سال تک زندہ رہتا ہے۔یہ نہایت بہادر اور کالے رنگ کا ہوتا ہے اور انسان پر اچھل کر حملہ کرتا ہے اور یہ سانپ تمام سانپوں میں سب سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے اور ان سے زیادہ خطرناک بجستان کے علاقے کے سانپ ہوتے ہیں۔

واقعات

ابن شبرمہ نے سانپ کا ایک حیرت انگیز واقعہ یہ لکھا ہے کہ ان میں سے ایک سانپ نے ایک نابالغ لڑکے کے پیر میں ڈس لیا تھا جس کی وجہ سے اس کی پیشانی پھٹ گئی۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن شبیب بن شبہ خلیفہ منصور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خلیفہ نے شبیب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے شبیب تم کبھی بجستان گئے ہو۔مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہاں کثرت سے سانپ ہوتے ہیں تو شبیب نے جواب دیا کہ جی ہاں امیر المؤمنین! میں بجستان گیا ہوں، تو خلیفہ نے فرمایا کہ وہاں کے سانپوں کے بارے میں کچھ بیان کرو۔تو شبیب نے کہا کہ بجستان کے سانپوں کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ ان کی گردن پتلی، دم چھوٹی، منہ بڑا، رنگ مٹیالہ مائل بہ سیاہی اور سپید داغ ہوتا ہے جیسے کہ اس کی چتی پڑی ہوئی ہوں۔
یہاں کے بڑے قسم کے سانپ تو بس موت تک پہنچاتے ہیں اور چھوٹے قسم کے سانپ تلوار کی طرح کاری ضرب لگاتے ہیں۔

خصوصیات

امام قزوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ افعی چھوٹی دم کا ایک خطرناک اور خبیث قسم کا سانپ ہوتا ہے۔اس سانپ کی خصوصیت یہ ہوتی ہے

کہ اس کی آنکھ بے نور ہو جاتی ہے تو پھر کچھ دنوں کے بعد اس کی بینائی واپس آ جاتی ہے۔ اس کی آنکھ ہمیشہ کھلی ہوئی رہتی ہے۔ جب سردی کا موسم آتا ہے تو وہ زمین کے اندر چار ماہ کے لیے چھپ جاتا ہے۔ جب وہ باہر نکلتا ہے تو اسے دکھائی نہیں دیتا۔ پھر وہ سونف کے درخت کو تلاش کر کے اس میں اپنی آنکھیں رگڑتا ہے تو اس کی آنکھ روشن ہو جاتی ہے۔

امام زمخشری کہتے ہیں کہ افعٰی کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ جب اس سانپ کی عمر ایک ہزار برس کی ہو جاتی ہے تو اندھا ہو جاتا ہے اور خداوند قدوس اس کے جی میں یہ بات ڈال دیتے ہیں کہ وہ اپنی آنکھ کو سونف کے نم پتوں سے رگڑے۔ چنانچہ جب وہ اس کے پتوں سے اپنی آنکھوں کو گھستا ہے تو اس کی آنکھوں میں روشنی پیدا ہو جاتی ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ سانپ اتنی دور جنگل میں نکل جاتا ہے کہ وہاں سے بستی تک پہنچنے کے لیے تین یوم کی مسافت طے کرنی پڑتی ہے۔ لیکن یہ افعی سانپ اتنی لمبی مسافت کو نابینا ہونے کے باوجود طے کرتا ہے تو اسے راستے میں کہیں کہیں کسی باغ میں سونف کا درخت ضرور ٹکرا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ اس میں اپنی آنکھوں کو گھستا ہے' مس کرتا ہے اور رگڑتا ہے تو قدرتاً اس کی بینائی واپس آ جاتی ہے۔ نیز یہ کہ اس سانپ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی دم کٹ جاتی ہے لیکن پھر نئی نکل آتی ہے اور جب اس کی داڑھ اُکھڑ جاتی ہے تو پھر دوبارہ تین دن کے بعد جم جاتی ہے۔ اس سے بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اگر اس سانپ کو کاٹ دیا جاتا ہے تو تین دن تک حرکت کرتا رہتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ سانپ انسان کا سب سے خطرناک دشمن ہوتا ہے لیکن جنگلی گائے اسے کھا کر ہضم کر جاتی ہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک اونٹنی اپنے بچہ کو دودھ پلا رہی تھی اسی دوران اس قسم کے سانپ نے اونٹنی کے ہونٹوں میں ڈس لیا تو اس کا بچہ اسی وقت اونٹنی سے پہلے مر گیا۔

جب یہ سانپ کبھی بیمار ہو جاتا ہے تو زیتون کا پتا کھا لیتا ہے تو شفایاب ہو جاتا ہے انہی میں سے بعض وہ سانپ ہوتے ہیں جو منہ در منہ جفتی کر لیتے ہیں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب نر سانپ مادہ سے جفتی کرتا ہے تو بے ہوش ہو کر گر جاتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سانپنی سانپ کے ذکر کو ڈس ڈس کر کاٹ دیتی ہے تو وہ سانپ اسی وقت مر جاتا ہے۔

امام جوہری کہتے ہیں کہ کشیش الافعٰی سانپ کی اس آواز کو کہتے ہیں جو اس کی کھال سے نکلتی ہو منہ سے نہیں۔ چنانچہ رجز پڑھنے والا شاعر کہتا ہے ؎

کان صوت شخبها المرفض کشیش افعٰی ارمعت لعض

ترجمہ: ''گویا اس کے ٹپکتے ہوئے خون کی آواز اس طرح ہے جیسے کہ کالا ناگ کی آواز ہے جو وہ کاٹنے کے لیے جا رہا ہو۔''

فھی تحک بعضھا ببعض

ترجمہ: تو وہ اپنا بعض حصہ بعض سے رگڑنے لگتا ہے۔

دو واقعات

شیخ ابوالحسن علی بن محمد المزین الصغیر الصوفی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں تبوک کے کسی دیہات میں گیا ہوا تھا تو مجھے پیاس محسوس ہوئی اتنے میں میں ایک کنوئیں پر پانی پینے کے لیے آیا تو اچانک میرا پیر پھسل گیا۔ میں کنوئیں میں گر گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ کنوئیں کے اندر اچھی خاصی جگہ ہے تو میں اس جگہ کو درست کر کے وہاں بیٹھ گیا۔ اتنے میں اچانک میں نے ایک پھنکار جیسی آواز سُنی تو میں فکرمند ہو گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کالے رنگ کا سانپ میرے اوپر گر کر ادھر اُدھر چکر لگانے لگا۔ میں خاموش سہا ہوا بیٹھا تھا اتنے میں اس نے مجھے اپنی دُم

میں لپیٹ کر کنوئیں سے باہر کر دیا۔ پھر اپنی دُم کھول کر رُخصت ہو گیا۔

جعفر الخلدی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ابوالحسن المزین الصغیر کو رُخصت کرنے کے لیے گیا تو میں نے ان سے گزارش کی کہ جناب عالی آپ مجھے کچھ پند و نصائح کا توشہ دیتے جایئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی چیز گم ہو جائے' اسی طرح اگر تم یہ چاہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ملاقات کسی سے کرا دیں تو تم یہ دُعا پڑھ لیا کرو:

''يَا جَامِعَ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ اِجْمَعْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ كَذَا.''

تو اللہ پاک تمہاری ملاقات کرا دیں گے یا وہ چیز تمہیں حاصل ہو جائے گی۔

جعفر الخلدی کہتے ہیں کہ میرا تجربہ ہے کہ جب بھی دُعا میں نے یہ دُعا پڑھ کر مانگی ہے قبول ہو گئی ہے۔ شیخ ابوالحسن کا انتقال ۳۸۶ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا ہے۔

الحاریة نامی سانپ اس افعٰی سانپ کی ایک قسم کا نام ہے۔ اسی سلسلے میں النابغة الذبیانی نے کہا ہے ؎

الحاریة قد صغرت من الکبر   مھزؤة الشدقین حولا النظر

ترجمہ: ''حاریہ سانپ بڑا چھوٹا ہوتا ہے اس کے دونوں جبڑے کھلے ہوئے ہیں جو نظروں کو خیرہ کر دیتا ہے۔''

(نیز حدیث پاک میں بھی الحاریة کا مادہ حری تحری استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے معانی ہیں پگھلنا' گھٹنا' کم ہونا) چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شدید رنج و غم میں مبتلا ہو گئے۔ پھر آپ کا جسم اسی رنج و غم کی وجہ سے گھلتا اور کمزور ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آپ بھی واصل بحق ہو گئے۔

ضرب الامثال

عرب دیگر حیوانات کی طرح افعٰی سانپ کو بھی بطور ضرب الامثال کے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ کہتے تھے: ھو اظلم من افعیٰ وہ افعٰی سانپ سے بھی زیادہ ظالم ہے۔

افعی سے ظلم میں اس لیے مثال دیتے ہیں کہ وہ اپنا سوراخ کبھی بھی نہیں کھودتا بلکہ وہ کسی دوسرے کے کھودے ہوئے سوراخ میں رہنے لگتا ہے۔ چنانچہ عربی شاعر کہتا ہے ؎

وانت کالافعی التی لا تحتفر   ثم تجئیی مبادراً فتحتجر

ترجمہ: ''تم کالے سانپ کی طرح (ظالم ہو) جو (سوراخ) کبھی نہیں کھودتا۔ پھر وہ کسی سوراخ میں اچانک گھس جاتا ہے۔''

چنانچہ سانپ جس سوراخ کو اپنا گھر بنانا چاہتا ہے تو اس سوراخ کا جانور کہیں اور سوراخ بنانے لگتا ہے اور یہ سوراخ سانپ کے لیے خالی کر کے چھوڑ دیتا ہے۔

(۲) اسی طرح عرب کہتے ہیں تحلحت العقر بالافعیٰ یعنی بچھو افعی سانپ کو تکلیف دینے پر تیار ہوا' تیار ہو گیا۔ یہ مثل اس وقت استعمال کرتے ہیں جو اپنے سے زیادہ طاقتور کے ساتھ مقابلہ یا گفتگو کرنے لگے۔ ان شاء اللہ یہ مثل عقرب کے بیان میں بھی آئے گی۔

(۳) اسی طرح عرب کہتے ہیں رماہ اللّٰہ تعالٰی بافعیٰ حاریة یعنی اللہ تعالیٰ سے اسے افعی حاریہ سانپ کے ذریعے ہلاک کر دیں۔ (یہ بددُعا ہے اس وقت کہتے ہیں جب مفہوم ادا کرنا ہو کہ اللہ تعالیٰ فلاں پر خطرناک دشمن مسلط فرما دیں یا اسے فوری طور پر تباہ کرنے

کی بددعا دینا ہو)اس لیے کہ افعی حار یہ وہ سانپ ہے جس کے ڈسنے سے اسی وقت موت واقع ہو جاتی ہے۔

(۴) اسی طرح عرب کہتے ہیں من لسعته افعی من جر الحبل یخاف یعنی جسے افعی سانپ ڈس لیتا ہے تو اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ رسی گھسٹنے سے بھی خوف کرتا ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب انسان کو کوئی شدید پریشانی لاحق ہوتی ہے تو اس کو اور کوئی چیز نہیں سوجھتی۔

اس معانی میں شیخ صالح بن عبدالقدوسؒ نے اشعار کہے ہیں ؎

المرء یجمع والزمان یفرق و یظل یرقع و الخطوب تمزق

''انسان اکٹھا کرتا ہے اور زمانہ بکھیر دیتا ہے اور انسان جوڑتا ہے گردش لیل ونہار ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔''

و لان یحادی عاقلا خیر له من ان یکون له صدیق احمق

''اگر کوئی دانشور سے دشمنی رکھتا ہے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے کہ اس کا کوئی بے وقوف دوست ہو۔''

فاربا بنفسک ان تصادقا احمقا ان الصدیق علی الصدیق مصدق

''اگر کوئی دانشور سے دشمنی رکھتا ہے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے کہ دوست دوست کی تصدیق کرتا ہے۔''

وزن الکلام اذا نطقت فانما یبدی عقول ذوی العقول المنطق

''جب تم گفتگو کرو تو موزوں کلام کرو اس لیے کہ دانش وروں کے عقل کا پتہ گفتگو ہی سے معلوم ہوتا ہے۔''

و من الرجال اذا استوت اخلاقهم من یشتشار اذا استشیر فیطرق

''اور جب لوگوں کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں تو ان سے مشورہ لینے والا بھی راستہ پا جاتا ہے۔''

حتی یحل بکل واد قلبه فیری و یعرف ما یقول فینطق

''یہاں تک کہ ہر وادی میں اس کا قلب اُتر جاتا ہے تو وہ غور وخوض کر کے گفتگو کرتا ہے۔''

لا الفینک ثاویا فی غُربة ان الغریب بکل سهم یرشق

''میں تجھ سے پردیس میں رہنے کی وجہ سے اُلفت نہیں کرتا اور پردیسی آدمی کا ہر تیر سیدھے نشانے پر لگتا ہے۔''

ما الناس الا عاملان فعامل قدمات من عطش و آخر یغرق

''لوگ تو بس دو قسم کے عمل کرنے والے ہوتے ہیں اس لیے تم بھی عمل کرو ایک تو وہ جس نے دُنیا کو چاہا تو مر گیا دوسرا وہ جو مستغنی ہو گیا۔''

والناس فی طلب المعاش و انما بالجد یرزق منهم من یرزق

''اور لوگ تو معاش کے حصول میں مصروف ہیں اور طالب رزق کو تو محنت اور جدوجہد ہی سے رزق دیا جاتا ہے۔''

لو یرزقون الناس حسب عقولهم الفیت اکثر من تری یتصدق

''اور لوگوں کو ان کی عقل کے مطابق رزق دیا جانے لگے تو تم اکثر لوگوں کو یہ دیکھو گے کہ وہ صدقہ دے رہے ہوں گے۔''

لکنه فضل الملیک علیهم ھذا علیه موسع و مضیق

''لیکن خدائے تعالیٰ کا یہ ان پر احسان ہے کہ (رزق کو) ان پر تنگ بھی کر رکھا ہے اور وسیع بھی۔''

و اذا الجنازہ والعروس تلاقیا ورائیت دمع نوائح یترقوق

''جب دولہا اور جنازہ آمنے سامنے ہو تو دیکھو کہ نوحہ کرنے والوں کے آنسوؤں کو بند ہوتے دیکھو۔''

سکت الذی تبع العروس مبھتا ورأیت من تبع الجنازۃ ینطق

''تو وہ جو دولہا' دلہن کے پیچھے چلا تو وہ حیران ہو کر خاموش ہو گیا اور تم یہ دیکھو گے کہ جس نے جنازہ کا پیچھا کیا تھا وہ باتیں کر رہا ہے۔''

و اذا امرؤلسعته افعی مرۃ ترکته حین یجرحبل یفرق

''اور جس وقت کسی کو ایک مرتبہ کالا سانپ ڈس لیتا ہے تو وہ کھینچتی ہوئی رسی کو چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔''

بقی الذین اذا یقولوا یکذبوا و مضی الذین اذا یقولوا یصدقوا

''جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں ایسے لوگ تو باقی ہیں اور وہ لوگ گزر گئے جو سچ بولتے ہیں۔''

اور انہی کے دیگر دلچسپ اشعار یہ بھی ہیں ۔

ما یبلغ الاعداء من جاھل ما یبلغ الجاھل من نفسه

''کسی جاہل کو دشمن اتنا نقصان نہیں پہنچا تا جتنا کہ وہ اپنے آپ کو ''جہل کی وجہ سے'' نقصان پہنچا تا ہے۔''

والشیخ لا یترک اخلاقه حتی یواری فی ثری رمسه

''اور بوڑھا آدمی اپنے اخلاق نہیں چھوڑتا جب تک وہ اپنے کو قبر کی نمناک مٹی میں نہیں دبا دیتا۔''

اذا ارعویٰ عاد الی جھله کذی الضنی عاد الی نکسه

''جب وہ باز رہتا ہے تو جہالت کی طرف عود کر جاتا ہے اسی طرح بخیل آدمی اپنے مرض کی طرف عود کر آتا ہے۔''

و ان من ادبه فی الصباء کالعود یسقی الماء فی غرسه

''اگر کوئی اس کو بچپن میں تربیت کرتا ہے گویا عود کو لگانے کے وقت پانی سے سینچتا ہے۔''

حتی تراہ مورقا ناضرا بعد الذی ابصرت من ینبسه

''یہاں تک کہ تم اسے پتے دار شاداب دیکھو گے۔ حالانکہ تم اسے خشک دیکھ چکے ہو۔''

شیخ صالح کا قتل

والشیخ لا یترک اخلاقه یہ شعر اور اس کے بعد والا شعر یہ دونوں اشعار صالح بن عبدالقدوس کے قتل کا سبب بن گئے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

خلیفہ مہدی نے صالح بن عبدالقدوس پر زندیق ہونے کا الزام لگایا تھا۔ چنانچہ جب صالح کے نام وارنٹ جاری کیا گیا کہ انہیں

حاضر کیا جائے تو آپ نے حاضر ہو کر اپنا کلام سُنایا تو خلیفہ نے آپ کو رہا کر دیا۔ پھر آپ کو والی بنانے کی تجویز پیش کی گئی تو آپ نے انکار کر دیا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ پہلے کے یہ دو اشعار **والشیخ لا یترک اخلاقه** کیا آپ کا کلام نہیں ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کیوں نہیں اے امیر المؤمنین! اتنے میں خلیفہ نے کہا کہ کیا تم اپنے اخلاق سے باز نہیں آؤ گے؟ اور خلیفہ نے آپ کے قتل کا حکم دے دیا۔ چنانچہ آپ کو پل پر سولی دے دی گئی۔

یہ واقعہ ۱۶۷ھ میں پیش آیا۔ صالح بن عبدالقدوس کے عمدہ اشعار میں ایک شعر یہ بھی ہے ۔

اذا لم تسطع شئیا فدعه و جاوزه الی ما تستطیع

ترجمہ: ''جب تم کسی چیز کے کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے ہو تو اسے چھوڑ دو اور تم بڑھ جاؤ اس چیز کی طرف جو تمہاری استطاعت میں آجائے۔''

مذکورہ شعر بالکل ابن درید[1] کے شعر کی طرح ہے ۔

و من لم یقف عند انتها قدره تقاصون عنه فسیحان اتخطا

''جو شخص طاقت وقدرت کے ختم ہو جانے کے وقت نہیں ٹھہرتا ہے تو اس سے قدموں کی کشادگی کو کوتاہ رہ جاتی ہے۔''

صالح بن عبدالقدوس

یہ صالح بن عبدالقدوسؒ فلسفی آدمی بھی تھے آپ کو خلیفہ مہدی نے زندقہ کا الزام لگا کر قتل کرادیا تھا۔ آپ بصرہ میں وعظ وقصہ وغیرہ بھی بیان فرمایا کرتے تھے ان سے بہت کم احادیث منقول ہیں اور یہ ثقہ نہیں تھے۔ بعض نے کہا کہ آپ کو کسی نے خواب میں دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے پروردگار کے سامنے پیش کیا گیا جس پر کسی قسم کی کوئی چیز مخفی نہیں ہے تو خداوند قدوس نے رحمت کا معاملہ فرمایا۔ خدائے پاک نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''تم پر جس چیز کی تہمت لگائی گئی تھی تم اس سے بری قرار دیئے جاتے ہو۔''

بعض شعراء کرام نے قندیل وشمع کی تعریف میں تشبیہ دیتے ہوئے کہا ہے ۔

و قندیل کان الضوء منه محیا من هویت اذا تجلی

''قندیل جلتی ہوئی ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے کہ تمہارا محبوب مسکرا رہا ہو۔''

اشار الی الدجی بلسان افعی فشمر ذیله فرقا و ولی

''گویا وہ کالے سانپ کی زبان کی طرح لپلپاتی ہے جو تھوڑی دیر کے بعد دُم دبا کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔''

---

[1] ''ابن درید'' ایک اونچے قسم کے شاعر اور لغت کے امام تھے۔ ۲۲۳ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ ریاشی اور ابو حاتم بجستانی سے علوم حاصل کئے۔ اس دور کے علماء انہیں سب سے بڑا شاعر اور سب سے بڑا عالم کہتے تھے۔ ان کا انتقال اس سال ہوا جس سال قاہر باللہ کو تخت سے اُتار کر راضی باللہ کو بٹھایا گیا۔ ان کا اور ابو ہاشم جبائی کا ایک ہی دن بروز چہار شنبہ ۳۲۱ھ میں انتقال ہوا۔

اُفعوان

جیسے کہ اس سے قبل گزر چکا ہے کہ افعوان اس قسم کے نر سانپوں کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کالے رنگ کا نہایت بہادر سانپ ہوتا ہے جو انسان پر اچھل کر حملہ کر دیتا ہے۔ اس کی کنیت بھی ابوحیان اور ابو یحییٰ ہے اس لیے کہ اس کی عمر بھی ایک ہزار سال کے قریب ہوتی ہے۔ بعض شعراء کے یہ اشعار درج ذیل ہیں ؎

صرمت حبالک بعد وَصْلِک زینب والدھر فیہ یتغیر و تقلب

''اے زینب! تو نے وصال کے بعد محبت کو منقطع کر دیا اور زمانہ اس میں برابر ترمیم وتغیر کر رہا ہے۔''

نشرت ذوائبھا التی تزھو بھا سوداً وراسک کاالثغامۃ اشیب

''اس کی کالی لٹیں جس سے وہ کھل اُٹھتی ہے بکھری ہوئی ہیں اور تیرا سر ققامتہ پھول کی طرح سپید ہو رہا ہے۔''

واستنفرت لما راتک و طالما کانت تحن الی لقاک و ترغب

''اور وہ (محبوبہ) جب تجھے دیکھ لیتی ہے تو بھاگنے لگتی ہے ورنہ اس سے پہلے تم سے ملنے کے لیے شوق اور خواہش رکھتی تھی۔''

وکذاک وصل الغانیات فانہ آل بیلقعۃ و برق خلب

''اور اسی طرح گانے والیاں آ گئیں اس لیے کہ وہ خالی مکان میں سستی دکھا رہا تھا اور بجلیاں کوندرہی تھیں۔''

فدع الصبا فلقد عداک زمانہ وازھد فعمرک مرمنہ الاطیب

''تم اب بچپن کو چھوڑ دو کیونکہ زمانے نے تم سے دشمنی کر لی ہے اور دُنیا کی طرف توجہ نہ کرو اس لیے کہ تمہاری اصل عمر گزر گئی ہے۔''

ذھب الشباب فمالہ من عودۃ واتی الشیب فاین منہ المھرب

''شباب تو گزر گیا اب دوبارہ نہیں آ سکتا اور بڑھاپا آ گیا ہے اس سے چھٹکارا نہیں مل سکتا۔''

دع عنک ماقد کان فی زمن الصبا واذکر ذنوبک و ابکھا یا مذنب

''جو بچپن کی واہیات تھیں وہ اب بالکل چھوڑ دو اور اے مجرم گناہوں کو یاد کرو اور روؤ۔''

واذکر مناقشۃ الحساب فانہ لابد یحصی ما جنیت و یکتب

''اور حساب وکتاب کے معاملے کو فراموش نہ کرو اس لیے کہ جن جن چیزوں کا تم نے ارتکاب کیا ہے وہ سب روزنامچہ میں لکھا جا رہا ہے۔''

لم ینسہ الملکان حین نسیتہ بل اثبتاہ و انت لاہ تلعب

''اگر تم اس کو بھول گئے تو کراماً کاتبین نہیں بھلا سکتے بلکہ وہ دونوں قلم بند کر رہے ہیں اور تم بے پروا اور کھیل میں لگے ہوئے ہو۔''

والروح فیک ودیعۃ اودعتھا ستردھا بالرغم منک و تسلب

''اور جان تمہارے اندر رکھ دی گئی ہے وہ عن قریب تم سے زبردستی لے لی جائے گی اور کھینچ لی جائے گی۔''

وغرور دنياک التی تسعى لها دار حقيقتها متاع يذهب

''اور تمہاری دُنیاداری جس کے لیے تم کوشاں ہو وہ دھوکہ ہے وہ تو ایک گھر کی طرح ہے جس کی حقیقت آنے جانے والے مال سے زیادہ نہیں ہے۔''

والليل فاعلم و النهار كلاهما انفاسنا فيها تعد و تحسب

''یادرکھو رات اور دن میں جو بھی سانس ہم لیتے ہیں وہ شمار کیے جاتے ہیں۔''

وجميع ما خلفته و جمعته حقايقينا بعد موتک ينهب

''اور وہ ساری چیزیں جو تم نے جمع کی ہیں اور چھوڑی ہیں یقیناً تمہاری موت کے بعد چھین لی جائیں گی۔''

تبالدار لايدوم نعيمها ومشيدها عما قليل يخرب

''وہ گھر تباہ و برباد ہو جائے گا جس کی نعمتیں ہمیشہ نہ رہیں اور اس کی مضبوط بلڈنگیں جلد ہی ویران ہونے والی ہیں۔''

فاسمع هديت نصيحة اولا كما برنصوح للانام و مجرب

''میں نے تم کو جو نصیحتیں کی ہیں وہ سنو تم نصیحت کے زیادہ محتاج ہو یہ مخلوق کے لیے خیر خواہانہ اور مجرب نسخہ ہے۔''

صحب الزمان و اهله مستبصرا ورای الامور بما تئوب و تعقب

''زمانہ ساتھ رہا اور زمانہ والے دیکھ رہے تھے اور لوگوں نے وہ عجائبات دیکھے ہیں جو کہ ابخا کار ہونے والے ہیں ہیں۔''

لاتامن الدهر الخون فانه مازال قدما للرجال يودب

''تم خیانت کرنے والے زمانے سے مامون مت رہو اس لیے کہ یہ لوگوں کی ہر ہر قدم پر تادیب کرتا ہے۔''

وعواقب الايام فی عصائنها مضض يذل له الاعز الانجب

''اور زمانے کے نتائج پھندے ہیں ایک مصیبت کی طرح ہیں جس کے سامنے شریف اور باعزت آدمی سر جھکا دیتا ہے۔''

فعليک تقوی الله فالزمها تفز ان التقی عوالبهی الاهيب

''تو تمہارے لیے یہ ضروری ہے کہ تم اللہ سے ڈرو اور اس پر قائم رہو تو کامیاب ہو جاؤ گے اور متقی آدمی روشن اور بارُعب ہوتا ہے۔''

واعمل بطاعته تنل منه الرضا ان المطيع له لديه مقرب

''اور تم اس کی فرمانبرداری کرو تو تمہیں رضامندی حاصل ہو جائے گی اس لیے کہ مطیع اور فرمانبردار آدمی اس کے نزدیک مقرب ہوجاتا ہے۔''

واقنع ففی بعض القناعة راحة والياس ممافات فهو المطلب

''اور تم قناعت کی زندگی گزارو اس لیے کہ تھوڑی سی قناعت آرام دہ ہوتی ہے اور فوت شدہ چیزوں میں مایوس ہونا ہی مقصد ہونا چاہیے۔''

فاذا طمعت كسيت ثوب مذلة فلقد كسی ثوب المذلة اشعب

''جب تم لالچ کرنے لگو گے تو ذلیل ہو جاؤ گے اور جو ذلت کا لبادہ پہن لے گا وہ پریشان رہے گا۔''

وثوق من غدر النساء خیانة فجمیعھن مکاید لک تنصب

''اور تم عورتوں کے دھوکے اور خیانت سے بچتے رہو اس لیے کہ وہ سب کی سب تم کو مکر وفریب کے جال میں پھنسانے کے لیے تیار کی گئی ہیں۔''

لاتامن الانثی حیاتک انھا کالافعوان یراعی منه الانیب

''تم اپنی زندگی میں عورتوں سے کبھی مامون مت ہونا اس لیے کہ وہ کالے ناگ کی طرح ہیں جس سے کہ موٹے موٹے دانتوں والا بھی ڈرتا ہے۔''

لاتامن الانثی زمانک کله یوما و لو حلفت یمینًا تکذب

''اسی طرح تم اپنی ساری عمر میں کسی دن بھی عورتوں سے مامون مت ہونا اس لیے کہ تم ان کے بارے میں قسم بھی کھالو گے تو جھوٹے ہو جاؤ گے۔''

تغری بلین حدیثھا و کلامھا و اذا سطت فھی الصقیل الاشطب

''وہ اپنی دلچسپ باتوں سے اُبھارتی ہیں اور جب وہ غالب ہو جاتی ہیں تو وہ دمکتی ہوئی دراز قامت حسین معلوم ہوتی ہیں۔''

وابدا عدوک بالتحیة ولتکن منه زمانک خائفا تترقب

''اور اپنے دشمن کو پہلے سلام کرو (اس کے بعد) پھر مطمئن مت رہنا بلکہ خائف رہنا اور گردوپیش کا جائزہ لیتے رہنا۔''

واحذره ان لاقیته متبسما فاللیث یبدو نابه اذیغضب

''اگر تم اسے مسکراتے ہوئے گفتگو کرتے دیکھو تو اس سے بچنے کی کوشش کرو اس لیے کہ جس وقت شیر غصہ میں ہوتا ہے تو کچلی والے دانت نکالتا ہے۔''

ان العدوان تقادم عھده فالحقد باق فی الصدور مغیب

''اگر زمانہ دراز گزر جائے دشمن، دشمن ہی رہتا ہے اور بغض وکینہ سینے میں باقی اور پوشیدہ رہتا ہے۔''

واذا الصدیق لقیته متملقا فھو العدو حقه یتجنب

''اور جب تم چاپلوس دوست سے ملاقات کرو تو وہ درحقیقت دشمن ہے اس سے بچنا چاہیے۔''

لاخیر فی ود امرئی متملق حاوا السان وقلبه یتلھب

''چاپلوس آدمی کی دوستی میں کوئی خیر وبھلائی نہیں ہے اس لیے کہ وہ شیریں زبان تو ہوتا ہے لیکن اس کا قلب شعلہ زن ہوتا ہے۔''

یلقاک یحلف انه بک واثق و اذا تواری عنک فھو العقرب

''وہ تم سے خود اعتمادی کی قسم کھا کر ملتا ہے۔ لیکن جب وہ تم سے الگ ہو جائے گا تو بچھو بن جائے گا۔''

ينطقك من طرف اللسان حلاوة ويروغ منك كما يروغ الثعلب

''وہ تم سے زبان سے تو شیریں گفتگو کرے گا لیکن پھر وہ بعد میں لومڑی کی طرح کترا کر گزر جائے گا۔''

وصل الكرام و ان رموك بجفوة فالصفح عنهم بالتجاوز اصوب

''اور تم شرفاء کے ساتھ حسن سلوک کرو اگر چہ وہ بداخلاقی سے پیش آئیں۔ پھر اس وقت تمہیں درگزر سے کام لینا زیادہ مناسب ہے۔''

واختر قرينک ما تصطفيه تفاخرا ان القرين الى المقارن ينسب

''تم اپنی دوستی کے لیے اچھا اور قابل فخر دوست کا انتخاب کرو اس لیے کہ دوست دوستی کرنے والے ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔''

ان الغنى من الرجال مكرم و تراه يرجى مالديه و يرهب

''واقعی دھنی آدمی قابل احترام ہوتا ہے اور تم اسے یہ بھی دیکھو گے کہ لوگ اس سے اُمید و بیم دونوں رکھتے ہیں۔''

ويبش بالترحيب عند قدومه و يقام عند سلامه و يقرب

''اور لوگ اس کی آمد کے وقت خوش آمدید کہتے ہیں اور اس کے سلام و دُعا کے وقت لوگ قریب کھڑے ہو جاتے ہیں۔''

و اخفض جناحک للاقارب كلهم بتذلل واسمح لهم ان اذنبوا

''اور تم اپنے سارے اقرباء کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو اگر وہ کوئی جرم کر بیٹھیں تو چشم پوشی سے کام لو۔''

ورع الكذوب فلا يكن لک صاحبها ان الكذوب يشين حراً يصحب

''اور جھوٹے آدمی کو اپنا ساتھی مت بناؤ اس لیے کہ جھوٹا آدمی نیک اور آزاد طبیعت کو معیوب کر دیتا ہے۔''

وزن الكلام اذا نطقت و لاتكن ثرثاره فی کل ناديخطب

''اور گفتگو کرتے وقت موزوں کلام کرو اور ہر مجلس میں بکواس اور بڑ بڑ زیادہ نہ کرو۔''

واحفظ لسانک و احترز من لفظه فالمرء يسلم باللسان و يعطب

''اور تم زبان کی حفاظت کرو زیادہ نہ بولو اس لیے کہ زبان ہی سے انسان محفوظ بھی رہتا ہے اور ہلاک بھی ہوتا ہے۔''

والسر فاكتمه ولا تنطق به ان الزجاجة كسرها لا يشعب

''اور راز کو چھپاؤ ظاہر نہ کرو اس لیے کہ شیشہ ٹوٹنے کے بعد جوڑا نہیں جاتا۔''

و كذاک سرالمرء ان لم يطوه نشرتة السنة تزيد و تكذب

''اسی طرح اگر آدمی کے راز کو راز کے طور پر نہ رکھا گیا تو لوگ نمک مرچ ملا کر بیان کرتے ہیں اور برعکس بیان کرتے ہیں۔''

لاتحرص فالحرص ليس بزائد فی الرزق بل يشقى الحريص و يتعب

''تم لالچ ہرگز نہ کیا کرو اس لیے کہ اس سے رزق میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ حریص آدمی کا نصیبہ برابر ہوتا ہے اور تھک جاتا ہے۔''

ويظل ملهوفا يروم تحيلا والرزق ليس بحيلة يستجلب

''پھر وہ رنجیدہ خاطر ہو جاتا ہے اور حیلہ سازی کرتا ہے اور رزق حیلہ کر کے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔''

كم عاجز فی الناس یاتی رزقه رغداً و یحرم کیس و یخیب

''کتنے کمزور قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کو خوب روزی ملتی ہے اور عقل مند آدمی محروم ہو جاتا ہے اور ناکام ہو جاتا ہے۔''

وارع الامانة و الخیانة فاجتنب و اعدل ولا تظلم یطب لک مکسب

''اور امانت کی حفاظت کرو خیانت سے بچو انصاف کرو ظلم بالکل نہ کرو تو یہ بات تمہارے لیے سودمند ہوگی۔''

واذا اصابک ننکبة فاصبر لها من ذارأیت مسلما لا ینکب

''اور جس وقت تم کسی پریشانی میں مبتلا ہو جاؤ تو صبر کا دامن نہ چھوڑو (اسی کے ساتھ) تم نے کتنے مسلمانوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ پریشان نظر نہیں آتے۔''

و اذا رمیت من الزمان بریبة اونالک الامر الاشق الاصعب

''اور جب زمانہ تمہیں بے چینی' بے اطمینانی میں مبتلا کر دے یا تمہیں مشکل مسئلہ پیش آ جائے۔''

فاضرع لربک انه ادنی لمن یدعوه من حبل الورید و اقرب

''تو تم اپنے پروردگار کے دربار عالی میں تضرع وزاری کرو اس لیے کہ جو اسے پکارتا ہے تو وہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔''

کن ماستطعت عن الا نام بمعزل ان الکثیر من الوریٰ لا یصحب

''تم حتی الامکان مخلوق سے الگ تھلگ رہا کرو اس لیے کہ زیادہ لوگوں سے میل نہیں رکھا جاتا۔''

واحذر مصاحبة اللئیم فانه یعدی کما یعدی الصحیح الاجرب

''اور تم کمینہ آدمی کی صحبت سے پرہیز کرو اس لیے کہ اس کی صحبت لگ جاتی ہے جیسے کہ خارش صحیح وتندرست کو لگ جاتی ہے۔''

واحذر من المظلوم سهما صائبا واعلم بان دعائه لا یحجب

''اور تم مظلوم کی بددعا سے بچو اس لیے یہ بات یاد رکھو کہ اس کی دعا لوٹائی نہیں جاتی اور نہ روکی جاتی ہے۔''

واذا رائیت الرزق عز ببلدة و خشیت فیها ان یضیق المذهب

''اور جب تم یہ دیکھو کہ رزق کسی شہر میں کمیاب ہو گیا ہے اور تمہیں یہ خوف لگ رہا ہو کہ وہ تنگ ہو جائے گا۔''

فارحل فارض اللّٰه واسعة الفضا طولا و عرضا شرقها والمغرب

''تو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے طولاً' عرضاً ومشرق ومغرب کہیں بھی کوچ کر جاؤ۔''

فلقد نصحتک ان قبلت نصیحتی فالنصح اعلیٰ مایباع و یوهب

''اگر میری نصیحت پسند آئی ہو تو قبول کرو اس لیے کہ نصیحت (خیر خواہی) فروخت اور دیئے جانے والی چیز سے قیمتی ہے۔''

نزار کے بیٹوں کی دانشمندی

شیخ ابوالفرج [1] بن الجوزی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ نزار بن معد کے چار لڑکے تھے۔ مضر' ربیعہ' ایاد' انمار۔ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے اپنا مال و دولت وغیرہ ان چاروں میں تقسیم کر دیا۔ اور انہوں نے مال کی تقسیم میں ایک انوکھا طرز اپنایا اپنے ان چاروں بیٹوں کو بلا کر یہ کہا کہ جو سرخ ٹوپی ہے یا اس قسم کا جو بھی مال ہو' مضر تمہارا ہے اور یہ کالی گدڑی اور جو اس کے مشابہ مال ہو' وہ ربیعہ کا ہے اور یہ نوکر وغیرہ اور جو اس جیسا مال ومتاع ہو' ایاد کے لیے ہے اور یہ تھیلی (البدرۃ [2]) اور یہ نشست گاہ انمار تمہاری ہے۔ وصیت کرتے وقت شیخ نزار نے یہ بھی تاکید کی کہ اگر تم لوگوں کو کسی قسم کی پیچیدگی پیش آئے یا کسی معاملہ میں جھگڑا ہونے لگے تو آپ لوگ فوراً افعی بن افعی الجرہمی شاہ نجران کے پاس جا کر فیصلہ کرا لینا۔

چنانچہ جب نزار شیخ کا انتقال ہو گیا تو ان لوگوں میں اختلاف ہو گیا۔ آخر مقدمہ لے کر افعی شاہ نجران کی خدمت میں جانے کا ارادہ کیا۔ تو یہ سب لوگ ایک ساتھ جا رہے تھے کہ اچانک مضر نے دیکھا کہ ایک اونٹ گھاس چر رہا ہے تو مضر نے کہا کہ یہ اونٹ توکانا ہے۔ ربیعہ نے کہا نہیں ٹیڑھا اور سینے کا پتلا ہے۔ ایاد نے کہا نہیں دم کٹا ہے اور انمار نے کہا نہیں صرف بدکتا ہے۔ بس وہ لوگ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ اچانک ان لوگوں کی ملاقات ایک آدمی سے ہو گئی تو وہ تمام لوگ اس آدمی سے اونٹ کے سلسلہ میں فیصلہ کرانے لگے کہ آخر اونٹ کیسا ہے؟ سب نے اپنی اپنی رائے بیان کیا۔ مضر کہنے لگا کہ میرے نزدیک تو وہ کانا ہے تو اس آدمی نے کہا ہاں مضر تم صحیح کہہ رہے ہو۔ پھر ربیعہ نے کہا کہ مجھے وہ اونٹ ٹیڑھا اور سینے کا پتلا معلوم ہوتا ہے۔ پھر اس آدمی نے کہا کہ یہ بھی سچ ہے اور ایاد نے کہا کہ بھائی وہ تو دم کٹا ہے تو اس پر بھی اس نے ہاں کہہ کر تصدیق کر دی اور انمار نے کہا وہ تو صرف بدکتا ہے۔ پھر بھی اس آدمی نے کہا کہ ہاں یہ بھی صحیح کہتے ہیں۔ اونٹ کے یہ سارے اوصاف سن لینے کے بعد اس آدمی نے یہ کہا کہ بھائیو! ان اوصاف کا حامل تو میرا اونٹ ہے۔ تم لوگ میرے اونٹ کا پتہ بتاؤ کہ آخر کہاں دیکھا ہے؟

یہ سنتے ہی ان تمام بھائیوں نے فوراً قسم کھالی کہ ہم لوگوں نے کوئی اونٹ نہیں دیکھا۔ آخر کار ان تمام بھائیوں کے انکار کے باوجود اس آدمی نے ان سب کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ لگا ہی رہا' یہاں تک کہ وہ لوگ نجران آ پہنچے اور پھر سب کے سب شاہ نجران افعی بن افعی الجرہمی کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ تو وہ شخص جو اونٹ کی تلاش و جستجو میں تھا اس نے بادشاہ سے اپیل کی کہ ان لوگوں نے میرے اونٹ کو دیکھا ہے۔ نیز ان لوگوں نے میرے سامنے اونٹ کے اوصاف بھی بیان کیے ہیں لیکن یہ لوگ پتہ نہیں بتاتے کہ وہ کہاں ہے۔

اتنے میں ان تمام بھائیوں نے یہ کہا کہ بادشاہ معظم ہم نے ان کے اونٹ کو نہیں دیکھا تو شاہ نجران افعی نے کہا کہ جب آپ لوگوں نے اونٹ کو نہیں دیکھا تو اس کے اوصاف کیسے بیان کیے ہیں جو اونٹ پر منطبق ہو گئے ہیں۔

تو سب سے پہلے مضر نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ میں نے اونٹ کو اس طرح دیکھا ہے' لیکن وہ اپنی ایک جانب کی گھاس چھوڑ کر چر رہا تھا تو میں نے یہ سمجھا کہ وہ اونٹ اعور اور کانا ہے۔

اسی طرح ربیعہ نے کہا کہ مجھے اس کے ایک ہاتھ میں نقص محسوس ہوا تو میں نے یہ اندازہ لگایا کہ اس نے ٹیڑھے اور سینے کے پتلے

---

[1] عبدالرحمان بن علی بن محمد ابوالفرج جمال الدین محدث ومؤرخ بغداد میں پیدا ہوئے ان کے ہاتھ پر یہودی اور عیسائی بھی ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہوئے اور اپنے گناہوں سے توبہ کی ان کی تصنیفات دوس وسے زائد ہیں اور کچھ عرصہ کے لئے قید و بندی زندگی بھی گزاری اور بغداد ہی میں وفات پائی۔ ۱۲

[2] عربی میں البدرۃ کا اطلاق دس ہزار کی تھیلی پر آتا ہے۔ (المنجد)

ہونے کی وجہ سے جفتی کرتے وقت (ہاتھ) بیکار کر لیے ہیں۔

اور ایاد نے کہا میں نے اس کی مینگنیاں یکجا پڑی ہوئی دیکھی ہیں تو میں نے سمجھا کہ وہ دم کٹا ہے۔ اگر وہ دم دار ہوتا تو وہ دم مارتا تو مینگنیاں بکھری ہوئی ہوتیں۔

انمار نے کہا کہ وہ میدان میں چرتے ہوئے ڈھال دار زمین کی طرف مڑ گیا ہے تو میں نے یہ سمجھا کہ شاید وہ بد کتا ہے۔

تو شاہ نجران نے اس اونٹ والے شیخ سے یہ کہا کہ بھائی یہ لوگ تمہارے اونٹ کونہیں جانتے جاؤ تم تلاش کر لو۔ پھر شاہ نجران ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ فرمایا کہ اچھا آپ لوگ کون ہیں؟ میں آپ لوگوں سے واقف نہیں ہوں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنا تعارف کرایا۔ یہ سنتے ہی شاہ نجران نے ان کو خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ بھائی آپ لوگ واقعی میرے پاس ضرورت سے تشریف لائے ہیں جیسے کہ مجھے اس کا احساس بھی ہے۔ پھر شاہ نجران نے ان کی ضیافت کی۔ ان کے لیے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے کھانا کھایا اور پانی پی کر سیراب ہوئے۔

کھانے کے بعد مضر نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ بھائی آج کی شراب تو بہت عمدہ ہے۔ ایسی میں نے دیکھی نہیں۔ لیکن کاش کہ یہ قبرستان کی نہ ہوتی۔ اسی طرح ربیعہ نے کہا کہ میں نے آج کی طرح اتنا بہترین گوشت نہیں کھایا بشرطیکہ جانور کو کتیا کا دودھ نہ پلایا گیا ہوتا۔ ایاد نے کہا آج کی طرح کسی آدمی کو رات میں زیادہ چلنے والا نہیں دیکھا بشرطیکہ یہ اپنے اس باپ کا بیٹا نہ ہوتا جس کی طرف یہ منسوب ہے۔ انمار نے کہا کہ میں نے آج کی طرح اتنی بہترین روٹیاں نہیں کھائیں بشرطیکہ اس آٹے کو حائضہ عورت نہ گوندھتی۔

افعی نے اس سے قبل دانش مندی کا ثبوت دیتے ہوئے ان لوگوں کے پاس اپنا ایک وکیل بنا کر بھیج دیا تھا۔ چنانچہ وہ ان لوگوں کی گفتگو سنتا رہا۔ پھر اس نے افعی کو ان لوگوں کی ساری گفتگو کی اطلاع دی کہ ان لوگوں نے اس قسم کا تبصرہ کیا ہے۔

پھر افعی شاہ نجران نے ان سب لوگوں کی باتوں کی تحقیق کے لیے شراب والے کو بلا کر کہا کہ تم نے کیسی شراب بنائی ہے؟ صحیح صحیح بتاؤ واقعہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ وہ ایسی انگوروں کی بنائی ہوئی شراب ہے جس کو تمہارے باپ کی قبر پر لگایا گیا تھا۔ اس انگور کی بنی ہوئی شراب ہم نے آپ کو اس لیے دی تھی کہ اس سے اچھی شراب ہمارے پاس نہیں تھی۔ اسی طرح گوشت والے والے کو بلا کر سوال کیا کہ تم نے ایسا گوشت کیسے دیا ہے؟ سچ بتاؤ کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں نے آپ کو ایسی بکری کا گوشت کاٹ کر دیا ہے جسے ہم نے کتیا کا دودھ پلایا تھا اور اس سے موٹی بکری ہمارے پاس گوشت بنانے کے لیے نہیں تھی۔ پھر افعی گھر کے اندر داخل ہوا جس باندی نے روٹیاں پکائی تھیں اس سے پوچھا کہ تم نے روٹیاں کیسی پکائی ہیں؟ حقیقت کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں اس وقت حالت حیض میں ہوں ماہانہ خون آرہا ہے۔ پھر افعی اپنی ماں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان سے اپنے باپ کے بارے میں پوچھنے لگا کہ وہ کیسے تھے؟ تو اس کی ماں نے بتایا کہ میں ان سے قبل ایک ایسے بادشاہ کے نکاح میں تھی جس کے کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی تو میں نے بادشاہ کے انتقال کے بعد کسی غیر کے ہاتھ میں سلطنت چلی جانے کے خوف سے میں نے یہ کیا کہ ایک ایسے آدمی سے صحبت کر لی کہ جوان کی خدمت میں آیا کرتا تھا تو پھر اس سے یہ سب اولاد پیدا ہوئی۔

جب افعی نے یہ سب تحقیق کر لی تو انہیں ان لوگوں کی گفتگو اور تبصرے سے حیرت ہوئی۔ پھر ان لوگوں سے مزید ان تمام حالات اور واقعات کی وضاحت چاہی کہ آخر آپ لوگوں کو یہ کیسے معلوم ہوا اور آپ لوگ ان حقائق تک کیسے پہنچ گئے۔

تو سب سے پہلے مضر نے انکشاف کیا کہ دراصل میں شراب کی اس حقیقت سے کہ وہ ایسے انگوروں کی بنائی گئی ہے جسے قبروں پر لگایا گیا تھا اس لیے واقف ہو گیا کہ شراب کی خاصیت تو یہ ہے کہ شراب پینے کے بعد تمام قسم کے رنج وغم دور ہو جاتے ہیں، ذہنی سکون محسوس

ہوتا ہے۔لیکن یہ شراب تو بالکل اپنی خاصیت کے برعکس ہے جب ہم لوگوں نے اسے پیا تو رنج وغم کی کیفیت دور نہیں ہوئی بلکہ اور احساس ہونے لگا۔

ربیعہ نے یہ وضاحت کی کہ میں گوشت کی حقیقت سے کہ وہ کسی ایسی بکری کا گوشت ہے جس نے کتیا کا دودھ پیا ہے اس لیے واقف ہو گیا کہ ہر قسم کے گوشت کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ چربی گوشت کے اوپر رہتی ہے۔سوائے کتوں کے گوشت کے کہ اس کی چربی گوشت کے اندر کے حصہ میں ہوتی ہے۔ چنانچہ جب ہم نے یہ گوشت کھایا تو تمام گوشت کے بالکل برعکس کیفیت تھی اس لیے میں نے پہچان لیا کہ یہ کسی ایسی بکری کا گوشت معلوم ہوتا ہے جسے کسی کتیا نے دودھ پلایا ہو۔

ایاد نے کہا کہ ان کے باپ کی اصلیت سے کہ وہ جس باپ کی جانب منسوب ہے وہ حقیقت میں نہیں ہیں۔اس لیے وہ واقف ہو گیا کہ انہوں نے جو کھانا تیار کرا کر ہمارے لیے بھیج دیا ہے۔لیکن اس نے خود ہمارے ساتھ نہیں کھایا تو ان کی طبیعت کا اندازہ لگایا کہ ان کے والد تو اس طرح نہیں تھے اور نہ ہی ان کے ایسے اخلاق تھے۔

انمار نے کہا کہ حائضہ عورت کی گوندھی ہوئی روٹیوں سے میں اس لیے واقف ہو گیا کہ وہ ایسا ہے کہ جب روٹی کے ٹکڑے بنا لیئے جاتے ہیں تو کھاتے وقت ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے اور یہاں اس کا حال دوسرا تھا تو میں نے یہ سمجھا کہ آٹے کو کسی حائضہ عورت نے گوندھا ہے۔

وکیل نے ان سب لوگوں کی گفتگو اور انکشافات سے افعی کو مطلع کیا تو افعی نے کہا کہ یہ سب لوگ شیطان معلوم ہوتے ہیں۔ پھر بعد میں افعی ان سب کی موجودگی میں تشریف لائے اور فرمایا کہ بھائیو! تم لوگوں کا کیا کام ہے؟ یا کیا واقعہ پیش آیا ہے؟ بیان کرو تا کہ آپ لوگوں کے آنے کا مقصد ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا اپنا قصہ بیان کیا کہ ان کے باپ نے مرتے وقت اس قسم کی وصیت کی تھی۔ لیکن تقسیم ترکہ کے وقت اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور باپ نے یہ بھی تاکید کی تھی کہ اگر کسی مسئلہ میں کوئی پیچیدگی پیدا ہو جائے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حل کرانے کی تاکید فرمائی تھی۔

پھر ان لوگوں نے اپنا اختلافی معاملہ رکھا تو افعی نے جواب دیا کہ جو مال سرخ ٹوپی کے قبیل سے ہو وہ مضر کا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے حصہ میں دنانیر اور اونٹ وغیرہ بھی آجائیں گے۔اس لیے کہ دنانیر تو سرخ ہوتے ہیں لیکن بعض اونٹ سرخ رنگ کے بھی ہوتے ہیں جن کا شمار اچھے قسم کے مالوں میں ہوتا ہے اور عرب بھی اسے پسند کرتے ہیں۔

رہا وہ مال جو کالی گدڑی یا اس کے مشابہ ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ دیگر جانور مال اور گھوڑے وغیرہ بھی ربیعہ کے حصہ میں آجائیں گے اس لیے کہ بعض گھوڑے کالے بھی ہوتے ہیں۔

اور جو مال خادم کے ہم مثل ہوں اور خادم کھچڑی بالوں جیسا ہوتا ہے اس لیے اس کا مطلب یہ ہے کہ مویشی جانور اور چتکبرے گھوڑے وغیرہ بھی ایاد کے حصے میں آجائیں گے۔

اسی طرح افعی نے انمار کے لیے دراہم اور زمین کا فیصلہ کیا۔ پھر یہ فیصلہ سن کر سب لوگ افعی کے پاس سے چلے گئے (ان شاءاللہ باب کلب میں یہ ملاحظہ کر لیں گے کہ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ربیعہ اور مضر دونوں کے دونوں مومن تھے)۔

ابن التلمیذ کے حالات

مورخ ابن خلکان نے ابن التلمیذ کی سوانح حیات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ نصاریٰ اور اطباء دونوں کے بزرگ تسلیم کیے جاتے تھے۔آپ کے اور وحید الزمان مشہور حکیم ہبۃ اللہ کے درمیان کشیدگی اور چشمک رہا کرتی تھی۔ حکیم ہبۃ اللہ تو پہلے یہودی تھے پھر آخر

عمر میں اسلام لے آئے تھے۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کو جذام کا مرض ہو گیا تھا تو آپ جسم میں افعی سانپ کو لپیٹے رہا کرتے تھے۔ تو جب سانپ کو بھوک لگتی تھی تو وہ آپ کے جسم میں خوب ڈستا تھا۔ چنانچہ آپ اس علاج کی وجہ سے جذام سے شفایاب ہو گئے لیکن بعد میں اس کے زہریلے اثرات سے آپ کی بینائی چلی گئی تھی۔ چنانچہ ابن التلمیذ نے ان کے بارے میں اشعار کہے

لنا صدیق یهودی حماقته اذا تكلم تبدو فيه من فيه

''ہمارا ایک یہودی دوست ہے جب وہ گفتگو کرتا ہے تو اس کی حماقت جوان کے منہ میں ہے اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب گفتگو کرنے لگتے ہیں۔''

يتيه والكلب اعلٰى منه منزلة كانه بعد لم يخرج من التيه

''وہ متحیر پھرتا رہتا ہے حالانکہ کتا اس سے زیادہ مرتبہ رکھتا ہے گویا کہ وہ حیرانی سے اس کے بعد بھی نہیں نکلے۔''

ابن التلمیذ نہایت متواضع منکسر المزاج آدمی تھی اور اوحد الزمان ہبۃ اللہ متکبر قسم کے آدمی تھی۔ چنانچہ ان دونوں کے بارے میں بدیع الاسطرلابی نے چند اشعار کہتے ہیں

ابوالحسن الطبيب و مقتفيه ابوالبركات فی طرفی نقيض

''شیخ ابوالحسن طبیب اور حکیم آدمی ہیں اور ان کے پیروکار ابوالبرکات ہیں۔ ان کے دونوں جانب میں نقیض معلوم ہوتے ہیں۔''

فهذا بالتواضع فی الثريا و هذا بالتكبر فی الخفيض

''یہ تو تواضع وانکساری کی وجہ سے ثریا میں پہنچے ہوئے ہیں اور وہ تکبر کی وجہ سے پستی میں ہیں۔''

اور ابوالحسن بن التلمیذ نے المیزان (ترازو) کے بارے میں ایک عجیب وغریب بات کہی ہے

ما واحد مختلف الاسماء يعدل فی الارض و فی السماء

''کوئی بھی چیز مختلف ناموں کی نہیں ہے جو زمین اور آسمان میں برابری اور مساوات کرتی ہو۔''

يحكم بالقسط بلا رياء اعمی يری الارشاد كل راء

''بغیر ریاء کے انصاف سے فیصلہ کرتی ہے وہ اندھی تو ہے لیکن وہ ہر چیز کو با قاعدہ ملاحظہ کر لیتی ہے۔''

اخرس لامن علة و داء يغنی عن التصريح بالايماء

''وہ گونگا بھی ہے لیکن بغیر کسی وجہ اور مرض کے جو اشارہ کر کے صاف گوئی سے بے پرواہ کر دیتی ہے۔''

يجيب ان ناداه ذو امتراء بالرفع والخفض عن النداء

''اگر کوئی شکی آدمی اپیل کرتا ہے تو وہ اُٹھ کر اور جھک کر جواب بھی دیتا ہے۔

يفصح ان علق فی الهواء

''وہ صاف صاف ظاہر ہو جاتا ہے اگر اسے ہوا میں معلق کر دیا جائے۔''

نوٹ: ''مختلف الاسماء'' جو شعر میں مذکور ہے اس سے بہت سے مترادفات ہیں۔ میزان الشمس اسطرلاب۔ آلات رصدیہ وغیرہ۔

اور یہی معانی ہیں اس جملے کے "یعدل فی الارض وفی السماء" (کہ وہ زمین اور آسمان میں برابر وزن کرتا ہے) نیز میزان نام کی مختلف مضمون میں کتابیں ہیں جیسے نحو میں میزان الکلام عروض میں میزان الشعر اور منطق میں میزان المعانی وغیرہ۔

اَلْاَسْطُرْلَاب [1] ہمزہ میں زبر سین میں سکون اور طاء میں پیش ہے جس کے معانی ہیں میزان الشمس۔ اس لیے کہ یونانی زبان میں اَسْطُر میزان اور لَاب شمس کو کہتے ہیں۔ اس کو حکیم بطلیموس [2] (باء اور لام میں زبر ہے طاء اور یاء میں سکون ہے اور میم میں پیش ہے) نے ایجاد کیا ہے اور ایجاد کے سلسلے میں ایک عجیب وغریب واقعہ نقل فرمایا ہے جس کو طوالت کی وجہ سے ترک کر دیا گیا ہے۔

ابن التلمیذ ابوالحسن ایک زبردست مختلف علوم کے جامع نہایت ذہین دانشمند عالم گزرے ہیں لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود آپ اسلام کی دولت سے محروم رہے اور یہ بات خدائی رازوں میں سے ہے اور پاک برتر ذات کی بیش بہا نعمت ہے۔ وہ جس کو چاہتے ہیں ہدایت سے مالا مال کر دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں محروم کر دیتے ہیں۔ وَ مَنْ يُضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ. اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائیں اور تاحیات توحید پر قائم رکھیں۔ آپ کی وفات ۵۶۰ھ صفر المظفر میں ہوئی ہے۔

افعی سانپ کے طبی فوائد

اگر کوئی افعی سانپ کے خون کو بطور سرمہ آنکھوں میں استعمال کرے تو آنکھوں میں روشنی و بینائی کا اضافہ ہوگا۔ اگر کوئی اس کے قلب کو خشک کر کے گلے میں لٹکائے تو کسی قسم کا کوئی سحر [3] اثر انداز نہیں ہوگا۔ اگر کسی کی داڑھ میں درد ہو تو اس کی داڑھ باندھ کر لٹکا لے تو داڑھ کر درد جاتا رہے گا۔ اسی طرح اگر اس کی بائیں داڑھ کو کوئی عورت بائیں ران میں باندھ لے تو جب تک یہ بندھی رہے گی عورت حاملہ نہیں ہو سکتی۔

- امام قزوینیؒ نے فرمایا ہے کہ ابن زہر اور ابن بختیشون نے لکھا ہے کہ اگر کسی آدمی کو چوتھیا بخار آتا ہو تو افعی کا قلب باندھ کر لٹکا لے تو ان شاء اللہ بخار جاتا رہے گا۔
- سانپ کی چربی ہر قسم کے کیڑے مکوڑوں کے ڈسنے میں مفید ہے۔

---

[1] اسطرلاب ایک قسم کا آلہ ہے جس سے نجومی ستاروں کی بلندی کا اندازہ کرتے ہیں۔

[2] بطلیموس۔ یہ صعید مصر میں پیدا ہوئے اور اسکندریہ کے قریب انتقال ہوا۔ یہ ایک زبردست جغرافیہ ہیئت اور تاریخ کے جاننے والے گزرے ہیں۔ ان کی مشہور تالیفات "المجسطی" و "آثار البلاد" اور "النظریۃ البطلیموسیۃ" فن ہیئت میں تصنیف کی ہیں۔ یہ اس بات کے قائل تھے کہ زمین حرکت نہیں کرتی بلکہ فلک اس کے گرد گھومتا ہے۔ مورخین ان کی ولادت و وفات کی تاریخ قلم بند نہیں کر سکے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کے نام بادشاہوں کے ہوا کرتے تھے۔ انہی بادشاہوں کے ادوار میں علوم وفنون نے ترقی کی۔

[3] سحر کئی قسم کے ہوتے ہیں بعض ان میں سے وہ ہیں جس میں سفلیات سے مدد لے کر محض لوگوں کو پریشان کرنا ہوتا ہے یا کسی مرض یا تکلیف و مصیبت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ اس کا شرعی حکم پھر کسی موقع سے لکھیں گے۔ ابھی آپ سحر سے متعلق ملاحظہ فرمائیں۔ سحر اور جادو یہ ایک فن ہے جس کو اس کے اصول اور پابندی کے ساتھ ہر فنکار ساحر ہر وقت کام میں لا سکتا ہے۔ اس کے اسباب اگرچہ عام لوگوں سے پوشیدہ ہیں لیکن اس فن کے تمام واقف کار اس سے واقف ہوتے ہیں اس لیے وہ دوسرے علوم وفنون کی طرح بدون و مرتب فن ہے جس کو بصریوں اور چینیوں اور ہندوستانیوں نے بہت فروغ دیا۔ (ہندوستان میں بنگال مدراس دیوبند میں اس سے بہت نقصان پہنچا ہے) لغت میں سحر کے معانی امر مخفی اور پوشیدہ چیز کے ہیں اسی لیے صبح کے اول وقت کو سحر اس لیے کہتے ہیں ابھی دن کی روشنی پوری طرح نمودار نہیں ہوتی اور علمی اصطلاح میں سحر ایسے عجیب وغریب عمل کا نام ہے جس کے وجود پذیر ہونے کے اسباب نظر ←

- اگر کسی جگہ کے بال اکھیڑ کر (نوچ کر) اس کی چربی کی مالش کر دیں تو اس جگہ کبھی بال نہیں آ سکتے۔
- اگر کوئی آدمی نوشادر منہ میں پگھلا کر اس سانپ یا کسی بھی سانپ کے منہ میں تھوک دے تو وہ اسی وقت مر جائیں گے۔
- اگر اس کی کھال سرکہ میں ملا کر پکالی جائے پھر اس کو منہ میں لے کر کلی کریں تو داڑھ اور دانتوں کے درد میں نفع بخش ثابت ہوگا۔
- اسی طرح اگر اس کی کھال کو مٹی میں ملا کر باریک پیس کر بطور سرما استعمال کریں تو آنکھوں کی بینائی میں جلاء بخشے گی۔
- اگر کسی کے بواسیر یا آنکھ میں سفیدی چھا گئی ہو تو اس سانپ کی چربی کی مالش اور آنکھوں میں بطور سرمہ استعمال کریں تو ان شاء اللہ دونوں شکایات جاتی رہیں گی۔
- سانپ کا پتہ فوری طور پر زہر کی طرح قاتل ہے۔

بقراط نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص سانپ کا گوشت کھالیا کرے تو تمام موذی امراض سے محفوظ رہے گا۔

ایک عجیب وغریب واقعہ

عمرو بن یحییٰ العلوی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارا قافلہ مکہ مکرمہ کے راستوں کو طے کرتا ہوا جا رہا تھا تو ہمارے ساتھیوں میں سے ایک صاحب کو استسقاء کی بیماری ہوگئی بس ہم چلتے چلتے کیا دیکھتے ہیں کہ عرب بدوؤں نے اونٹوں کی ایک قطار کو جس میں کہ یہ بیمار شخص بھی بیٹھا

← سے اوجھل ہوتے ہیں۔

امام رازیؒ کہتے ہیں کہ یہ بات یاد رکھیئے کہ لفظ سحر شریعت کی اصطلاح میں ایسے امور کے لیے مخصوص ہے جس کا سبب پوشیدہ ہو اور وہ اصل حقیقت کے خلاف خیال میں آنے لگے (تفسیر کبیر ص ۴۲۰ ج ۱)

کاتب چلپی نے سحر کی یہ تعریف کی ہے کہ علم سحر فلکی احوال اور ستاروں کے اوضاع کو اس طور پر پہچاننے کا نام ہے جس میں ان دونوں کا موالید ثلاثہ اور زمین سے مخصوص طریقے سے ربط معلوم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی علتیں اور اسباب بالکل ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ پھر اس اعتبار سے ساحر آدمی مناسب اوقات میں فلکی اوضاع اور ستاروں کی گردش سے بعض موالید کا دوسرے موالید سے اس طور پر مرکب کر دیتا ہے جس سے عجیب وغریب قسم کے اثرات واسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس تعجب خیز امور میں بڑے بڑے عقلاء متحیر نظر آنے لگتے ہیں۔ (کشف الظنون ص ۴۶۸ ج ۱)

سحر آیا اس کی کچھ حقیقت ہے یا محض نظروں کا فریب ہے۔ چنانچہ جمہور علماء کا کہنا ہے کہ سحر کی واقعی ایک حقیقت ہے اور یہ مضر اثرات بھی رکھتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر اس میں اسی طرح کے مضر اثرات رکھ دیئے ہیں جس طرح کہ زہر یا دوسری نقصان دہ دواؤں میں۔ ایسا بالکل نہیں ہے کہ سحر قدرت الٰہی سے بے نیاز ہو کر العیاذ باللہ خود مؤثر بالذات ہے کیونکہ یہ عقیدہ تو خالص کفر ہے۔

بعض علماء کرام کے نزدیک سحر کی حقیقت شعبدہ، نظر بندی اور فریب خیال کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ بلاشبہ سحر ایک باطل حقیقت ہے۔ چنانچہ یہی مذہب امام ابوحنیفہؒ، ابوبکر جصاص، شافعی، ابواسحٰق الاسفرائی ابن حزم ظاہری اور معتزلہ وغیرہ کا ہے۔ حافظ عسقلانیؒ کہتے ہیں کہ علماء کرام کے سحر کو ایک حقیقت تسلیم کرنے کے بعد اس میں اختلاف ہوا کہ آیا سحر میں خدائے پاک نے تاثیر بخشی ہے کہ وہ حقائق اور ماہیات میں انقلاب پیدا کر دے یا وہ صرف مضر اشیاء کی طرح نقصان دہ ہے اور یہ ناممکن ہے کہ اس کے اثر سے انسان کی حقیقت گھوڑے میں تبدیل ہو جائے یا گدھا مثلاً انسان ہو جائے۔ چنانچہ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ سحر میں اس قسم کی تاثیر بالکل نہیں ہے اور نہ سحر سے کوئی حقیقت یا ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے۔ ہاں چند حضرات یہ کہتے ہیں کہ سحر کے اندر انقلاب یا تبدیل ماہیت کی بھی تاثیر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان جو سحر کا مقابلہ ہوا تھا اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ محض ملمع سازی اور تخیل کی حد تک تھا۔ (فتح الباری ص ۱۸۴ ج ۱)

ہوا تھا کاٹ لیا۔ پھر جب ہمارا سفر مکمل ہو گیا تو کوفہ لوٹ کر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بیمار آدمی جو اونٹوں کی چوری میں چلا گیا تھا صحت مند نظر آرہا ہے تو ہم نے اس کے حالات دریافت کیے کہ بھائی کیا بات ہوئی ایام کیسے گزرے، کیسے صحت یاب ہو گئے۔ تو اس نے جواب دیا کہ بھائی ایسا ہوا کہ جب مجھے عرب بدوٗ اپنے ساتھ لے کر اپنے ٹھکانوں میں جانے لگے تو ان لوگوں نے مجھے قریب ہی چند فرسخ کے فاصلے پر تنہا چھوڑ دیا۔ مجھے اتنی وحشت معلوم ہوتی تھی کہ موت کی تمنا کرنے لگا تھا۔ اتفاق سے ایک دن میں کیا دیکھتا ہوں کہ افعی کالے کالے سانپ جن کو پکڑ کر وہ لوگ لائے تھے ان کے سر اور دم کاٹ کا بھون بھون کر کھانا شروع کر دیا تو میں نے یہ سوچا کہ شاید یہ لوگ کھانے کے عادی ہو گئے ہیں اسی لیے ان کو نقصان اور مضر نہیں ہو رہا ہے لیکن اگر میں نے کھالیا تو مر ہی جاؤں گا اچھا ہے میں بھی کھالوں تو ہمیشہ کے لیے آرام کی نیند سو جاؤں گا اور ان تمام مصائب سے چھٹکارا مل جائے گا۔

تو میں نے ان لوگوں سے مانگا کہ بھائی مجھے بھی بھوک لگی ہے کھلا دو تو ان میں سے ایک آدمی نے ایک سانپ میری طرف پھینک دیا۔ چنانچہ میں اسے کھا کر گہری نیند سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو سارا جسم پسینہ سے شرابور تھا۔ ساتھ ہی ساتھ طبیعت متغیر ہوتی رہی۔ کبھی پسینہ کبھی ابھار، کبھی طبیعت میں اس قسم کی ہیجانی کیفیت سو مرتبہ کے قریب تبدیل ہوتی رہی۔ جب صبح نمودار ہوئی تو میرا جسم لاغر، دبلا اور پیٹ پتلا اور چھریرا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے بعد بھوک لگی۔ کھانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو کھانا مانگ کر کھایا۔ پھر ان کے پاس کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے یقین ہو گیا کہ میں شفایاب ہو گیا ہوں۔ اب کسی قسم کی تکلیف باقی نہیں رہی۔ پھر بعد میں ان کے بعض ساتھیوں کے ساتھ میں کوفہ آ گیا۔

الاقہبان

(ہاتھی اور بھینس) الاقہبان ہاتھی اور بھینس کو کہتے ہیں۔ چنانچہ روبۃ اپنے آپ کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

لیث یدق الاسد الهموسا والاقهبين الفيل والجاموسا

ترجمہ: ''شیر درندہ شیر کو کھٹکھٹاتا ہے۔ اس طرح اقہبین ہاتھی اور بھینس کو بھی۔

الاملول

یہ ایک بھٹ تیتر کی طرح یا قطا[1] پرندہ کی طرح ایک صحرائی جانور ہوتا ہے۔

الانس

نوع انسان آدمی اور بشر کو انس کہتے ہیں اس کا واحد انسی وانسی آتا ہے اور مجھے اناسی اسی طرح اگر انسان کو واحد مان لیں تو اس کی جمع اناسی آئے گی یعنی نون کے بدلے میں یاء آ جائے گی، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا و اناسی کثیرا اسی طرح اناسیہ بروزن صارفہ صاقلہ آتی ہے۔

نیز انسان کا اطلاق عورت پر بھی ہوا کرتا ہے۔ لیکن جنس مؤنث کی وجہ سے انسان میں تاء تانیث لگا کر انسانۃ نہیں کہتے۔ لیکن

---

[1] قطا۔ کبوتر کے برابر ایک ریگستانی جانور ہوتا ہے۔ (المنجد)

عوام الناس انسانہ کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ مولدین کے اشعار میں انسانۃ کا استعمال موجود ہے۔
امام جوہری نے فرمایا ہے کہ بعض عرب شعراء نے انسانۃ استعمال کیا ہے ؎

انسانۃ فتانۃ بدر الدجی منھا خجل

ترجمہ: ''وہ ایک فتنہ خیز عورت ہے جس سے چاند بھی شرماتا ہے۔''

اذا زنت عینی بھا فبالدموع تغتسل

ترجمہ: ''جب میری نگاہیں اس سے زنا کرتی ہیں تو آنسوؤں سے نہالیتی ہیں۔''

الانسان [1]

انسان کا اطلاق آدم زادہ اور نوع بشر پر ہوتا ہے۔ اس کی جمع الناس آتی ہے۔ امام جوہریؒ نے فرمایا ہے کہ درحقیقت انسان کی اصل فعلان کے وزن پر آتی ہے۔ اگر تصغیر بنانا ہو تو یاء بڑھا کا اُنَیْسَانَ کہتے ہیں۔ جس طرح کہ رجل کی تصغیر رویجل آتی ہے۔ علماء صرف نے کہا ہے کہ انسان کی اصل ''انسیان افعلان'' کے وزن پر آتی ہے۔ لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے یاء کو تخفیفاً حذف کرتے ہیں اور تصغیر بناتے وقت یاء اپنی جگہ پر آجاتی ہے۔ اس لیے کہ تصغیر سے الفاظ کی زیادتی نہیں ہوا کرتی۔ ہاں تصغیر میں سارے اصلی حروف

---

[1] اللہ رب العزت کی چار قسم کی مخلوق ہیں (۱) انسانات (۲) حیوانات (۳) نباتات [پودے درخت' گھاس پھوس وغیرہ] (۴) جمادات [پتھر وغیرہ] لیکن یہ دُنیاوی ظاہری مخلوقات ہیں۔ ان کے علاوہ فرشتوں کی مستقل مخلوق' جنات کی مستقل مخلوق' ان دونوں پر اس سے قبل لکھا جاچکا ہے۔ خدا کی ان تینوں مخلوقات میں اشرف واعلیٰ انسان ہے۔ اسی لیے انسان کو دُنیا کی خلافت سونپ دی گئی ہے۔ فرشتے سراپا خیر تھے۔ جنات شر ہی شر اس لیے کہ اس کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے اس لیے ان دونوں مخلوق کو خلافت نہیں دی گئی۔ انسان کی اندر خیر وشر دونوں مادے ہیں۔ ان دونوں کے غالب ومغلوب کرنے کا طریقہ بھی انسان کو دیا گیا۔ اس لیے خلافت ارضی اسی مخلوق کو سونپ دی گئی۔ اسی طرح انسان کو خوب صورت متناسب الاعضاء مزاج کا معتدل' حساس باشعور' ذی رائے بنایا گیا ہے جیسے کہ قرآن میں ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم دوسری جگہ ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا۔ اسی لیے انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے اور احکام کا مکلف بنایا گیا۔ کتاب مقدس میں ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ انسان اور جنات کو عبادت کے لیے بنایا۔ بس انسان کی شرافت کے لیے اتنا کافی ہے۔ سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں اس لیے ان کو ابوالبشر کہا جاتا ہے۔ جب خدائے تعالیٰ نے آدم کو بنانا چاہا تو ان کا خمیر تیار کرنے سے پہلے فرشتوں کو اطلاع دی۔ پھر خمیر کو ایسی مٹی سے گوندھا گیا جو نت نئی تبدیلی قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ جب ان مراحل سے گزر کر یہ تبدیلی کی گئی کہ وہ نئی پختہ ٹھکری کی طرح آواز دینے لگی کھنکھنانے لگی تو جسد خاکی میں روح پھونکی گئی جس کی وجہ سے یک بیک گوشت' پوست' ہڈی' پٹھے کا زندہ انسان تیار ہوگیا۔ پھر اس میں ارادہ' شعور' احساس' عقل' وجدان کی صلاحیت ودیعت کردی گئی۔
چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام دُنیا کے سب سے پہلے انسان ہیں۔ پھر ان میں سے توالد وتناسل کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ تقریباً ۹۳۰ برس کی عمر پائی ہے۔ اس دوران حضرت آدم علیہ السلام لاکھوں لاکھ اپنی اولادیں دیکھ کر دُنیا سے رُخصت ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ قرآن کریم میں تقریباً ۲۵ جگہوں میں کیا گیا ہے (قصص القرآن ص ۱۱ ج ۴)

واپس آجاتے ہیں۔

علماءصرف نے حضرت ابن عباسؓ کے قول سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا انسان کوانسان اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان سے باری تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا عہد و میثاق لیا تھا لیکن پھر یہ بھول گئے۔

اور الناس اصل لفظ اناس ہے۔ پھر بعد میں اس میں تخفیف کردی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں مذکور ہے **لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم** ۔یعنی خداوندقدوس نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں پیدا کیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اعضاء کو معتدل، متناسب اور برابر قاعدے کے مطابق پیدا کیا ہے۔

نیز اللہ پاک نے انسان کو ایک فصیح اور سلیس زبان عطا فرمائی ہے جس کے ذریعہ سے وہ آپس میں گفت وشنید کرتے ہیں۔اسی طرح اس کو ہاتھ اور اس میں انگلیاں بھی عنایت فرمائی ہیں جس کی مدد سے وہ ہر چیز کو مضبوطی سے پکڑ سکتا ہے۔اسی طرح عقل وتمیز کی بیش بہا نعمت سے بھی نوازا ہے جس کے ذریعہ سے وہ خالق کی فرماں برداری سے روگردانی نہیں کرسکتا۔اسی کے ساتھ ساتھ اسے کھانا کھانے کا سلیقہ بھی عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ اسی مضمون کی ایک روایت بھی موجود ہے:

> ''حضرت ابومزینہ الدارمی جن کو نبی پاک ﷺ کی صحبت بھی حاصل ہے کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے دو شخص ایسے تھے کہ جب وہ آپس میں ملاقات کرتے تو پھر جدا ہونے کا نام نہ لیتے جب تک کہ ان میں سے کوئی کسی دوسرے کو یہ نہ سناتا: **وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسر** (قسم ہے زمانے کی کہ واقعی انسان گھاٹے میں ہیں)۔'' (طبرانی)

ایک علمی فائدہ

ابن عطیہ نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم مخلوق نہیں ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں کتاب اللہ، قرآن شریف کا تذکرہ ۵۴ جگہ ہوا ہے۔لیکن کسی بھی جگہ قرآن کے لیے لفظ خلق استعمال نہیں کیا گیا ہے اور نہ اشارہ کیا گیا۔لیکن قرآن کی بہ نسبت انسان کا تذکرہ ایک تہائی ۱۸ مرتبہ کیا گیا ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ہر جگہ پر اس کے پیدا کرنے کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں انسان اور قرآن کا تذکرہ اسی اسلوب پر ہوا ہے۔لیکن دونوں کا تذکرہ جداگانہ ہے۔ارشاد ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰن خَلَقَ الْاِنْسَان

''رحمٰن نے قرآن سکھلایا۔آدمی بنایا۔''

قاضی ابوبکر بن العربی مالکی المذہب نے فرمایا ہے کہ خداوندقدوس نے تمام مخلوقات میں سوائے انسان کے کسی کو اشرف المخلوقات نہیں بنایا ہے اور نہ اس کے علاوہ کسی اور مخلوق کو اسے بہتر طریقے سے پیدا کیا۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندہ، ذی علم، قادر بنایا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ گفت وشنید کی صلاحیت قوت بینائی وشنوائی تدبیر کا ملکہ اور دانش مندی جیسی نعمتیں بھی عنایت فرمائیں ہیں اور یہی صفات باری تعالیٰ کی بھی ہیں۔

چنانچہ حدیث پاک میں مذکور ہے:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خلق آدم علی صورتہ [1]

''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔''

امام دمیریؒ فرماتے ہیں اب ان شواہد کے پیش نظر علمائے کلام کے لیے ایک کھلا میدان ہے جس سے وہ قرآن کے مخلوق نہ ہونے پر استدلال کر سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہاں یہ موضوع نہیں ہے۔ اس لیے ہم اس مسئلے کو چھیڑنے سے گریز کرتے ہیں۔

ابن العربی مالکی المذہب نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن عیسیٰ الہاشمی اپنی اہلیہ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ اگر تو چاند سے زیادہ حسین اور خوبصورت نہیں ہے تو تجھے تین طلاق ہیں۔ ان کی بیوی یہ سن کر ان سے پردہ کرنے لگی اور کہا کہ مجھے تین طلاق ہوگئی۔ چنانچہ جب ان کی بیوی ان سے پردہ کرنے لگی تو عیسیٰ بن موسیٰ کے لئے راتیں گزارنا مشکل ہوگیا۔ جب صبح ہوگئی تو خلیفہ منصور تشریف لائے تو ابن العربی نے منصور کو اس بات سے آگاہ کیا۔ یہ سن کر منصور نے تمام فقہائے کرام کو طلب کر کے ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا تو سوائے ایک فقیہہ کے تمام فقہا نے طلاق پڑ جانے پر اتفاق کیا۔ اختلاف کرنے والے فقیہہ نے یہ کہا کہ عورت کو طلاق واقع نہیں ہوگی اس لیے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[1] ان اللّٰہ خلق آدم علی صورۃ۔ اس حدیث پاک کے مفہوم کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے (اشعۃ اللمعات) کہ یہ حدیث متشابہات کے قبیل سے ہے۔ یعنی یہ ارشاد گرامی احادیث صفات میں سے ہے جس کے معانی و مفہوم تک رسائی ناممکن ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں کوئی تاویل یا توجیہہ کرنے کے بجائے سکوت و خاموشی بہتر ہے۔ اکثر علماء کرام نے یہی فرمایا ہے۔ لیکن بعض محدثین نے مختلف تاویلیں ذکر کی ہیں جن میں مشہور تاویل قاضی ابوبکر بن العربی مالکی المذہب کی ہے کہ یہاں ''صورت'' صفت کے معانی میں ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ عام طور پر روزمرہ کے بول چال میں کہا جاتا ہے کہ فلاں معاملہ کی صورت مسئلہ یہ ہے یا صورت حال یوں ہے۔ ظاہر ہے کہ جس طرح کسی ''مسئلہ'' یا ''حال'' کی کوئی ظاہری صورت نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ صورت کا لفظ استعمال کر کے حقیقت میں اس مسئلہ یا حال کی کیفیت مراد ہوتی ہے۔ اسی طرح یہاں ''اللہ کی صورت'' سے مراد ''اللہ کی صفت'' ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صفت پر بنایا اور ان صفات کے ساتھ موصوف کیا جو صفات کریمہ باری تعالیٰ کا پرتو ہیں۔ چنانچہ اللہ پاک نے ان کو زندہ، عالم، قادر، متکلم، سمیع وبصیر بنایا ہے۔

بعض نے یہ لکھا ہے کہ صورت کی اضافت اللہ کی طرف شرف و عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے جیسا کہ روح اللہ اور بیت اللہ (اللہ کی روح اور اللہ کا گھر) میں روح اور بیت کی اضافت اللہ کی طرف ہے۔ اس صورت میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اس لطیف و جمیل صورت پر پیدا کیا ہے جو اسرار و لطائف پر مشتمل ہے اور جس کو اس نے اپنی کامل قدرت کے ذریعہ اپنے پاس سے عطا کیا ہے۔ بعض محدثین نے یہ فرمایا ہے کہ صورتہ (اپنی صورت) کی ضمیر حضرت آدمؑ کی طرف راجع ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو انہی کی صورت پر بنایا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ ابتداء ہی سے ایک ہی شکل پر تھے۔ دوسرے انسانوں کی طرح ان کی تخلیق اس تدریجی طور پر نہیں ہوئی کہ پہلے وہ جو ہر لطیف نطفہ تھے پھر مضغہ ہوئے پھر جنین، پھر طفل، پھر صبی اور پھر پورے مرد کامل ہوئے بلکہ وہ ابتدائے آفرینش ہی میں تمام اعضاء جوارح، کامل شکل و صورت اور ساٹھ گز کے ساتھ پورے انسان بنائے گئے تھے۔

چنانچہ بخاری اور مسلم شریف کی روایات میں حضرت ابوہریرہؓ سے تفصیلی طور پر حدیث مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر بنایا۔ ان کی لمبائی ساٹھ گز کی تھی۔ پھر اس کے بعد فرشتوں سے سلام و جواب بھی مذکور ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم.

''ہم نے انسان کو سب سے اچھے سانچے میں ڈھالا ہے۔''

تو منصور نے کہا کہ ہاں آپ کی بات تو درست معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ منصور نے اس کی بیوی کو اس انکشاف سے مطلع کیا۔ یہی جواب امام شافعیؒ سے بھی منقول ہے۔

امام دمیریؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک موسیٰ بن عیسیٰ کے اس واقعے پر اعتراض یہ ہے کہ آپ منصور کے ولی عہد تھے۔ بعد میں منصور نے اپنی بیٹے مہدی کی وجہ سے ان سے ولی عہدی واپس لے لی تھی اور امام شافعیؒ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے جیسے کہ اس سے قبل لکھا جا چکا ہے اور مورخ ابن خلکان کے قول کے مطابق خلیفہ منصور کی وفات ۱۵۸ھ میں ہوئی ہے اس لیے اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا بھی فتویٰ دینا سمجھ میں نہیں آتا۔ اس پر آپ بھی غور وفکر سے کام لیں۔

صابر وشاکر

امام دمیریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مندرجہ ذیل واقعہ امام زمخشریؒ [1] نے آیت کریمہ ''یستفتونک فی النساء'' کی تفسیر کے ذیل میں نقل فرمایا ہے کہ عمران بن الحطان الخارجی نہایت کالا کلوٹا آدمی تھا۔ لیکن اس کی عورت نہایت خوب صورت حسین وجمیل تھی۔ ایک دن اس کی عورت ٹکٹکی باندھ کر اپنے شوہر کو دیکھنے لگی اور الحمد للہ (اللہ کا شکر) پڑھا۔ تو اس کے شوہر نے کہا کیا بات ہے؟ تو اس عورت نے جواب دیا: میں اس بات پر شکریہ ادا کر رہی ہوں کہ تم اور میں دونوں جنت میں جائیں گے۔ شوہر نے کہا کہ کیسے؟ عورت نے کہا کہ تجھے مجھ جیسی خوبصورت عورت مل گئی تو تم نے اللہ کا شکر ادا کیا اور مجھے تجھ جیسا شوہر ملا تو میں نے صبر کیا اور اللہ پاک نے صابرین وشاکرین سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (تفسیر زمخشری)

ابن الجوزی وغیرہ نے لکھا ہے کہ عمران بن الحطان خارجی تھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے شہید کردیئے جانے کے موقع پر عبدالرحمٰن بن ملجم قاتل کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہا تھا ؎

یاضربة من تقی ما اَرَادَبها الالیبلغ من ذی العرش رضوانا

''اے اس شخص کی مار جس نے اپنے ارادے کی حفاظت کی' آگاہ ہو جاؤ عرش والے کی طرف سے مژدہ سنادو۔''

انی لاذکره یوما فاحسبه اوفی البریة عندالله میزانا

''میں اسے جس دن بھی یاد کرتا ہوں تو اللہ کے دربار میں مرتبہ اسے مخلوق سے زیادہ وفادار شمار کرتا ہوں۔''

اکرم بقوم بطون الارض اقبرهم لم یخلطوا دینهم بغیاً و عدوانا

''اسی طرح قوم میں سب سے زیادہ باعزت خیال کرتا ہوں اور اس کی قبر میرے نزدیک پست زمین میں ان تمام لوگوں سے زیادہ اُبھری

---

[1] محمود بن عمر زمخشری۔ بعض نے ان کا نام جار اللہ لکھا ہے۔ اس لیے کہ یہ مکہ میں رہا کرتے تھے۔ عقائد میں معتزلی تھے اپنے وقت کے امام فن لغت' نحو' بیان اور تفسیر وغیرہ کے علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ ۱۰۷۵ء مطابق ۴۶۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کی مشہور تصانیف تفسیر میں کتاب ''الکشاف عن حقائق التنزیل'' ہے جو ۵۲۸ھ میں مکمل ہوئی۔ نحو میں کتاب ''المفصل' اطواق الذہب فی المواعظ والخطب'' واساس البلاغہ'' وغیرہ ہیں۔ ان کی تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور ان کی تفسیر ہوئی ہے جس میں خاص طور پر فصاحت وبلاغت کے علوم سے دلچسپی لی ہے۔

لگ رہی ہے جنہوں نے اپنے دین کو بغاوت اور ظلم سے مخلوط نہیں کیا ہے۔"

جب یہ اشعار ابوالطیب الطبری تک پہنچے کہ عمران خارجی نے حضرت علیؓ کے قاتل کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہے ہیں تو آپ نے یہ جوابی اشعار کہے ؎

انی لابرأ مما انت قائله فی ابن ملجم الملعون بهتانا

"جو کچھ تو نے ابن ملجم کے بارے میں بہتان طرازی کی ہے میں اس سے برأت کرتا ہوں۔"

انی لاذکره یوما فالعنه دینا والعن عمران بن خطانا

"میں جس دن بھی اسے یاد کرتا ہوں تو مذمت کر کے لعنت بھیجتا ہوں۔ پھر عمران بن خطان کو بھی لعنت کا نشانہ بناتا ہوں۔"

علیک ثم علیه الدهر متصلا لعائن الله اسراراً و اعلانا

"زمانہ دراز تک تم پر اور اس پر پوشیدہ اور اعلانیہ دونوں طور پر اللہ کی لعنت ہو۔"

فانتم من کلاب النار جاء لنا نص الشریعة برهانا و تبیانا

"تم تو دوزخ کے کتے ہو اس لیے کہ ہمارے پاس واضح اور دلیل کے طور پر شریعت کی نص صریح آ گئی ہے۔"

شیخ طبری نے آخر شعر میں فرمان رسول الخوارج کلاب النار (خوارج دوزخ کے کتے ہیں) کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(کتاب الاذکیاء)

ایک عجیب واقعہ

تاریخ بغداد میں ہے کہ علی بن نصر بن احمد ایک فقیہہ اور مالکی المذہب قابل اعتماد متقی اور پرہیز گار آدمی تھے۔ آپ ہی کے صاحبزادے شیخ عبدالوہاب مشہور عالم گزرے ہیں۔ ان کے حالات زندگی میں ایک واقعہ یہ بھی درج ہے کہ ان کے پڑوس میں ایک ترکی غلام رہا کرتا تھا۔ غلام کا اور اس کی ماں کا ہمارے گھر میں ربط وضبط تھا۔ علی بن نصر کہتے ہیں کہ میں نے اس لڑکے کی شادی ایک پاک دامن لڑکی سے کرادی۔ چنانچہ وہ دونوں دو سال تک اچھی زندگی گزارتے رہے۔ ایک دن وہ لڑکا میرے پاس شکایت لے کر آیا اور یہ کہا کہ حضور والا آپ نے میرا نکاح جس سے کیا ہے اس کے ایک بچہ پیدا ہوا ہے مجھے یہ شکایت ہے کہ جب سے بچہ پیدا ہوا ہے اب تک مجھے نہیں دکھایا گیا۔ جب میں دیکھنے کے لیے جاتا ہوں تو میری بیوی مجھے روک دیتی ہے۔ دیکھنے نہیں دیتی اس لیے آپ کی خدمت میں آیا ہوں تاکہ آپ میری ساس سے سفارش کر دیں تاکہ میں بچے کو دیکھ کر سکون حاصل کرسکوں۔ چنانچہ آپ نے اس کی بیوی کی والدہ سے سفارش کی۔ چنانچہ وہ فوراً پردہ کے ساتھ گفتگو کرنے لگیں اور یہ کہا:

حضور والا میں ان کو بچہ دیکھنے سے اس لیے منع کرتی ہوں کہ بچہ چتکبرا سر سے ناف تک سپید بقیہ سارے جسم کا کالا پیدا ہوا ہے۔ ہمیں بھی بے چینی رہتی ہے۔ چنانچہ جوں ہی باپ نے یہ سنا کہ بچہ چتکبرا پیدا ہوا ہے چیخنے لگا ہائے میرا بیٹا۔ پھر اس نے یہ کہا کہ بالکل اسی رنگ کے میرے دادا بھی تھے اس لیے مجھے اس سے رنجیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیے۔ جب اس کی بیوی نے یہ سنا تو پھر وہ بہت خوش ہوئی۔ اس کے تمام رنج وغم کافور ہو گئے اور اس نے شوہر کو بچہ دکھایا۔

حکیم ابن بختیشوع (جس کا معنی عبدالمسیح ہے) نے اپنی تصنیف "کتاب الحیوان" کو انسان کے عنوان سے شروع کیا ہے۔ مزید اس

نے یہ لکھا ہے کہ چونکہ انسان تمام جاندار چیزوں میں معتدل مزاج اعضاء وغیرہ میں کامل اور متناسب' ذوق واحساس میں لطیف رائے اور مشورہ میں تیز ہوتا ہے۔ نیز وہ تمام مخلوقات پر ایک زبردست حاکم بادشاہ کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ پاک نے اسے عقل کی دولت سے نواز کر تمام چیزوں سے ممتاز اور باحیثیت بنادیا ہے۔ درحقیقت یہی دُنیا کی بادشاہت کے لائق ہے۔ اسی لیے بعض حکماء نے انسان پر عالم اصغر کا اطلاق کیا ہے۔

عملیات ووظائف

شیخ شہاب الدین احمد البونی ؒ نے عبداللہ بن عمرؓ سے نقل فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کو کوئی شدید ضرورت پیش آجائے تو وہ حاجت مند آدمی بدھ اور جمعرات اور جمعہ کے دن کا روزہ رکھے۔ جمعہ کے دن خاص طور پر غسل کر کے نماز جمعہ کے لیے جاتے ہوئے یہ دُعا پڑھے تو ان شاءاللہ اس کی ضرورت پوری ہوجائے گی اور یہ عمل آزمودہ اور مجرب ہے۔[1]

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاِسْمِکَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الَّذِی لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمِ وَاَسْئَلُکَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلَّذِی لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ اَلَّذِی مَلَاَتْ عَظْمَتُهُ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَاَسْئَلُکَ بِاِسْمِکَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَنَتْ لَهُ الْوُجُوْهُ وَخَشَعَتْ لَهُ الْاَبْصَارُ وَ وَجِلَتِ الْقُلُوْبُ مِنْ خَشْیَتِهٖ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّاَنْ تُعْطِیَنِیْ مَسْئَلَتِیْ وَتَقْضِیْ حَاجَتِیْ وَتُسَمِّیَهَا اَنْ رَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ○

عبادت میں چستی اور ہر قسم کی برکت کے لیے

اگر کوئی شخص بعد نماز جمعہ پاکی اور نظافت کی حالت میں محمد رسول اللہ ۳۵ مرتبہ لکھ کر اپنے پاس رکھے تو اسے اللہ تعالیٰ عبادت میں

---

[1] دُعاؤں وغیرہ کا اثر انداز ہونا یہ ایک حقیقت ہے جس کا کوئی بھی ہوش مند آدمی انکار نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض اشیاء میں ایسی خصوصیات پیدا فرمادی ہیں جس سے ہر کس و ناکس آدمی واقف ہے۔ مثلاً جڑی بوٹیوں میں' اسی طرح دُعاؤں وغیرہ میں بھی اثرات ہیں جیسے کہ الفاظ کے زیر و بم سے آدمی متاثر ہوجاتا ہے۔ تعریف اور مذمت سے انسان خوش اور مشتعل ہوجاتا ہے تو دُعاؤں کی تاثیر سے کون انکار کرسکتا ہے۔ ان تاثیروں کو اصطلاح میں خواص کہتے ہیں۔ خواص وہ علم ہے جن میں ایسی چیزوں سے بحث کی جاتی ہے۔ جو اسماء باری تعالیٰ' کتاب اللہ کی آیات اور دُعاؤں کے پڑھنے سے اثرات مرتب ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ طاشکبری کہتے ہیں کہ نفس اور قلب باری تعالیٰ کے اسماء کتاب اللہ کی دُعائیں پڑھنے سے خداوند قدوس کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں اور اسی توجہ کی وجہ سے پڑھنے والا غیر مناسب امور سے اپنے آپ کو بے تعلق کرلیتا ہے۔ جس کی وجہ سے قوت استعداد کے مطابق انوار و آثار کا فیضان ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح دُعاؤں اور منتر کے خواص سے جھاڑ پھونک کرنے والے سے بھی حیرت انگیز امور سرزد ہونے لگتے ہیں (مفتاح السعادۃ)

چنانچہ ملا چلپی نے لکھا ہے کہ ان تاثیرات میں تعجب کرنے کی کوئی بات نہیں ہے اس لیے کہ اشیاء کی خصوصیات تو ضرور ہوتی ہیں اور یہ بات متحقق بھی ہے اگرچہ اس کے اسباب نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔ اسی لیے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مقناطیسی قوت لوہے تک کو کھینچ لیتی ہے۔ حالانکہ اس کشش کا سبب لوگوں کو بھی معلوم نہیں۔ اسی طرح ہر چیز میں اللہ نے خصوصیت رکھی ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ بعض اشیاء کی خصوصیات واضح اور سمجھ میں آجاتی ہیں اور بعض کی غیر واضح ادراک سے بالاتر ہوتی ہے۔ اس ترقی یافتہ سائنسی دور میں اس مقناطیسی قوت کو حاصل کرلیا گیا ہے اور اسی سے دیگر جدید آلات تیار کرلیے گئے ہیں۔ اسی لیے قدیم زمانے کی تمام تحقیقات اب بدیہی اور واضح ہوگئی ہیں۔

چستی اور ہر قسم کی برکت عطا فرمائیں گے۔ مزید شیطانی خطرات اوراس کے اثرات سے محفوظ رہے گا۔

نبی کریم ﷺ کی زیارت کے لیے

نیز اگر اوپر لکھے ہوئے نسخے کو روزانہ صبح طلوع آفتاب کے وقت تادیر نظروں سے دیکھتا رہے ساتھ ہی ساتھ درود شریف بھی پڑھتا رہے تو اسے اللہ تعالیٰ نبی پاک ﷺ کے دیدار کا شرف بخشیں گے۔ یہ عمل آزمودہ اور مجرب ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے روایت ہے کہ آپ کو اللہ جل شانہٗ کی خواب میں ۹۹ مرتبہ زیارت نصیب ہوئی تو آپ کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ اگر سو مرتبہ مکمل ہوگئی تو میں خداوند قدوس سے ایک سوال کروں گا۔ چنانچہ آپ کی یہ خواہش پوری ہوگئی تو آپ نے باری تعالیٰ سے پوچھا: اے پروردگار! تیرے بندے قیامت کے دن کس چیز سے نجات پائیں گے تو اللہ شانہٗ نے فرمایا کہ جو آدمی صبح و شام تین مرتبہ یہ پڑھے گا:

سُبْحَانَ الْاَبَدِیُّ الْاَبَدُ سُبْحَانَ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ، سُبْحَانَ الْفَرْدُ الصَّمَدُ سُبْحَانَ مَنْ رَفَعَ السَّمَاءَ بِغَیْرِ عَمَدٍ سُبْحَانَ مَنْ بَسَطَ الْاَرْضَ عَلٰی مَاءٍ جَمَدٍ سُبْحَانَهٗ لَمْ یَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا سُبْحَانَهٗ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ.

امام احمدؒ مزید فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز فجر اور صبح کے درمیان ۴۰ مرتبہ **یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا اللّٰہُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْئَلُکَ اَنْ تُحْیِیَ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ** پڑھ لیا کرے تو اللہ پاک اس کے دل کو زندہ رکھیں گے جس دن کہ تمام لوگوں کے قلوب مردہ ہو جائیں گے۔

ایمان کی حفاظت کے لیے ایک وظیفہ

''ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ خواہش رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت تک اس کے ایمان کی حفاظت فرماتے رہیں تو وہ اپنا معمول یہ بنا لے کہ روزانہ کسی سے گفتگو سے پہلے مغرب کی سنتوں کے بعد دو رکعت اس طریقے سے پڑھے کہ ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** اور پھر دو رکعت پڑھنے کے بعد سلام پھیر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تک اس کے ایمان کی حفاظت فرماتے رہیں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ بہت بڑا فائدہ ہے۔''

امام نسفی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو سند طویل کے ساتھ نقل فرما کر یہ اضافہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ ان تمام سورتوں کے ساتھ سورۂ اخلاص سے قبل **انا انزلناه فی لیلة القدر** بھی پڑھ لے۔ نیز سلام پھیرنے کے بعد ۱۵ مرتبہ سبحان اللہ پڑھ کر ذیل کی دُعا پڑھنے سے اللہ تعالیٰ ایمان کے سلب ہونے سے محفوظ رکھیں گے اور یہ سب سے بہترین فائدہ ہے۔

''اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْعَالِمُ مَا اَرَدْتُّ بِهَاتَیْنِ الرَّکْعَتَیْنِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُمَا لِیْ ذُخْرًا یَوْمَ لِقَائِکَ اَللّٰهُمَّ احْفَظْ بِهِمَا دِیْنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ وَعِنْدَ مَمَاتِیْ وَبَعْدَ وَفَاتِیْ.''

نیک عادتیں

بعض اہل علم اور دانش وروں سے یہ سوال کیا گیا کہ انسان میں سب سے اچھی عادت کون سی ہوتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ انسان میں سب سے اچھی عادت دین داری ہے۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص دو عادتوں کا جامع بننا چاہے تو پھر دوسری کون سی

ہونی چاہیے؟ انہوں نے جواب دیا کہ دینداری اور مال و دولت۔ پھر سوال کیا گیا اگر کوئی چار خصائل کا مجموعہ بننا چاہے تو جواب دیا کہ دین داری، دولت، حیا کے ساتھ پھر تو اچھے اخلاق و کردار کا ہونا چاہیے۔ پھر سوال کیا گیا۔ اگر کوئی پانچ کا خواہش مند ہو تو جواب دیا کہ دین داری، دولت، حیاء، حسن خلق کے ساتھ سخاوت ہونی چاہیے۔

اگر کسی آدمی کے اندر یہ ساری عادتیں اور نیک خصلتیں جمع ہو جائیں پھر تو وہ متقی پرہیز گار اور ولی صفت انسان ہو جاتا ہے اور شیطان لعین اس سے ڈرنے لگتا ہے۔ مزید انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ مومن آدمی شریف الطبع، نرم خو اور مہربان ہوتا ہے۔ لعنت کنندہ، چغل خور، حاسد، کینہ پرور، بخیل اور متکبر نہیں ہوتا۔ اسی کے ساتھ ساتھ اخلاق کی پاکیزگی، دنیا سے بے رغبتی، دل کا سخی، غیروں کا مخلص و محسن اور ایک ذی حیثیت اور بااثر انسان ہوتا ہے۔ اس کی زبان بے قابو اور اسے وقت کو ضائع کرنے کا شائبہ تک نہیں ہوتا ہے وہ ہمیشہ مستقبل میں نیک تمناؤں کا امیدوار اور ماضی پر رنج وغم کا افسوس کرتا ہے اور وہ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدا کی یاد اور تڑپ میں گزارتا ہے۔ وہ کبھی اپنے مقصد کو فراموش نہیں کرتا۔ اسی طرح وہ اپنے دوست کا بھی بُرے کاموں میں ساتھ نہیں دیتا۔ اسی طرح دشمن کے حق کو بھی مارنے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ ہمیشہ دوسروں کی مدد، غیروں کے ساتھ تلطف اور مصیبت اور تنگ دستی میں اپنے بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتا ہے۔ بس اس قسم کے تمام نیک اوصاف مومن اور توحید پرست انسان میں جمع ہونا چاہیے۔

اسم اعظم کی وضاحت

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی صحبت میں خدا کا ایک موحد بندہ رہا کرتا تھا۔ اس نے ایک دن ابن ادہم سے کہا کہ حضرت آپ مجھے یہ بتا دیجئے کہ اسم اعظم کیا ہے؟ جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اس کے واسطے سے کوئی بھی دُعا کی جاتی ہے تو خداوند قدوس شرف قبولیت سے نوازتے ہیں۔

اسی طرح اگر اس کے ذریعے اللہ پاک سے سوال کیا جاتا ہے تو پورا ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ تم صبح و شام یہ کلمات پڑھ لیا کرو اس لیے کہ اگر کوئی شخص اس کے ذریعے سے دُعا کرتا ہے تو اللہ پاک اس کی حفاظت اور نگرانی فرماتے ہیں۔ خوفزدہ آدمی کو امن و امان نصیب ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی اس کے واسطے سے اللہ سے دُعا مانگتا ہے تو ضرور قبول فرماتے ہیں، وہ کلمات یہ ہیں:

يَا مَنْ لَهُ وَجْهٌ لَا يُبْلٰى وَنُوْرٌ لَا يُطْفٰى وَاِسْمٌ لَا يُنْسٰى وَبَابٌ لَا يُغْلَقُ وَسِتْرٌ لَا يُهْتَكُ وَمُلْكٌ لَا يُفْنٰى اَسْئَالُكَ وَاَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَقْضِيَ حَاجَتِيْ وَتُعْطِيَنِيْ مَسْئَلَتِيْ [1] (کتاب البستان)

بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ اسم اعظم کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اس کے واسطے سے کوئی دُعا مانگی جاتی ہے تو قبول ہو جاتی ہے اور اگر اللہ پاک سے کوئی سوال کیا جاتا ہے تو پورا فرماتے ہیں۔ اسم اعظم یہ ہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَالُكَ بِاَنِّيْ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الْاَحَدُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَالُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ

---

[1] ''اسم اعظم'' اللہ تعالیٰ کے اس مخصوص نام کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے دُعا مانگی جاتی ہے تو قبول ہو جاتی ہے لیکن اسم اعظم کی تعیین خداوند قدوس نے نہیں کی ہے جس طرح کہ شب قدر یا ساعت قبولیت کا کون سا وقت ہے یہ اُمت کو نہیں بتلایا گیا تا کہ اُمت برابر اپنے پروردگار کی طاعت و عبادت میں لگی رہے یا کسی غیر کو گزند نہ پہنچا سکے۔ اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا اسم اعظم ان دو آیات قرآنیہ میں مخفی ہے: ⟵

وَالْاَرْضِ یَا ذَالْجَلالِ وَالْاِکْرَامِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمَ.

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ اسم اعظم کیا ہے اور وہ قرآن میں کس جگہ پر ہے تو آپ نے فرمایا کہ اسم اعظم کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے:

ابوامامہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسم اعظم قرآن کی تین سورتوں، سورۂ بقرہ، آل عمران، طٰہٰ میں مذکور ہے۔

بعض اکابر علماء نے یہ لکھا ہے کہ سورۂ بقرہ اور آیت الکرسی میں اسم اعظم ھو الحی القیوم ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کے دیگر مقامات میں بھی ہے۔ مثلاً ابتدائی آل عمران اور سورۂ طٰہٰ میں اسم اعظم یہ ہے:

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمُ

دُعا کی قبولیت کی شرائط

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں منقول ہے:

''بلاشبہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بندے کی دُعا[1] (قبولیت کی شرطوں کے بعد) قبول کی جاتی ہے جب تک وہ کسی

..... وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ. حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم کے بارے میں دریافت کیا تو میرے پاس جبرائیل علیہ السلام لے کر آئے جو مہر بند تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھی اسم اعظم سکھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے اسم اعظم عورتوں، بچوں اور بے وقوفوں کو تعلیم دینے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح دوسری احادیث میں ہے کہ لوگوں کو اگر معلوم ہو جائے تو وہ اسم اعظم کے ذریعے سے دُنیا طلب کرنے لگیں۔ عارف قیجانی کہتے ہیں کہ میں نے حالت کشف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اسم اعظم پر اللہ نے پردہ ڈال رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے مخصوصین کے علاوہ اس پر کسی کو مطلع نہیں فرماتے۔ اگر عوام کو اسم اعظم معلوم ہو جائے تو صرف اسی میں مشغول رہتے اور اس کے علاوہ دیگر عبادات کو ترک کر دیتے۔ احادیث میں مختلف دُعاؤں کو اسم اعظم کہا گیا ہے اس لیے علماء کا اس کے تعین میں شدید اختلاف ہو گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس اعظم کا وجود نہیں ہے بلکہ ہر اسم اللہ کا اسم اعظم ہے۔ یہ مسلک مالک، اشعری، طبری، ابن حبان، باقلانی وغیرہ کا ہے۔ شعبی اور عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ اسم اعظم ہے اور یہی اکثر علماء کا مذہب ہے بلکہ اگر اجماع کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ دوسرے اکثر دُعاؤں میں لفظ اللہ ضرور پایا جاتا ہے۔ تیسرے لفظ اللہ ذاتی ہے اور باقی تمام صفاتی ہیں۔ چوتھے یہ کہ تمام اسماء میں لفظ اللہ مقدم ہے۔ پانچویں قرآن پاک میں ہر جگہ ضمیر کا مرجع اللہ ہے۔

[1] حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ دُعا کے بارے میں اگر خدا پر کامل یقین اور بھروسہ ضروری ہے تو وہیں یہ بات بھی ضروری ہے کہ دُعا ان ہی چیزوں کی مانگی جائے جو عادتاً مانگی جاتی ہوں اور مباح بھی ہوں اس لیے حدیث میں یہی بتایا جا رہا ہے کہ مومن کی دُعا اسی وقت قبول ہوتی ہے جبکہ وہ نہ گناہ کی کوئی چیز طلب کرے اور نہ رشتہ ناطہ توڑنے کی دُعا کرے اور نہ جلد بازی سے کام لے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ گناہ کی چیز مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص یہ دُعا مانگنے لگے کہ اے اللہ! مجھے فلاں شخص کو (جو مسلمان ہے) قتل کر دینے کی طاقت عطا فرما۔ یوں دُعا مانگے کہ اے اللہ فلاں شخص کو بخش دے۔ حالانکہ اس کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہ کافر مرا ہے۔ اس لیے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس قسم کی دُعا مانگنا اور پھر اس کی قبولیت کی توقع بھی رکھنا ''دیدہ دلیری'' ہی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح محال اور غیر ممکن الوقوع چیزوں کی دُعا مانگنا اور پھر ان کی قبولیت کی اُمید رکھنا بھی انتہائی حماقت اور بیوقوفی ہے۔ مثلاً کوئی عقل کا اندھا یہ دُعا مانگے کہ اے اللہ! تو مجھے دُنیا ہی میں حالت بیداری میں اپنا دیدار عطا فرما۔ رشتہ ناطہ توڑنے کی دُعا کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بدباطن شخص یہ دُعا مانگے کہ اے اللہ! مجھ میں اور میرے باپ میں جدائی کر دے۔ اس حدیث کی روشنی میں مومن کی ایسی غیر ایمانی دُعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ ۱۲

گناہ یا ناطہ توڑنے کی دُعا نہیں مانگتا اور جب تک کہ جلدی نہیں کرتا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! جلدی کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا دُعا مانگنے والا بار بار کہنے لگے کہ میں نے دُعا مانگی یعنی اکثر دُعا مانگی لیکن میں نے اسے قبول ہوتے نہیں دیکھا اور پھر وہ تھک کر بیٹھ جائے اور دُعا مانگنا ہی چھوڑ دے۔''[1]

کن لوگوں کی دعا رد نہیں ہوتی

پریشان حال اور مظلومین کی دُعا بغیر کسی روک ٹوک کے قبول ہو جاتی ہے اس سلسلہ میں کافر یا فاجر کی کوئی تخصیص منقول نہیں ہے۔

اسی طرح والد کی دُعا اپنے بیٹے کے لیے اور فرماں بردار لڑکے کی اپنے والدین کے لیے قبول ہو جاتی ہے۔ نیز عادل بادشاہ اور نیک آدمی کی دُعا بھی رد نہیں کی جاتی۔ اسی کے ساتھ ساتھ مسافر (جب تک کہ وہ حالت سفر میں ہو) اور روزہ دار (جب تک کہ اس نے افطار نہ کیا ہو) کی دُعا شرف قبولیت سے نوازی جاتی ہے۔ اسی طرح وہ مسلمان جس نے کسی سے تعلقات نہ توڑے ہوں یا اس نے کسی پر ظلم نہ کیا ہو یا اس نے دُعا مانگنے کے بعد مایوس کن الفاظ زبان سے نہ نکالے ہوں۔ مثلاً میں دُعا مانگتا ہوں لیکن قبول نہیں ہوتی (تو ایسے لوگوں کی دُعائیں قبول ہو جاتی ہیں)۔

مختلف عملیات

امام دمیریؒ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ یافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص خیر و برکت کا خواہش مند ہو یا رفع حاجت اور رنج و غم دور کرنا چاہتا ہو یا ظالم کے لیے بددُعا کر رہا ہو تو وہ یہ عمل کرے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص پاکی اور طہارت کاملہ کے ساتھ بعد نماز عشاء ایک نشست میں یـا لَطِیْفُ ۱۶۴۴۱ (سولہ ہزار چار سو اکتالیس) بار بغیر کسی کمی اور زیادتی پڑھتا رہے تو ان شاء اللہ یہ عمل ہر قسم کے راز اور حیلہ سازی کو توڑ دے گا۔

اس عمل کا طریقہ یہ ہے کہ پڑھنے کے دوران آپ جب ۱۲۹ بار پڑھ چکیں تو یہاں پر تسبیح کے دانے کو روک کر ۱۲۹ مرتبہ یا لطیف پڑھا کریں تو ان شاء اللہ اس سے اس کے مذکور مقاصد حل ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ لطیف میں حروف تہجی کے اعتبار سے ل ط ی ف میں کل مجموعہ ۱۲۹ ہوتا ہے۔ پھر جب آپ اپنے مقصد کا نام لے کر دُعا کریں تو ان شاء اللہ ضرور حاصل ہو جائے گا۔ لیکن آپ اس کا بھی خیال رکھیں کہ جب بھی ۱۲۹ مرتبہ کا ورد پڑھ چکیں تو ایک مرتبہ یہ آیت کریمہ بھی پڑھ لیا کریں: **لَا تُـدْرِكُـهُ الْاَبْـصَـارُ وَ هُـوَ يُـدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ.**

---

[1] حدیث کے آخری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بندۂ مومن کی شان کے لائق نہیں ہے کہ اگر قبولیت دُعا میں تاخیر محسوس ہو تو تھک کر بیٹھ جائے اور دُعا مانگنا ہی چھوڑ دے کیونکہ احادیث میں دُعا کو بھی عبادت کے ہم پلہ قرار دیا گیا ہے اور عبادت سے اس طرح اکتاہٹ یا دل گرفتگی مومن آدمی کے لیے کسی بھی حالت میں مناسب اور لائق نہیں ہے۔ پھر یہ کہ قبولیت دُعا میں تاخیر یا تو اس لیے ہوتی ہے کہ اس کا وقت نہیں آتا اس لیے کہ ازل ہی سے ہر چیز کے وقوع اور تکمیل کا ایک وقت مقرر ہے۔ جب تک وہ وقت نہیں آتا ہے وہ چیز بھی وقوع پذیر نہیں ہوتی یا یہ کہ دُعا مانگنے والا جو دُعا مانگتا ہے اس کی قسمت میں اس کی دُعا کا اس دُنیا میں قبول ہونا لکھا نہیں ہوتا۔ اس صورت میں اس کے بدلے میں آخرت کا ثواب عطا کیا جاتا ہے یا پھر قبولیت میں تاخیر اس لیے ہوتی ہے تاکہ دُعا مانگنے والا دُعا مانگنے میں پوری طرح عاجزی وانکساری، سچی لگن اور تڑپ اور کمال عبودیت کا اظہار کرتا رہے کیونکہ دُعا میں ان چیزوں کے اختیار کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتا ہے۔

خیر و برکت اور رزق میں ترقی کے لیے

اگر کوئی خیر و برکت یا رزق میں وسعت و کشادگی چاہتا ہو تو ہر نماز کے بعد سو مرتبہ یہ پڑھا کرے: **لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَ ھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَ ھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ.** پھر اس کے بعد یہ دُعا پڑھے: **اللہ لطیف بعبادہ یرزق من یشاء وھو القوی العزیز.**

ظلمتوں اور تاریکیوں سے بچنے کے لیے

اسی طرح اگر کوئی شخص ظلمتوں اور تاریکیوں سے بچنا چاہتا ہو تو یہ پڑھے: **لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ.** پھر اس کے بعد اسم اعظم پڑھے۔ پھر آخر میں یہ دُعا پڑھے: **اَللّٰھُمَّ وَسِّعْ عَلَیَّ رِزْقِیْ اَللّٰھُمَّ اعْطِفْ عَلَی خَلْقِکَ اَللّٰھُمَّ کَمَا صُنْتَ وَجْھِیْ عَنِ السُّجُوْدِ لِغَیْرِکَ فَصُنْہُ عَنْ ذُلِّ السُّوَالِ لِغَیْرِکَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.**

صفات حمیدہ کے وظائف

شیخ ابوالحسن الشاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص مندرجہ ذیل صفات حمیدہ سے اپنے آپ کو مزین و آراستہ کرلے تو اسے دین و دُنیا میں سعادت و خوش بختی نصیب ہوگی۔

کافروں کو اپنا دوست نہ بنائے اور نہ مومنوں کو اپنا دشمن۔ دُنیا سے زہد و تقویٰ کا توشہ لے کر رخصت ہو۔ اسی طرح اپنے آپ کو دُنیا میں ہمیشہ ایک دن مرنے والا سمجھتا رہے۔ اللہ کی وحدانیت اور رسول کریم کی رسالت کی شہادت دے۔ پھر اپنے آپ کو عمل صالح کا پیکر بنائے اور یہ دُعا پڑھتا رہے:

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ مَلٰئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ قَالُوْ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ.

بعض بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کوئی مندرجہ ذیل اوصاف حمیدہ کو اختیار کرلے تو اللہ پاک اس کے لیے دُنیا میں اور آخرت میں چار چار چیزوں کی ضمانت لے لیتے ہیں:

دُنیا میں تو قول و کردار میں سچائی، عمل میں اخلاص، رزق کی کثرت اور شرور سے حفاظت کی ضمانت ہوتی ہے اور آخرت میں خصوصی مغفرت، قربت الٰہی، جنت میں داخلہ اور بلند درجات نصیب ہوں گے۔

اسی طرح اگر کوئی آدمی یہ چاہتا ہو کہ وہ قول و عمل میں صدق و سچائی کا پیکر ہو تو **انا انزلناہ فی لیلۃ القدر** پابندی سے کثرت کے ساتھ پڑھا کرے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہو کہ اللہ پاک اسے رزق کی کثرت عطا فرمائیں تو **قل اعوذ برب الفلق** پابندی کے ساتھ پڑھا کرے۔ اگر کوئی شخص دشمنوں کے شرور سے محفوظ رہنا چاہتا ہو تو وہ **قل اعوذ برب الناس** پڑھنے میں مداومت کرے۔

رزق میں وسعت کے لئے

اگر کوئی شخص خیر و برکت اور رزق میں وسعت کا خواہش مند ہو تو وہ سورۂ واقعہ اور سورۂ یٰسین کی تلاوت پر پابندی کرے اور اگر یہ کلمات بھی پڑھ لیا کرے تو بہتر ہے۔ ان شاء اللہ اسے خیر و برکت کی دولت اور روزی میں کثرت بارش کی طرح ہوگی۔ کلمات یہ ہیں:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الْمَلِکِ الْحَقِّ الْمُبِیْنَ وَ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ.

اسی طرح اگر کوئی شخص استغفار کا ورد رکھے تو اللہ پاک اُسے رزق میں ترقی کے ساتھ ساتھ رنج و غم سے محفوظ رکھیں گے۔

دشمن کے خوف سے حفاظت کے لئے

اگر کوئی شخص کسی آدمی کو ڈراتا ہو دھمکی دیتا ہو یا گھبراہٹ میں مبتلا کرتا ہو تو یہ دُعا پڑھے۔ان شاءاللہ خوف ودہشت جاتی رہے گی:

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَ عَقَابِہٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَنْ یَحْضُرُوْنِ.

یا یہ دُعا پڑھے:

تَوَکَّلْتُ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ اَبَدًا وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ وَلِیٌّ مِنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا.

دعا کی قبولیت کا وقت

اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ دُعا کی قبولیت کے لیے آسمان کے دروازے کس وقت کھلتے ہیں تو اذان کے کلمات کا جواب کلمۂ شہادت کے پڑھنے کے بعد دینا چاہیے اس لیے کہ حدیث پاک میں مذکور ہے کہ جب کوئی مصیبت' بلا' یا وباء آسمان سے نازل ہو تو لوگوں کو مؤذن کے کلمات کا جواب دینا چاہیے تو اللہ پاک مصیبت میں راحت عنایت فرماتے ہیں۔

رنج وغم سے نجات کے لئے

اگر کسی آدمی کو رنج وغم یا خوف لاحق رہتا ہو تو یہ دُعا پڑھا کریں۔ان شاءاللہ اس سے نجات مل جائے گی۔

"اللّٰھم انی عبدک وابن عبدک وابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی حکمک عدل فی قضائک اسئلک بکل اسم سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احدا من خلقک اواستاثرت بہ فی علم الغیب عندک ان تجعل القرآن ربیع قلبی ونور صدری وجلاء حزنی وذھاب ھمی وغمی فیذھب عنک ھمک وغمک وحزنک."

ننانوے امراض سے حفاظت

اگر کوئی یہ خواہش رکھتا ہو کہ اللہ پاک اسے ننانوے امراض سے محفوظ رکھیں۔ یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے گناہ اور دیوانگی کے اثرات وغیرہ سے نجات مل جائے تو یہ کلمات پڑھنے سے ان شاءاللہ حفاظت رہے گی: **لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم.**

مصیبت کے وقت اجر وثواب ملے

اگر کوئی آدمی یہ چاہتا ہو کہ اسے مصیبت اور آزمائش کی ابتلاء کے ساتھ ساتھ اجر وثواب بھی ملتا رہے تو یہ دُعا پڑھا کرے:

"انا للّٰہ وانا الیہ راجعون اللّٰھم عندک احتسبت مصیبتی فاجرنی فیھا وابدلنی خیرا منھا."

یا یہ پڑھا کریں:

"حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل توکلنا علی اللّٰہ وعلی اللّٰہ توکلنا."

قرض سے نجات کے لیے

رنج وغم سے نجات اور قرض کی ادائیگی کے لیے صبح وشام یہ دُعا پڑھنا بہت مفید ہے:

اَللّٰھم اِنی اعوذُبک من الھم والحزن واعوذبک من العجز والکسل واعوذبک من الجبن

والبخل واعوذبک من غلبة الدین وقهر الرجال.

مجاہدہ اور ریاضت کے لیے

کسی پر غلط نظر ڈالنے سے اجتناب کریں تو اللہ پاک اسے عبادت وریاضت میں خشوع وخضوع کی توفیق بخشے گا۔فضول باتوں کے اجتناب سے علم وحکمت کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔رات کے قیام وروزہ رکھنے اور تہجد پڑھنے سے عبادت میں حلاوت نصیب ہوتی ہے۔ ترک مزاح اور کم ہنسنے سے جاہ وجلال اور رُعب کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔دُنیا سے بے رغبتی' محبت کی دولت سے مالا مال کر دیتی ہے۔غیروں کے عیوب کے تجسس میں نہ پڑنے سے اپنے عیوب نفس کے اصلاح کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔اس لیے کہ تجسس نفاق کا ایک شعبہ ہے۔جیسے کہ حسن ظن ایمان کا ایک شعبہ ہے۔اللہ کی ذات میں غور وفکر نہ کرنے سے خشیت الٰہی کی نعمت اور نفاق سے حفاظت نصیب ہوتی ہے۔دوسروں کے ساتھ بدگمانی نہ کرنے سے اللہ پاک ہر برائی سے امن وامان عنایت فرماتے ہیں۔عوام سے اعتماد ہٹا کر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے سے عزت وعظمت ملتی ہے۔

دل زندہ رہے

روزانہ چالیس مرتبہ یا حی یا قیوم لا الہ الا انت پڑھنے سے دل زندہ رہتا ہے۔اللہ پاک اس میں قوت بخش دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی یہ چاہتا ہو کہ قیامت کے دن نبی پاک ﷺ کا دیدار نصیب ہو تو اذا الشمس کورت و اذا السماء انفطرت و اذا السماء انشقت کثرت سے پڑھا کرے۔

قیامت میں شدید پیاس سے حفاظت

اگر کوئی شخص اس بات کا خواہش مند ہو کہ اللہ پاک اس کو قیامت کے دن شدید پیاس سے محفوظ رکھیں تو اسے روزے کثرت سے رکھنا چاہیے۔

عذاب قبر سے نجات

اگر کوئی یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے قبر کے عذاب سے نجات دے دیں تو اس کو نجاسات اور حرام چیزوں سے محفوظ رہنا چاہیے اور نفس کی خواہشات پر عمل کرنا ترک کر دیں۔ان شاء اللہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

خصائل حمیدہ کے حصول کے لئے

قناعت اور تھوڑی سی چیز سے کام لینے سے انسان غنی اور مال دار ہو جاتا ہے۔اپنی ذات سے غیروں کو نفع اور راحت پہنچانے سے آدمی تمام لوگوں سے اچھا اور بہتر سمجھا جانے لگتا ہے۔اگر کوئی آدمی عبادت میں سب سے زیادہ بڑھنا چاہتا ہو تو اس حدیث شریف پر عمل کرے۔اس کی تفصیل یہ ہے:

> جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی مجھ سے یہ کلمات سیکھ لے اور ان پر عمل پیرا ہو جائے یا کسی ایسے آدمی کو سکھا دے جو عمل کرنے لگے۔تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں ایسا کر سکتا ہوں۔چنانچہ آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑ کر ان پانچوں چیزوں کو شمار کرا دیا۔تم اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں سے ضرور بچنا۔ان شاء اللہ تمام لوگوں سے زیادہ عابد اور زاہد بن جاؤ گے اور اللہ پاک نے جو چیز قسمت میں لکھ دی ہے تم اس پر راضی ہو جاؤ تو تم سب سے زیادہ غنی اور مال دار ہو جاؤ گے۔

اسی طرح تم پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا کرو تو تم سچ مچ مومن بن جاؤ گے۔ تم جو اپنے لیے پسند کرو وہی دوسروں کے لیے بھی۔ اس عمل سے آدمی صحیح معنوں میں مسلمان بن جاتا ہے۔ زیادہ ہنسنے سے پرہیز کریں اس لیے کہ اس سے آدمی کا دل مردہ ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اگر تم خالص محسن آدمی بننا چاہو تو اللہ پاک کی اس طرح عبادت کیا کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر اس طرح عبادت نہ کر سکو تو اس طرح کیا کرو کہ کم از کم وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (الحدیث)

اچھے اخلاق کا برتاؤ انسان کو کامل ایمان والا بنا دیتا ہے۔ دوسروں کی حوائج وضروریات کو پورا کرنے سے اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے محبت کرنا چاہتے ہیں تو ضرورت مند حضرات کو ان کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں اللہ کے فرائض کی ادائیگی سے انسان خدا کا مطیع وفرماں بردار سمجھا جاتا ہے۔ اور جنابت سے پاک وصاف ہو جانے سے اللہ تعالیٰ سے گناہوں سے پاک ہو کر ملنے کا شرف مل جاتا ہے اور جمعہ کے دن خاص طور پر غسل کرنے سے آدمی اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا جیسے اس نے کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں کیا۔

اللہ کی مخلوق پر ظلم نہ کرنے سے نور ہادی کے ساتھ قیامت کے دن حشر ہوگا اور ظلمات میں روشنی نصیب ہوتی ہے۔ کثرت استغفار سے گناہوں کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور اللہ پر بھروسہ کرنے سے اللہ اسے طاقت ور بنا دیتے ہیں۔ طہارت کاملہ اور پاکیزہ زندگی گزارنے میں اللہ تعالیٰ رزق میں وسعت عطا فرماتے ہیں۔ مخلوق خدا کے لیے غیظ وغضب کو دور کر دینے سے اللہ تعالیٰ کے عتاب سے امن وامان نصیب ہوتا ہے۔ حرام چیزوں سے بچنے اور سود سے پرہیز کرنے سے اللہ تعالیٰ دُعا کی قبولیت کا شرف عطا فرماتے ہیں۔ شرمگاہ کی حفاظت اور زبان کو قابو میں کر لینے سے اللہ تعالیٰ مخلوق کے سامنے رسوائی اور ذلت سے محفوظ رکھتے ہیں۔ لوگوں کے عیوب پر پردہ پوشی سے اللہ تعالیٰ بھی پردہ پوشی فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ پاک ستار اور عیب پوش ہے اور وہ عیب پوشوں کو پسند کرتا ہے۔ کثرت استغفار اور خشوع وخضوع اور تنہائیوں میں نیکیاں کرنے سے اللہ تعالیٰ گناہوں اور خطاؤں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ تواضع وانکساری، حسن خلق اور مصائب وآلام پر صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ اجر وثواب سے نوازتا ہے۔ حسد اور بخل وبرے خلق سے بچنے سے اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہوں سے حفاظت فرماتا ہے۔ صلہ رحمی اور صدقات وخیرات چھپ کر کرنے سے اللہ کے غضب وعتاب سے محفوظ رہتا ہے۔

قرض کی ادائیگی کے لیے

اگر کسی شخص پر اس کی استطاعت سے زیادہ دین یا قرض ہو تو مندرجہ ذیل دُعا پڑھنے سے اللہ تعالیٰ ادا کرنے کی قوت وہمت عطا فرما دیتے ہیں اس لیے نبی پاک ﷺ نے ایک اعرابی کو یہ دُعا بتائی تھی۔ دُعا یہ ہے:

"اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ."

دوسری حدیث شریف میں ہے کہ اگر کسی کے اوپر اُحد پہاڑ کے برابر بھی قرض یا دین ہوگا تو یہ دُعا پڑھنے سے اللہ تعالیٰ ادا فرما دیتے ہیں اور اسے ادا کرنے کی قوت عطا فرما دیتے ہیں۔ وہ دُعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ فَارِجَ الْکُرَب. اَللّٰھُمَّ کَاشِفَ الْھَمِّ اَللّٰھُمَّ مُجِیْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِیْنَ رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِیْمَھُمَا اَسْأَلُکَ اَنْ تَرْحَمْنِی فَارْحَمْنِیْ رَحْمَةً تُغْنِیْنِیْ بِھَا عَمَّنْ سِوَاکَ.

مصیبت میں گرفتار کے لئے

اگر کوئی شخص ہلاک یا مصیبت میں گرفتار ہوگیا ہو تو یہ دُعا پڑھنے سے اللہ تعالیٰ نجات عطا فرماتے ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْم.

دشمن کے شر سے محفوظ رہے

حدیث پاک میں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شریر قوم سے پریشان ہو تو وہ یہ دُعا پڑھا کرے۔ان شاءاللہ وہ ان کے شر سے محفوظ رہے گا۔دُعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنَاهُمْ كَتاشئت انک علیٰ کل شئی قدير.

جب کسی بادشاہ سے خطرہ ہو

اگر کوئی آدمی کسی بادشاہ سے خوف ودہشت محسوس کر رہا ہو تو وہ یہ دُعا پڑھے۔ان شاءاللہ اس کا خوف جاتا رہے گا:

لا اِلٰـه اِلا اللّٰـه الحليم الكريم رب السمٰوات السبع ورب العرش العظيم لا الـه الا انت عز جَارُکَ وجل ثناء کَ لا اله الا انت.

یا یہ دُعا پڑھے:

اللّٰهم انا نجعلک فی نحورهم ونعوذبک من شرورهم.

اسی طرح ایک حدیث میں وارد ہے کہ اگر کوئی بارُعب بادشاہ ہو کہ اس کے پاس آنے جانے سے خوف یا خطرہ کا احساس ہوتا ہو یا وہ بادشاہ ظالم ہو تو اس کے پاس آنے کے وقت یہ دُعا پڑھے:

اللّٰـه اكبر اللّٰـه اعز من خلقه جميعا الله اعز مما اخاف واحذر والحمد لله رب العالمين.

دین میں استقلال کے لیے

حدیث شریف میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص دین میں ثابت قدمی یا استقلال قلبی کا خواہش مند ہو تو وہ یہ دُعا پڑھا کرے:

اَللّٰهُمَّ ثَبت قَدَمِیْ عَلَی دِيْنِکَ

یا یہ دُعا پڑھے:

يَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلَى دِيْنِکَ.

بادشاہ کے پاس جاتے وقت یہ پڑھے

اگر لوگ کسی بادشاہ کے دربار میں آنے جانے سے خوف محسوس کرتے ہوں یا بادشاہ سے کسی شر کا خوف ہو تو اس کے دربار میں جانے سے قبل یہ دُعا پڑھا کریں تو ان شاءاللہ اس کا خوف جاتا رہے گا۔دُعا یہ ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْءٌ

وَاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ.

خیر و برکت کے لیے

سورۃ الم نشرح اور سورۃ الکافرون پابندی کے ساتھ پڑھنے سے اللہ پاک خیر و برکت اور رزق میں وسعت فرماتے ہیں۔

لوگوں سے پردہ داری کے لیے

لوگوں سے پردہ داری کرنی ہو تو یہ دُعا پابندی سے پڑھا کرے:

اَللّٰھُمَّ اسْتُرْنِیْ بِسَتْرِکَ الْجَمِیْلِ الَّذِیْ سَتَرْتَ بِہٖ نَفْسَکَ فَلا عَیْنٌ تَرَاکَ.

بھوک اور پیاس پر قابو پانے کے لیے

اگر کوئی شخص بھوک اور پیاس پر قابو پانا چاہے تو سورۃ **لایلاف قریش** پابندی سے پڑھا کرے۔ یہ نسخہ آزمودہ اور مجرب ہے۔

تجارت میں ترقی کے لیے

تجارت میں ترقی کے لیے سورۃ شعراء لکھ کر دوکان میں لٹکا دیں تو ان شاء اللہ اس میں نفع ہوتا چلا جائے گا اور بیع وشراء کے لیے لوگ کثرت سے آنے لگیں گے۔

ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رہے

اگر کسی آدمی کو دوکان میں یا کسی اور کام میں نقصانات ہو رہے ہوں تو سورۃ القصص لکھ کر لٹکا دیں تو ان شاء اللہ نقصان وتلف سے محفوظ رہے گا۔ یہ بھی عمل آزمودہ اور مجرب ہے۔

موت کے وقت آسانی ہو

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ہر نماز فرض کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا رہے تو اس کی روح سوائے اللہ پاک کے کوئی نہیں نکالے گا (یہ آسانی اور سلامتی کی طرف اشارہ ہے یا اعزاز کے طور پر کہہ دیا گیا ہے)۔

حضرت ابونعیم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معروف الکرخی سے یہ سنا ہے کہ جس وقت یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے جمع ہو گئے تو اللہ پاک نے حضرت جبرائیل کو ان کی مدد کے لیے بھیجا تو آپ کے اندرون بازو میں مندرجہ ذیل کلمات لکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وہ کلمات پڑھے۔ اتنے میں اللہ پاک نے حضرت جبرائیلؑ کو حکم دیا کہ میرے بندے کو میرے پاس حفاظت کے ساتھ لے آؤ۔ وہ کلمات یہ تھے:

اللّٰھم انی اعوذ باسمک الاعزو ادعوک اللّٰھم باسمک الکبیر المتعال الذی ملاء الارکان کلھا ان تکشف عنی ضرما امسیت واصبحت فیه.

دردسر کا مجرب عمل

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے بنوامیہ کے بعض خاندانوں میں ایک چاندی کا مقفل ڈبہ پایا گیا تھا جس کے اوپر **شفاء من کل داءٍ** (ہر مرض سے شفاء کے لیے) لکھا ہوا تھا۔ لیکن اس کے اندرون میں یہ کلمات لکھے ہوئے پائے گئے۔ اگر کسی کے شدید دردسر ہو رہا ہو تو اسے کسی طبیب کے پاس جانے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ کلمات پڑھ کر دم کر لے تو ان شاء اللہ اس کا دردسر جاتا رہے گا۔ یہ عمل بھی کئی مرتبہ

کا آزمودہ اور مجرب ہے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمُ بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَ لَاحَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ اُسْکُنْ اَیُّھَا الْوَجْعُ سَکَنْتُکَ بِالَّذِیْ یُمْسِکُ السَّمَاءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِہٖ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَؤُفٌ الرَّحِیْمٌ. بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَ لَاحَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ اُسْکن اَیُّھَا الْوَجْعَ سَکَنْتُکَ بِالَّذِیْ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ اَنْ اَمْسَکَھُمَا مِنْ اَحَدٍ مِنْ بَعْدِہٖ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا.

درد سر کے لیے دوسرا مجرب عمل

درد سر کے لیے دوسرا آزمودہ عمل یہ ہے کہ مذکورہ حروف کو ایک سفید کاغذ میں لکھ کر درد کی جگہ میں چپکا لیا جائے تو ان شاءاللہ درد سر جاتا رہے گا۔ مذکورہ حروف یہ ہیں دم م ل ہ۔

بعض علماء کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ بنوامیہ کے خزانے میں ایک کافور مشک اور عنبر خام سے بھری ہوئی چوکور سونے کی ڈھال تھی اور اس میں ہرے زمرد کے بٹن بھی لگے ہوئے تھے۔ اگر کسی کے شدید درد سر ہوتا تو اس کے درد کی جگہ اس ڈھال کو رکھ دیا کرتے تھے تو سر کا درد جاتا رہتا۔ ایک مرتبہ لوگوں نے اس ڈھال کو کھول کر دیکھا تو اس کے بٹنوں میں ایک کاغذ کے پرزے میں یہ لکھا ہوا تھا:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ذلک تخفیف من ربکم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم یرید اللّٰہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا. بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم الم ترالٰی ربک کیف مدالظل ولوشاء لجعلہ ساکنا بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ولہ ما سکن فی اللیل والنہار وھو السمیع العلیم.

درد سر کے لیے تیسرا عمل یہ ہے کہ آپ مندرجہ ذیل حروف کو کسی تختی یا پاک جگہ میں لکھ کر کیل سے دبائیں۔ پھر اس کے بعد یہ دُعا پڑھیں:

"الم تر الی ربک کیف مدّ الظل ولو شاء لجعلہ ساکنا ولہ ما سکن فی اللیل والنہار وھو السمیع العلیم."

اتنے میں اگر درد سر ہلکا ہو جائے تو پھر کیل کو زور سے دبائے رکھے۔ اس کے باوجود اگر درد سر ہلکا نہ ہو تو دباتے ہوئے ایک حرف سے دوسرے حرف میں منتقل ہوتے رہیں جب تک کہ درد سر جاتا نہ رہے یہ عمل کرتے رہیں۔ ان شاءاللہ درد سر کسی نہ کسی حرف پر جا کر ختم ہو جائے گا۔ نیز یہ عمل بھی بارہا آزمودہ اور مجرب ہے۔ وہ حروف یہ ہیں:

اح اک ح ع ح ا م ح

لیکن دباتے وقت اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ کیل روشنائی میں رکھی جائے۔ مندرجہ بالا حروف کو ان اشعار میں یکجا کر دیا گیا ہے ؎

انی حملت الیک کل کریمۃ حوراء عن حظ المتیم ماحنت

''جیسے تم چاہتے ہو اسے میں نے تمہارے پاس ہر پاکیزہ چیز کو تعویذ باندھنے کے لیے پیش کر دیا ہے۔''

فاوائل الکلمات منها مقصدی لصداع راسی یافتی قد جربت

ترجمہ: ''اے نوجوان ہمارا مقصد ان ابتدائی کلمات سے دردسر دور کرنے کے لیے ہیں مجرب اور آزمودہ نسخہ ہے۔''

طبی فوائد

- حکیم جالینوس [1] نے لکھا ہے کہ انسان کے بالوں کو جلا کر گلاب کے پانی میں ملا کر عورت اپنے سر میں رکھ لے تو دردزہ کے وقت ولادت میں آسانی ہو جائے گی۔
- انسانی منی برص [2] اور جسم کے دیگر سپید داغوں کے لیے مفید ہے۔
- زمین میں منی گرنے سے پسو وغیرہ جمع ہو جاتے ہیں۔
- انسان کا تھوک سانپ کے لیے زہر ہے اسی لیے اگر کوئی شخص سانپ کے منہ میں تھوک دے تو سانپ اسی وقت مر جاتا ہے۔
- کسی رات تیز و تند ہوائیں چل رہی ہوں تو انسان کے تیل سے چراغ جلانے سے یہ تیز ہوائیں رک جاتی ہیں۔
- عورت کے لمبے بالوں کو دریا میں ڈال کر نہ نکالا جائے تو وہ بال پانی کے سانپ بن جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ''سکرطرزد'' میں عورت کا دودھ ملا کر بطور سرمہ استعمال کرے تو آنکھوں کی سفیدی کے لیے نفع بخش ہے۔
- اگر کسی بچے کی آنکھ نیلی ہو گئی ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ اسے چالیس دن تک کسی حبشی لڑکی کا دودھ پلایا جائے تو اس کی آنکھیں سپید ہو جائیں گی۔
- اگر کسی بچے کے پیشاب کو لے کر (رماوحطب الکرم) انگور کی لکڑی کی راکھ میں ملا کر کسی زخم میں لگا دیا جائے تو اس میں آرام مل

---

[1] جالینوس، غالینوس بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح کیلینس اور مختصر کر کے کیلن بھی کہتے ہیں ۱۳۱ قبل مسیح پیدا ہوئے۔ یہ ایک زبردست یونانی طبیب گزرے ہیں۔ خاص طور پر علم تشریح میں زیادہ تحقیقات کی ہیں۔ ان کے دور میں تشریح کا معیار بلند ہو گیا تھا۔ لیکن جالینوس نے اس میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ تشریحی غلطیوں کو درست کیا اور تشریح بیان کی۔ عضلات کے افعال کے متعلق ان کی معلومات آنی اعتبار سے بالکل صحیح ہیں۔ یہ عضلات کی عصبی پرورش کے لیے اعصاب کی ضرورت سے واقف تھا اور اس کو یہ معلوم تھا کہ عضلات کی حرکات کا مبداء دماغ ہے۔ چنانچہ اس نے کچھ اعصاب کو کاٹ کر اس حصے کو مفلوج کر کے اس حقیقت کو ثابت کر دیا۔

اس تجربے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ارادی حرکت کے اصول سے بھی واقف تھا۔ چنانچہ اس دور کے اطباء اور ڈاکٹر اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ان سے پہلے قدیم اطباء کا یہ قول تھا کہ شرائین کے اندر خون نہیں ہوتا بلکہ ان کے اندر محض ارواح ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ مرنے کے بعد شرائین خالی ملا کرتے ہیں۔ اس قدیم خیال کی تردید سب سے پہلے جالینوس نے کی ہے اور مخالفین کے سامنے دکھا دیا۔ شرائین کو چیر کر کہ شرائین کے اندر بحالت زندگی خون پایا جاتا ہے۔ اگرچہ موت کے بعد شرائین خالی ملا کرتے ہیں۔ جالینوس نے دقیقہ رسی سے اعضائے انسانی کا مشاہدہ کیا ہے اس کے ثبوت میں چند باریک عروق کا نام پیش کیا ہے جن کی تحقیق کا سہرا جالینوس کے سر پر ہے دماغ میں بطون کے اندر کچھ باریک وریدیں ہیں جو جالینوس کی طرف منسوب ہیں اس لیے کہ اسی نے تحقیق کی ہیں اس نے بندر اور آدمی کے اجسام کا معائنہ کیا۔ جالینوس کی نئی تحقیق یہ ہے کہ اعصاب کی ابتداء یا تو دماغ سے ہوتی ہے یا نخاع سے اور کچھ اعصاب حسیہ ہوتے ہیں اور کچھ متحرک۔ جالینوس نے ایک سو گیارہ تصانیف کی ہیں۔ انتقال ۲۱۰ قبل مسیح ہوا۔

[2] برص ایک بیماری ہوتی ہے جس کی وجہ سے جلد سفید ہو جاتی ہے اور سخت تکلیف و خارش پیدا ہوتی ہے۔

جائے گا اور زخم اچھا ہو جائے گا۔

○ اسی طرح اگر عورت پہلے سال کے بچے کے دانت کو باندھ کر لٹکا لے تو وہ حاملہ نہیں ہو سکتی۔

○ حکیم جالینوس نے مزید کہا' انسان کا پتا زہریلا ہوتا ہے۔ اگر کسی کی آنکھ میں سفیدی کی شکایت ہو گئی ہو تو اس کے پتے کو بطور سرمہ استعمال کریں تو یہ شکایت جاتی رہے گی۔

○ حکیم ابن ماویشہ کہتے ہیں کہ اگر عورت کے ہاتھ میں درد یا تکلیف ہو تو وہ بچے کی پہلی ناف کاٹ کر اپنے گلے میں لٹکا لے تو وہ درد جاتا رہے گا۔ اگر اس کی ہڈی کو باریک پیس کر ایلوا میں ملا کر جس کے ناک میں ناسور ہو گیا ہو ناک میں پھونکنے سے وہ ان شاء اللہ شفایاب ہو گا۔

○ اگر کسی کی آنکھ میں پھولا ہو جائے تو وہ انسان کے پیٹ سے نکلے ہوئے کیڑوں کو سکھا کر باریک پیس کر بطور سرمہ استعمال کرے تو یہ شکایت جاتی رہے گی۔

○ اگر کسی انسان کے پاخانے کو سکھا کر باریک پیس چھان کر شہد اور سرکہ ملا کر آکلہ [1] پر لگا لیا جائے تو وہ ان شاء اللہ نجات پا جائے گا۔ یہی گلے کے خوانیق [2] میں استعمال کرے تو وہ اچھا ہو جائے گا۔

○ انسان کے بال باندھ کر لٹکانا آدھا سیسی کے درد میں مفید ہے۔

○ اگر کسی کو کتے نے کاٹ لیا ہو تو وہ بالوں کو سرکہ میں تر کر کے اس جگہ پر لگا لے تو وہ شفاء پا جائے گا۔

○ انسان کا خون میتھی کے آٹے اور سنداب کے پانی میں گوندھ کر خون اور پیپ اور ساقین کے زخموں پر لگانا نہایت مفید ہے بلکہ ہر زخم کے لیے راحت بخش ہے۔

○ اگر کسی کے حیض کے کرسف کے ایک ٹکڑے کو کشتی کے پچھلے حصہ میں باندھ دیا جائے تو اس کشتی میں ہوا داخل نہیں ہو سکتی۔

○ ایسی کسی عورت کو ناف کا درد ہو رہا ہو تو حیض کے کرسف کو جلا کر تھوڑی سی راکھ اور دھنیاں لے کر پھر ان دونوں کو ٹھنڈے پانی میں پیس کر ناف کے اردگرد لگا دیا جائے تو ان شاء اللہ یہ درد جاتا رہے گا۔ یہی نسخہ نفاس کے وقت ناف کے درد میں سکون بخش معلوم ہوتا ہے۔ کسی بچے کی ولادت کے وقت کے پاخانے کو سکھا کر باریک کر کے آنکھ کی سفیدی میں بطور سرمہ استعمال کریں تو ان شاء اللہ یہ شکایت جاتی رہے گی۔

○ بچوں کے قلفے کو خشک کر کے پیس کر مشک اور عرق گلاب میں ملا کر اگر برص اور جذام پر لگا دیا جائے تو ان شاء اللہ یہ دونوں امراض اسی وقت بڑھنے سے تھم جائیں گے۔ اسی طرح ان قلفوں کو جلا کر پیس کر کسی ایسے آدمی کو پلایا جائے جسے برص ہو رہا ہو تو ان شاء اللہ درست ہونے لگے گا۔

○ اگر کسی کے قولنج [3] ہو گیا ہو تو انسان کے پاخانے کو ایک چنے کے برابر لے کر اسے ٹھنڈے پانی میں پگھلا کر پلایا جائے تو ان شاء اللہ نجات پا جائے گا۔

---

[1] آکلہ وہ بیماری ہے جو انسان کے عضو کو سڑا دیتی ہے۔

[2] ایک بیماری ہے جس میں سانس لینا مشکل ہوتا ہے۔ واحد خناق

[3] قولنج۔ آنت کی ایک بیماری ہوتی ہے جس میں سدہ پڑ جاتا ہے اور شدت کا درد ہونے لگتا ہے۔ ۱۲

- انسان کا پاخانہ جو سب سے پہلے خارج ہوتا ہے وہ گرم ہوتا ہے اسے کسی پرانی شراب میں ملا کر کسی بیمار جانور کو پلایا جائے تو وہ شفایاب ہو جاتا ہے۔
- اگر کوئی آدمی کسی سے محبت کرتا ہے تو وہ اپنے دونوں پیروں اور ہاتھوں کا میل دھو کر جس سے محبت کرنا چاہتا ہو پلا دے تو اس سے محبت ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ اس سے جدائی اور فراق کو گوارہ نہیں کر سکتے۔ یہ عمل بھی آزمودہ اور مجرب ہے۔
- اسی طرح محبت کا دوسرا عمل یہ ہے کہ جس سے محبت کرنے کا ارادہ ہو تو اسے اپنے کرتے کی جیب کو دھو کر لاعلمی میں پلا دو تو اس سے شدید محبت ہو جائے گی۔
- اگر کوئی شخص کسی قلعے یا گنبد میں کبوتروں کا غول اکٹھا کرنا چاہے تو کسی مردہ انسان کی کئی سال پرانی کھوپڑی کو لا کر برج میں دفن کر دے تو اس برج میں کبوتر اتنی کثرت سے جمع ہوں گے کہ وہ برج تنگ ہو جائے گا۔
- اگر کسی انسان کو لقوہ یا فالج کا اثر ہو گیا ہو تو وہ کالی یا حبشی لڑکی کے دودھ کے ساتھ روغن سوسن آزاد میں ملا کر ناک سے سڑک لے تو ان شاء اللہ شفایاب ہو جائے گا۔ (مقدار خوراک آدمی کے لیے ایک قیراط کے برابر اور بچوں کے لیے ایک حبہ کے برابر کھلانا چاہیے)۔
- اور اگر اس میں انزروت سفید ملا لیں تو آشوب چشم (سُرخ آنکھوں) کے لیے مفید ہے۔
- اگر کسی جانور کے گھاس مٹی ملی ہوئی کھا لینے سے پیٹ میں درد پیدا ہو گیا ہو تو کسی نابالغ بچے کے پیشاب میں کاشم کو باریک پیس کر ملا لے تو ان شاء اللہ اس جانور کا درد جاتا رہے گا۔
- اگر کوئی شخص یہ خواہش رکھتا ہو کہ عورت کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور نہ صحبت کر سکے تو اس عورت کے کنگھی سے نکالے ہوئے بالوں یا اس کے علاوہ بالوں کو جلا کر راکھ کر لے۔ پھر صحبت کے وقت احلیل میں لگا کر جماع کرے تو اس آدمی سے عورت کو اس قدر لذت محسوس ہوگی کہ وہ عورت پھر کسی مرد کے پاس جانا گوارا نہ کرے گی۔ یہ عمل بھی آزمودہ اور مجرب ہے۔
- اگر کسی آدمی کی تھوڑی سی منی کو تھوڑا سا زئبق میں ملا کر تین دن ایسا شخص ناک سے چڑھائے جسے لقوہ ہو گیا ہو تو ان شاء اللہ درست ہو جائے گا۔
- اگر کسی جانور کی آنکھ میں سپیدی چھا گئی ہو تو وہ انسان کے پاخانہ کو باریک کر کے اس میں اندرانی نمک اور تھوڑی سی حزبنل ملا کر باریک کر لیں۔ پھر اس کو اس جانور کی آنکھ پر پھونک کر لگائیں تو وہ شفایاب ہو جائے گا۔
- اگر کسی کو آشوب چشم (آنکھ میں سُرخی) یا آنکھ میں ورم کی شکایت پیدا ہو گئی ہو تو کسی نابالغ لڑکے کے پیشاب کو ایک برتن میں رکھ کر گرم کر لیں۔ پھر اسے روئی کے پھایہ میں تر کر کے آنکھ میں رکھ لیں تو ان شاء اللہ شفاء نصیب ہو گی۔
- انسان کی منی گرم ہوتی ہے اگر اسے برص میں لگایا جائے تو ان شاء اللہ داغ کی شکایت جاتی رہے گی۔
- اگر کسی کی آنکھ میں سفیدی چھا گئی ہو تو پیشاب کو تانبے کی دیگچی میں رکھ کر اس قدر پکایا جائے کہ وہ گاڑھا ہو جائے۔ پھر اسے خشک کر کے کھانے والا نمک ملا کر باریک کر لیا جائے۔ پھر زعفران کے پانی میں گوندھ کر بوداقہ رکھ کر آگ جلا دی جائے جس سے کہ وہ برتن میں چاندی کی طرح گھومنے لگے پھر اس کا ڈلا بنا کر پانی اور مشک ڈال کر پتھر پر رگڑا جائے۔ پھر اس کا سرمہ بنا کر آنکھ میں لگایا جائے تو ان شاء اللہ آنکھ کی یہ شکایت دور ہو جائے گی۔ یہ آزمودہ اور مجرب نسخہ ہے۔ قدیم حکماء اس نسخہ کو جوہر نفیس کہتے ہیں۔

- اگر کسی کی آنکھ میں درد یا پیپ جیسا زخم یا آنکھ میں نقطہ پیدا ہو گیا ہو تو کسی سیاہ رنگ عورت کا دودھ لے کر زعفران اور سفر جل ملا کر آنکھ میں دو تین قطرات ٹپکانے سے ان شاء اللہ آنکھ میں آرام اور شفا نصیب ہوگی۔
- عورت کے پستانوں کے اٹھان کو برقرار رکھنے کے لیے کسی لڑکی کا پہلا حیض لے کر پستانوں کی گھنڈی میں لگا دیں تو وہ برابر کھڑے رہیں گے۔ یہ عمل بھی آزمودہ اور مجرب ہے۔
- حیض گرم اور تر ہوتا ہے۔ اگر کسی کی آنکھ میں سرخی یا نقطہ آ گیا ہو یا آنکھ میں ورم ہو گیا ہو تو اسے کسی اون کے ٹکڑے پر لگا کر آنکھ میں رکھنے سے یہ شکایت دور ہو جائے گی۔
- اگر کوئی عورت موٹی ہونا چاہتی ہو تو مادہ بط یا مرغابی (اوزۃ) کی چربی کو باریک کر کے بورہ ارمنی اور سیاہ زیرہ وغیرہ کو میتھی کے آٹے میں ملا کر ریٹھے کے برابر بنا لیا جائے۔ پھر اسے کسی کالی مرغی کو سات یوم تک مسلسل کھلایا جائے۔ پھر اس مرغی کو ذبح کر کے اس کی کھال اتار لی جائے تو جو بھی اس مرغی کا گوشت یا شوربا کھائے گا وہ اس قدر فربہ اور موٹا ہو جائے گا کہ اس پر چربی ہی چربی نظر آئے گی۔ اس سے بھی زیادہ فربہ اور موٹا ہونے کے لیے اچھا نسخہ یہ ہے کہ آدمی کے پتے کو تھوڑے سے گیہوں میں ملا کر پانی میں بھگو کر اتنی دیر رکھ دیں کہ گیہوں پھول جائیں۔ پھر اسے کسی کالی مرغی کو سات یوم تک کھلاتے رہیں۔ پھر اس کے بعد وہ تمام عمل کرو جو اس سے پہلے نسخہ میں کئے گئے ہیں تو جو شخص بھی اس مرغی کے گوشت کو کھائے گا تو اتنا موٹا اور فربہ ہو جائے گا کہ وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو جائے گا۔ یہ عمل بھی مجرب ہے۔
- اگر کوئی عورت اپنا دودھ کا سلسلہ ختم کرنا چاہتی ہو تو تھوڑی سی میتھی کو پیس کر پانی سے گوندھ لیں۔ پھر اسے عورت کے پستان میں لگا دیں تو وہ دودھ ان شاء اللہ منقطع ہو جائے گا۔
- اگر کوئی عورت دودھ میں زیادتی کرنا چاہتی ہو تو حنظل کو پیس کر اسے زیتون کے تیل میں ملا دیں۔ پھر کسی اون کے نیلے کپڑے کو ایک لکڑی میں لپیٹ کر زیتون کے تیل میں ڈبو کر اور حنظل لگا کر عورت اپنی پستانوں میں لگا لے تو ان شاء اللہ دودھ ہی دودھ ہو جائے گا۔ یہ عمل بھی آزمودہ اور مجرب ہے۔
- اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے خوب صورت لڑکا پیدا ہو تو ایک خوب صورت لڑکے کی تصویر بنا کر کسی ایسی جگہ لٹکا دے جس کو عورت جماع کے وقت دیکھتی رہے تو یقیناً لڑکا اس تصویر کے اکثر اعضاء میں ہم شکل پیدا ہوگا (یہ نفسیاتی عمل ہے)۔
- حکیم جالینوس نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے داڑھ میں درد ہو رہا ہو تو وہ کسی مردہ انسان کی داڑھ باندھ کر گلے میں لٹکا لے تو داڑھ کا درد جاتا رہے گا۔
- انسان کی داڑھ اور ہدہد[1] کے دائیں بازو کی ہڈی دونوں کو کسی سونے والے والے آدمی کے سر کے نیچے رکھ دیں تو جب تک اس کے نیچے یہ دونوں چیزیں رکھی رہیں گی وہ برابر سوتا رہے گا۔

---

[1] ہدہد۔ یہ دھاری دار مختلف رنگوں میں ایک پرندہ ہوتا ہے۔ اس کے سر میں ایک تاج سا ہوتا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کا پانی کے لیے مہندس تھا۔ زمین کے اندر جس جگہ پانی ہوتا تھا (جس وقت لشکر کو ضرورت پیش آتی تو ہدہد بتا دیتا۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کھدائی کرا کر پانی کو کام میں لاتے) یہ پرندہ نگاہ کا تیز ہوتا ہے اسی لیے عرب اس پرندہ سے مثال بھی دیتے ہیں کہتے ہیں ھو ابصر من ھدھد وہ ہدہد سے زیادہ دور بین ہے۔۱۲ (تاریخ ابن کثیر ص ۲۱ ج ۲، قصص القرآن ص ۱۴۰ ج ۱، المنجد ص ۵۵۷ ج ۱)

○ کچھ کھانے سے قبل انسان کا تھوک کیڑے مکوڑے کے کاٹنے اور ڈسنے میں لگانا بے حد مفید ہے۔ اسی طرح داد اور مسہ وغیرہ میں بھی نفع بخش ہے۔

○ عورتوں کا دودھ شہد میں ملا کر پینے سے پتھری مثانہ میں ٹوٹ جاتی ہے۔

○ اگر کسی کو باؤلے کتے نے کاٹ لیا ہو تو پیشاب لگانا نہایت مفید ہوتا ہے۔

○ بعض اطباء نے لکھا ہے کہ اگر کتے کا کاٹا ہوا آدمی کسی تندرست آدمی کا خون نوش کر لے تو اسی وقت شفایاب ہو جائے گا۔ چنانچہ شاعر نے کہا ہے ؎

احلامکم لسقام الجهل شافية　　كما دماء كم تبرى من الكلب

ترجمہ: ''تمہاری نیندیں مرض جہالت کے لیے شفا بخش ہیں اسی طرح تمہارا خون کتے کے کاٹنے میں نفع بخش ہے۔

○ انسان کے تراشے ہوئے ناخن کو اگر کسی دوسرے کو پیس کر پلا دیں تو وہ محبت کرنے لگے گا۔ کسی بھی زہریلے جانور کے ڈسنے کے وقت پیشاب نوش کرنا مفید ہے۔

○ اگر کسی کے انگوٹھے میں شدید قسم کا درد (نقرس) ہو رہا ہو یا کسی قسم کے درد کی ٹیک یا لہر پیدا ہو گئی ہو تو پیشاب لگانا مفید ہے بلکہ پیروں کے تمام زخموں کے لیے آرام دہ ہے۔ اسی طرح وہ زخم جس میں کیڑے پیدا ہو گئے ہوں تو پرانا پیشاب بہت ہی زیادہ ان تمام شکایات کو دور کر دیتا ہے۔ اسی طرح انسان اور بندر کے کاٹے ہوئے زخموں میں بھی بے حد مفید ہے۔

○ اگر کسی کے خونی زخم ہو تو اس پر پیشاب کر دینے سے خون اسی وقت بند ہو جاتا ہے۔ یہ عمل بھی آزمودہ اور مجرب ہے۔

○ اگر کسی انسان کا پسینہ لے کر غبار الرحا[1] میں ملا دیا جائے پھر اسے ورم شدہ پستانوں میں لگا دیں تو وہ یقیناً اچھا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر منی میں شہد ملا کر خناق (وہ بیماری ہے جس میں سانس لینا مشکل ہوتا ہے) میں لگا دیں تو ان شاء اللہ درست ہو جائے گا۔

○ ولادت کے وقت بچے کا پاخانہ لے کر سکھا کر بطور سرمہ لگائیں تو آنکھ کی سپیدی، پردہ اور اندھیرے (غشاوۃ) کے لیے مفید ہے۔

○ اگر کسی کے پاخانہ بند ہو جانے کی وجہ سے درد پیدا ہو گیا ہو تو یا پیشاب بند ہو گیا یا کسی کو قولنج (آنت کی وہ بیماری کہ اس میں سدہ پڑ جاتا ہے اور شدت کا درد ہوتا ہے) کی شکایت پیدا ہو گئی ہو تو کسی آدمی کے پاخانہ کو ایک چنے کی مقدار لے کر شراب کے سرکہ میں ملا کر ان تمام امراض میں نوش کرایا جائے تو نہایت نفع بخش ہوں گے۔ لیکن اگر پاخانہ گرم ہو تو وہ گھوڑا جسے بدہضمی کی شکایت پیدا ہو گئی ہو اس کے لیے شفا بخش ہے۔ اسی طرح اگر کسی انسان کے کاٹنے پر فوری طور پر لگا دیں تو نہایت راحت بخش ہے۔ اگر کسی کے کان میں کوئی کیڑا داخل ہو گیا ہو تو کسی روزہ دار کا لعاب قطرہ قطرہ ٹپکانے سے وہ کیڑا باہر آ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر روزہ دار کا لعاب چاول کے ساتھ ملا کر بواسیر میں لگا دیں تو ان شاء نجات مل جائے گی۔

○ اگر کسی کو قولنج کی شکایت ہو تو کسی بچے کی تھوڑی سی ناف کاٹ کر انگوٹھی کے نگ کے نیچے رکھ کر پہننے لگے تو ان شاء اللہ وہ قولنج سے محفوظ رہے گا۔

○ امام ابن زہر نے فرمایا ہے کہ قولنج کے لیے دوسرا نسخہ یہ ہے کہ کسی ایسے بچے کے دانت (جو اپنی ماں سے پہلا پیدا ہوا ہے) کو لے کر

---

[1] غبار الرحا اس غبار کو کہتے ہیں جو چکی میں آٹا پیستے وقت دیواروں میں اُڑ کر لگ جاتا ہے۔

چاندی یا سونے کی انگوٹھی کے نگ کے نیچے رکھ دیں بشرطیکہ اس کا نگ بھی چاندی یا سونے کا ہو تو اس انگوٹھی کے پہننے والے کے لیے قولنج سے یقیناً حفاظت ہوگی۔

- اگر کوئی عورت انسان کے بالوں کی دھونی دے لے تو وہ رحم کے ہر قسم کے امراض سے محفوظ رہے گی۔ اگر کوئی عورت پہلا بچہ ہونے کے بعد نفاس کو اپنے تمام بدن میں لگا لے تو جب تک وہ زندہ رہے گی وہ حاملہ نہیں ہوگی۔ اسی طرح پہلے بچے کی ولادت کے بعد زمین میں گرنے سے پہلے کے دانت انگوٹھی کے نگ کے نیچے رکھ دیں۔ پھر اس انگوٹھی کو کوئی عورت پہن لے تو وہ بھی حاملہ نہیں ہو سکتی۔
- عورت کا پسینہ خارش اور کھجلی کے لیے بہت مفید ہے۔
- اگر کسی انسان کے پیشاب کو انگور کی راکھ میں ملا کر کسی زخم پر رکھ دیں جس سے خون بند نہ ہو رہا ہو تو ان شاء اللہ خون اسی وقت بند ہو جائے گا۔
- اگر کسی کے داڑھی نہ آ رہی ہو تو کلونجی اور عیثوم کی راکھ کو کسی زیتون کے پرانے تیل میں ملا کر لگانے سے داڑھی اُگ آتی ہے۔
- اگر کسی کو برص یا جسم میں ظاہری داغوں کی شکایت ہو یا کسی باؤلے کتے نے کاٹ لیا ہو تو حیض کا خون لگانے سے ان تینوں شکایات سے نجات مل جائے گی۔
- امام قزوینی نے لکھا ہے کہ اگر کسی کی نکسیر پھوٹ گئی ہو تو ایک کپڑے کے ٹکڑے میں اسی کا نام اسی کے خون سے لکھ لے پھر اسے اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے رکھ دیں تو نکسیر بند ہو جائے گی۔
- جس وقت بکارت کا خون بہنے لگا ہو تو وہ خون پستانوں میں لگانے سے پستان بڑے نہیں ہوتے۔

بانجھ پن معلوم کرنے کا طریقہ

اطباء کہتے ہیں کہ بانجھ پن معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ لہسن کو ایک روئی کے ٹکڑے میں لے کر عورت اپنی شرمگاہ میں سات گھنٹے رکھے رہے اتنے میں اگر عورت کے منہ سے لہسن کی بو آنے لگے تو اس کا علاج دواؤں کے ذریعے سے کیا جا سکتا ہے۔ علاج کرنے پر ان شاء اللہ وہ عورت حمل کے قابل ہو جائے گی۔ لیکن اگر بو نہ آئے تو اسے لاعلاج سمجھے۔ امام[1] رازیؒ کی تصریح کے مطابق یہ نسخہ آزمودہ اور

---

[1] امام رازیؒ۔ اس نام سے دو شخص مشہور ہوئے ہیں۔ ایک ابوبکر محمد بن زکریا الرازی جن کی ولادت ۸۶۴ء میں اور وفات ۹۳۲ء عیسوی میں ہوئی۔ یہ ایک زبردست طبیب گزرے ہیں۔ ان کو جالینوس عرب اور طبیب المسلمین کہا جاتا تھا۔ ان کی مشہور تصانیف ''برء الساعۃ'' اور ''کتاب الحاوی'' ہے۔ دوسرے ابوعبداللہ محمد بن عمر بن الحسن الرازی فخر الدین لقب سے مشہور ہوئے یہ مقام رے میں پیدا ہوئے۔ یہ اونچے درجے کے فقیہہ، محدث و مفسر تھے۔ جب یہ چلتے تھے تو ان کے پیچھے تین سو فقہا کی جماعت ہوا کرتی تھی۔ یہ ابتداء میں نہایت مفلس تھے۔ بعد میں کسی مال دار گھرانے میں نکاح ہو جانے کی وجہ سے مال دار ہو گئے تھے۔ ان کی وجہ سے فرقہ کرامیہ کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہو گئی تھی۔ بعد میں اسی فرقہ کے عناد کی وجہ سے ان میں سے کسی نے زہر دے دیا تو آپ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انہوں نے ایک زبردست تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب) لکھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اس تفسیر کی تکمیل نہیں کر سکے صرف سورۂ انبیاء تک ہے۔ بعد میں ان کے شاگرد نجم الدین احمد بن قمولی نے تکملہ لکھا۔ سیوطیؒ نے اس تفسیر پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس تفسیر میں سوائے تفسیر کے سب کچھ موجود ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تفسیر بہت سے علوم پر مشتمل ہے جس طرح کہ مسلمانوں کی علمی تاریخ میں شیخ بوعلی سینا فارابی نے فلسفہ ارسطو کے موئد ہونے کی حیثیت سے شہرت عام حاصل کی۔ اسی طرح امام رازیؒ نے فلسفہ ارسطو پر اعتراضات کر کے شہرت حاصل کی۔

شہروزی نے لکھا ہے کہ فخر الدین رازیؒ بحث و مباحثہ و قیل قال کرنے میں انتہائی درجے کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان کے زمانے میں ان کا ہمسر کوئی نہیں تھا۔ انہوں نے حکماء پر بہت سے شبہات وارد کئے اور اس میں شک نہیں کہ بعض شبہات صحیح بھی ہیں۔ ان کی ولادت ۵۴۳ھ مطابق ۱۱۴۹ء وفات ۶۰۶ھ میں مطابق ۱۲۰۹ء کو ہوئی۔

مجرب ہے۔

تعبیر

اگر کوئی انسان خواب میں نظر آئے تو گویا دیکھنے والا حقیقتاً اسی شخص معین ہی کو دیکھتا ہے چاہے مرد کو دیکھے یا عورت کو' دیکھنے والے کا ہم نام ہو' اس کا مشابہ۔ لیکن اگر خواب میں کوئی انجانا نامعلوم شخص نظر آئے تو گویا وہ دشمن ہے۔

خواب میں کسی بوڑھے آدمی کو دیکھنا سعادت اور نیک بختی ہے۔ اس کے علاوہ کبھی کبھی بوڑھے آدمی کو دیکھنے سے دوست سے تعبیر دیتے ہیں۔ اگر کسی نے بوڑھے' نحیف ولاغر آدمی جس میں بڑھاپے کے آثار نمایاں نہ ہوئے ہوں' سپیدی وغیرہ نظر نہ آئے کو دیکھا تو یہ خواب دیکھنے والے کے نصیبہ میں سعادت اور نیک بختی کی ضمانت دیتا ہے۔

اگر کسی نے بچوں کو طفولیت میں دیکھا تو اس کی تعبیر قرآن پاک کی اس آیت کریمہ سے نکالی جائے گی **فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ** (مریم پ ۱۶) ترجمہ: ''پھر حضرت مریم ان کو گود میں لیے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں''۔

خواب میں کسی بالغ آدمی کو دیکھنا خوشخبری اور قوت کی علامت ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں مذکور ہے:

یابشریٰ هذا غلام (سورہ یوسف)

اگر کسی خوب صورت بچے کو خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ وہ کسی ایسے شہر میں داخل ہو رہا ہے جس کا محاصرہ کر لیا گیا ہے یا اس شہر میں داخل ہوا جس میں طاعون یا قحط پڑا ہے تو اس کی یہ تعبیر دی جائے گی کہ اس شہر سے محاصرہ اُٹھا لیا جائے گا یا طاعون وقحط سے شہر والوں کو پناہ مل جائے گی۔

اسی طرح اگر کسی نے یہ دیکھا کہ شہر میں بارش ہو رہی ہے یا زمین سے پانی نکل رہا ہے تو اس کی بھی یہی تعبیر ہوگی کہ شہر کے لوگ مامون ومحفوظ رہیں گے۔ اس طرح شہر میں کسی فرشتہ کا داخل ہونا شہر والوں کے لیے خوشخبری کی علامت ہوتی ہے۔

اگر کسی مریض نے خواب میں دیکھا کہ اسے کسی بے ریش لڑکے نے پکڑ لیا ہے یا دیکھنے والے کی گردن ماردی ہے تو اسے موت کے فرشتے سے تعبیر دی جائے گی۔ اگر کسی نے سُرخ زرد رنگ کا نوجوان دیکھا تو گویا وہ بخیل لالچی دشمن ہے۔ اسی طرح اگر خواب میں کوئی ترکی جوان نظر آئے تو گویا وہ ایسے دشمن کی شکل میں آیا جس سے امان نہیں مل سکتی۔ یعنی وہ نہایت خطرناک ہوگا۔ اگر کسی نے کمزور ولاغر نوجوان کو خواب میں دیکھا تو وہ گویا کمزور دشمن ہے اور گندم گوں نوجوان کو خواب میں دیکھا تو گویا دیکھنے والے کا کوئی مالدار دشمن ہے۔ اسی طرح سفید رنگ کا نوجوان دینی دشمن ہوا کرتا ہے۔

اگر کسی نے عورت کو خواب میں دیکھا (چاہے جانی پہچانی ہو یا نہ ہو) تو گویا وہ دُنیا ہے۔ اگر خواب میں کوئی عورت حسین شکل وصورت میں آتی ہو تو گویا وہ اچھی چیز ہے اور اگر بُری صورت میں آئی ہو تو وہ بُری چیز ہے۔

اگر کسی نے زنا کرنے والی عورت کو خواب میں دیکھا تو گویا وہ خیر وبرکت کا سبب بنے گی۔ اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ معراج کی رات میں میری ملاقات ایک بڑھیا سے ہوئی جس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے تھے تو آپؐ نے اس سے کہا کہ میں نے تجھے تین طلاقیں دیں' تو آپؐ نے عورت سے مراد دُنیا لی تھی۔

اگر کسی نے اندھیری رات کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر کالی رنگ کی عورت سے دی جاتی ہے اور دن کو خواب میں دیکھنے سے خوبصورت عورت سے تعبیر دی جاتی ہے۔

اگر کسی نے یہ دیکھا کہ اس کے سامنے کالی رنگ کی عورت آ کر غائب ہو گئی ہے۔ پھر وہ سفید اور خوبصورت شکل میں آئی تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ تاریکی کافور ہو کر صبح روشن ہو جائے گی۔

اگر کسی نے کسی حاکم کی عورت کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر کالی رنگ کی عورت سے دی جاتی ہے۔ ظالم اور مغرور کی شکل میں آئی ہے یا وہ اہل خانہ میں ظالم بن کر آئے گی یا وہ حرام کی شکل میں آئی ہے۔

اگر کسی عورت نے کسی انجان نوجوان عورت کو خواب میں دیکھا تو گویا وہ اس عورت کی دشمن ہے۔ لیکن اگر کسی عورت نے کسی انجانی بوڑھی عورت کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ دیکھنے والی عورت کا نصیبہ اچھا ہے۔

نیز کبھی کبھی عورت سے تعبیر سال اور برس سے دی جاتی ہے۔ اس لیے کہ اگر کسی نے فربہ اور موٹی عورت کو خواب میں دیکھا تو وہ سال سرسبز و شاداب رہے گا۔ اگر وہ دُبلی ہے تو قحط سالی ہوگی۔ عورت کو سال سے اس لیے تشبیہ دی ہے کہ عورت کو دو چیزوں میں تشبیہ دی جاتی ہے۔ اول تو اس لیے کہ عورت بالکل زمین اور کھیت کی طرح ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

نسائکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم. (سورۃ البقرہ: ع۲۶)

ترجمہ: "تمہاری بیویاں تمہارے لیے بمنزلہ کھیت کے ہیں، سو اپنے کھیت میں جس طرف سے ہو کر چاہو آؤ"

دوسرے یہ کہ جس طرح کہ زمین سے پیداوار ہوتی ہے، اسی طرح عورت بھی بچہ وغیرہ جنم دیتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے زمین یا نقاب پوش عورت کو خواب میں دیکھا تو دیکھنے والا تنگ دستی میں مبتلا ہوگا۔ لیکن اگر کسی عورت کو بے نقاب دیکھا تو گویا وہ دُنیا ہے گراں بار نہیں ہوگی۔

عورتیں دُنیا میں زینت اور آرائش ہوتی ہیں۔ اگر یہ عورتیں خواب میں دیکھنے والے کی طرف متوجہ ہو گئیں تو گویا دُنیا (مال و دولت) متوجہ ہو گئی اور اگر ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئیں تو گویا دُنیا (مال و دولت) متوجہ نہیں ہوگی۔

اگر کسی نے بدشکل آدمی کو خواب میں دیکھا تو گویا وہ سنگین معاملہ کی غمازی کر رہا ہے اور اگر کالے رنگ کا آدمی دیکھا تو دیکھنے والے کو بدقسمتی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

اگر کسی نے انجانا خصی آدمی کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ فرشتہ ہے اور دیکھنے والے سے اس کی شہوات کو دور کرنے آیا ہے۔ اگر کسی نے یہ دیکھا کہ وہ خصی ہو گیا ہے یا وہ خصی کی طرح ہے تو وہ ذلت اور فروتنی کا سبب ہوگا۔

نصرانیوں کا کہنا ہے کہ اگر کسی نے اپنے آپ کو خواب میں یہ دیکھا کہ وہ خصی ہو گیا ہے تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ وہ عبادت میں کوئی عالی مرتبہ حاصل کرے گا یا عفیف و پاک دامنی کی بشارت ہوگی۔

اگر کسی نے دیکھا کہ کسی کے سر میں سے گوشت کھایا یا اس کے بالوں کو ہاتھ میں لے لیا تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ دیکھنے والا کسی مالدار اور غنی آدمی سے مال پائے گا۔

اگر کسی نے خواب میں اپنے چہرے کو بڑے قسم کا دیکھا تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ دیکھنے والا کسی ریاست کا مالک بنایا جائے گا۔ اگر کسی نے یہ دیکھا کہ اس نے اپنی گردن کو جدا کر دیا ہے تو اس کی مختلف تعبیر دی جائے گی۔ اگر خواب دیکھنے والا غلام تھا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اگر رنجیدہ خاطر تھا تو اس کا غم دور ہو جائے گا۔ اگر وہ مریض تھا تو شفا پا جائے گا۔ لیکن اگر وہ کسی کا خادم یا نوکر تھا تو وہ اپنے مالک سے جدا ہو جائے گا۔

اگر کسی نے یہ دیکھا کہ وہ اپنے سر کو پتھر سے کچل رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ عشاء کی نماز سے غافل ہو گیا تھا۔ اگر کسی نے یہ

دیکھا کہ اس کا چہرہ کتے جیسا ہو گیا ہے یا یہ دیکھا کہ گھوڑا' گدھا' اونٹ یا خچر جیسا ہو گیا ہے یا یہ دیکھا کہ اس کا چہرہ ان چوپائے اور مویشی جیسا ہو گیا ہے جو انسانوں کے کام میں مصروف رہتے ہیں بار برداری کرتے ہیں اور ہر قسم کی مشقت اور مصیبت جھیلتے ہیں تو گویا ان خوابوں کا دیکھنے والا مشقت اور پریشانی سے دوچار ہو گا۔ اس لیے کہ یہ تمام جانور مشقت اور تکلیف ہی اُٹھانے والے اور انسانوں کی بار برداری ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اگر کسی نے یہ دیکھا کہ اس کا چہرہ پرندے کی طرح ہو گیا ہے تو اس کی تعبیر یہ دی جائے گی کہ دیکھنے والے کے سفر زیادہ ہوں گے۔ اگر کسی نے خواب میں یہ دیکھا کہ خود اس کے ہاتھ میں آ گیا ہے اور اس کے سر کی جگہ کسی اور کا سر لگا ہوا ہے تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ دیکھنے والا غلط قسم کے کاموں میں اصلاحی کارنامے انجام دے گا۔

اگر کسی نے یہ دیکھا کہ اس نے خواب میں کسی ایسے جانور کا کچا گوشت کھایا ہے جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ اس کی عمر طویل اور دراز ہوگی۔ خواب میں کسی کے چہرے یا سر کا دیکھنا ریاست یا سرداری کی غماز ہوتی ہے۔ نیز کبھی کبھی پونجی اور اصل رقم سے بھی کی جاتی ہے۔ اگر کسی نے ماقبل کی ذکر کی ہوئی چیزوں کو تھوڑی بہت ترمیم نقص یا زیادتی کے ساتھ دیکھا تو اس کی تعبیریں انہیں مذکورہ بالا چیزوں ہی سے نکالی جائیں گی۔ اگر کسی نے یہ دیکھا کہ اس کا چہرہ شیر کی طرح ہو گیا ہے تو دیکھنے والے کے اندر اگر اہلیت ہوگی تو وہ سلطنت یا ریاست ولایت یا عزت وجاہت حاصل کرے گا۔

اگر کسی نے خواب میں یہ دیکھا کہ وہ کسی انسان کا گوشت کھا رہا ہے تو گویا دیکھنے والا اس کی غیبت کیا کرتا ہے۔ اگر کسی نے یہ دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو کھا رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ دیکھنے والا چغل خور ہے۔ بعض معبرین نے یہ لکھا ہے کہ اگر کسی نے خواب میں کچا گوشت کھایا ہو تو اسے مال وغیرہ میں خسارہ اور گھاٹا آئے گا۔ خواب میں پکا ہوا گوشت وغیرہ مال و دولت کی شکل میں آتے ہیں۔

اگر کسی عورت نے یہ خواب دیکھا کہ وہ کسی دوسری عورت کا گوشت کھا رہی ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ آپس میں مباشرت کرتی ہیں۔ لیکن اگر خواب دیکھنے والی عورت خود اپنا ہی گوشت کھا رہی ہو تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ وہ زنا کے کاموں میں ملوث ہے۔

اگر کسی نے خواب میں دبلی گائیوں کا گوشت دیکھا تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ دیکھنے والا بیمار ہو جائے گا۔ خواب میں مختلف اقسام کے گوشت وغیرہ دیکھنا مختلف جانداروں ہی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ چنانچہ سانپ کے گوشت کو دیکھنا دشمن کے مال و دولت سے تعبیر دی جائے گی۔ لیکن اگر کچا دیکھا ہو گا تو غیبت کرنے کی طرف متنبہ کرتا ہے۔ اسی طرح خواب میں کسی درندے کے گوشت کو دیکھنے میں یہ تعبیر نکالی جائے گی کہ دیکھنے والے کو کسی حاکم کی طرف سے مال ملے گا۔ اسی طرح اگر خواب میں خونخوار درندوں یا پرندوں اور خنزیر کے گوشت کا دیکھنا مال حرام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اِنسان الماء

(دریائی انسان) یہ پانی کا انسان (آدمی) بھی اسی (ہمارے جیسے) انسان کا مشابہ ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پانی کے انسان کی دُم بھی ہوتی ہے۔ شیخ قزوینی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ پانی کا آدمی ہمارے بادشاہ مقدر کے زمانہ میں نکل آیا تھا (جیسے کہ ہم نے اپنی کتاب میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ (عجائب المخلوقات)

بعض حکماء نے لکھا ہے کہ دریائے شام میں یہ پانی کا آدمی بعض اوقات اسی (ہمارے جیسے) انسان کی شکل وصورت میں دکھائی دیتا ہے۔ اس کے سفید داڑھی بھی ہوتی ہے۔ لوگ اسے شیخ البحر کہتے تھے۔ چنانچہ جب لوگ اسے دیکھتے تھے تو وہ شادابی وغیرہ کی خوشخبری دیتا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایک پانی کا آدمی بعض بادشاہوں کے دربار میں لایا گیا تو وہ بادشاہ اس آدمی سے ان کے حالات معلوم کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ بادشاہ نے پانی کے آدمی کی شادی ایک عورت سے کردی۔ اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ماں باپ کی گفتگو کو سمجھ لیتا تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے لڑکے سے پوچھا کہ تمہارے ابا جان کیا باتیں کرر ہے ہیں؟ تو اس نے یہ کہا کہ ابا جان کہہ رہے ہیں کہ تمام جانوروں کی دم اس کے پچھلے حصہ میں ہوا کرتی ہے۔ لیکن میں ان لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ ان کے چہروں میں ہوتی ہے۔ (قریب ہی ان شاء اللہ باب باء میں بنات الماء کے عنوان میں تفصیل آجائے گی)

شرعی حکم

حضرت اللیث بن سعد سے دریائی انسانوں کے بارے میں سوال کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ دریائی انسانوں کو کسی بھی حالت میں کھایا نہیں جا سکتا۔

اَلْاَنْقَدَ

(سیہی) نون میں سکون قاف اور دال میں زبر ہے۔ اس کے معانی قنفذ کے ہیں۔

اہل عرب کہتے ہیں فلانٌ بلیل انقد (فلاں آدمی نے سیہی کی طرح رات گزاری) یعنی وہ سویا نہیں۔ اس لیے کہ سیہی پوری رات سوتی نہیں ہے جاگتی رہتی ہے۔ (تفصیل باب قاف میں قنفذ کے عنوان میں آجائے گی)

امام میدانی [1] نے لکھا ہے کہ انقد معرفہ ہے اس میں لام اور الف داخل نہیں ہوتا ہے اور یہ لفظ انقد اسی کے لیے بولیں گے جو رات بھر جاگتا ہو سوتا نہ ہو۔ بعض نے یہ لکھا ہے کہ انقد نقد سے مشتق ہے اس لیے انقد اسے بھی کہہ دیتے ہیں جس کے دانت اور داڑھ میں درد ہو رہا ہو۔ چنانچہ یہ شخص انہیں ہلاتا رہتا ہے جس کی وجہ سے رات بھر نیند نہیں آتی ہے۔

داڑھ کے درد کے لیے عملیات

اگر کسی کی داڑھ میں درد ہو رہا ہو تو مندرجہ ذیل کلمات کو لکھ کر پہن لے تو درد جاتا رہے گا۔ یہ نسخہ بھی مجرب اور آزمودہ ہے۔ کلمات یہ ہیں:

وضرب لنا مثلا و نسی خلقه قال من یحیی العظام وهی رمیم قل یحیها الذی انشأها اول مرة وهو بکل خلق علیم محوصة سمه ولها ولاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم جهکر طکفوم طسم طس طسم حم حم حم حم حم حم امکن ایها الوجع بالذی سکن له فی اللیل والنهار وهوالسمیع العلیم الیقس تقس قسامسقص ان البهر بهر هرا اوراب.

داڑھ کے درد کے لیے دوسرا عمل یہ ہے کہ جس وقت داڑھ میں درد کی ٹیک محسوس ہو تو مندرجہ ذیل حروف (ح ب رص لا و ع م لا) کو

---

[1] ابوالفضل احمد بن محمد میدان نیشاپوری۔ یہ ادیب و مورخ تھے۔ علامہ زمخشری کے معاصر تھے۔ انہوں نے علوم ابوالحسن علی بن احمد واحدی سے حاصل کیے۔ ان کی مشہور تصنیفات میں ''السامی فی الاسامی'' شرعیات، علویات، سفلیات کے موضوع پر اور ''مجمع الامثال'' کتاب میں اہل عرب کی ضرب الامثال جو تقریباً چھ ہزار سے زائد امثال پر مشتمل ہے۔ چنانچہ یہ اخبار عرب اور بعض الامثال ہی کے بڑے عالم سمجھے جاتے ہیں۔ وفات ۱۱۲۴ء مطابق ۵۱۸ھ کو ہوئی۔ اور میدانی یہ میدان کی طرف منسوب ہے جو نیشاپور میں ایک محلّہ کا نام ہے اور یہ میدان زیاد بن عبدالرحمٰن کا تھا (قضاء الادب ص ۱۴۷، ص ۲۱۴)

دیوار پر لکھ کر جس کے درد ہو اس سے یہ کہا جائے کہ تم انگلی اپنی داڑھ میں رکھ لو۔ پھر ایک کیل کو سب سے پہلے حرف میں رکھ کر آہستہ آہستہ دبائی جائے۔ پھر کیل کو دبانے والا لکھتے اور دباتے وقت یہ دُعا پڑھے:

ولوشاء لجعله ساکنا وله ماسکن فی اللیل والنهار وهو السمیع العلیم.

پھر کیل کو دباتے وقت پوچھتا رہے کہ درد ٹھیک ہو گیا۔ اگر یہ کہہ دے کہ ہاں ٹھیک ہو گیا تو پھر کیل کو زور سے دبائے۔ لیکن اگر وہ کہے کہ ٹھیک نہیں ہوا تو پھر کیل دوسرے حرف میں منتقل کرتا رہے۔ یہاں تک کہ تمام حروف ختم ہو جائیں۔ پھر جس حرف پر درد درست ہو جائے گا تو اس حرف میں کیل زور سے دبائے۔ یہ عمل ایسا ہے کہ بارہا تجربہ کیا گیا ہے۔ کسی نہ کسی حرف پر ضرور درد درست ہو جائے گا۔ اور جب تک کیل کو دبائے رکھیں گے درد درست ہو جائے گا اور جب ہٹا لیں گے درد واپس آ جائے گا۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رکھے کہ حا عین اور میم میں کیل کو درمیان حروف میں رکھیں گے بقیہ تمام حروف میں نیچے رکھیں۔ یہ عمل بھی مجرب اور آزمودہ ہے۔

اس مجرب عمل کو بعض علماء کرام نے نظم کر دیا ہے ؎

وللضرس فاکتب فی الدار مفرقا بما جمعه جبر صلاء و عملا

''(یہ کلمات) داڑھ کے درد کے لیے دیوار میں الگ الگ لکھو جیسے روشنائی نے اکٹھا کر دیا ہے (یا یہ ترجمہ لکھا دیا ہے)۔''

ومره علی الوجوع یجعل اصبعا وضع انت مسمارا علی الحرف اولا

''پھر جس شخص کے داڑھ کے درد ہو وہ درد کی جگہ میں انگلی رکھ لے اور تم (بحثیت عامل) سب سے پہلے حرف پر کیل رکھو۔''

ودق خفیفا ثم سله تری به سکونا نعم ان قال بلغه موصلا

ترجمہ: ''پھر اس کیل کو آہستہ آہستہ دباؤ اور یہ بھی پوچھتے جاؤ کہ آرام مل رہا ہے یا نہیں؟ اگر وہ جواب میں کہے ہاں تو اور بھی زور سے دباتے رہو۔''

وان قال لا فنقله ثانی حرفه و فی کل حرف مثل ماقلت فافعلا

''لیکن اگر وہ کہہ دے کہ آرام نہیں ہے تو تم کیل اُٹھا کر دوسرے حرف میں منتقل کرتے رہو۔ پھر ہر حرف میں کیل دبا کر پہلے کی طرح عمل کرتے رہو۔''

وفی سورة الفرقان تقرأ ساکنا کذا ایة الانعام فاتل موتلا

''اس کے بعد سورۂ فرقان کی آیت تلاوت کرو۔ اسی طرح وہ آیت بھی جو سورۂ انعام ہے تلاوت کرو۔''

وتترک ذالمسمار فی الحیط مثبتا هدی الدهر فالاسقام تذهب والبلاء

''اور کیل کی نوک کو دائرہ میں ایک ایک زمانہ تک قاعدے سے دبائے رکھو تو دانت کی بیماریاں اور دیگر تکلیفیں جاتی رہیں گی۔''

فخذها اخی کنذا الدیک مجربا ذخیرة اهل الفضل من خیرة الملا

''تو اے میرے بھائی! یہ نسخہ مجرب ہے اس کو آپ محفوظ رکھیں۔ یہ آپ کے پاس خزانہ کے طور پر رہے گا اور اچھے لوگوں کے لیے ذخیرہ اور توشہ بھی ہے۔''

جس وقت اسامہ بن منقذ نے اپنی داڑھ نکلوادی تھی تو آپ نے اس سلسلے میں حیرت انگیز اشعار کہے ہیں۔ملاحظہ ہو ۔

اصبر اذاناب خطب و انتظر فرجا یاتی به اللّٰه بعد الریب و الیاس

''جب تم کو لیل ونہار کی گردش چنگل میں جکڑے تو اس کی کشادگی کا انتظار کرو۔اللہ تعالیٰ مایوسی اور نا اُمیدی کے بعد کشادگی عطا فرماتا ہے۔''

ان اصطبار ابنة العنقود اذ حبست فی ظلمة القار اداها الی الکاس

''اگر گھنگھور تاریکی میں روکنے کے وقت سیپی صبر کرتی تو اسے بھی جام اُمید حاصل ہو جاتا۔''

یہ اشعار بھی انہی سلسلہ میں ہیں ۔

من یرزق الصبر نال بغیته ولاحظته السعود فی الفلک

''جو شخص صبر وضبط اختیار کرتا ہے وہ اپنے مطلوب کو حاصل کر لیتا ہے اور وہ آسمان میں بلندیاں دیکھنے لگتا ہے۔''

ان اصطبار الزجاج حین بدا للسبک ادناه من فم الملک

''شیشہ ڈھلتے وقت صبر کرتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ بادشاہ کے ہونٹوں سے قریب ہو جاتا ہے۔''

و صاحب لاامل الدهر صحبته یسعی لنفعی و یسعی معی مجتهد

''(یہ داڑھ) یہ ایک ہمارا ایسا ساتھی جس کی صحبت سے زمانے میں کوئی اُمید نہیں کی جاتی حالانکہ وہ میرے نفع رسانی کے لیے ایک کوشش کرنے والے کی طرح جدوجہد کرتا ہے۔''

لم القه مذ تصاحبنا مذوقعت عینی علیه افترقنا فرقة الابد

''جب سے وہ ہمارے ساتھ ہوا ہے میں نے اس سے ملاقات نہیں کی تو جب میری نگاہ ان پر پڑی تو ہم دونوں ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے۔''

اَلاِنکِلَیس

(مار ماہی) (لام اور ہمزہ میں زیر اور زبر دونوں پڑھے جا سکتے ہیں) انکلیس اس مچھلی کو کہتے ہیں جو سانپ کے مانند ہوتی ہے۔اس کی غذا ردی چیزیں ہوا کرتی ہیں۔عربی میں اس کا دوسرا نام الجری ہے (ان شاءاللہ اس نام سے اس کا تذکرہ باب جیم الجری کے عنوان سے آئے گا) اسی مچھلی کو مار ماہی بھی کہتے ہیں (اس کا تذکرہ بھی باب الصاد میں کے عنوان میں آجائے گا) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مچھلی کا تذکرہ اپنی جامع صحیح میں فرمایا ہے۔

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار رضی اللہ عنہ کو بازار بھیجا (تو آپؐ نے تاکید فرمائی) کہ دیکھو مار ماہی مت خریدنا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے مار ماہی سے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے لیکن اس حدیث سے اس کی حرمت کی تصریح نہیں ہوتی۔انکلیس،انقلیس (الف اور لام میں زبر کے ساتھ) بعض نے الف اور لام دونوں میں زیر پڑھنا نقل کیا ہے۔

امام زمخشریؒ نے کہا ہے کہ بعض ارباب لغت نے انکلیس کا دوسرا نام شلق (نرم کانٹوں والی مچھلی) بتایا ہے۔ ابن سیدہ نے کہا ہے کہ انکلیس اس مچھلی کو کہتے ہیں جس کی شکل وصورت تو عام مچھلیوں کی طرح ہوتی ہے لیکن فرق صرف یہ ہے کہ اس مچھلی کے دم کے پاس مینڈک کی طرح دو پیر ہوتے ہیں۔ لیکن ہاتھ نہیں ہوتے۔ اکثر یہ مچھلی بصرہ کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے۔

الانن

(دونوں نون ہیں اور الف میں پیش ہے) الانن اس پرندے کو کہتے ہیں جو ہلکے رنگ کا ہوتا ہے۔ نیز اس پرندے کے دبسی طوق کی طرح ایک طوق بھی دکھائی دیتا ہے۔ اس کے دونوں پیر سُرخ اور منقار کبوتری کی طرح ہوتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس پرندے کی منقار سیاہ رنگ کی ہوتی ہے۔ یہ اپنی آواز کراہنے کی طرح اوہ اوہ نکالتا رہتا ہے۔ (حکاہ فی المحکم)

الانیس[1]

(آبی پرندہ) اس پرندہ کو تیر انداز الانیسۃ کہتے ہیں۔ الانیس اس پرندہ کو کہتے ہیں جس کی نگاہ تیز اور آواز اونٹ کی طرح ہوتی ہے۔ اس کا رہن سہن دریائی علاقوں میں ہوتا ہے جہاں پانی کے ساتھ ساتھ درخت بھی کثرت سے ہوتے ہیں۔ اس پرندہ کا رنگ خوبصورت اور دلکش ہوتا ہے۔ اس پرندے کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے لیے معاش کی تیاری بہت اچھی قسم سے کرتا ہے۔

ارسطو نے لکھا ہے کہ یہ پرندہ شرقراق [2] اور کوے سے مل کر پیدا ہوتا ہے۔ اس کا رنگ کھلا اور نکھرا ہوا رہتا ہے۔ نیز یہ پرندہ انسانوں سے انس اور محبت رکھتا ہے۔ اس پرندے کے اندر ادب وتربیت قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ اس پرندے کی آواز عجیب قسم کی معلوم ہوتی ہے اور کبھی کبھی تو قمری [3] کی طرح عمدہ قسم کی آواز نکالتا ہے اور یہ کبھی کبھی ہکلا کر گھوڑے کی طرح ہنہنا کر آواز نکالتا ہے۔ یہ پرندہ اپنے کھانے میں گوشت اور میوہ وغیرہ استعمال کرتا ہے۔ زیادہ تر یہ رہنے کے لیے وہ جگہ پسند کرتا ہے جہاں پانی کے ساتھ ساتھ گھنے درخت بھی ہوتے ہیں۔

شرعی حکم

یہ پرندہ پاکیزہ اور طیبات میں سے ہونے کی وجہ سے حلال قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس میں حرام ہونے کی شق بھی نکالی جاسکتی ہے اس لیے کہ وہ گوشت کھاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کوا اور شرقراق کے ملنے سے پیدا ہوتا ہے۔

---

[1] الانیس۔ یہ ایک آبی پرندہ ہوتا ہے جس کی آواز گائے کی آواز سے مشابہ ہوتی ہے۔ نیز اس کا ایک معنی مرغ بھی کیا گیا ہے (مصباح اللغات)

[2] شرقراق۔ یہ ایک چھوٹا سا پرندہ ہوتا ہے جس کو اخیل بھی کہتے ہیں۔ عوام اس کو شقرق کہنے لگے ہیں۔ (مصباح اللغات)

[3] قمری فاختہ کے مانند ایک مشہور پرندہ ہے۔

الانوق (عقاب)

انوق فعول الرخمہ [1] کے وزن پر ہے۔ایک ہلکے کالے رنگ کا پرندہ ہوتا ہے جس کے سر میں چوٹی سی ہوتی ہے۔یا وہ پرندہ ہے جس کی چونچ زرد رنگ کی ہوتی ہے اور اس کے سر میں بال بالکل نہیں ہوتے۔

بعض حکماء نے لکھا ہے کہ اس پرندے کی چار عادتیں قابل تحسین ہوتی ہیں۔وہ اپنے انڈوں کی پرورش' بچوں کی حفاظت و تربیت کرتی ہے۔بچوں سے الفت و محبت کا ثبوت دیتی ہے۔سب سے خاص بات یہ ہے کہ وہ اپنے زوج کے علاوہ کسی اور کو جفتی کرنے کی قدرت نہیں دیتی۔

امثال

اہل عرب کہتے ہیں **ابعد من بیض الانوق** (عقاب کے انڈوں سے بھی زیادہ دور) **ھو اغرمن بیض الانوق**۔شکرہ کے انڈوں سے زیادہ نایاب۔یہ دونوں مثل اس چیز کے لیے بولتے ہیں جس کا حصول محال اور ناممکن ہو اس لیے کہ مشہور ہے کہ شکرہ یا عقاب کے انڈوں تک رسائی نہیں ہوتی۔کیونکہ وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور دشوار گزار گھاٹیوں میں انڈے دیتا ہے۔

ان تمام چیزوں کے باوجود بے وقوف ہوتا ہے۔چنانچہ عربی شاعر نے کہا ہے ؎

وذات اسمین والالوان شتی و تحمق وھی کیسة الحویل

''نام اس کے دو ہیں رنگ اس کا مختلف ہے اور وہ لکی ہوئی تھیلی کی طرح احمق ہوتا ہے۔''

ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے ؎

وکنت اذا استودعت سرا کتمته کبیض انوق لاینال لھا و کر

''اور جس وقت میں کسی بھید کو بطور امانت رکھتا ہوں تو ظاہر نہیں ہونے دیتا' جس طرح کہ عقاب کے انڈے حاصل کرنے کے لیے اس کے گھونسلے تک رسائی نہیں ہوسکتی۔''

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے یہ فرمائش کی کہ آپ اپنی والدہ ہندہ سے میری شادی کرا دیجئے تو آپ نے فرمایا کہ بھائی میری والدہ تو اب بانجھ ہوگئی ہیں انہیں نکاح وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔تو اس آدمی نے کہا کہ اگر آپ میری شادی نہیں کرتے تو اس کے بدلے میں آپ مجھے فلاں خطے کا والی بنا دیجئے۔تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

طلب الابلق العقوق فلما اعجزته اراد بیض الانوق

ترجمہ: ''اس نے نر وانٹ کو گابھن کرنا چاہا جو ناممکن تھا گویا کہ وہ عقاب کے انڈوں کی تلاش میں رہا۔''

علماء امثال نے لکھا ہے کہ اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ گویا اس آدمی نے ایسی چیز کی فرمائش کی جس کے حصول کی فرمائش کی جاسکتی ہے۔لیکن یہ چیز بھی باوجود امکان کے ناقابل حصول ہے۔

امام دمیریؒ فرماتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمائشی واقعہ غلط منسوب ہے اس لیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ

[1] الرخم گدھ اس کا واحد رخمۃ ہے

محترمہ کا انتقال ۱۴ھ اس سال میں ہوا جس سال کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کا انتقال کا حادثہ پیش آیا تھا۔اس لیے جہاں تک اس ضرب المثل کا تعلق ہے تو اس کہاوت کا پس منظروہ صحیح معلوم ہوتا ہے جس کا مؤرخ ابن الاثیرؒ نے النہایہ میں نقل فرمایا ہے۔

اور وہ واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک صاحب نے یہ گزارش کی کہ حضور والا آپ میرا حصہ متعین فرما دیجئے تو آپ نے فرمایا کہ بہت اچھا ٹھیک ہے۔پھر اس نے کہا کہ میرے لڑکے کے لیے بھی خیال رکھیے گا۔تو آپ نے فرمایا بالکل نہیں۔ پھر اس آدمی نے یہ کہا کہ میرے خاندان والوں کا بھی ہونا چاہیے تو پھر آپ نے وہی جواب دیا کہ ایسا بالکل نہیں ہوسکتا۔اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بطور مثل اور کہاوت کے ایک شاعر کا یہ شعر پڑھا۔

طلب الابلق العقوق فلما　　اعجزته اراد بیض الانوق

ترجمہ: ''اس نے اونٹ کو گابھن کرنا چاہا لیکن جب اس سے یہ نہ ہوسکا تو پھر وہ عقاب کے انڈوں کا متاشی ہوگیا۔''

العقوق حاملہ اونٹنی کو کہتے ہیں **ابلق** نر اونٹ کو کہتے ہیں اور نر کہیں حاملہ نہیں ہوتا' تو گویا آپ نے فرمایا کہ اس نے حاملہ نر کی فرمائش کی (گابھن اونٹ کی فرمائش)۔

رہا بیض الانوق (عقاب کے انڈے) یہ مثل نا قابل حصول اور محال چیز کی فرمائش کے موقع پر استعمال کی جاتی ہے۔امام سہیلیؒ نے اوائل الروض میں تحریر فرمایا ہے الانوق مادہ عقاب کو کہتے ہیں۔ چنانچہ بطور ضرب المثل ارادبیض الانوق (فلاں نے عقاب کے انڈے تلاش کیے) یہ اس چیز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس کا حصول ناممکن ہو اس لیے کہ عقاب پہاڑ کی چوٹیوں میں ایسی جگہ انڈے دیتا ہے جہاں سے انہیں حاصل نہیں کیا جاسکتا۔اور اس کو ابوالعباس المبرد[1] نے الکامل میں ذکر کیا ہے۔

لیکن امام سہیلیؒ نے اس قول پر بے اطمینانی کا اظہار کرتے ہوئے امام خلیل[2] نحوی کا قول بھی نقل کیا ہے کہ خلیل نحوی فرماتے ہیں **الانوق** نر عقاب کو کہتے ہیں اور یہی معانی زیادہ قرین قیاس بھی ہیں۔اس لیے کہ نر کبھی انڈے نہیں دیتا۔لہٰذا جو شخص عقاب کے انڈے کا متلاشی ہوتا ہے گویا کہ وہ نا قابل حصول اور محال چیز کے حاصل کرنے میں وقت صرف کرتا ہے تو یہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے کہ کوئی شخص حاملہ نر یعنی گابھن اونٹ کے حصول کا ارادہ کر رہا ہو۔

امام[3] قالیؒ نے لکھا ہے کہ الانوق کا استعمال عقاب کے نر اور مادہ دونوں جنس پر ہوتا ہے۔(امالی اور انوق کا شرعی حکم ان شاء اللہ

---

[1] ''مبردؔ'' ابوالعباس محمد بن یزید بن عبدالاکبر ثمالی معروف بالمبرد نحو اور لغت عرب کے امام تھے۔انہوں نے علوم ابوعمر حرمی مازنی ابوحاتم بجستانی وغیرہ سے حاصل کیے۔ان کے شاگردوں میں صولی نفطویہ' طوماری زیادہ مشہور ہیں۔مبرد ابوعباس ثعلب کے معاصر تھے۔نیز بعض کہتے ہیں کہ ان کا علم سیبویہ سے اچھا تھا۔ولادت ۲۱۰ھ وفات ۲۸۵ھ میں ہوئی۔

[2] خلیل بن احمد البصری۔یہ علم وزہد وادب کے امام تھے۔اسی کے ساتھ ساتھ صحیح قیاس تعلیل و مسائل نحو میں حرف آخر تھے۔ان کے شاگردوں میں سیبویہ' نضر بن شمیل' سدوسی' علی جھضمی وغیرہ ہیں۔نیز یہ فن عروض کے بھی موجد تھے۔چنانچہ انہوں نے مشہور بحروں کے علاوہ مزید بحروں کا بھی اضافہ کیا ہے۔اور یہ اس لیے فائق و موجد تھے کہ انہوں نے اللہ سے دعا کی تھی مجھے ایسا علم دے جو کسی کو نہ ملا ہو۔وفات ۱۶۰ھ میں ہوئی

[3] اسماعیل القالی البغدادی۔ان کی ولادت ۲۹۰ھ منازجرد (ارمینیا) اور قرطبہ (اندلس) میں وفات ۳۵۶ھ میں ہوئی۔ان کا شمار علمائے لغت میں ہوتا ہے۔ ان کی تعلیم بغداد اور قرطبہ میں ہوئی۔

باب راء میں الرحمتہ کے عنوان سے آئے گا)۔

امام سہیلیؒ کا پورا نام اس طرح ہے۔عبدالرحمٰن بن محمد السہیلی الخثعمی ۔آپ نہایت مشہور امام اور جلیل القدر عالم گزرے ہیں۔امام ابوالخطاب ابن وحیہ فرماتے ہیں کہ مجھے امام سہیلیؒ نے چند اشعار سنائے ہیں۔آپ نے مزید فرمایا ہے کہ ان اشعار کے واسطے سے کسی نے بھی اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی ہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اس کی دُعا ضرور قبول کی ہے۔اور جو اس نے مانگا ہے اللہ پاک نے اسے ضرور عنایت فرمایا ہے۔

اور یہی تاثیران اشعار کی بھی ہے:

یامن یری ما فی الضمیر ویسمع انت المعد لکل مایتوقع

''اے وہ ذات جو کہ باتوں کو دیکھتا اور سنتا ہے تو ہی وہ ہستی ہے جو کہ امیدوار چیزوں کو مہیا کر سکتا ہے۔''

یامن یرجی للشدائد کلھا یامن الیہ المشتکی و المفزع

''اے وہ ذات جس سے مصیبت وآلام میں امید باندھی جاتی ہے اے وہ ذات جس کے دربار میں خوف زدہ اور پریشان حال پناہ لیتے ہیں۔''

یا من حزائن رزقہ فی قول کن امنن فان الخیر عندک اجمع

''اے وہ ذات جس کے قول کن (ہوجا) میں رزق کے خزانے موجود ہیں آپ احسان کا معاملہ فرمایئے اس لیے کہ تمام بھلائیاں آپ ہی کے پاس ہیں۔''

مالی سوی فقری الیک وسیلۃ فبالافتقار الیک ایدی ارفع

''میرے پاس سوائے فقر وفاقہ کے آپ کی خدمت کے لیے کوئی وسیلہ نہیں۔بس میں آپ کے محتاج ہونے کی وجہ سے تیری بارگاہ میں ہاتھ اٹھاتا ہوں۔''

مالی سویٰ قرعی لبابک حیلۃ فلئن رددت فای باب اقرع

''میرے پاس سوائے آپ کے دربار کے کھٹکھٹانے کے کوئی بھی حیلہ نہیں ہے۔اگر آپ نے مجھے لوٹا دیا تو پھر کس کے دربار میں آواز لگاؤں گا۔

ومن الذی ادعو واھتف باسمہ ان کان فضلک عن فقیرک یمنع

''کس کا نام لے کر میں پکاروں اور آواز دوں۔اگر تیرا فضل تیرے اس محتاج سے روک لیا جائے۔''

حاشا لجودک ان تقنط عاصیا فالفضل اجزل و المواھب اوسع

''آپ کے جودوسخا سے یہ بات بعید ہے کہ کسی گنہگار کو مایوس کردے۔تیرا فضل وکرم بہت ہے اور تیری عطا وسیع تر ہے۔''

اِلاَوَزۃ

(بڑی بطخ یا مرغابی (الف میں زیر واؤ میں زبر ہے) اوزۃ مرغابی[1] یا بڑی بطخ کو کہتے ہیں۔ واحد کے لیے اوزۃ اور جمع واو نون کے ساتھ اوزون آتی ہے۔ تعارف کراتے ہوئے ابونواس نے کہا ہے ؎

کانما یصنون من ملاعق صرصرة الاقلام فی المهارق

''گویا بط چمچوں سے سیٹی بجاتی ہیں۔ بے آب و گیاہ میدانوں میں تیز و تند قلم ہیں۔''

ابونواس

ابونواس عہد عباسیہ میں ایک زبردست بالغ نظر شاعر گزرا ہے۔ اس کے متعلق حیرت انگیز واقعات اور دلچسپ پہیلیاں مشہور ہیں۔ نیز اس نے خمریات پر اچھے اشعار بھی کہے ہیں۔ نام الحسن بن ہانی بن عبد الاول۔ مورخ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ المامون نے لکھا ہے ابونواس نے اس دُنیا کے بارے میں ایسے عجیب و غریب اشعار کہے ہیں کہ خود دُنیا بھی نہیں کہہ سکتی۔ چنانچہ اس کے دو شعر یہ ہیں ؎

الا کل حی هالک و ابن هالک و ذونسب فی الهالکین عریق

''یاد رکھو ہر جاندار فنا ہونے والا اور مرنے والے کا بیٹا ہے اور حسب و نسب والے مرنے والوں میں زیادہ باعزت ہیں۔''

اذا امتحن الدنیا لبیب تکشفت له عن عدو فی ثیاب صدیق

''جب کوئی دانشور دُنیا کو آزماتا ہے تو اس کے نزدیک دوست نما دشمن کی حقیقت کھل جاتی ہے۔''

المامون یہ بھی کہتے ہیں کہ جس نے پُر معانی اور انوکھے قسم کے اشعار کہے ہوں وہ ابونواس کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے۔ یہ بھی غور کیجئے کہ ابونواس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کتنا اچھا گمان رکھتا ہے۔ نمونے کے طور پر اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

تکثر ما استطعت من الخطایا فانک بالغ ربا غفورا

''تو جی بھر کو خوب گناہ کئے جا اس لیے کہ تو پالنہار بخشش کرنے والے کے یہاں پہنچنے والا ہے۔''

ستبصر ان وردت علیه عفوا وتلقی سیدا ملکا کبیرا

''اگر تو ان کے دربار میں پہنچا تو جلد ہی عفو و کرم کا مشاہدہ کر لے گا اور شہنشاہ آقائے معظم سے ملاقات کر لے گا۔''

تعض ندامة کفیک مما ترکت مخافة النار الشرورا

''اپنی ہتھیلیوں کو ندامت سے ملے گا ان برائیوں کی وجہ سے جن کو تو نے جہنم کے خوف سے چھوڑ دیا ہے۔''

محمد بن نافع نے لکھا ہے کہ میں نے ابونواس کے انتقال کے بعد انہیں خواب میں دیکھا تو میں نے آواز دی ''ابونواس!'' انہوں نے کہا کہ یہ کنیت سے پکارنے کا وقت نہیں ہے۔ میں نے کہا اچھا اے الحسن بن ہانی۔ انہوں نے کہا جی ہاں بولیے۔ میں نے پوچھا اللہ جل

---

[1] البحر الوسیط میں اوزۃ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ بط سے جثہ میں بڑی اور اس کی گردن لمبی ہوتی ہے۔ المنجد میں اوزۃ کا اطلاق بط اور مرغابی دونوں پر کیا گیا ہے اور بط اور بطخ یہ دونوں ہم معنی لفظ ہیں کہیں بطخ بولتے ہیں اور کہیں بط۔ ۱۲

شانہٗ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ خداوند قدوس نے میری ان اشعار کی وجہ سے مغفرت فرمادی جو میں نے مرنے سے قبل نظم کئے تھے اور وہ اشعار میرے تکیہ کے نیچے رکھے ہوئے ہیں۔

محمد بن نافع کہتے ہیں کہ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو براہ راست ان کے گھر آیا اور ان کے گھر والوں سے پوچھا کہ بھائی ابونواس نے کچھ اشعار مرنے سے قبل قلم بند کئے تھے وہ کہاں ہیں؟ گھر والوں نے کہا کہ ہمیں اس کا علم نہیں۔ ہاں اتنا یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے اس وقت قلم اور کاغذ منگوایا تھا اور کچھ لکھا تھا لیکن وہ پرزہ کہاں ہے ہمیں معلوم نہیں ہے۔

محمد بن نافع کہتے ہیں کہ یہ سب معلومات کرنے کے بعد میں گھر میں داخل ہوا اور ان کا تکیہ اُٹھا کر دیکھا تو ایک کاغذ کے ٹکڑے پر مندرجہ ذیل اشعار لکھے ہوئے تھے:۔

یا رب ان عظمت ذنوبی کثرۃ فلقد علمت بان عفوک اعظم

''اے پروردگار! اگر میرے گناہ زیادہ ہیں تو مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تیرا دامن عفووسیع تر ہے۔''

ان کان لا یرجوک الا محسن فمن ذالذی یدعو و یرجوا المجرم

''اگر آپ سے صرف نیکوکاری اُمید رکھیں تو پھر وہ کون ذات ہے جس سے مجرمین اُمید رکھ کر دُعا کریں۔''

ادعو رب کما امرت تضرعا فاذا رددت یدی فمن ذایرحم

''پروردگار تیرے حکم کے مطابق تضرع وزاری سے دُعا مانگتا ہوں اگر تو مجھے جھڑک دے گا تو کون مہربانی کرے گا۔''

مالی الیک و سیلۃ الا الرجا و جمیل عفوک ثم انی مسلم

''آپ تک پہنچنے کے لیے میرے پاس سوائے اُمید ودرگزر کے کوئی واسطہ نہیں ہے اس کے بعد پھر میں سرنگوں ہوں۔''

ابونواس سے ان کے نسب نامے کے بارے میں سوال کیا گیا تو کہا کہ میرا ادب میرے نسب سے بالاتر ہے۔ انتقال ۱۹۴ھ میں ہوا۔

بڑی بطخ کی خصوصیات

بطخ اچھی طرح تیرنا جانتی ہے۔ بچے انڈوں سے نکلتے ہی تیرنے لگتے ہیں۔ جس وقت یہ انڈے سیتی ہے تو اس کا نر چشم زدن کے لیے بھی جدا نہیں ہوتا۔ بچے انڈوں سے آخر ماہ تک نکل آتے ہیں۔

بطخ کا عجیب واقعہ

حسن بن کثیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں (ان کے والد نے حضرت علیؓ کا دور دیکھا ہے) کہ ایک دن حضرت علیؓ نماز فجر کے لیے تشریف لا رہے تھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے ایک بطخ اپنے چہرے پر تھپڑ مار رہی ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ اسے اس کی حالت پر چھوڑ دو اس لیے کہ یہ نوحہ کر رہی ہے۔ بس آپ آگے بڑھے ہی تھے کہ ابن ملجم نے آپ پر وار کر دیا۔ والد محترم کہتے ہیں کہ اتنے میں میں نے آپ سے کہا کہ اے امیر المؤمنین! ہمیں اور اس مرادی کو چھوڑ دیجئے، نمٹ لیں گے (ابن ملجم کا تعلق قبیلہ بنو مراد[1] سے تھا) آپ سامنے نہ

---

[1] بنو مراد: یہ قبیلہ یمن میں تھا۔

آ یئے۔ **فلا تقوم لهم ثاغية و لا لاغية ابداً**۔ان کے لیے کبھی نہ کوئی بکری کھڑی ہوگی اور نہ اونٹنی (یعنی ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا)۔

آپ نے فرمایا کہ نہیں یہ ارادہ مت کرو ہاں تم ایسا کرو کہ اسے قید کرلو۔ اگر میں مر گیا تو تم اسے قتل کر دینا اور اگر زندہ رہوں **فالجروح قصاص** (ترجمہ) زخموں کا بدلہ ان کے برابر ہے۔(رواہ احمد فی المناقب)

خارجیوں کا مشورہ اور حضرت علیؓ کی شہادت

مورخ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ایک دن چند خوارج جمع ہوکر اصحاب نہروان کے بارے میں گفتگو کرنے لگے کہ اب ہم ان کے قتل ہو جانے کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن ملجم' البرک بن عبداللہ' عمرو بن بکر التمیمی نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ ایک ہی تاریخ میں حضرت علی اور حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہم) کو قتل کر دیا جائے چنانچہ عبدالرحمٰن بن ملجم کم بخت نے یہ کہا کہ میں تو علیؓ کے لیے کافی ہوں۔تنہا کام تمام کر دوں گا۔البرک بن عبداللہ نے کہا اور میں اکیلے معاویہؓ کے لیے کافی رہوں گا۔عمرو بن بکر نے کہا ہاں میں بھی عمرو بن عاص سے تنہا نمٹ لوں گا۔ پھر ان تینوں نے اپنی اپنی تلواریں اُٹھائیں اور ۱۳ رمضان المبارک کو بیک وقت حملہ کر دینے کا عزم کیا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن ملجم اسی ارادے سے کوفہ آیا۔اچانک قطام نامی ایک عورت سے ملاقات ہوگئی جس کے باپ اور بھائی یوم النہروان میں حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارے گئے تھے اس نے اس عورت سے کہا کہ میں تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ عورت نے جواب دیا کہ ہاں میں تم سے چند شرطوں کے ساتھ نکاح کر سکتی ہوں۔اس نے کہا بطور مہر تین ہزار درہم، ایک غلام خدمت کے لیے چھوٹا سا لڑکا اور علی کا قتل۔ یہ میری شرطیں ہیں اگر منظور ہیں تو میں راضی ہوں ورنہ نہیں۔

ابن ملجم نے کہا میں علیؓ کو تنہا کیسے قتل کر سکتا ہوں اتنا طاقتور تو ہوں نہیں۔عورت نے کہا اچھا دھوکے سے مار ڈالو۔اگر تو نے انہیں قتل کر دیا اور تو بچ گیا تو عوام کو ان کے شر سے آرام پہنچائے گا اور تو اپنے اہل وعیال کے ساتھ زندگی گزارے گا اور اگر تو مارا گیا تو جنت میں جائے گا اور ایسی جگہ پائے گا جہاں کی نعمتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں اور تجھے بھی ایسی جگہ کا خواہش مند ہونا چاہیے۔

اتنے میں ابن ملجم نے کہا میں تو کوفہ ان کے قتل کرنے ہی کی غرض سے آیا ہوں۔ یہ سن کر ابن ملجم قتل کے ارادے سے دروازے کے سامنے آڑ میں بیٹھ گیا جہاں سے آپؓ نماز پڑھنے کے لیے تشریف لاتے تھے۔ چنانچہ جب آپ نماز فجر کے لیے آنے لگے تو اس نے موقع پا کر حضرت علیؓ پر وار کیا تو حضرت علیؓ نے کہا: رب کعبہ کی قسم! میں تو کامیاب ہوگیا تم لوگ اس کو پکڑ لینا۔ یہ سن کر ابن ملجم نے لوگوں پر حملہ کیا۔لوگوں نے اسے چھوڑ دیا۔اتنے میں المغیرۃ بن نوفل بن الحرث بن عبدالمطلب نے ایک چھوردار چادر لگا کر اسے پکڑ لیا اور زمین پر گرا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔

اہل علم لکھتے ہیں اس حادثہ کے بعد حضرت علیؓ دو دن جمعہ و شنبہ تک زندہ رہے۔اس کے بعد جان کو جان آفریں کے سپرد کر دیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بعد میں حسن بن علیؓ نے ابن ملجم کو قتل کر دیا۔لوگوں کو جب معلوم ہوا تو جمع ہو گئے اور اس کے لاشہ کو خاکستر کر دیا گیا۔

دوسرا خارجی البرک بن عبداللہ بھی اپنے مشن پر گیا۔اس نے معاویہؓ پر حملہ کیا لیکن کاری ضرب نہیں لگ سکی۔ان کی سرین میں بھالا مارا۔حضرت معاویہؓ کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کے سرین بڑے بڑے تھے جس کی وجہ سے ان کی عرق النکاح کٹ گئی جس کا اثر یہ پڑا کہ اس کے بعد کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔ جس وقت قاتل البرک بن عبداللہ کو گرفتار کرلیا گیا تو اس سے یہ کہہ دیا گیا کہ تمہارے لیے امان اور خوشخبری کا پیغام ہے۔ بالکل اسی رات حضرت علیؓ پر بھی وار کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ یہ بھی خبر موصول ہوگئی۔

حضرت معاویہؓ نے تو اپنے قاتل کا ہاتھ اور پیر کاٹ کر چھوڑ دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ بصرہ کے علاقے میں چلا گیا اور وہیں زندگی گزارتا رہا۔ کچھ دن کے بعد زیاد بن ابیہ (جو معاویہؓ کے زمانے میں عراق میں ان کے نائب تھے) کو پتہ چلا کہ اس قاتل کے اولاد پیدا ہوئی ہے تو اسے قتل کر دیا اور کہا کہ اس کم بخت قاتل کے اولاد ہو اور امیر المؤمنین معاویہؓ کے اولاد نہ ہو یہ کیسے برداشت کر سکتا ہوں۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ نے اس بات پر زیاد بن ابیہ کے لیے ایک حویلی بنانے کا حکم دیا۔ (اگر چہ یہ روایت قابل اعتبار معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن من حیث الترجمہ ذکر کی گئی ہے)

تیسرا خارجی عمرو بن بکر التمیمی حضرت عمرو بن عاصؓ کے گھات میں تھا ہی لیکن اتفاق یہ ہوا کہ اُس دن ان کے پیٹ میں درد پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے نماز پڑھانے کے لیے مسجد تشریف نہیں لائے۔ ان کی بجائے قبیلہ بنوسہم کے ایک آدمی خارجہ نے امامت کی۔ عمرو بن بکر نے ان پر ایک زبردست وار کیا جس سے وہ جاں بحق ہو گئے۔ قاتل عمرو بن بکر کو گرفتار کر لیا گیا۔ جب اسے حضرت عمرو بن عاص کے پاس پکڑ کر حاضر کیا گیا تو اس قاتل سے ان لوگوں نے سوال کیا جو کہ حضرت عمرو بن عاص کی خدمت میں خلافت کے عنوان پر گفتگو کر رہے تھے۔

سوال یہ کیا کہ کیا تم نے حضرت عمرو بن عاص کو قتل کر دیا؟ تو اس نے کہا نہیں' بلکہ میں نے خارجہ نامی آدمی کو قتل کیا ہے۔ اتنے میں حضرت عمرو بن عاصؓ نے فرمایا کہ تم نے تو عمرو بن عاص کا ارادہ کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے خارجہ کا ارادہ کیا تھا۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ نے اسے قتل کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ جس وقت حضرت علیؓ عبدالرحمٰن بن ملجم قاتل کو دیکھتے تو آپ عمرو بن معدی کرب بن قیس بن مکشوح المرادی کے اس شعر سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ۔

اريد حياته و يريد قتلي غديرک من خليلک من مراد

''میں اس کی زندگی چاہتا ہوں اور یہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تمہارا غدار دوست قبیلہ مراد کا ہے۔''

بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے پھر یہ کہا گیا کہ آپ کے اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ابن ملجم کو جانتے تھے اور اس کے ارادے سے بھی واقف تھے تو آپ نے پہلے ہی کیوں نہ اسے قتل کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنے قاتل کو کیسے قتل کر دیتا حالانکہ میری شہادت اسی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تھی۔ جس وقت ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس حضرت علیؓ کی شہادت کی اطلاع ملی تو یہ شعر پڑھا ۔

فالقت عصاها و استقربها النوى كما قرعينا بالاياب المسافر

''اس نے تھک کر اپنی لاٹھی ٹیک دی ہے اور فراق اس کی طبیعت میں جاگزین ہو گیا۔ جس طرح کہ مسافر واپس آ کر سکون کی سانس لیتا ہے۔''

حضرت علیؓ کی مرقد مبارک

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ پہلے امام پیشوا' امیر المؤمنین ہیں جن کی قبر لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہے۔ بعض اہل علم لکھتے ہیں کہ آپؓ نے اپنی قبر کے پوشیدہ رکھنے کے بارے میں وصیت کی تھی اس لیے کہ آپ نے بھانپ لیا تھا کہ خلافت خاندان بنوامیہ میں چلی جائے گی۔ آپ کو ان لوگوں کی طرف سے اطمینان نہیں تھا کہ وہ آپ کی نعش کو مثلہ بنا دیں گے۔ آپ کی قبر کے جائے وقوع کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ آخر کہاں ہے؟ بعض نے بتایا ہے کہ وہ جامع مسجد کوفہ کے کسی گوشہ میں ہے۔ کچھ نے یہ کہا کہ وہ قصر الامارۃ میں ہے اور

کسی نے بقیع قبرستان میں تذکرہ کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات عقل کو نہیں لگتی۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ آپ کی قبر نجف میں ہے۔ وہ آج کل زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

اس اُمت محمدیہ کے تشتت وانتشار کوان میں امیر وخلیفہ بنا کر یکجا کر دیا گیا ہے اور بکھرے ہوئے شیرازے کو متحد کرنے کی بہترین تدبیر کی گئی ہے۔ اگرچہ بعض ناسازگار حالات کی وجہ سے بعض خلفاء کو معزول کرنے کی نوبت بھی آئی۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ خلافت کے سلسلہ میں تھوڑی سی روشنی ڈال دی جائے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس اُمت کا ہر چھٹا خلیفہ تخت سے اُتار دیا گیا ہے اس لیے تمام خلفاء کے مختصر حالات زندگی پیدائش سے لے کر وفات تک ایام کارکردگی ایام خلافت یا معزول ہونے کے اسباب بیان کیے جاتے ہیں۔

سیرت تاجدار دو عالم ﷺ

اس اُمت کی رہنمائی کے لیے سب سے پہلے اللہ پاک نے زمانہ [1] فترہ کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ چنانچہ آپؐ نے رسالت کو اُمت تک پہنچا دیا اور اس کا حق بھی ادا کر دیا۔ اللہ کے راستے میں جہاد بھی کیے۔ اُمت کو خیر و بھلائی کی تعلیم بھی دی۔ اپنے مالک حقیقی کے دربار میں روئے بھی۔ تضرع وزاری بھی کی بالآخر اپنے فرائض کو انجام دے کر اپنی جان کو جان آفرین کے سپرد کر دیا اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

آپؐ تمام مخلوقات میں سب سے افضل، سارے انبیاء میں سب سے اشرف، مجسمۂ رحمت، متقیوں کے امام، حمد وثناء کے پرچم کو بلند کرنے والے، شفاعت کبریٰ کے والی، مقام محمود سے سرفراز، ساقیٔ کوثر ہیں۔ قیامت کے دن آدم علیہ السلام سے لے کر تمام مؤمنین آپؐ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

آپؐ کی اُمت تمام اُمتوں سے بہتر۔ آپ کے اصحاب انبیاء علیہم السلام کے بعد سب لوگوں سے افضل۔ آپ کا دین تمام ادیان ومذاہب سے بلند وبالا۔ اور آپؐ خدا کے بعد تمام مخلوقات سے افضل واعلیٰ

؎ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپؐ کو خداوند قدوس نے سچے پکے معجزات، عقل کامل، اشرف نسب، جمال وخوبصورتی میں بدر تمام، جود وسخا کے شہنشاہ، شجاعت ودلیری کے پیکر، بردباری کے مجسمہ جیسی باکمال خوبیوں سے نوازا تھا۔

علم نافع، پختگی عمل، استقلال وخشیت الٰہی جیسی بیش بہا نعمتوں سے مالا مال، مخلوقات میں سب سے زیادہ فصیح وشگفتہ بیان، اخلاق وکردار کے اعلیٰ انسان اور تمام خوبیوں واوصاف کا مجموعہ بنایا تھا جیسے کہ شاعر نے کہا ؎

لم یخلق الرحمن مثل محمد ابدا وعلمی انه لا یخلق

''باری تعالیٰ نے محمد ﷺ جیسا کبھی کسی کو پیدا نہیں کیا اور میرا جہاں تک یقین ہے یہ پیدا بھی نہیں کیا جائے گا۔''

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب آپؐ گھر میں موجود ہوتے تو گھر والوں کی خدمت میں لگے رہتے۔ اپنے کپڑوں کو درست کرتے۔ جوتے ٹھیک کرتے۔ اپنے آپ کو سنوارتے۔ جو اونٹ پانی لانے کے کام لایا جاتا تھا اس کو چارہ خود ڈالتے۔

---

[1] فترہ: وہ مدت کہلائی جاتی ہے جو ایک نبی کے وفات پا جانے کے بعد دوسرے نبی کے مبعوث ہونے تک ہو۔

گھر میں جھاڑ دیتے۔ اونٹ کو باندھتے۔ خادم کے ساتھ کھانا کھاتے۔ یہاں تک کہ آٹا گوندھنے میں اس سے تعاون کرتے اور بازار سے سامان خرید کر خود لاتے۔ آپؐ برابر غم زدہ فکر مند رہتے جیسے کہ راحت و آرام حصہ میں نہ ملی ہو۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں:

"میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے ان کی سنت کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ معرفت میری پونجی، محبت دستور، شوق سواری، اللہ کا ذکر میری آرزو، رنج میرا دوست، علم ہتھیار، صبر میری چادر، رضائے الٰہی میری غنیمت ہے اور غربت میرا امتیاز، زہد میری سنت، یقین قوت، سچائی شفیع، طاعت میرا اشرف، جہاد میری عادت اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے"

نبی کریم ﷺ کی بردباری، سخاوت، شجاعت، شرم و حیا، شفقت محبت و رفعت، عدل، احسان، وقار، صبر، ہیبت، اعتماد اور دیگر اوصاف حمیدہ اس قدر ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ علماء کرام نے آپؐ کی سیرت، زندگی، بعثت، غزوات، اخلاق اور معجزات وغیرہ کے عنوانات سے بے شمار کتابیں لکھی ہیں۔ اگر ہر عنوان پر روشنی ڈالی جائے تو کتابوں کے انبار لگ جائیں گے۔ اس لیے میں اپنی اس کتاب میں لکھنے سے قاصر ہوں۔

اہل علم لکھتے ہیں کہ آپؐ کی وفات دین کی تکمیل، نعمتوں کے اتمام کے بعد دوشنبہ کے دن نصف یوم گزر جانے کے بعد ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی۔ آپؐ کی عمر مبارک ۶۳ سال کی ہوئی۔

غسل دینے کی سعادت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نصیب ہوئی۔ پھر آپؐ کو حجرہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے در پردہ کر دیا گیا۔

خلافت امیر المؤمنین خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

جناب رسول ﷺ کے بعد آپ کو خلیفہ بنایا گیا۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کے رشتہ دار اور یار غار تھے۔ آپ کے مشیر کار اور وزیر کی حیثیت سے تھے۔ گہرے دوستوں میں شمار کیے جاتے تھے اور تمام لوگوں میں سب سے بہتر آدمی تھے۔

جس دن جناب رسول ﷺ اللہ کا وصال ہوا اس دن سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے لیے بیعت کی گئی۔ ہم اس واقعہ کی شہرت اور طوالت کی وجہ سے تفصیل سے گریز کر رہے ہیں۔ آپ نے خلیفہ ہوتے ہی بہت اچھے اچھے امور انجام دیئے۔ جلد ہی یمامہ کو فتح کر لیا۔ اطراف عراق اور دیگر شہروں میں اسلامی حکومت قائم کر دی۔ آپ حسن کردار کے علم بردار، عبادت گزار، متقی و پرہیز گار، وقار سے بھرپور، بردبار، صابر و شاکر رحم و کرم کے پیکر اور دیگر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بے نظیر آدمی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد ایک شور و ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لوگ مرتد ہونے لگے۔ زکوٰۃ کے منکرین پیدا ہو گئے تو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام کو جمع کیا، مشورہ طلب کیا۔ منکرین و مرتدین سے جنگ کرنے کے سلسلہ میں گفتگو شروع کی تو اکثر صحابہ کی جماعت نے ان کی رائے سے اتفاق نہ کیا اور مخالفت کرنے لگے۔ اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عالی جناب آپ ان لوگوں کے بارے میں جنگی منصوبہ کیسے بنا سکتے ہیں۔ جب کہ حضور اکرم ﷺ کی حدیث آپ کے سامنے ہے:

"جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرتا رہوں گا جب تک کہ وہ کلمہ توحید کا اقرار نہ کر لیں۔ جو بھی اس کا اقرار کر لے گا تو اس کا خون اور مال میری طرف سے محفوظ ہو گیا۔ الا یہ کہ اسی کا حق دائر ہوتا ہو اور اقرار کرنے والے کا حساب و کتاب اللہ تعالیٰ کے ذمہ آ جائے گا۔" الحدیث

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریں گے۔ اس لیے کہ زکوٰۃ حق مال

ہے۔خدا کی قسم اگر کوئی حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک بکری کا بچہ بھی زکوٰۃ میں دیا کرتا تھا اب اگر وہ انکار کریں گے تو میں ان سے بھی جنگ کروں گا۔

یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ فاروق نے کہا: اللہ نے اس سلسلے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر عطا فرمایا ہے۔اب میں سمجھ گیا کہ حق یہی ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ تو اس نازک وقت میں لوگوں کے ساتھ ملاطفت ونرمی کا معاملہ کیجئے۔تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا **أجبار فی الجاهلية و خوار فی الاسلام** کہ تم جاہلیت میں جب مسلمان نہ ہوئے تھے تو زبردست جابر اور سخت دل تھے۔اب اسلام لے آئے ہو تو انتہائی بزدل ہو گئے ہو۔اے عمر رضی اللہ عنہ! وحی کا سلسلہ اب ختم ہو چکا۔دین کامل ومکمل ہو گیا۔میری زندگی میں دین میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہو سکتی۔میں کوتاہی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر آپ جنگ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

مؤرخین کے ایک گروہ نے تصریح کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اُسامہ بن زید کے لشکر کو سات سو نوجوان سپاہیوں سے مسلح کر کے شام کے علاقہ میں روانہ فرما دیا تھا۔جب یہ لشکر مقام ذی خشب میں پہنچا تو نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا اور ایک طرف عرب کے بعض علاقے مرتد ہونے لگے تو صحابہ کرام جمع ہوئے۔ان سب نے مشورہ کر کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اس وقت لشکر اُسامہ کو واپس بلا لیجئے تو آپ نے جواب دیا اس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر امہات المؤمنین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاؤں کو کتے نوچنے لگیں تو میں لشکر اُسامہ کو کبھی واپس نہیں بلاؤں گا۔جس لشکر کو رسول اللہ ﷺ نے مسلح کر کے روانہ کر دیا ہو اس کے پرچم کو ہرگز نہیں کھول سکتا جس کو حضور اکرم ﷺ نے خود باندھا ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ بات یاد رکھو کہ اگر مجھے اس لشکر کے واپس نہ بلانے کی وجہ سے درندے بھی نوچ ڈالیں گے تب بھی واپس نہیں بلاؤں گا۔آپ نے اسامہ کو حکم کیا کہ وہ لشکر لے کر چلے جائیں۔مزید یہ بھی کہا کہ اگر تم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مزید اجازت حاصل کر لو تو تمہیں اس کی رعایت ہے۔اس لیے میرے نزدیک ان کی ایک حیثیت ہے۔میں ان سے اُنس رکھتا ہوں اور ان کی رائے میرے نزدیک ایک اہمیت رکھتی ہے اور میں ان سے مدد بھی لیتا ہوں تو اسامہؓ نے کہا کہ میں نے ان سے ملاقات کر لی ہے۔پھر اسامہؓ روانہ ہو گئے۔

جب یہ لشکر کسی بھی مرتد قبیلہ سے گزرتا تو وہ قبیلہ والے یہ کہتے کہ بھائی ان مسلمانوں کے پاس لشکر جرار ہے اگر اتنی زبردست فوجی طاقت نہ ہوتی تو یہ لوگ اس نازک وقت میں جنگ پر آمادہ نہ ہوتے۔لشکر نے رومیوں سے جنگ کی اور انہیں شکست دے دی۔مخالفین اور دشمنوں کے بہت سے لوگ کام آئے بالآخر یہ لشکر فتح ونصرت کے ساتھ واپس آ گیا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

> "میرے والد محترم ارتداد کے دن تلوار سونتے ہوئے اپنی سواری پر سوار ہو کر باہر تشریف لائے۔اچانک علی کرم اللہ وجہہ آ گئے یہاں تک کہ انہوں نے والد محترم کی سواری کی لگام پکڑ لی اور کہا کہ میں آپ سے وہی بات کہتا ہوں جو بروز اُحد جناب رسول اللہ ﷺ نے آپ سے فرمایا تھا کہ آپ اپنی تلوار کو نیام میں کر لیں اپنی وجہ سے آپ ہمیں رنجیدہ خاطر نہ کریں۔خدا کی قسم اگر آپ کی وجہ سے ہمیں کوئی تکلیف پہنچی تو پھر آپ کے بعد اسلام کا نظام کبھی درست نہیں ہو سکتا۔"

ابن قتیبہؒ کہتے ہیں کہ سوائے چند لوگوں کے سارا عرب مرتد ہو رہا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کیا یہاں تک کہ وہ

درست ہو گئے۔ یمامہ کو فتح کیا اور وہیں مسیلمۃ الکذاب مدعی نبوت کو قتل کیا پھر صنعاء میں رہنے والے اسود العنسی کذاب کو بھی تہ تیغ کر دیا گیا۔ اس کے بعد شام اور عراق میں لشکر کشی کی گئی۔

ابو رجاء العطاردی کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ گیا کیا دیکھتا ہوں کہ تمام لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں اس میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک شخص کے سر کو بوسہ دے رہا ہے اور یوں کہہ رہا ہے کہ میں تم پر فدا ہو گیا ہوں۔ خدا کی قسم اگر آپ نہ ہوتے تو ہم ہلاک ہو جاتے تو میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ بوسہ لینے والا شخص کون ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا وہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بوسہ لے رہے ہیں اور مرتدین سے جنگ کی کامیابی پر مبارک باد پیش کر رہے ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو عرب مرتد ہونے لگے۔ لوگوں میں نفاق پھیل گیا اور میرے ابا جان استقلال کے میدان میں اس طرح اُترے کہ اگر وہ کسی پہاڑ پر ہوتے تو وہ چکنا چور ہو جاتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا عبادت کے کوئی لائق نہیں اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہ بنایا جاتا تو خدا کی عبادت نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کلمہ کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ کہا۔

اہل علم لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نرمی و انکساری کے پیکر تھے۔ جب بیمار ہو جاتے تو وہ علاج کرنا ترک کر دیتے تا کہ اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور انقیاد و تسلیم ظاہر ہو جائے۔ صحابہ کرام عیادت کے لیے حاضر ہوتے اور یہ گزارش کرتے کہ ہم آپ کے علاج کے لیے طبیب بلاتے ہیں تا کہ آپ کی مکمل دیکھ بھال اور معالجہ ہو جائے۔

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس اثناء میں ابو بکر رضی اللہ عنہ نے میری طرف دیکھا تو لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں جو چاہتا ہوں کر گزرتا ہوں۔

آپ کی وفات منگل کے دن ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ کو مغرب اور عشاء کے درمیان میں ہوئی۔ کل ۶۳ سال کی عمر ہوئی۔ آپ کی وفات کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور آپؐ کی جدائی کی وجہ سے آپ اندرونی رنج و غم میں مبتلا ہو گئے تھے۔ آپ کی تدفین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب حجرہ عائشہ میں عمل میں آئی۔ آپ دو سال ۳ ماہ اور ۸ دن منصب خلافت پر فائز رہے اور اُمت کی خدمت کی۔

خلافت امیر المؤمنین خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

آپ کو سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ بنایا گیا اور عنان حکومت آپ کے سپرد کر دی گئی۔ جس دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اسی دن سے حضرت ابو بکر کی وصیت رضی اللہ عنہ کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیعت لی گئی۔ خلیفہ اول کی طرح آپ بھی اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔ سیرت، جہاد، استقلال اور صبر جیسی خوبیاں آپ کے اندر موجود تھیں۔ جو کی روٹی کھاتے، کچے دھاگے کا کپڑا وغیرہ پہنتے تھے۔ آپ نے بہت سی فتوحات کیں اور بیشتر ممالک پر قابض ہو گئے۔ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جن کو امیر المؤمنین کا خطاب دیا گیا۔ آپ مہاجرین اول میں سے ہیں اور دونوں قبلوں کی طرف نماز ادا کرنے کے شرف سے مشرف، تمام غزوات، خاص طور پر بیعت الرضوان و جنگ بدر میں شریک رہے۔ آپ کے مشرف با سلام ہونے سے اسلام کو قوت ملی۔

جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کے حسن کردار سے نبی کی ذات خوش تھی۔ آپ کو جنت کی بشارت دی گئی۔ مناقب تو بے شمار ہیں آپ کے شرف کے لیے اتنا کافی تھا کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں وزیر کا درجہ حاصل تھا۔ بعد میں اُمت

کی خدمت بھی خلیفہ دوم کی صورت میں سپرد کی گئی۔ آپ کی وفات بھی اچھے طریقے سے ہوئی۔ فقر' سعادت' شہادت کا درجہ نصیب ہوا اور آپ سے بغض وعداوت سوائے زندیق' بے وقوف یا احمق کے اور کون کر سکتا ہے۔

آپ کے خصائل حمیدہ

آپ وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے رات میں گھوم پھر کر گشت کر کے نگرانی کی۔ رات ہی میں خاص طور پر دین و دنیا دونوں کی ذمہ داری سنبھالتے اور لوگوں کی چھپ کر دیکھ بھال کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رعب و دبدبہ کی دولت سے نوازا تھا۔ لوگوں پر رعب کی وجہ سے اس قدر خوف طاری رہتا کہ انہوں نے راستوں میں بیٹھنا چھوڑ دیا تھا۔ جب آپ تک یہ بات پہنچی کہ لوگ آپ کی ہیبت اور رعب سے ڈرتے ہیں تو ایک دن لوگوں کو جمع کیا اور اس ممبر پر تشریف لائے جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا قدم رکھتے تھے۔ حمد وثنا کے بعد فرمایا لوگو! مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ لوگ میری سختی کی وجہ سے ہیبت کھاتے ہیں اور میرے تشدد سے ڈرتے ہیں۔ مزید فرمایا لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی سختی کرتے رہے۔ اسی طرح خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی سختی سے پیش آتے رہے تو اس دور کا کیا حال ہوگا کہ عمر ہی خلیفہ دوم اور امیر المؤمنین بھی ہیں۔

آپ نے فرمایا خدا کی قسم جس نے بھی یہ کہا ہے سچ کہا ہے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بحیثیت خادم اور غلام رہتا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپؐ مجھ سے راضی تھے۔ خدا کا شکر ہے میں اس سلسلہ میں سب سے سعید ہوں۔ پھر آپؐ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو میں اس وقت بھی خادم اور غلام کی حیثیت سے رہتا تھا تو میری شدت وسختی ان کی نرمی میں مخلوط ہو جاتی۔ میں بعض وقت تلوار کو نیام سے نکال لیتا یہاں تک کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اندر کروا دیتے۔ اب اس وقت میں تمہارا ذمہ دار اور خلیفہ بنا دیا گیا ہوں۔ بس یاد رکھو اب میری شدت وسختی میں مزید اضافہ ہو گیا ہے لیکن میری سختی صرف ظالموں اور مسلمانوں پر زیادتی کرنے والوں کے لیے ہے اور میری ملاطفت ونرمی مسلمانوں' دیندار' معتدل لوگوں کے لیے اس کے مقابلہ میں زیادہ رہے گی۔ میرا معاملہ اب سے یہ رہے گا کہ اگر کسی نے کسی دوسرے پر ظلم کیا ہوگا تو اسے بلا کر اس کے ایک رخسار کو زمین پر رکھوں گا اور اس کے دوسرے رخسار پر اپنے پیر یہاں تک کہ وہ اپنے ظلم کا اقرار کر لے۔

مزید فرمایا کہ اے لوگو! میں چاہتا ہوں کہ میں تمہارے خراج اور محصول کو خود نہ رکھوں بلکہ تمہاری ہی ضروریات میں خرچ کروں۔ میرے ذمہ یہ بھی ہے کہ میں تمہیں ہلاکت میں نہ ڈالوں۔ میرا تو یہ حال ہے کہ جب میں تم لوگوں کو لشکر میں روانہ کرتا ہوں تو مجھے بحیثیت کفیل ذمہ داری کا احساس رہتا ہے۔ بلکہ یہ احساس اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ صحیح وسالم واپس نہ آ جاؤ۔ بس میں آخر میں اپنے لیے اور تمہارے لیے خدا تعالیٰ سے مغفرت کی دُعا کر رہا ہوں۔

سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وعدے کا پاس رکھا اور جہاں شدت وسختی کی ضرورت تھی وہاں آپ نے تندہی سے کام لیا اور جس جگہ نرمی سے کام نکل جاوے وہاں آپ ملاطفت ونرمی سے کام نکالتے اور واقعی آپ اپنے آپ کو ذمہ دار اور باپ سمجھتے تھے۔ بسا اوقات تو پردہ نشینوں کے پاس تشریف لے جاتے۔ خاص طور پر ان عورتوں کے پاس جن کے شوہر سفر میں ہوتے۔ فرماتے کہ بندہ عمر حاضر ہے آپ لوگوں کو کوئی ضرورت تو نہیں ہے۔ اگر کوئی خرید وفروخت کا کام ہو تو میں بازار سے خرید کر دے دوں اس لیے کہ یہ بات مجھے اچھی معلوم ہوتی کہ تم صنف نازک سے تعلق رکھتی ہو دھوکہ بھی کھا سکتی ہو۔ چنانچہ عورتیں آپ کے ساتھ اپنی اپنی باندیاں بھیج دیا کرتیں تو آپ اس حال میں بازار میں داخل ہوتے کہ باندیوں اور غلاموں کی ایک قطار آپ کے پیچھے پیچھے ہوتی جن کو شمار میں بھی نہیں لایا جا سکتا۔ آپ ان کے لیے ان کی ضرورت کا سامان خریدتے۔ اگر ان میں سے کسی کے پاس رقم نہ ہوتی تو اپنے پاس

سے ادا کر دیتے۔

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ طلحہ رضی اللہ عنہ رات میں نکل پڑے کیا دیکھتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک گھر میں گھس گئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد نکل آئے۔ جب صبح طلوع ہوئی تو طلحہ رضی اللہ عنہ اس گھر میں آئے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھے۔ دیکھا کہ ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی ہے۔ طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ آخر عمر رضی اللہ عنہ رات میں تمہارے پاس کیوں آتے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ شخص رات میں ہمارے پاس محض اس لیے آتا ہے کہ اس نے ہم سے ہمارے کام کرنے کا معاہدہ کر رکھا ہے کہ وہ ہمارے گھر میں درستگی اور اصلاح کرے گا اور پریشانیوں کو دور کرے گا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب شام سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ لوگوں سے الگ تھلگ رہے تا کہ رعایا کے حالات سے آگاہ ہو جائیں۔ آیا ان کو کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے۔ اچانک آپ ایک جھونپڑی کے قریب سے گزرے جس میں ایک بڑھیا زندگی بسر کر رہی تھی۔ بڑھیا نے کہا اے فلاں! عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس وقت کیا کر رہے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ آج کل عمر مدینہ میں ہیں اور ملک شام سے خیریت سے واپس آ گئے ہیں۔ بڑھیا نے کہا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اللہ میری طرف سے کوئی صلہ نہ دے۔

خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ بڑھیا نے اس قسم کا جواب شاید اس لیے دیا تھا کہ جس وقت سے عمرؓ کو امیر المؤمنین بنایا گیا تھا ان کی طرف سے کوئی تعاون یا ہدیہ' تحفہ بڑھیا کے پاس نہیں پہنچا تھا اور نہ نقد خدمت درہم یا دینار ان کی طرف سے وصول ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ عمر کو تمہارا حال معلوم نہیں ہوسکا اور نہ یہ معلوم ہے کہ تم یہاں رہا کرتی ہو۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ واہ واہ سبحان اللہ کسی کو امیر المؤمنین بنایا جائے گو اس کی رعایا کی وسعت مشرق و مغرب تک کیوں نہ ہو اور اسے اپنی رعایا کا حال معلوم نہ ہو۔ بس یہ سننا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور یوں کہتے تھے ہائے عمر! تجھے اتنی بھی بیداری نہیں کہ بڑھیا کا خیال رکھ سکے۔ چہ جائیکہ ہر شخص کا' تو تو بہت ہی نادان ہے اور ہر آدمی تجھ سے زیادہ عقل مند ہے۔ بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے یہ کہا کہ اللہ کی بندی تو عمرؓ سے اپنی تنگی و مجبوری کو کتنے میں فروخت کرے گی؟ اس لیے کہ میں جہنم کی بہ نسبت یہاں زیادہ قابل رحم ہوں۔

بڑھیا نے کہا: عمر تم پر خدا رحم کرے کیوں مجھ سے مذاق کر رہے ہو؟ عمرؓ نے کہا کہ میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ پھر آپ نے اس سے ۲۵ دینار میں خرید لیا۔ بس یہ گفتگو خادم اور مخدوم کے درمیان جاری تھی کہ اتنے میں علیؓ بن ابی طالب' عبداللہ بن مسعود تشریف لائے۔ ان دونوں نے کہا السلام علیکم یا امیر المؤمنین! بس یہ سننا تھا کہ بڑھیا نے ندامت و افسوس سے ہاتھ کو سر میں مارا اور یوں کہا کہ اب کیا ہوگا تو نے تو امیر المؤمنین کو اس کے سامنے ہی بہت کچھ کہا برا بھلا کہا۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کوئی بات نہیں۔ پھر آپ نے ایک کاغذ کچھ لکھنے کے لیے مانگا۔ لیکن انہوں نے نہ ملنے کی وجہ سے اپنی گدڑی سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر یہ تحریر فرمایا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

عمرؓ نے فلاں بڑھیا کے شکوہ ظلم کو اس دن سے جس دن سے اسے والی بنایا گیا ہے ۲۵ دینار میں اتنے یوم کے لیے خرید لیا ہے اس لیے جو کچھ بھی یہ قیامت کے دن عمرؓ کے بارے میں دعویٰ کرے گی تو عمرؓ اس سے بری رہے گا۔"

اس واقعہ کے وقت علیؓ بن ابی طالب و عبداللہ بن مسعودؓ حاضر تھے۔ اتنے میں آپ نے ابن عمرؓ کو بلایا اور وہ تحریر اس کے سپرد کر دی اور یہ وصیت کی کہ جس وقت میں مر جاؤں اسے میرے کفن میں رکھ دیا جائے۔ اسی حالت میں اپنے رب سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔

اس قسم کے آپ کے واقعات بہت مشہور ہیں۔

ایک عجیب واقعہ

الفضائلی لکھتے ہیں کہ جس وقت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قادسیہ میں تھے۔ اسی دوران عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک والا نامہ تحریر فرمایا جس میں یہ تاکید کی کہ نضلہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عراق میں حلوان کے علاقہ میں بھیج دو تاکہ وہ اردگرد کے علاقہ میں یلغار کرتے رہیں۔ چنانچہ سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے تعمیل حکم کے مطابق نضلہ انصاری رضی اللہ عنہ کو تین سو گھوڑ سواروں کے ساتھ بھیج دیا۔ یہ لوگ حلوان آ گئے اور آس پاس کے علاقہ میں حملہ شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے ان لوگوں کو چند قیدی اور تھوڑا سا مال غنیمت ہاتھ آ گیا تو یہ لوگ واپس ہونے لگے۔ اتنے میں عصر کا وقت ختم ہونے کے قریب ہو گیا اور سورج غروب ہونے لگا۔ نضلہ انصاری رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت اور قیدیوں کو پہاڑ کی چوٹی پر رکھنے کا حکم دیا۔ پھر نضلہ انصاری رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اذان دی اور کہا کہ **اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر**.

تو پہاڑ سے ایک جواب دینے والے نے کہا کہ بھائی تم نے بہت اچھی اللہ کی بڑائی بیان کی۔ اتنے میں نضلہ انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا **اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ** تو پھر کسی نے کہا اے نضلہ کتنا پر خلوص جملہ ہے۔ پھر نضلہ انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا **اشھد ان محمد رسول اللّٰہ** پھر کسی نے کہا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ ہیں جن کے آنے کی خبر ہمیں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی تھی اور انہی کی اُمت کے آخر میں قیامت آئے گی۔ پھر نضلہ رضی اللہ عنہ نے کہا **حی علی الصلوٰۃ** پھر اس نے کہا کہ نماز کی جو شخص ادائیگی اور پابندی کرے گا اس کے لیے تو جنت کی بشارت ہے۔ نضلہ انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا **حی علی الفلاح** تو اس نے کہا جو بھی اللہ کے منادی (مؤذن) کا جواب دے وہ کامیاب رہے گا۔

پھر نضلہ انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا **اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللّٰہ** تو اس نے کہا کہ اے نضلہ انصاری رضی اللہ عنہ یہ کلمات جو تم نے اخلاص سے پکارے ہیں اس کی وجہ سے تم پر دوزخ کی آگ حرام کر دی گئی ہے۔

جس وقت نضلہ رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ خدا تم پر رحم کرے آخر تم کون ہو' فرشتہ ہو جن ہو اللہ کے بندوں کا کوئی قافلہ ہے جس کی آواز ہم نے سنی ہے۔ تو اپنی زیارت کراؤ اس لیے کہ یہ وفد جناب خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ دوم عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کا بھیجا ہوا ہے۔

اتنا کہنا تھا کہ پہاڑ شق ہوا ایک شخص نکلا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سردار قوم ہے۔ سر کے بال اور داڑھی سفید تھی۔ اس کے جسم پر اون کی گدڑی تھی۔ آتے ہی اس نے سلام کیا۔ اسے جواب دیا گیا اور پوچھا گیا کہ آخر تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں **رزین بن برثملا** ہوں۔ مجھے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے وصیت کی تھی اور اس پہاڑ میں ٹھہرا کر' انہوں نے اپنے نازل ہونے تک میرے لیے درازی عمر کی دُعا فرمائی تھی اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بن الخطاب امیر المؤمنین خلیفہ دوم کو میرا سلام کہنا اور ان سے مزید یہ بھی کہہ دینا کہ حق اور درست کام کریں اور اللہ کے قریب ہونے کی تیاری کریں اس لیے کہ قیامت قریب ہے اور ان سے یہ بھی کہہ دینا کہ جب مندرجہ ذیل خصلتیں اُمت محمدیہ میں پائی جائیں گی تو سمجھ لیں کہ اُمت محمدیہ کا خاتمہ ہے۔ مثلاً جس وقت مرد مرد سے بے نیاز ہو جائے گا اور عورت' عورت سے بے نیاز ہو جائے گی اور یہ لوگ اپنے کاموں کے علاوہ کسی دوسرے کاموں میں لگ جائیں گے۔ اسی طرح دوسرے مالکوں کو پکڑ لیں گے۔ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا کہ نہ بڑا چھوٹے پر مہربانی کرے گا اور نہ چھوٹا اپنے بڑے کی عزت واحترام کرے گا۔ لوگ امر بالمعروف کو چھوڑ بیٹھیں گے اس کی طرف بالکل توجہ نہ دیں گے اور نہ نہی عن المنکر کریں گے۔ اس لیے برائیوں سے شاید ہی کوئی بچ سکے۔ علماء علوم کو محض دُنیاوی اغراض کے لیے حاصل کریں گے۔ بارشیں گرم تر ہوا کریں گی۔ اولاد غضب ناک ہوگی۔ لوگ مساجد کے منارے بلند تر تعمیر کریں گے اور مصاحف قرآن کریم کو پس پشت ڈال دیں گے۔ یعنی تلاوت وغیرہ نہ کریں گے۔ مساجد کو خوب مزین

کریں گے اور تعمیرات کو خوب مضبوط بنائیں گے۔ خواہشات کی اتباع کرنے لگیں گے۔ دین کو دُنیا کے عوض فروخت کریں گے۔ صلہ رحمی کو قطع کریں گے۔ احکام خداوندی کی خلاف ورزی کریں گے' سود کھائیں گے۔ مال دار کو عزت ملے گی اور فقیر کو ذلت۔ آدمی جب اپنے گھر سے نکل کر جائے گا تو اسے بلند مرتبہ والا اسلام کرے گا تب جواب دے گا نا اہل اچھے اچھے مناصب پر قابض ہو جائیں گے۔

قرب قیامت کے بارے میں اتنی پیشین گوئیاں اور خبریں دے کر وہ آدمی غائب ہو گیا۔

یہ تمام واقعہ نضلہ انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو تحریر فرمایا۔ پھر انہوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مطلع فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ نضلہ رضی اللہ عنہ کو اور مہاجرین وانصار جو آپ کے ساتھ ہیں انہیں لے کر اسی پہاڑ پر جائیں۔ اگر ان سے ملاقات ہو جائے تو میرا بھی سلام ان سے کہہ دیں۔ ہدایت کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ چل پڑے۔ آپ کے ساتھ اس وقت چار ہزار مہاجرین وانصار اپنے بچوں سمیت تھے۔ جب یہ لوگ اس پہاڑ پر پہنچے اور چالیس دن قیام فرمایا اور اذان دیتے رہے لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ یہ سارا ماجرا لکھ کر حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کر دیا۔

عہد فاروقی رضی اللہ عنہ کے زرین کارنامے

آپ سب سے پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے تاریخ کی بنیاد ڈالی۔ یہ اقدام غالباً ۱۶ھ میں ہوا۔ اسی سال بیت المقدس کی فتح نصیب ہوئی۔ اسی سال سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ بہت سے علاقے فتح کرتے ہوئے مصر اور کوفہ تک پہنچ گئے۔ آپ ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے دفاتر اور شہروں کی تجویز رکھی اور اعلائے کلمۃ اللہ کی سرفرازی کے لیے قدم اُٹھایا۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں مسلمانوں کو بہت سی فتوحات سے نوازا۔ مثلاً دمشق روم' قادسیہ' حمص' حلوان' الرقۃ' الرہا' حران' بسان' یرموک' اہواز' قیساریہ' مصر' تستر' نہاوند' رے اور اس کے آس پاس کے علاقے اصبہان' بلاد فارس' اصطخر' ہمدان' تویۃ' البرلس' البربر وغیرہ کو فتح کیا۔[1]

آپ کے درے حجاج بن یوسف کی تلوار سے زیادہ خوفناک تھے۔ روم وفارس کے بادشاہ آپ سے ہر وقت خائف رہتے۔ اس کے باوجود آپ اسی طرح زندگی گزارتے تھے جیسے کہ آپ کا لباس' وضع قطع اور بود و باش' تواضع وانکساری خلیفہ بننے سے پہلے تھی۔ رہائش میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا تھا۔ سفر و حضر میں آپ تنہا چلتے کسی نگہبان یا محافظ کے ضرورت کبھی محسوس نہیں کی۔ آپ کے طرز رہائش میں منصب کی وجہ سے کبھی کوئی تغیر نہ ہوا اور نہ کسی مسلمان سے کبھی سخت کلامی کی۔ نہ کسی کو حق بات کہنے سے روکا۔ آپ کے عدل وانصاف سے کوئی غریب و کمزور آدمی مایوس نہیں ہوتا تھا اور نہ شریف آدمی آپ کے ظلم و زیادتی سے لالچ کرنے لگتا۔ آپ اللہ کے حکم کی تعمیل کے بارے میں ملامت گر کی ملامت کی پرواہ بالکل نہ کرتے۔ ہمیشہ اپنے آپ کو بیت المال کے بارے میں عام مسلمانوں کی طرح سمجھا اور اپنے فریضہ کو

---

[1] ان شہروں میں سے بعض کے موجودہ نام اور محل وقوع یہ ہیں:

القادسیہ CHALDAEA میں ہے۔ حمص: امیقہ (شام) حلوان: موجودہ ایران کا شہر رقۃ: فرات کے نزدیک ایک بستی۔ ارہا: EDESSA حران: میسو پوٹیمیا' راس العین: CALLIRHOE (میسو پوٹیمیا) عسقلان: فلسطین' طرابلس: TRIPLOC بسان CBETH-SHAN اہواز: بصرہ اور فارس کے درمیان واقع نو بستیوں کا ایک مجموعی نام ہے۔ قیساریا CAESREAH (فلسطین)۔ تستر: خراسان میں ہے۔ نہاوند: ایرانی عراق کا ایک شہر تھا۔ موجودہ ایران کا ایک شہر۔ رے: ایرانی عراق کا دار الخلافہ تھا۔ موجودہ شمالی ایران میں تہران کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اصطخر: PERSEPOLIS جنوب مغربی ایران کا ایک قدیم شہر۔ ہمدان: تہران کے جنوب مغرب میں ایک شہر (باضافات ج)

مہاجرین کی طرح سمجھ کر انجام دیا۔ آپ اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ لوگو! میں تمہارے مال کو یتیموں کے مال کی طرح سمجھتا ہوں' جیسے کہ مجھے یتیم کا ولی بنا دیا گیا۔ اگر میں مالدار رہا تو پاک مال سے ہوا اور اگر میں نے اپنی کوئی ضرورت پوری کی تو حلال کی کمائی سے کی۔ اس سے آپ کی مراد یہ ہوتی کہ جو میسر آیا وہ کھا لیا' پہن لیا کسی پر ظلم و زیادتی کر کے نہ کھایا اور نہ کمایا۔

مجاہد کہتے ہیں کہ لوگ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرنے لگے۔ اس کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا۔ جس وقت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ سنا تو زار و قطار رونے لگے اور شدت گریہ سے بے ہوش ہو گئے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر رحم کا معاملہ کرے۔ آپ تو بس قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور اس پر عمل کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے حدود قائم کرتے بلکہ حدود قائم کرنے میں کسی کی نکتہ چینیوں کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کرتے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے پر حد قائم کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کی مزید تفصیل لفظ دیک کے عنوان میں آجائے گی۔

سیدنا امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت

آپ کی شہادت ۲۳ھ میں ہوئی۔ آپ کو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام ابولولو فیروز نامی شخص نے قتل کیا تھا۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اس سے چکی بنانے کا کام لیتے اس کے عوض چار درہم روزانہ اسے دیتے تھے۔ ایک دن ابولولو کی ملاقات سیدنا امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوگئی تو اس نے شکایت کی کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ میرے آقا نے مجھ پر زیادہ بوجھ ڈال دیا ہے۔ آپ ان سے گفتگو کر کے میرے کام اور ڈیوٹی کو ہلکا کرا دیجئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے یہ کہا کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے آقا کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرو۔ اتنے میں ابولولو غصہ ہو گیا اور اس نے یہ کہا کہ کتنی تعجب کی بات ہے عدل و انصاف آپ نے میرے علاوہ دیگر تمام لوگوں کے ساتھ کیا ہے۔

بس وہ اسی دن سے امیر المؤمنین کے قتل کی خفیہ تدبیر کرنے لگا۔ چنانچہ اس نے ایک دو رُخا دو دھاری خنجر بنایا اور امیر المؤمنین کی گھات میں لگ گیا۔ ایک دن امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز فجر کے لیے تشریف لائے۔ عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی نماز پڑھ رہا تھا۔ میرے اور امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے درمیان عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حائل تھے۔ اتنے میں آپ نے تکبیر کہی۔ تھوڑی دیر میں کیا سن رہا ہوں کہ جس وقت ان کے خنجر لگا تو کہنے لگے مجھے پر کتے نے حملہ کر دیا۔ وار کرنے کے بعد وہ کافر چھری لے کر بھاگا۔ وہ دو دھارا خنجر جس کسی کے دائیں یا بائیں سے گزرتا تو وہ لوگوں کو زخمی کر دیتا۔ یہ خنجر تقریباً ۱۳ آدمیوں کے لگا جس میں سے سات آدمی شہید ہو گئے۔ بعض نے نو شمار کرائے ہیں۔ کسی مسلمان نے اس کے اوپر ایک چادر ڈال دی جس میں وہ اُلجھ گیا جب اس قاتل نے یہ سمجھ لیا کہ اب میں پکڑ لیا جاؤں گا تو اس نے خود کو خنجر مار لیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ اسے ہلاک کرے میں نے تو اسے نیک کاموں کا مشورہ دیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا۔

ابولولو مجوسی غلام تھا۔ بعض لوگوں نے نصرانی کہا ہے۔

تاریخ شہادت و مدت خلافت

آپ کی شہادت کا واقعہ ۱۴/ ذی الحجہ کو پیش آیا۔ زخمی ہونے کے بعد ایک دن ایک رات آپ زندہ رہے۔ پھر آپ کی رحلت ہو گئی۔

آپ کی عمر تریسٹھ سال کی ہوئی۔ اجازت لے کر آپ کو حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں دفن کر دیا گیا۔ جس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو زمین پر اندھیرا چھا گیا۔ بچے کہنے لگے ہائے امی اب تو قیامت آ گئی تو ماں جواب دیتی میرے بیٹے ایسا نہیں ہوا بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی ہے (شہادت اور مجلس شوریٰ کا ذکر لفظ دیک کے عنوان میں بھی آئے گا)۔ محمد بن اسحق کہتے ہیں کہ آپ کی خلافت دس سال چھ ماہ پانچ رات ہوئی اور بعض علماء نے ۱۳ یوم لکھا ہے۔ واللہ اعلم

خلافت امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

آپ کو امیر المؤمنین خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ چنا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے تین یوم کے بعد ارباب حل وعقد کے مشورہ سے سب کا آپ کی بیعت پر اتفاق ہو گیا۔ آپ حضور ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔ اہل علم کی تحقیق کے مطابق ۲۴ھ کے پہلے ہی دن خلافت کی بیعت کر لی گئی تھی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں آپ کا ایک ہی نام عثمان تھا۔ کنیت ابو عمر اور عبداللہ دونوں تھی لیکن پہلی کنیت زیادہ مشہور ہوئی۔ اسی طرح آپ کو امیہ بن عبد شمس کی طرف نسبت کرتے ہوئے الاموی بھی کہتے ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عبد مناف میں جا کر مل جاتا ہے۔ ان کو ذی النورین (دونوروالے) بھی کہتے ہیں۔ بعض علماء نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ آپ کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیوں سے شرف نکاح کسی اور کو حاصل نہیں ہوا اور نہ ان دونوں (رقیہ وام کلثوم) کے بعد اس کا علم ہے کہ کسی تیسری سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا ہو۔ اور کچھ لوگوں نے یہ کہا ہے کہ چونکہ جس وقت آپ جنت میں داخل ہوں گے تو دو مرتبہ نورانی تجلیاں ظاہر ہوں گی اس لیے آپ کو ذی النورین کہتے ہیں۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ آپ وتر میں پورا قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے تو قرآن ایک نور ہے اور وتر دوسرا نور اور بعض نے یہ قول نقل کیا ہے کہ چونکہ اولین مسلمانوں میں سے ہیں دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے اور دو ہجرتیں کی ہیں، پہلی ہجرت تو اس اعتبار سے کہ یہ پہلے مہاجر ہیں جنہوں نے اپنی بیوی رقیہ کے ساتھ حبشہ کی طرف آبائی دین سے مفر اختیار کر کے ہجرت کی تھی، اس لیے ذی النورین کہتے ہیں۔

آپ کو جنگ بدر اور بیعت الرضوان کے شرکاء میں بھی شمار کیا جاتا ہے حالانکہ ان دونوں میں شریک نہیں تھے۔ جنگ بدر میں تو اس لیے شرکت کا موقع نہ مل سکا کہ رقیہ بنت رسول رضی اللہ عنہا جو آپ کی زوجیت میں تھیں وہ بیمار ہوگئی تھیں تو آپ کو جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کی تیمارداری کی وجہ سے اجازت نہیں دی تھی۔ مزید یہ بھی کہا تھا کہ آپ کو ایک آدمی کا حصہ اور ایک شہادت کا ثواب دیا جائے گا۔ بیعت الرضوان میں اس لیے شریک نہیں ہو سکے کہ اگر کوئی شخص ان کے علاوہ بطن مکہ میں زیادہ باعزت ہوتا تو حضور ﷺ اسے ان کی جگہ پر بھیج دیتے۔ حضور ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔

آپ کے شرف کے لیے اتنا کافی ہے کہ جس وقت نبی کریم ﷺ کا انتقال ہوا تو آپ سے راضی تھے۔ آپ کو دنیا میں ہی جنت کی بشارت سنادی گئی تھے اور کئی مرتبہ حضور ﷺ نے ان کے لیے خصوصیت سے دعا فرمائی تھی۔

آپ کا حسن کردار

آپ مالدار، ذی ثروت، نرم مزاج اور شفیق و مہربان صحابی تھے۔ جس وقت آپ کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ کی تواضع وانکساری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ رعایا کے ساتھ شفقت و محبت بڑھ گئی۔ لوگوں کو یہ مالداروں جیسا کھانا کھلاتے لیکن خود سرکہ، زیتون کا تیل استعمال کرتے۔ لشکر عسرہ کو آپ نے ۹۵۰ اونٹوں سے مالا مال کر رکھا تھا۔ آپ نے حدیہ کی تھی کہ پالان وساز وسامان سمیت دیا تھا۔ پھر بعد میں مزید ۵۰

اونٹ دے کر ایک ہزار مکمل کر دیا تھا۔

قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار اونٹ اور پچاس گھوڑوں کو خوب سامان سے لاد دیا تھا۔ امام زہریؒ کہتے ہیں کہ ۹۴۰ اونٹ اور ۶۰ گھوڑے سے مدد کی تھی۔ حذیفہ بن الیمان کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جیش العسرۃ کی تیاری کے لیے بھیجا تو انہوں نے دس ہزار دینار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیئے تو آپؐ نے فرط مسرت سے آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور فرمایا:

''اے عثمان! جو تم اعلانیہ یا در پردہ کرو بلکہ جو قیامت تک کرو وہ سب اللہ تعالیٰ معاف کر دے۔''

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آج کے بعد سے عثمان جو بھی کریں وہ ان کے لیے نقصان دہ نہیں۔ انہوں نے رومۃ کنواں ۲۵ ہزار درہم میں خرید کر رفاہ عام کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ان کے اس قسم کے اور بھی نمایاں کام ہیں جن سے کتاب کی طوالت کا اندیشہ ہے۔

ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اسکندریہ، سابور، افریقہ، قبرص، سواحل روم، اصطخر اخریٰ، فارس اولیٰ، خوزستان فارس الاخریٰ، طبرستان، کرمان، سجستان، الاساورہ اور افریقہ کے فارسی قلعے، اردن کے ساحلی علاقے اور مرو وغیرہ فتح ہو گئے تھے۔[1]

جب مدینہ منورہ خوب آباد ہو گیا اور وہ اسلام کا مرکز شمار ہونے لگا۔ مال و دولت کی فراوانی ہو گئی اور بڑے بڑے ممالک سے خراج وصول ہو کر آنے لگا تو رعایا مال، جانوروں اور گھوڑوں کی کثرت کی وجہ سے متکبر ہو گئی اور انہوں نے جب بڑے ممالک کو فتح کر لیا تو خوب مطمئن ہو گئے تو وہ اپنے خلیفہ امیر المؤمنین کی برائی کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھی خوب مال و دولت تھی۔ آپ کے پاس ایک ہزار غلام تھے۔ انہوں نے اقرباء کو دولت سے نوازا اور عہدوں پر بھی فائز کر دیا تو لوگ ان کے بارے میں عیب جوئی کرنے لگے۔ بعض لوگوں نے یہ تک کہا کہ وہ خلافت کے لائق نہیں انہیں تو معزول کر دینا چاہیے۔ آخر کار وہ محاصرہ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ پھر ان لوگوں سے ایسی حرکات سرزد ہوئیں جن کا ذکر طوالت کا موجب ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے چند دنوں تک ان کے مکان کا محاصرہ جاری رکھا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کتنے ستم گر اور شریر تھے۔ تین آدمی ان کے مکان میں کود گئے اور ان کو ذبح کر دیا۔ ان کے سامنے قرآن کریم کھلا ہوا تھا اور وہ اس وقت تلاوت میں مصروف تھے۔ آپ بوڑھے آدمی تھے۔ نبیوں اور رسولوں کے بعد آپ کو سب سے زیادہ ستایا گیا۔ اللہ پاک ان لوگوں سے مواخذہ کرے جنہوں نے ان کو شہید کیا۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن ۱۸ ہجری ذی الحجہ ۳۵ھ میں پیش آیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل

آپ کے فضائل تو بے شمار ہیں سر دست چند پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جنت کی دُنیا ہی میں بشارت دی تھی۔ آپؐ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

''جن سے فرشتے شرم کرتے ہیں میں ان سے کیوں نہ شرم کروں۔''

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے شہید ہونے کی پیشین گوئی کی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان کی شہادت کے بعد مسلمانوں کا

---

[1] سابور: ایران کا ایک صوبہ تھا۔
مرو: خراسان میں ہے۔ (ج)

شیرازہ بکھر گیا۔لوگوں میں اشتعال برپا ہوگیا۔ان کا انتقام لینے کے لیے لوگ جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس سلسلہ میں ۹۰ ہزار نوجوان مسلمان قتل کیے گئے۔

مؤرخ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت لی گئی تو آپ نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مقام ربذہ[1] میں جلاوطن کر کے بھیج دیا تھا اس لیے کہ یہ لوگوں کو دُنیا سے بالکل کنارہ کش رہنے کی ترغیب دیتے تھے۔

اختلاف اور فتنوں کا آغاز

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کا حاکم بنایا تھا۔اقارب و رشتہ داروں کو خوب مال و دولت سے نوازا تو لوگوں میں اس کی وجہ سے اشتعال پیدا ہوگیا تھا۔۳۵ھ میں اتفاق سے یہ حادثہ پیش آیا کہ مالک الاشتر النخعی دوسو کوفیوں اور ڈیڑھ سو بصریوں اور چھ سو مصریوں کو لے کر مدینہ منورہ آ کر یہ نعرہ لگانے لگا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت سے دست بردار کر دیا جائے۔ جب یہ سب لوگ جمع ہو گئے تو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ و عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لے کر ان لوگوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف دعوت دینے لگے۔لیکن وہ لوگ اس قدر اَڑے ہوئے تھے کہ ان حضرات کی باتوں کو رد کر دیا اور ان کی گفتگو سننے سے انکار کر دیا۔

بعد میں پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا گیا تا کہ ان کو ان کے ارادے سے باز رکھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی حد تک کامیاب رہے اور ان کو باز رہنے کی ہدایت کر دی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی نے اس بات کی ضمانت لی کہ ہاں اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق عمل کریں گے اور ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو واسطہ بنا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس بات کا عہد لیا اور ان کو گواہ بھی بنایا کہ وہ ہمارے مطالبات کے ضامن سمجھے جائیں گے۔

مصریوں نے یہ مطالبہ کیا کہ عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر کے مصر کا حاکم محمد بن ابی بکر کو بنا دیا جائے۔ چنانچہ اس مطالبہ کو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منظور کر لیا اور محمد بن ابی بکر کو حاکم بنا دیا۔اس مطالبہ کے منظور ہوتے ہی سارا مجمع اپنے اپنے ملک واپس ہوگیا۔جب مصری قافلہ مقام ایلہ میں پہنچا تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرستادہ شخص کو ایک اونٹنی پر سوار جاتے ہوئے دیکھا۔تلاشی لی گئی تو اس کے پاس سے ایک رقعہ ملا جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مہر لگی ہوئی تھی اور وہ رقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے لکھا گیا تھا۔اس میں یہ لکھا ہوا تھا:

> ''یہ رقعہ عثمانؓ کی طرف سے عبداللہ بن ابی سرح حاکم مصر کے نام ہے۔جس وقت محمد بن ابی بکر فلاں فلاں کے ساتھ آ جائیں تو ان کے ہاتھ اور پیر کاٹ کر ان کو کھجور کے تنوں میں لٹکا دیا جائے۔''

جب اس واقعہ کی خبر کوفیوں، بصریوں اور مصریوں کو معلوم ہوئی تو پھر سب کے سب واپس آ گئے۔ جب ان لوگوں نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حالات بیان کیے تو آپ نے قسم کھالی کہ نہ تو میں نے یہ رقعہ لکھا ہے اور نہ میرے حکم سے لکھا گیا ہے۔ان لوگوں نے کہا کہ پھر تو اور بھی معاملہ آپ کے لیے سنگین ہوگیا۔آپ سے خلافت کی انگوٹھی چھین لی جائے۔اسی طرح آپ کا مخصوص اونٹ نجیب بھی لے لیا جائے۔آپ کو تو کچھ بھی پتہ نہیں۔مغلوب الحال رہتے ہیں بس آپ خود بخود خلافت سے معزول ہو جایئے۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا تو سب لوگ آپ کے گھر کا محاصرہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ ان لوگوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور

---

[1] ربذہ: نجد کی ایک ریگستانی بستی۔(ج)

ان تمام لوگوں میں سب سے زیادہ فتنہ انگیز محمد بن ابی بکر تھے۔ یہ محاصرہ اواخر شوال میں کیا گیا۔ اور اتنا سخت محاصرہ کیا گیا کہ اس میں پانی وغیرہ پر بھی بندش کر دی گئی تھی۔

گھر کا محاصرہ

ابوامامہ الباہلی کہتے ہیں کہ جس وقت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تو ہم آپ کے ساتھ گھر پر تھے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بھائی تم لوگ میرا محاصرہ کر کے آخر مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو؟ میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"کسی بھی مسلمان کا خون تین موقعوں کے علاوہ بہانا جائز نہیں ہے۔ ایک وہ جو مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا ہو یا شادی ہونے کے بعد زنا کیا ہو یا کسی آدمی کو بغیر حق کے قتل کر دیا ہو۔ چنانچہ ان میں سے کسی ایک کے ارتکاب کے بعد اسے قتل کیا جاسکتا ہے۔"

"خدا کی قسم اللہ نے جس دن سے مجھے ہدایت کی دولت سے نوازا ہے اس دن سے میں نے اپنے دین کے سوا کوئی دوسرا دین نہیں اپنایا اور نہ ہی میں نے زمانہ جاہلیت اور اسلام میں زنا کیا اور نہ کسی کو ناحق قتل کیا تو پھر مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو۔" (رواہ امام احمد)

محاصرہ کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعاون

شداد بن اوس کہتے ہیں کہ جس دن محاصرہ سخت ہو گیا تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ گھر سے باہر سر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ اور تلوار کا قلادہ ڈالے ہوئے تھے۔ انہی کے ساتھ ان کے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مہاجرین اور انصار کی جماعت کے ساتھ مل کر لوگوں کو ڈرا دھمکا کر منتشر کر رہے تھے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا السلام علیکم اے امیر المؤمنین۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ کو نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کہ حملہ آور بدنصیب کا بیڑا نہ غرق کر دیا ہو۔ خدا کی قسم! میری نظر میں قوم اتنی برانگیختہ ہے کہ وہ آپ پر وار کر کے چھوڑے گی اس لیے آپ حکم دیں تاکہ ہم ان سے جنگ کریں اور آپ کے طرف سے برسر پیکار ہو جائیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ خدا کی قسم اگر کسی آدمی کے ذمے اللہ کا حق نکلتا ہے یا اس نے اس بات کا اقرار کیا کہ اس کے اوپر میرا کوئی حق ہے جس کی وجہ سے سینگی لگانے کے برابر اس کا خون بہایا جائے یا مطلق فرمایا کہ اس کا خون بہایا جائے تو میں اس کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ یہی کہا کہ اگر آپ ہمیں حکم دیں تو ہم ان لوگوں سے جنگ کریں چنانچہ پھر وہی جواب عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ

شداد بن اوس کہتے ہیں کہ اتنے میں علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ دروازے سے نکلتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے کہ خدا کی قسم ہم نے ساری کوششیں صرف کر دی ہیں۔ پھر علی رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے اتنے میں بلوائیوں نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا اور آپ اس وقت گھر میں سامنے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ محمد بن ابی بکر نے ان کی داڑھی پکڑ لی تو فرمایا اے بھتیجے میری داڑھی چھوڑ دو تم یہ میرے ساتھ ایسا برتاؤ کر رہے ہو کہ اگر تمہیں اس حالت میں تمہارے ابا جان دیکھ لیں تو انہیں بھی برا معلوم ہوگا۔ یہ سن کر محمد بن ابی بکر نے فوراً داڑھی چھوڑ دی اور وہاں سے چلا گیا۔ اس کے بعد بتار بن عیاض اور سودان بن حمران دونوں نے اپنی تلواروں سے حملہ کر دیا۔ خون بہنے لگا

اورخون کی چھینٹیں قرآن مجید کی اس آیت پر پڑیں:

فسیکفیکم اللّٰہ وھو السمیع العلیم. (بقرہ)

''اللہ تعالیٰ آپ کی طرف سے ان سے نمٹ لے گا اور وہی سنتے اور جانتے ہیں۔''

پھر اس کے بعد عمر بن الحمق 'حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور خوب مارا یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہو گیا اور عمیر بن صابی نے ان کے پیٹ کو خوب روندا جس سے آپ کی دو پسلیاں ٹوٹ گئیں۔

کعب بن عجرہ کہتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب ہی ایک زبردست فتنہ اُٹھنے والا ہے۔اس کے بعد ایک شخص ایک چادر میں لپٹا ہوا آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ شخص اس دن حق پر ہوگا۔جب دیکھا گیا تو یہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔'' (رواہ احمد)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دن ان کے حق پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہدایت پر ہوں گے۔مزید امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن اور صحیح لکھا ہے۔ابن ابی المہدی لکھتے ہیں کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس ایسی دو خصوصیات تھیں جو نہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں نہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس۔اول یہ کہ اپنے اوپر اتنا قابو رکھ کر مظلوم وشہید کر دیئے گئے۔دوسرے یہ کہ تمام لوگوں کو قرآن کریم پر جمع کر دیا تھا۔

تاریخ شہادت

المدائنی کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بدھ کے دن بعد نماز عصر پیش آیا اور سنیچر کے دن قبل ظہر تجہیز وتکفین کے بعد دفن کر دیا گیا اور بعض نے تدفین کو جمعہ کے دن بتایا ہے اور یہ تدفین غالباً ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو عمل میں آئی۔

المہدوی کہتے ہیں کہ وسط ایام تشریق[1] میں آپ کو شہید کیا گیا۔اس کے بعد تین یوم تک دفن نہیں کیا گیا اور نہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ بعض اہل علم لکھتے ہیں کہ ان کی نماز جنازہ جبیر بن مطعم نے پڑھائی۔پھر آپ کو رات میں دفن کر دیا گیا۔

آپ کا محاصرہ کتنے دن رہا اس میں علماء کا اختلاف ہے۔بعض نے بیس یوم سے زائد' بعض نے ۴۹ دن کا تذکرہ کیا ہے اور اسی کو امام السیرۃ الواقدیؒ نے اختیار کیا ہے اور الزبیر بن بکار کہتے ہیں کہ محاصرہ اسی دن رہا۔

مدت خلافت

آپ نے ۱۲ یوم کم ورنہ ۱۲ سال مسند خلافت کو زینت بخشی۔آپ کی عمر اسی سال کی ہوئی۔یہی تحقیق محمد بن اسحٰق کی ہے۔بعض اہل علم نے کہا ہے کہ آپ کی خلافت ۱۱ سال ۱۱ ماہ ۱۴ دن تک قائم رہی اور عمر ۸۸ سال بتائی ہے اور بعض نے عمر ۸۳ سال اور دیگر مؤرخین نے ۹۰ سال کا قول ذکر کیا ہے۔اس کے علاوہ بھی اور بہت سے اقوال ہیں۔

---

[1] ایام تشریق: قربانی کے دن کے بعد کے تین دن۔۱۱'۱۲'۱۳ ذوالحجہ (ج)

خلافت امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کو خلیفہ بنایا گیا۔ جس دن عثمان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے اسی دن آپ سے خلافت کی بیعت لی گئی جس کی تفصیل آگے چل کر آ جائے گی۔ ان کا سلسلہ نسب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عبد المطلب جو جداد نی ہیں مل جاتا ہے۔ نیز آپ کو ہاشم کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ اس لیے آپ کو القرشی الہاشمی بھی کہتے ہیں۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ کا زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں علی رضی اللہ عنہ ہی نام رہا۔ کنیت ابوالحسن، ابوتراب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے رکھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے بے پناہ تعلق تھا۔ آپ سات سال کی عمر میں اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ بعض نے ۹ سال بعض نے ۱۰ سال اور بعض ۱۵ سال اسلام لانے کے وقت کی عمر بتاتے ہیں۔

آپ سوائے تبوک کے تمام غزوات میں شریک رہے اس لیے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کا جانشین بنا دیا تھا۔ آپ ایک عالم صحابی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت ہجرت فرمائی تھی تو انہی کو اپنے بستر پر گھر چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ تین دن تین رات رہ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھی امانتیں لوگوں کو واپس کر دیں۔ اس کے بعد مدینہ منورہ ہجرت کر کے حاضر ہو گئے۔ آپ کم عمر لوگوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے اور سب سے پہلے نماز پڑھی۔ ان کی اہلیہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تھیں۔ اور نبی پاک نے جہیز میں ایک چادر کھجور کی چھال کا بھرا ہوا چمڑے کا تکیہ، دو چکی ایک مشکیزہ اور دو گھڑے دیئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں آپ کو جنت کی بشارت سنا دی تھی۔ آپ کے مناقب بھی بہت ہیں صرف اتنا ہی کافی تھا کہ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی کرم اللہ وجہہ اس کے دروازہ ہیں۔" (حدیث طویل کا ایک ٹکڑا)

اولوالعزم پیغمبر کون ہیں

بڑے بڑے اور اولوالعزم پیغمبر پانچ ہیں:

(۱) نوح علیہ السلام (۲) ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام (۳) موسیٰ علیہ السلام (۴) عیسیٰ علیہ السلام (۵) خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

ماں کے پیٹ سے مختون پیدا ہونے والے پیغمبر

کعب الاحبار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جن انبیا علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے مختون پیدا کیا ہے ان کی تعداد تیرہ ہے:

(۱) ابوالبشر آدم علیہ السلام (۲) شیث علیہ السلام (۳) ادریس علیہ السلام (۴) نوح علیہ السلام (۵) سام علیہ السلام (۶) لوط علیہ السلام (۷) یوسف علیہ السلام (۸) موسیٰ علیہ السلام (۹) شعیب علیہ السلام (۱۰) سلیمان علیہ السلام (۱۱) یحییٰ علیہ السلام (۱۲) عیسیٰ علیہ السلام (۱۳) خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

محمد بن حبیب الہاشمی کہتے ہیں کہ وہ انبیاء جو ماں کے پیٹ سے مختون پیدا ہوئے ہیں ان کی تعداد چودہ ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) ابوالبشر آدم علیہ السلام (۲) شیث علیہ السلام (۳) حنظلہ بن صفوان جو اصحاب الرس کے لیے بھیجے گئے تھے (۴) نوح علیہ السلام (۵) صالح علیہ السلام (۶) لوط علیہ السلام (۷) یوسف علیہ السلام (۸) موسیٰ علیہ السلام (۹) شعیب علیہ السلام (۱۰) سلیمان علیہ السلام (۱۱) زکریا علیہ السلام (۱۲) عیسیٰ بن مریم علیہ السلام (۱۳) ہود علیہ السلام (۱۴) خاتم النبیین نبی آخر الزماں سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

کاتبین وحی

(۱) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۲) عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۳) عثمان غنی بن عفان رضی اللہ عنہ (۴) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (۵) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ یہ سب سے پہلے کاتب وحی ہیں۔(۶) زید بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ (۷) معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (۸) حنظلہ بن الربیع الاسدی رضی اللہ عنہ (۹) خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ۔ بلکہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ زیادہ پابندی سے لکھا کرتے تھے۔

دور نبوت کے حفاظ صحابہ کرام

(۱) ابی بن کعب (۲) معاذ بن جبل (۳) ابوزید انصاری (۴) ابوالدرداء (۵) زید بن ثابت (۶) عثمان بن عفان (۷) تمیم الداری (۸) عبادہ بن الصامت (۹) ابوایوب انصاری رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گردن اُڑانے والے صحابہ کرام

(۱)ابی بن کعب (۲) معاذ بن جبل (۳) ابوزید انصاری (۴) ابوالدردا (۵) المقداد (۶) عاصم بن ابی الافلح رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ صحابہ کرام

(۱) سعد بن ابی وقاص (۲) سعد بن معاذ (محمد بن مسلمہ انصاری رضوان اللہ علیہم اجمعین۔جس وقت یہ آیت مندرجہ ذیل نازل ہوئی تو آپؐ نے اپنی حفاظت ترک کردی۔وہ آیت یہ ہے:

واللہ یعصمک من الناس

ترجمہ:''اوراللہ تعالیٰ آپ کی لوگوں سے حفاظت فرمائے گا۔''

دور نبوت کے مفتیان صحابہ کرام

(۱) ابوبکر صدیق (۲) عمر فاروق بن خطاب (۳) عثمان بن عفان (۴) علی بن ابی طالب (۵) عبدالرحمٰن بن عوف (۶) ابی بن کعب (۷) عبداللہ بن مسعود (۸) معاذ بن جبل (۹) عمار بن یاسر (۱۰) حذیفہ (۱۱) زید بن ثابت (۱۲) سلمان (۱۳) ابوالدردا (۱۴) ابوموسیٰ الاشعری رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

مدینہ منورہ کے مفتی تابعین عظام

(۱) سعید بن المسیب (۲) ابوبکر عبدالرحمٰن بن الحرث (۳) قاسم (۴) عبیداللہ (۵) عروہ (۶) سلمان (۷) خارجۃ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

شیر خوارگی کی حالت میں گفتگو کرنے والے

وہ چار ہیں: (۱) صاحب جریج جس نے زنا سے برأت کا اظہار کیا تھا (۲) سیدنا یوسف علیہ السلام کا گواہ، جس نے زلیخا سے برأت کی تھی (۳) ابن الماشطہ جس نے فرعون کو کفر سے ڈرایا تھا اور الماشطۃ وہ ہے جس نے فرعون کو دودھ پلایا تھا (۴) سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام انہوں نے اپنی ماں کی برأت کی تھی۔

موت کے بعد گفتگو کرنے والے

وہ بھی چار ہیں: (۱) یحییٰ بن زکریا علیہ السلام، جس وقت ان کی قوم نے انہیں ذبح کر دیا تھا۔ (۲) حبیب بن النجار، انہوں نے کہا تھا **یا لیت قومی یعلمون** (کاش کہ میری قوم مجھے پہچان لیتی) (۳) جعفر بن طیار نے کہا تھا **لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا** (جو اللہ کے راستے میں شہید کر دیئے گئے ہیں انہیں مردہ مت سمجھو) (۴) حسین بن علی نے کہا تھا:

وسیعلم اللذین ظلموا ای منقلب ینقلبون.

ترجمہ: ''عنقریب ظالم لوگ جان لیں گے کہ وہ کس طرح بدلتے ہیں۔''

مادرِ رحم میں مدت سے زائد رہنے والے

(۱) سفیان بن حیان یہ جس وقت پیدا ہوئے چار سال کے تھے۔ گویا چار سال ماں کے پیٹ میں رہے۔ (۲) محمد بن عبداللہ بن حسن الضحاک بن مزاحم، یہ جس وقت پیدا ہوئے تو ۱۶ ماہ ماں کے پیٹ میں گزار چکے تھے۔ (۳) یحییٰ بن علی بن جابر البغوی (۴) سلیمان الضحاک، یہ دو سال ماں کے پیٹ میں گزار چکے تھے۔

نمرود نامی بادشاہ

چھ ہوئے ہیں: (۱) پہلا نمرود بن کنعان بن حام بن نوح علیہ السلام جوان بادشاہوں میں تھا جن کو ساری دُنیا کی بادشاہت نصیب ہوئی اور یہ بادشاہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کا ہے۔ (۲) دوسرا نمرود بن کوش بن کنعان بن حام بن نوح علیہ السلام یہ صاحب النسور تھا اس کا واقعہ مشہور ہے۔ (۳) تیسرا نمرود بن ماش بن کنعان بن حام بن نوح علیہ السلام (۴) چوتھا نمرود بن سنجار بن نمرود بن کوش بن کنعان بن حام بن نوح علیہ السلام (۵) پانچویں نمرود بن ساروع بن ارغو بن مالخ (۶) نمرود بن کنعان بن المصاص بن نقطا۔

فراعنہ مصر

تین ہوئے ہیں: (۱) پہلا فرعون سنان بن الاشعل بن علوان بن العمید بن عملیق، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔
(۲) دوسرا فرعون ریان بن الولید، یہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے زمانے کا ہے۔ (۳) تیسرا فرعون الولید بن مصعب، یہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا ہے۔

ائمہ مذاہب اربعہ

(۱) سفیان الثوریؒ ۷۲ھ میں ولادت ہوئی اور وفات بصرہ میں ۱۶۱ھ میں ہوئی۔ (۲) مالک بن انس ۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں ۱۷۹ھ میں انتقال ہوا۔ (۳) امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، انتقال ۱۵۰ھ بغداد میں ہوا۔ عمر ستر سال کی ہوئی۔ (۴) امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ مصر میں اواخر رجب ۲۰۴ھ میں انتقال ہوا۔ (۵) امام احمد بن حنبل، کنیت ابو عبداللہ تھی، بغداد میں ۲۴۱ھ ربیع الثانی میں انتقال ہوا۔

جلیل القدر محدثین کرام

(۱) امام ابوعبداللہ البخاریؒ بروز جمعہ ۱۳ شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور عیدالفطر کی رات ۲۵۶ھ میں انتقال ہوا۔ (۲) امام مسلمؒ نیشاپوری ۲۵ رجب ۲۶۱ھ میں انتقال ہوا۔ عمر ۵۵ سال کی تھی۔ (۳) امام ابوداؤد بصرہ میں ماہ شوال ۲۷۵ھ میں انتقال ہوا۔

(۴) امام ابوعیسیٰ الترمذی ۱۳ رجب ۲۶۹ھ میں ترمذ میں انتقال ہوا۔ (۵) امام ابوالحسن الدارقطنی ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ماہ ذی قعدہ ۳۸۵ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ (۶) ابوعبدالرحمٰن النسائی ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لوگوں کی بیعت اور فتنوں کی ابتداء

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب سیدنا عثمان غنی کو شہید کر دیا گیا تو لوگ سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے لگے۔ بعض لوگ تو اضطراب کے عالم میں گھر میں داخل ہو گئے اور یہ کہا کہ امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ تو شہید کر دیئے گئے۔ ہمارے اندر بحیثیت قائد ایک امام کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ہمارے علم کے مطابق آپ سے زیادہ منصب وامامت وخلافت کا کوئی مستحق نہیں ہے۔ یہ سن کر آپ نے ان لوگوں کی تجویز رد کر دی۔ لیکن لوگوں نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا: اگر تم لوگ میری ہی امامت وخلافت کے لیے بیعت پر مصر ہو تو یاد رکھو میں خفیہ بیعت گھر میں نہیں کروں گا۔

بس یہ کہنا تھا کہ لوگ مسجد میں آ گئے۔ چنانچہ طلحہ' زبیر' سعد بن ابی وقاص اور دیگر اکابر صحابہ کرام سبھی حاضر ہو گئے۔ سب سے پہلے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔ پھر اس کے بعد لوگ بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے اور تمام مہاجرین وانصار آپ کی بیعت پر متفق ہو گئے۔ لیکن ان میں سے ایک جماعت نے بیعت کرنے سے تاخیر کی تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو اپنی بیعت پر مجبور نہیں کیا۔ بعض لوگوں نے بیعت نہ کرنے والوں سے کہا کہ یہ لوگ حق سے الگ ہو کر بیٹھ گئے۔ لیکن باطل کا ارتکاب نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے اہل شام اور معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان نے بھی انکار کر دیا۔

بس یہیں سے جھگڑے کی بنیاد پڑ جاتی ہے جس کی وجہ سے آپس ہی میں صفین کا معرکہ بھی گرم ہو گیا۔ بعض لوگوں نے خروج کر کے کفر کا ارتکاب کر لیا تو ان کا نام خوارج پڑ گیا۔ انہی خروج کرنے والوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی سازش شروع کر دی (اللہ تعالیٰ ان کی سخت پکڑ کرے) انہی خوارج نے مسلمانوں کے شیرازے کو منتشر کر کے اختلاف کی بنیاد ڈالی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ممکن حد تک ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن یہ لوگ باز نہیں آئے بلکہ یہ خوارج معرکہ آرائی کے لیے آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ ''نہروان'' کے قریب ان لوگوں سے جنگ ہوئی اور سوائے چند کے سب لوگ قتل کر دیئے گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مشورہ

سیدنا امیر المؤمنین خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے زخمی ہو جانے کے بعد فرمایا تھا کہ اگر تم لوگ ان محلوق الراس (سر گھٹے) کو اپنا خلیفہ اور والی بناؤ گے تو یہ تمہاری صحیح راہنمائی کریں گے۔ آپ نے اس سے مراد سیدنا امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو لیا تھا۔ چنانچہ ہوا بھی وہی کہ آپ نے خدا کی قسم لوگوں کو صراط مستقیم پر چلانے کی ہر ممکن کوششیں کیں۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اخلاق کریمانہ

آپ رعایا پر مہربان' تواضع کے پیکر' متقی پرہیزگار' دین کے معاملے میں چست تھے۔ ایک مٹھی جو کا آٹا پانی میں ڈال کر پی لیتے تھے۔ خوارج نے خروج کی راہ اپنائی۔ ان میں سے تو بعض نے یہ عقیدہ بنا لیا تھا کہ آپ معبود برحق ہیں تو آپ نے انہیں آگ میں ڈال دیا تھا۔ کسی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ خود جنگ صفین میں تشریف لے جاتے تھے؟ تو جواب دیا کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ جیسا جنگ جو نہیں دیکھا میں نے انہیں ننگے سر ہاتھ میں تلوار' پاؤں تک زرہ پہنے ہوئے جنگ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

الدرۃ الغواص نامی کتاب میں ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی شجاعت کے بارے میں مشہور ہے کہ جب آپ مقابل کے سامنے

آتے تو اسے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتے۔ اوپر سے وار کرتے تو نیچے تک تلوار اُتر آتی۔ اگر سامنے کی جانب سے حملہ کرتے تو کمر سے دوسری جانب تلوار نکل آتی۔ ان کی شہادت کا واقعہ تو گزر چکا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم نے شہید کیا تھا۔ یہ واقعہ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ میں پیش آیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن ملجم نے ان پر یکا یک حملہ کر کے خنجر دماغ پر مارا جس سے آپ شدید زخمی ہو گئے۔ پھر آپ کا دو دن کے بعد انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وفات کے بعد قاتل کو پکڑ کر اس کو خوب مارا اور سزا دی۔

آپ اس وقت موجود تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے افضل تھے۔ مناقب آپ کے بہت ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے آپ کے سارے مناقب کو یکجا کر دیا ہے۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ جس وقت ابن ملجم نے آپ کو کاری ضرب لگائی تھی تو آپ نے سیدنا حسن وحسین رضوان اللہ علیہم کو بلا کر طویل نصیحت کی جس کے آخر میں یہ بھی کہا کہ اے بنو مطلب تم مسلمانوں کے خون میں لت پت مت ہونا۔ تم یہ کہتے ہو کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے۔ مجھے میرے قاتل کے علاوہ کسی اور نے قتل نہیں کیا اسے تم آہستہ آہستہ سزا دیتے رہو لیکن مثلہ نہ بنانا اس لیے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم مثلہ بنانے سے اپنے آپ کو بچانا۔

جس وقت سیدنا امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کا انتقال ہو گیا تو حسن رضی اللہ عنہ نے قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم کو قتل کر دیا۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر اس کی آنکھوں میں آگ سے سلائیں گرم کر کے بھونک دیں لیکن یہ سب ہو جانے کے بعد اسے نہ ڈر محسوس ہوا اور نہ ہی آواز نکالی۔ لیکن جب اس کی زبان کاٹی جانے لگی تو کراہنے لگا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ کیوں کراہ رہا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں موت سے گھبراتا نہیں ہوں ہاں میں اس سے ضرور ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے اوپر کوئی وقت ایسا نہ گزرے جس میں اللہ تعالیٰ کو نہ یاد کر سکوں۔ اس کے بعد لوگوں نے اس کی زبان کاٹ دی۔ پھر وہ مر گیا۔

روایت میں تصریح ہے:

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ! کیا تم جانتے ہو پہلے لوگوں میں سب سے زیادہ بد بخت کون تھا؟ تو آپ نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ ہے جس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعد کے لوگوں میں سب سے زیادہ بد بخت کون ہے؟ معلوم ہے! علی رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا وہ شخص ہے جو تم کو یہاں پر مارے گا جس کی وجہ سے یہ تر ہو جائے گی (یہ کہہ کر) ان کی داڑھی پکڑ لی۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں چاہتا تو میں اس کم بخت کو پہلے ہی سمجھ لیتا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابن ملجم نے شہید کر دیا جیسے کہ گزرا ہے۔

آپؓ کی عمر اور مدت خلافت

آپ کی وفات ۵۷ یا ۵۸ سال کی عمر میں ہوئی۔ چند علماء کی تحقیق کے مطابق ۶۳ یا ۶۸ سال کی ہوئی۔ ابن جریر الطبری لکھتے ہیں انتقال کے وقت عمر ۶۵ سال تھی اور بعض کا قول ۶۳ سال کا بھی ہے۔ آپ کل ۴ سال ۹ ماہ ایک دن منصب خلافت پر فائز رہے۔ آپ مدینہ منورہ میں خلیفہ ہونے کے بعد ۴ ماہ رہے۔ پھر عراق تشریف لے گئے تھے اور واقعۂ شہادت کوفہ میں پیش آیا جس طرح عمر کے بارے میں مختلف آراء ہیں اسی طرح مدت خلافت میں بھی اختلاف ہے۔

خلافت سیدنا حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

آپ چھٹے خلیفہ ہیں اس لیے انہیں معزول کر دیا گیا تھا جیسا کہ عنقریب تفصیل آئے گی۔ اہل علم نے لکھا ہے کہ سیدنا امیر المؤمنین خلیفہ چہارم علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کو خلیفہ بنایا گیا۔ کنیت ابو محمد لقب زکی ماں کا نام فاطمۃ الزہراءؓ ہے۔ آپ کے والد محترم کی وفات کے بعد آپ کی خلافت کی بیعت لی گئی پھر آپ مدائن تشریف لے گئے اور وہیں مستقل مقیم ہو گئے۔

ایک دن کسی مخبر نے بتایا کہ قیس کو قتل کر دیا گیا اس لیے جلدی تشریف لے چلئے۔ قیس کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے لشکر مقدمۃ الجیش (سپہ سالار) بنایا تھا ان کا پورا نام قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہے۔ جس وقت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نکلے تو الجراح الاسدی نے ان پر حملہ کر دیا (اللہ اس کی سخت پکڑ کرے) اس نے آپ ہی کے ساتھ ساتھ چل کر اچانک ران میں خنجر بھونک دیا تھا تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے کل میرے ابا جان کو قتل کیا ہے اور آج مجھ پر حملہ کر کے مجھے قتل کرنا چاہتے ہو محض اس لیے کہ انصاف پرور سے منحرف ہونا چاہتے ہو اور بے انصاف اور متشدد لوگوں کے ساتھ رہنا چاہتے ہو۔ خدا کی قسم تھوڑے ہی دنوں میں اس کا انجام بھگتو گے۔

اس کے بعد آپ نے چند شرائط کے ساتھ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کئے جانے کی تحریر لکھ دی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا جواب دیا۔ چنانچہ انہی شرائط پر خلافت ان کو سپرد کر دی گئی۔ اور حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ۲۵ ربیع الاول کو بیعت کر لی اور یہ محض آپ نے اُمت محمدیہ کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو متحد کرنے کی وجہ سے اقدام کیا تھا۔ چنانچہ یہاں پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی بطور معجزہ پوری ہوئی کہ آپؐ نے فرمایا تھا:

''یہ میرا نواسہ سردار ہے عن قریب اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ صلح کرائیں گے۔''

دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں:

''شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں مصالحت کرائیں گے۔''

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں خلافت سپرد کرنے کے سلسلے میں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک لاکھ درہم لیے تھے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ جمادی الاولیٰ مقام اذرح میں ایک ہزار اشرفیوں کے عوض اور بعض قول کے مطابق چار سو دراہم کے عوض میں خلافت کو سپرد کر دیا تھا اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ خلافت سپرد کرتے وقت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے یہ شرط لگائی تھی کہ انہیں بیت المال سے خرچ لینے کی مکمل سہولت دے دی جائے تاکہ حسب ضرورت ہمیشہ لیتے رہا کریں۔ نیز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد انہیں ہی خلیفہ تسلیم کیا جائے گا۔ گویا ولی عہد بنا لیے جانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس تجویز کو پسند کر کے سراہا اور اسے منظور کر لیا۔ اس کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خود معزول ہو گئے۔ عنان حکومت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی اور ان سے مکمل صلح کر لی۔ پھر دونوں ایک ساتھ کوفہ میں داخل ہوئے تو اُمت مسلمہ کی زمام حکومت ایک خلیفہ کے ہاتھ میں چلے جانے کی وجہ سے اس سال کا نام ہی عام الجماعت رکھ دیا گیا۔

شعبی کہتے ہیں کہ جس دن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خود بخود معزول ہو رہے تھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تھی میں اس تقریب میں موجود تھا جس میں آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ سب سے عقل مند صاف گو آدمی ہے اور سب سے احمق فاجر آدمی ہے جس کے لیے میں اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لڑ جھگڑ رہے تھے۔ اگر وہ واقعی اس کے مستحق تھے تو وہی مجھ سے زیادہ مناسب ہیں اور اگر میں اس کا حق دار تھا تو اب میں اپنا حق ان کے سپرد کرتا ہوں اور اس قسم کا اقدام محض اُمت میں صلح کرنے اور قوم کو خون ریزی سے بچانے کے لیے کر رہا ہوں۔ لیکن

مجھے اس کا بھی علم ہے کہ شاید یہ بات تمہارے لیے فتنہ کا باعث بن جائے لیکن کب تک محض چند دن تک اشتعال پھر اس کے بعد معاملہ دب جائے گا۔

پھر اس کے بعد آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور یہیں اقامت اختیار کر لی تو بعض لوگوں نے آپ کو ہدف ملامت بھی بنایا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں نے تین چیزوں میں تین چیزیں پسند کی ہیں:

(۱) انتشار کے مقابلے میں اتحاد اور جماعت بندی (۲) خون ریزی کے مقابلہ میں اُمت مسلمہ کے خون کی حفاظت (۳) آگ کے مقابلے میں عار کو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ آپ ممبر پر تشریف فرما ہیں اور اپنے پہلو میں حسن رضی اللہ عنہ کو بٹھائے ہوئے ہیں۔ آپ کبھی لوگوں کو دیکھتے اور کبھی انہیں دیکھ کر فرماتے کہ یہ میرا بیٹا سردار ہے اور اُمید ہے کہ یہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح و آشتی کرائے گا۔" (حدیث صحیح)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے کہ میں ان سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ ان کے گھر پیدل نہ گیا ہوں۔ پھر اس کے بعد آپ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ بیس مرتبہ پیدل تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ شرفاء بھی شریک تھے۔ اسی طرح آپ نے اپنے مال سے دو مرتبہ صدقہ نکالا اور فی سبیل اللہ تین مرتبہ مال تقسیم کیا۔ یہاں تک کہ ایک جوتا خدا کی راہ میں دے دیتے اور دوسرا روک لیتے۔

ابن خلکان کہتے ہیں کہ جس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو مروان بن الحکم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ حسن رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے ہیں تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان کے انتقال کی خبر مجھے فوراً بھیج دی جائے تو جس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو بلند تکبیر کہی جو کہ مقام الخضراء تک سنائی دیتی تھی۔ اس تکبیر کو سن کر اہل شام نے بھی تکبیر بلند کی۔ یہ ماجرا دیکھ کر فاختہ بنت قریظ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی آنکھ میں ٹھنڈک بخشے آپ نے یہ تکبیر کیسی بلند کی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ فاختہ نے کہا کہ کیا آپ نے حسن بن فاطمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سن کر تکبیر کہی ہے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ان کے مرنے سے خوش ہو کر تکبیر نہیں کہی بلکہ اس لیے کہی ہے کہ میرا قلب مطمئن ہو گیا۔ اسی دوران عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو امیر معاویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ کو کچھ معلوم بھی ہے اہل بیت میں حادثہ آ گیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے کچھ علم نہیں ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ آپ اس وقت خوش نظر آ رہے ہیں اور اس سے قبل میں نے آپ کی تکبیریں بھی سنی ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی ہے۔ یہ سن کر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ ابو محمد پر رحم فرمائے۔ (یہ جملہ دعائیہ تین مرتبہ کہا)

پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے معاویہ رضی اللہ عنہ! حسن رضی اللہ عنہ کا گڑھا آپ کے گڑھے کو نہیں بھر سکتا اور نہ ان کی عمر تمہاری عمر میں اضافہ کر سکتی ہے اور اگر ہمیں اس وقت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات سے تکلیف پہنچی ہے تو کوئی بات نہیں اس سے قبل بھی امام المتقین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تکلیف پہنچ چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حادثہ کی تلافی فرما کر سکون نصیب کرے۔ اب ان کے بعد تو اللہ تعالیٰ ہی ہمارے خلیفہ ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا تھا

زہر کے اثرات سے آپ کی وفات ہوئی تھی۔ زہر دینے والی ایک عورت تھی جس کا نام مقدمتہ بن الاشعث ہے۔ زہر آپ کو اتنا اثر کر گیا تھا کہ آپ کے نیچے سے دن میں ایک ایک طشت خون اُٹھایا جاتا تھا۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے کئی مرتبہ زہر دیا گیا ہے لیکن جتنا زیادہ اس مرتبہ اثر کیا ہے کبھی نہیں کیا۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت کی تھی مجھے میرے نانا کے پاس اجازت لے کر دفن کر دینا ورنہ بقیع الغرقد میں دفن کر دینا جس وقت آپ کے انتقال کا حادثہ پیش آیا تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ آپ کے بھائی اور تمام غلام مسلح ہو کر اس کوشش میں لگ گئے کہ آپ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی دفن کر دیا جائے۔ یہ دیکھ کر مروان بن الحکم جو ان دنوں مدینہ کا گورنر تھا موالی بنی امیہ میں آ گیا تھا تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اس ارادہ سے روک دیا گیا۔

تاریخ وفات

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ربیع الاول ۴۹ھ میں ہوئی اور بعض یہ کہتے ہیں کہ ۵۰ھ میں ہوئی۔

نماز جنازہ سعید بن العاص نے پڑھائی۔ پھر اپنی والدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے جوار میں دفن کر دیئے گئے اور کچھ حضرات کے قول کے مطابق بقیع الغرقد میں قبۃ العباس میں دفن کر دیا گیا۔ اسی میں علی زین العابدین اور ان کے بیٹے محمد الباقر اور پوتے جعفر بن محمد الصادق بھی مدفون ہیں۔ گویا چار اشخاص ایک ہی قبر میں آرام کر رہے ہیں۔

مدت خلافت

آپ چھ ماہ پانچ دن یا بعض اقوال کے مطابق مکمل چھ ماہ میں ایک دن کم تھا' مسند خلافت پر رونق افروز رہے۔ گویا یہ مدت خلافت راشدہ کا تکملہ تھی جس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ ملوکیت و بادشاہت سے تبدیل ہو جائے گی۔ پھر اس کے بعد ظلم و زیادتی اور زمین میں فساد برپا ہو جائے گا اور ہوا بھی وہی جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر ۴۷ سال کی ہوئی۔

خلافت امیر المؤمنین سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

اہل علم لکھتے ہیں کہ جس وقت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خود بخود معزول ہو گئے تو خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آ گئی۔ سارا ملک ان کا ہو گیا ان سے بیعت یوم تحکیم میں ہوئی۔ اہل شام نے تو ان سے بیعت کر لی تھی لیکن اہل عراق نے اختلاف کیا تھا۔ اس کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر لی جس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام لوگوں کا اتفاق ہو گیا۔ امیر معاویہؓ کی ولادت مقام خیف منیٰ میں ہوئی۔ یہ اپنے والد محترم ابوسفیان سے پہلے ہی اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ سے فیض یاب ہوئے۔ کاتب وحی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اور یہ اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان کے لشکری بن کر رہتے تھے۔ پھر یزید بن ابی سفیان سیدنا امیر المؤمنین خلیفہ دوم عمر فاروق بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں دمشق کے علاقہ میں گورنر تھے۔ پھر جب یہ قریب المرگ ہوئے تو اپنے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ و نائب بنا دیا۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۲۰ھ میں اس عہدے پر برقرار رکھ کر مستقل کر دیا۔ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ بیس سال تک شام ہی کے گورنر

رہے۔ یہ مدت خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی میں گزری۔ پھر آپ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں غالب آ گئے۔ یہاں تک کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ بعد میں ان کی خلافت پر سب لوگوں کا اجماع ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عمال کو ملکوں میں روانہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ حالات ۴۱ھ میں رونما ہوئے اسی لیے اس سال کا نام عام الجماعت (اتحاد کا سال) رکھ دیا گیا۔ اس لیے کہ تمام اُمت محمدیہ انتشار اور اختلاف کا شکار ہونے کے بعد ایک امیر کی زیر قیادت متحد ہو گئی۔

ایک عورت نے دور نبوت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرتے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ازدواجی تعلقات کی خواہش مند تھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ تو فقیر (صعلوک) ہیں ان کے پاس مال و دولت نہیں ہے۔ اس کے بعد گیارہ سال گزرنے کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق کے نائب گورنر ہو گئے۔ پھر چالیس سال بعد دُنیا بھر کے بادشاہ بن گئے۔

حلیہ اور نسب

ان کے چہرے سے ملاحت، رعب، جاہ وجلال ٹپکتا تھا۔ اچھے قسم کا لباس زیب تن فرماتے۔ نشان لگے ہوئے ممتاز گھوڑے پر سوار ہوتے، جود وسخا کے خوگر، رعایا کے حق میں ملنسار اور عزت وعظمت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نسب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عبد مناف بن قصی میں مل جاتا ہے۔ نیز انہیں اُمیہ بن عبد شمس کی طرف منسوب کر کے اموی بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی خلافت سے مرۃ بن نوفل الاشجعی الحروری نے خروج کیا اور کوفہ چلا آیا۔ یہ آپ کی خلافت کا سب سے پہلا خارجی شخص تھا۔ اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو یہ تحریر لکھ کر بھیج دی کہ یاد رکھو میرا تمہارے اوپر حق ہے۔ تم لوگوں کو چاہیے کہ اس خارجی سے مقابلہ کرو۔ چنانچہ اہل کوفہ نے ان سے جنگ کی اور وہ مارا گیا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے حویلی اور محلوں کی بنیاد ڈالی۔ حفاظت اور پہرہ کا انتظام کیا۔ پردہ اور حجاب کی پابندی عائد کی اور یہ پہلے امیر المؤمنین ہیں جنہوں نے اپنے اردگرد مسلح باڈی گارڈ رکھے تھے۔ اسی طرح انہوں نے کھانے پینے، پہننے وغیرہ میں آرام وراحت کے سامان برتنے کی بنیاد ڈالی۔

آپ نہایت بردبار آدمی تھے۔ آپ کی بردباری کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو تمام گھر کے لوگ اکٹھا ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ میرے گھر کے آدمی نہیں ہو؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں ہم سب آپ ہی کے گھر کے لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا تم میری وجہ سے رنجیدہ خاطر ہو میں نے تمہارے لیے ہی محنت ومشقت جھیلی ہے اور تمہارے لیے ہی کمایا ہے۔ گھر والوں نے کہا جی ہاں بالکل صحیح ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میری روح میرے قدموں سے نکل رہی ہے اگر تم اسے واپس کر سکو تو واپس کر دو۔ گھر والوں نے کہا کہ ہم لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ کہہ کر رونے لگے۔ اتنے میں آپ بھی رونے لگے۔ پھر فرمایا میرے بعد کسے دُنیا دھوکہ میں ڈالے گی۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب آپ زیادہ کمزوری محسوس کرنے لگے تو لوگوں نے کہا کہ بس یہ تو موت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میری آنکھوں میں اثمد سرمہ لگا دو اور سر میں تیل کی مالش کر دو۔ لوگوں نے یہی کیا اور چہرے پر بھی تیل لگا دیا۔ اس کے بعد ان کے لیے ایک تکیہ رکھا جس میں انہیں ٹیک لگا کر بٹھا دیا۔ پھر لوگ اجازت لے کر حاضر ہونے لگے۔ اور سلام لے کر بیٹھنے لگے۔ جس وقت لوگ واپس جاتے تو آپ یہ شعر پڑھتے ؎

وتجلدی للشامتین اریهم انی لریب الدهر لا اتضعضع

''میں خوشی منانے والوں کو دیکھ رہا ہوں تم ان کی وجہ سے صبر کرو ورنہ میں زمانہ کی گردش کے ساتھ جھکتا نہیں ہوں۔''

واذالمنية انشبت اظفارها الفيت كل تيمته لا تنفع

''اور جب موت اپنے ناخن چھوڑ دیتی ہے تو میں نے ہر تعویز کو بے سود پایا۔''

پھر آپ نے وصیت کی کہ میرے ناک و منہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ناخن رکھ دیئے جائیں اور آپ ہی کے کپڑوں میں کفن دے دیا جائے۔

وفات و مدت خلافت

آپ کی وفات نصف رجب کے قریب ۶۰ ھ میں دمشق میں ہوئی اور بعض علماء نے ابتدائے رجب کا تذکرہ کیا ہے۔ چونکہ ان کا صاحبزادہ یزید موجود نہیں تھا اس وقت وہ بیت المقدس میں تھا تو نماز جنازہ الضحاک الفہری نے پڑھائی۔ آپ کی عمر کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے ۸۰ سال کی عمر ہوئی ہے۔ کچھ نے ۷۵ سال اور بعض لوگوں نے ۸۵ سال، دیگر حضرات نے ۸۸ سال اور دوسرے اہل علم نے ۹۰ سال بتائی ہے۔ خلافت مستحکم ہونے کے بعد ۱۹ سال ۳ ماہ ۵ دن مسند خلافت کو زینت بخشی۔ یہ ۴۰ سال تک امیر اور خلیفہ کے عہدے پر فائز رہے جس میں سے چار سال سیدنا امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر رہے۔ واللہ اعلم

خلافت یزید بن معاویہؒ

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ان کا بیٹا یزید تخت نشین ہوا۔ جس دن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اُسی دن اس سے بیعت لی گئی اس لیے کہ اس کے والد محترم نے زندگی ہی میں ولی عہد بنا دیا تھا۔ یہ والد کے انتقال کے وقت موجود نہیں تھا، حمص میں تھا۔ وفات کی خبر سن کر آیا اور سیدھا والد محترم کی قبر پر چلا گیا۔ اس کے بعد دمشق میں دار السلطنت الخضراء میں آیا تو ارکان حکومت اور تمام لوگوں نے اس سے بیعت کر لی۔ اس کے بعد اس نے سارے ملک میں بیعت کے خطوط روانہ کیے تو عوام نے بھی بیعت کر لی لیکن اس سے سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ یہ دونوں یزید کے عامل الولید بن عقبہ بن ابی سفیان سے روپوش رہتے۔ آخر تک یہ دونوں بیعت نہ کرنے پر مصر رہے۔ پھر آخر ایک دن وہ بھی آیا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں شہید کر دیئے گئے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل کون تھا

سیدنا حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والا الشمر بن ذی الجوشن ہے۔ بعض نے قاتل کا نام سنان بن انس النخعی بتایا ہے۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ الشمر بن ذی الجوشن نے آپ کے سر میں نیزہ مارا اور گھوڑے سے گرا دیا۔ اس کے بعد خولی بن یزید الاصبحی نے آگے بڑھ کر سر جدا کرنا چاہا تو اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ اسی دوران اس کا بھائی شبل بن یزید نے آ کر گردن الگ کر دی اور اپنے بھائی خولی بن یزید کو دے دیا۔ اس لشکر کا سپہ سالار عبیداللہ بن زیاد بن ابیہ تھا اور اسے یزید نے سپہ سالار بنایا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد نے علی بن حسین رضی اللہ عنہ اور ان عورتوں کو جو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھیں ان کو اپنے لیے ہموار کر لیا تھا حالانکہ ان لوگوں کو جو عبیداللہ بن زیاد نے اعتماد دلایا تھا اس پر عمل نہیں کر سکا۔ اس کے بعد پھر جو اس نے وعدہ کے خلاف ظلم ڈھائے مثلاً عورتوں کو قید کیا۔ چھوٹے بچوں کو اس قدر قتل کیا کہ جس کے تذکرے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل گھبرا جاتا ہے۔ یزید بن معاویہ ان دنوں الشمر بن ذی الجوشن اور عبیداللہ بن زیاد کے ساتھ اپنے ہم نشینوں میں دمشق میں تھا۔ یہ سب کے سب لوگ چل پڑے۔ راستے میں ایک عبادت گاہ میں پہنچے۔ قیلولہ کرنے لگے تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ بعض دیواروں پر یہ شعر لکھا ہوا ہے ۔

اترجو امة قتلت حسينا شفاعة جده يوم الحساب

''کیا تم ایسی اُمت کے بارے میں جس نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے قیامت کے دن ان کے نانا جان کی شفاعت سے اُمید رکھتے ہو۔''

لشکر والوں نے راہب سے سوال کیا کہ یہ شعر کس نے لکھا ہے اور کب کا لکھا ہوا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ شعر تو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سو سال قبل سے لکھا ہوا ہے۔

بعض اہل علم لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ یوں نہیں ہے بلکہ ایک دیوار پھٹی اسی میں سے ایک خون آلود ہتھیلی نکلی جس میں خون ہی سے یہ شعر لکھا ہوا تھا۔ پھر وہ لشکر چل کر دمشق آ گیا۔ یزید بن معاویہ سے ملاقات کی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے سامنے پھینک دیا گیا تو الشمر ذی الجوشن نے کہا کہ اے امیر المؤمنین یہ شخص ۱۱۸ اہل بیت اور ۶۰ دوسرے لوگوں کو لے کر برسر پیکار ہو گیا تھا اس لیے ہم بھی حملہ آور ہو گئے۔ جنگ کرنے سے قبل میں نے ان سے یہ سوال کیا تھا کہ یا تو تم عبید اللہ بن زیاد کے پاس چلو یا پھر ہم سے جنگ کرو۔ لیکن یہ لوگ جنگ کو ترجیح دے کر برسر پیکار ہو گئے۔

تفصیل یہ ہے کہ ہم لوگوں نے طلوع آفتاب کے وقت ان کو گھیرے میں لے لیا۔ جب تلواریں ٹکرانے لگیں تو ان لوگوں نے پناہ مانگنا شروع کر دی جس طرح کہ کبوتر شکرے سے پناہ مانگتا ہے۔ بس ہمیں اونٹ کے ذبح کرنے کی مقدار یا قیلولہ کے برابر وقت لگا ہو گا کہ ہم نے ان کا سب کچھ کر لیا۔ بس یہ آپ کے سامنے ان کی نعشیں کپڑے میں لپٹی ہوئی ہیں۔ رخسار رنگے ہوئے ہیں ان پر ہوائیں چل رہی ہیں اور گدھ چیل آنے والے ہیں۔

یزید بن معاویہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں کہنے لگا کہ میں تو تم سے بغیر ان کے قتل کیے ہوئے راضی تھا۔ اللہ تعالیٰ ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔ خدا کی قسم! اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو انہیں معاف کر دیتا۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابو عبد اللہ پر رحم کا معاملہ فرمائے۔ پھر یہ شعر پڑھا ؎

يفلقن هاما من رجال اعزة علينا وهم كانوا اعق و اظلما

''جو لوگ ہم پر غالب ہیں وہ ان کی کھوپڑی کو پھاڑ دیتے ہیں اس حال میں کہ وہ ظلم و زیادتی کرنے والے ہوتے ہیں۔''

پھر یزید نے بال بچوں کے بارے میں کہا کہ انہیں میری عورتوں کے گھر بھیج دیا جائے۔ یزید کا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کے بارے میں یہ طرز عمل تھا کہ جس وقت وہ ناشتہ کرتا تھا تو علی بن حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی عمر بن الحسین رضی اللہ عنہ کو ضرور ناشتہ میں شریک کر کے دلجوئی کا ثبوت دیتا تھا۔ بعد میں بال بچوں کو علی بن الحسینؓ کے ساتھ تیس گھوڑ سواروں کے ہمراہ مدینہ بھیج دیا۔ جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے تھے اس دن تک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو پچاس سال مکمل گزر چکے تھے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جس وقت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ میدان کربلا میں پہنچے تو لوگوں سے پوچھا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے تو بتایا گیا کہ یہ کربلا ہے تو آپ نے فرمایا کہ واقعی یہ زمین کرب و بلا کی ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ جس وقت میرے والد محترم جنگ صفین کے لیے اس سرزمین سے گزر رہے تھے تو میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ اچانک آپ یہاں کھڑے ہو گئے اور اس جگہ کے بارے میں لوگوں سے دریافت کیا۔ لوگوں نے بتایا تو ابا جان نے فرمایا تھا کہ یہاں قافلے اُتریں گے اور خون ریزی ہو گی۔ پھر ابا جان سے اس کی تفصیل پوچھی گئی تو فرمایا کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگ یہاں اُتریں گے پھر انہیں ساز و سامان کے ساتھ اس میدان میں اُترنے کا حکم دیا جائے گا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ۶۰ھ میں ہوئی ہے (الاخبار الطوال) مزید تفصیل باب الکاف میں الکلب کے عنوان میں آئے گی۔

حافظ ابن عبد البر نے بہجۃ المجالس وانس المجالس میں تحریر کیا ہے کہ سیدنا امام الجعفر الصادق سے کسی نے سوال کیا کہ خواب کی تعبیر کتنے دنوں تک مؤخر ہوسکتی ہے تو فرمایا کہ پچاس سال تک مؤخر ہوسکتی ہے اس لیے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میرے نواسے حسین رضی اللہ عنہ کو سیاہ سفید رنگ کا کتا خون میں لت پت کردے گا تو آپ نے اس کی یہ تعبیر بتائی تھی کہ میری بیٹی فاطمہؓ کے پیارے بیٹے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کردے گا۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والا الشمر ذی الجوشن کتا ہوا۔ بتایا جاتا ہے کہ اسے برص کی بیماری تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب کی تعبیر دیکھنے کے پچاس سال کے بعد تک واقع ہوسکتی ہے۔ پھر اسی سال مکہ میں عبداللہ بن زبیر نے خلافت کا علم بلند کیا اور اسی دوران لوگوں پر یزید کی شراب نوشی' کتوں سے کھیل کود' دین میں کوتاہی وغیرہ واضح ہوگئی۔ لوگوں کو اس معقول عذر کی بنا پر عبداللہ بن الزبیر کی حمایت کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ ان سے اہل حجاز اہل تہامہ کے لوگوں نے بیعت کرلی۔

جب اس بات کی اطلاع یزید کو ہوئی تو اس نے الحصین بن نمر السکونی روح بن زنباح بن الجذامی کو حملہ کے لیے تیار کیا۔ انہیں کے ساتھ ایک لشکر بھی تعاون کے لیے بھیج دیا۔ ان سب کا امیر الامراء مسلم بن عقبہ المری کو بنایا۔ یزید نے جب اس لشکر کو روانہ کیا تو یہ چند نصیحتیں کرتا گیا کہ دیکھو مسلم بن عقبہ اہل شام اپنے دشمنوں کے ساتھ جو معاملہ کرنا چاہتے ہیں قبل اس کے کہ وہ کوئی عملی اقدام کریں تم سب سے پہلے مدینہ منورہ کا محاصرہ کرلینا۔ اگر وہ تم سے جنگ کریں اس وقت ان سے جنگ کرنا ورنہ اس سے قبل جنگ کا اقدام مت کرنا۔ اس کے باوجود اگر تم فتح یاب ہوجاؤ تو ان لوگوں کو تین دن کی مہلت دے دینا۔ یہ تمام ہدایات سننے کے بعد مسلم بن عقبہ روانہ ہوکر مقام حرہ میں پہنچے۔ اتنے میں اہل مدینہ بھی تیار ہوکر آ گئے۔ انہوں نے بھی لشکر کشی کی۔ اس لشکر کے سپہ سالار عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ (حنظلہ غسیل ملائکہ ہیں) تھے۔ مسلم بن عقبہ نے ان کو تین بار اپنی اطاعت کے لیے بلایا لیکن کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد گھمسان کی جنگ ہوئی اہل شام فتح یاب ہوئے۔ عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ بھی شہید کردیئے گئے۔ ان کے ساتھ سات سو مہاجرین وانصار بھی شہید ہوگئے۔ اس کے بعد مسلم بن عقبہ اندرون مدینہ منورہ آیا۔ اس نے تین دن کھلے عام قتل کرنے کی اجازت دی۔ حدیث شریف میں وارد ہے:

''حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میرے حرم (مدینہ) کو لڑائی وخون ریزی کے لیے حلال سمجھا تو اس پر میرا غصہ وعتاب نازل ہوگا۔''

پھر مسلم بن عقبہ نے مکہ میں بیت اللہ پر لشکر کشی کا حکم دیا۔ اسی دوران یزید کو تمام حالات لکھ کر بھیج دیئے۔ جس وقت مسلم بن عقبہ ہرشیٰ مقام پر پہنچا تو وہ بیمار ہوکر انتقال کر گیا۔ چنانچہ حصین بن النمیر السکونی کو لشکر کی قیادت سپرد کردی گئی۔ فوراً حصین لشکر لے کر چلا اور مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔ یہاں پر عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کعبۃ اللہ کو اپنا قلعہ بنائے ہوئے تھے۔ اپنے تمام لشکریوں کے ساتھ کعبہ میں پناہ گزین ہوگئے تھے تو الحصین نے جبل ابوقبیس پر منجنیق نصب کر کے بیت اللہ کو چھلنی کردیا۔ اسی دوران اچانک یہ اطلاع ملی کہ یزید بن معاویہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ انہی ایام میں الحصین نے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے مصالحت کی کوشش کی۔ چنانچہ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اسے منظور کرلیا اور بیت اللہ کے دروازے کھول دیئے۔ دونوں فریق کے لشکروں نے آپس میں مل کر طواف کیا۔

ایک دن الحصین رات میں بعد نماز عشاء خانہ کعبہ کا طواف کررہا تھا کہ دیکھا سامنے سے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ تشریف لا رہے ہیں تو الحصین نے ہاتھ پکڑ کر چپکے سے کہا کہ کیا آپ میرے ساتھ ملک شام خروج کر کے چل سکتے ہیں اگر آپ چلنے کے لیے تیار ہوں تو میں آپ کی بیعت کے لیے لوگوں کو تیار کرسکتا ہوں اس لیے کہ وہ لوگ آج تک متردد ہیں۔ میرے نزدیک بھی آپ ہی خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔

بس میں نے آپ کو جو زبان دی ہے اس کے خلاف نہیں کرسکتا۔ یہ سن کر عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور بلند آواز

سے بولے ایسا میں بالکل نہیں کرسکتا چاہے مجھے ہر حجازی کے مقابلہ میں دس شامیوں سے جنگ کرنا پڑے۔ الحصین نے کہا آپ کے بارے میں جو یہ تصور رکھتا ہے کہ آپ عرب کے داعی ہیں وہ جھوٹ بولتا ہے۔ آپ کا حال تو یہ ہے کہ میں آپ سے خاموشی سے گفتگو کر رہا ہوں اور آپ چیخ رہے ہیں۔ میں آپ کو خلافت کے لیے اُبھار رہا ہوں اور آپ مجھے جنگ پر آمادہ کر رہے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد الحصین اپنے ساتھیوں کے ساتھ شام واپس چلا گیا۔

یزید بن معاویہ کی وفات

یزید کی وفات ماہ ربیع الاول ۶۴ھ میں ہوئی۔ ۹۹ سال کی عمر ہوئی۔ مقبرہ باب الصغیرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ تین سال نو ماہ مسند خلافت پر فائز رہا۔ لیکن مدت خلافت کے بارے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور الکیاالہراسی کا اختلاف ہے۔

(بقیہ تفصیل ان شاء اللہ باب الفاء میں الفہد کے عنوان میں آئے گی)

خلافت معاویہ بن یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان

پھر یزید بن معاویہ کے بعد ان کے بیٹے معاویہ تخت نشین ہوئے۔ یہ اپنے والد سے زیادہ بہتر تھے۔ دین داری و دانش مندی دونوں صفتوں سے متصف تھے۔ ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن ان کے اباجان کا انتقال ہو گیا۔ معاویہ بن یزید چالیس یوم تک مسند خلافت پر رہا۔ بعض مؤرخین نے لکھا کہ تقریباً پانچ ماہ تک تخت نشین رہے۔ اس کے بعد خود ہی دست بردار ہو گئے۔

اہل علم نے لکھا ہے کہ جس وقت معاویہ بن یزید دستبردار ہونے لگے تو منبر پر تشریف لا کر دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ پھر عمدہ انداز میں حمد و ثناء، درود شریف پڑھنے کے بعد فرمایا:

> ''اے لوگو! مجھے حکومت و خلافت کی خواہش نہیں ہے اس لیے کہ یہ اہم ذمہ داری ہے اور تم لوگ مجھ سے راضی بھی نہیں ہو۔ ہم نے بھی اور تم نے بھی ایک دوسرے کو متعدد بار آزمایا لیکن جو تقدیر میں تھا وہ ہو کر رہا۔ ہمارے دادا جان امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس خلافت کے بارے میں آگے بڑھے، جھگڑا کیا کہ آخر خلافت کا مستحق کون ہے اور جھگڑا کس سے کیا کہ جو آفتاب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا قریبی رشتہ دار، مرتبہ اور اسلام میں سبقت کی وجہ سے اکابر مہاجرین میں باعزت سب سے دلیر و بہادر صاحب علم و فضل، چچا زاد بھائی، داماد نبی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھوٹی صاحبزادی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا خود ہی ان کو شوہر بننے کے لیے انتخاب کیا۔ اس اُمت کے نوجوانوں میں سب سے زیادہ افضل اور جنت کے نوجوانوں کے سردار حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے والد محترم تھے۔
>
> جیسے کہ تم لوگ خوب واقف ہو میرے دادا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے شخص سے برسر پیکار ہوئے اور تم لوگوں نے بھی ان کا ساتھ دیا یہاں تک کہ میرے دادا تمام امور کے مالک بن گئے۔ لیکن جب وقت مقررہ آ گیا موت نے انہیں اپنا لیا تو وہ اپنے عمل و کردار کے ساتھ مرتہن ہو گئے۔ قبر میں اکیلے دفن کر دیئے گئے جو انہوں نے کیا تھا اس کا بدلہ انہیں مل گیا۔ اس کے بعد پھر خلافت میرے اباجان یزید کے پاس آ گئی وہ بھی تمہارے معاملات کے منتظم بنا دیئے گئے۔ وہ اپنی بدکرداری اور فضول خرچی کی وجہ سے جو خلافت کے شایان شان نہیں تھی اور خواہشات سے مغلوب ہو گئے۔ گناہوں کا ارتکاب کرنے لگے۔ احکام الٰہی میں جری ہو گئے۔ جو کوئی اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کرتا تو وہ ان کے پیچھے پڑ جاتے۔ آخر کار معاملہ یہاں تک پہنچا کہ عمر نے وفا نہ کی۔ بہت کم زندہ رہے۔ مرنے کے بعد ان کے اثرات ختم ہو گئے۔ اپنے ساتھ اپنا عمل لے کر دُنیا سے

رُخصت ہو گئے۔ قبر کے حلیف بن گئے۔ بداعمالی میں گھر گئے۔ وہ خود ہی اپنے نقصانات میں دب گئے۔ جوانہوں نے کیا تھا اس کا صلہ انہیں مل گیا۔ پھر وہ اس وقت نادم ہوئے جب کہ ندامت وتوبہ کا وقت جا چکا تھا۔ تو ہم بھی ان کے پیہم رنج والم سے شریک کار ہو گئے۔ ہائے افسوس! انہوں نے جو کیا اور کہا اور جو ان کے بارے میں تبصرے کئے جاتے ہیں اب آیا جو انہوں نے کیا تھا ان کو سزا دی گئی یا جزا دی گئی مجھے معلوم نہیں۔ یہ صرف میرا تصور ہے وہم وگمان ہے پھر بعد میں غیرت نے ان کا گلا گھونٹ دیا۔''

اس کے بعد معاویہ بن یزید دیر تک روتے رہے۔ ساتھ میں لوگ بھی رونے لگے۔ پھر کچھ دیر کے بعد معاویہ بن یزید نے فرمایا:

''اب اس وقت میں تمہارا تیسرا والی ہوں جس پر ناراض ہونے والے لوگوں کی کثرت ہے۔ میں تمہارے بوجھ کو اُٹھا نہیں سکتا اور نہ خداوند قدوس مجھے یہ سمجھتے ہیں کہ میں تمہارے خلافت کا مستحق تھا یا گراں بار امانت کا حق دار تھا۔ تمہاری خلافت کی امانت ایک اہمیت رکھتی ہے اس کی حفاظت کرو اور جسے تم اس کا مستحق سمجھو اس کو یہ امانت سپرد کر دو میں نے تمہاری خلافت کا قلادہ اپنی گردن سے اُتار دیا ہے۔ اب میں دستبردار ہو رہا ہوں۔ و آخر دعوانا ان الحمد اللّٰہ رب العالمین

اتنے میں مروان بن الحکم نے کہا جو منبر کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ یہی عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے تو معاویہ بن یزید نے فرمایا کیا تم مجھے میرے دین سے ہٹانا چاہتے ہو۔ مجھے دھوکہ میں ڈالنا چاہتے ہو۔ خدا کی قسم! میں تمہاری خلافت کی حلاوت نہیں چکھ سکا تو اس کی کڑواہٹ کو کیسے برداشت کر سکتا ہوں۔ تم میرے پاس عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے لوگ لاؤ جس وقت کہ انہوں نے مجلس شوریٰ کی تشکیل دی تھی اور انہوں نے ایسی تجویز رکھ دی تھی کہ کوئی ظالم بھی ادنیٰ سا شبہ نہیں کر سکتا تھا اور نہ ان کی عدالت کو مشکوک گردان سکتا تھا۔ خدا کی قسم! خلافت اگر غنیمت کی چیز تھی تو اس کا مزہ میرے ابا جان نے تاوان یا گناہ کی شکل میں چکھ لیا اور اگر خلافت بری چیز ہے تو اس کے مضرات جو میرے ابا جان کو پہنچ چکے ہیں بس وہی کافی ہے۔

اتنا کہہ کر معاویہ بن یزید منبر سے نیچے اُتر آئے۔ تمام رشتہ داروں نے انہیں گھیر لیا۔ معاویہ بن یزید رو رہے تھے۔ یہ ماجرا دیکھ کر ان کی ماں نے کہا: کاش کہ میں اس وقت حالت حیض میں ہوتی اور تمہارے حالات سے بے خبر ہوتی۔ یہ سن کر معاویہ بن یزید نے کہا مجھے یہ منظور تھا کاش کہ ایسا ہی ہوتا۔ مزید فرمایا خدا کی قسم! اگر میرے پروردگار نے میرے ساتھ رحم کا معاملہ نہ فرمایا تو تباہ برباد ہو جاؤں گا۔ یہ معاملہ دیکھ کر بنواُمیہ نے اتالیق عمر المقصوص سے کہا تم یہ سب کچھ دیکھ رہے اور جان رہے تھے تم نے ہی اسے تلقین کی ہے۔ تم ہی نے انہیں ایسی باتوں پر اُبھارا ہے اور خلافت سے دستبردار ہونے کا مشورہ دیا ہے اور تم ہی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور ان کی اولاد کی الفت کا جذبہ پیدا کیا ہے اور جو ہم نے ان پر زیادتیاں کی ہیں تم نے ان پر اُبھارا ہے اور ایک نئی چیز کا مشورہ دیا یہاں تک کہ معاویہ بن یزید خوب بولے اور طویل گفتگو کی۔

اتالیق نے کہا خدا کی قسم! میں نے ایسا نہیں کیا وہ تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد سے محبت سے سرشار تھے لیکن بنو امیہ نے اس کا عذر قبول نہیں کیا پکڑ کر اسے زندہ دفن کر دیا۔ یہاں تک کہ موت کا شکار ہو گیا۔

تاریخ وفات

خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد معاویہ بن یزید کا انتقال چالیس یا ستر رات گزرنے کے بعد ہوا۔ ان کی عمر ۲۳ سال اور بعض

قول کے مطابق ۲۱ سال اور بعض کے نزدیک ۱۸ سال ہوئی۔

خلافت مروان بن الحکم

پھر معاویہ بن یزید کے بعد مروان بن الحکم کو تخت نشین بنایا گیا۔ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ان سے بیعت مقام جابیہ میں لی گئی۔فوراً یہ ملک شام تشریف لائے تو ان کے خاندان کے لوگوں نے ان سے وفاداری کا عہد کیا اور ان کو اطاعت وفرماں برداری کا یقین دلایا۔ان کے دور میں کچھ لڑائیاں اور میدان کارزار گرم ہوئے۔مصر والوں نے پھر ان سے بیعت کرلی۔

مروان بن الحکم کی وفات

مروان کی وفات ۶۵ھ میں ہوئی۔چونکہ ان کی اپنی اہلیہ سے تعلقات سازگار نہیں تھے۔اہلیہ کو برا بھلا کہتے تھے تو ان کی اہلیہ نے ان کو مارنے کا عزم کرلیا تھا۔چنانچہ ان کو سوتا ہوا پاکر اہلیہ نے ان کو منہ اور گردن پر ایک بڑا سا تکیہ رکھ کر خود بیٹھ گئی اور باندیوں کو بھی اس پر بٹھا لیا۔آخر کار مروان کا انتقال ہوگیا۔

مروان حضور ﷺ کی خدمت میں بچپن ہی میں پہنچ گئے تھے۔انہیں مدینہ منورہ کی نیابت کا شرف کئی بار ملا۔انہوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو جن کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن دس خوش نصیب صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی شہید کردیا تھا۔نیز مروان سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پیش کار تھے۔اسی کی وجہ سے (سانحہ شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) وہ سنگین حالات رونما ہوئے جن کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

مدت خلافت

مروان دس ماہ خلافت پر رہے۔ان کی عمر ۸۳ سال کی ہوئی۔

ایک روایت میں وارد ہے:

''عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں کوئی بھی بچہ پیدا ہوتا تو وہ ضرور آپؐ کے پاس لایا جاتا۔آپ اس کے لیے دُعا فرماتے۔ایک دن مروان بن الحکم لایا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ بزدل ہے بزدل کا بیٹا ہے ملعون ہے ملعون کا بیٹا ہے۔'' (رواہ الحاکم والمستدرک وقال صحیح الاسناد)

اسی قسم کی حدیث عمرو بن مرہ الجہنی سے بھی مروی ہے:

''ایک مرتبہ الحکم بن العاص نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں اجازت لے کر آنا چاہا تو آپؐ نے ان کی آواز کو پہچان لیا تو فرمایا کہ اجازت ہے انہیں اور ان کو بھی جو ان کی صلب سے پیدا ہوگا بتادو کہ ان پر سوائے ان لوگوں کے جو مومن ہوگا اللہ کی لعنت ہو۔یہ لوگ بہت کم ہوں گے۔اکثر یہ دُنیا کے حریص ہوں گے اپنی آخرت کو ضائع کریں گے۔یہ دھوکے باز فریب کار ہوں گے۔ان کا حصہ انہیں دُنیا ہی میں دے دیا جائے گا۔لیکن آخرت میں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔''

(بقیہ تفصیل ان شاء اللہ باب الواؤ میں وزغ کے عنوان میں آجائے گی)

خلافت عبدالملک بن مروان

اپنے والد مروان بن الحکم کے بعد بیٹا عبدالملک تخت نشین ہوا۔عبدالملک سے اس دن بیعت لی گئی جس دن اس کے ابا جان مروان کا انتقال ہوا۔عبدالملک وہ پہلے شخص ہیں جو مسلمان ہوتے ہوئے عبدالملک کے نام سے مشہور ہوئے اور یہی پہلے بادشاہ ہیں جنہوں نے دراہم ودنانیر کو اسلامی طرز پر ڈھالا کیونکہ دنانیر پر رومی نقش اور دراہم پر فارس کا نقش ہوتا تھا۔

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے میں نے بیہقی کی کتاب المحاسن والمساوی میں امام الکسائی کے حوالہ سے یہ پڑھا ہے کہ کہتے ہیں کہ میں ایک دن ہارون الرشید کے دربار میں گیا۔کیا دیکھتا ہوں کہ بادشاہ تشریف فرما ہیں ان کے سامنے مال کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ایک تھیلی میں اس قدر اشرفیاں تھیں کہ تھیلی پھٹی جارہی تھی۔اتنے میں بادشاہ نے حکم دیا کہ اس تھیلی کی اشرفیاں مخصوص خادموں پر لٹادی جائیں۔ میں نے دیکھا کہ بادشاہ کے ہاتھ میں درہم ہے جس کے لکھے ہوئے نقش چمک رہے ہیں۔بادشاہ ان نقوش کو بار بار دیکھ رہے ہیں اور آپ بار بار یہ کہہ رہے تھے کہ کسائی جانتے ہو سب سے پہلے ان دراہم ودنانیر میں کس نے نقوش ثبت کرائے ہیں۔کسائی نے کہا جی حضور والا! یہ بادشاہ عبدالملک بن مروان کی ایجاد ہے۔بادشاہ نے کہا معلوم بھی ہے اس کا سبب کیا پیش آیا تھا؟ کسائی نے کہا بس مجھے اتنا ہی معلوم ہے تفصیل کا علم نہیں۔بادشاہ نے کہا مجھ سے سنو میں بتاتا ہوں۔یہ تحریری نقوش رومیوں کا دین و مذہب ہے مصر والے اکثر نصرانی المذہب تھے اس لیے کہ مصری شاہ روم کے ماتحت تھے اور رومیوں کا دین و مذہب نصرانی تھا اس لیے شاہ روم اپنے مذہب ہی کے نقوش کندہ کراتا تھا۔مثلاً ان کا نشان باپ بیٹا اور روح تھا۔یہ سلسلہ برابر چلتا رہا۔یہاں تک کہ آغاز اسلام میں بھی رائج رہا۔آخر کار خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں اس میں ترمیم کر کے اس میں اسلامی نقوش ثبت کرائے گئے اور عبدالملک تو بہت تیز اور ذہین بادشاہ تھے۔بس ایک دن ان کی نگاہ سے یہ سکہ گزرا تو آپ نے اسے غور سے دیکھا' سوچا پھر اسے عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم صادر کر دیا۔چنانچہ ارکان حکومت کر گزرے اور یہ طریقہ عبدالملک کو ناپسند آیا۔عبدالملک نے مزید کہا کہ یہ طریقہ ہمارے دین اور اسلام میں ناپسند ہے اور رومی نقوش برتنوں اور کپڑوں میں پائے جاتے ہیں وہ ہمارے مذہب میں ناپسندیدہ ہیں اور اگر چہ وہ مصر سے تیار ہو کر دارالسلطنت روم میں جا کر رائج ہو جاتے ہیں۔یہ نقوش صرف انہی چیزوں میں نہیں تھے بلکہ پردے وغیرہ پر بھی بنائے جاتے تھے۔یہ کام بڑے اونچے پیمانے پر ہوتا تھا اور اس قدر پھیلا ہوا تھا کہ ساری دُنیا میں چل رہے تھے۔چنانچہ عبدالملک بن مروان نے اپنے عامل مصر عبدالعزیز بن مروان کے پاس لکھ کر ارسال کیا کہ یہ تمام رومی نقوش سکوں' کپڑوں اور پردوں وغیرہ سے مٹادیئے جائیں اور نقش و نگار کے ماہرین کو ہدایت کر دیں کہ ان رومی نقوش کے بجائے ان سب چیزوں میں اسلامی نقوش کلمہ توحید **اشهد الله انه لا اله الا هو** ثبت کرایا جائے اس لیے جو تم یہ سکے دیکھ رہے ہو عبدالملک ہی کے زمانے سے بلا کم وکاست ڈھلتے اور بنتے چلے آرہے ہیں۔

مزید عبدالملک بن مروان نے تمام عاملین اور حکام کو یہ بھی تاکید کر دی کہ وہ اپنے اپنے علاقوں سے تمام رومی نقوش کے سکے ضبط کر لیں۔اس حکم کے بعد اگر کسی کے پاس پائے گئے تو انہیں سزا دی جائے گی یا قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں گی۔اس کے بعد عبدالملک نے کپڑوں' سکوں اور پردوں میں توحید کا نقش چھاپ کر پورے ملک میں رائج کر دیئے تو اس قسم کے چند نمونے شاہ روم کے علاقوں میں بھیج دیئے گئے۔چنانچہ اس ایجاد کی خبر تمام رومی علاقوں میں پھیل گئی۔اس لئے روم میں اس نقش کا ترجمہ کرایا گیا اور بادشاہ کی خدمت میں بھیجے گئے تو بادشاہ کو یہ بات ناگوار گزری' اسے غصہ آیا۔

شاہ روم کا خط

فوراً خلیفہ عبدالملک بن مروان کی خدمت میں خط لکھا کہ یہ سارے تحریری نقوش بیل بوٹے مصر میں روم کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ یہ ہمارا طریقہ قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ اب آپ نے اسے باطل قرار دیا۔ اگر یہ طریقہ تمہارے پچھلے خلفاء کی طرف سے رائج کیا گیا ہے تو انہوں نے درست کیا تھا۔ لیکن تم نے یہ کام ٹھیک نہیں کیا۔ اگر تم نے ٹھیک کیا ہے تو پھر ان لوگوں نے غلطی کی ہے۔ اس لیے تم ان دو باتوں میں سے جو چاہے جو قبول کر لو اور میں آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیج رہا ہوں جو آپ کی شایان شان ہے لیکن نقش ونگار میں اپنے ایجاد نو کے طریقے کو لغو قرار دے کر ہمارے رومی نقش ونگار کو برقرار رکھیں اور انہیں ہی جاری کرنے کا حکم صادر فرمائیں۔ آپ کا شکر گزار ہوں گا اور میرے ہدیہ کو قبول فرمائیں۔ اس لیے کہ میں نے بہت قیمتی ہدیہ بھیجا ہے۔

عبدالملک کا جواب

جس وقت یہ خط عبدالملک بن مروان نے پڑھا تو اس کے قاصد کو واپس کر دیا۔ اور اس سے یہ کہہ دیا کہ جاؤ کہہ دینا۔ اس خط کا کوئی جواب نہیں۔ ہمارے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں اور آپ کے ہدیہ کو واپس بھیجا جا رہا ہے۔

جب ایلچی ہدیہ واپس لے کر شاہ روم کے پاس پہنچا اور حالات سے آگاہ کیا تو شاہ روم نے مزید ہدیہ میں اضافہ کر کے عبدالملک کے پاس بھیجا۔ مزید یہ بھی کہلا بھیجا کہ مجھے اُمید ہے کہ آپ میرے ہدیہ کی قدر کریں گے اور آپ اسے قبول فرمائیں گے۔ لیکن معلوم ہوا کہ آپ نے قبول نہیں فرمایا اور نہ میرے خط کا جواب دیا۔ اس لیے میں نے ہدیہ میں اضافہ کر کے پھر ارسال کیا ہے اور میری یہ خواہش ہے کہ رومی نقش ونگار بیل بوٹوں ہی کا اجرا فرمادیں۔

چنانچہ پھر عبدالملک بن مروان نے شاہ روم کا خط پڑھ کر رکھ دیا اور اس کا ہدیہ واپس کر دیا۔ پھر شاہ روم نے خط لکھا اور اس میں یہ لکھا کہ تم نے میرے خط اور ہدیہ کی توہین کی۔ میرے پاس جواب لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تو اولاً مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید میں نے ہدیہ کم بھیجا تھا تو میں نے اس میں اضافہ کر دیا۔ پھر میں نے اسے تمہارے پاس بھیجا اور اب میں اس ہدیہ میں تیسری مرتبہ اضافہ کر رہا ہوں۔ میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی قسم کھاتا ہوں کہ تم ضرور نقش ونگار بیل بوٹے کے بارے میں نظر ثانی کرو گے اور پہلے والے طرز پر رہنے دو گے۔ ورنہ پھر میں اپنے ملک میں دینار و درہم کو ڈھلا رہا ہوں اپنے ہی ملک کے طریقے پر اور تمہیں یہ معلوم ہے کہ ہمارے یہاں اسی طریقہ سے ڈھالا جاتا ہے اور اسلام میں یہ طریقہ رائج نہیں تھا اور نہ ڈھالا گیا۔ اگر تم اسے نہیں مانتے تو تمہارے نبی کی تصویر کا نقش بنایا جائے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ جب تم یہ خط پڑھو گے تو پسینے سے شرابور ہو جاؤ گے۔ اس لیے میں جو کہتا ہوں اس پر عمل کرو اور اپنے یہاں ہمارا ہی نقش رہنے دو۔ اس سے آپس میں تعلقات بڑھیں گے۔

جب یہ خط عبدالملک بن مروان نے پڑھا تو برہم ہو گیا اور معاملہ سنگین ہو گیا۔ اس نے یہ کہا کہ میں عبدالملک اسلام میں سب سے زیادہ منحوس پیدا ہوا ہوں اس لیے کہ اس کافر کی سب وشتم سے گویا میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کے خلاف اُبھارا ہے اور جس نے ہمارے نبی کو گالی دی ہے وہ تا دیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ چونکہ پورے ملک میں انہی رومی سکوں سے معاملات طے کئے جاتے تھے تو ان کا عرب ملکوں میں یکدم ختم کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ کا مشورہ

چنانچہ اس نے تمام ارکان سلطنت اسلام کو جمع کیا اور ان سے اس بارے میں مشورہ طلب کیا۔ لیکن کسی نے کوئی ایسا مشورہ نہیں دیا

جس پر عمل کیا جا سکے۔ لیکن روح بن زنباع نامی شخص نے کہا میرے یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ ایک شخص سے کچھ معاملہ حل ہو سکتا ہے۔ کیا آپ لوگ اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں گے؟ عبدالملک نے کہا بتاؤ وہ کون ہے تو اس نے کہا اہل بیت کا ایک شخص باقر ہے۔ عبدالملک نے کہا تم نے بالکل سچ کہا۔ چنانچہ عبدالملک نے مدینہ منورہ کے عامل کے پاس لکھا کہ میں ایک شخص محمد بن علی بن الحسین کی نشاندہی کرتا ہوں۔ تم انہیں ایک لاکھ درہم تیاری کے لیے دے دو اور تین لاکھ خرچ کے لیے دے دو اور انہیں مع ان کے اصحاب کے یہاں تک آنے کے لیے اصرار کرو۔

چنانچہ محمد بن علی کی آمد تک کے لیے شاہ روم کے قاصد کو قید کر دیا گیا۔ چنانچہ جب محمد بن علی تشریف لائے تو ان کو ان حالات سے مطلع کیا گیا۔ محمد بن علی نے یہ مشورہ دیا کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے اس لیے دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوگی۔ اول یہ کہ خدائے قہار اس شخص کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے جس نے جناب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازیبا کلمات استعمال کیے اور دھمکی بھی دی۔ دوسرے یہ کہ ایک ترکیب سمجھ میں آ رہی ہے وہ یہ کہ آپ اسی وقت کاریگروں کو بلا کر دراہم و دنانیر کا سانچہ تیار کروا دیجئے جو سکوں میں توحید کا نقش ڈال دیں۔ ایک طرف **لا الہ الا اللہ** دوسری طرف **محمد رسول اللہ** کا نقش ڈلوا دیجئے اور سکوں کے درمیانی نقطے میں ڈھالنے کا سال اور اس شہر کا نام جہاں یہ سکہ بنایا گیا ہے۔

پھر تیس درہموں کا وزن تین طریقوں پر مقرر کر دیجئے۔ دس سکے دس مثقال کے اور دس سکے چھ مثقال کے اور دس سکے پانچ مثقال کے۔ اس طور پر یہ سکے اکیس مثقال کے ہو جائیں گے جو تقریباً تیس درہم کے برابر ہوں گے۔ پھر اگر ان کو سات مثقال میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر سات کو شیشہ کے ٹھپوں میں پگھلا کر ڈال دیں تا کہ کمی و زیادتی کا امکان ختم ہو جائے۔ اس طرح درہم کا وزن دس مثقال کے برابر ہو جائے گا اور دینار کا وزن سات مثقال کے برابر۔ اس طرح سے اس زمانہ میں درہم میں کسرویہ کا رواج چل پڑے گا۔ جیسے بغلیہ کہتے ہیں اس لیے فاروق اعظم کے عہد خلافت میں خچر کے سر کا ایک نشان بنا ہوا ہوتا تھا جسے سکہ کسرویہ کہتے تھے اور اس کے اوپر بادشاہ کی تصویر اور تخت کی تصویر ہوتی تھی۔ فارسی زبان میں خور بخوش لکھا رہتا تھا۔

اور درہم کا وزن اسلام سے قبل ایک مثقال تھا اور وہ درہم جن کا وزن چھ مثقال، دس مثقال تھا وہ ہلکے اور وزن دار سکوں کے نام سے مشہور تھے اور ان پر فارسی نقوش بنے ہوئے تھے۔

چنانچہ یہ کام محمد بن علی کے مشورہ کے مطابق عبدالملک نے کر ڈالا۔ نیز عبدالملک نے محمد بن علی سے یہ بھی کہا کہ آپ ہی سکوں کے بارے میں تمام اسلامی ملکوں کو لکھ کر بھیج دیں کہ تمام لوگ ہمارے ڈھالے ہوئے سکوں سے ہی معاملات خرید و فروخت کریں جو شخص بھی اس کی خلاف ورزی کرے گا۔ اسے اس جرم میں قتل کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی ہدایت کی گئی کہ جو سکے اس سے قبل چلتے تھے انہیں جمع کر کے دارالسلطنت ڈھالنے کے لیے بھیج دیئے جائیں۔

عبدالملک نے یہ اہم کام انجام دیا۔ اس کے بعد شاہ روم کے قاصد کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ شاہ روم سے یہ کہہ دینا کہ تم جو اقدام کر رہے ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ممنوع ہے اور میں نے تو تمام گورنروں کے پاس آرڈر بھیج دیا ہے اور یہ بھی تحریر کر دیا ہے کہ ماقبل کے سکوں کو بے حیثیت قرار دیا جا رہا ہے انہیں جمع کر کے دارالسلطنت میں نئے سرے سے اسلامی نقش کے مطابق ڈھالنے کے لیے بھیج دیا جائے۔

جب یہ ساری باتیں شاہ روم کو معلوم ہو گئیں تو درباریوں، ہم نشینوں نے شاہ روم سے کہا کہ جو آپ نے اس سے قبل بذریعہ قاصد شاہ عرب کو دھمکی دی تھی اس پر عمل کیجئے تو شاہ روم نے یہ جواب دیا کہ بھائی میں نے تو اپنے اس سخت رویے سے انہیں دھمکایا تھا۔ اور رُعب

کے ذریعہ کام نکالنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ لوگ میری دھمکی میں نہیں آئے۔ اب میں اس کے سوا اور کیا کرسکتا ہوں۔ ہمارے یہاں تو ہمارے ہی طرز کے مطابق سکے چلیں گے۔ مسلمان اب ہمارے سکوں کو قبول نہیں کرسکتے۔

حاصل کلام یہ کہ شاہ روم کا کوئی زور نہ چل سکا اور ہوا بھی وہی جو مشورہ محمد بن علی بن حسین نے دیا تھا۔ یہ قصہ بیان کر کے ہارون الرشید نے دیکھنے کے لیے بعض خادموں کے پاس ایک درہم پھینکا۔

سیدنا عبداللہ بن الزبیرؓ کا علم خلافت بلند کرنا

کچھ دن کے بعد عبداللہ بن الزبیر نے عَلَمُ خلافت بلند کردیا تو ان سے اہل یمن، اہل عراق، اہل الحرمین نے بیعت کرلی۔ فوراً عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے عراق اور اس کے اردگرد علاقوں کے لیے اپنے بھائی مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کو نائب بنا کر بھیج دیا۔ اس وقت اُمت کا شیرازہ مزید بکھر گیا۔ اور اس وقت اُمت دو خلیفوں کی قیادت کی نذر ہوگئی۔ ان میں سب سے بڑے یہی عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ تھے، لیکن عبدالملک برابر مستعدی سے کام لیتے رہے۔ آخر کار عبدالملک کا پلہ بھاری ہوگیا، یہی کامیاب نکلے۔ آپس میں بہت جنگیں ہوئیں۔ بعد میں عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے۔

ایک مرتبہ عبدالملک دمشق سے عراق کی طرف بڑھتا ہوا آرہا تھا تو نائب مصعب بن الزبیر رضی اللہ عنہ ان سے برسر پیکار ہوگئے اور اس سے قبل عبدالملک نے اپنے لشکر کو چند باتوں کی ہدایت کردی تھی۔ چنانچہ لشکر والوں نے ان لوگوں کو رسوا کر کے رکھ دیا۔ مصعب بن الزبیر رضی اللہ عنہ معدودے چند دستوں کے ساتھ میدان کارزار گرم کررہے تھے۔ خوب جنگ ہوئی۔ مصعب بن الزبیر رضی اللہ عنہ بڑی دلیری اور شجاعت کا اظہار کررہے تھے۔ وہ برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید کردیئے گئے۔ اس جنگ کے بعد عبدالملک عراق وخراسان پر قابض ہوگئے۔ چنانچہ عبدالملک نے ان دونوں جگہوں پر اپنے بھائی بشر بن مروان کو نائب بنا کر بھیج دیا۔ پھر دوبارہ عبدالملک دمشق واپس آگیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے جنگ

کچھ دنوں کے بعد عبدالملک نے حجاج بن یوسف الثقفی کو ایک لشکر جرار کے ساتھ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کے لیے بھیج دیا۔ چنانچہ اس نے فوراً جا کر ان کا محاصرہ کرلیا۔ چاروں طرف سے ان کا راستہ تنگ کردیا اور کوہ ابوقبیس میں ایک گوپھن (منجنیق) نصب کردی۔

اس لشکر جرار کے محاصرے کے باوجود عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ جوانمردی کے ساتھ شجاعت ودلیری کا مظاہرہ کرتے رہے۔ تنہا ان لوگوں کو شکست دے دیتے تھے۔ اکثر انہیں مسجد کے دروازوں سے پیچھے نکال دیتے۔ یہ لڑائی اور محاصرہ چار ماہ تک رہا۔ آخر کار ان کے اوپر ایک زبردست حملہ ہوا اور مسجد کی ایک برج ان پر گرادی گئی جس میں یہ دب کر زخمی ہوگئے۔ دشمنوں نے موقع پا کر ان کی گردن جدا کردی۔ حجاج بن یوسف نے ان کے جسم کی بے حرمتی کرتے ہوئے نعش کو سولی پر لٹکا دیا۔

عبدالملک خلیفہ ہونے سے قبل عبادت گزار، عالم اور فقیہہ آدمی تھا۔ ان کی گردن لمبی، چہرہ پتلا، دانت سونے کے تار سے بندھے ہوئے نہایت سمجھدار شخص تھے۔ کسی پر بھروسہ نہیں کرتے تھے اور نہ کسی غیر کو کوئی اہم کام سپرد کرتے تھے۔ بے حد بخیل تھے۔ ان کے بخل کی وجہ سے لوگ انہیں پتھر کا پسینہ، گندا منہ ہونے کی وجہ سے ابوذباب کہتے تھے۔ فخر ومباہات کو پسند کرتے تھے۔ خون ریزی کے شوقین تھے۔

مؤرخ ابن خلکان لکھتے ہیں عبدالملک چونکہ بادشاہ تھے جیسے اس کے اخلاق تھے وہی اخلاق اس کے ماتحت گورنروں میں منتقل ہوکر آگئے۔ چنانچہ عراق میں حجاج بن یوسف الثقفی، خراسان میں المھلب بن ابی حفرہ، مصر میں ہشام بن اسماعیل اور عبداللہ مغرب میں موسیٰ بن نصیر، یمن میں حجاج کا بھائی محمد بن یوسف، جزیرہ میں محمد بن مروان وغیرہ سارے کے سارے ظالم وجابر خون ریز طبیعت کے حکمران

تھے۔(وفیات الاعیان)

ایک عجیب واقعہ

ابن خلکان کہتے ہیں کہ جناب محمد اور ان کے والد علی بن عبداللہ بن عباس دونوں ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان کے دربار میں آئے۔ان کے پاس قیافہ شناس بیٹھا ہوا تھا۔اتنے میں عبدالملک نے قیافہ شناس سے کہا کہ کیا تم ان دونوں کو جانتے ہو تو قیافہ شناس نے کہا میں ان دونوں سے واقف نہیں ہوں لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نوجوان جس کے ساتھ اس کا فرزند ہے۔اس کی پشت سے بہت سے فرعون پیدا ہوں گے جو روئے زمین کے مالک ہو جائیں گے۔ہم میں سے جس کو چاہیں گے قتل کر دیں گے۔یہ سن کر عبدالملک کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔عبدالملک نے کہا ہاں صحیح کہہ رہے ہو۔اس سے قبل ایلیا کے راہب نے بھی اس قسم کی باتیں بتائی تھیں کہ ان کی پشت سے تیرہ بادشاہ پیدا ہوں گے۔مزید اس راہب نے ان کی صفات سے بھی آگاہ کیا تھا۔اھ (وفیات الاعیان)

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے الاخبار الطوال میں ذکر کیا ہے کہ جس وقت عبدالملک بن مروان مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹے ابو ولید کو بلا کر یہ نصیحت کی کہ اے ولید! مجھے یہ پسند نہیں کہ جس وقت میری نعش قبر میں رکھی جائے تو تم پریشان لوگوں کی طرح روتے پھرو۔ بلکہ تم کپڑے پہن کر تیار ہو جانا۔ چیتے کی کھال پہن کر کھڑے ہو جانا۔اگر تمہاری بیعت کے بارے میں کوئی بھی سر ہلا دے تو تم اسے موت کے گھاٹ اُتار دینا۔اھ

عبدالملک بن مروان کا لقب حمامۃ المسجد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رکھا تھا اس لیے کہ جب خلافت ان کی طرف منتقل ہوئی تو یہ مسجد میں تلاوت قرآن میں مصروف تھے۔ یہ حالت دیکھ کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں حمامۃ المسجد (مسجد کا کبوتر) کا لقب دیا تو اس وقت فوراً منطبق ہو گیا۔اس کے بعد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سلام کر کے فرمایا کہ اب میں تم سے جدا ہو رہا ہوں۔

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ روئے زمین سے اُٹھ جائیں تو پھر ہم مسائل کس سے پوچھا کریں گے تو آپ نے فرمایا کہ اس نوجوان عبدالملک نامی آدمی سے پوچھ لینا۔

عبدالملک بن مروان کی وفات شوال ۸۶ھ میں ہوئی۔ان کی عمر کے بارے میں اختلاف ہے۔بعض ۶۳ سال کچھ ۶۰ سال کی عمر بتاتے ہیں۔انہوں نے سترہ اولادیں چھوڑیں جن میں سے چار کو خلافت ملی۔

یہ ۲۱ سال ۱۵ دن مسند خلافت پر فائز رہے جس میں سے ۸ سال عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے خلافت کے بارے میں جنگ کرتے رہے۔ پھر بعد میں ساری حکومت ان کے حصہ میں آ گئی۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔

خلافت عبداللہ بن الزبیر

یہ چھٹے خلیفہ تھے چنانچہ انہیں معزول کر کے شہید کر دیا گیا

اس سے قبل یہ بات گزر چکی ہے کہ معاویہ بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان خود بخود خلافت سے دستبردار ہو گئے تھے۔تو عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ چھٹے خلیفہ کیسے ہو جائیں گے۔ نیز یہ بھی گزر چکا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بھی خود بخود دستبردار ہو گئے تھے۔ان دونوں باتوں کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ چھٹے خلیفہ نہیں ہو سکتے۔

سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے بیعت ۲۳ رجب ۶۴ھ میں مکہ مکرمہ میں لی گئی تھی۔ یہ دور یزید بن معاویہ کا چل رہا تھا جیسے کہ

گزرا۔ چنانچہ ان سے اہل عراق، اہل مصر اور بعض شامیوں نے بیعت کرلی۔ پھر انہی لوگوں نے قتل وقتالِ کے بعد مروان سے بھی بیعت کر لی۔ لیکن عراق والے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا آخر تک ساتھ دیتے رہے۔ یہ تقریباً ۱۷ھ کا واقعہ ہے۔ یہ وہی سال تھا جس میں عبدالملک بن مروان نے ان کے بھائی مصعب بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ کوفہ کا محل بھی منہدم کردیا گیا تھا۔

محل کو منہدم کردیا گیا

ایک دن عبدالملک بن مروان اس قصر الامارۃ نامی محل میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے سامنے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا سر رکھا ہوا تھا۔ عبدالملک بن عمیر نے عرض کیا کہ عالی جاہ امیر المؤمنین اس سے قبل میں اور عبداللہ بن زیاد اسی محل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے سامنے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر لایا گیا۔ پھر ایک دن میں اور المختار بن ابی عبید یہیں بیٹھے ہوئے تھے تو عبیداللہ بن زیاد کا سر کاٹ کر لایا گیا۔ پھر میں اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ یہیں بیٹھے ہوئے تھے تو ہمارے سامنے المختار کا سر پیش کیا گیا۔ پھر آج اس وقت میں آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں تو مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کا سر کٹا ہوا سامنے موجود ہے۔

حضور والا میں اس محل کی اس مجلس سے پناہ چاہتا ہوں۔ یہ سن کر عبدالملک کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ یکدم کھڑا ہوا اور اس محل کو منہدم کرنے کا حکم صادر کیا۔

مصعب بن الزبیرؓ

مصعب بن الزبیر رضی اللہ عنہ سخی المزاج، بہادر، دلیر چودھویں رات کے چاند کی طرح خوب صورت آدمی تھے۔ جب مصعب بن الزبیر رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے تو ان کے حمایتی پست ہوگئے۔ اور عبدالملک نے ان کے ماننے والوں کو اپنی بیعت کے لیے آمادہ کرلیا تو سب تیار ہوگئے اور عبدالملک کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اس کے بعد عبدالملک کوفہ میں داخل ہوئے۔ پھر ان کے بھی اثرات عراق میں ہوگئے اور حکم انہی کا چلنے لگا۔ شام اور مصر بھی ان کی حکومت میں آگئے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر کو شہید کردیا گیا

پھر ۷۳ھ میں حجاج بن یوسف الثقفی نے لشکر لے کر مکہ میں عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو قابو میں کرنے کے لیے محاصرہ کرلیا۔ منجنیق سے بیت اللہ میں پتھر برسائے۔ حجاج اپنی مہم میں کامیاب ہوگیا۔ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرکے شہید کردیا۔ ان کی گردن جدا کر کے اُلٹا سولی میں لٹکا دیا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد اُتار کر یہودیوں کے قبرستان میں دفن کردیا۔

بعض مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حجاج نے یہ کہا تھا کہ میں ان کی نعش کو سولی سے اس وقت تک نہیں اُتاروں گا جب تک کہ اس کی ماں اسماء بنت ابی بکرؓ مجھ سے سفارش نہ کریں۔ اسی حالت میں ایک مدت گزر گئی۔ ایک دن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی ماں اسماءؓ گزر رہی تھیں۔ دیکھ کر کہنے لگیں کہ اب تک یہ شہسوار سر بلند ہے۔ جب یہ بات حجاج کو معلوم ہوئی تو اس نے نعش کو اُتارنے کا حکم دیا اور ان کی ماں کے سپرد کردی۔ ان کی ماں نے لے کر دفن کردیا۔ (ان کی شہادت کا تذکرہ باب الشین شاۃ کے عنوان میں بھی آجائے گا)

مدت خلافت

عبداللہ بن زبیر کی خلافت حجاز وعراق میں ۹ سال ۲۲ دن رہی۔ پھر یہ شہید کردیئے گئے۔ ان کی عمر ۷۳ سال یا ۷۲ سال کی ہوئی ہے۔

خلافت الولید بن عبدالملک

عبدالملک کی وفات کے بعد ان کے بیٹے الولید بن عبدالملک تخت نشین ہوئے۔ اسی لیے کہ انہی کو ولی عہد بنایا گیا تھا۔ یہ نہایت بدخلق' ناک بہتی ہوئی' چال میں گھمنڈ' تھوڑی سوجھ بوجھ کا آدمی تھا۔ یہ تین دن میں قرآن کریم تلاوت میں ختم کر دیتا تھا۔

ابراہیم بن ابی عبلہ کہتے ہیں کہ الولید بن عبدالملک کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ یہ کہتا تھا کہ اگر لواطت کا ذکر قرآن مقدس میں نہ ہوتا تو مجھے خبر بھی نہ ہوتی کہ لواطت کیا چیز ہے اور کوئی لواطت بھی کرتا ہے۔ جس دن ان کے والد عبدالملک بن مروان کا انتقال ہوا اُسی دن ولید سے بیعت لی گئی۔ بیعت لینے کے بعد گھر میں بھی نہیں گئے تھے فوراً ممبر پر آئے اور یہ الفاظ کہے:

الحمد للّٰه انا لله و انا اليه راجعون و اللّٰه المستعان على مصيبتنا بامير المؤمنين و الحمدللّٰه على ما انعم به علينا من الخلافة قوموا فبايعوا.

گویا انہوں نے والد کے انتقال پر تعزیتی الفاظ کہے۔ اللہ سے تعاون کی اُمید باندھی' شکر یہ ادا کیا اور لوگوں کو اپنی خلافت کے لیے اُبھارا۔

بہترین کارنامے وعمدہ انتظامات

حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ الولید بن عبدالملک اہل شام کے نزدیک سب سے اچھا خلیفہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس نے بہت سے کارنامے انجام دیئے۔ دمشق میں بہت سی مسجدیں بنوائیں۔ کوڑھیوں کا وظیفہ مقرر کیا ان کو مزید یہ تاکید کی کہ مانگنا چھوڑ دیں۔ چلنے پھرنے سے معذور لوگوں کے لیے نوکر متعین کئے۔ اندھوں کے لیے ایک راہنما مقرر کیا۔ حفاظ کو وظائف وہدایا سے نوازتا اور لوگوں میں بھی دادودہش کا معاملہ رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ مقروض کا بوجھ ہلکا کرتا تھا۔ جامع مسجد الاموی بنوائی۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادت خانوں کو منہدم کرادیا۔ یہ تمام ترقیاں ذی قعدہ ۸۶ھ میں ہوئیں۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ولید نے ۱۲ ہزار جامع مساجد سنگ مرمر کی تعمیر کرانا شروع کر دی تھیں لیکن وہ ان کے مکمل ہونے سے پہلے ہی وفات پا گیا۔ اس کے بعد اس کے بھائی سلیمان بن عبدالملک نے یہ کام تکمیل تک پہنچایا۔ تقریباً ان مساجد کی تعمیر میں ۴۰۰ صندوق خرچ ہوئے۔ ہر صندوق میں ۲۸ ہزار دینار تھے۔ انہی صندوقوں میں چھ سوسونے کی زنجیریں مشعل اور قندیلوں کے لیے موجود تھیں۔ قندیلوں میں یہ زنجیریں عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت تک موجود تھیں۔ بعد میں ان قیمتی زنجیروں کو بیت المال میں جمع کر دیا گیا۔ ان کے عوض لوہے اور پیتل کی زنجیریں بنوا کر لگادی گئیں۔ اسی طرح اس نے بیت المقدس میں قبۃ الصخرہ کی تعمیر کروائی۔ مسجد نبوی کو بنوایا۔ مسجد نبویؐ میں اتنی وسعت سے کام لیا کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کا حجرہ مبارک بھی شامل ہو گیا۔ ولید بن عبدالملک کے اس کے علاوہ اچھے اچھے کارنامے ہیں۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ جس وقت میں نے ولید کو ان کی قبر لحدی میں اُتارا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنے کفن میں مضطرب ہو گیا اور اس کے ہاتھ گردن سے بندھ گئے۔ (نسال اللہ العافیۃ)

فتوحات

الولید بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں زبردست فتوحات حاصل ہوئیں۔ مثلاً سندھ کچھ حصہ ہندوستان اور اندلس وغیرہ کا علاقہ فتح ہو گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی مشہور علاقے فتح ہو گئے۔ ولید بن عبدالملک بہترین قسم کی سواریوں میں سوار ہوتا تھا۔ یہ ولید سفر اور جنگ

وغیرہ سے حتی الامکان احتراز کرتا تھا بلکہ خوف محسوس کرتا تھا۔

علقمہ بن صفوان احمد بن یحیٰی سے روایت کرتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ [1] نے فرمایا کہ سال میں ۱۲ دنوں سے بچتے رہو اس لیے کہ یہ تمہارے مالوں کو ختم کر دیں گے۔ پردوں کو پھاڑ دیں گے۔ تو ہم نے کہا وہ کون سے ایام ہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! فرمایا ۱۲ محرم' ۱۰ صفر' ۴ ربیع الثانی' ۱۸ جمادی الاول' ۱۲ جمادی الثانیہ' ۱۲ رجب' ۷ اشعبان' ۱۴ رمضان' ۲ شوال' ۱۸ ذی قعدہ اور ۸ ذی الحجہ ہیں۔''

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ جو اس سے قبل بات کہی گئی تھی کہ الولید بن عبدالملک نے قبۃ الصخرہ کی تعمیر کرائی ہے درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ اسے اس کے والد (عبدالملک) نے فتنہ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تعمیر کرایا تھا۔ جس وقت عبدالملک بن مروان نے اہل شام کو حج کرنے سے محض اس لیے روک دیا تھا کہ کہیں عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے اپنی بیعت نہ لینے لگیں تو تمام لوگ عرفہ کے دن قبۃ الصخرہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ پیش آ گیا جیسے کہ عن قریب ابن خلکان کے حوالہ سے آ جائے گا۔ تو قبۃ الصخرہ کے بارے میں یوں جواب دیا جا سکتا ہے کہ غالباً الولید بن عبدالملک نے کسی وجہ سے اسے منہدم کرا دیا تھا۔ پھر بعد میں اسے تعمیر کرایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وفات

ولید بن عبدالملک کی وفات ۱۵ جمادی الآخر ۹۶ھ کو مروان کے گھر میں ہوئی۔ ان کی عمر کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ۴۶ سال کی ہوئی۔ بعض ۴۷ سال' کچھ ۵۰ سال کی عمر بتاتے ہیں۔ انہوں نے چودہ اولادیں چھوڑیں۔ مقبرہ باب الصغیر میں عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھوں دفن ہوئے۔ ولید بن عبدالملک کی خلافت ۹ سال ۸ ماہ رہی۔ بعض نے ۱۰ سال کا ذکر کیا ہے۔

خلافت سلیمان بن عبدالملک

پھر الولید بن عبدالملک کے بعد ان کے بھائی سلیمان نے زمام حکومت سنبھالی۔ اس لیے کہ ان دونوں کے والد محترم نے ان دونوں کو ولی عہد بنا لیا تھا۔ سلیمان سے بیعت خلافت اس دن لی گئی جس دن اس کے بھائی ولید کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت سلیمان بن عبدالملک مقام رملہ میں سکونت پذیر تھے جب انہیں خلیفہ تسلیم کر لیا گیا تو انہوں نے یہ ذمہ داری قبول کر لی اور اسی وقت دمشق روانہ ہو گئے۔ مسجد الجامع الاموی کی تعمیر کے تکملہ میں مصروف ہو گئے (جیسے کہ تعمیر کا تذکرہ ابھی گزرا) اسی دوران سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو ۹۷ھ میں غزوہ روم میں بھیج دیا۔ یہ قسطنطنیہ میں داخل ہو گئے اور وہیں قیام کیا۔ مزید وضاحت باب الجیم جراد (ٹڈی) کے عنوان میں آ جائے گی۔

حسن اخلاق

ایک مرتبہ ایک عام آدمی ان کے دربار میں آیا اور اس نے یہ کہا اے امیر المؤمنین انشدک اللّٰہ والاذان (میں آپ کو خدا اور

---

[1] یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے بلکہ اپنے مضمون کے اعتبار سے موضوع ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے زمانہ اس کے سال' مہینے اور دنوں میں کوئی نحوست نہیں۔ اس مضمون کی مشہور اور قابل اعتماد احادیث بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً خود حضرت عائشہؓ کی روایت جس میں صفر کے مہینہ سے متعلق نحوست کے عام تخیل کی جڑ کاٹی گئی ہے۔ اسلام سعادت ایام ولحات تو باور کرتا ہے لیکن نحوست اس کی بلند پایہ تعلیمات اور افکار کے سراسر منافی ہے۔ دمیریؒ کی اس حدیث کو ہماری اس وضاحت کی روشنی میں مطالعہ کرنا چاہیے۔

اذان کی قسم دیتا ہوں) یہ سن کر سلیمان نے کہا کہ میں انشدک اللہ تو سمجھ گیا لیکن الاذان کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ تو اس آدمی نے جواب دیا کہ اذان سے میری مراد اللہ کا قول ہے اور وہ یہ ہے:

"﴿فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾" (الاعراف)

"پھر ایک پکارنے والا ان دونوں (اہل جنت و اہل دوزخ) کے درمیان میں پکارے گا کہ اللہ کی مار ہو ان ظالموں پر۔"

سلیمان نے کہا اچھا یہ بتاؤ تمہیں کیا پریشانی ہے، تمہارے اوپر کیا ظلم ہو رہا ہے؟ تو اس آدمی نے کہا کہ میری فلاں زمین پر آپ کے عامل (گورنر) نے زبردستی قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ سنتے ہی سلیمان تخت سے نیچے اُتر آئے اور وہ اپنے چہرے کو زمین سے لگا کر لیٹ گئے۔ فرمایا کہ خدا کی قسم! جب تک اس زمین کی واپسی کے بارے میں تحریر نہ لکھ دی جائے گی اسی حالت میں رہوں گا۔

چنانچہ خلیفہ اسی حالت میں تھے کہ منشی نے فوراً گورنر کے نام ایک خط لکھا کہ فلاں آدمی کی زمین واپس کر دی جائے۔ اس لیے کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے جب قرآن کریم کی یہ آیت سنی جس میں رب کائنات اور اس کی نعمتوں کی فراوانی کا ذکر تھا تو وہ ڈر گئے کہ کہیں اللہ کی لعنت و پھٹکار اسی پر نہ پڑ جائے۔

سلیمان بن عبدالملک کے کارنامے

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سلیمان نے حجاج بن یوسف کے جیل خانہ سے تقریباً تین لاکھ قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں باقاعدہ حجاج کے آل واولاد سے مسلسل مطالبہ بھی کیا تھا۔

نیز سلیمان نے چچازاد بھائی عمر بن عبدالعزیز کو اپنا مشیر کار اور وزیر بنا لیا تھا اور یزید بن ابی مسلم کو حجاج کا وزیر نامزد کر دیا تو عمر بن عبدالعزیز نے سلیمان سے کہا کہ حضور والا میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ حجاج کے تذکرہ کو یزید کی نامزدگی سے زندہ نہ کیجئے تو سلیمان نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا کہ اے عمر! میں نے انہیں دینار و درہم کے بارے میں بالکل خائن نہیں پایا تو عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! ابلیس بھی بہ نسبت اس شخص کے دینار و درہم کے سلسلہ میں زیادہ پاک دامن ہے۔ حالانکہ ابلیس نے ساری مخلوق کو گمراہ کر دیا ہے۔ چنانچہ ان کی گفتگو کے بعد سلیمان اپنے ارادے سے باز رہا اور یزید سے عہدہ واپس لے لیا۔

ابوالعباس المبرد نے کامل میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ یہی یزید سلیمان بن عبدالملک کے دربار میں آیا (اور یزید نہایت بدخلق و بد صورت آدمی تھا) تو سلیمان نے اسے دیکھ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کا حال بُرا کرے جس نے تجھے ڈھیل دی اور جس نے تجھے اپنی امانت میں شریک کیا۔ تو اس نے کہا اے امیر المؤمنین آپ اس طرح نہ کہیے۔ سلیمان نے کہا کیوں نہ کہوں؟ تو اس نے کہا کہ آپ نے مجھے دیکھا ہوگا کہ معاملات مجھ سے گریز کرتے ہیں۔ اگر آپ یہ دیکھ لیں کہ معاملات میری طرف متوجہ ہوتے ہیں تو آپ مجھے سراہتے اور برا بھلا نہ کہتے بلکہ مجھے نازیبا بات کہنے کی ہمت تک نہ ہوتی۔ سلیمان نے کہا کیا حجاج اس کے بعد جہنم کے گڑھے میں نہیں چلا گیا تو اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! اس قسم کی باتیں حجاج بن یوسف کے بارے میں نہ کہیے۔ سلیمان نے کہا کیوں نہ کہوں؟ تو اس نے کہا کہ اس لیے کہ حجاج نے منبروں پر چڑھ کر آپ لوگوں کے لیے تقریریں کی ہیں یہاں تک کہ ظالم و جابر لوگوں نے بھی کان لگا کر سنیں۔ حجاج تو قیامت کے دن آپ کے والد کے دائیں جانب اور بھائی کے بائیں جانب ساتھ ساتھ ہو کر آئے گا۔ جہاں کہیں بھی وہ دونوں جائیں گے حجاج بھی جائے گا۔

اخلاق وعادات

سلیمان، فصیح، بلیغ اور ادیب بادشاہ تھا۔ عدل وانصاف کا خوگر، جہاد کا متوالا، علوم عربیہ سے شوق وذوق رکھتا تھا۔ دین داری، بھلائی، قرآن کریم کی اتباع، شعائر اسلام کی حفاظت کرتا اور خون ریزی سے گریز کرتا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ کثرت جماع کا عادی تھا۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ سلیمان کی روزانہ سو رطل شامی خوراک تھی سب ہضم کر جاتا تھا۔

سلیمان کے دو بہترین کارنامے

سلیمان نے خلیفہ بننے کے بعد سب سے اچھا کارنامہ یہ کیا کہ نماز کو اول وقت میں پڑھنے کا حکم دیا۔ ورنہ اس سے قبل بنوامیہ میں آخر وقت تک پڑھتے رہتے تھے۔

امام محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک کی خوبی یہ ہے کہ خلافت پر آتے ہی اس نے دو نمایاں کام کئے اول یہ کہ خلافت پر متمکن ہوتے ہیں نماز اول وقت میں پڑھنے کی زندہ مثال قائم کی۔ دوسرے یہ کہ اپنی خلافت کے خاتمہ پر اپنا بہترین خلیفہ اور جانشین بنایا اور وہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز ہیں۔

مفضل وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلیمان جمعہ کے دن غسل کر کے حمام سے باہر آیا۔ سبز جوڑا پہنا، سبز ہی عمامہ باندھا، سبز فرش پر بیٹھا اور ارد گرد سبز رنگ کی چیزیں رکھ دی گئیں۔ پھر اس نے اپنی صورت آئینہ میں دیکھی تو وہ اس وقت خوب جچ رہا تھا۔ نشاط میں آ کر کہنے لگا کہ ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول تھے۔ ان کے جانشین خلیفہ اول ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نرم دل تھے۔ خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ حق وباطل میں فرق کرنے والے تھے۔ عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ شرم وحیا کے پیکر تھے۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ دلیر وبہادر۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بردبار، یزید صبر وتحمل کے عادی، عبدالملک مدبر سیاست دان تھے اور ولید بن عبدالملک جابر وظالم تھا اور میں ایک نوجوان بادشاہ ہوں۔ یہ کہہ کر جمعہ کی نماز کے لیے چل پڑا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ گھر کے صحن میں ایک باندی یہ اشعار گنگنا رہی ہے ؎

انت نعم المتاع لو کنت تبقی　　غیر ان لا بقاء للانسان

''آپ بہترین سامان ہیں کاش کہ ہمیشہ رہتے۔ لیکن انسان کے لیے بقاء اور دوام نہیں ہے۔''

لیس فیما بدالنا منک عیب　　عابہ الناس غیر انک فانی

''جو بھی آپ نے ہمارے لیے کیا اس میں کوئی عیب نہیں۔ لوگوں نے آپ میں سوائے فنا ہونے کے اور کوئی عیب نہیں نکالا''

جب سلیمان نماز جمعہ سے فارغ ہو گئے تو گھر آئے۔ آپ نے باندی سے پوچھا کہ جس وقت میں نماز کے لیے جا رہا تھا تو کیا پڑھ رہی تھی تو اس نے کہا میں تو کچھ بھی نہیں گا رہی تھی تو اس نے کہا کیسے نکل سکتی ہوں تو سلیمان نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون، تو نے مجھے موت کی اطلاع دی ہے۔ پھر اس کے بعد ایک جمعہ بھی نہیں گزرا تھا کہ سلیمان کی وفات ہو گئی۔

سلیمان کی وفات اور مدت خلافت

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ سلیمان نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا اس کی آواز بلند تھی اور دور تک سنائی دیتی تھی۔ اچانک بخار آ گیا۔ اس کے باوجود خطبہ دیتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آہستہ آہستہ خطبہ دینے لگا۔ یہاں تک کہ قریب کے آدمی بھی نہیں سن پا رہے تھے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی ایڑیاں زمین پر رگڑنے لگا۔

اس کے بعد ایک ہفتہ بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ ابن خلکان کہتے ہیں کہ سلیمان کو بخار ہوا اور اسی رات انتقال ہو

گیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ انہیں نمونیا ہو گیا تھا۔ انتقال ۱۰ صفر ۹۸ھ میں ہوا اور کچھ لوگوں نے لکھا ہے کہ انتقال مقام مرج وابق قنسرین کے علاقہ میں ہوا۔ کل ۳۹ سال کی عمر پائی۔ بعض نے ۴۵ برس کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ تخت خلافت پر دو سال آٹھ ماہ متمکن رہے۔

خلافت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

سلیمان بن عبدالملک کے بعد خلیفہ راشد، عالم جلیل ابوحفص عمر بن عبدالعزیز تخت نشین ہوئے۔ آپ سے بیعت اس دن لی گئی جس دن کہ سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہوا۔ اس لیے کہ سلیمان نے ان کو ولی عہد بنایا تھا۔

انہیں بنوامیہ کا الشج (داغدار) کہا جاتا تھا۔ ان کی ماں کا نام ام عاصم جو عاصم بن عمر بن خطاب کی صاحبزادی تھیں ماں کی طرف سے امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کے جدامجد ہوتے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز زبردست تابعی ہیں۔ انہوں نے انس بن مالک، السائب بن یزید وغیرہ سے روایتیں کی ہیں۔ پھر آپ سے ایک جم غفیر نے روایت کی ہے۔ آپ کی ولادت ۶۱ھ میں ہوئی۔

امام احمدؒ کہتے ہیں کہ تابعین میں سوائے عمر بن عبدالعزیز کے کسی کا قول حجت نہیں ہے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ عمر بن قیس کہتے ہیں کہ جس وقت سیدنا عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے ایک آواز سنی لیکن کہنے والا معلوم نہیں ہو سکا۔ وہ یہ ہے ؎

من الان قدطابت و قر قرارها ۔۔۔ علی عمر المهدی قام عمودها

''اب سے وقت اور سکون کی جگہ اچھی ہوگئی ہے اور اس کا ستون رہنما عمر کے ذریعے سے قائم ہو گیا ہے۔''

سیدنا عمر بن عبدالعزیز متقی، پرہیزگار، عابد و زاہد اور سچے آدمی تھے۔ خلفاء میں آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جس نے مہمان خانہ و قیام گاہ اور سرائے وغیرہ کی بنیاد ڈالی اور مسافروں کے لیے بہترین انتظام کیا۔ آپ ہی پہلے خلیفہ ہیں کہ جنہوں نے جمعہ کے خطبہ میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے تذکرہ کی بجائے **ان الله یامر بالعدل والاحسان** کا اضافہ کیا ورنہ بنوامیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے تھے۔ کثیر غرہ نے کہا ہے ؎

ولیت ولم تسبب علیا ولم تخف ۔۔۔ مربیا ولم تقبل مقالة مجرم

''تم رخصت ہو گئے نہ علی کو برا بھلا کہا نہ کسی مربی سے ڈرے اور نہ کسی مجرم کے قول کا اعتبار کیا۔''

وصدقت القول الفعال مع الذی ۔۔۔ اتیت فامسی راضیا کل مسلم

''جس موثر قول کو تم اپنے ساتھ لے کر آئے ہو اس کی تم نے تصدیق کی۔ چنانچہ اس سے ہر مسلمان آدمی راضی ہو گیا۔''

فما بین شرق الارض والغرب کلها ۔۔۔ مناد ینادی من فصیح و اعجم

''دنیا کے مشرق و مغرب ہر جگہ گونگے اور بولنے والے منادی یہ آواز دے رہے ہیں۔''

یقول امیر المؤمنین ظلمتنی ۔۔۔ باخذک دیناری واخذک درهمی

''وہ یہ کہہ رہا ہے کہ امیر المؤمنین نے مجھ پر میرا دینار و درہم لے کر ظلم کیا ہے۔''

فاربح بها من صفقة المبایع ۔۔۔ و اکرم بها من بیعة ثم اکرم

''تم بیعت کرنے والے کے معاملہ سے فائدہ اُٹھاؤ اور اس بیعت سے خود بھی باریاب ہو اور دوسروں کو بھی شرف حاصل کرنے دو۔''

خلافت پر آتے ہی عمر بن عبدالعزیز نے اپنے گورنروں کے پاس اس طرح کے احکام بھیجے۔ مثلاً کسی بھی قیدی کے بیڑیاں نہ ڈالی جائیں اس لیے کہ نماز پڑھنے میں رکاوٹ ہوگی۔ اسی طرح دوسرے بصرہ کے عامل عدی بن ارطاۃ کے پاس لکھا کہ تم چار راتوں میں عبادت وریاضت ضرور کیا کرو۔ اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ رحمت کاملہ نازل فرماتے ہیں۔ (۱) رجب کی پہلی رات (۲) شعبان کی پندرھویں رات (۳، ۴) عیدین کی رات۔ دیگر گورنروں کو یہ بھی تاکید فرمائی کہ جس وقت کوئی مظلوم مدد کے لیے پکارے تو ضرور اس کا تعاون کرو۔ ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو تم کو غلبہ اور قوت عطا فرمائی ہے اس سے خوف کیا کرو ورنہ اللہ کے سامنے حاضری اور اس کے دردناک عذاب کے لیے تیار ہو جاؤ۔

بعض مؤرخین نے محمد بن المروزی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جس وقت سیدنا عمر بن عبدالعزیز خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی تجہیز تکفین سے فارغ ہوئے تو انہوں نے زمین میں ایک لرزہ محسوس کیا تو فرمایا مجھے لرزہ کیوں محسوس ہو رہا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ لرزہ نہیں بلکہ خلافت کی سواریاں ہیں جو آپ سے قریب ہو رہی ہیں تاکہ آپ خلافت کے لیے ان پر سوار ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ارے بھائی کہاں میں اور کہاں خلافت کی اہمیت کی حامل سواریاں کیا مناسبت ہے؟ اتنے میں لوگ عمر بن عبدالعزیز کی سواری کے قریب آ گئے۔ ان کے لیے سواری نزدیک لائی گئی۔ چنانچہ آپ اس میں سوار ہو گئے۔ اتنے میں کوتوال ایک چھوٹا سا نیزہ لیے ان کی سواری کے قریب آگے آگے چلنے لگا۔ اس سے قبل خلفاء میں یہی دستور چلا آ رہا تھا اس کے باوجود آپ نے فرمایا کہ کوتوال صاحب یہ نہ کیجئے اور نہ میرے آگے چلئے۔ میرا اور آپ کا کیا جوڑ ہے؟ میں تو مسلمانوں کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ یہ سن کر بلا امتیاز تمام لوگ ایک ساتھ مل کر چلنے لگے۔ سامنے مسجد آ گئی تو آپ مسجد میں داخل ہو کر منبر پر تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی نبی پاک ﷺ پر درود شریف پڑھنے کے بعد فرمایا:

> لوگو! بغیر کسی میرے مشورہ یا خواہش کے مجھے خلیفہ بنایا گیا ہے اور نہ کسی مسلمان کی اجازت یا عوام کے مطالبہ سے مجھے خلیفہ چنا گیا اس لیے میں خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں۔ آپ کو اختیار ہے کہ میرے علاوہ جا ہے جس کو اپنا خلیفہ اور حاکم بنالیں۔
>
> یہ سنتے ہی تمام مسلمان چیخ پڑے کہ نہیں نہیں امیر المؤمنین ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ہم آپ کو اپنا حاکم بناتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگوں میں خاموشی چھا گئی تو آپ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا:
>
> لوگو! اللہ سے ڈرو میں تم لوگوں کو خاص طور پر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ اللہ سے ڈرنا ہر چیز کا نعم البدل ہے اور اللہ سے ڈرنے سے زیادہ کوئی کام اچھا نہیں۔ جو کچھ عمل کرو وہ آخرت کے لیے کرو۔ اس لیے کہ جو شخص آخرت کے لیے عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ دُنیا میں اس بندہ کی کفایت کرتے ہیں اور آخرت میں بھی اس کا بہترین صلہ دیتے ہیں۔ جو اپنے باطن کو درست کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو درست کر دیتے ہیں۔ موت کو زیادہ یاد کیا کرو بلکہ موت کے لیے ہر وقت تیار رہو۔ اس لیے کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ پتہ نہیں کب اچانک آ جائے۔ اس لیے کہ موت ہی ایسی چیز ہے جو تمام لذتوں کو مکدر کر دیتی ہے۔ میں خدا کی قسم کسی پر ظلم نہیں کروں گا اور نہ کسی کا حق روکوں گا اور نہ کسی کو بری باتوں پر آمادہ کروں گا۔
>
> لوگو! جو بھی اللہ کی فرماں برداری کرتا ہے تو اس کی اطاعت کرنا ضروری ہو جاتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اس کی اطاعت ضروری نہیں۔ تم لوگ اسی حکم کے بجالانے کے مکلف ہو جس میں خدا تعالیٰ کی خوشنودی شامل ہو ورنہ میرا حکم ماننا ضروری نہیں۔''

اتنی تقریر کرنے کے بعد آپ منبر سے اُتر کر دارالخلافہ کے اندر آ گئے۔

آپ نے پردوں کے بارے میں فرمایا کہ انہیں اُتار دیا جائے اور ان قیمتی بستروں کو ہٹا دیا جائے۔ مزید فرمایا کہ انہیں فروخت کر کے ان کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے۔

یہ کہہ کر آپ قیلولہ کرنے کے لیے گھر تشریف لے گئے۔ اتنے میں ان کے صاحبزادے عبدالملک حاضر خدمت ہوئے۔ کہنے لگے والد محترم آپ اس وقت کیا کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹے قیلولہ کرنے کا ارادہ ہے۔ بیٹے نے کہا کہ قیلولہ کا ارادہ کر رہے ہیں جو مظالم ڈھائے جا رہے ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش نہیں کر رہے۔ فرمایا: میرے پیارے بیٹے! گزشتہ رات تمہارے چچا سلیمان کی تجہیز و تکفین میں لگا رہا۔ ساری رات جاگنا پڑا۔ ظہر کی نماز ادا کر کے مظالم دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ بیٹے نے کہا اے امیر المؤمنین! ظہر تک چین و سکون کی نیند کیا آپ کے لیے ان حالات میں جائز ہے۔ اتنے میں آپ نے فرمایا: بیٹے میرے قریب ہو جا۔ چنانچہ وہ قریب ہو گئے۔ بیٹے کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا: ''خدا کا شکر ہے جس نے میرے صلب سے ایسے کو نکالا جو دین میں میری مدد کرتا ہے''۔

پھر آپ بغیر قیلولہ کیے ہوئے گھر سے نکل پڑے۔ منادی کو بلا کر یہ ہدایت کی کہ تم لوگوں میں یہ اعلان کرا دو کہ جس پر جس کسی قسم کا ظلم ہو رہا ہو' تو وہ دربار میں حاضر ہو کر بیان دے۔ دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

تھوڑی دیر کے بعد عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حمص کے ایک ذمی نے فریادرسی کی۔ کہا عالیجاہ امیر المؤمنین! بندہ حضور والا کی خدمت میں کتاب اللہ کے بارے میں ایک سوال کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ کیا ہے سوال کرو۔ ذمی نے کہا کہ شہزادہ عباس بن ولید نے میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ شہزادہ بھی اس وقت حاضر ہیں تصدیق کر لی جائے۔ آپ نے فرمایا عباس کیا یہ دعویٰ تمہارے خلاف صحیح ہے۔ عباس نے کہا اے امیر المؤمنین! مجھے تو الولید خلیفہ نے یہ زمین عنایت کی تھی۔ چنانچہ میرے پاس ان کی یہ تحریر بھی موجود ہے۔ آپ نے ذمی کی طرف مخاطب ہو کر ذمی اب تم کیا جواب دیتے ہو؟ بات ان کی بھی درست معلوم ہوتی ہے۔

ذمی نے کہا۔ اے امیر المؤمنین آپ کی کتاب قرآن کریم کیا فیصلہ کرتی ہے؟ یہ سن کر امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کتاب اللہ تو کتاب مقدس ہے جو ولید کی تحریر سے زیادہ حق اور اتباع کے لائق ہے۔ پھر عباس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ عباس تم اس آدمی کی زمین واپس کر دو۔ چنانچہ زمین واپس کر دی گئی۔

پھر اس کے بعد سے کوئی بھی شاہی خاندان کے خلاف مقدمہ دائر کرتا تو آپ فوراً اس کو رفع کرنے کی کوشش کرتے۔ ہر تکلیف کو دور کرنے کی کوشش کرتے۔ غریبوں کی فریادرسی کرتے۔

کچھ دنوں کے بعد جب خوارج کو سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی نیک سیرت' حسن کردار' انصاف اور عدل گستری کا حال معلوم ہوا تو ان سب نے یہ مشورہ کیا کہ بھائی اس خلیفہ سے جنگ و قتال کرنا ہمارے لیے مناسب نہیں ہے۔

شہزادہ عمر بن الولید کا اعتراض

شہزادہ عمر بن الولید کو جب یہ معلوم ہوا کہ سیدنا امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز نے جائیداد کو بھائی عباس بن الولید سے لے کر ذمی کو دے دی ہے تو عمر بن الولید نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک خط لکھا جس میں یہ تحریر تھا:

''آپ نے اس ذمی کو جائیداد واپس کر کے ہمارے آباؤ اجداد خلفاء پر عیب لگایا اور ان پر نکتہ چینیاں کیں اور آپ نے بغض و عداوت کا ثبوت دیتے ہوئے ان کی سیرت و اخلاق پر حملہ کیا ان کے طریقوں کے خلاف چلے تا کہ بعد میں لوگ ان کی

اولاد میں عیب نکالیں۔ مزید آپ نے یہ بھی کیا کہ قریش خاندان کے اموال کو لے کر بیت المال میں زبردستی داخل کر دیا۔ آخر آپ اس حال میں کب تک مسند خلافت پر ٹھہر سکتے ہیں۔"

امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کا جواب

آپ نے خط پڑھتے ہی جواب تحریر فرمایا:

یہ خط بندہ عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے بنام عمر بن الولید کے۔ اور حمد وثناء' تمہارا خط ملا۔ عمر بن الولید! تم وہی ہو نا کہ تمہاری ماں کا نام نبانہ ہے جو السکون کی باندی تھی۔ حمص کے بازار میں گھومتی رہتی۔ دوکانوں میں گھس جاتی تھی۔ پس اس کا حال تو خدا ہی زیادہ جانتا ہے۔ پھر اس کو بیت المال کی رقم سے ذبیان نے خرید کر تیرے والد کو بطور ہدیہ پیش کر دیا تھا۔ تو تم جیسی بدترین اولاد پیدا ہوئی۔ پھر تم پلے بڑھے اور اب تم ظالم اور کینہ ور ہو گئے۔ تم مجھے محض اس لیے ظالم کہتے ہو کہ میں نے اس مال کو تمہارے لیے حرام قرار دیا ہے۔ جس میں رشتہ داروں' غریبوں اور بیوہ عورتوں کا حق تھا بلکہ مجھ سے زیادہ ظالم اور بدعہد تو وہ ہے جس نے تجھ جیسے بے وقوف بچے کو مسلمانوں کے لشکر کا حاکم بنایا۔ تم تو اپنی رائے سے ان لوگوں میں حکم نافذ کرتے ہو۔ تمہارے والد نے محض پدرانہ محبت کے جذبہ میں گورنر بنا دیا تھا۔ تمہارے والد کے لیے ہلاکت اور تباہی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اس لیے کہ قیامت کے دن ان پر دعویٰ کرنے والے زیادہ ہوں گے۔ ان سنگین حالات میں قیامت کے دن وہ کیسے نجات پا سکتے ہیں۔ نیز مجھ سے زیادہ ظالم اور بدعہد تو وہ شخص ہے جس نے مصر کا گورنر قرۃ نامی دیہاتی' تیز وتند مزاج کو بنایا۔ اور جس نے لہو ولعب' شراب اور گانے بجانے کی چیزوں میں اس کو مکمل مراعات دی تھیں۔ مجھ سے زیادہ ظالم وجابر بدعہد تو وہ تھا جس نے غالیۃ البربریۃ کو عرب کے خمس سے حصہ مقرر کیا۔

اے نبانہ کے بیٹے! کتنے افسوس کی بات ہے۔ کاش کہ بطنج کے دونوں حلقے مل جاتے اور مال غنیمت صاحب حق کو دیا جاتا تو تمہارے خاندان والوں کے لیے چھٹکارے کا کوئی راستہ نکل آتا۔ تمہیں تو رعایا کو صراط مستقیم پر چلانا چاہیے۔ لیکن تمہارا یہ حال ہے کہ سیدھے راستے اور حق بات کو پس پشت ڈال دیتے ہو' باطل کی پیروی کرتے ہو۔ اب تم حق کی پاسداری کے لیے کمربستہ ہو جاؤ۔ اپنی ذمہ داری کو قاعدے کے مطابق انجام دو اور حکومت کی رقم کو غریبوں اور بیوہ عورتوں میں خرچ کرو۔ اس لیے کہ ہر ایک کا تمہارے اوپر حق پہنچتا ہے۔ خدا کی سلامتی اس شخص پر ہو جو کہ صحیح راستہ پر گامزن ہو ورنہ خدا کی سلامتی اور مدد ظالم لوگوں کو نصیب نہیں ہوتی۔ والسلام

ایک عجیب واقعہ

عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت کا ایک واقعہ یہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ دور خلافت میں ملک میں گرانی ہو گئی۔ لوگ پریشان ہو گئے۔ اسی دوران عرب کا ایک وفد ان کی خدمت میں آیا۔ ان میں سے ایک صاحب بحیثیت متکلم چن لیے گئے اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز سے گفتگو کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ متکلم نے کہا کہ اے امیر المؤمنین ہم سب آپ کی خدمت میں ایک شدید ضرورت کی وجہ سے عرب علاقوں سے حاضر ہوئے ہیں۔ بیت المال کے سلسلے میں کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں۔

متکلم نے کہا کہ بیت المال کی رقم یا تو خداوند قدوس کی ہے یا اس کے بندوں کے لیے ہے یا آپ کی رقم ہے۔ اگر خداوند قدوس کی ہے تو وہ اس سے مستغنی ہے اور اگر مخلوق کی ہے تو آپ ان کو عنایت کر دیجئے اور اگر ان کی نہیں ہے بلکہ آپ کی ذاتی ملکیت ہے تو ہماری رائے یہ ہے کہ آپ ہم لوگوں پر صدقہ کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو بہترین صلہ دیں گے۔

یہ سن کر امیر المؤمنین کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ فرمایا وہی ہوگا جو تم لوگ خواہش رکھتے ہو۔ یہ کہہ کر آپ نے ان کی ضروریات کو پوری

کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ جب ان لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوگئیں تو متکلم رئیس وفد بھی دربار سے رُخصت ہونے لگا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا: اے فلاں! جس طرح کہ تم نے لوگوں کی ضروریات کو مجھ تک پہنچایا ہے میری حاجات کو بھی خدا تک پہنچا دے اور میرے لیے فقر وفاقہ کے رفع ہونے کے لیے دُعا کردے۔ یہ سن کر متکلم نے دُعا کی:

خدایا تو عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ اپنے مخصوص بندوں جیسے معاملہ فرما۔ جملہ کی ادائیگی مکمل نہ ہوئی تھی کہ آسمان سے ایک بادل اُٹھا اور زوردار بارش ہوئی۔ اسی بارش میں ایک بڑا اولہ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ اس سے ایک چھوٹا سا کاغذ نکلا جس میں یہ لکھا ہوا تھا:

''یہ رقعہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے لیے زبردست قوت والے جابر کی طرف سے جہنم کی آگ سے برأت کا پروانہ ہے۔''

آپ کے اخلاق وتواضع

رجاء بن حیوۃ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ لوگوں میں سب سے زیادہ باعزت، عقل منداور دانا تھے۔ چال میں سلیقہ اور پروقار، پوشاک سادہ اور خوبصورت زیب تن کرتے۔ جب آپ کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ کے عمامہ، کرتہ، موزہ، چادر اور قباء کی قیمت لگائی گئی تو کل سامان ۱۲ درہم کے تھے۔ ابن عساکر لکھتے ہیں:

''سیدنا عمر بن عبدالعزیز رشتہ داروں پر سختیاں کرتے۔ رشتہ داری کی وجہ سے جو لوگ فوائد حاصل کرتے آپ نے ان سب پر پابندی لگادی۔ یہاں تک کہ مال وغیرہ بھی لے لیا۔ چنانچہ رشتہ داروں نے انہیں دھوکہ میں ڈال کر زہر دے دیا۔''

ایک مرتبہ آپ نے اپنے اس خادم کو بلایا جس نے آپ کو زہر پلا دیا تھا۔ پوچھا کہ تمہاری ہلاکت ہو تم نے مجھے زہر کیوں پلایا؟ کس نے تم کو مجبور کیا؟ تو اس نے جواب دیا کہ مجھے اس کے عوض میں ایک ہزار دینار دیئے گئے تھے۔ آپ نے فرمایا وہ دینار کہاں ہیں؟ میرے پاس لے آؤ تو وہ آپ کی خدمت میں لے آیا۔ آپ نے اسے بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ فوراً تم کہیں ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں تمہارا سراغ نہ لگ سکے۔ آپ کی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک کہتی ہیں کہ جب سے آپ کو خلیفہ بنایا گیا تھا اس دن سے آپ نے نہ غسل جنابت کیا اور نہ آپ کو احتلام ہوا۔ آپ سارے دن لوگوں کے کام میں مشغول رہتے۔ مظلومین کی فریادرسی میں مصروف رہتے اور رات عبادت وریاضت میں گزرتی۔

مسلمہ بن عبدالملک کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کی عیادت کرنے کے لیے مرض الموت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ایک گندہ کرتہ زیب تن کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں نے ان کی بیوی سے کہا کہ امیر المؤمنین کے کرتے کو دھو دو۔ بیوی نے جواب دیا کہ ہاں ان شاء اللہ دھو دوں گی۔ کچھ دن کے بعد پھر میں عیادت کے لیے آیا۔ دیکھا کہ ان کے جسم پر وہی کرتہ ہے۔ تو میں نے فاطمہ بی بی سے کہا کیا میں نے تم سے امیر المؤمنین کا کرتہ دھونے کے لیے نہیں کہا تھا؟ لوگ مزاج پرسی کے لیے آتے رہیں گے۔ بیوی نے یہ جواب دیا۔ خدا کی قسم امیر المؤمنین کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا کرتہ نہیں ہے۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

نهارک یا مغرور سهو و غفلة   و لیلک نوم والردی لک لازم

''اے مغرور تمہارا دن بھول چوک ہیں اور تمہاری رات نیند ہے اور خراب چیزیں تمہارے لیے ضروری ہیں۔''

یغرک ما یفنی و تفرح بالمنی   کما غر باللذات فی النوم حالم

''فنا ہونے والی چیزیں تم کو دھوکہ دے رہی ہیں اورتم آرزوؤں سے اس طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح کہ سونے والا نیند کی لذتوں میں دھوکہ کھا جاتا ہے۔''

و شغلک فیما سوف تکره غبه   کذالک فی الدنیا تعیش البهائم

''تمہارے کام جن کو عنقریب تم برا سمجھو گے دھوکہ ہیں اس طرح تو دُنیا میں جانور زندگی گزارتے ہیں۔''

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب تو بے شمار ہیں۔ اگر کوئی ان سے مکمل واقفیت چاہتا ہو تو وہ سیرۃ العرین والحلیۃ وغیرہ کا مطالعہ کرے۔

آپ سرزمین حمص، دیرسمعان میں مرض الوفات میں مبتلا ہوئے۔ جب وقت قریب آ گیا تو آپ نے فرمایا کہ لوگو! بیٹھ جاؤ۔ سب لوگ بیٹھ گئے۔ فرمایا یا الٰہ العالمین میں تیرا وہ بندہ ہوں جسے تو نے والی بنایا تو اس کی انجام دہی میں مجھ سے کوتاہیاں بھی سرزد ہوئیں۔ تو نے مجھ کو اگر کسی چیز سے روکا تو میں نے نافرمانی کی۔ پھر کلمۂ شہادت لا الٰہ الا اللہ پڑھتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

وفات

بعض اقوال کے مطابق آپ کی وفات ۵ یا ۶ رجب کو ہوئی۔ کچھ کے نزدیک ۲۰ رجب ۱۰۱ھ میں ہوئی۔ کل عمر ۳۹ سال چند ماہ کی ہوئی۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ ۴۰ سال کی عمر پائی۔

آپ پرکشش، خوبصورت، بارعب اور دبلے پتلے آدمی تھے۔ چہرے پر خوبصورت داڑھی تھی۔ لیکن آپ کے چہرے میں گھوڑے کے کھروں کے داغ تھے۔ غالباً بچپن میں گھوڑے نے پاؤں مار دیا تھا۔ آپ پر شرافت، بزرگی، تقویٰ الفت عدل وانصاف ختم ہو گیا تھا۔ آپ سے اُمت میں تجدید دین ہوئی اور اُمت کو نشاۃ ثانیہ حاصل ہوئی۔ آپ بالکل اپنے نانا سیدنا امیر المؤمنین خلیفہ ثانی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار کے مطابق ڈھلے ہوئے تھے۔ جتنی مدت خلافت سیدنا امیر المؤمنین خلیفہ اول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی اتنی ہی آپ کے حصہ میں آئی۔ آپ کی قبر دیرسمعان میں زیارت گاہ خواص وعوام ہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ خلفائے راشدین پانچ ہوئے ہیں: (۱) ابوبکرؓ (۲) عمرؓ (۳) عثمانؓ (۴) علیؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ۔ حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ جب آپ کی لاش مبارک دیرسمعان لائی گئی تو ایک آندھی آئی کہیں سے ایک رقعہ میں لکھا ہوا پایا گیا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم براۃ من اللّٰہ العزیز الجبار لعمر بن عبدالعزیز من النار

''عمر بن عبدالعزیز کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم سے گلوخلاصی کا پروانہ دے دیا گیا۔''

لوگوں نے اسے کفن میں رکھ دیا۔

آپ کی مدت خلافت ۲ سال پانچ ماہ ہے۔

خلافت یزید بن عبدالملک

پھر سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد یزید بن عبدالملک تخت نشین ہوئے۔ ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن ان کے چچا سیدنا عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہوا۔ اس لئے کہ انہیں سلیمان نے عمر بن عبدالعزیز کے بعد ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔ جب انہیں والی بنایا گیا تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے سیرت و کردار کے مطابق زندگی کو سانچے میں ڈھالو۔ چنانچہ تمام لوگوں

نے چالیس دن تک ایسے ہی زندگی گزاری۔

کچھ دن کے بعد دمشق سے چالیس بوڑھے قسم کے لوگ آئے۔انہوں نے یزید بن عبدالملک سے یہ حلف لیا کہ خلفاء کے ذمے نہ تو کسی قسم کا حساب وکتاب ہے اور نہ آخرت کا حساب ہے۔چنانچہ یزید ان جاہل شامیوں کے جال میں پھنس گئے۔

یزید بن عبدالملک سفید رنگ کے تندرست وتوانا آدمی تھے۔چہرے پر ملاحت تھی۔بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہی وہ یزید ہیں جو فسق وفجور کے ساتھ مشہور ہوئے حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ فاسق تو ان کا بیٹا الولید تھا جس کا ذکر جلد ہی آجائے گا۔

حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ یزید ابن عبدالملک نے اپنے بھائی سلیمان کے دور خلافت میں ایک باندی جس کا نام حبابة تھا عثمان بن سہل بن سہل سے چار ہزار دینار کے عوض میں خریدی تھی۔یہ اسی باندی سے پیار و محبت زیادہ کرتا تھا۔چنانچہ اس بات کی اطلاع ان کے بھائی سلیمان کے پاس پہنچی تو یزید نے ڈر کے مارے فروخت کردی۔

جب یزید بن عبدالملک خلافت کے والی بنادیئے گئے تو ایک دن ان کی بیوی نے اس سے کہا اے امیر المؤمنین کیا آپ کے اندر اب بھی کسی چیز کی خواہش ہے؟ یزید نے کہا ہاں ہے۔بیوی نے کہا وہ کیا ہے بتایئے؟ یزید نے کہا وہ حبابہ نامی باندی ہے جسے میں نے خریدا تھا۔پھر بعد میں بھائی کے خوف کی وجہ سے فروخت کردیا تھا۔

ان دنوں ان کی بیوی نے اسی باندی کو خرید کر پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔اس وقت آراستہ پیراستہ کر کے ایک پردہ کے پیچھے ان کی بیوی نے اس باندی کو بٹھا رکھا تھا۔پھر تھوڑی دیر کے بعد ان کی بیوی نے وہی سوال کیا کہ کیا اب آپ کے اندر کسی چیز کی خواہش ہے تو یزید نے جواب دیا کہ ہاں وہ حبابہ نامی باندی کی محبت ہے۔اس سے قبل بھی میں نے تم کو بتایا تھا۔ان کی بیوی نے پردہ اُٹھا کر کہا یہ ہیں حبابہ۔ چنانچہ ان کی بیوی یزید کے پاس اسے چھوڑ کر چلی گئی۔وہ محظوظ ہونے لگے۔یہاں تک کہ وہ باندی اس کی عقل پر غالب آگئی جس کی وجہ سے یزید خلافت میں تادیر نہ رہ سکے۔

ایک دن یزید نے کہا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بادشاہ زمانے کا ایک پورا دن عیش وعشرت کا نہیں گزار سکتے' میں ان کے اس قول کو جھوٹا ثابت کر کے دکھاؤں گا۔پھر وہ عیش وآرام اور لذتوں میں مصروف ہوگئے اور حبابہ کے ساتھ خلوت کی زندگی گزارنے لگے اور حائل ہونے والی تمام چیزوں پر پابندی لگادی۔

یزید بن عبدالملک اسی طرح عیش وآرام کی زندگی گزار رہے تھے کہ اچانک ایک دن حبابہ انار کا ایک دانہ کھا رہی تھی۔کھاتے کھاتے ہنسنے لگی۔اتنے میں وہ دانہ گلے میں اُٹک گیا اور حبابہ کی موت واقع ہوگئی۔حبابہ کی موت سے یزید کی زندگی دوبھر ہوگئی۔عقل ماؤف ہوگئی۔عیش وآرام مکدر ہوگیا۔سارا خلافت کا نشہ جاتا رہا۔یزید پر ایسا وجد طاری ہوا کہ حبابہ کو چند دن دفن کرنے نہیں دیا۔اس کے بوسے لیتا' چوستا' یہاں تک کہ اس کی لاش بدبودار ہوگئی۔پھر اس کے دفن کرنے کا حکم دیا۔پھر اس کو قبر سے نکال لیا۔پھر اس کے بعد یزید ۱۵ یوم سے زیادہ زندہ نہ رہا۔پھر یزید سل کی بیماری میں مبتلا ہوگیا۔شاعر نے کہا ہے ۔

فان تسل عنک النفس اوتدع الھوی فبالبأس تسلو عنک لا بالتجلد

''اگر تم سے نفس پوچھتا ہے یا خواہش پکارتی ہے تو وہ صبر کی وجہ سے نہیں بلکہ مایوس ہوکر سوال کرتی ہے۔''

و کل خلیل زارنی فھو قائل من اجلک ھذا ھالک الیوم اوغد

''ہر وہ دوست جس نے مجھے دیکھا ہے وہ کہتا ہے تیری ہی وجہ سے یہ آج یا کل ہلاک ہونے والا ہے۔'' (کچھ تھوڑی تفصیل سلیمان بن داؤد علیہ السلام سے متعلق باب الدال میں الدلبة کے عنوان میں آئے گی)

وفات

یزید بن عبدالملک کی وفات البلقاء کے علاتے میں مقام اربل میں ہوئی۔لیکن بعض لوگ مقام جولان بتاتے ہیں۔پھر یزید نعش اُٹھا کر دمشق میں باب الجابتہ اور باب الصغیر کے درمیان دفن کر دیا گیا۔وفات کا سانحہ ۲۵ شعبان ۱۰۵ھ میں پیش آیا۔۲۹ سال کی عمر پائی۔ بعض لوگ ۳۸ سال کی عمر بتاتے ہیں۔چار سال ایک ماہ تخت نشین رہے۔

خلافت ہشام بن عبدالملک

پھر یزید بن عبدالملک کے بعد ہشام بن عبدالملک نے عنان حکومت سنبھالی۔ان سے اس دن بیعت لی گئی۔جس دن کہ یزید کا سانحہ ارتحال پیش آیا یزید نے اپنے بھائی ہشام ہی کو نامزد کر دیا تھا۔جب خلافت ہشام کے حصے میں آئی تو یہ مقام رصافہ میں تھے جس وقت ہشام کو خلافت کی خوشخبری دی گئی تو ہشام اور ان کے ہم نواسب کے سب سجدۂ شکر بجالائے۔اس کے بعد فوراً دمشق چلے گئے۔

مصعب الزبیری کہتے ہیں کہ لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے یہ خواب دیکھا تھا کہ اس نے محراب میں چار مرتبہ پیشاب کیا۔پھر بعد میں اسے پاؤں سے روند دیا۔اس خواب کی تعبیر سعید بن المسیب معبر وقت سے پوچھی گئی تو فرمایا کہ عبدالملک بن مروان کے صلب ایسے چار آدمی خلافت کی نعمت سے مالا مال ہوں گے جن میں آخری شخص ہشام ہوگا۔

ہشام ہوش مند سیاسی خوبصورت موٹا اور بھینگا تھا۔کالا خضاب کیا کرتا۔اسی کے ساتھ ساتھ حیلہ ساز ذورائے بردبار کم لالچی تھا۔ انہوں نے خلافت کا نظام کسی حد تک درست رکھا۔مال زیادہ جمع کرتا۔بخیل اور حریص تھا۔مشہور ہے کہ انہوں نے اتنا مال جمع کیا کہ اس سے قبل کسی نے بھی اتنا مال جمع نہیں کیا۔ہشام کے انتقال کے بعد الولید بن یزید نے تمام ملک پر قبضہ کر لیا۔یہاں تک کہ تجہیز و تکفین کے لیے قرض لینا پڑا۔

ان کا انتقال مقام رصافہ میں ربیع الثانی کے آخر میں ۱۲۵ھ میں ہوا۔کل ۵۳ سال کی عمر پائی۔بعض نے ۵۴ سال کہا ہے خلافت کی مدت بعض قول کے مطابق ۱۹ سال ۹ ماہ ہشام خلافت پر متمکن رہا۔بعض نے ۲۰ سال کی تصریح کی ہے۔

خلافت الولید بن یزید بن عبدالملک

یہ چھٹے خلیفہ ہیں اور انہیں معزول کر دیا گیا تھا

پھر ہشام بن عبدالملک کے بعد ان کے بھتیجے الولید بن یزید فاسق و فاجر نے زمام حکومت سنبھالی۔ان کے والد جب قریب المرگ ہوئے تھے تو ہشام کو اس شرط پر ولی عہد بنایا تھا کہ ہشام کے بعد ان کے بیٹے الولید بن یزید کو نامزد کر دیا جائے گا۔چنانچہ ہشام کی وفات کے بعد الولید سے بیعت لی گئی۔جس دن ان کے چچا ہشام کا انتقال ہوا اس وقت الولید مقام برتیہ میں تھا۔چچا سے رنجش کی وجہ سے یہ دور رہنے لگے تھے۔نیز الولید دین میں کاہل کوتاہی شراب نوشی کا عادی بن گیا تھا اور یہ فسق و فجور کی وجہ سے لوگوں میں مشہور ہو گیا تھا۔

چنانچہ ہشام نے ولید کے باز نہ آنے کی وجہ سے ان کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا۔الولید کو جب اس کا علم ہوا تو وہ فرار ہو گیا تھا۔مستقل کسی جگہ قیام نہیں کرتا تھا۔جس رات خلافت کی ڈاک منتقل ہو کر صبح کو الولید کے پاس پہنچنے والی تھی وہ رات اس نے بڑی بے چینی سے گزاری۔ اس نے اپنی بے چینی اور اضطراب سے ساتھیوں کو آگاہ کیا اور کہا کہ تم لوگ مجھے سوار کر کے اتنی جلدی سے لے چلو کہ میری بے چینی اطمینان سے بدل جائے۔پس یہ لوگ اسے دو میل تک بھی نہ چلے ہوں گے کہ اسی اثناء میں ہشام اور اس کے قتل کے عزم اور دھمکی کے

خطوط کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔

کچھ دیر کے بعد کسی آنے والے کی آہٹ محسوس ہوئی۔ پھر یہ لوگ سمجھ گئے کہ ہمیں ٹھنڈک کی تلاش تھی۔ پس وہ میسر آئی۔ لیکن الولید نے ساتھیوں سے کہا کہ ارے بھائی یہ تو ہشام کی ڈاک معلوم ہوتی ہے۔ خدا کرے اس میں خیر ہی خیر ہو۔ جب ڈاک ان لوگوں کے قریب آئی تو ڈاک رساں الولید کو پہچان گیا۔ فوراً پیدل چلنے لگا اور آداب شاہی بجالایا تو الولید حیران کا حیران رہ گیا۔ ولید نے کہا تمہارا برا ہو کیا ہشام کا انتقال ہو گیا؟ تو پیغام بروں نے کہا جی ہاں! پھر انہوں نے رقعہ دیا' کھول کر پڑھنے لگا۔ پڑھ کر فوراً دمشق روانہ ہو گیا اور تخت نشین ہو گیا۔ چنانچہ وہ خلافت پر سال بھی اطمینان سے نہ بیٹھ سکا تھا کہ اہل دمشق نے ان کے فسق و فجور میں شہرت کی وجہ سے معزول کرنے کا عزم کر لیا تھا۔ اس لیے کہ الولید فسق و فجور میں اتنا حد سے تجاوز کر چکا تھا کہ کفر اور زندقہ سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔

ولید رنگین مزاج تھا

حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ الولید شراب نوشی' عیش و عشرت کا دلدادہ تھا۔ اسے آخرت کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ ساری توجہ ہم نشینوں' گانے بجانے والوں' کھیل و کود وغیرہ میں مرکوز کر دی تھی۔ سارنگی' ڈھول' دف کا شوقین تھا۔ اس نے اللہ کے محارم کو پاش پاش کر ڈالا۔ اس میں اتنا آگے بڑھا کہ فاسق کہا جانے لگا۔ اس کے علاوہ الولید خاندان بنوامیہ میں فصاحت' ادبیت' نحو' حدیث وغیرہ میں زیادہ قابل تھا۔

اسی طرح وہ سب سے زیادہ سخی بھی تھا۔ شراب نوشی' سماع' عیش و عشرت کوتاہی' لاپرواہی میں آپ اپنی نظیر تھا۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ الولید باندی سے شراب کے نشہ میں مغلوب ہو کر بوس و کنار کر رہا تھا۔ مؤذن بار بار انہیں باخبر کرتا رہا۔ اس نے یہ قسم کھائی کہ بغیر اس باندی کے ساتھ لئے امامت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ باندی کو کپڑے پہنائے گئے لائی گئی۔ پھر الولید نے نماز پڑھائی۔

مشہور ہے کہ ولید نے ایک شراب کا حوض بنایا تھا۔ جب اسے نشاط طاری ہوتا تو وہ حوض میں کود جاتا۔ خوب شراب نوشی کرتا۔ یہاں تک کہ سارے جسم میں نشہ کی کیفیت طاری ہو جاتی تب باہر نکالا جاتا۔

امام الماوردی لکھتے ہیں کہ ولید نے ایک دن کتاب مقدس قرآن پاک سے فال نکالی تو یہ آیت نکلی:

﴿واستفتحوا وخاب کل جبار عنید﴾

''اور پیغمبر فیصلہ مانگنے لگے اور ہر ایک سرکش ضدی نامراد ہو گیا۔'' (ابراہیم)

چنانچہ ولید نے قرآن کریم کو پارہ پارہ کر ڈالا اور یہ شعر پڑھنے لگا ۔

اتوعد کل جبار عنید فھا انا ذاک جبار عنید

''کیا تو ہر زبردست ہٹ دھرم کو دھمکاتا ہے۔ پس میں اس وقت زبردست ہٹ دھرم ہوں۔''

اذا ما جئت ربک یوم حشر فَقُلْ یا رب مزقنی الولید

''جب تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس آئے تو کہہ دے پروردگار مجھے ولید نے پارہ پارہ کر دیا ہے۔''

اس کے بعد ولید چند دن کی زندگی بھی نہیں گزار سکا تھا کہ اسے بھیانک طریقے سے قتل کر دیا گیا اور اس کی گردن کو کاٹ کر اس کے محل میں لٹکا دیا گیا۔ اس کے بعد شہر پناہ میں معلق کر دیا گیا۔ اھ

(مزید تفصیل ان شاء اللہ باب الطاء میں لفظ طیرۃ کے عنوان میں آجائے گی)

اس قسم کے حالات اور بھی تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اس لیے طوالت سے گریز کرتے ہوئے ترک کر رہے ہیں۔ حدیث

میں ہے:

''اس اُمت میں ایک شخص ولید نامی ضرور پیدا ہوگا جس کا شر فرعون سے بدتر ہوگا۔''

تمام علمائے کرام اس حدیث کا مصداق اسی الولید بن یزید کو بتاتے ہیں۔

الولید بن یزید کا قتل

جب ولید کو اہل دمشق نے تخت سے اُتار دیا تو لوگوں نے اس کے چچا کے لڑکے سے بیعت کی۔ جس کا نام یزید بن الولید بن عبدالملک ہے۔

چنانچہ اس نے برسر اقتدار آتے ہی یہ اعلان کیا کہ جو بھی ولید کے سر کو حاضر کرے گا اسے بطور انعام ایک لاکھ درہم دیئے جائیں گے۔ ولید کا قیام ان دنوں البحرۃ میں تھا۔ یزید کے ہم نواؤں نے ولید کا محاصرہ کر لیا اور اس کے قتل کے درپے ہو گئے۔ ولید نے ان کو روکا وہ باز نہیں آئے۔ لوگ ولید کے محل میں داخل ہو گئے۔ ولید نے کہا کہ آج کا دن بالکل عثمانؓ کے دن کی طرح ہے۔ لوگوں نے کہا نہیں بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ اتنا کہنے کے بعد سرتن سے جدا کر دیا۔ سر کو دمشق بھر میں گھمایا گیا۔ پھر اسے محل میں معلق کر دیا گیا۔ پھر فنائے شہر میں معلق کر دیا گیا۔ جس وقت الولید کے قتل کا حادثہ رونما ہوا شہر میں بے چینی پھیل گئی۔ دشمنوں نے کوئی تعاون نہ کیا۔ پھر اس کے بعد کسی قسم کی بات پیدا نہیں ہوئی۔

قتل کا واقعہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۲۶ھ میں پیش آیا۔ کل ایک سال مسند خلافت پر رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک سال دو ماہ تک رہا۔ ولید خاندان بنوامیہ میں سب سے زیادہ حسین، طاقتور اچھا شاعر تھا۔ لیکن اس کے ساتھ فسق و فجور میں مشہور تھا۔ رعایا محض اس کے فسق و فجور کی وجہ سے خلاف ہو گئی تھی۔

چچا زاد بھائی یزید بن عبدالملک الناقص نے اس کے خلاف خروج کیا تھا۔ چنانچہ یزید نے دمشق پر قبضہ کر لیا۔ ولید ایک دن تدمر نامی جگہ میں شکار کھیلنے گیا ہوا تھا۔ موقع پا کر یزید ایک لشکر تیار کر کے ولید سے آمادۂ پیکار ہو گیا۔ یہاں تک کہ فوجیوں نے محاصرہ کر لیا۔ شہر پناہ میں بھی چڑھ کر گھات میں لگ گئے، ولید کو قتل کر ڈالا۔ پھر اس کے سر کو تن سے جدا کر کے شہر پناہ میں ایک نیزہ میں لٹکا کر نصب کر دیا۔

خلافت یزید بن الولید بن عبدالملک بن مروان

پھر ولید کے قتل کے بعد یزید بن الولید بن عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوئے۔ ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن چچا زاد بھائی ولید کو معزول کر دیا گیا تھا۔ غالباً یزید بن ولید یہ پہلے خلیفہ ہیں جن کی ماں آزاد نہیں تھی، باندی تھی۔ خاندان بنواُمیہ خلافت کی عظمت کی وجہ سے یزید بن الولید کی خود حفاظت کرتے تھے۔ جب بنوامیہ کو خوب معلوم ہو گیا کہ ان کی حکومت باندی زادے کے ہاتھ میں ہے نہیں رہ سکتی تو یہ لوگ ہر وقت خوف و ہراس میں مبتلا رہنے لگے۔ یہاں تک کہ بنوامیہ کا اقتدار ولید بن یزید تک کسی حد تک باقی رہا۔ پھر انہیں مزید یہ یقین ہوتا چلا گیا کہ بنوامیہ کا اب اقتدار ختم ہو جائے گا۔

یزید بن ولید کو یزید ناقص بھی کہتے تھے، اس لیے کہ انہوں نے اقتدار پر آتے ہی لوگوں کے عطیات پر پابندی لگا کر کم کر دیا تھا بلکہ جتنی رقمیں ہشام کے دور خلافت میں دی جاتی تھیں، اتنی مقرر کر دی تھیں۔

بعض مؤرخین نے ناقص کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ چونکہ یزید کے پاؤں کی انگلیوں میں نقص تھا اس لیے اسے یزید الناقص کہتے

تھے۔ سب سے پہلے جس نے یزید الناقص کہہ کر پکارا ہے وہ غالباً مروان بن محمد ہے۔

جس وقت یزید بن ولید تخت نشین ہوئے تھے تو سلطنت میں انتشار پیدا ہو چکا تھا۔ اہل علم لکھتے ہیں کہ یزید عبادت' قربانی' تلاوت قرآن کے پابند اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے اخلاق میں ڈھلے ہوئے تھے۔ اسی کے ساتھ تقویٰ و دین داری میں اپنی مثال آپ تھے۔ لیکن قسمت میں جو مقدر ہوتا ہے۔ عمر نے وفا نہ کی اور جلد ہی داعی اجل کو لبیک کہا۔

وفات اور مدت خلافت

یزید بن ولید کا انتقال ۱۸ جمادی الثانیہ ۱۲۶ھ میں ہوا۔ کل چالیس سال یا ۴۶ سال کی عمر پائی۔

سیدنا امام الشافعیؒ کہتے ہیں کہ جس وقت یزید بن ولید تخت پر بیٹھا تو اس نے عوام کو عقیدۂ قدر کی دعوت دی اور تقدیر پر اُبھارا۔ تقریباً ساڑھے پانچ ماہ یا چھ ماہ تخت نشین رہا۔

خلافت ابراہیم بن الولید

جس وقت یزید بن الولید کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے ان کے بھائی ابراہیم بن الولید سے بیعت لے لی۔ اس لیے کہ ان ہی کے بھائی یزید بن ولید نے ولی عہدی کے لیے چن لیا تھا۔ لیکن ابراہیم خلافت و سلطنت کو سنبھال نہ سکا۔ ایک جم غفیر آداب شاہی بجالاتا۔ دوسرا نہ آداب شاہی بجاتا نہ امارت کی مبارک بادی پیش کرتا۔ اس طرح سے ان کی خلافت تذبذب و متزلزل رہی۔ یہاں تک کہ ابراہیم کو مروان بن محمد نے قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا۔ چنانچہ ابراہیم خلافت پر دو ماہ دس یوم متمکن رہا لیکن یہ محل نظر ہے' اس لیے کہ مروان بن محمد الحمار جو آذربائیجان کے علاقہ میں نیابت کے فرائض انجام دے رہے تھے اس نے جب یہ سنا کہ لوگ اس سے بیعت کر رہے ہیں تو یہ اسی وقت آذربائیجان سے چل پڑا اور لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دینے لگا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد شام آیا۔ اس سے قبل ابراہیم بن الولید نے اپنے دونوں بھائی بشر اور سرور کو اپنی حمایت میں مدافعت کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ آپس میں جنگ ہوئی۔ آخر کار مروان بن محمد نے فتح پائی۔ پھر مروان یہاں سے کوچ کر کے مرج عذراء کے لیے روانہ ہو گیا۔ مرج عذراء میں سلیمان بن ہشام بن عبدالملک نے اس سے چھیڑ چھاڑ کی لیکن شکست کھائی۔

پھر خلیفہ ابراہیم بن ولید نے جنگ کی تیاری کر کے دمشق کے باہر لشکر کشی کی لیکن خود اس کے لشکر نے اسے دھوکہ دے کر رسوا کر دیا۔ حالانکہ ابراہیم نے اپنی فوجوں کے لیے خزانے کے دہانے کھول دیئے تھے۔ لیکن یہ معاملہ مخفی رہا۔ آخر کار عوام نے مروان سے بیعت لینا شروع کر دی اور مروان نے عوام کا اعتماد حاصل کر لیا۔ یہاں تک کہ ابراہیم پر چند دن کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ اس کی حکومت اس سے منتقل ہو کر چلی گئی ہے۔ چنانچہ یہ خود خلافت سے دستبردار ہو گیا۔

خلافت مروان بن محمد الحمار

جب خلیفہ ابراہیم بن الولید کو قتل کر دیا گیا تو ان کے بعد مروان بن محمد الحمار سے بیعت لی گئی۔ اسی کے دور حکومت میں ابو مسلم الخراسانی نے سر اُٹھایا اور کوفہ میں سفاح نمایاں ہوا۔ چنانچہ سفاح سے الگ بیعت لے لی گئی۔

اسی دوران سفاح کے چچا عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ مروان بن محمد سے جنگ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ زاب موصل میں زبردست جنگ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مروان کو شکست ہوئی۔ کثیر تعداد میں فوجیوں کو قتل کر دیا گیا اور بے شمار فوجی دریا میں غرق ہو گئے

اور جو فوجی بچے تھے ان کا عبداللہ بن علی نے دریائے اُردن تک تعاقب کیا۔ وہیں پر بنو امیہ کی ایک جماعت جن کی تعداد تقریباً اسی سے زائد تھی' مُڈبھیڑ ہوگئی۔ آخر کار یہ بھی مارے گئے۔ بعد میں عبداللہ بن علی نے ان کو گھسیٹے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ پھر ان کے اوپر بچھونے بچھا دیئے گئے۔ پھر خود عبداللہ اور ان کے تمام ساتھ اس کے اوپر بیٹھ گئے۔ پھر کھانا چنا گیا۔ چنانچہ سب لوگوں نے کھانا تناول فرمایا۔ اس حال میں کہ ان کے نیچے سے ان لوگوں کے کراہنے کی آواز آرہی تھی۔ یہ ماجرا دیکھ کر عبداللہ بن علی نے فرمایا کہ آج کا دن کربلا کی طرح ہے۔ بلکہ اس سے بھی بدتر دن ہے۔

اس کے بعد سفاح نے اپنے چچا صالح بن علی کو السماوۃ کے راستہ پر لگا دیا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ عبداللہ بن علی کے پاس پہنچ گئے۔ پھر دمشق میں جنگ کے لیے اُتر گئے۔ چنانچہ طاقت کے بل بوتے پر فتح کرلیا بلکہ تین دن تک کے لیے دمشق کو مباح کر دیا۔ عبداللہ بن علی نے شہر پناہ کو پتھر مار کر توڑ دیا۔ موقع پا کر مروان مصر فرار ہوگیا۔ چنانچہ معلوم ہوتے ہی صالح بن علی نے اس کا تعاقب کیا یہاں تک کہ مروان قریٰ صعید بستی میں قتل کر دیا گیا۔ (جیسے کہ عنقریب ہی باب الھاء ہرۃ کے عنوان میں آجائے گا)

صالح بن علی نے حبشہ تک تعاقب کرنے کا ارادہ کرلیا تھا لیکن اس سے قبل ہی یہ لوگ مقاصد میں کامیاب ہو گئے۔ جس وقت مروان کو قتل کیا جارہا تھا وہ یہ کہہ رہا تھا کہ ہماری خلافت اور حکومت ختم ہوگئی۔ مروان بن محمد نہایت بہادر' بارُعب معتدل القامت' سیاہ سرخ آدمی تھا۔ چہرہ داڑھی سے بھرا ہوا' ہوش مند' مدبر خلیفہ تھا۔ اس کے قتل ہوتے ہی سلطنت کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔ سلطنت پارہ پارہ ہوگئی۔

مروان الجعدی کے قتل کا واقعہ ۱۳۲ھ میں ہوا۔ کل ۵۶ سال کی عمر پائی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس نے ۵ سال تک خلافت کی۔ بعض نے ۵ سال دو ماہ دس دن بتایا ہے اور یہ بنو امیہ کا سب سے آخری تاجدار تھا۔

بنو امیہ کے دور خلافت میں ۱۴ خلفاء گزرے ہیں۔ سب سے پہلے خلیفہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان بن صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف اور سب سے آخری خلیفہ مروان بن محمد الجعدی الحمار گزرا ہے۔ گویا بنو امیہ کا دور حکومت اسی (۸۰) سال سے زائد رہا اور یہ تقریباً ایک ہزار ماہ ہوتے ہیں۔ جب اس عرصۂ دراز میں بنو امیہ کا دور حکومت ختم ہوگیا تو سیدنا حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا مقولہ سچ ہو کر سامنے آگیا کہ ایک مرتبہ آپ سے یوں کہا گیا تھا کہ آپ خلافت خاندان معاویہ میں چھوڑے جارہے ہیں تو آپ نے فرمایا تھا کہ **لیلة القدر خیر من الف شهر** (شب قدر ایک ہزار ماہ سے بہتر ہے)۔

مروان کے تخت نشین ہوتے ہی سلطنت کا نظام بگڑ چکا تھا۔ ہر چھٹے خلیفہ کو تخت سے اُتار دیا گیا جب کہ مدت پوری نہیں ہوئی تھی۔ معزول خلیفہ ولید بن یزید کے بعد بنو امیہ کے خاندان میں صرف تین افراد کو خلافت سونپی گئی تھی۔ پھر اس کے بعد بنو امیہ کا دور حکومت ختم ہوگیا وہ یہ ہیں:

(۱) یزید بن الولید بن عبدالملک (۲) ابراہیم (۳) مروان بن محمد بن مروان بن الحکم

پھر اس کے بعد خلافت عباسی خاندان میں منتقل ہوگئی۔ خدائے پاک اسے تا قیامت قائم رکھے۔

خلافت عباسیہ

خلیفہ ابوالعباس سفاح

مؤرخین لکھتے ہیں کہ خاندان عباسی کے برسر اقتدار ہوتے ہی سب سے پہلا خلیفہ سفاح ہوا۔اس کا پورا نام ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس الہاشمی ہے۔ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۲ھ بروز جمعہ بیعت لی گئی۔ان کا وزیر ابوسلمہ الحفص الخلال کو بنایا گیا۔ یہ پہلے آدمی ہیں جن کو سب سے پہلے وزیر بنایا گیا۔ پھر اس کے بعد یہ رسم چل پڑی بلکہ جو بھی اس کے بعد اس عہدہ پر ہوتا تو اسے وزیر کہا جاتا۔ تقریباً یہ سلسلہ الصاحب بن عباد تک چلتا رہا۔ان کا نام الصاحب اس لیے رکھا گیا کہ یہ ابن العمید کے ہمنشین تھے۔ پھر اس کے بعد ہمارے زمانے تک وزراء ہوتے چلے آئے ہیں۔

امام الفرج بن الجوزی کہتے ہیں کہ ایک دن سفاح خطبہ دے رہا تھا کہ اچانک عصاء اس کے ہاتھ سے گر پڑا تو اس نے اس سے بدشگونی لی۔ پھر کسی نے عصاء کو صاف کر کے انہیں پکڑا دیا جس سے وہ بہت خوش ہوا اور یہ شعر پڑھا ۔

فالقت عصا ھا واستقربھا النوی کما قرعینا بالایاب المسافر

''اس نے تھک کر اپنی لاٹھی ٹیک دی ہے اور فراق اس کی طبیعت میں جاگزین ہو گیا۔جس طرح کہ مسافر واپس آ کر سکون کا سانس لیتا ہے۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ اس نے ایک دن آئینہ دیکھا تو یہ کہا:

''اے اللہ! میں اس طرح نہیں دعا مانگتا جس طرح کہ سلیمان بن عبدالملک نے دعا کی تھی۔ بلکہ یہ عرض کرتا ہوں کہ اے اللہ! مجھے اپنی طاعت کے لیے ایسی طویل عمر عطا فرما جو عافیت سے بھرپور ہو۔''

پس سفاح یہ کہہ کر فارغ ہوا تھا کہ ایک غلام دوسرے غلام سے یوں کہہ رہا تھا: ہمارے اور تمہارے درمیان موت کا فیصلہ دو ماہ پانچ دن کا باقی رہ گیا ہے۔ یہ سنتے ہی سفاح نے ان کی گفتگو سے بدفالی لی اور یہ پڑھا:

حبسی اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ علیہ توکلت وبہ استعنت.

چنانچہ غلاموں کی گفتگو کے مطابق ۲ ماہ دن گزرے تھے کہ سفاح کو بخار آ گیا۔ بہت سخت بیمار ہو گیا۔ چیچک کے مرض میں مبتلا ہو کر شہر ابنار میں جسے اس نے خود بنوا کر آباد کیا تھا' انتقال کر گیا۔کل عمر ۳۲ سال ۶ ماہ پائی۔ ۴ سال ۹ ماہ خلافت پر متمکن رہا۔سفاح سفید فام' خوبصورت اور پرکشش آدمی تھا۔ چہرے پر بھری ہوئی داڑھی تھی۔

خلافت ابوجعفر منصور

سفاح کے بعد ابوجعفر منصور تخت نشین ہوا۔ سفاح کے بھائی ہیں' ان کا پورا نام ابوجعفر عبداللہ بن محمد المنصور رہے۔ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن کہ ان کے بھائی کا انتقال ہو گیا تھا اور انہی کو ولی عہد بنایا گیا تھا۔سفاح نے اپنی زندگی میں ابوجعفر کو امیر الحج مقرر کیا تھا۔ جب خلافت نامزد کی گئی تو یہ اس وقت مقام ضافیہ میں مقیم تھا۔منصور کو جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ اب اسے خلافت سونپ دی جائے گی تو اس نے یہ کہا کہ ان شاء اللہ ہمارا معاملہ لوگوں سے بہت صاف ستھرا رہا کرے گا۔تمام لوگوں نے اس سے بیعت لی۔لوگوں کے ساتھ حج

ادا کیا۔ حج سے واپس ہوئے' شہر ابنار جسے الہاشمیہ بھی کہا جاتا ہے' پہنچا۔ پھر لوگوں سے عام بیعت لی۔ پھر اس نے دوبارہ حج کیا۔ لیکن جب یہ اس ارادے سے مکہ کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ دیوار پر یہ دو سطریں لکھی ہوئی ہیں ؎

انا جعفر و حانت و فاتک و انقضت　سنوک و امر اللّٰہ لابد واقع

''میں جعفر ہوں تیری وفات کا وقت قریب آ گیا ہے اور تیری عمر پوری ہوگئی ہے اور اللہ کا حکم ضرور آنے والا ہے۔''

ابا جعفر ھل کاھن اومنجم　لک الیوم من ریب المنیة دافع

''اور جعفر تو کاہن ہے یا نجومی آج تم کو موت کے پنجے میں سپرد کرنے والے ہیں۔''

جب منصور نے یہ اشعار پڑھے تو اسے اپنی موت کا یقین ہوگیا۔ چنانچہ وہ تین دن کے بعد انتقال کر گیا۔ مرنے سے قبل خواب میں کسی صاحب کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا ؎

کانی بھذا القصر قد باداھلہ　وعری منہ اھلہ و منازلہ

''گویا کہ میں اس محل میں ہوں کہ جس کے رہنے والے ختم ہوگئے ہیں اور محل منزلوں اور رہنے والوں سے خالی ہیں۔''

وصاد رئیس القوم من بعد بھجة　الی جدث تبغی علیہ جنادلہ

''پھر وہ کچھ دنوں کی رنگینیوں کے بعد قوم کا سردار ہوگیا۔ پھر اسے بڑی بڑی چٹانوں سے تعمیر شدہ قبر میں دفن کر دیا گیا۔''

خلیفہ منصور کی وفات ۱۵۸ھ میں بیر میمونہ میں ہوئی۔ یہ مقام مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ احرام کی حالت میں انتقال ہوا۔ ۶۳ سال کی عمر پائی۔ ۱۲ سال ۱۱ ماہ ۱۴ دن تخت نشین رہا۔ منصور کی ماں کا نام بربریۃ تھا۔

منصور طویل القامت' گندم گوں' دبلا' پتلا' چہرے پر ہلکی سی داڑھی' کشادہ پیشانی کا آدمی تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنکھیں کیا ہیں دو زبان ہیں جو گفتگو کرتی رہتی ہیں۔ اس کی آنکھیں تیز اور بارُعب تھیں۔ اس کے علاوہ خلیفہ منصور دبدبہ' شان وشوکت کی نعمت سے مالا مال' عقل مند' ذی شعور' ذہین' بہادر' فقیہ اور عالم آدمی تھا۔ اہل دانش اس کی عزت کرتے۔ لوگ اس سے مرعوب رہتے تھے۔ لیکن اسی کے ساتھ غرور وتکبر کی آمیزش بھی پائی جاتی تھی۔ عبادت گزار اور بخیل خلیفہ تھا۔ ہاں ضرورت اور پریشانی میں بخل کو بالائے طاق رکھ دیتا تھا۔

خلافت محمد المہدی

پھر منصور کے بعد ان کے بیٹے مہدی تخت نشین ہوئے۔ ان کا پورا نام یہ ہے ابوعبداللہ محمد المہدی باللہ' ان کے والد نے انہیں نامزد کر دیا تھا۔ چنانچہ والد کے انتقال کے بعد ان سے بغداد میں بیعت لی گئی۔ پھر ۱۱ ذی الحجہ کو بیعت عام ہوئی۔ اسبذان میں اس کی وفات ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک شکار کا تعاقب کر رہا تھا تو اچانک اس کا گھوڑا جھاڑ دار راستہ میں گھس گیا جس کی وجہ سے محمد مہدی کا بدن چھلنی ہو گیا۔ اور اسی وقت ان کا انتقال ہوگیا۔

بعض مؤرخین نے لکھا کہ ان کی باندی نے انہیں زہر دے دیا تھا۔ لیکن بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ باندی نے سوکنی رشتہ کے حسد کی وجہ سے کھانے میں زہر ملا دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے فوراً ہاتھ بڑھا کر کھانا تناول کر لیا۔ باندی کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ یہ بتا دے کہ یہ کھانا زہر آلود ہے۔

محمد المہدی کی وفات ۲۲ محرم ۱۶۹ھ کو ہوئی۔ اتفاق سے ان کی نعش اُٹھانے کے لیے کوئی چیز نہیں مل سکی چنانچہ نعش کو ایک دروازے پر

اُٹھا کر اخروٹ کے درخت کے نیچے دفن کر دیا گیا۔ محمد المہدی کی عمر ساڑھے بیالیس سال کی ہوئی۔ بعض نے ۴۳ سال بتایا ہے۔ تقریباً دس سال ایک ماہ تخت نشین رہا۔

محمد المہدی نیک سیرت، سخی، خوبصورت رعایا کا پیارا خلیفہ گزرا ہے۔ اہل علم لکھتے ہیں کہ اس کے والد منصور نے خزانے میں بطور ترکہ تقریباً ایک ارب ۶۰ لاکھ دراہم چھوڑے تھے۔ محمد المہدی نے خوب خرچ کر کے رعایا میں تقسیم کر دیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک لاکھ دراہم شعراء کو بطور انعام تقسیم کر دیئے تھے۔

خلافت موسیٰ الہادی

محمد المہدی کے بعد ان کا بیٹا موسیٰ الہادی تخت نشین ہوئے۔ جس دن ان کے والد کا انتقال ہوا تو یہ طبرستان میں جنگی محاذ پر کمان کر رہے تھے۔ ان سے اسبذ ان بستی میں بیعت لی گئی۔ پھر موسیٰ ہادی کے بھائی ہارون الرشید نے بغداد میں موسیٰ کے لیے بیعت لی۔ پھر ہارون الرشید نے موسیٰ کے نام ایک تعزیت نامہ تحریر کیا۔ اسی کے ساتھ خلافت کی مبارک بادی بھی پیش کی۔

چند دنوں کے بعد موسیٰ ہادی ڈاک گھوڑے پر سوار ہو کر بغداد تشریف لائے۔ لوگوں نے ان سے ملاقات کی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ موسیٰ ہادی اپنے بعد ہارون الرشید کو ولی عہدی سے معزول کرنے کے بارے میں پختہ ارادہ کر چکے تھے۔ لیکن یہ پورا نہیں ہو سکا کہ انتقال ہو گیا۔ موسیٰ ہادی کی وفات بغداد میں ۱۴ ربیع الاول ۱۷۰ھ میں ہوئی۔ تقریباً سوا بیس سال کی عمر پائی۔ بعض نے بیس سال کی عمر بتائی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ موسیٰ کے کوئی زخم لاحق ہو گیا تھا۔ ایک سال ۴۵ یوم تخت نشین رہا۔ بعض نے ایک سال دو ماہ مدت خلافت تحریر کی ہے۔

خلیفہ موسیٰ الہادی قد میں لمبے، پر کشش، بھاری بھر کم جسم والے ظالم آدمی رہے ہیں۔ خدائے پاک مغفرت فرمائے۔

خلافت ہارون الرشید

پھر موسیٰ الہادی کے بعد ان کا بھائی ہارون الرشید بن محمد المہدی نے زمام حکومت سنبھالی۔ اس لیے کہ ان دونوں بھائیوں کے لیے ان کے والد محمد المہدی نے ولی عہدی کے لیے نامزد کر دیا تھا۔ ہارون الرشید سے بیعت اس دن لی گئی جس دن کہ ان کے بھائی کا انتقال ہوا۔ اسی رات ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام المامون رکھا گیا۔ یہ رات بنو عباس کے لیے عجیب رات تھی۔ اس رات کا سا منظر اس سے قبل نہیں دیکھا گیا تھا کہ اسی رات میں ایک خلیفہ کی وفات ہوئی ہے تو دوسرا لڑکا پیدا ہوتا ہے جو آگے چل کر خلیفہ بنایا جاتا ہے اور اسی رات ایک صاحب کو ولی عہد نامزد کیا گیا۔

جس وقت ہارون رشید سے بیعت کی جا رہی تھی تھوڑی دیر کے بعد ہارون الرشید نے یحییٰ بن خالد برمکی کو اپنی وزارت کے لیے چن لیا (ان شاء اللہ جلد ہی باب العین عقاب کے عنوان میں خاندان برامکہ پر حملہ اور جعفر بن یحییٰ بن خالد کے قتل کا واقعہ اور اس کے بیٹے الفضل کا جیل کی قید و بند کی زندگی پھر ان دونوں کی موت کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ آ جائے گا۔

ایک عجیب وغریب واقعہ

ہارون الرشید کو ایک عجیب وغریب واقعہ اتفاقی طور پر پیش آیا۔ وہ یہ ہے کہ جس وقت موسیٰ الہادی کو خلیفہ بنایا گیا تو اس نے اپنے باپ کی انگوٹھی کے بارے میں لوگوں سے معلومات کیں کہ وہ آخر کہاں ہے؟ جب انہیں یہ بات معلوم ہوگئی کہ وہ انگوٹھی بھائی ہارون الرشید

کے پاس ہے تو انہوں نے ان سے طلب کی تو ہارون الرشید نے دینے سے انکار کر دیا۔ پھر موسیٰ الہادی نے اصرار کر کے انگوٹھی طلب کی۔ اسی دوران موسیٰ الہادی اور ہارون الرشید بغداد کے پل سے گزر رہے تھے تو ہارون الرشید نے موسیٰ کا گلا دبا دیا۔ پھر انہیں دریائے دجلہ میں پھینک دیا۔ جس وقت ہادی کا انتقال ہو گیا تو ہارون الرشید کو خلیفہ بنایا گیا۔

ہارون الرشید بھی سیسہ کی انگوٹھی لے کر بعینہٖ اسی جگہ پر جہاں ان دونوں سے گفتگو ہوئی تھی اور گلا دبا دیا تھا آیا اور انگوٹھی کو پھینک دیا۔ پھر ہارون الرشید نے غوطہ زنوں کو حکم دیا کہ وہ انگوٹھی تلاش کریں۔ تلاش کرنے میں وہ پہلی انگوٹھی مل گئی۔ چنانچہ پہلی انگوٹھی کا ملنا ہارون الرشید کی سعادت' نیک فالی' بقاء سلطنت شمار کیا گیا۔ اسی جیسا ایک واقعہ مورخ ابن الاثیر نے ۵۶۰ھ کے ذیل میں لکھا ہے۔ وہ یہ ہے:

جس وقت سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب نے قلعہ بانیاس فتح کیا تو اس نے قلعہ کو ذخیروں سے اور لوگوں سے بھر دیا۔ پھر یہ دمشق آئے تو جوان کے پاس یاقوت کے نگ کی انگوٹھی تھی جس کی قیمت ایک ہزار ایک سو دینار تھی' ہاتھ سے بانیاس کے گھنے درخت میں گر گئی۔ جب وہ کچھ دور چلے تو انہیں احساس ہوا تو انہوں نے فوراً چند لوگوں کو انگوٹھی تلاش کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ جگہ بتا کر یہ کہا کہ میرا خیال یہ ہے کہ انگوٹھی وہیں گری ہے۔ چنانچہ تلاش کرنے سے مل گئی۔ اھ

ہارون الرشید نرم دل تھا

خلیفہ ہارون الرشید اگرچہ ایک زبردست سلطنت کے مالک تھے لیکن اس کے باوجود خدائے پاک کا خوف دل سے نہ جاتا۔ چنانچہ ایک واقعہ امام محمد بن ظفر لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہارون سے ایک خارجی نے خروج اختیار کیا۔ تو ہارون الرشید کے چاہنے والے نوجوانوں نے اس سے جنگ کر کے مال واسباب لوٹ لیا۔ اس کے بعد اس خارجی نے کئی مرتبہ فوج کشی کی۔ جنگ بھی ہوئی آخر کار شکست کھا گیا تو اسے گرفتار کر کے ہارون الرشید کے دربار میں لایا گیا۔ جب اسے سامنے کھڑا کر کے ہارون نے پوچھا۔ اچھا بتاؤ میں تیرے ساتھ کیا معاملہ کروں؟ تو اس نے جواب دیا کہ آپ میرے ساتھ وہ معاملہ کریں کہ جب خدائے پاک کے دربار میں کھڑے ہوں اور آپ یہ چاہتے ہوں کہ میرے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے۔ یہ معاملہ دیکھ کر ہارون نے اسے معاف کر دیا اور اسے آزاد کرنے کا حکم دیا۔

جب وہ دربار سے نکلنے لگا تو ہم نشینوں نے گزارش کی کہ حضور عالی جاہ! ایک شخص آپ کے نوجوانوں سے جنگ کرتا ہے۔ مال واسباب کو لوٹنے لگتا ہے اور آپ کا یہ حال ہے کہ آپ نے ایسے شخص کو ایک جملہ میں معاف کر دیا اس لیے آپ پھر نظر ثانی فرمائیں۔ ورنہ اس قسم کے واقعات سے بدمعاش لوگوں کو موقعہ مل سکتا ہے۔ تو ہارون الرشید نے کہا کہ اچھا اسے واپس کرو۔ خارجی سمجھ گیا کہ سب لوگ میرے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! آپ ان لوگوں کی بات نہ مانئے اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کے بارے میں لوگوں کی باتوں کو مانتا تو آپ چشم زدن کے لیے بھی خلیفہ نہ بنتے۔ ہارون الرشید نے کہا کہ تم سچ کہتے ہو۔ اس کے بعد مزید انعام سے نوازا۔ (ان شاء اللہ مزید واقعہ جو فضیل بن عیاض اور سفیان ثوری کے ساتھ اتفاقاً پیش آیا ہے' تفصیل کے ساتھ باب باء اور فاء میں آ جائے گا)

وفات اور مدت خلافت

ہارون کی وفات مقام طوس ۷ جمادی الثانیہ ۱۹۳ھ شنبہ کے دن ہوئی۔ کل ۴۷ سال کی عمر ہوئی۔ بعض اہل علم ۴۵ سال کی عمر بتاتے ہیں۔ ۲۳ سال ایک ماہ تخت نشین رہے۔ بعض نے صرف ۲۳ سال بتایا ہے۔

ہارون رشید رے میں پیدا ہوئے۔ یہ سخی' بہادر' غازی' بارعب' پرکشش' قابل تعریف خلیفہ ہوئے ہیں ان کا جسم سفید' قد لمبا' موٹا جسم' بالوں کی سفید دھاری سے معلوم ہوتا تھا کہ بڑھاپے کی ابتداء ہو گئی ہے۔

روزانہ اپنے ہی مال سے ایک ہزار درہم صدقہ کرتے تھے اور علم وفنون میں دلچسپی اور مہارت تھی۔

خلافت محمد امین

یہ چھٹے خلیفہ ہوئے اور انہیں معزول کر کے قتل کر دیا گیا

ہارون الرشید کے انتقال کے بعد محمد امین تخت نشین ہوئے۔ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن ان کے والد ہارون کا طوس میں انتقال ہوا۔پھر محمد امین نے خراسان کے علاقہ کا نائب مامون الرشید کو بنادیا۔

جس وقت خلافت امین کو منتقل ہوئی ہے اس وقت امین بغداد میں تھا۔چنانچہ خلعت خلافت اور انگوٹھی کو بغداد میں روانہ کر دیا گیا۔ پھر امین سے بیعت عامہ لی گئی۔اس کے بعد بیعت کا سلسلہ تمام ملک میں قائم ہو گیا۔

ہارون الرشید نے طوس میں اپنے بیٹے امین کے بعد مامون کے لیے ولی عہد نامزد کرنے کے سلسلے میں دوبارہ بیعت کی تجدید کی تھی۔ مزید اپنے آپ کو اس بات کا شاہد بنایا تھا کہ تمام مال و دولت اور ہتھیار مامون کا ہوگا۔ بعد میں خراسان کی فوجوں کا بھی اضافہ کر دیا تھا۔

جس وقت ہارون الرشید کا انتقال ہو گیا تو الفضل بن ربیع نے لشکر میں ایک نعرہ لگایا اور یہ کہا کہ بغداد کی طرف سب کے سب کوچ کر چلو۔پھر فضل کے پاس ایک تحریر بھیجی جس میں ہارون الرشید نے فضل سے عہد لیا تھا اور بغاوت کرنے سے روکا تھا۔بغاوت کرنے پر دھمکی بھی دی تھی مزید وفاداری کا عہد بھی مذکور تھا۔لیکن فضل نے کوئی پرواہ نہ کی۔ چنانچہ یہی معاملہ امین اور مامون کے درمیان اختلاف کا باعث بن گیا۔

ایک عجیب واقعہ

امام اعظم ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ امام النحو کسائی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ہارون الرشید نے اپنے دونوں صاحبزادے امین اور مامون کی تادیب کے لیے مامور فرمایا تھا۔ چنانچہ میں ان دونوں پر ادب کے بارے میں سختی کرتا تھا۔مواخذہ بھی کرتا۔خاص طور پر امین پر زیادہ کنٹرول کرتا۔کچھ دنوں کے بعد خالصہ باندی کو زبیدہ نے بھیجا۔اس نے آکر یہ کہا کہ زبیدہ نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ میرے بیٹے امین کے ساتھ نرمی کیا کیجئے۔اس لیے کہ وہ میرا جگر پارہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔میں بھی اس سے محبت وشفقت سے پیش آتی ہوں۔تو امام کسائی نے فرمایا کہ محمد امین تو اپنے والد کے جانشین ہونے والے ہیں۔خاص طور پر ان پر تو کوتاہی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ خالصہ نے کہا کہ محترمہ سیدہ زبیدہ مامون سے اس لیے شفقت کرتی ہیں کہ جس رات یہ مامون پیدا ہوئے ہیں خواب میں دیکھا کہ چار عورتیں آئیں تو زبیدہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔سامنے والی نے کہا یہ بیٹا جانشین بادشاہ' کم عمر' متکبر' تنگ نظر' لاابالی' بے وفا ہوگا اور خلافت کے بار کو نہیں سنبھال سکتا۔

پیچھے والی نے کہا یہ بچہ کھلاڑ' خرچیلا' انصاف پرور کم ہوگا۔داہنے والی نے کہا کہ یہ بچہ متکبر' گناہ گار' صلہ رحمی کو توڑنے والا' بے مروت بادشاہ ہوگا۔دائیں والی نے کہا کہ یہ بیٹا غدار' ملک کو تباہ کرنے والا جانشین ہوگا۔یہ خواب سنا کر خالصہ رونے لگی اور کہنے لگی امام کسائی کیا تقدیر سے تادیب سودمند ہوسکتی ہے۔

چنانچہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ مامون الرشید نے امین کو معزول کر دیا اور طاہر بن حسین ہرثمہ بن اعین کو اپنے ساتھ لے کر جنگ کی تیاری کر لی۔کچھ دنوں کے بعد ان دونوں نے قتل وقتال سے فارغ ہو کر بغداد میں امین کا محاصرہ کر لیا۔دونوں طرف سے منجنیق کے ذریعے گولے بھی چلائے گئے۔اس طرح کئی لڑائیاں ہوئیں۔معاملہ سنگین ہوتا چلا گیا۔شہر کے محلے اور مکانات ویران ہو گئے۔ بدمعاش

اور عیار لوگ مال ومتاع لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ تقریباً یہ محاصرہ ایک سال تک جاری رہا۔ محمد امین کے لیے حالات سنگین ہو گئے۔ ان کے اکثر ساتھی داغ مفارقت دے گئے۔ اس دوران طاہر نے بغداد کے بااثر لوگوں سے خط وکتابت کی اور ایک خفیہ معاہدہ کیا کہ وہ لوگ صرف ہمارا تعاون کریں گے۔ ان کے اطاعت نہ کرنے پر دھمکی دی گئی تو ان لوگوں نے یہ جواب دیا کہ اچھا خلیفہ محمد امین کو معزول کر دیجئے۔ اس معاملے کے بعد محمد امین کے اکثر ساتھی منتشر ہو گئے۔

اس کے بعد طاہر نے شہر ابوجعفر کا محاصرہ کر لیا۔ اشیائے خوردنی پر پابندی لگا دی۔ چنانچہ لوگ بھوک پیاس سے مرنے لگے۔ جب ان تمام حالات کا علم محمد امین کو ہوا تو اس نے ہرثمہ بن اعین سے مراسلت کر کے امن طلب کیا اور یہ کہا کہ میں خود تمہارے پاس آ رہا ہوں۔

جب یہ حالات طاہر کو معلوم ہوئے تو اسے یہ بات ناگوار گزری کہ کہیں فتح کا سہرا ہرثمہ کے سر نہ باندھا جائے پھر جمعرات کے دن ۲۵ محرم ۱۹۸ھ کو محمد امین ہرثمہ بن اعین کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت ہرثمہ جنگی کشتی میں سوار تھا چنانچہ ہرثمہ کے ساتھ سوار ہو گیا۔

طاہر بن حسین امین کے گھات میں تھا' موقع پاتے ہی طاہر کے ساتھیوں نے کشتی میں پتھر برسانا شروع کر دیئے۔ چنانچہ جو لوگ کشتی میں سوار تھے وہ غرق ہو گئے۔ یہ منظر دیکھ کر امین کپڑے چاک کر کے بستان تک تیرتا ہوا گیا۔ طاہر کے ساتھیوں نے امین کو پکڑ لیا۔ پھر انہیں ٹٹو میں سوار کر کے طاہر کے پاس لے آئے۔ طاہر نے ایک جماعت کو امین کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ امین کو قتل کر کے سر کو طاہر کے پاس پہنچا دیا تو طاہر بن حسین نے سر کو نصب کرا دیا۔ جب لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو ماحول پرسکون ہو گیا۔ فتنہ ختم ہو گیا۔

پھر طاہر نے گردن کو انگشتری، خلافت وخلعت اور رسول اللہ ﷺ کی چادر کے ساتھ مامون کے پاس بھیج دیا۔ جیسے ہی گردن مامون کے پاس پہنچی فوراً سجدہ شکر بجالایا اور ایلچی کو ایک لاکھ درہم بطور انعام دیا۔

امام اصمعیؒ کی مامون اور امین سے گفتگو

اصمعیؒ کہتے ہیں کہ مجھے بصرہ رہتے ہوئے تقریباً ایک سال ہو رہا تھا' ایک مرتبہ میں بغرض ملاقات خلیفہ ہارون الرشید کے یہاں آیا۔ آداب شاہی بجالایا۔ ہارون نے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا تو میں تھوڑی دیر بیٹھا رہا۔ پھر اُٹھا' پھر اشارہ کر کے بٹھا دیا۔ میں بیٹھ گیا یہاں تک کہ لوگ کم ہو گئے۔ پھر ہارون نے مجھے کہا کہ اے اصمعی کیا تم میرے بچوں محمد اور عبداللہ کے دیکھنے کی خواہش رکھتے ہو؟ میں نے کہا کیوں نہیں اے امیر المؤمنین ضرور ملاقات کروں گا۔ مجھے ان سے محبت ہے بلکہ انہی کو دیکھنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ ہارون الرشید نے کہا بس بس کافی ہے۔ اتنے میں ہارون نے حکم دیا کہ عبداللہ اور محمد کو فوراً بلالاؤ۔ چنانچہ ایک ایلچی کو بھیج کر بلالیا۔ ایلچی نے آ کر جواب دیا کہ حضور والا وہ دونوں آ گئے ہیں۔ اصمعی کہتے ہیں کہ وہ دونوں بچے اتنے خوبصورت لگ رہے تھے جیسے آسمان میں دو چاند ہوں۔ جن کے قدم قریب ہو رہے ہوں اور آنکھوں کی روشنی زمین پر پڑ رہی ہو۔ وہ دونوں بچے اپنے والد محترم ہارون کے سامنے کھڑے ہو گئے اور آداب شاہی بجالائے۔ ہارون نے ان دونوں کو اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ تو محمد امین دائیں بیٹھ گئے اور عبداللہ مامون بائیں طرف بیٹھ گئے۔

پھر ہارون الرشید نے کہا کہ اب آپ ان سے ادبی سوالات کریں گے۔ یہ دونوں جواب دیں گے۔ امام اصمعیؒ کہتے ہیں کہ میں ان سے کوئی بھی سوال کرتا تو وہ فوراً جواب دیتے اور جو پوچھا جاتا فوراً بتا دیتے۔ ہارون الرشید نے کہا کہ آپ کی ان دونوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اصمعیؒ نے جواب دیا کہ حضور عالی جاہ میں نے ان دونوں بچوں جیسے ذہین اور ذکی نہیں دیکھے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی عمر طویل کرے اور ان کی شفقت سے اُمت کو نفع پہنچائے۔ اتنے میں ہارون الرشید نے ان دونوں بچوں کو سینے سے لگا لیا۔

اس کے بعد ہارون الرشید رونے لگا یہاں تک کہ داڑھی تر ہو گئی۔ اس کے بعد دونوں بچوں کو جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ

دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد ہارون الرشید نے مجھ سے کہا کہ اے اصمعیؒ! ان دونوں کا اس وقت کیا حال ہوگا جب ان دونوں میں دشمنی اور بغض وعداوت پیدا ہو جائے گا۔ دونوں میں جنگیں ہوں گی۔ یہاں تک کہ خون بہہ جائے گا۔ بہت سے زندہ لوگ یہ چاہیں گے کہ کاش ہم زندہ نہ رہتے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ خلیفہ مامون الرشید اپنے دور خلافت میں یہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے دونوں بھائیوں کے درمیان جو باتیں پیدا ہوئیں ہیں ان کی پیشین گوئی موسیٰ بن جعفر نے ہمارے والد ہارون الرشید کے سامنے کی تھیں۔

مامون الرشید کی پیدائش کا واقعہ

صاحب عیون التاریخ نے لکھا ہے کہ ایک دن خلیفہ مامون زبیدہ امین کی ماں کے پاس سے گزر رہا تھا۔ مامون نے یہ دیکھا کہ زبیدہ ہونٹوں کو خاموش حرکت دے رہی تھی۔ مامون نے کہا اے ماں! کیا آپ میرے لیے بدؤعا کر رہی ہیں محض اس لیے کہ میں نے تمہارے بیٹے کو قتل کر کے اس کی سلطنت چھین لی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ نہیں اے امیر المؤمنین! ایسا نہیں کر رہی۔ مامون نے کہا اچھا پھر کیا کہہ رہی تھیں؟ ماں نے کہا امیر المؤمنین معاف کیجئے گا، ضرورت محسوس ہوئی ہونٹ حرکت کرنے لگے ورنہ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ البتہ میں یہ کہہ رہی تھی کہ مجبور کن حالات کا برا ہو۔ مامون نے کہا وہ کیسے؟ تو زبیدہ نے کہا کہ ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں ہارون الرشید کے ساتھ برضا ورغبت شطرنج کھیل رہی تھی تو وہ مجھ سے جیت گئے۔ انہوں نے مجھے یہ حکم دیا کہ ننگے ہو کر محل کا چکر لگا کر آؤں تو میں نے ان سے معافی چاہی لیکن انہوں نے مجبور کیا۔ چنانچہ میں نے محل کا برہنہ طواف کیا۔ حالانکہ طبیعت نفرت کر رہی تھی۔ پھر ہم دوبارہ کھیلنے لگے تو اس مرتبہ میں جیت گئی، وہ ہار گئے۔ میں نے ان سے یہ کہا کہ آپ مطبخ جا کر سب سے بدصورت باندی سے جماع کریں۔ انہوں نے مجھ سے معاف کرنے کو کہا۔ میں نے بھی معاف نہیں کیا۔

اس کے علاوہ جماع نہ کرنے کی صورت میں مجھے عراق ومصر کا خراج بھی دینے کو کہا لیکن میں نے انکار کر دیا مزید یہ بھی میں نے کہا کہ نہیں حضور والا یہ تو آپ کو ضرور کرنا پڑے گا۔ پھر بھی انہوں نے انکار کیا۔ پھر میں نے انہیں مجبور کیا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر مطبخ لے گئی۔ چنانچہ کوئی بھی بدصورت باندی میں نے تیری ماں مراجل سے زیادہ نہیں دیکھی۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ ان سے جماع کریں تو انہوں نے اس سے صحبت کی۔ چنانچہ تم اس طرح پیدا ہوئے۔ پھر تم اب میرے بیٹے امین کے قتل اور اس سے ملک چھیننے کا سبب بن گئے۔

وفات وخلافت

خلیفہ امین کا قتل ۲۸ سال کی عمر میں ہوا۔ بعض نے ۲۷ سال بتایا ہے۔ امین قد کے لمبے، سفید، نہایت خوبصورت آدمی تھے۔ ۴ سال ۸ ماہ خلافت پر متمکن رہے۔ بعض نے ۳ سال چند ایام کی تصریح کی ہے۔ اس لیے کہ امین کو ماہ رجب میں چھٹے سال معزول کیا گیا۔ اس اعتبار سے مرتے دم تک ان کی خلافت چند ماہ کم پانچ سال رہی۔ امین لہو ولعب میں زیادہ مال لٹاتا تھا۔ حالانکہ یہ خلافت کے شایان شان نہیں تھا۔ یہ کھیل کود، گانے بجانے اور عیش وعشرت کی چیزوں میں زیادہ مصروف رہتا۔

اذا غدا ملک باللهو مشتغلا فاحکم علی ملکه بالویل و الخرب

''جب بادشاہ لہو ولعب میں مشغول ہو گیا تو اس کی سلطنت میں تباہی اور ویرانیت چھا گئی۔''

اما تری الشمس فی المیزان هابطة لما غدا وهو برج الهو والمطرب

''کیا تم سورج کو نہیں دیکھتے ہو کہ میزان پر اُتر رہا ہے تو جب سویرا ہوا تو وہ لہو ولعب اور مستی کا برج تھا۔''

خلافت عبداللہ المامون

پھر محمد امین کے قتل کے بعد ان کے بھائی عبداللہ المامون الرشید نے عنان حکومت سنبھالی۔ان سے بیعت عامہ اس رات کی صبح کو لی گئی۔جس رات محمد امین کو قتل کر دیا گیا تھا۔پھر بعد میں ان کی بیعت پر سوائے امیر اندلس کے سب نے اتفاق کر لیا۔پھر اس سے قبل اور بعد کے امراء اندلس خاندان عباسیہ سے دور و دراز ہونے کی وجہ سے ان کے زیر اطاعت نہیں ہوئے۔

اخبار طوال میں ہے کہ مامون ذہین فطین دور اندیش' بلند ہمت' خوددار خلیفہ تھا۔بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ مامون آسمان علوم کا ستارہ تھا۔اس نے فلسفہ کا علم جستہ جستہ حاصل کیا اور دیگر علوم کو بھی فروغ دیا۔یہی وہ بادشاہ ہے جس نے کتاب اقلیدس طبع کرائی۔عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم صادر کیا اور اس کی شرح لکھنے کا مشورہ بھی دیا۔مامون ہی نے مجلس مناظرہ منعقد کی اور مناظرہ کے استاذ ابوالہذیل البصری المعتزلی تھے جن کو علاف بھی کہا جاتا ہے۔(جس کی کچھ تفصیل بردون باب الباء میں آجائے گی)

مامون الرشید ہی کے دور خلافت میں فتنہ خلق قرآن رونما ہوا۔بعض کہتے ہیں کہ یہ فتنہ ہارون الرشید کے دور میں پیدا ہو چکا تھا پھر مامون کے دور میں شباب پر آ گیا۔لیکن آخر دور حکومت میں فتنہ فرو ہونے کے قریب ہو گیا۔چنانچہ لوگ بھی خلق قرآن کے بارے میں تائب ہو جاتے کبھی قائل ہو جاتے۔لیکن اکثر لوگ اس مسئلہ میں دلچسپی کا ثبوت دیتے

مامون کے عہد خلافت میں سیدنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو اس دور کے امام اہل سنت و جماعت تھے خلق قرآن کے قائل نہیں تھے مامون نے انہیں قید کرنے کا حکم دے دیا۔چنانچہ مامون الرشید کے پاس پہنچ نہ پائے تھے کہ معلوم ہوا کہ خلیفہ وقت مامون الرشید کا انتقال ہو گیا۔(امام رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مسئلہ خلق قرآن کے مجاہدوں اور قید و بند کے مصائب جھیلنے کے سلسلے میں تذکرہ خلافت معتصم میں آجائے گا)

مؤرخین کا کہنا ہے کہ مامون الرشید الجزیرہ اور شام میں جا کر کافی دنوں تک مقیم رہا۔پھر اس نے روم کو فتح کیا اس کے علاوہ اور بھی بہت سی فتوحات حاصل کیں اور بہت سے اچھے کام کئے۔

مامون الرشید کی وفات

مامون الرشید کی وفات ۱۸ رجب یا ۸ رجب ۲۱۸ھ نہر بردی کے مقام میں ہوئی۔کل ۴۹ برس کی عمر ہوئی اور بعض نے ۳۹ سال کی عمر بتائی ہے۔لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔اس کے علاوہ بعض نے ۴۸ سال کا بھی تذکرہ کیا ہے۔کل ۲۰ سال ۵ ماہ تخت نشین رہے۔کہا جاتا ہے کہ طرطوس میں دفن کیے گئے۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ خلیفہ مامون الرشید درگزر کرنے والے فیاض آدمی تھے۔علم نجوم کے عالم و دیگر علوم میں بھی دسترس رکھتے تھے۔مامون کہا کرتے تھے کہ اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ مجھے عفو و درگزر کرنے میں لطف آتا ہے تو لوگ جرائم کرکے سیدھے میرے پاس آکر اژدہام لگا لیں گے۔اس کے علاوہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ بنو عباس میں مامون سے زیادہ بڑا عالم کوئی نہیں گزرا۔خاص طور پر مامون الرشید علم نجوم کے عالم تھے۔چنانچہ شاعر نے کہا ہے ؎

هل علوم النجوم اغنت عن الما مون شيئا او ملكه المانوس

''کیا علم نجوم یا اس کا مانوس ملک خلیفہ مامون سے تھوڑی دیر کے لیے بھی مستغنی ہو سکتا ہے۔''

اخلفوه بساحتی طرسوس مثل ما خلفوا اباه بطوس

''لوگوں نے مامون کو میرے علاقے طرسوس کا جانشین بنایا ہے جیسے کہ ان کے والد محترم کو طوس کا جانشین بنایا تھا۔''
مامون خوبصورت' ملیح' مناسب قد' لمبی داڑھی' سخی' دین دار' علوم کا دلدادہ' مدبر اور سیاسی خلیفہ تھا۔

خلافت ابواسحاق ابراہیم المعتصم

مامون الرشید کے بعد ان کے بھائی ابواسحاق ابراہیم المعتصم بن ہارون الرشید تخت نشین ہوئے۔ ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن کہ ان کے بھائی مامون کا انتقال ہوگیا۔ اس لیے کہ ان کے بعد یہی ولی عہد نامزد تھے۔
معتصم نے خلافت پر آتے ہی طوانہ کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔ شہر عموریہ پر لشکر کشی کردی۔ کئی دن محاصرہ جاری رہا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ بنوعباس میں معتصم جیسا بہادر' دلیر' طاقت ور حملہ آور بادشاہ نہیں گزرا۔
لکھا ہے کہ معتصم ایک دن صبح کو اس حالت میں بیدار ہوا کہ سردی کڑاکے کی پڑ رہی تھی۔ کسی کو ہاتھ نکالنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی تو اس نے اس دن چار ہزار کمان میں تانت لگائے۔ شہر عموریہ کا برابر محاصرہ کئے رہا۔ یہاں تک کہ بزور شمشیر فتح کرلیا۔ مال و دولت کو بطور غنیمت قبضہ کرلیا۔ رہنے والوں کو قید کرلیا۔

امام احمدؒ بن حنبل اور فتنہ خلق قرآن

جس وقت معتصم کو خلافت سپرد کردی گئی تو اس نے فوراً سیدنا امام احمد بن حنبلؒ کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ امام اس وقت مامون کے جیل خانہ میں قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے تھے جیسے کہ ابھی گزرا۔ پھر معتصم نے امام سے خلق قرآن کے سلسلہ میں گفتگو کی جس کی تفصیل ابھی آجائے گی۔
مختصر یہ کہ خلیفہ ہارون الرشید اپنے دور خلافت میں خلق[1] قرآن کے قائل نہیں تھے۔ اسی لئے فضیل بن عیاض ہارون الرشید کی درازی عمر کی دُعا مانگتے تھے اس لیے کہ انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ یہ فتنہ ہارون الرشید کے دور میں واقع نہیں ہوگا۔ ہاں اتنی بات ضرور تھی کہ ہارون الرشید کے دور خلافت میں لوگ خلق قرآن کے سلسلہ میں متذبذب تھے۔ کبھی اختیار کرتے کبھی ترک کردیتے۔ گویا اختیار وترک کا سلسلہ چل رہا تھا جیسے کہ ابھی گزر چکا ہے۔
آخر کار ہارون الرشید کے بعد ان کے بیٹے مامون الرشید کو خلیفہ بنایا گیا۔ اتفاق یہ کہ مامون الرشید خلق قرآن کا قائل ہوگیا۔ کبھی یہ عوام الناس کو خلق قرآن کے عقیدے کی دعوت دیتا' کبھی پیچھے ہٹ جاتا۔ حتیٰ کہ مامون الرشید اپنی وفات کے سال خلق قرآن کا پختہ مدعی ہوگیا۔ چنانچہ یہ لوگوں کو خلق قرآن کے عقیدے پر دعوت دینے لگا۔ عوام کو اُبھارنے لگا۔ جو بھی اس کا قائل نہ ہوتا تو انہیں پریشان کردیتا۔ مصائب میں مبتلا کرتا۔ اس دوران اس نے سیدنا امام احمد بن حنبلؒ اور ایک دوسری جماعت کو بلوایا۔ امام احمدؒ قید خانہ سے لائے جارہے تھے کہ راستہ میں ہی تھے کہ مامون الرشید کا انتقال ہوگیا۔ ان کے بعد ان کے بھائی معتصم ولی عہد تھے۔ مامون الرشید نے یہ وصیت بھی کی تھی کہ تم ہمیشہ خلق قرآن کے قائل رہنا اور عوام کو اسی کی دعوت بھی دینا۔
سیدنا امام احمد بن حنبلؒ برابر قید و بند کی زندگی گزارتے رہے۔ یہاں تک کہ معتصم ولی عہد کو خلیفہ تسلیم کرلیا گیا۔ معتصم نے آتے ہی

---

[1] اشارہ اسی مشہور فتنہ کی جانب ہے جو امام احمد بن حنبلؒ کے دور میں پیش آیا اور جس میں اسلام کا یہ یگانہ روزگار امام مظالم کا شکار ہوا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق' مسئلہ کلامیات کا ہے اور معتزلہ نے اسے اسلامی افکار و عقائد میں داخل کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق قرآن پاک خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ۱۲۔

امام احمدؒ کو بغداد حاضر کرنے کا حکم دے دیا۔ مجلس مناظرہ منعقد کی گئی۔ فریق مخالفت میں عبدالرحمٰن بن اسحاق اور قاضی احمد بن داؤد وغیرہ تھے اور ادھر صرف امام احمد بن حنبلؒ تھے۔ آخر کار چار دن تک مناظرہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ خلیفہ معتصم نے امام احمدؒ پر کوڑے برسانے کا حکم دے دیا۔ اتنے کوڑے لگوائے کہ بے ہوشی طاری ہوگئی۔

خلیفہ اسی پر بس نہ کرتا بلکہ تلوار اور غلاف زدہ تیر بھی چبھوتا لیکن امام احمدؒ صراط مستقیم سے نہ ہٹتے پھر انہیں اُٹھا کر انکے گھر لایا گیا۔ آپ قید خانہ میں ۲۸ ماہ رہے۔ اس کے بعد آپ برابر جمعہ کی نماز اور پنج وقتہ نمازوں میں حاضر ہوتے رہے حسب دستور فتویٰ دینے لگے یہاں تک کہ معتصم کا انتقال ہوگیا۔

خلیفہ الواثق کی سختی اور متوکل کا بہترین سلوک

خلیفہ معتصم کے بعد الواثق کو خلیفہ بنایا گیا۔ اس نے بھی وہی کام انجام دیا جو مامون الرشید اور معتصم نے انجام دیا تھا۔ واثق نے امام سے یہ کہا کہ تیرے پاس کوئی نہیں آئے گا اور نہ تم اس شہر میں رہنا جس میں میں رہ رہا ہوں۔ چنانچہ امام احمدؒ خفیہ زندگی گزارتے۔ نماز اور دیگر کاموں کے لیے باہر نہیں آتے تھے۔ یہاں تک کہ واثق کی وفات ہوگئی۔ پھر ان کے بعد متوکل کو خلیفہ بنایا گیا۔ متوکل نے امام احمد بن حنبلؒ کو تمام پابندیوں بیڑیوں سے آزاد کر دیا اور انہیں اپنے یہاں حاضر ہونے کا پروانہ بھیجا۔ مزید امام کو انعام واکرام سے نوازنے کا حکم صادر فرمایا۔ لیکن سیدنا امام احمد بن حنبلؒ نے قبول نہیں فرمایا بلکہ اسے فقیروں، مسکینوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے علاوہ متوکل امام کی آل واولاد میں چار ہزار ماہانہ درہم خرچ کرتے تھے لیکن امام احمد بن حنبل متوکل کے اس عمل سے راضی نہیں تھے۔

خلیفہ معتصم کا امام احمدؒ سے سخت رویہ

عراقی لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے تین یوم تک مناظرہ ہوتا رہا۔ خلیفہ معتصم امام کو خلوت میں لے جا کر یہ کہتے تھے کہ خدا کی قسم! امام احمد میں تم پر اس طرح مہربان ہوں جیسے اپنے بیٹے ہارون واثق پر نرمی اور شفقت کا معاملہ کرتا ہوں تم صرف خلق قرآن کے قائل ہو جاؤ۔ چپکے سے مجھ سے کہہ دو۔ اگر تم نے منظور کر لیا تو خدا تعالیٰ کی قسم میں تمہاری بیڑیاں اپنے ہاتھ سے کھولوں گا۔ تمہاری چوکھٹ پر آؤں گا اور میں تمہیں اپنے فوجیوں کے ساتھ سوار کرا کے لے جاؤں گا۔

امام نے جواب دیا کہ مجھے زائد باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اگر مجھے کتاب اللہ اور حدیث نبویہ سے کوئی دلیل دیجئے تو مہربانی ہوگی۔ چنانچہ مجلس طویل ہوگئی اور حاصل کچھ نہ نکلا تو معتصم نے امام کو ڈانٹا اور ڈانٹ کر کھڑا ہوگیا اور امام کو اسی جگہ جانے کا حکم دیا جہاں پر معتصم کے ایلچی برابر آپ سے کہتے رہے کہ امام احمد آپ کو اسی کا اقرار کر لینا چاہئے ہیں جو آپ کا قرآن کریم کے بارے میں خیال ہے۔ پھر امام وہی جواب دیتے جو بارہا دے چکے ہوتے۔

جب تیسرا دن آیا تو امام احمدؒ کو مناظرہ کی دعوت دی گئی۔ آپ کو خلیفہ معتصم کے دربار میں حاضر کر دیا گیا۔ خلیفہ کے دربار میں پہلے سے محمد بن عبدالملک الزیات اور قاضی احمد بن دواؤد وغیرہ موجود تھے۔ معتصم نے ان لوگوں کو یہ حکم دیا کہ آپ لوگ ان سے مناظرہ کریں۔ چنانچہ یہ لوگ برابر مناظرہ کرتے رہے۔ آخر کار ان لوگوں نے یہ کہا کہ اے امیر المؤمنین یہ ایسے نہیں مانیں گے۔ آپ انہیں قتل کر کے ان کا خون ہمارے اوپر ڈال دیں۔ یہ سن کر معتصم نے امام کے ایک تھپڑ رسید کیا جس سے امام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ یہ دیکھ کر خراسان کے حکام کے چہروں کے رنگ متغیر ہو گئے انہیں میں غالباً امام احمد کے چچا بھی تھے۔

یہ ماجرا دیکھ کر خلیفہ معتصم ڈر گیا۔ چنانچہ پانی منگوا کر امام کے چہرے پر چھینٹیں ماریں جس سے امام ہوش میں آگئے۔ ہوش میں آتے ہی آپ نے اپنے چچا کو مخاطب کر کے کہا: چچا یہ جو پانی میرے چہرے پر ڈالا گیا ہے شاید ڈالنے والا مجھ سے نالاں ہے۔ یہ سن کر

خلیفہ معتصم نے کہا تم لوگوں کا برا ہو کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو۔ ان کے معاملے کی وجہ سے ہجوم ہوتا جا رہا ہے۔ میری اللہ کے رسول ﷺ سے بھی قرابت اور نسبت ہے میری کوئی ان سے عداوت نہیں ہے۔ کوڑے اس وقت تک لگتے رہیں گے جب تک کہ یہ اس بات کے قائل نہ ہو جائیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ پھر معتصم امام کی طرف متوجہ ہوتا۔ لیکن امام پہلے کی طرح جواب دیتے۔ یہاں تک کہ معتصم ڈانٹتا۔ اس طرح سے مجلس طویل ہو جاتی۔ معتصم کہتا تم پر خدا کی لعنت ہو۔ اس سے قبل مجھے تمہارے بارے میں خیال تھا کہ تم قائل ہو جاؤ گے۔ پھر حکم دیتا کہ انہیں پکڑ کر ان کے کپڑے اُتار دو اور انہیں زمین پر گھسیٹو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا جاتا۔ پھر معتصم جلاد سے کہتا کہ امام احمدؒ یہ کہتے ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کے بال ہیں۔ جنہیں میں نے اپنے کرتے کی آستین میں باندھ رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ میرے پاس بعض لوگ بالوں کو جلانے کے لیے آتے ہیں' تو معتصم نے حکم دیا کہ ان بالوں کو جلانا مت بلکہ انہیں ان کے کرتے سے نکال لو۔ امام احمدؒ کہتے ہیں کہ میرا کرتا تو جناب رسول اللہ ﷺ کے بالوں کی برکت کی وجہ سے جلنے سے بچ گیا۔ لوگوں نے میرے ہاتھ باندھ دیئے تھے تو وہ بھی کھول دیئے گئے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ برابر مصائب و آلام برداشت کرتے رہے۔

پھر معتصم جلادوں سے کہتا کہ آگے بڑھو اور کوڑے مارنے والوں سے کہتا کہ انہیں میرے پاس لاؤ۔ ان کو برا بھلا کہو' تکلیف دو' خدا تیرے ہاتھ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے تو وہ آگے بڑھتے اور دو کوڑے مار کر علیحدہ ہو جاتے۔ پھر دوسرے سے کہتا کہ ان کو برا بھلا کہو سختی کرو' خدا تمہارے ہاتھ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے تو وہ آگے بڑھتے اور دو کوڑے مار کر علیحدہ ہو جاتے۔ اس طرح سے معتصم ایک ایک آدمی کو بلا کر برابر پٹواتا رہا۔ پھر معتصم امام احمدؒ کے پاس آتا اس حال میں کہ لوگ امام احمدؒ کو گھیرے ہوئے ہوتے اور یوں کہتا کہ اے احمد! کیا تم اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا چاہتے ہو۔ قاعدے سے جواب دو تا کہ میں تمہاری بیڑیاں اپنے ہاتھ سے کھول دوں۔ ان میں سے بعض لوگ یہ کہتے کہ امام صاحب آپ کے بادشاہ آپ کے سامنے کھڑے ہیں' آپ جواب دیجئے اور اس دبلے پتلے آدمی کو تلوار کی نوک سے زخمی کیا جاتا۔ معتصم یہ بھی کہتا کہ اے احمد کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہ سب لوگ مغلوب ہو جائیں۔

اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اے امیر المؤمنین ان کا خون ہمارے اوپر بہا دیجئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد معتصم کرسی پر جا کر بیٹھ جاتا۔ پھر جلاد سے کہتا کہ ان کو برا بھلا کہو۔ پھر معتصم دوبارہ آتا اور پوچھتا اے احمد جواب دو۔

چنانچہ امام احمدؒ وہی پہلا جواب دیتے۔ پھر معتصم لوٹ کر کرسی پر بیٹھ جاتا۔ پھر جلاد کو حکم دیتا کہ ان پر سختی کرو۔ امام احمدؒ کہتے ہیں کہ بس میں اتنا جانتا تھا کہ میں ایک کمرے میں تنہا ہوں ورنہ میری عقل جاتی رہی تھی اور آپ یہ تمام مصائب و مشکلات روزہ کی حالت میں جھیل رہے تھے۔

ایک مرتبہ آپ کو ۱۸ کوڑے لگائے گئے۔ مارنے کے دوران جب آپ کا بوجھ ہلکا ہو گیا تو آپ نے دونوں ہاتھوں کو ہلایا تو آپ کے ہاتھ کھل گئے۔ پھر باندھ دیئے گئے۔ جب آپ کو ان مظالم سے نجات مل گئی تو لوگوں نے آپ سے اس سلسلے میں سوال کیا آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا مانگ رہا تھا:

اللّٰھم ان کنت علی الحق فلا تفضحنی.

''خدایا میں اگر حق پر ہوں تو مجھے رسوا نہ کیجئے۔''

ان سب حالات کے گزرنے کے بعد معتصم نے ایک آدمی کو نگران بنایا جو علاج اور جراحی سے واقف تھا کہ وہ ان کا علاج کرتا رہے۔ چنانچہ اس نے علاج کیا۔ معالج کا کہنا ہے کہ میں نے امام احمد کے بدن پر ایک ہزار کوڑوں کے نشانات دیکھے۔ ان سے زیادہ زخمی میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ آخر کار ان کا علاج ہوتا رہا۔ علاج کے باوجود امام احمدؒ کے بدن سے کوڑے کے نشانات مٹے نہیں تھے یہاں تک

کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

امام احمد حنبلؒ کو جنت کی بشارت

بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت سیدنا امام شافعیؒ مصر میں سکونت پذیر تھے اس وقت آپ نے جناب رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ امام شافعیؒ سے یوں فرما رہے تھے کہ تم امام احمد بن حنبلؒ کو جنت کی بشارت دے دینا۔ یہ بشارت ان کے اُن کارناموں کی وجہ سے ہے جو انہوں نے خلق قرآن کے مسئلے میں مصائب جھیلے ہیں، مشقتیں برداشت کی ہیں اور جب امام احمد سے سوال کیا جاتا تو وہ سوائے اس کے اور کوئی جواب نہ دیتے کہ قرآن پاک اللہ جل جلالہٗ کا نازل کردہ کلام ہے، مخلوق نہیں ہے۔

جب امام شافعیؒ خواب سے بیدار ہوئے تو انہوں نے خواب لکھ کر بدست ربیع، امام احمدؒ کے پاس روانہ کر دیا۔ جب ربیع بغداد پہنچے تو سیدھے امام احمدؒ کے جائے قیام پر تشریف لے گئے۔ اجازت لی، انہیں اجازت دی گئی۔ جب ربیع گھر کے اندر گئے تو کہا کہ یہ رقعہ آپ کے بھائی امام شافعیؒ نے تحریر فرما کر میرے ذریعے آپ تک پہنچایا ہے۔ سیدنا امام احمدؒ نے فرمایا کہ ربیع تم جانتے ہو اس میں کیا لکھا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں۔ امام احمدؒ نے وہ رقعہ کھول کر پڑھا تو ان پر گریہ طاری ہو گیا۔ فرمایا **ماشاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ** پھر آپ نے بتایا کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے۔

ربیع نے کہا کہ آپ کیا انعام دے رہے ہیں؟ اس وقت آپ کے جسم پر دو کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے وہ کرتہ جو آپ کے جسم سے لگا ہوا تھا بطور انعام دیا۔ ربیع نے امام شافعیؒ سے جا کر کہا وہ کرتا انعام دیا ہے جو ان کے جسم سے لگا ہوا تھا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ربیع میں تمہیں اس کرتے کے بارے میں ہمدرد نہیں بنانا چاہتا۔ میں تو اسے دھوؤں گا۔ چنانچہ امام شافعی نے اس کرتے کو دھویا اور اس پانی کو تمام بدن پر ڈال کر غسل فرمایا۔

امام احمدؒ کی وسعت قلبی

ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کی وسعت قلبی دیکھئے کہ آپ نے ان لوگوں کو جو آپ کو پیٹنے میں شریک تھے یا تماشہ بین تھے یا ان کے پٹوانے میں تعاون کر رہے تھے سب کو معاف فرما دیا۔ سوائے ابن ابی دواؤد کے، اس لیے کہ وہ بدعتی بھی تھا۔ امام احمدؒ یہ بھی فرمایا کرتے کہ اگر ابن ابی داؤد مبتدع نہ ہوتا تو میں اسے بھی معاف کر دیتا۔ اگر وہ اب بھی بدعات سے توبہ کر لے تو میں معاف کر سکتا ہوں۔

احمد بن سنائی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ جس زمانے میں معتصم نے بابل کو فتح کیا یا جس دن شہر عموریہ کو فتح کیا اس دن آپ نے معتصم کو بھی معاف فرما دیا تھا۔

عبداللہ بن الورد کا خواب

عبداللہ بن الورد کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی تو میں نے امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے پاس موسیٰ کلیم اللہ بن عمران علیہ السلام تشریف لائیں گے، ان سے پوچھ لینا۔ پس اچانک سیدنا موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے میں نے امام احمدؒ کے بارے میں ان سے پوچھا تو آپؑ نے فرمایا احمد کو خوشحال اور مصیبت زدہ کر کے دونوں انداز سے آزمایا گیا تو وہ صبر و شکر کے پیکر نکلے، سچے ثابت ہوئے۔ چنانچہ انہیں صدیقین میں شامل کر لیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے احالہ کیا تھا اس میں چند حکمتوں کی طرف اشارہ مقصود تھا:

(۱) اول یہ کہ اُمت محمدیہ کی دیگر تمام اُمتوں پر فضیلت معلوم ہو جائے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام جو جلیل القدر پیغمبروں میں سے ہیں اسے بیان اور ثابت کر رہے ہیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ اس میں امام احمد بن حنبلؒ جو امت محمدیہ کے نمونے تھے ان کی اس میں فضیلت ہے کہ انہیں ستایا گیا' مصائب میں مبتلا کیا گیا اس کے بدلے انہیں اجر عظیم ملا۔ یہاں تک جناب رسول اللہ ﷺ نے آپ کے مقام اور عظمت کی گواہی دی۔

(۳) تیسرے یہ کہ امام احمدؒ کو خلق قرآن کے مسئلے میں مبتلا کیا گیا۔ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں' انہوں نے کوہ طور میں اللہ جل شانہٗ سے گفتگو کی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام خوب جانتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے نازل کردہ کلام ہے' مخلوق نہیں ہے۔ اس مناسبت سے حضور اکرم ﷺ نے احالہ فرمایا تھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے اور ان کا یہ عقیدہ درجہ یقین کو پہنچ جائے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے' مخلوق نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کی مختصر سوانح

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ کی ولادت باسعادت ۱۶۴ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی۔ ان کے نماز جنازہ میں آٹھ لاکھ مردوں' اور ۶۰ ہزار عورتوں نے شرکت کی۔ جس دن ان کا انتقال ہوا اُس دن ۲۰ ہزار یہودیوں' نصرانیوں اور مجوسیوں نے اسلام قبول قبول کیا۔ اھ (وفیات الاعیان)

نووی لکھتے ہیں کہ جس سرزمین میں امام احمدؒ کی نماز جنازہ پڑھی گئی ہے۔ متوکل نے پیمائش کرنے کا حکم دیا تو ۲۵ لاکھ گز زمین نکلی۔ نیز ان کے مرنے کا غم چار قوموں نے کیا یعنی مسلمانوں' یہودیوں' نصرانیوں اور مجوسیوں نے۔ (تہذیب الاسماء واللغات)

محمد بن خزیمہ جو مشہور محدثین میں سے ہیں کہتے ہیں کہ جب مجھے امام احمد بن حنبلؒ کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی تو مجھے بہت ہی زیادہ غم ہوا۔ میں نے انہیں خواب میں دیکھا کہ وہ اکڑ اکڑ کر شان سے چل رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ ابو عبداللہ یہ کون سی رفتار ہے تو فرمایا کہ یہ چال ڈھال جنت میں خدام کی ہوتی ہے۔ میں نے مزید سوال کیا اللہ جل شانہٗ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ جواب دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اور ننگے پاؤں کر کے سونے کے نعلین پہنا دیئے ہیں۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے احمد! ہم نے تم کو یہ اعزاز اس لیے عطا کیا ہے کہ تم میرے کلام کے مخلوق نہ ہونے کے عقیدے پر جمے رہے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ اے احمد تم مجھ سے ان الفاظ کے ساتھ دُعا مانگو جن الفاظ کے ساتھ سفیان سے تم تک پہنچتی ہے اور جس سے تم دُنیا میں ان ہی الفاظ کے ساتھ دُعا مانگتے تھے۔ امام احمد کہتے ہیں چنانچہ میں نے فوراً دُعا کی:

"یا رب کل شئی اسالک بقدرتک علی کل شئی لا تسالنی عن شئی واغفرلی کل شئی.

"اے میرے رب میں آپ کی قدرت سے ہر چیز کے بارے میں ہر چیز کے ضرر سے پناہ مانگتا ہوں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں حساب نہ لینا' تو میرے ہر گناہ کو بخش دے۔"

یہ سن کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے احمد! اُٹھ' یہ جنت ہے اس میں داخل ہو جا۔ چنانچہ میں داخل ہو گیا کیا دیکھتا ہوں کہ سفیان ثوری جنت میں اس حالت میں ہیں کہ ان کے دو ہرے ہرے بازو ہیں' وہ ایک کھجور کے درخت سے اُڑ کر دوسرے کھجور کے درخت پر بیٹھ جاتے ہیں اور یہ کلمات کہتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِیْنَ.

''ہر قسم کی تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے وعدہ کو ہمارے ساتھ پورا فرمایا اور ہمیں زمین کا وارث بنایا جنت میں جہاں چاہتے ہیں رہتے ہیں' کتنا ہی اچھا عمل کرنے والوں کی جزا ہے۔''

امام احمدؒ کہتے ہیں پھر میں نے سفیان سے یہ پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے عبدالوہاب الوراق کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ سفیان نے جواب دیا کہ میں نے انہیں نور کے سمندر میں دیکھا ہے۔ نور کی کشتی میں بیٹھ کر اللہ کا دیدار کرتے رہتے ہیں۔ پھر میں نے ان سے یہ پوچھا کہ بشر بن الحرث کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ تو سفیان نے کہا کہ ٹھہر وٹھہرو میں نے انہیں انسان کی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور میں دیکھا ہے اور ان کے سامنے کھانے کا دستر خوان چنا ہوا ہے۔ اللہ جل شانہٗ ان کی طرف متوجہ ہو کر یہ فرما رہے ہیں:

کل یا من لم یاکل واشرب یامن لم یشرب وانعم یا من لم ینعم.

''کھا اے وہ جس نے نہیں کھایا۔ پی اے وہ جس نے نہیں پیا' سیراب ہو جاؤ اے وہ جس نے سیرابی حاصل نہیں کی۔''

معتصم کی وفات

۲۲۷ھ میں خلیفہ معتصم نے (سرمن رای میں) سینگی لگوائی جس سے بخار آ گیا۔ پھر اس کی وفات ہوگئی۔ یہ واقعہ غالباً ۱۲ ربیع الاول کو پیش آیا۔ کل ۴۷ یا ۴۸ سال کی عمر پائی۔ ۸ سال ۸ ماہ ۸ دن تخت نشین رہا۔ گویا یہ خلافت بنوعباسیہ کا آٹھواں خلیفہ گزرا ہے۔ ترکہ میں آٹھ ہزار اشرفیاں ۹۰ لاکھ دراہم ۸ ہزار گھوڑے آٹھ آٹھ ہزار اونٹ اور خچر ۸ ہزار غلام ۸ ہزار باندیاں وغیرہ چھوڑیں۔ اسی لیے معتصم کو مثمن (آٹھواں) خلیفہ کہا جاتا ہے۔

معتصم ان پڑھ بادشاہ تھا اس لیے کہ اس کے ایک چھوٹا سا غلام تھا اس کو لے کر وہ کتاب لینے جایا کرتا تھا اتفاق یہ کہ اس غلام کا انتقال ہوگیا تو ہارون الرشید نے معتصم سے کہا اے ابراہیم تمہارا غلام تو انتقال کر گیا۔ تو معتصم نے کہا جی ہاں وہ مر گیا اور میں کتاب کے جھنجھٹ سے آزاد ہوگیا تو ہارون الرشید نے کہا کتاب کی بے ادبی میں تمہارا یہ حال ہو گیا؟ ہارون الرشید نے مصاحبین کو ہدایت کر دی کہ اب اسے کوئی نہ پڑھائے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو' اسی لیے معتصم جاہل رہا۔

خلافت ہارون واثق باللہ

پھر خلیفہ معتصم کے بعد ان کا بیٹا ہارون واثق باللہ تخت نشین ہوا۔ جس دن ان کے والد انتقال ہوا اس دن ان سے خفیہ طریقے سے سرمن رای میں بیعت لی گئی۔ چنانچہ ان کی بیعت کا شور وغلغلہ بغداد تک ہو گیا۔ پھر بغداد وغیرہ میں ان کی حکومت مستحکم ہوگئی۔ جب ہارون کو خلیفہ چن لیا گیا تو انہوں نے احمد بن نصر خزاعی کو خلق قرآن کے قائل نہ ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا۔ اور ان کے چہرے کو مشرق کی طرف پھیر دیا تو وہ قبلہ کی طرف گھوم گیا۔ چنانچہ اس نے ایک آدمی کو ایک تیز دھار لکڑی لے کر متعین کیا کہ جب کبھی یہ قبلہ کی طرف گھوم جائے اسے مشرق کی طرف موڑ دو۔

روایت ہے کہ احمد بن نصر کو کسی نے خواب میں دیکھا۔ ان سے یہ پوچھا گیا کہ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ نے رحم وکرم کا معاملہ کر کے بخش دیا۔ اس کے باوجود میں تین دن رنجیدہ رہا ہوں۔ رنجیدہ خاطر ہونے کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے دو مرتبہ گزرے ہیں۔ دونوں مرتبہ آپؐ اپنے چہرہ انور کو مجھ سے پھیرے ہوئے تھے تو میں مغموم ہو گیا۔ جس وقت تیسری مرتبہ گزرے تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں تھے۔ پھر آپ کیوں ناراض ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا ہاں تم حق پر تھے۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں تم سے اس لیے شرماتا

ہوں کہ میرے اہل بیت میں سے ایک آدمی نے تمہیں قتل کر دیا ہے ورنہ میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔

دمیریؒ کہتے ہیں کہ میری نظر سے یہ بات گزری ہے کہ خلیفہ ہارون واثق نے خلق قرآن کے مسئلہ سے توبہ کر لی تھی۔ غالباً خطیب بغدادی نے انہی کے سوانح حیات میں ذکر کیا ہے۔

خلق قرآن پر مناظرہ

چنانچہ خطیب لکھتے ہیں کہ میں نے طاہر بن خلف سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ محمد بن واثق جن کو مہتدی باللہ بھی کہا جاتا تھا کہتے ہیں کہ جس وقت میرے والد محترم کسی کے قتل کا ارادہ کرتے تو ہم سب ان کی مجلس میں حاضر ہو جاتے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ ہم ان کے پاس تھے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بوڑھے شخص کو بیڑیوں میں جکڑ کر حاضر کیا گیا۔ اتنے میں والد محترم نے احمد بن داؤد اور ان کے ساتھیوں کو آنے کی اجازت دی اور شیخ کو سامنے لایا گیا۔ شیخ نے آتے ہی السلام علیکم یا امیر المؤمنین کہا۔ تو ہارون نے کہا خدا تجھے سلامت نہ رکھے۔ شیخ نے کہا اے امیر المؤمنین جس نے آپ کو ادب وسلیقے کی تعلیم دی ہے وہ بدتہذیب معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ نے تو یہ فرمایا ہے:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا. (سورۃ النساء)

''اور جب تم کو کوئی دعا دے تو تم بھی اس سے بہتر دعا دو یا اسی کو لوٹا دو۔''

خدا کی قسم آپ کا یہ حال ہے کہ نہ آپ نے مجھے سلام کیا اور نہ آپ نے میرے سلام کا بہتر جواب دیا۔ ابن ابی داؤد نے کہا امیر المؤمنین یہ شیخ تو متکلم معلوم ہوتا ہے۔ اتنے میں خلیفہ ہارون نے حکم دیا کہ ابن داؤد تم اس شیخ سے مناظرہ کرو۔ چنانچہ احمد بن داؤد نے سوال کیا کہ اچھا تم یہ بتاؤ تم قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ شیخ نے کہا جناب مجھ سے سوال قاعدہ سے کرنا۔ ابن ابی داؤد نے کہا کہ اچھا آپ ہی مجھ سے سوال کریں۔ شیخ نے سوال کیا کہ احمد تم بتاؤ قرآن کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

احمد بن ابی داؤد نے کہا کہ قرآن تو مخلوق ہے۔ یہ سن کر شیخ نے کہا: آیا قرآن کے بارے میں جو تم یہ عقیدہ رکھتے ہو اس کی تعلیم جناب رسول اللہ ﷺ، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان غنی رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد کے خلفاء نے دی ہے یا نہیں دی۔ ابن ابی داؤد نے کہا کہ قرآن کریم کے بارے میں یہ عقیدہ مخلوق ہونے کا ایسا ہے کہ اس کی تعلیم کسی دور میں نہیں دی گئی۔ شیخ نے کہا واہ سبحان اللہ قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ کی تعلیم نہ تو رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور نہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ اور نہ ہی دوسرے کسی خلفاء نے تعلیم دی ہے۔ تم ایسی چیز کی تعلیم دیتے ہو۔ یہ جواب سن کر احمد بن داؤد شرمندہ ہو گیا۔

احمد بن ابی داؤد نے کہا کہ تم اپنا جواب پھر دہراؤ۔ چنانچہ شیخ نے پھر اسی طرح دہرا دیا۔ احمد بن ابی داؤد نے کہا کہ ہاں تمہارا جواب درست ہے۔ پھر شیخ نے کہا اب تمہاری قرآن کے بارے میں کیا رائے بنی۔ ابن ابی داؤد نے کہا کہ وہ میرے نزدیک مخلوق ہے۔ شیخ نے جواب دیا کہ مخلوق ہونے کی تعلیم رسول اللہ ﷺ، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، وعلیؓ، اور دوسرے خلفاء نے دی ہے یا نہیں؟ تو ابن ابی داؤد نے کہا جناب رسول اللہ ﷺ کو اس کے بارے میں علم تو تھا لیکن کسی کو اس کی دعوت نہیں دی نہ مائل کیا۔ شیخ نے کہا کیا تم ایسا کام کرنا چاہتے ہو جس کی اجازت نہیں دی گئی۔

ہارون واثق کہتے ہیں کہ یہ مناظرہ سن کر والد محترم اُٹھ کر تنہائی میں چت لیٹ گئے۔ ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھ کر غور کرنے لگے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا یہ ایسا عقیدہ ہے جس کی تعلیم نہ تو رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور نہ چاروں خلفائے راشدین نے اور نہ لوگوں کو اس کی طرف باقاعدہ دعوت دی۔ اور نہ لوگوں کو مائل کیا۔ اس کے باوجود تم اس کی تعلیم دینا چاہتے ہو۔ سبحان اللہ! کتنی حیرت انگیز

بات ہے اور ایک وہ چیز ہے جس کی تعلیم حضور اکرم ﷺ اور چاروں خلفائے راشدین نے نہ دی ہو اور نہ ہی لوگوں کو مائل کیا ہو۔ پھر تم کیوں ایسی بات پھیلانا چاہتے ہو جس کی اجازت شریعت میں نہیں دی گئی۔

ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد والد محترم نے عمار نامی دربان کو بلا کر شیخ کی بیڑیاں کھلوا دیں۔ مزید چار سو اشرفیاں انعام دینے کا حکم صادر فرمایا اور انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی۔ اس واقعہ کے بعد سے والد محترم کے ہاں احمد بن ابی داؤد کی کوئی حیثیت نہ رہی اور نہ والد محترم نے اس کے بعد سے خلق قرآن کے بارے میں کسی کو پریشان کیا۔

اسی واقعہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ مہتدی باللہ بن الواثق کا نام محمد تھا۔ یہی نام امام ذہبی نے اپنی کتاب دول الاسلام میں ذکر کیا ہے۔ امام ذہبی نے ہارون واثق کی سوانح حیات لکھنے کے بعد اس بات کی تصریح کی ہے کہ ان کا نام جعفر تھا۔ اس کے علاوہ احمد بھی بتایا جاتا ہے۔ لیکن اس میں کمی اور زیادتی کی بھی گنجائش ہو سکتی ہے۔

حافظ ابو نعیم لکھتے ہیں کہ حافظ ابوبکر آجری کہتے ہیں کہ مجھ سے مہتدی باللہ نے خود بتایا ہے کہ میرے والد محترم کو صرف ایک شیخ نے بدظن کیا ہے جو المصیصہ سے لائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ ایک سال قید خانہ میں رہے اس کے بعد والد محترم نے انہیں دربار میں حاضر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ شیخ کو بیڑیوں سمیت حاضر کر دیا گیا۔ شیخ نے حاضر ہوتے ہی والد محترم کو سلام کیا تو والد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شیخ نے کہا اے امیر المؤمنین آپ نے میرے ساتھ خداوند قدوس کے حکم کے مطابق ادب کا معاملہ نہیں کیا اور نہ جناب رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے مطابق سلوک کیا۔ حالانکہ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

واذا حييتم بتحية فحيوا باحسن منها اوردوها. (سورة النساء)

"جب تم کو کوئی دعا دے تو تم بھی اس سے بہتر دعا دو یا (کم از کم) اسی کو لوٹا دو۔"

اور خود جناب رسول اللہ ﷺ نے سلام کا جواب دینے کی تعلیم دی ہے۔ پس یہ کہنا تھا کہ والد محترم نے فوراً سلام کا جواب دیا۔ پھر احمد ابی داؤد کو مقرر کیا کہ تم ان شیخ سے سوالات کرو تو شیخ نے کہا کہ میں اس وقت مقید ہوں میرے بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ میں قید ہی میں رہ کر نماز پڑھنا چاہتا ہوں اس لیے آپ بیڑیاں کھول دینے کا حکم دے دیجئے تاکہ میں وضو کر کے نماز پڑھ سکوں۔ چنانچہ والد محترم نے بیڑیاں کھولنے کا حکم دے دیا اور پانی کے انتظام کرنے کی بھی تاکید کر دی۔ شیخ نے وضو کر کے نماز پڑھی۔ پھر والد محترم نے ابن ابی داؤد سے کہا کہ اب تم سوالات کر سکتے ہو۔

شیخ نے کہا کہ آپ مجھے سوالات کرنے کا حق دے دیں اور یہ ابن ابی داؤد جوابات دیں، تو والد محترم نے اجازت دے دی۔ چنانچہ شیخ، احمد بن ابی داؤد کی طرف متوجہ ہوئے۔ شیخ نے کہا مجھے آپ یہ بتائیں کہ جس بات کی طرف آپ لوگ دعوت دیتے ہیں کیا اس سے قبل جناب رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی ہے؟ ابن ابی داؤد نے کہا نہیں۔ شیخ نے کہا پھر کیا اس کی دعوت سیدنا خلیفہ اول امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دی ہے؟ ابن ابی داؤد نے کہا نہیں۔ شیخ نے کہا پھر کیا اس کی دعوت سیدنا امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دعوت دی تھی۔ ابن ابی داؤد نے کہا نہیں۔ شیخ نے کہا پھر کیا سیدنا عثمان غنی بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس کی دعوت دی تھی؟ ابن ابی داؤد نے کہا نہیں۔ شیخ نے کہا پھر کیا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی دعوت دی تھی تو ابن ابی داؤد نے کہا نہیں۔

شیخ نے کہا پس یہ ایسی بدعت ہے جس کی دعوت نہ تو جناب رسول اللہ ﷺ نے دی نہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ نے دی۔ پھر تم کیوں ایسی چیز کی طرف لوگوں کو مائل کرنا چاہتے ہو۔ میرے خیال سے تمہارے اس عقیدے کے بارے میں دو باتیں ضروری ہوں گی یا تو قرن اول میں لوگ اس سے واقف تھے یا جاہل تھے۔ اگر تم لوگ یہ جواب دو کہ لوگ قرن اول میں اس سے واقف تو تھے لیکن خاموش رہے اس

کی اشاعت نہیں کی تو پھر ایسی چیزوں کو نشر کرنا چاہیے نہ کہ قوم کو اس سلسلے میں خاموشی سے کام لینا چاہیے۔ اور اگر تم یہ کہو کہ قرن اول میں لوگ اس سے ناواقف تھے فقط اس کا علم تمہیں ہے تو اے کمینے گدھے کے بچے کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جناب رسول اللہ جو مشکوۃ نبوت تھے اور ان کے جانشین خلفائے راشدین اس سے ناواقف رہے ہوں اور اس بات کا علم فقط تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو ہو جائے۔

مہتدی کہتے ہیں کہ اتنی دیر میں میرے والد محترم کھڑے ہو کر اچھل پڑے۔ حجرے میں داخل ہو گئے اور رومال میں منہ رکھ کر زور زور سے قہقہہ مار کر ہنسے۔ پھر کہنے لگے واقعی سچ ہے نبی کریم ﷺ اور ان کے خلفاء یا تو اس سے واقف رہے ہوں گے یا ناواقف۔ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ خلق قرآن کے سلسلے میں انہیں اس قسم کا علم تھا لیکن انہوں نے بتایا نہیں خاموش رہے تو ہمیں اس کی اشاعت کرنی چاہیے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ وہ لوگ اس سے ناواقف تھے فقط اس کا علم تمہیں ہے تو اے کم بخت کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جناب سید الاولین والاخرین ﷺ اور ان کے صحابہ کرام کسی بات کے بارے میں ناواقف ہوں اور فقط تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اس کا علم ہو۔

مہتدی کہتے ہیں پھر والد محترم نے کہا احمد! تو میں نے کہا جی ہاں حضور! والد محترم نے فرمایا میں نے تم کو نہیں بلایا بلکہ احمد بن ابی داؤد کو آواز دے رہا ہوں۔ چنانچہ ابن ابی داؤد دوڑ کر آئے تو ان کو یہ حکم دیا کہ تم اس شیخ کو برائے خرچ کچھ رقم دے دو اور انہیں ہمارے شہر سے نکال دو۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مہتدی کا نام احمد تھا۔ اس لیے کہ جس وقت مہتدی بول پڑے تھے تو ان کے والد نے یہ کہا تھا کہ میں نے تم کو مراد نہیں لیا ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے اور مہتدی کا لبیک کہنا یہ بطور ادب کے تھا۔ لیکن جب ان کے والد ہارون واثق نے یہ کہا کہ میں نے تو احمد بن ابی داؤد کو بلایا ہے تو مہتدی کا لبیک کہنا لغو ہو گیا۔ انہوں نے تو محض نام کے اشتراک کی وجہ سے جواب دیا تھا۔ (ان شاء اللہ مہتدی کی سوانح حیات میں یہ واقعہ اس مضمون کے علاوہ دوسرے انداز سے آجائے گا) جو جوابات شیخ نے دیئے ہیں یہ الزامی جوابات تھے ان سے معتزلی خاموش ہو سکتے ہیں۔

قوت باہ کا نسخہ

ہارون واثق کا جسم کثرت جماع سے ٹوٹا جا رہا تھا۔ انہوں نے ایک دن طبیب کو یہ حکم دیا کہ میرے لیے قوت باہ کے اضافہ کے لیے ایک دوا تیار کر دو۔ طبیب نے خلیفہ سے کہا عالی جاہ! امیر المؤمنین آپ اپنے بدن کو جماع کی وجہ سے خراب نہ کیجئے اور اللہ سے خوف کیجئے۔ اس کے باوجود ہارون واثق نے کہا نہیں، فوراً دوا تیار کر دو۔ چنانچہ طبیب نے یہ نسخہ لکھا:

درندے کا گوشت لے کر شراب کے سرکے میں ملا کر سات مرتبہ جوش دیا جائے۔ پھر اس کے عرق کو تین درہم کی مقدار میں پی لیا جائے۔ لیکن یہ مقدار متعین ہے اس سے زائد استعمال نہیں کرنی چاہیے۔

ہارون واثق نے درندے کو ذبح کرنے کا حکم دے دیا۔ گوشت کو پکایا گیا جوش دیا گیا یہاں تک کہ گاڑھا عرق بن گیا۔ اتنے میں ہارون واثق سب پی گیا۔

تمام اطباء کا اس پر اتفاق ہوا کہ سوائے نزول بطن (اسہال) کے اب کوئی دوا موثر نہیں ہو گی۔ نزول بطن کے بعد انہیں زیتون کی لکڑیوں کے دہکتے ہوئے انگاروں میں چھوڑ دیا جائے۔ پھر اس میں بٹھا دیا جائے۔ چنانچہ یہ عمل کیا گیا۔ تین گھنٹے پانی پینے سے روک دی گیا۔ وہ برابر پانی مانگتے رہے لیکن نہیں دیا گیا۔ تھوڑی دیر میں اس کے جسم پر خربوزے کے برابر آبلے پڑ گئے۔ پھر انہیں الگ کر دیا گیا۔ ہارون برابر یہ کہتا رہا کہ پھر مجھے تنور ہی میں لے چلو ورنہ میں مر جاؤں گا۔ فوراً لوگ لے گئے تو وہ خاموش ہو گیا۔ پھر وہ آبلے پانی کی طرح

بہہ پڑے۔ پھر اسے تنور سے نکالا گیا اس حال میں کہ اس کا سارا جسم سیاہ ہو گیا تھا۔ پھر وہ تھوڑی دیر کے بعد مر گیا۔ جب وہ مرنے لگا تو یہ اشعار پڑھ رہا تھا ؎

الموت فیه جمیع الناس تشترک لاسوقة منهم یبقی ولا ملک

''موت میں سبھی لوگ شریک ہیں نہ اس سے معمولی لوگ بچ سکے ہیں اور نہ بادشاہ۔''

ماضر اهل قلیل فی مقابرهم ولیس یغنی عن الملاک مالکوا

''غریبوں کو ان کی قبروں میں کوئی نقصان نہیں ہوا اور بادشاہ جن چیزوں کے مالک تھے ان سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔''

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس قسم کا ایک دوسرا بھی واقعہ ہے چنانچہ واثقی کہتے ہیں کہ میں خلیفہ ہارون واثق کا تیمار دار تھا۔ اچانک ہارون پر غشی طاری ہوئی۔ مجھے بالکل یقین ہو گیا کہ ان کا انتقال ہو گیا تو ہم میں سے بعض آدمی ایک دوسرے سے یہ کہہ رہا تھا کہ انہیں دیکھو کیا حال ہے؟ لیکن کسی کی ہمت نہیں ہوئی۔ آخر کار میں ہی بڑھا تو میں نے اپنی انگلی اس کی ناک پر رکھ کر دیکھا تو اس نے آنکھ کھول دی تو میں اتنا ڈر گیا قریب تھا کہ کہیں میں مر نہ جاؤں۔ پیچھے ہٹ کر سیڑھیوں میں تلوار کے قبضے پکڑ کر لٹک کر اس کے بعد زمین پر پھسل کر گر گیا۔ تلوار ٹوٹ گئی۔ قریب تھا کہ تلوار میرے جسم میں گھس جاتی۔ پھر میں نے دوسری تلوار تلاش کر لی۔ تھوڑی دیر کے بعد لوٹ کر آیا اور ہارون واثق کے پاس کھڑا ہو گیا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ اب یہ مر گئے ہیں تو میں نے داڑھی باندھ دی' آنکھیں بند کر دیں۔ پھر انہیں کپڑے سے ڈھک دیا۔ فراش لوگ انہیں تنہا چھوڑ کر ان کا قیمتی فرش خزانہ میں داخل کرنے کی غرض سے اُٹھا کر لے گئے۔ مجھے احمد بن ابی داؤد قاضی نے ہدایت کی کہ ہم لوگ بیعت کے سلسلے میں مصروف ہیں۔ تم دفن ہونے تک نعش کی حفاظت کرو تو میں لوٹ کر دروازے کے پاس بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے کچھ حرکت محسوس ہوئی تو میں اندر آیا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چوہیا ہارون کی آنکھیں نکال کر کھا گئی۔ یہ دیکھ کر میں نے کلمۂ توحید پڑھا۔ بعد کو دل میں سوچا کہ یہ آنکھیں ابھی کھلی ہوئی تھیں اور اب انہیں چوہیا کھا گئی ہے تو ڈر کی وجہ سے میں گر پڑا جس سے میری تلوار گر کر ٹوٹ گئی۔

تاریخ وفات

ہارون واثق کی وفات ماہ رجب ۲۳۲ھ مقام سر من رائے میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ۳۶ سال چند ماہ کی تھی۔ ۵ سال ۹ ماہ خلافت پر متمکن رہے۔

ہارون واثق سفید' پرکشش آدمی تھا۔ ان کے چہرے پر زرد داڑھی خوبصورت معلوم ہوتی تھی اور آنکھوں میں ایک نکتہ تھا۔ یہ عالم' ادیب' بہترین شاعر' بہادر' مدبر' باپ کی طرح سخت تھا۔ (اللہ تعالیٰ باپ بیٹے دونوں کی خطاؤں سے چشم پوشی فرمائے)

خلافت جعفر متوکل

ہارون واثق کے بعد ان کے بھائی جعفر متوکل تخت نشین ہوئے۔ ان سے بیعت سر من رائے میں اس دن لی گئی جس دن کہ بھائی ہارون واثق کا انتقال ہوا۔ اس لیے کہ یہی ولی عہد تھے۔ یہ واقعہ تقریباً ۲۳۲ھ کا ہے۔ متوکل کے دور خلافت میں خلق قرآن کا فتنہ فرو ہو چکا تھا۔ سنت نبویہ کا غلبہ ہو چکا تھا اس نے احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت کے بارے میں حکم صادر کر دیا تھا۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ جعفر متوکل کہتے ہیں کہ جس وقت ہارون واثق مرض الوفات میں مبتلا تھے انہی ایام میں ہارون کے گھر تک

سوار ہو کر مزاج پرسی کے لیے آیا۔ دہلیز میں بیٹھ کر اجازت کا انتظار کرنے لگا' انتظار کر ہی رہا تھا کہ اچانک ماتم کرنے اور رونے کی آواز آئی۔ اس کے بعد فوراً ایداخ اور محمد بن عبدالملک زیات میری خلافت کے بارے میں مشورہ کرنے لگے۔

محمد نے کہا تو جعفر متوکل کو تنور میں مار ڈال دوں گا۔ ایداخ نے کہا نہیں بلکہ ٹھنڈے پانی میں چھوڑ دیں گے تا کہ وہ ہلاک ہو جائے۔ اس سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ مارنے کے آثار ظاہر نہیں ہوں گے۔

متوکل کہتے ہیں کہ ایداخ اور محمد بن الملک دونوں باتوں میں مصروف تھے کہ اچانک قاضی احمد بن ابی داؤد آ گئے۔ ان دونوں کو لے کر اندر چلے گئے۔ یہ دونوں راز داری کی باتیں کرنے لگے۔ باتیں کیا ہوئیں میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ ان لوگوں کی آپس کی گفتگو سے مجھے خطرہ محسوس ہوا' فرار ہونے کے بارے میں سوچنے لگا۔ بس میں اسی شش و پنج میں تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ دو غلام دوڑے ہوئے آئے اور کہنے لگے کرم فرما آقا اُٹھئے چلئے ان کے کہنے سے مجھے یقین ہو گیا کہ قسمت میں جو بھی مقصد ہو اب اس وقت تو ہارون واثق کے صاحبزادے سے بیعت لینے کے لیے تیاری ہو رہی ہے۔ لیکن ہم جیسے ہی اندر داخل ہوئے لوگ مجھ سے بیعت کرنے لگے۔ میں نے حالات پوچھے کہ یہ کیا ہوا؟

تو میں سمجھ گیا کہ غالباً یہ تحریک قاضی احمد بن ابی داؤد نے اُٹھائی ہے۔ پھر بعد میں میں نے ایداخ کو ٹھنڈے پانی میں قتل کر دیا اور محمد بن الملک زیات کو تنور میں مار ڈالا۔ متوکل کہتے ہیں کہ یہ بھی عجیب قسم کی اتفاقی کامیابی تھی۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ محمد بن عبدالملک نے ہی تنور کو لوگوں کے قتل کے لیے بنوایا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے خود اسے اس میں جھونک دیا (چاہ کن را چاہ درپیش) لوہے کا تنور تھا اندر نوک دار کیلیں جڑی ہوئی تھیں اسے زیتون کے تیل سے بھڑکا کر لوگوں کو جھونک دیا جاتا تھا۔

جعفر متوکل کا کارنامہ

متوکل نے تخت نشین ہوتے ہی سنت رسول ﷺ کو زندہ اور بدعات کو فرو کیا بلکہ سارے ملک میں یہ ہدایت کر دی کہ سنت نبوی کو توانائی دی جائے' بدعات اور فتنوں کو ختم کیا جائے۔ خود اس نے اپنی مجلس کا رنگ بدل دیا۔ مجلس میں سنت کی باتیں کرتا۔ خاندان والوں کو عزت بخشی۔ فتنہ اعتزال اور ان کے کارندوں کو پست کر دیا۔ اگرچہ معتزلی متوکل کے دور خلافت تک زیادہ مضبوط ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود سب کے سب ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ ورنہ اُمت محمدیہ میں ان سے زیادہ شر انگیز قوم نہیں تھی۔ خدائے پاک ہمیں ان فتنوں اور شرور سے بچائے۔

خلیفہ جعفر متوکل سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا۔ ان کے نقائص بیان کر کے تبری پڑھتا۔ ایک دن متوکل اپنے بیٹے منتصر کے سامنے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی تنقیص کرنے لگا تو بیٹے کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا۔ متوکل نے بہت برا بھلا کہا اور بیٹے کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھنے لگا ۔

غضب الفتی لابن عمه راس الفتی فی حرامه

''نوجوان چچازاد بھائی کی وجہ سے غصہ ہو گیا نوجوان کا سر اس کی ماں کے گود میں ہوگا۔''

یہاں تک کہ اس کا بیٹا منتصر خود اپنے باپ سے بغض و عناد کرنے لگا۔ غالباً یہی بغض متوکل کے قتل کا سبب بن گیا۔ چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ چونکہ متوکل سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے بغض رکھتا تھا ان کی تنقیص کرتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کا بیٹا منتصر باپ کا دشمن بن گیا۔

بس چند ہی دن گزرے تھے کہ ایک مرتبہ جعفر متوکل ہم نشینوں کے ساتھ شراب پی رہا تھا نشہ آ گیا کہ اچانک متوکل کا غلام بغا الصغیر

اندر آیا۔ فوراً اس نے ہم نشینوں کو باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ سب کے سب باہر آ گئے صرف متوکل کے پاس ان کا وزیر فتح بن خاقان باقی بچا۔ اس کے بعد جن دو غلاموں کو متوکل پر حملہ کرنے کے لیے متعین کر رکھا تھا۔ سونتی ہوئی تلوار لے کر حملہ آور ہوئے۔ یہ دیکھ کر فتح بن خاقان نے کہا ہائے امیر المؤمنین اب آپ موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ یہ کہہ کر فوراً متوکل کے جسم سے لپٹ گیا آخر کار ان غلاموں نے وزیر سمیت متوکل کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد لوگ سیدھے منتصر کے پاس گئے۔ آداب شاہی بجالائے۔

جعفر متوکل کا قتل

متوکل کے قتل کا واقعہ ماہ شوال ۲۴۷ھ میں پیش آیا۔ کل ۴۰ سال کی عمر ہوئی ۱۴ سال ۱۰ ماہ تخت نشین رہا۔ بعض نے ۱۵ سال کی تصریح کی ہے۔

متوکل کا حلیہ اور وجہ قتل

متوکل گندم گوں، آنکھیں پرکشش، داڑھی ہلکی اور قد و قامت کا متوسط تھا۔ لہو ولعب اور مکروہ چیزوں سے دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کے باوجود اس نے سنت کو زندگی بخشی۔ فتنہ خلق قرآن کو ختم کیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت کارنامے ہیں۔ متوکل اپنے بیٹے منتصر کو ولی عہد سے معزول کر کے دوسرے بیٹے معتز کو اس کی ماں سے فرط محبت کی وجہ سے جانشینی میں مقدم رکھنا چاہتا تھا۔ اگر منتصر خود بخود ولی عہدی سے دستبردار نہ ہو جاتا تو متوکل اذیت رسانی اور دھمکی دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا۔ متوکل کے اس عمل سے بیٹا منتصر خود باپ کا دشمن بن گیا۔ چنانچہ منتصر نے وصیف اور بغا دونوں غلاموں کو اصرار کر کے باپ کے قتل پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ جس وقت متوکل آدھی رات کو مجلس لہو ولعب سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ پانچ سازشیوں نے حملہ کر کے تلواروں سے قتل کر دیا۔ ساتھ میں اس کا وزیر فتح بن خاقان بھی لپیٹ میں آ گیا۔ (جیسے کہ ابھی گزرا)

خلافت محمد منتصر باللہ

پھر خلیفہ جعفر متوکل کے بعد اس کا بیٹا محمد منتصر باللہ جانشین ہوا۔ اس سے بیعت اس رات لی گئی جس رات اس کے والد قتل کر دیئے گئے۔ پھر دوسرے دن عام بیعت لی گئی۔ یہ تخت پر زیادہ دن نہیں بیٹھ سکا اور نہ حکومت سے زیادہ لطف اندوز ہو سکا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک دن اس کے سامنے فرش بچھایا گیا تو اسے ایسا کچھ معلوم ہوا کہ اس میں کچھ لکھا ہوا ہے لیکن اس سے پڑھا نہیں جا رہا تھا۔ چنانچہ اس نے علماء کو حکم دیا کہ جو بھی اسے پڑھ سکتا ہو اسے یہاں حاضر کر دیا جائے تو اس میں یونانی زبان میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:

عمل هذا البساط للملک قباذ بن کسریٰ قاتل ابیه وفرش قد امه فلم یلبث غیر ستة اشهر ومات

"اس نشستہ کو شاہ قباذ بن کسریٰ جس نے اپنے والد کو قتل کر دیا تھا بنایا گیا ہے چنانچہ اسے ان کے لیے بچھایا گیا تو وہ ۶ ماہ سے زیادہ نہیں ٹھہر سکا اور انتقال کر گیا۔"

اس تحریر سے منتصر نے بدفالی پکڑی، فوراً غمزدہ ہو گیا۔ فرش کو اُٹھانے کا حکم دیا چنانچہ وہ چھ ماہ بعد انتقال کر گیا۔ کل ۶ ماہ چند دن تخت نشین رہا۔ ۲۶ سال کی عمر پائی اس کی ماں کا نام رومیہ تھا۔

منتصر موٹا، معتدل القامت، پرکشش بارُعب اور زیرک بادشاہ تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں بڑی، ناک کان تنگ درمیان سے اونچا تھا۔

نیک کاموں سے دلچسپی رکھتا تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ منتصر سے ترکی حکام بہت ڈرتے تھے۔ آخر جب منتصر بخار میں مبتلا ہو گیا تو ترکی حکام نے طبیب کو ایک ہزار اشرفیاں دے کر اس کو مارنے کی سازش کی۔ چنانچہ طبیب نے زہر آلود نشتر سے فصد کھولی جس کی وجہ سے زہر پھیل گیا۔

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ انہیں کھانے میں زہر دیا گیا تھا۔ جس وقت یہ مرنے لگا تو اس نے کہا امی جان! میری دُنیا و آخرت دونوں تباہ ہو گئیں۔ میں نے اپنے باپ کے بارے میں عجلت سے کام لیا۔ چنانچہ مجھے بھی جلد ہی موت نے آ گھیرا۔

خلافت احمد مستعین باللہ

یہ چھٹے خلیفہ تھے اور انہیں معزول کر کے قتل کر دیا گیا

خلیفہ محمد منتصر کے بعد اس کے چچا زاد بھائی احمد مستعین باللہ بن محمد معتصم جانشین ہوئے۔ اس سے بیعت یوم دوشنبہ ۶ ربیع الثانی ۲۵۱ھ کو لی گئی۔ اس وقت اس کی عمر ۲۸ سال تھی۔ مستعین کثرت جماع کا عادی' عورتوں سے عشق کا مریض تھا۔ اس کے چچا کی لڑکی نہایت خوبصورت تھی چنانچہ اس نے اس کے باپ سے طلب کیا تو اس نے انکار کر دیا تو اس نے اصمعی' رقاشی ابونواس کو بلایا اور یہ کہا کہ جو بھی میرے ذوق اور مقصد کے مطابق چچا زاد بہن کی محبت میں اشعار کہے گا تو میں بہت ہی انعام و اکرام سے نوازوں گا۔ چنانچہ ابونواس نے کہا ۔

مارو ض ریحانکم الزاهر وما شذ انشركم العاطر

''تمہارے محبت ہو کھلے ہوئے پھولوں کا چمن کتنا خوبصورت ہے اور تمہاری مہکتی ہوئی خوش بو کتنی تیز ہے۔''

وحق وجدی والهوی قاهر مذغبتمو لم یبق لی ناظر

''میری محبت ثابت ہو گئی اور عشق غالب ہو گیا جب سے تم غائب ہوئے میں نے کسی کو منظور نظر نہیں بنایا۔''

والقلب لا سال و لا صابر

اور دل پگھلا نہ صبر کیا۔

قالت الا لا تلجق دارنا و کابد الاشواق من اجلنا

''اس نے کہا کیا تم ہمارے گھر نہیں ٹھہرو گے۔ اے ہماری وجہ سے خواہشوں کو برداشت کرنے والے۔''

واصبر علی مرالجفا و الضنا و لا تمرن علی بیتنا

''بدحالی اور بدسلوکی کے باوجود صبر کر اور تم ہمارے گھر کے قریب سے مت گزرو!''

ان ابانا رجل غائر

اس لیے کہ ہمارے باپ گہرے آدمی ہیں۔

فقلت انی طالب غرة یحظی بها القلب ولو مرة

''تو میں نے کہا کہ میں مہ جبین کا طالب ہوں جس سے دل راحت حاصل کرتا ہے اگرچہ ایک مرتبہ کیوں نہ ہو۔''

قالت بعید ذاک مت حسرة قلت ساقضی غرة جهرة

''اس نے کہا یہ بات تو ناممکن ہے مارے حسرت کے مرجا۔ میں نے کہا عن قریب اعلانیہ مہ جبین کا فیصلہ کردوں گا۔''

منک وسیفی صارم باتر

اس حال میں کہ میری تلوار بڑی کاٹ دار ہے۔

قالت فان البحر من بیننا فابرح و لاتات الی حینا

''اس نے کہا ہمارے سمندر حائل ہے۔ جا آرام کر تم فی الحال مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔''

واشرب بکاس الموت من هجرنا قلت ولو کان کثیر العنا

''اور ہمارے فراق میں جام شہادت نوش کر۔ میں نے کہا اگر چہ راستہ پرخطر ہو۔''

یکفیک انی سابح ماهر

تمہارے لیے کافی ہے کہ ماہر تیراک ہوں۔

قالت فان القصر عالی البناء قلت ولو کان عظیم السنا

''اس نے کہا محل بہت بلند ہے۔ میں نے کہا چاہے وہ کتنا ہی بلند ہو۔''

او کان بالجو بلغت المنی

یا وہ اتنا اونچا ہو کہ فضا میں آرزوئیں ہی پہنچ سکتی ہوں۔

قالت صنیع فی الوریٰ قصرنا قلت وانی فوقه طائر!

''اس نے کہا کہ ہمارا قلعہ دُنیا کا مضبوط و بلند قلعہ ہے۔ میں نے کہا کہ میں اس کے اوپر بھی اڑ سکتا ہوں۔''

قالت فعندی لبوة والد فقلت انی اسد شارد

''اس نے کہا کہ میرے پاس جننے والی شیرنی ہے تو میں نے جواب دیا کہ پھر میں بھی۔''

غشمشم مقتنص صائد

سرکش شکاری ظالم شیر ہوں۔

قالت لها شبل بها لابد قلت وانی لیثها الکاسر

''اس نے کہا شیرنی کے پاس شیر ہی جیسا بچہ بھی ہے۔ میں نے کہا کہ میں اس پر ٹوٹ پڑنے والا شیر ہوں۔''

قالت فعندی اخوة سبعة جمعا اذا ماالتقوا عصبة

''اس نے کہا میرے پاس کل سات بھائی ہیں جب وہ برسرِ پیکار ہوتے ہیں تو جماعت بن جاتے ہیں۔''

قلت ولی یوم القاء وثبة

میں نے کہا جنگ کے دن میں چھلانگتا کودتا ہوں۔

قالت لهم یوم الوغی سطوة قلت وانی قاتل قاهر
''اس نے کہا میرے بھائی جنگ کے دن غالب اور فتح یاب ہوتے ہیں میں نے جواب دیا کہ میں بھی زبردست قاتل ہوں۔''

قالت فان اللّٰه مِن فوقنا یعلم ما نبدیه من شوقنا
''اس نے کہا اللہ ہمارے لیے محافظ ہے ہمارے شوق وخواہش کو جو ہم بظاہر کرتے ہیں جانتا ہے۔''

نمضی الی الحق عندا کلنا
ہم حق کی ساری باتیں کل کر گزریں گے۔

و نختشی النقمة من ربنا قلت و ربی ساتر غافر
''اور ہم اپنے پروردگار کے انتقام سے ڈرتے ہیں۔ میں نے کہا میرا پالنہار گناہوں پر پردہ ڈالنے والا اور گناہوں کو بخشنے والا ہے۔''

قالت فکم اعیتنا حجة تجتنی بها کاملة بهجة
''اس نے کہا تم نے حجت بازی میں ہمیں عاجز بنا دیا ہے کل تم اس کے سامنے جو مخلوق میں

فیالها بین الوریٰ خجلة
شرمندہ ہے مکمل اور خوش اسلوب پیش کرتا۔''

ان کنت ما تمهلنا ساعة فائت اذا ماهجع الساهر
''اگر تم ہمیں تھوڑی دیر کی مہلت دے سکتے ہو تو جب ہم جاگ رہے ہوں اس وقت آئیں۔''

واسقط علینا کسقوط الندی ایاک ان تظهر حرف النداء
''اور ہمارے پاس شبنم کی طرح ڈھیر ہو جانا لیکن تم آواز نکالنے سے پرہیز کرنا۔''

یستیقظ الراشی و یاتی الردی
جس سے کہیں چغل خور بیدار اور بیکار لوگ نہ آ جائیں۔

و کن کسیف الطیف مسترصدا ساعته لاناه ولا آمر
''اور تم تھوڑی دیر گھات میں رہنے والے خیالی مہمان کی طرح ہو جانا نہ حکم دینا نہ انکار کا معاملہ کرنا۔''

حاججتها عشرا وصافحتها علی دنان الخمر صافیتها
''میں نے اس سے دسیوں بار حجت کی اور مصافحہ کیا' شراب کے مٹکوں پر خالص محبت کا ثبوت دیا۔''

رامت مواثیقا فوافیتها
اس نے عہد و پیمان کئے تو میں نے نبھایا۔

ملتحفا سیفی ولاقیتها آخر لیلی والدجی عاکر
''تلوار کو ڈھکے ہوئے میں نے اس سے آخر شب میں ملاقات کی اور تاریکی چھٹ رہی تھی۔''

یـالیـلة قـضیتهـا خـلـوة مـرتشـفا من ریقها قهوة

''اے وہ رات جس کو میں نے تنہائی میں گزارا' قہوہ کی طرح اس کے لعاب کو چوس رہا تھا۔''

تسـکر من قد یبتغی سکرة

کبھی مدہوش کر دیتی اور کبھی نشہ میں مبتلا کر دیتی۔

قننتها من طیبها لحظة یـالیـت لا کان لها آخر

''میں اس کی خوشبو سے تھوڑی دیر محظوظ ہوتا رہا کاش کہ اس کا آخری لحہ نہ آتا۔''

جب یہ اشعار ابونواس نے مستعین کو سنائے تو اسے بہت ہی پسند آئے۔ چنانچہ اس نے وعدہ کے مطابق انعام واکرام سے نوازا۔ پھر مستعین نے اپنی خلافت سے دستبردار ہونے کے بارے میں اسے گواہ بنالیا اور چند شرطوں کے ساتھ لوگوں کو بیعت سے آزاد کر دیا اور معتز بن متوکل کو خلافت کو سنبھالنے کے لیے پیغام بھیج دیا۔ پھر مستعین محل حسین بن وہب میں منتقل ہوگیا۔ چنانچہ وہ یہاں ۹ ماہ ایک محافظ کی نگرانی میں نظر بند رہا۔ پھر اسے شہر واسط کی طرف اُتار دی گیا۔

اسی دوران معتز نے سعید حاجب کو مستعین کے قتل کرنے کے لیے آمادہ کرلیا۔ چنانچہ سعید نے اس کو اوائل رمضان ۲۵۳ھ میں قتل کر دیا۔ اس کا سر معتز کی خدمت میں اس حال میں پیش کیا گیا کہ وہ شطرنج میں مصروف تھا۔ اس سے یہ کہا گیا کہ یہ معزول شاہ مستعین کا سر ہے تو معتز نے جواب دیا کہ اس کو رکھ دو جب میں کھیل سے فارغ ہو جاؤں گا تو میں اسے دیکھ لوں گا۔ چنانچہ اس نے ملاحظہ کرنے کے بعد دفن کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس کی خلافت دو سال ۹ ماہ رہی۔ ۳۱ سال کی عمر پائی۔

مستعین کا قد متوسط' چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ اس کے باوجود چہرہ پرکشش معلوم ہوتا تھا اور یہ ہکلاتا تھا۔ زبان سے سین کے بجائے ثاء نکلتا تھا۔ شریف اور خرچیلا بادشاہ تھا۔

خلافت ابوعبداللہ محمد معتز باللہ بن متوکل

مستعین کے قتل کے بعد اس کا چچازاد بھائی معتز تخت نشین ہوا۔ ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن کہ مستعین خود بخود خلافت سے دستبردار ہوگیا تھا۔ غالباً ۲۵۲ھ کا واقعہ ہے۔

پھر اس کے دربان صالح وصیف نے اس کے خلاف سازش کی۔ چنانچہ دربان ایک جماعت اپنے ہمراہ لے کر معتز کے پاس آیا اور اس کے پاس آکر نکلنے کی دھمکی دی تو معتز نے فی الوقت دوا کے استعمال کرنے کی وجہ سے باہر نکلنے سے عذر کیا۔ صالح نے چند آدمیوں کو اندر جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ پاؤں پکڑ کر کھینچ لائے پھر اسے سورج کی دھوپ میں کھڑا کر دیا گیا۔ وہ ایک پاؤں کو اُٹھاتا دوسرے کے سہارے کھڑا ہو جاتا۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ لوگ معتز کے طمانچے لگاتے اور یہ کہتے کہ فوراً معزول ہو جاؤ۔ اس کے باوجود طمانچوں کو ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرتا۔ معزول ہونے سے انکار کرتا۔ پھر معتز نے ان کے مطالبہ کو منظور کرلیا اور خلافت سے دستبردار ہوگیا۔

پھر معتز کو صالح بن وصیف کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ چنانچہ اس نے تین دن تک کھانا پینا بند کر دیا پھر ان کو پختہ گچ دار خانہ میں لے جا کر بند کر دیا یہاں تک کہ اس کا انتقال ہوگیا۔ پھر انہیں نکال کر دیکھا گیا تو ان پر بند کرنے کے آثار معلوم نہیں ہوتے تھے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب انہیں معزول کر کے پانچ دن بعد گرم حمام میں داخل کر دیا گیا تو ساتھ ہی کھانا پینا بھی بند کر دیا

گیا۔ جب یہ مرنے کے قریب ہو گیا تو ان کو نمکین پانی پلایا گیا تو وہ فوراً پانی پیتے ہوئے انتقال کر گیا۔

یہ واقعہ غالباً ماہ رجب ۲۵۵ھ میں پیش آیا۔ کل ۲۳ سال کی عمر ہوئی چار سال چھ ماہ تخت نشین رہے۔ معتز نہایت خوبصورت بادشاہ گزرا ہے۔

خلافت جعفر مہتدی باللہ بن ہارون

خلیفہ معتز کے بعد ان کا چچازاد بھائی جعفر بن ہارون واثق بن معتصم تخت نشین رہے۔ دمیریؒ کہتے ہیں کہ میری نظر سے دوسری کتابوں میں یہ بات گزری ہے کہ مہتدی کا نام محمد اور لقب ابو اسحاق تھا۔ ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن کہ معتز کو تخت سے اُتار دیا گیا۔ جب انہیں والی بنا دیا گیا تو انہوں نے لہو ولعب کے سامان کو گھروں سے باہر کر دینے کا حکم صادر فرمایا۔ گانا اور شراب کو حرام قرار دے دیا۔ گانے والیوں کو جلاوطن کر دیا۔ کتوں اور درندوں کے نکالنے کی ہدایت کی۔

جعفر نے خود اپنے اوپر عدالتوں، مجالس، مظالم اور تفکرات کو دور کرنے کی ذمہ داری ڈال لی۔ جعفر کہتے تھے کہ مجھے خداوند قدوس سے شرم آتی ہے کہ بنو عباس میں بنو امیہ کے ممتاز عادل خلیفہ امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز جیسا کوئی خلیفہ نہیں ہوا۔ یہ بات بابک ترکی کو ناگوار گزری۔ بابک ترکی نہایت ظالم اور جابر آدمی تھا۔ چنانچہ مہتدی جعفر نے اس کے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس کے قتل کرنے سے ترکوں میں اشتعال پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ان کے اور مغاربہ کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ دونوں جانب سے چار ہزار آدمی قتل ہو گئے۔ یہ ماجرا دیکھ کر جعفر مہتدی قرآن پاک گردن میں لٹکائے ہوئے باہر نکلا۔ لوگوں سے اپنی نصرت وحمایت کرنے کے لیے دعوت دیتا۔ جعفر مہتدی کا مغاربہ اور کچھ عوام ساتھ دے رہے تھے۔ بابک ترکی کے بھائی طیغا نے ان سب سے مقابلہ کر کے جعفر مہتدی کو شکست دے دی۔

آخرکار جعفر مہتدی تلوار لٹکائے ہوئے شکست کھا کر واپس ہوا۔ جعفر کے جسم میں دو زخم لگ چکے تھے اسی حالت میں جعفر محمد بن یزداد کے گھر میں گھس گیا۔ ترکوں کو جب معلوم ہوا تو ان لوگوں نے حملہ کر کے جعفر کو گرفتار کر لیا۔ پھر احمد بن خاقان نے جعفر کو ایک جانور پر سوار کر کے پیچھے بطور محافظ ہاتھ میں خنجر لے کر بیٹھ گیا۔ پھر جعفر کو احمد بن خاقان کے گھر میں داخل کر دیا گیا۔ چنانچہ لوگ اس کے تھپڑ مارتے اور یہ کہتے تھے کہ اسے خلافت سے معزول کر دو تو جعفر نے انکار کر دیا۔ پھر جعفر کو ایک ایسے آدمی کے حوالہ کر دیا جو اس کے عضو مخصوص سے جماع کرتا تھا یہاں تک کہ انہیں مار ڈالا گیا۔ غالباً یہ واقعہ ماہ رجب ۲۵۶ھ میں پیش آیا۔ کل عمر ۳۷ سال کی ہوئی۔ ۱۱ ماہ تخت نشین رہا۔ بعض قول کے مطابق مکمل ایک سال تخت حکومت پر متمکن رہا۔

جعفر کے عمدہ اوصاف

جعفر مہتدی گندم گوں، پرکشش، دین دار، متقی، پرہیزگار، عابد، انصاف پرور، ہوش مند، مدبر اور حکومت کا اہل بادشاہ تھا۔ لیکن اسے کوئی بہترین مشیر کار نہیں مل سکا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ برابر روزہ رکھتا تھا۔ زیادہ تر روٹی، سرکہ، زیتون کے تیل سے افطار کرتا۔ اس نے لہو ولعب، گانے باجے اور مستی کے تمام مشاغل پر پابندی لگا دی تھی۔ حکام کو ظلم وزیادتی سے روکا اور عدالت میں خود بیٹھتا تھا۔

ایک مناظرہ

حافظ ابوبکر محمد بن حسین بن عبد اللہ بغدادی لکھتے ہیں کہ ابو الفضل صالح بن علی بن یعقوب بن منظور ہاشمی کہتے ہیں (یہ بنو ہاشم کے

شرفاء اور خلفاء میں سے ہیں) کہ میں ایک مرتبہ جعفر مہتدی کے دربار میں بیٹھا ہوا تھا اور جعفر مہتدی دربار عام میں بیٹھ کر لوگوں کے معاملات پر غور و خوض کر رہے تھے۔ اسی دوران قصہ کہانیاں بھی سنائی جاتی تھیں۔ پھر وہ اس میں دستخط کر کے اپنے اصحاب کو قلم بند کرنے کے لیے ہدایت فرماتے۔ مجھے ان کا یہ عمل بہت ہی پسند آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا تو وہ سمجھ گیا اور وہ خود مجھے دیکھنے لگے تو میں نے اپنی نگاہیں نیچی کر لیں۔ اس طرح سے کئی بار ایسا ہوتا رہا۔ جب وہ مجھے دیکھتے تو میں نگاہیں نیچی کر لیتا جب وہ کام میں مشغول ہو جاتے میں پھر دیکھنے لگتا۔

اچانک انہوں نے تھوڑی دیر کے بعد کہا اے صالح! میں نے کہا حضور عالی جاہ بندہ حاضر ہے۔ یہ کہہ کر میں فوراً کھڑا ہو گیا۔ فرمایا تم کو مجھ سے کوئی کام تو نہیں' کچھ کہنا تو نہیں چاہتے؟ میں نے کہا جی حضور کچھ کہنا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا اچھا اپنی جگہ واپس جاؤ۔ چنانچہ میں اپنی جگہ آ گیا۔ آخر کار پھر وہ مجھے دیکھنے لگے۔ یہاں تک کہ کھڑے ہو گئے۔ دربان سے کہا کہ صالح تو ابھی یہیں رہیں گے۔ اتنے میں تمام لوگ اُٹھ کر چلے گئے پھر انہوں نے مجھے اجازت دی۔

میرے جی میں آیا کہ کھڑا ہو جاؤں۔ چنانچہ میں کھڑا ہو گیا۔ میں نے انہیں دُعائیں دیں۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ میں بیٹھ گیا۔ پھر فرمایا صالح جو تمہارے جی میں آ رہا ہے کہو یا جو تمہارے دل میں آ رہا ہو وہ میں کہہ دوں؟ میں نے کہا اے امیر المؤمنین! جس کا آپ نے ارادہ فرمایا ہو وہ آپ فرمائیں تعمیل کی جائے گی۔ (اللہ تعالیٰ تادیر آپ کو سلامت رکھے) تو آپ نے فرمایا گویا کہ میرا خیال تمہارے موافق ہے اور جو باتیں تم نے ہم میں دیکھی ہیں وہ پسند آئی ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ حضور عالی جاہ! کون سا خلیفہ ہے جس نے قرآن پاک کو مخلوق نہ کہا ہو۔ یہ کہہ کر میں نے ایسا محسوس کیا کہ گویا میں نے کوئی بڑی بات کہہ دی ہو۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ صرف ایک مرتبہ تو مرنا ہے' وقت مقررہ سے پہلے کوئی مرتا بھی نہیں ہے اور نہ جھوٹ' مذاق و سنجیدگی دونوں حالتوں میں گوارہ کیا جا سکتا ہے۔ میں نے مزید کہا کہ جو بھی میرے دل میں آیا ہے وہ میں نے کہہ دیا ہے۔

اس کے بعد امیر المؤمنین تھوڑی دیر تک سوچتے رہے پھر فرمایا جو میں کہتا ہوں وہ سنو اور یہ بات یاد رکھو حق ہی بات سنو گے۔ اتنی بات امیر المؤمنین نے کہی تھی کہ میرا غم جاتا رہا۔ میں نے کہا حضور عالی جاہ! آپ سے زیادہ حق بات کہنے کا کون مستحق ہے۔ آپ تو امیر المؤمنین' رب العالمین کے روئے زمین میں خلیفہ ہیں۔ آپ تو اولین و آخرین جناب سید المرسلین ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ میں ہارون واثق کی مخالفت کے آغاز ہی سے قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل رہا۔ یہاں تک کہ ہمارے یہاں ادنتہ شام کے علاقے سے شیخ احمد بن ابی داؤد تشریف لائے۔ کچھ دنوں کے بعد ہارون واثق کے دربار میں خوبصورت' معتدل القامت' پر کشش بوڑھے کو بیڑیوں میں جکڑ کر حاضر کیا گیا۔ اس وقت میں نے واثق کو دیکھا کہ وہ اس سے شرما کر مہربانی کا معاملہ کرنے لگا اسے قریب بٹھا لیا۔ بوڑھے نے حسن اسلوب سے سلام کیا۔ مختصر الفاظ میں دعائیہ کلمات کہے۔ پھر واثق نے کہا شیخ تم ابن ابی داؤد سے مناظرہ کرو۔ جس موضوع پر وہ بحث کرنا چاہیں تم ان کا تشفی بخش جواب دو۔ شیخ نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین ابن ابی داؤد مجھ سے کیا مناظرہ کرے گا۔ وہ کم علم' کمزور و ناتواں ہے۔ یہ سن کر واثق غصہ میں آ گیا اور اس کی مہربانی اشتعال سے بدل گئی۔ ابن ابی داؤد نے کہا شیخ میں تم سے مناظرہ نہیں کر پاؤں گا کیا میں تم سے کم علم' کمزور و ناتواں ہوں؟ شیخ نے کہا امیر المؤمنین آپ کوئی پرواہ نہ کیجئے آپ مجھے ان سے مناظرہ کی اجازت دیجئے۔ واثق نے کہا میں نے تم کو مناظرہ کے سوا اور کسی کام کے لیے نہیں بلایا ہے۔

شیخ نے کہا اے احمد بن ابی دواؤد تم مجھے اور عوام الناس کو کب تک اس عقیدے کی دعوت دیتے رہو گے؟ ابن ابی داؤد نے کہا اس وقت تک جب تک آپ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل نہ ہو جائیں۔ اس لیے کہ بات بالکل واضح ہے کہ خداوند قدوس کے علاوہ دُنیا کی

ہر شئے پیدا کی گئی ہے۔قرآن بھی شئے میں داخل ہے اس لیے مخلوق ہے۔

شیخ نے کہا عالی جاہ! امیر المؤمنین آپ ہم دونوں کے مباحثہ پر غور کریں اور ضبط فرماتے رہیں۔شیخ نے احمد بن ابی داؤد کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ اے احمد قرآن کے مخلوق ہونے کے بارے میں جو تمہارا عقیدہ ہے یہ یا تو دین کی ضروریات میں سے ہوگا یا نہیں اس معنی میں کہ بغیر اس عقیدے کے دین ہی مکمل نہ ہو۔احمد نے کہا ہاں بغیر اس عقیدے کے دین ہی مکمل نہیں ہوتا۔شیخ نے کہا اے احمد جب جناب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور آپؐ نے دین کی تبلیغ کی آیا آپ نے دین کی کوئی بات چھپائی ہے باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مامور فرمایا تھا۔احمد نے کہا نہیں آپؐ نے دین کی کوئی کسر باقی نہیں رکھی اور نہ آپؐ نے کوئی بات چھپائی ہے۔شیخ نے کہا تو کیا رسول اللہ ﷺ نے اس عقیدے کی دعوت دی ہے؟ یہ سن کر احمد خاموش ہو گیا۔شیخ نے کہا احمد جواب دو۔اس کے باوجود بھی احمد خاموش رہا۔

اتنے میں شیخ خلیفہ واثق کی طرف متوجہ ہوا اور یوں کہا کہ امیر المؤمنین یہ میری پہلی دلیل ہوگئی۔خلیفہ نے کہا ہاں یہ تمہاری پہلی دلیل ہوگئی۔پھر شیخ نے کہا اے احمد جناب رسول اللہ ﷺ پر قرآن کریم کی کون سی آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے؟ احمد نے جواب دیا کہ یہ آیت کریمہ سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً. (سورۃ المائدہ)

''آج ہم نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام مذہب پسند کیا۔''

شیخ نے کہا احمد یہ بتاؤ کیا اللہ جل شانہٗ دین کے مکمل کر دینے کے سلسلے میں سچے ہیں یا تم جو دین کے ناقص ہونے کا دعویٰ کرتے ہو تم سچے ہو؟ اگر تم سچے ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک تمہارے عقیدے کے مطابق قرآن کریم کو مخلوق نہ مانا جائے' دین کامل و مکمل نہیں ہو سکتا۔یہ سن کر احمد بن ابی داؤد خاموش ہو گیا۔

شیخ نے کہا احمد میری بات کا جواب دو۔لیکن احمد نے کوئی جواب نہ دیا۔

شیخ نے کہا اے امیر المؤمنین اب میری دو دلیلیں ہوگئیں۔واثق نے کہا ہاں تمہاری دو دلیلیں ہوگئیں۔

پھر شیخ نے کہا اے احمد قرآن کے مخلوق ہونے کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ کو علم تھا یا نہیں؟ احمد نے کہا ہاں آپؐ کو اس بارے میں علم تھا۔شیخ نے کہا تو کیا آپؐ نے لوگوں کو اس کی دعوت دی ہے یا نہیں دی؟ یہ سن کر احمد بن ابی داؤد خاموش ہو گیا۔

شیخ نے کہا اے امیر المؤمنین! اب میری تین دلیلیں ہوگئیں۔

واثق نے کہا ہاں تمہاری تین دلیلیں ہوگئیں۔

پھر شیخ نے کہا اے احمد! تمہارے اس قول کے مطابق کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو قرآن کے مخلوق ہونے کے بارے میں علم تھا۔پھر کیا جناب رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ مناسب تھا کہ انہیں کسی چیز کا علم ہو اور وہ اُمت کو اس کی دعوت نہ دیں۔اس کے باوجود آپ نے اُمت کو اس کی دعوت نہیں دی۔احمد نے کہا ہاں۔پھر شیخ نے مزید کہا کہ سیدنا ابوبکر صدیق وعمر بن الخطاب وعثمان بن عفان وعلی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم خلفاء اربعہ کے لیے یہ گنجائش تھی۔اس کے باوجود ان لوگوں نے بھی اُمت سے اس عقیدے کا مطالبہ نہیں کیا۔احمد نے کہا ہاں۔اتنی باتیں کر کے شیخ نے احمد بن ابی داؤد کی طرف سے رُخ موڑ لیا۔پھر خلیفہ واثق کی طرف متوجہ ہوئے اور یوں کہا کہ حضور والا آپ سے بندہ نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ احمد مجھ سے مناظرہ نہیں کر سکتا۔وہ کم علم کمزور ناتواں ہے۔

اے امیر المؤمنین! اگر آپ لوگوں کو اس عقیدے سے باز رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے جس کی گنجائش نہ تو جناب سید المرسلین ﷺ

نے دی ہے اور نہ خلفائے اربعہ نے دی ہے تو یاد رکھئے اللہ جل شانہٗ ان کو ہرگز طاقت نہ دے جن کو اس عقیدے سے روکنے کی تاب نہیں ہے۔ جس عقیدے کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے اور نہ گنجائش رکھی ہے۔

ہارون واثق نے کہا اگر ہم میں سے کسی کو اس عقیدے سے روکنے کی طاقت نہیں ہے جس کی گنجائش نہ ہو تو آفتاب نبوت نے دی ہے اور نہ خلفاء اربعہ نے' تو اللہ پاک ہمیں بھی اس کی گنجائش نہ دے۔

اس کے بعد ہارون نے شیخ کی بیڑیوں کو کاٹ دینے کا حکم دیا۔ جب ان کی بیڑیاں کاٹ دی گئیں تو شیخ نے بیڑی کو ہاتھ سے اُٹھانے کے لیے جھکے تو شیخ کو لوہار نے پکڑ لیا۔ واثق نے یہ دیکھ کر کہا شیخ کو مت پکڑو انہیں لینے دو۔ چنانچہ شیخ نے اسے لے کر آستین میں رکھ لیا۔ اس دوران شیخ سے یہ پوچھا گیا کہ تم لینے کے سلسلے میں باہم کیوں کشمکش ہوئے۔ شیخ نے کہا میرا یہ ارادہ تھا کہ میں اسے لے کر یہ وصیت کروں گا کہ جب میں مر جاؤں تو اسے میرے کفن میں رکھ دیا جائے تا کہ میں خداوند قدوس کی بارگاہ میں اس کو لے کر اس ظالم سے مقدمہ لڑوں گا اور اپنے پروردگار سے یہ کہوں گا کہ آپ اپنے بندے سے یہ پوچھئے کہ اس نے مجھے بیڑیاں ڈال کر کیوں قید کیا تھا اور اس نے میرے گھر والوں' بچوں اور بھائیوں کو کیوں خوف زدہ کیا تھا۔ اتنا کہنا تھا کہ شیخ خود رو پڑا اور واثق بھی اشکبار ہو گیا۔ ابوالفضل صالح ہاشمی کہتے ہیں کہ میں بھی رو پڑا۔

پھر واثق نے شیخ سے یہ کہا کہ جو بھی تکلیف آپ کو اس سلسلہ میں پہنچی ہے آپ انہیں معاف فرما کر درگزر کر دیں۔ شیخ نے جواب دیا خدا کی قسم! اے واثق! میں نے تو محض جناب رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے آپ کی نسبت ہونے کی وجہ سے پہلے ہی دن درگزر کر چکا تھا۔ واثق نے کہا شیخ مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ شیخ نے کہا کہ اگر وہ کام لائق عمل ہو گا تو میں ضرور کروں گا۔ واثق نے کہا اگر آپ ہمارے سامنے کھڑے ہو جائیں تو ہمارے نوجوان آپ سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔ شیخ نے کہا اے امیر المؤمنین! اگر آپ مجھے اسی جگہ واپس کر دیں جہاں سے اس ظالم نے مجھے نکالا ہے تو مجھے یہ آپ کے پاس کھڑے ہونے سے زیادہ بہتر ہے۔ اس وقت میں اپنے اہل وعیال میں جانا چاہتا ہوں تا کہ میں ان لوگوں کو آپ پر بددعا کرنے سے روک دوں ورنہ میں نے انہیں بددعا کرنے کی تاکید کر دی تھی۔

واثق نے کہا شیخ کیا آپ ہم سے اپنی ضروریات و پریشانیوں میں استعمال کرنے کے لیے کسی قسم کا ہدیہ قبول فرمائیں گے۔

شیخ نے کہا اے امیر المؤمنین میں اپنے لیے ہدیہ لینا درست نہیں سمجھتا اس لیے کہ میں خود مالدار آدمی ہوں مجھے ضرورت نہیں ہے۔

واثق نے کہا اس کے علاوہ اگر کوئی ضرورت ہو تو بتائیں۔ شیخ نے کہا کہ آپ اس ضرورت کو دور کر دیں گے۔ واثق نے کہا جی ہاں۔ شیخ نے کہا آپ مجھے اس وقت جانے دیجئے بس یہی ضرورت ہے واثق نے کہا اچھا جائیے' اجازت ہے۔

چنانچہ موقع پا کر سلام کر کے رُخصت ہو گئے۔

صالح کہتے ہیں کہ مہتدی باللہ نے کہا کہ بس میں نے اس دن سے قرآن کے مخلوق ہونے کے عقیدہ سے توبہ کر لی اور میرا بھی یہی گمان ہے کہ واثق نے بھی اس وقت سے توبہ کر لی تھی۔ یہ واقعہ دوسرے انداز سے بھی دیگر کتابوں میں موجود ہے۔ اسی لیے اس واقعہ میں کچھ تغیر و تبدل بھی ہے اس لیے کہ یہ واقعہ مختلف انداز سے مروی ہے۔ اس سے قبل بھی ہارون واثق کے حالات میں توبہ کرنے کا واقعہ گزر چکا ہے۔

خلافت ابوالقاسم احمد معتمد علی اللہ بن متوکل

جعفر مہتدی کے بعد ان کے چچازاد بھائی احمد معتمد علی اللہ تخت نشین ہوئے۔ ان سے بیعت سرمن رائے میں اس دن لی گئی جس دن

کہ ان کے چچازاد بھائی جعفر مہتدی کو قتل کر دیا گیا تھا اس لیے کہ ان ہی کو ولی عہد نامزد کر دیا گیا تھا۔ لیکن یہ برائے نام خلیفہ تھے۔ ان کے بھائی موفق بن متوکل کو ان کا مشیر کار بنا کر مملکت کے امور اس کے سپرد کر دیئے گئے۔ لیکن جس وقت موفق کا انتقال ہو گیا تو پھر موفق کے بیٹے اور معتقد بن موفق کو مشیر کار بنا کر مملکت کے امور سپرد کر دیئے گئے۔ نیز احمد معتقد اپنے چچازاد معتمد کی بہ نسبت کمزور و مغلوب رہتے تھے۔ جس طرح کہ احمد معتضد کے والد محترم معتمد پر فائق اور غالب رہتے تھے۔ چنانچہ معتمد اگر کسی حقیر چیز کا مطالبہ کرتے تو انہیں دستیاب نہیں ہوتی تھی۔ گویا احمد معتمد نام کا خلیفہ تھا۔ شاعر نے بھی اس سلسلے میں اس طرح لب کشائی کی ہے ؎

الیس من العجائب ان مثلی یری ماقل ممتنعا علیه

''کیا یہ عجائبات میں سے نہیں ہے کہ مجھ جیسے آدمی کے لیے حقیر چیز بھی ناممکن الحصول ہے۔''

وتوخذ باسمه الدنیا جمیعا وما من ذاک شئی فی یدیه

''حالانکہ ساری دُنیا انہیں کی ذات سے منسوب ہے لیکن ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے۔''

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ احمد معتمد نے ایک دن دریا کے کنارے اتنی زیادہ شراب نوشی کر لی تھی کہ جس کی وجہ سے اس کے ہوش وحواس گم ہو گئے۔ اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔

بعض نے یہ لکھا ہے کہ یہ کسی غم میں مبتلا تھا چنانچہ بستر میں سوتے ہوئے انتقال کر گیا۔ کچھ حضرات نے یہ لکھا ہے کہ انہیں گوشت میں زہر ملا کر کھلا دیا گیا تھا جس کی وجہ سے اس کی وفات ہوئی۔

وفات کا واقعہ تقریباً ماہ شوال ۲۷۹ھ میں پیش آیا۔ کل ۵۰ سال کی عمر پائی۔ ۲۳ سال تخت نشین رہا۔ غالباً بغداد میں انتقال ہوا۔

احمد معتمد گندم گوں، مناسب قد، نرم مزاج تھا۔ چہرہ گول، آنکھیں پرکشش اور داڑھی چھوٹی تھی۔ یہ جلد ہی بوڑھے ہو گئے تھے۔ لہو ولعب اور عیش میں گم سم رہتے تھے۔ نشہ کی حالت میں اور شدت مستی میں یہ اپنے ہاتھوں کو دانت سے کاٹتا تھا۔

خلافت ابوالعباس احمد معتضد باللہ بن موفق

احمد معتضد سے بیعت اس دن لی گئی جس دن کہ ان کے چچا معتمد کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ ان کی حکومت مستحکم ہو گئی۔ معتضد نہایت بہادر، عدل پرور، بارُعب، متشدد، مدبر، نہایت چالاک، ذی رائے اور جاہ وجلال کا بادشاہ تھا۔ (عنقریب ہی مختصر حالات آ جائیں گے) یہ جماع کا عادی تھا جو اس کی موت کا باعث بن گیا۔ یہ عدل وانصاف کا دلدادہ اور مؤثر خلیفہ تھا۔ اس بارے میں اس کے بہت سے قصے بھی مشہور ہیں۔

معتضد کی وفات ۲۳ ربیع الثانی ۲۹۰ھ میں ہوئی۔ ۴۶ سال کی عمر ہوئی۔ بعض نے صرف ۴۰ سال لکھا ہے۔ ۹ سال ۹ ماہ تخت نشین رہا۔ بعض نے اس کی مدت خلافت کل ۱۰ سال لکھی ہے۔ یہ گندم گوں شکل وصورت رکھنے والا بادشاہ تھا۔

خلافت ابومحمد علی مکتفی باللہ بن معتضد

معتضد کے بعد ان کے بیٹے مکتفی باللہ تخت نشین ہوئے ان کا سلسلہ نسب یوں ہے:

ابومحمد علی بن مکتفی باللہ بن معتضد بن موفق بن متوکل بن معتصم۔

ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن ان کے والد معتضد کا انتقال ہوگیا۔ مکتفی کی وفات بغداد میں ۲۹۳ھ میں ہوئی۔ کل ۳۴ سال کی عمر پائی۔ بعض نے صرف ۳۰ سال کی تصریح کی ہے۔ ۲ سال ۸ ماہ تخت نشین رہے۔ مؤرخین یہی تاریخ وفات مدت خلافت اور عمر لکھتے ہیں۔

امام ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ مکتفی کی وفات ماہ ذی قعدہ ۲۹۹ھ میں ہوئی۔ ۳۱ سال کی عمر ہوئی۔ ساڑھے چھ سال تخت نشین رہے۔

خصائل و عادات

مکتفی نہایت خوب صورت، حسن میں انوکھا، نکھار، رنگ بے غبار، قد متوسط، کالے بال، حسن عقیدے کا مالک اور خون ریزی کو ناپسند کرنے والا تھا۔ مکتفی کے لیے ان کے والد معتضد نے ملکی حالات کو آسان کر کے رکھ دیا تھا۔ مکتفی حب علیؓ کی طرف مائل تھا۔ اپنی اولاد کا محسن تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شاعر یحییٰ بن علی نے مقام رقہ میں ایک قصیدہ لکھا جس میں اولاد علیؓ کے مقابلے میں بنو عباس کی فضیلت کا ذکر کیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ منظوم کلام سنتے ہی مکتفی نے پڑھنے سے روک دیا اور کہا تم بنو علی کی گویا ہجو کرتے ہو۔ کیا وہ ہمارے چچا کے خاندان سے رشتہ دار نہیں ہیں۔ مجھے اپنے رشتہ داروں کے بارے میں تنقیص بالکل پسند نہیں۔

بنو علی میں اگر چہ بہت سے لوگوں نے خلافت نشینی کی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بنو علی کی ہجو کرو اس لیے کہ اگر چہ وہ ہمارے چچا کے خاندان کی نسبت سے رشتہ دار ہوتے ہیں لیکن میں ان کی برائی سننا پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ نہ قصیدہ پڑھا گیا اور نہ سُنا گیا۔

خلافت ابوالفضل جعفر مقتدر باللہ

یہ چھٹے خلیفہ ہوئے اور انہیں دو مرتبہ معزول کیا گیا ہے

پھر مکتفی باللہ کے بعد ان کے بھائی ابوالفضل جعفر مقتدر بن معتضد تخت نشین ہوئے۔ ان سے بیعت بغداد میں اس دن لی گئی جس دن ان کے بھائی کا انتقال ہوا۔ بیعت کے وقت مقتدر باللہ کی کل عمر ۱۳ برس ۴۰ دن تھی۔ اتنی چھوٹی سے عمر میں اب تک کوئی خلیفہ نہیں بنایا گیا اور نہ ان کے بعد اتنی قلیل عمر میں خلیفہ چنا گیا۔ مقتدر باللہ بعد میں کمزور ہوگیا۔ یہاں تک کہ اسی کے دور خلافت میں سلطنت کمزور پڑ گئی۔

ایک عجیب حکایت

صاحب النشوان لکھتے ہیں کہ معتضد کا غلام صافی کہتا ہے کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ خلیفہ معتضد دارالحرم تشریف لے جا رہے تھے میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ جب یہ مقتدر کے مکان کے دروازے کے قریب پہنچے۔ اچانک کھڑے ہو کر کچھ سننے لگے اور پردوں کے کنارے سے کچھ دیکھنے لگے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ مقتدر باللہ کو تخت نشین ہوئے کل پانچ برس گزر رہے تھے۔ آپ کیا دیکھتے ہیں کہ مقتدر مکان کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ اردگرد تقریباً اس کے ہم عمر دس نوکرانیاں بھی موجود ہیں۔ چاندی کی بڑی پلیٹ میں انگور کے خوشے رکھے تھے۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ انگور نایاب ہوتے ہیں خود مقتدر انگور کا ایک خوشہ کھاتا ہے اور نوکرانیوں کو ایک ایک انگور کھلا رہا ہے۔ اس طرح سے انگور کھانے کا دور چل رہا تھا۔ پھر جب دوبارہ باری آتی تو خود تنہا ان سب کے حصے کے برابر کھاتا۔ یہاں تک کہ انگور کا خوشہ ختم ہوگیا۔ یہ ماجرا دیکھ کر معتضد غصہ سے سُرخ ہوگیا۔ فوراً وہاں سے واپس ہوا۔ لیکن گھر میں داخل نہیں ہوا۔

صافی غلام کہتا ہے کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ معتضد مغموم ہوتے چلے جارہے ہیں۔ فوراً میں نے عرض کیا کہ آقائے من آپ نے یہ سب کچھ دیکھا۔ اس کے کیا اسباب ہیں؟ معتضد نے جواب دیا خدا کی قسم! اگر مجھے عار محسوس نہ ہوتی اور جہنم کا خوف نہ ہوتا تو میں آج اس بچے (مقتدر) کو قتل کردیتا۔ اس لیے کہ مجھے مقتدر کے قتل کرنے میں اُمت کی فلاح و بہبود نظر آتی ہے۔ میں نے کہا کہ حضور والا! آخر اس بچے نے کیا کام کیا ہے آپ کو اس کی کون سی بات بُری معلوم ہوئی۔ معتضد نے جواب دیا کہ دیکھو میں جو بھی کہتا ہوں وہ تجربہ کی روشنی میں کہتا ہوں۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ میں نے تمام معاملات میں سدھار پیدا کردیا ہے اور دُنیا کو شر و فساد سے پاک کردیا ہے اس لیے اب میں مرجاؤں گا۔ مجھے خوف ہے کہ لوگوں کو میرے بیٹے مکتفی کے علاوہ اور کوئی بھی خلافت کے لیے بہتر نہیں مل سکتا اور نہ عوام اس کے علاوہ کسی کو چن سکتے ہیں۔ جلد ہی میرے بیٹے کو تخت کا مالک بنادیں گے لیکن مجھے اُمید نہیں ہے کہ بیٹا مکتفی تادیر زندہ رہے گا۔ اس کی طویل عمر نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اسے کنٹھ مالا کی شکایت ہے۔ بہت جلد ہی انتقال کر جائے گا۔ پھر مکتفی کے انتقال کے بعد لوگ مقتدر کو کم عمری میں ہی خلیفہ بنادیں گے۔ مقتدر فطری طور پر سخی واقع ہوا ہے۔

اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جتنا اس نے خود کھایا ہے اتنا ہی اس نے تمام باندیوں کو کھلایا ہے حالانکہ انگور ان دنوں نایاب ہوتے ہیں اور بچوں کی طبیعتوں میں حرص و لالچ زیادہ غالب ہوتی ہے۔ اس کی کم عمری کی وجہ سے اس کے پاس عورتوں کا ہجوم زیادہ رہا کرے گا یہ تمام جمع شدہ مال کو لٹادے گا جس طرح کہ اس نے انگور کو تقسیم کردیا ہے اسی طرح سے یہ بیت المال کا صفایا کردے گا۔ اس کے اثرات یہ ہوں گے کہ سرحدیں کمزور ہوجائیں گی، معاملات بڑھ جائیں گے۔ مقدمات بھاری ہوجائیں گے۔ لوگ بیعت سے کترانے لگیں گے۔ ایک جم غفیر خروج کے لیے تیار رہے گا یہاں تک کہ وہ تمام اسباب پیدا ہوجائیں گے جس سے بنو عباس کی خلافت کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

میں نے کہ حضور والا! آقائے من اللہ پاک آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ مقتدر آپ ہی کے زیر نگرانی تربیت حاصل کرے۔ آپ ہی کی زندگی میں ادھیڑ عمر کو پہنچ جائے اور آپ ہی کے حسن اخلاق و آداب میں رنگ جائے۔ خدا کرے جو آپ کے ذہن میں باتیں آئی ہیں ویسا نہ ہو۔

معتضد نے کہا تمہارا بُرا ہو صافی یاد رکھنا ہوگا وہی جو میں نے کہا ہے۔

صافی کہتا ہے کہ میں ایک مرتبہ مقتدر کے سرہانے کافی دیر کھڑا رہا۔ وہ عیش و عشرت، لہو ولعب میں مست تھے۔ اچانک مال و دولت حاضر کرنے کا حکم صادر کیا۔ چنانچہ بیت المال سے تھیلی لے آئی گئی انہوں نے اس رقم کو باندیوں پر لٹادیا اور ان کے ساتھ کھیلنے لگا۔ مجھے فوراً آقا معتضد کا خیال آیا۔ یہ مستی دیکھ کر وزیر اور تمام فوجی مقتدر پر جھپٹ پڑے۔ اس کے بعد سب لوگ عبداللہ بن معتز کی خدمت میں آئے اور ان سے بیعت ہوگئے۔

خلافت عبداللہ بن عبدالمعتز المرتضی باللہ

ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن کہ مقتدر کو معزول کردیا گیا۔ ان شرائط پر بیعت ہوئی کہ اب نہ تو جنگ کی جائے گی اور نہ خون ریزی کی شکایت ہونی چاہیے۔ چنانچہ بیعت کے بعد مقتدر کے پاس یہ لکھ کر ہدایت کردی گئی کہ وہ اپنی والدہ اور باندیوں کے ہمراہ ابن طاہر کی منزل میں قیام پذیر رہیں۔ اسی کے ساتھ حسن بن حمدان اور کوتوال ابن عمرویۃ کو یہ تاکید کی گئی تھی کہ یہ دونوں مقتدر کے گھر میں جا کر محافظ بن کر رہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کے پیچھے دو غلام لگ گئے جو پتھروں کی بارش کرنے لگے۔ پھر کیا تھا دونوں فریق میں زبردست

جنگ ہوگئی۔ آخر کار مقتدر کے ہمنوا غالب آ گئے۔ دونوں غلام شکست خوردہ واپس ہوئے۔ مرتضٰی باللہ بھی شکست کھا گیا۔ اس کے ہمراہی منتشر ہو گئے۔ مرتضٰی باللہ ابن الجصاص کے گھر میں جا کر چھپ گیا۔ گویا مرتضٰی باللہ کے ہاتھ حکومت چوبیس گھنٹے سے بھی زیادہ نہ رہی اس لیے مؤرخین ان ایام میں کسی کی بھی خلافت تسلیم نہیں کرتے۔

کچھ دنوں کے بعد مقتدر باللہ کی طاقت پھر عود کر آئی چنانچہ یہ مرتضٰی باللہ پر غالب آ گیا۔ اس کا گلا گھونٹ کر قتل کر ڈالا اور لوگوں سے یہ بتایا کہ مرتضٰی کا انتقال طبعی موت سے ہوا ہے۔ پھر مرتضٰی کو دار الخلافت سے نکال کر اس کے گھر کے سامنے ویرانے میں دفن کر دیا۔ مرتضٰی باللہ کی عمر اس وقت تقریباً ۵۰ سال کی تھی۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ مرتضٰی باللہ زبردست شاعر، فصیح زبان اور شگفتہ بیان تھے۔ علماء کرام اور ادیبوں سے تعلق رکھتے۔ بہترین تشبیہات پر قادر تھے۔ ان سے بڑھ کر کوئی بھی سامنے نہیں آیا۔ پھر بعد میں ایک جماعت نے ان کا زبردست ساتھ دیا جنہوں نے مقتدر کو معزول کرنے میں بھرپور تعاون کیا۔ پھر مرتضٰی باللہ سے بیعت ہو گئے۔ مرتضٰی باللہ چوبیس گھنٹے بھی خلافت پر نہیں رہ سکے تھے کہ مقتدر باللہ کے ہم نواؤں نے تخریب کاری شروع کر دی۔ مرتضٰی باللہ کے ہمراہیوں سے جنگ ہوگئی۔ آخر کار مرتضٰی کے ساتھی تتر بتر ہو گئے۔ مرتضٰی کہیں روپوش ہو گیا حتیٰ کہ اسے رات میں گرفتار کر لیا گیا۔ جس وقت مرتضٰی کو گرفتار کر کے مقتدر کے پاس حاضر کیا گیا تو اس نے برف میں ننگا لٹکا دینے کا حکم دے دیا۔ پھر وہ برابر برف میں پڑا رہا۔ مقتدر اس دوران شراب نوشی میں مست تھا۔ یہاں تک کہ مرتضٰی کا انتقال ہو گیا۔ یہ واقعہ تقریباً ماہ ربیع الاول ۲۹۶ھ میں پیش آیا۔ اسی لیے مرتضٰی کا شمار خلفاء میں نہیں کیا جاتا۔ اس لیے کہ یہ حکومت کو ایک دن بھی نہیں سنبھال پایا اور نہ کسی قسم کا کنٹرول کر سکا۔

اس کے بعد مقتدر باللہ کی حکومت مستحکم ہوگئی اور کچھ دنوں کے بعد مونس خادم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ مقتدر اس کے خلافت سازش کر کے گرفتار کرانا چاہتا ہے حالانکہ مونس اس دوران فوج کے اگلے دستہ کی کمان کرتا تھا تو مقتدر نے اس کا انکار کیا کہ میرے ذہن میں اس قسم کی کوئی سازش نہیں ہے۔ مونس نے حتی الامکان اس بات کے چھپانے کی کوشش کی لیکن چھپ نہیں سکی، زبان زد عام ہوگئی۔ اس کے بعد رعایا اور بعضے غلاموں کے درمیان ٹھن گئی۔ لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ یہ سب کچھ مقتدر باللہ کے اشارہ پر ہو رہا ہے۔ چنانچہ مونس نے ۱۲ ہزار گھوڑ سواروں کو ساتھ لے کر دار الخلافت پر اچانک حملہ کر دیا اور مقتدر کے پاس جا کر اس کو اور اس کی ماں سیدہ کو گرفتار کر کے اپنے محل میں لے آیا۔ اس دوران میں فوجوں نے دار الخلافت کو لوٹ لیا۔

مقتدر نے جب یہ حالات دیکھے تو خود بخود معزول ہو گیا اور معزول ہونے کی تحریر سارے ملک میں ارسال کر دی۔ معزول ہونے کے بعد جب دوسرے دن کا سورج طلوع ہوا تو فوجیوں نے فساد برپا کر دیا۔ کوتوال کو قتل کر دیا اور وزیر ابن مقلہ بھاگ کھڑا ہوا۔ دربان فرار ہو گئے۔

پھر کچھ دنوں کے بعد مقتدر باللہ واپس آیا اور تخت نشین ہو گیا۔ اس کے بعد اپنے بھائی قاہر باللہ کو بلایا۔ اپنے سامنے بٹھایا، پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا کہ بھائی قاہر اس میں تمہاری کوئی خطا نہیں ہے۔ قاہر نے جواب میں کہا امیر المؤمنین! میں اپنے بارے میں خدائے پاک سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر مقتدر باللہ نے کہا کہ خدا کی قسم! اور رسول اللہ ﷺ کے حقوق کی قسم کبھی بھی میں نے آپ کے خلاف سازش نہیں کی۔

پھر معلوم ہوا کہ وزیر ابن مقلہ بھی واپس آ گیا۔ اس کے بعد دوبارہ مقتدر باللہ کے بارے میں سارے ملک میں تحریر بھیج دی گئی۔ سوء

اتفاق سے پھر مقتدر اور اس کے غلام مونس کے مابین جنگ ٹھن گئی۔ اچانک پھر مقتدر نہر سکران میں کود پڑا۔ چنانچہ موقع پا کر بربری قوم نے اس کو گھیر لیا۔ آخر کار ایک بربری نے مقتدر کو قتل کر دیا۔ سر کاٹ کر اس کے کپڑے اُتار لیے۔ پھر سارے بربری مونس کے پاس آ گئے۔ اسی دوران ایک شخص قبیلہ اکراد کا گزر رہا تھا۔ اس نے یہ دیکھا کہ مقتدر قتل کیا ہوا برہنہ پڑا ہوا ہے تو اس نے گھاس پھوس سے ڈھک کر اس طرح زمین میں دفن کر دیا جس سے قبر کے نشانات معلوم نہیں ہو رہے تھے۔

مقتدر باللہ کے قتل کا واقعہ بروز بدھ ۲۷ شوال ۳۱۶ھ میں پیش آیا۔ کل ۳۸ سال ایک ماہ کی عمر ہوئی۔ تخت خلافت پر ۲۴ سال ۱۱ ماہ فائز رہا۔ اس دوران یہ دو مرتبہ اُتارا گیا پھر اسے آخر میں قتل کر دیا گیا۔

ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ مقتدر ۲۵ سال تک خلافت کرتے رہے۔ ۳۸ سال کی عمر پائی۔ یہ نہایت خرچیلا، فضول پیسہ لٹانے والا، کم عقل، ناقص رائے خلیفہ تھا۔ اس نے اپنی ایک لونڈی کو بہترین قسم کا قیمتی موتی انعام میں دے دیا تھا جس کا وزن تقریباً ۳ مثقال تھا یا اتنی قیمت کا موتی تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ اس موتی کی قیمت اس عہد خلافت میں ۸۰ لاکھ دینار تھی۔ مقتدر باللہ اولاد میں راضی باللہ، متقی باللہ، اسحق اور مطیع اللہ وغیرہ کو چھوڑ کر دُنیا سے رُخصت ہو گیا۔

خلافت محمد قاہر باللہ

مقتدر باللہ کے بعد ان کے بھائی ابو منصور محمد قاہر بن معتضد باللہ تخت نشین ہوئے۔ ان سے بیعت غالباً ماہ شوال کی اختتامی دوراتوں میں بغداد میں لی گئی۔ جب انہیں خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے اپنے بھتیجے مکتفی باللہ کو گرفتار کرا لیا۔ پھر مکتفی باللہ کو ایسے گھر میں رکھا گیا جسے اینٹوں اور گچ سے بند کر دیا گیا تھا۔ آخر کار مکتفی اسی حالت میں انتقال کر گیا۔ اسی طرح قاہر نے مقتدر کی ماں سیدہ کو بھی گرفتار کرا لیا اور ان سے اتنا فدیہ کا مطالبہ کیا جو ان کی طاقت و سکت سے زیادہ تھا۔ ان کو ڈرایا دھمکایا، مارا اذیتیں دیں۔ طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا کیا یہاں تک کہ سیدہ کو اُلٹا لٹکایا کہ پیشاب بہہ کر منہ میں آتا تھا اور سیدہ یہ کہتی تھیں کہ کیا میں کتاب اللہ کی رو سے تمہاری ماں نہیں ہوتی؟ کیا میں نے پہلی مرتبہ اس سے قبل اپنے بیٹے سے تجھے نجات نہیں دلوائی؟ اس کے باوجود تم مجھے سزائیں دے رہے ہو۔ فدیہ اس وقت مانگ رہے ہو جب کہ میرے پاس مال و دولت ختم ہو گیا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد سیدہ کا انتقال ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد قاہر باللہ کے فوجیوں نے بغاوت کر دی۔ فساد برپا کر کے دیوان کے ہر گیٹ سے حملہ کر دیا آخر کار قاہر غسل خانہ کی چھت سے بھاگ کر کسی جگہ چھپ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد فوجیوں نے آ کر قید کر لیا۔ خلافت سے معزول کر کے آنکھیں نکال لیں۔ غالباً یہ حادثہ ماہ جمادی الثانیہ ۳۲۲ھ میں پیش آیا۔

ابن البطریق لکھتے ہیں کہ قاہر باللہ نے چند گھناؤنے قسم کے جرائم کیے تھے جن کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ پھر اس کے بعد ایک طویل مضمون لکھا ہے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں بغداد کی جامع مسجد منصور میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کا چہرہ مسخ ہے جسم پر زرد رنگ کا جبہ اور روئی کا گدا ہے۔ اس حالت میں وہ یہ کہہ رہا ہے کہ لوگو! تم میری صدقات وغیرہ سے مدد کرو۔ کل میں امیر المؤمنین تھا اور آج میں مسلمانوں میں سب سے زیادہ فقیر ہو گیا ہوں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ بھائی ان کے بارے میں کیا معلومات ہیں تو مجھے یہ بتایا گیا کہ یہ قاہر باللہ ہے۔

اس واقعہ سے لوگوں کو عبرت حاصل کرنا چاہیے (اللہ اپنے غیظ و غضب سے پناہ میں رکھے)۔

قاہر باللہ کی خلافت ۱ سال ۶ ماہ اور ایک ہفتہ رہی۔ قاہر زبردست بے ہودہ، خون ریز، نشہ باز خلیفہ تھا۔ اس کے پاس ایک نیزہ تھا

جب تک یہ اس کے ذریعہ سے کسی کو قتل نہیں کر دیتا تھا اسے نہیں رکھتا تھا اگر سلیم الطبع دربان موجود نہ ہوتے تو یہ لوگوں کو تباہ کر دیتا۔

خلافت ابوالعباس احمد راضی باللہ بن مقتدر

قاہر باللہ کے بعد ان کے بھائی ابوالعباس احمد راضی باللہ بن مقتدر تخت نشین ہوئے۔ ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن قاہر کو خلافت سے دستبردار کر دیا گیا۔ راضی باللہ نے اپنا وزیر ابوعلی بن مقلہ کو بنایا۔ تخت نشین ہوتے ہی انہوں نے قاہر کے قید خانہ سے تمام لوگوں کو رہا کر دیا۔ اس کے بعد امیر محمد بن وائق کو طلب کیا گیا یہ اس دوران مقام واسط میں شان و شوکت سے اپنا حکم نافذ کر رہے تھے۔ جب معاملات اُلجھنے لگے' وزراء کے کنٹرول سے باہر آ گئے تو اس وقت ان کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ انہیں بغداد بلا کر امیر الامراء کا منصب دے دیا گیا۔ سلطنت کے اہم امور سپرد کر دیئے گئے۔ انہیں انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ دارالسلطنت کا پرچم انہی کو دیا گیا۔ انہی ایام میں وزارت کا عہدہ ختم کر دیا گیا۔ سوائے اس منصب کے نام کے کچھ بھی باقی نہیں رکھا گیا۔ اقتدار اور حکومت صرف ان کے ہاتھ ہیں رہی جنہوں سے زبردستی کسی علاقے پر قبضہ کر لیا۔

امیر محمد وائق کو ۲۵ ذی الحجہ ۳۲۴ھ کو بلا کر یہ اعزاز بخشا گیا۔ پھر جب ۲۵واں سال شروع ہوا تو روئے زمین عجیب و غریب انتشار کا شکار تھی۔ علاقے طاقتور بادشاہ یا حاکم کے قبضے میں رہتے تھے۔ جس کے ہاتھ جو بھی علاقہ لگ گیا وہ اس کا ہو گیا اور وہ وہیں کا حاکم بن گیا۔

چنانچہ عبداللہ البریدی اور ان کے بھائیوں کے زیر اثر بصرہ' واسط' اہواز وغیرہ کے علاقے تھے۔ عمادالدین بن بویہ کے ہاتھ فارس بن حمدان کے زیر اثر موصل' دیار بکر' دیار ربیعہ' دیار مضر وغیرہ۔ اخشید بن طغج کے قبضہ میں مصر اور شام' مہدی کے پاس مراکش' افریقہ' بنوامیہ کے قبضہ میں اندلس وغیرہ۔ نصر بن احمد سامانی کے پاس خراسان اور اس کے اردگرد کے علاقے ابوطاہر قرمطی کے پاس یمامہ' ہجر' بحرین' ویلم کے پاس طبرستان اور جرجان وغیرہ تھے۔

اور راضی باللہ و امیر محمد بن واثق کے زیر اثر سوائے بغداد اور اردگرد کے علاقے کے علاوہ کچھ بھی نہیں رہ سکا۔ آخر کار سلطنت پارہ پارہ ہو گئی۔ عدالتیں ختم کر دی گئیں۔ خلافت کی عزت و آبرو تاراج ہو گئی۔ ملک کمزور ہو گیا اور ویرانیت پھیلنے لگی۔

خلیفہ راضی باللہ کو کھانسی اور استسقا کی شکایت ہو گئی۔ اس کے علاوہ تعیش اور کثرت جماع کی بھی شکایت تھی۔ چنانچہ راضی باللہ کا انتقال شنبہ کی رات ۱۵ ربیع الاول ۳۲۹ھ کو ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر ۳۲ سال چند ماہ کی تھی۔ کل ۶ سال ۱۰ ماہ تخت نشین رہا۔

راضی باللہ وسیع الظرف' سخی المزاج' ادیب' شگفتہ بیان شاعر تھا۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس کی عمر صرف ۲۲ سال کی تھی اور ۶ سال ۱۰ یوم خلافت پر متمکن رہا۔ اور یہ پستہ قد کا گندم گوں دبلا پتلا آدمی تھا۔ اس کے اچھے قسم کے اشعار طبع ہو چکے ہیں۔ ایک مرتبہ اس نے سامرا مقام میں تقریر کی تو بہت ہی اچھی اور مؤثر ثابت ہوئی۔ اس کے بعد چند دن بیمار رہا' خون کی قے ہوئی اور دُنیا کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلا گیا۔

خلافت ابراہیم متقی باللہ

خلیفہ راضی باللہ کے بعد ان کے بھائی ابوالعباس ابراہیم متقی باللہ بن مقتدر بن معتضد تخت نشین ہوئے۔ ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن کہ ان کے بھائی راضی باللہ کا سانحہ ارتحال پیش آیا۔ انتقال کی خبر سن کر متقی باللہ نے فوراً دو رکعت شکرانے کی نماز ادا کی اور ممبر پر رونق افروز ہوا۔ ابراہیم متقی باللہ دین دار اور متقی خلیفہ تھا اس لیے اس کا نام متقی باللہ رکھ دیا گیا۔ متقی نے مملکت کے تمام امور امیر حکم ترکی کو

سپرد کر دیئے تھے۔ متقی کا صرف نام چلتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد نوروز بغداد پر قابض ہو گیا۔ متقی باللہ کو معزول کر کے چچا زاد بھائی مستکفی باللہ کو خلافت سپرد کر دی۔ اس کے بعد متقی باللہ کو جزیرہ قرب سندیہ کی طرف جلاوطن کر دیا اور ان کی آنکھوں میں سلائی کر دی گئی۔ حالانکہ اس نے اپنے آپ کو خلافت سے دستبردار کر دیا تھا۔

یہ واقعہ ۲۰ صفر ۳۳۳ھ کو پیش آیا۔ متقی کی حکومت ۳ سال ۱۱ ماہ رہی۔ بعض نے چار سال کی تصریح کی ہے۔ اس کی وفات ۳۵۷ھ میں ہوئی اور ولادت ۲۹۷ھ میں ہوئی۔ ان کے والد محترم ان سے صرف ۱۵ سال عمر میں بڑے تھے۔

متقی روزہ دار، تہجد گزار، تلاوت قرآن کریم کا عادی تھا۔ نشہ آور چیز کو بالکل ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ خلافت سے معزول ہونے کے بعد ۲۴ سال زندہ رہا۔

خلافت عبداللہ المستکفی باللہ بن مکتفی

خلیفہ متقی باللہ کے بعد اس کا چچا زاد بھائی ابوالعباس عبداللہ المستکفی باللہ بن مکتفی بن معتضد تخت نشین ہوا۔ ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن کہ متقی باللہ کو تخت سے اُتار دیا گیا۔ جس دن مستکفی کو خلافت اور سلطنت کے امور سپرد کیے گئے تو انہوں نے نوروز کو انعام وخلعت سے نوازا اور مملکت کے امور سپرد کیے۔ انہی کے دور خلافت میں معزالدولہ بن بویہ بغداد آئے انہیں بھی خلعت وانعام دے کر ماوراء باب کے امور سپرد کیے گئے انہی کے نام سے سکہ ڈھال کر جاری کر دیا گیا۔ انہیں منبر پر تقریر کرنے کا مشورہ دیا گیا اور ان کا لقب معزالدولہ رکھ دیا گیا اور ان کے بھائی ابوالحسن علی کا لقب عمادالدولہ تجویز کیا گیا اور یہ بنی بویہ میں سب سے بڑے تھے۔

عمادالدولہ کے متعلق عجیب وغریب قسم کے واقعات مشہور ہیں (ان شاء اللہ کچھ تفصیل باب الحاء لفظ الحیہ میں آجائے گی ان دونوں کے بھائی کا لقب رکن الدولہ رکھا گیا تھا۔ غالباً منجھلے بھائی تھے۔ ان کے بھی عجیب وغریب حالات مشہور ہیں (ان شاء اللہ باب الدال دابتہ کے عنوان میں تفصیل آجائے گی)۔

معزالدولہ کی آمد غالباً ۳۳۴ھ میں ہوئی۔ انہی کے ایام میں مستکفی کو معزول بھی کیا گیا۔ معزول ہونے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ معزالدولہ کو کسی نے یہ بتایا کہ مستکفی تم کو مارنے کی سازش کر رہا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد معزالدولہ مستکفی کے دربار میں حاضر ہوا۔ قدم بوسی کی، ہاتھ کو بھی بوسہ دیا۔ ان کے لیے کرسی لائی گئی۔ چنانچہ معزالدولہ اس پر بیٹھ گیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد دیلم کے دو آدمیوں نے معزالدولہ کی طرف ہاتھ بڑھا دیئے۔ تو مستکفی یہ سمجھے کہ یہ لوگ میرے ہاتھ کا بوسہ لینا چاہتے ہیں تو ان لوگوں نے مستکفی کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا اور جو بھی تخت پر تھے سب کو اُتار دیا اور مستکفی کے عمامہ کو اس کی گردن میں ڈال دیا۔ پھر انہیں گھسیٹ کر معزالدولہ کے پاس لایا تو انہیں قید کر دیا گیا۔ پھر انہیں معزول کر کے ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں۔ اس کے بعد دارالخلافت کو لوٹ لیا گیا، یہاں تک کہ کوئی بھی چیز باقی نہیں بچی۔

غالباً یہ واقعہ ۲۲ جمادی الثانیہ ۳۳۴ھ میں پیش آیا۔ مستکفی کی وفات معزالدولہ کے گھر پر ۳۴۳ھ میں ہوئی۔ کل ۴۶ سال کی عمر ہوئی۔ تقریباً ایک سال چار ماہ تخت نشین رہا۔

خلافت ابوالفضل مطیع اللہ بن مقتدر

(یہ چھٹے خلیفہ تھے اور انہیں معزول کر دیا گیا)

خلیفہ مستکفی باللہ کے بعد ان کے چچازاد بھائی ابوالفضل مطیع اللہ بن مقتدر بن معتضد تخت نشین ہوئے۔ ان کی عمر اس وقت ۳۴ سال کی تھی۔ جس دن چچازاد بھائی مستکفی باللہ کو معزول کیا گیا اس دن ان سے بیعت لی گئی۔ اور سلطنت کے دیگر امور معزالدولہ ہی کے سپرد رہے۔ مطیع اللہ کے عہد خلافت میں معزالدولہ کا انتقال بغداد میں ۳۵۶ھ میں ہوا۔ عراق میں معزالدولہ کا اقتدار ۲۱ سال ۱۱ ماہ تک رہا۔ معزالدولہ بہادر بادشاہ، دلیر، طاقتور تھا لیکن بداخلاق تھا۔ حالات نے تجربہ کار بنا دیا تھا۔ سعادت و نیک بختی قدم بوسی کر رہی تھی۔ یہاں تک معزالدولہ اس درجہ کو پہنچ گیا تھا کہ اس سے قبل اسلام میں سوائے خلفاء کے کسی کو یہ حیثیت نہیں مل سکی۔

جس وقت معزالدولہ کا انتقال ہوا تو صاحبزادہ نے حکومت کی عنان ہاتھ میں لی اور اپنے والد محترم کا قلادہ پہن لیا۔ انہیں انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ ان کی حکومت مستحکم ہوگئی۔

مطیع اللہ کے دور حکومت میں مصر کا حاکم کافور اخشیدی کا انتقال ۳۵۸ھ میں ہوا۔ یہ مصر میں تقریباً ۲۲ سال حکومت کرتا رہا۔ کافور کے انتقال کے بعد قیران کا حاکم جوہر القائد جو کہ معز الدین اللہ کا غلام تھا مصر آیا۔ چنانچہ اس نے معز الدین سے بیعت کرنے کے لیے لوگوں کو دعوت دی اور لوگوں سے ان کے لیے بیعت لی۔ بنوعباس کے روابط مصر سے ختم ہو گئے جوہر قائد فوجوں کی رہائش کے انتظام کے لیے قاہرہ کی تعمیر میں مصروف ہو گیا۔ ان تمام مراحل سے گزر جانے کے بعد معز الدین اللہ ۸ رمضان المبارک ۳۶۲ھ کو مصر میں داخل ہوا اور یہ مصر کا پہلا فاطمی خلیفہ ہوا ہے۔

سبکتگین ترکی معزالدولہ کا سب سے بڑا دربان تھا۔ اس کے اثرات بغداد میں اتنے راسخ ہو گئے کہ وہ بغداد پر قابض ہو گیا تو اس کی قدر و منزلت روز بروز معزالدولہ کے یہاں بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ معاملات میں دخیل ہو گیا۔ اس کا حکم چلنے لگا تو مطیع کو اس سے خطرہ محسوس ہوا۔ سبکتگین کسی مرض میں مبتلا ہو گیا۔ چنانچہ یہ خود بخود راضی برضا خلافت سے دستبردار ہو گیا اور خلافت اپنے بیٹے عبدالکریم کے سپرد کر دی۔

بعض نے ابوبکر کی تصریح کی ہے۔ کچھ نے یہ کہا ہے کہ ابوبکر عبدالکریم کی کنیت تھی۔ پھر یہ طائع اللہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہ سارے واقعات ۱۳ ذی قعدہ ۳۶۳ھ کو پیش آئے۔

آخر کار دیر عاقول میں ۳۶۵ھ میں انتقال ہو گیا۔ انتقال اور معزول ہونے کے درمیان دو ماہ گزر چکے تھے۔ کل ۶۳ سال کی عمر ہوئی۔ یہ طاقتور اور صدقات کا خوگر بادشاہ گزرا ہے۔ لیکن یہ اپنے معاملات میں مغلوب ہو گیا تھا۔ خلافت پر سوائے نام کے کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ اس کی خلافت ۲۹ سال ۴ ماہ تک رہی۔

خلافت ابوبکر عبدالکریم الطائع اللہ

پھر خلیفہ مطیع اللہ کے بعد ان کے صاحبزادے عبدالکریم ابوبکر طائع اللہ تخت نشین ہوئے۔ ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن ان کے والد محترم کو معزول کر دیا گیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر ۴۷ سال کی تھی۔ بنوعباس میں ان سے زیادہ بڑی عمر کا کوئی خلیفہ نہیں ہوا۔

راس مال ندیم کہتے ہیں کہ دُنیا میں سوائے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ اول اور طائع اللہ کے علاوہ کوئی بھی ایسا نہیں گزرا جو اپنے والد کی زندگی میں خلافت پر تخت نشین ہو گیا۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ ان دونوں کا نام ابوبکر تھا۔ اور یہ چھٹے خلیفہ ہوئے ہیں چنانچہ حسب دستور انہیں بھی معزول کر دیا گیا (جیسے کہ عن قریب تفصیل آ جائے گی) انہیں چھٹا خلیفہ اس وقت تسلیم کیا جائے گا جب کہ ابن المعتز کو خلفاء میں شمار نہ کیا جائے۔ اگر شمار کیا جاتا ہے تو مطیع اللہ پھر چھٹے خلیفہ نہ ہوں گے۔ انہوں نے اپنے آپ کو خود بخود معزول کر لیا تھا۔ اس لیے کہ ان پر فالج کا حملہ ہو گیا تھا۔

جس وقت طائع اللہ خلیفہ نامزد ہو گئے تو انہوں نے سبکتگین ترکی کو بطور انعام ماوراء باب کے علاقہ کی حکومت سپرد کر دی تھی۔ طائع کے عہد حکومت میں شاہ عضد الدولہ بن رکن الدولہ بن بویہ بغداد پر قابض ہو گیا تھا تو طائع نے عضد الدولہ کو شاہی خلعت سے نوازا۔ بطور انعام واکرام ہار کنگن پہنائے اور دو پرچم سپرد کئے۔ ماوراء الباب کا حاکم بنا دیا۔ چنانچہ عضد الدولہ نے ابوطاہر بن بقیہ کو عز الدولہ کا وزیر بنا دیا تو ابوطاہر نے عز الدولہ کو قتل کر کے سولی دے دی۔ چنانچہ ان کے والد حسن بن انباری نے عجیب وغریب مرثیہ لکھا اور ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں ۔

علوت فی الحیات وفی الممات لحق انت احدی العجزات

''تم موت وحیات میں بلند و بالا ہوئے یہ بات حق ہے کہ تم اعجازی صورتوں میں سے ایک ہو۔''

کان الناس حولک اذا قاموا وفود نداک ایام الصلات

''تیرے اردگرد کھڑے ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جود وسخا کے موسم میں تیرے بخشش کے وفد ہیں۔''

کانک قائم فیھم خطیبا وکلھم قیام للصلوة

''تم ان کے درمیان بحیثیت مقرر کھڑے ہو اور وہ سب نماز کے لیے صف بستہ ہیں۔''

مددت یدیک نحوھم احتفاء کمدھا الیھم بالھبات

''تم اپنے ہاتھوں کو ان کی طرف کھول کر بڑھائے ہوئے ہو جیسے کہ تمہارے ہاتھ عطایا دینے کے لیے ان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔''

ولما ضاق بطن الارض عن ان یضم علاک من لجد الممات

''اور جب زمین تنگ ہو گئی اس بات سے کہ وہ مرنے کے بعد تیری بلندی سے ملاپ کرے۔''

اصاروا لجو قبرک و استعاضوا عن الاکفان ثوب السافیات

''تو انہوں نے فضا میں تیری قبر بنا دی اور بجائے کفن کے ہوا میں اُڑنے والے کپڑے پہنائے۔''

لعظمک فی النفوس تبیت ترعی بحراس و حفاظ ثقات!

''تیری بڑائی نفوس میں گھر کئے جا رہی ہے تمہارا یہ حال ہے کہ تم چوکیداروں اور معتمد محافظوں کی طرح ان کی نگہبانی کرتے ہو۔''

وتوقد حولک النیران قدما کذالک کنت ایام الحیاۃ

''تیرے اردگرد قدم قدم پر آگ روشن ہوتی ہے آپ اس طرح زندگی کا سفر کر رہے ہیں۔''

رکبت عطیة من قبل زید علاها فی السنین الماضیات

''تم زید کی طرف سے اس طرح کی سواری میں سوار ہو جس نے اسے گزشتہ سالوں میں بلند و برتر کر دیا ہے۔''

وتلک قضیة فیها تاس تباعد عنک تعییر العداۃ

''اور یہ مایوس کن معاملہ ہے جو تم سے دشمنوں کے عار کو زائل کر دیتا ہے۔''

ولم ارقبل جذعک قط جذعا تمکن من عناق المکرمات

''میں نے اس تنے سے پہلے (جس میں تمہیں سولی دی گئی ہو) کسی کا تنا نہیں دیکھا جس نے عزتوں کے ساتھ معانقہ کیا ہو۔''

اسأت الی الوائب فاستنارت فانت قتیل ثار النائبات

''میں نے گردشوں کے ساتھ برا معاملہ کیا تو وہ روشن ہو گئی اور تم تو مصائب کی کھوپڑی اُتارنے والے ہو۔''

وکنت تجیرنا من صرف دھو فعاد مطالبالک بالتراث

''اور تم ہمیں مصائب سے پناہ دیتے تھے اور اب وہ انتقام کا مطالبہ کامیاب ہو گیا۔''

وصیردھرک الاحسان فیه الینا من عظیم السئیات

''جس زمانے نے تمہیں مصائب سے دوچار کیا اس زمانے کا ہمارے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا ہمارے لیے گناہ عظیم ہے۔''

وکنت لمعشر سعدا فلما مضیت تفرقوا بالمنحسات

''تم معاشرہ کے لیے نیک فال ہو' تمہارے رخصت ہوتے ہی لوگ نحوستوں سے دوچار ہو گئے۔''

غلیل باطن لک فی فوادی حقیق بالدموع الجاریات

''میرے دل میں تمہاری گہری سوزش ہے جو واقعی آنسو بہانے کے لائق ہے۔''

ولوانی قدرت علی قیام بفرضک الحقوق والواجبات

''اگر میں تمہارے فرائض' حقوق اور واجبات کے انجام دینے پر قادر ہوتا۔''

ملات الارض من نظم القوافی ونحت بها خلاف الناحات

''تو میں قافیہ میں ڈھال کر زمین کو بھر دیتا اور نوحہ گروں کے خلاف نوحہ کرتا۔''

ولکن اصبر عنک نفسی مخافة ان اعد من الجناۃ

''لیکن آپ کے لیے میں صبر کرتا ہوں' مجرموں میں شمار ہونے کے خوف سے۔''

ومالک تربة فاقول تسقی لانک نصب ھطل الھاطلات

''تیری قبر کتنی اچھی ہے چنانچہ میں سیراب ہونے کی دُعا کرتا ہوں اس لیے کہ تم برسنے والے بادل کی علامت ہو۔''

علیک تحیة الرحمٰن تتری برحمات غواد رائحات

''تم پر اللہ کی رحمت ہو اور تم کو صبح و شام ہونے والی مغفرت و رحمت ڈھانپ لے۔''

وفات

ملک عضد الدولہ بن بویہ کا انتقال ماہ ذی الحجہ ۳۷۲ھ میں ہوا۔ کل عمر ۴۹ سال ۱۱ ماہ ہوئی۔ ان کی حکومت عراق، کرمان، عمان، خوزستان، موصل، دیار بکر، حران، منبج وغیرہ میں تھی۔ یہ بغداد میں ۵ سال حکومت کرتے رہے۔

سلطان عضد الدولہ زبردست بادشاہ، شریف، بہادر، دلیر، ذہین اور بارُعب آدمی تھے۔ ان کی ذکاوت کے عجیب و غریب واقعات مشہور ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہیں اسلام میں ملک (بادشاہ) کہا گیا ہے۔ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو یہ آیت پڑھ رہے تھے ۔

ما اغنی عنی مالیه هلک عنی سلطانية

''مجھ کو میرا مال کچھ کام نہ آیا، میری حکومت مجھ سے برباد ہوگئی۔'' (حاقۃ)

چنانچہ یہ آیات بار بار پڑھ کر دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ جس وقت ان کی وفات ہوئی تو یہ خبر کسی کو نہیں دی گئی۔ پھر انہیں دار السلطنت بغداد میں دفن کر دیا گیا۔ بعد میں لوگوں کو پتہ چلا کہ عضد الدولہ کا انتقال ہو گیا۔ پھر انہیں قبر سے نکال کر سیدنا علی بن ابی طالب کی مشہد پر دفن کر دیا گیا۔ عضد الدولہ نے مرنے سے قبل ہی مشہد بنالی تھی۔ (جیسے کہ عن قریب باب الفاء فہد کے عنوان میں آجائے گا)۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ عضد الدولہ باغ میں تفریح کرتا ہوا جا رہا تھا۔ اس نے یہ کہا کہ اگر بارش ہو جاتی تو آج لطف آجاتا۔ چنانچہ اس کے کہتے ہی بارش ہوگئی تو اس نے یہ اشعار پڑھے ۔

لیس شرب الراح الا فی المطر وغناء من جوار فی السحر

''شراب نوشی برسات ہی میں اچھی معلوم ہوتی ہے اور گانے والی باندیوں سے صبح بھلی معلوم ہوتی ہے۔''

ناعمات سالبات النهی ناغمات فی تضاعیف الوتر

''جو باندیاں نرم و نازک، عقل کو سلب کرنے والی ہیں جو تانت کے ڈبل کرنے میں گانے کا شر نکالنے والی ہیں۔''

مبرزات الکاس من مطلعها ساقیات الراح من فاق البشر

''مطلع سے پیالوں کو نکالنے والیاں ہیں جو انسانوں میں فائق ہے اس کو شراب پلانے والیاں ہیں۔''

عضدالدولة و ابن رکنها ملک الاملاک غلاب القدر

''نام عضد الدولہ ابن رکن ہے وہ شہنشاہ اور تقدیر پر غالب ہے۔''

سهل اللّٰه له بغیته فی ملوک الارض مادار القمر

''اللہ نے اس کے لیے خواہشات روئے زمین کے بادشاہوں میں تا قیامت آسان کر دیا ہے۔''

واراه الخیر فی اولاده یساس الملک منهم بالغرر

''اور میں اس کی اولاد میں بھلائی دیکھتا ہوں کہ وہ ملک میں آسانی کے ساتھ حکومت کریں گے۔''

چنانچہ یہ اشعار پڑھتے ہی غلاب القدر کے کہنے کے مطابق موت کا فرشتہ آ گیا۔

جب عضد الدولہ کا انتقال ہو گیا تو صاحبزادہ بہاء الدولہ امور سلطنت کا ولی بنا دیا گیا۔ چنانچہ طائع نے صاحبزادے کو انعام و اکرام سے نوازا اور والد کا قلادہ اس کو پہنا دیا گیا۔ پھر بہاء الدولہ نے طائع کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا۔ دار الخلافت کو لوٹ لیا۔ اس کے بعد بہاء الدولہ نے لوگوں کو اس بات کا گواہ بنایا کہ طائع خود بخود خلافت سے دستبردار ہو گیا ہے۔ یہ واقعات شعبان ۳۸۱ھ میں پیش آئے۔ اس کے بعد طائع ساری زندگی معزول، نظر بند کی حیثیت سے گزارتا رہا۔ آخر کار عید کی رات ۳۹۳ھ میں انتقال ہو گیا۔ یہ ۱۷ سال ۹ ماہ تک تخت نشین رہا۔ کل عمر ۷۸ سال کی ہوئی۔

خلیفہ طائع سرخ زرد رنگ، متوسط قد، بڑی ناک، بہادر، طاقتور، دلیر اور سخی بادشاہ تھا۔ لیکن مزاج میں تیزی تھی اور بنو بویہ کے تمام بادشاہوں میں ہاتھ چھوٹا تھا۔

خلافت ابو العباس احمد قادر باللہ بن اسحاق

خلیفہ طائع اللہ کے بعد ابو العباس احمد قادر باللہ بن اسحاق بن مقتدر بن معتضد تخت نشین ہوا۔ ان سے بیعت اس رات لی گئی جس رات طائع کو تخت سے اُتار دیا گیا تھا۔ اس وقت اس کی عمر ۴۴ سال تھی۔ قادر باللہ حسن سلوک اور صدقات وغیرہ کا عادی، فقراء کا مونس تھا۔ فقراء کی تعظیم کرتا تھا۔ لیکن معاملات حکومت میں مغلوب ہو گیا تھا۔

قادر باللہ کی وفات ماہ ذی قعدہ میں ہوئی۔ بعض بقرہ عید کی رات کی تصریح کرتے ہیں اور کچھ ۱۱ ذوالحجہ ۴۲۲ھ کو بتاتے ہیں کل عمر ۸۷ سال کی ہوئی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ سفید اور لمبا آدمی تھا۔ اس کی عمر ۴۱ سال اور چند ماہ کی ہوئی اور بعض چند ماہ کی تفصیل ۳ ماہ بتاتے ہیں اور کچھ اہل علم یہ کہتے ہیں کہ قادر کی عمر ۸۷ سال کی ہوئی ہے۔ حلیہ کے بارے میں یہ بیان کرتے ہیں کہ قادر باللہ کا رنگ سفید، داڑھی لمبی، بڑھاپے کی وجہ سے خضاب کرتا تھا۔ صدقات کا عادی، تہجد گزار شخص تھا۔ دیانت عقل پر غالب تھی۔ سنت کے موضوع پر اس کی ایک تصنیف بھی ہے۔ قادر باللہ نے معتزلہ اور روافض پر زبردست رد کیا۔ ان کا ہر جمعہ کو ختم قرآن کا معمول تھا اور لوگوں کو بلا کر پند و نصائح کیا کرتے تھے۔

خلافت ابو جعفر عبد اللہ قائم بامر اللہ بن قادر باللہ

خلیفہ قادر باللہ کے بعد صاحبزادہ ابو جعفر عبد اللہ قائم بامر اللہ بن قادر باللہ تخت نشین ہوا۔ ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن کہ والد محترم کا انتقال ہو گیا۔ قائم بامر اللہ کے عہد خلافت میں سلاطین سلجوق کا دور شروع ہوا اور بنو بویہ کے اقتدار کا خاتمہ ہوا۔ بنو بویہ کا اقتدار تقریباً ایک صدی اور ۲۷ سال رہا۔ غالباً یہ دور ۴۳۰ھ تک رہا۔ چنانچہ اس کی تصریح ابن البطریق نے اپنی تاریخ میں ۴۶ ویں باب میں کی ہے۔

قائم بامر اللہ کے جسم کا رنگ سفید، پرکشش غالباً سرخ مائل تھا۔ متقی پرہیز گار، عابد و زاہد مسلمانوں کا حاجت روا تھا۔ علماء کی تعظیم و تکریم کرتا، فقراء و صلحاء کا معتقد پاکیزہ اخلاق تھا۔ جتنے دن قائم بامر اللہ خلافت پر متمکن رہا۔ شاید ہی کوئی تخت نشین رہا ہو۔ صدقات کا عادی، خلفاء میں علم و فضل کی وجہ سے مشہور ہو گیا تھا۔ تو اس دن سے روزے دار، تہجد گزار ہو گیا تھا۔ مصلّٰی ہی پر سو جاتا۔ سونے کے لیے دوسرے کپڑے کبھی نہیں بدلے۔

قائم بامر اللہ کی وفات ۱۰ شعبان ۴۶۷ھ کو ہوئی۔ ۴۴ سال ۸ ماہ تخت نشین رہا۔ بعض نے ۹ ماہ کی تصریح کی ہے اور کچھ نے ۴۵ سال تخت نشین رہنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کی ماں کا نام ارمینیہ تھا۔

خلافت ابوالقاسم مقتدی بامر اللہ بن محمد بن قائم بامر اللہ

قائم بامر اللہ کے بعد پوتا ابوالقاسم عبداللہ مقتدی بامر اللہ بن محمد بن قائم بامر اللہ تخت نشین ہوا۔ ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن کہ ان کے دادا کا انتقال ہوا۔ گویا بیعت ۱۳ شعبان ۴۶۷ھ کو لی تھی۔

دادا کے انتقال کا واقعہ یوں پیش آیا کہ جب بیمار پڑ گئے تو انہوں نے سینگی لگوائی تو اس مقام سے بہت ہی زیادہ خون نکلا جس کی وجہ سے اس کی قوت کم ہو گئی اور وہ کمزور ہو گیا تو اس نے فوراً پوتے کو بلایا اور ولی عہد کا عہدہ سپرد کر دیا۔ اس دن علمائے کرام و آئمہ عظام کے مجمع عام میں مقتدی بامر اللہ کا خطاب دیا گیا۔

مقتدی بامر اللہ اپنے والد محترم ذخیرۃ الدین کے انتقال کے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے۔ چنانچہ اس نے بغداد کو آباد کر دیا۔ حجاز' یمن اور شام کی حکومت ان کے سپرد کر دی گئی۔

انتقال کا واقعہ

مشہور ہے کہ ایک مرتبہ مقتدی کی خدمت میں کھانا لایا گیا۔ چنانچہ انہوں نے کھانا کھایا' ہاتھ دھوئے۔ یہ نہایت تندرست و توانا تھے۔ ان کے پاس قہرمانہ شمس بیٹھی ہوئی تھی۔ مقتدی نے ان سے کہا یہ کون لوگ ہیں جو بغیر اجازت اندر آ گئے ہیں۔ قہرمانہ نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ کوئی بھی نہیں آیا۔ پھر اس نے مقتدی کی طرف دیکھا تو ان کا چہرہ متغیر تھا۔ ہاتھ ڈھیلے' قویٰ کمزور معلوم ہوئے۔ اس کے بعد وہ زمین پر گر گئے۔ قہرمانہ نے یہ سمجھا کہ ان پر غشی طاری ہو گئی ہے۔ پھر ان کا اچانک تھوڑی دیر کے بعد انتقال ہو گیا۔ لیکن قہرمانہ خاموش رہی۔ ایک خادم کو بلا کر کہا کہ تم ابو منصور وزیر کو بلا لاؤ۔ اس کے بعد یہ دونوں رونے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں ابوالعباس احمد مستظہر بن مقتدی کی خدمت میں آئے۔ اس لیے کہ ان کے والد محترم نے ان کو ولی عہد بنا دیا تھا۔ دونوں نے تعزیت پیش کی۔ اس کے بعد خلافت کی تولیت پر مبارک باد پیش کی۔

مقتدی بامر اللہ کی عمر ۲۳ سال کی ہوئی۔ ۱۹ سال چند ماہ تخت نشین رہے۔ بعض نے ۳ ماہ کی تصریح کی ہے کچھ نے لکھا ہے کہ ان کی عمر ۲۳ سال کی تھی۔ انتقال محرم ۴۸۷ھ میں ہوا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کی باندی نے انہیں زہر دے دیا تھا ورنہ سلطان نے انہیں بغداد سے بصرہ نکال دینے کے بارے میں عزم کر لیا تھا۔ اس کے باوجود مقتدی پہلے خلفاء کے مقابلے میں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

خلافت مستظہر باللہ ابوالعباس احمد

مقتدی بامر اللہ کے بعد اس کا بیٹا مستظہر باللہ تخت نشین ہوا۔ ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن ان کے والد محترم کا انتقال ہو گیا اس لیے کہ انہی کو ولی عہد بنایا گیا تھا۔

مستظہر کی پیدائش ۴۷۰ھ میں ہوئی۔ اخلاق و کردار کا اچھا' وسیع الظرف' علماء سے محبت کرتا' خود حافظ قرآن تھا۔ ظلم کو ناپسند کرتا' طبعاً نرم مزاج' خیر و بھلائی کو پسند کرتا' زبردست ادیب' نثر نگار' نیک کاموں میں حصہ لیتا۔

مستظہر کی وفات ۲۳ ربیع الثانی ۵۱۱ھ میں ہوئی۔کل ۴۱ سال کی عمر ہوئی۔بعض نے ۴۲ بتائی ہے۔بتایا جاتا ہے کہ تراقی وخوانیق کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال ہوا۔اس نے چند اولادیں چھوڑیں۔پھر چند ہی دن کے بعد مقام ارجوان میں ان کی دادی کا انتقال ہو گیا۔بیٹے مسترشد باللہ کی عہد خلافت میں ہو گیا۔غالباً یہ محمد الذخیرہ کی راز دار تھیں۔ان کی خلافت ۲۴ یا ۲۵ سال ۳ ماہ رہی۔

خلافت ابو منصور فضل مسترشد باللہ بن مستظہر

خلیفہ مستظہر کے بعد ان کا بیٹا مسترشد باللہ تخت نشین ہوا۔ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن کہ ان کے والد محترم کا انتقال ہوا۔ اس لیے کہ انہی کو ولی عہد بنایا گیا تھا۔اس وقت ان کی عمر ۲۷ سال تھی۔

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان کے پاس ایک وفد آیا تو یہ گھر والوں کے ساتھ بیٹھنا چاہتے تھے۔چنانچہ جب یہ ان کے پاس آئے تو فداویۃ نے چھری لے کر حملہ کر دیا۔پھر سب لوگوں کو قتل کر دیا۔ان کے ساتھ ان کے اصحاب بھی قتل کر دیئے گئے۔بتایا جاتا ہے کہ سلطان محمود کے بھائی مسعود نے فداویۃ کو قتل پر آمادہ کر لیا تھا۔یہ واقعہ ۱۷ ذی قعدہ 529ھ میں پیش آیا۔۱۷ سال ۸ ماہ تخت نشین رہے بعض نے ۷ یا ۶ ماہ کی تصریح کی ہے۔کل ۴۴ سال کی عمر ہوئی۔بعض قول کے مطابق ۴۵ سال کی ہوئی۔اہل علم لکھتے ہیں کہ معتضد باللہ کے بعد مسترشد باللہ سے زیادہ ذہین کوئی بھی خلیفہ تخت نشین نہیں ہوا۔یہ بہادر، دلیر، بارعب، اہل رائے، ذہین، بلند ہمت، معاملات کو سلجھانے والا بادشاہ تھا اس نے بنو عباس کی شرافت کی یاد تازہ کر دی تھی اور کئی مرتبہ جہاد بھی کیا تھا۔

خلافت ابو منصور جعفر الراشد باللہ

(یہ چھٹے خلیفہ ہوئے چنانچہ انہیں معزول کر دیا گیا)

یہ چھٹے خلیفہ اس وقت ہوں گے جب ابن المعتز کو شمار نہ کیا جائے ورنہ مسترشد باللہ خلیفہ ہوں گے۔ان پر باطنۃ نے حملہ کیا تھا اور باطنۃ کو سلطان سنجر جن کو ذوالقرنین بھی کہا گیا قتل پر آمادہ کیا تھا۔چنانچہ ان لوگوں نے انہیں قتل کر دیا۔

مسترشد باللہ کے بعد اس کا بیٹا ابو منصور جعفر راشد بن مستظہر تخت نشین ہوا۔ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن کہ ان کے والد محترم کا انتقال ہوا۔اس لیے یہی ولی عہد نامزد تھے۔چنانچہ جب تک مشیت ایزدی ساتھ دیتی رہی حکومت کرتے رہے۔اس کے بعد ان کے اور سلطان مسعود کے درمیان ٹھن گئی۔

راشد باللہ نے ساری فوجوں کو محاذ پر لگا دیا۔پھر سلطان مسعود سے گفتگو کے لیے تیار ہو گئے۔چنانچہ سلطان مسعود نے اتابک زنگی سے مراسلت کر کے مال کا مطالبہ کیا۔یہی معاملہ ارتقش کے ساتھ بھی کیا گیا تو ان دونوں نے راشد کو ٹھہرنے اور انتظام کرنے کا مشورہ دیا۔ادھر سلطان محمود لشکر لے کر بغداد میں داخل ہو گیا۔بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ذی قعدہ میں پیش آیا اور کچھ ذی الحجہ ۵۳۰ھ کی تصریح کرتے ہیں۔سلطان محمود نے فوجوں کی رہائش گاہ پر حملہ کر کے لوٹ لیا۔ہاں شہر کو لوٹنے سے منع کر دیا تھا۔رعایا سے مال جمع کیا۔قاضیوں اور گواہوں کو طلب کیا تو ان لوگوں نے راشد باللہ پر سخت نکتہ چینیاں کیں۔مزید یہ بھی کہا کہ راشد اچھے کام نہیں کرتا بلکہ اس سے برے کام سرزد ہونے لگے ہیں۔مثلاً خونریزی بری چیزوں کا ارتکاب، ناجائز کاموں کا کرنا وغیرہ۔اس کے بعد انہی لوگوں کو ان چیزوں کے ارتکاب

کرنے کے سلسلہ میں گواہ بنالیا گیا۔ چنانچہ قاضی القضاۃ ابن الکرخی نے ان کے معزول ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ پھر لوگوں نے انہیں ۱۴ ذی قعدہ ۵۳۰ھ کو معزول کر دیا۔

راشد باللہ اور اتابک زنگی موصل کی طرف فرار ہو گئے۔ سلطان محمود نے ان لوگوں کو موصل سے طلب کیا پھر یہ لوگ فارس چلے گئے۔ سلطان محمود نے اصبہان میں جا کر محاصرہ کر لیا۔ پھر راشد اللہ بیمار ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد فداویہ کے ایک گروہ نے قتل کر دیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ راشد کی عمر ۲۱ سال تھی۔ بعض نے ۳۰ سال کی تصریح کی ہے۔ اسے خلافت کے دوران چند دن کم ایک سال حکومت کرنے کے بعد معزول کر دیا گیا۔ پھر انہیں ۵۳۲ھ میں قتل کر دیا گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ اس وقت ۲۶ رمضان شریف کا روزہ دار تھا۔

بعض نے لکھا ہے کہ انہیں بھی زہر دیا گیا تھا۔ پھر انہیں محلّہ کی جامع مسجد کے احاطہ میں دفن کر دیا گیا۔ انہوں نے ۲۰ سے زائد اولادیں چھوڑیں۔

راشد کو والد محترم کے عہد خلافت میں ولی عہدی کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ راشد نوجوان، سفید رنگ، پرکشش، خوب صورت گرفت کا مضبوط، بہادر، دلیر، پاک طینت، شگفتہ بیان شاعر اور سخی بادشاہ تھا۔

خلافت ابوعبداللہ محمد مقتفی لامر اللہ

خلیفہ راشد باللہ کے بعد چچا ابوعبداللہ محمد مستنظہر بن مقتدی تخت نشین ہوئے۔ ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن کہ بھتیجا راشد باللہ کو معزول کیا گیا۔ ان کا لقب مقتفی لامر اللہ رکھا گیا اس لیے کہ اس نے تخت نشین ہونے سے چھ ماہ قبل جناب رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا تھا۔ بعض نے ایک سال قبل خواب میں دیکھنے کی تصریح کی ہے۔ خواب میں آپؐ یہ بشارت دے رہے ہیں کہ تم خلافت کے والی بنائے جاؤ گے اس لیے میرے نقش قدم پر چلنا۔

مقتفی گندم گوں، چہرہ داغ دار، پرکشش، بارعب، عالم، فاضل، بردبار، بہادر، شگفتہ بیان، خلافت کا اہل، سیادت میں پختہ، سلطنت کا بڑا شخص تھا۔ اسی کے ہاتھ میں امور مملکت کی عنان تھی۔ بغیر دستخط کے ملک میں چھوٹے سے چھوٹا کام بھی نہیں ہونے دیتا تھا لیکن اس کی ماں حبشیہ تھی۔

اس نے اپنے دور خلافت میں تین رباعیات لکھے اسے خوانیق کی بیماری ہو گئی تھی۔ چنانچہ ماہ ربیع الاول ۵۵۵ھ میں اس کی وفات ہو گئی۔ تقریباً اس کی عمر ۶۶ برس کی تھی۔ ۲۳ سال تک تخت نشین رہا۔ بعض نے ۲۵ سال کی تصریح کی ہے۔ اس نے خانہ کعبہ کے نئے دروازے بنوائے۔ اپنے لیے عقیق کا تابوت بنوایا تھا جس میں اسے دفن کیا گیا۔

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھی صلاح الدین خلیل بن محمد الاقفہی کی تحریر سے مندرجہ ذیل باتیں نوٹ کی ہیں اور غالباً اقفہسی نے علامہ عبدالکریم بن علامہ علاء الدین قونوی سے قلم بند کیا ہے وہ یہ ہے کہ:

مقتفی لامر اللہ مستنظہر کے بعد قائم بامر اللہ تخت نشین ہوئے ہیں اور نہ میں مستنظہر کے بارے میں اس سے زیادہ جانتا ہوں جسے تحریر کیا جائے۔

یہاں خلفاء کی جو ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے وہ امام ذہبیؒ کے طرز فکر کے مطابق ہے۔

خلافت ابوالمظفر یوسف مستنجد باللہ بن مقتفی لامراللہ

خلیفہ مقتفی لامراللہ کے بعد اس کا بیٹا ابوالمظفر یوسف مستنجد باللہ بن مقتفی تخت نشین ہوئے اس لیے کہ والد محترم نے انہی کو ولی عہد تجویز کیا تھا۔ یہ غالباً ۵۴۷ھ کا واقعہ ہے۔ والد کے انتقال کے ایک دن بعد ان سے بیعت لی گئی۔ بعض نے یہ لکھا ہے کہ بیعت ان سے اس دن لی گئی جس دن کہ والد محترم کا انتقال ہوا ہے۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ نکتے کی بات یہ ہے کہ مستنجد نے اپنے والد محترم کے دور خلافت میں یہ خواب دیکھا کہ آسمان سے ایک فرشتہ آیا اس نے ان کی ہتھیلی میں چار خانے لکھے۔ چنانچہ انہوں نے معبر سے تعبیر دریافت کی تو اس نے یہ تعبیر بتائی کہ آپ ۵۵۵ھ میں خلافت کے والی بنادیئے جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مستنجد کی وفات حمام میں قید کی حالت میں ۸ ربیع الثانی ۵۶۷ھ میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ۴۸ برس کی تھی۔ ۱۲ سال تک تخت نشین رہے۔

مستنجد باللہ عدل پرور دین دار خلیفہ تھا۔ اس نے مکوس سزا کے طریقہ کو ختم کر دیا۔ شر پسندوں کا قلع قمع کیا۔ اس کے سر میں متوسط قسم کے بال تھے۔ ماں کا نام طاؤس کوفہ کی رہنے والی تھی۔ اس نے اپنے بیٹے کی حکومت کا رنگ دیکھ لیا تھا۔

خلافت مستضی بنوراللہ بن مستنجد باللہ

خلیفہ مستنجد باللہ کے بعد بیٹا ابوالحسن علی مستضی بنوراللہ بن مستنجد باللہ تخت نشین ہوا۔ ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن کہ ان کے والد محترم کی وفات ہوگئی۔ ان کے حصہ میں مصر اور یمن کی حکومت آئی۔ خلافت عباسیہ مطیع اللہ کے دور خلافت ہی سے زوال پذیر ہو رہی تھی۔

مستضی بنوراللہ سخی المزاج شریف الطبع صدقات وخیرات کا عادی علم اور علماء کرام کو احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اس کی وفات ۵۹۵ھ میں ہوئی۔ ۱۹ سال تخت نشین رہا۔ کل ۳۹ سال کی عمر ہوئی۔ یہ سخی چشم پوش سنت نبوی کا دلدادہ تھا۔ اس کے دور خلافت میں ملک میں امن وطمانیت کا دور دورہ ہوگیا۔ اس نے تمام مظالم کو ختم کر دیا۔ یہ لوگوں سے زیادہ تر الگ تھلگ رہتا۔ صرف اپنے ملازموں کے ساتھ سوار ہوتا۔ اس کے پاس سوائے امیر قیماز کے کوئی بھی نہیں جاتا تھا۔

خلافت ابوالعباس احمد ناصر الدین اللہ

خلیفہ مستضی بنوراللہ کے بعد صاحبزادہ ابوالعباس ناصر الدین تخت نشین ہوا۔ ان سے بیعت بغداد میں اوائل ذی قعدہ ۵۹۵ھ میں کی گئی۔ اس وقت ان کی عمر ۲۳ سال کی تھی۔ خلافت پر آتے ہی اس نے عدل انصاف کا جال بچھا دیا۔ شراب کو بہانے کا حکم صادر کیا۔ لہو ولعب کے سامانوں کو توڑ ڈالنے کا حکم دیا اور ٹیکس اور مکوس جیسے سزا کے طریقے کو ختم کر دیا۔ ملک کو آباد کر دیا۔ معاش ورزق کے حصول کے ذریعے عام ہوگئے۔ اسی کے دور حکومت میں لوگ بطور تبرک بغداد کا سفر زیادہ کرنے لگے۔

ناصر کی وفات ۶۲۲ھ میں ہوئی۔ کل ۵۰ برس کی عمر پائی۔ یہ وقت غالباً اوائل رمضان المبارک کا ہے۔ لوگ کاندھوں میں اٹھا کر البدریۃ لے گئے اور یہیں تدفین عمل میں آئی۔ یہ ۲۷ سال تک تخت نشین رہا۔

ناصرالدین اللہ سفید رنگ چہرہ ترکی آدمیوں کی طرح تنگ نتھنے درمیان سے بلند ناک والا پرکشش رخسار ملکے سرخ زرد رنگ کی داڑھی تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ نرم مزاج پاکیزہ اخلاق ذہین دلیر جرأت مند عقل مند بیدار مغز اور خلافت کا اہل شخص تھا۔ رات میں بازاروں وگلی کوچوں کا گشت کرتا لوگ اس سے مل کر مرعوب ہو جاتے۔ عراق میں خاص طور پر سکہ جما ہوا تھا۔ خلافت مستحکم تھی معاملات کی نگہداشت خود کرتا۔ یہ شان وشوکت جاہ وجلال سے زندگی گزارتا۔ اسی کے دور خلافت میں نیزے اور بندوق وغیرہ فروغ پائے۔ بنو عباس میں سب سے زیادہ دن اسی نے خلافت کی۔ اس نے ہر حاکم کے پاس جاسوس لگا رکھے تھے جو ہر لمحہ کی خبر دیتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ بیان کیا جاتا ہے کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ ناصر کو کشف ہو جاتا ہے۔ آخر عمر میں فالج نے حملہ کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کا اثر دو سال رہا۔ اس کے بعد شفایاب ہو گیا۔ رعایا کے بارے میں اس کا رویہ سخت تھا۔

خلافت ظاہر بامر اللہ بن ناصرالدین اللہ

خلیفہ ناصرالدین اللہ کے بعد اس کا بیٹا محمد ظاہر بامر اللہ بن ناصرالدین اللہ تخت نشین ہوا۔ ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن ان کے والد محترم کا انتقال ہوا تو اس نے تین دن تک سوگ منایا۔ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا۔ مکوس جیسی سزا کو ختم کیا۔ مظالم کا قلع قمع کیا۔ سلطان عادل ابوبکر بن ایوب کی آل اولاد کو خلعت شاہی سے نوازا۔

پھر دربان قرانعیدی کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ظاہر بامر اللہ اسے قتل کرنا چاہتا ہے تو دربان نے ان پر حملہ کر کے قید کر لیا اور اس کے معزول کرنے کے سلسلہ میں گواہ بنایا۔ پھر ظاہر بامر اللہ کو قتل کر دیا۔ چنانچہ ظاہر بامر اللہ کے حسن سلوک کی وجہ سے ملک بھر سوگ منایا گیا۔ یہ تمام واقعات ۶۴۰ھ میں ہوئے۔ اس وقت اس کی عمر ۳۰ سال کے قریب تھی۔ یہ ۱۸ سال تک تخت نشین رہے۔

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ یہ حالات میں نے ایک نسخہ سے نقل کیے ہیں۔ لیکن اس میں کچھ آمیزش ہے اس لیے کہ کچھ حالات اس میں ظاہر بامر اللہ کے ہیں اور کچھ حالات مستنصر باللہ کے ہیں۔ جہاں تک میرا گمان ہے کہ اس میں کاتب کی غلطی ہے۔ اب یہاں سے دونوں کے حالات علیحدہ بیان کیے جا رہے ہیں۔

ظاہر بامر اللہ کے حالات

ظاہر بامر اللہ کا نام ابوالنصر محمد بن ناصرالدین اللہ ابوالعباس احمد بن مستضی بنور اللہ حسن بن ابی الحسن مستنجد باللہ ابوالمظفر یوسف بن مقتفی لامر اللہ ابوعبداللہ محمد العباسی ہے۔ ان کے والد محترم نے انہیں ولی عہد تجویز کر دیا تھا۔ جب ان کے والد کا انتقال ہو گیا تو خلافت کا والی بنا دیا گیا۔ معزز لوگوں نے ان سے بیعت کر لی۔ ان کی ولادت ۵۱۷ھ میں ہوئی اور وفات ۳ رجب ۵۶۹ھ میں ہوئی۔ کل ۵۲ یا ۵۳ سال کی عمر ہوئی۔ ۹ ماہ یا ساڑھے نو ماہ تک تخت نشین رہے۔

ظاہر بامر اللہ سفید رنگ مائل بسرخی خوبصورت نرم مزاج پاکیزہ اخلاق تندرست وتوانا دیانت دار عقل مند باوقار اور عدل گستر خلیفہ تھا۔ چنانچہ ابن اثیر نے مبالغہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس نے عدل وانصاف اور حسن سلوک کا وہ نمونہ پیش کیا تھا جس سے لوگ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ وسیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو یاد کرنے لگے تھے۔

ایک مرتبہ ان سے کہا گیا کہ آپ سیر وتفریح کیوں نہیں کرتے تو فرمایا کہ کھیتی خشک ہوگئی۔ تو کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ فرمایا کہ جو شخص اپنی دکان عصر کے بعد کھولے گا وہ کیا کمائی کر سکتا ہے؟

پھر اس نے رعایا کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا۔ مال ودولت خرچ کی۔ مظالم کو دور کر دیا۔ مکوس جیسے سزا کے طریقے کو ختم کیا۔

آپ فرمایا کرتے مال و دولت جمع کرنا تو تاجروں کا کام ہے۔ تم لوگ کرتا دھرتا امام کے زیادہ محتاج ہو بہ نسبت زبانی جمع خرچ کرنے والے امام کے' مجھے دوتا کہ جب تک قویٰ میں طاقت رہے تھوڑا بہت نیک کام کرلوں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ظاہر بامر اللہ نے عید کی رات علماء و صلحاء میں ایک لاکھ اشرفیاں تقسیم کی تھیں۔

مستنصر باللہ کے حالات

مستنصر باللہ کا نام ابوجعفر بن ظاہر بامر اللہ بن ناصر الدین اللہ عباسی ہے۔ ان کی ماں ترکی تھی۔ ان کی ولادت ۵۸۸ھ میں ہوئی۔ ان کے والد محترم کی وفات کے بعد ان سے بیعت لی گئی۔ چنانچہ تمام حقیقی اور چچازاد بھائیوں نے بیعت کی۔ یہ تمام بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ وفات جمعہ کی صبح ۱۰ جمادی الثانیہ ۶۴۰ھ میں ہوئی۔

مستنصر باللہ اپنے والد محترم کی طرح پرکشش' سفید سرخی مائل تندرست و توانا تھے۔ بالوں میں بڑھاپے کی ہلکی سی جھلک تھی جس کی وجہ سے مہندی کا خضاب کرتے۔ پھر بعد میں خضاب لگانا بند کر دیا تھا۔

ابن سباعی کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس بیعت کے وقت موجود تھا۔ جیسے ہی بے نقاب کیے گئے تو میں نے انہیں دیکھ لیا۔ خدائے پاک نے انہیں کامل صورت و شکل سے نوازا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سفید مائل بسرخی تھے۔ لمبی اور باریک ابرو' بڑی اور سیاہ آنکھوں والے' نرم رخسار' تنگ نتھنے درمیان سے بلند ناک والے' کشادہ سینہ' سفید رنگ کے کپڑے پسند کرتے تھے اور ٹیک لگانے کی سفید چھڑی ساتھ رہتی۔

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مستنصر نے خلعت شاہی سے جن لوگوں کو نوازا تھا تقریباً ان کی تعداد ۳۵۰ھ تک پہنچ جاتی ہے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ مستنصر جاہ و جلال کے ساتھ حکومت کرتا' دیانت دار' انصاف پرست تھا۔ اس نے شرپسندوں کا قلع قمع کر دیا۔ خلافت کا اہل بادشاہ تھا۔ اس کے علاوہ اس نے مسجدیں' مدارس وقف کر دیئے مال و دولت خوب خرچ کیا۔ دیگر بادشاہ اس کے سامنے سرنگوں ہوئے۔

دادا ناصر اس سے محبت کرتے تھے حق سے دلچسپی اور ہوش مند ہونے کی وجہ سے دادا نے قاضی کہنا شروع کر دیا تھا۔ مستنصر نے بے مثال مدرسہ قائم کیا' زبردست لشکر تیار کیا۔ یہاں تک کہ سواروں کے ایک رسالے میں ایک لاکھ گھوڑوں کے قریب تھے۔ یہ غالباً سارے جنگی حالات کو سدھار کرنے کی وجہ سے تھا۔ انہیں اندلس اور مراکش کے بعض علاقے بطور انعام مل چکے تھے۔

مستنصر ۱۷ سال تک تخت نشین رہے انہیں اور نہ ان کے والد محترم کو معزول کیا گیا۔ پھر ان کے بعد سلطنت میں مزید انتشار پیدا ہو گیا تاتاریوں سے مزید معاملات اُلجھتے رہے۔ چنانچہ اکثر اسلامی ممالک پر قبضہ کرلیا گیا۔

انہی کے عہد خلافت میں تاتاریوں سے جنگ کے دوران جلال الدین خوارزم شاہ گم ہو گئے۔ بس پھر یہی معاملہ معزولی سے کیا کم تھا۔ پھر اس کے بعد عراق کا انتظام کنٹرول میں نہیں آسکا۔ اس لیے کہ جو بھی والی بنایا جاتا مدت مشروط کی تکمیل نہ کر پاتا۔

پھر اس کے بعد ایک ہی شخص پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے تاتاریوں سے جنگ کی اور کافی تعداد میں موت کے گھاٹ اُتار دیا جن کو مستعصم باللہ مستنصر کہا جاتا ہے۔ پھر عراق سے سلطنت عباسیہ کے اثر و رسوخ ۶۵۶ھ میں ختم ہو گئے۔ اس لیے کہ مستعصم کو ۲۸ محرم کو قتل کر دیا گیا۔ جیسا کہ ابھی ان کے حالات کے ذیل میں تفصیل آجائے گی۔

خلافت مستعصم باللہ

خلیفہ مستنصر کے بعد مستعصم باللہ تخت نشین ہوئے۔ان کا پورا نام یہ ہے ابواحمد عبداللہ بن مستنصر باللہ ابوجعفر منصور بن ظاہر محمد بن ناصر العباسی جو عراقی خلفاؤں میں سب سے آخری کڑی تھی جن کی خلافت ۶۲۴ھ تک رہی۔

مستعصم کی پیدائش دادا کی خلافت میں ہوئی۔امام ذہبیؒ کہتے ہیں ان سے عام بیعت اس دن لی گئی جس دن کہ ظاہر کو قتل کر دیا گیا تھا۔غالباً یہ واقعہ ماہ جمادی الاول ۶۴۰ھ میں پیش آیا۔

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قبل جو سوانح حیات کی سرخی لگائی گئی ہے وہ ظاہر سے متعلق تھی۔ خلیفہ مستنصر کے متعلق نہیں تھی۔اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کاتب کے علم میں جیسے تھی ویسے ہی اس نے قلم بند کر دیا۔ ہے اس لیے جو میں نے ان دونوں کے حالات ذیلی عنوانات سے تحریر کیے ہیں وہی قابل اعتبار ہیں اس لیے کہ مستعصم چھٹے خلیفہ تسلیم کیے گئے۔ چنانچہ انہیں ہلاکو کے زمانے میں معزول کر کے قتل کر دیا گیا۔اسی دوران بغداد پر ۶۵۵ھ میں قبضہ کیا جا چکا تھا۔

یہ تمام باتیں وزیر ابن العلقمی کی سازش، مستعصم کی نااہلی، سوء تدبیر، کبوتر بازی میں مصروفیت اور ناجائز امور کے ارتکاب کی وجہ سے پیدا ہوئیں جو خلیفہ کے شایان شان نہیں تھی۔

مستعصم نے ہلاکو کے پاس پناہ لی تھی۔انہی کے ساتھ فقہاء وصوفیا کرام کا گروہ بھی ہو گیا تھا۔چنانچہ ان سب کو قتل کر دیا گیا۔ مستعصم کو معزول کر کے ان کو گون میں رکھ کر ہتھوڑے سے مارا گیا۔بعض نے لکھا ہے کہ گچ کے کوٹنے کے اوزار سے مارا گیا یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو گیا۔پھر اس کے بعد بنو عباس انتظام کے معاملہ میں کمزور پڑ گئے۔غالباً یہ تمام واقعات ۲۸ محرم ۶۵۶ھ میں پیش آئے۔

بعض مؤرخین مستعصم کے قتل کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ سرکش ہلاکو بن قبلائی خان بن چنگیز خاں نے ۶۵۶ھ میں ایک لشکر جرار لے کر بغداد کے لیے روانہ ہوا۔اس کے مقابلہ کے لیے دفتر کا منشی بھی مقابلہ کے لیے آنکلا۔ پھر تیسرے لشکر کی تاجو قیادت کرتے ہوئے برسر پیکار ہو گیا۔چنانچہ یہ سب قلت کی بنا پر شکست کھا گئے اس کے بعد تاجو نے بغداد کے مغربی علاقے میں پڑاؤ ڈالا اور ہلاکو خان مشرقی جانب آ گیا۔یہ معاملہ دیکھ کر وزیر نے خلیفہ کو یہ مشورہ دیا کہ ہلاکو سے مصالحت کر لی جائے۔ چنانچہ تنہا نکلا اور اپنا اعتماد ظاہر کر کے واپس آیا اور اس نے یہ کہا کہ ہلاکو اپنی لڑکی کی شادی تمہارے صاحبزادے سے کرنا چاہتا ہے۔اور شاہان سلجوقیہ کی طرح آپ کو ہلاکو کی اطاعت کرنی پڑے گی۔پھر ہلاکو یہاں سے چلا جائے گا۔

یہ معاملہ دیکھ کر خلیفہ نے یہ مناسب سمجھا کہ ملک کی اہم شخصیات کو جمع کر کے ان سے مشورہ کر لیا جائے جب سب جمع ہو گئے تو سب کو قتل کر دیا گیا۔انہی کے ساتھ خلیفہ کو بھی قتل کر دیا گیا۔

خلیفہ مستعصم بردبار، شریف، صاف گو، قلیل الرائے، دیانت دار، بدعت سے بغض رکھتا تھا۔ بھلائی کے کاموں میں دلچسپی لیتا تھا گویا کہ یہ صفت اس پر ختم کر دی گئی۔ہلاکو خان نے ان کو اور ان کے بیٹے ابوبکر کے بارے میں یہ حکم دیا تھا کہ انہیں سینہ میں مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔یہاں تک کہ ماہ محرم کے آخر تک انتقال ہو گیا۔مؤرخین کے لیے یہ نازک گھڑی ہے کہ وہ مستعصم کی موت کے بارے میں صحیح حالات کا جائزہ لے کر قلم بند کریں لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔تقریباً تین سال تک اُمت بلا خلیفہ کے زندگی گزارتی رہی۔ بالآخر مصریوں نے ماہ رجب ۶۵۹ھ میں مستنصر باللہ سے مصر میں بیعت کر لی۔

خلافت مستنصر باللہ احمد بن خلیفہ ظاہر باللہ

ان کا پورا نام احمد بن خلیفہ ظاہر باللہ محمد بن ناصر العباسی الاسود ہے۔ ماں حبشی تھی۔ یہ نہایت بہادر اور دلیر تھے۔ جس وقت یہ مصر آئے تو لوگوں نے انہیں پہچان لیا۔ اس لیے کہ یہ مستعصم جن کو قتل کر دیا گیا تھا ان کے چچا تھے۔ پھر یہ سلطنت کی باگ دوڑ سنبھالنے اور سلطان ظاہر سے بیعت کرنے کے لیے آمادہ ہوئے۔ چنانچہ اُمت کا معاملہ ان کے سپرد کر دیا گیا۔ پھر یہ دونوں شام کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد یہیں سے جدا ہو گئے۔ پھر یہ ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ بغداد پر قبضہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ آخر کار سال کے آخر میں ان کے اور تاتاریوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ چنانچہ یہ جنگ میں گم ہو گئے اور ان کے پاس حاکم ابوالعباس احمد موجود تھے۔ پھر یہ شام تک شکست کھا گئے۔

خلافت حاکم بامر اللہ

۸ محرم الحرام ۶۶۱ھ کو ایک زبردست مجلس خلیفہ سے بیعت عامہ لینے کے لیے منعقد کی گئی تو لوگ ابوالعباس احمد بن امیر ابوعلی بن ابوبکر بن مسترشد باللہ بن مستظہر باللہ عباسی کے پاس حاضر ہو گئے۔ ان کے نسب کو متصل کیا گیا۔ چنانچہ سلطان شاہ ظاہر نے ان سے بیعت کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ پھر ان کے بعد حکام، قاضیوں نے بیعت کی اور ان کا لقب حاکم بامر اللہ رکھا گیا۔ پھر دوسرے دن انہوں نے ایک زبردست خطبہ دیا جس کے ابتدائی کلمات یہ ہیں:

الحمدللہ الذی اقام لبنی عباس رکنا وظھرا۔

"ہر قسم کی تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے بنوعباس کو باعث تقویت اور طاقتور بنایا۔"

پھر اس کے بعد خلافت و بیعت کے سلسلے میں ملک بھر میں تحریری دعوت دی۔ چنانچہ یہ چند سال چند ماہ تخت نشین رہا۔ اس کی وفات ماہ جمادی الاولی ۷۰۱ھ میں ہوئی۔ سیدہ نفیسہ کے قریب دفن کر دیا گیا۔

خلافت مستکفی بامر اللہ ابوالربیع سلیمان بن حاکم بامر اللہ

مستکفی بامر اللہ کو ان کے والد محترم نے ولی عہد نامزد کر دیا تھا۔ پھر والد محترم کی تعزیت کے بعد مستکفی بامر اللہ کی اطاعت کے بارے میں عزم کیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے ماہ جمادی الاولی ۷۰۱ھ میں منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا۔ پھر یہ ۲۹ سال تک تخت نشین رہے۔ ان کا انتقال مقام قوص میں ماہ شعبان ۷۴۰ھ میں ہوا اور ۵۰ سال سے زائد عمر پائی۔

خلافت حاکم بامر اللہ احمد بن مستکفی بامر باللہ

ان کی خلافت کا دور ماہ محرم ۷۴۲ھ میں تھا۔ چونکہ حاکم بامر اللہ کو ان کے والد محترم نے ولی عہد تجویز کیا تھا اس لیے ان سے بیعت کر لی گئی۔ حسینی نے اپنی تاریخ ذیل علی البر میں اس طرح تحریر کیا ہے۔

امام ذہبیؒ نے آخر میں لکھا ہے کہ اس کی حکومت ۷۴۰ھ میں تھی۔ جس وقت مستکفی کی وفات ہوگئی تو پھر ان کے بھائی ابراہیم سے جو کہ ولی عہد بھی نہیں تھے بیعت کر لی گئی۔ پھر یہ برابر حکومت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ قاہرہ میں ۷۵۴ھ میں انتقال کر گیا۔

خلافت معتضد باللہ

معتضد چونکہ اپنے بھائی حاکم بامر اللہ کے ولی عہد تھے اس لیے ان سے بیعت لی گئی۔معتضد اپنے لقب ہی سے مشہور ہوئے نسب نامہ یوں ہے:

''معتضد باللہ بن ابی الفتح ابوبکر بن مستکفی باللہ ابوالربیع سلیمان بن حاکم بامر اللہ ابوالعباس احمد بن ابی علی بن مسترشد باللہ العباسی۔''
یہ بیس سال تک تخت نشین رہے۔انتقال ۴ جمادی الاول ۷۶۳ھ کو قاہرہ میں ہوا۔

خلافت متوکل علی اللہ

متوکل علی اللہ چونکہ اپنے والد محترم کی طرف سے ولی عہد تھے اس لیے والد کے انتقال کے بعد ان سے ۱۷ جمادی الثانی ۷۶۳ھ میں بیعت لی گئی۔ان کی پیدائش ۷۴۰ھ سے اوپر ہوئی ہے یا اس کے قریب قریب ہوئی ہے۔ان کا نام عبداللہ محمد تھا۔بعض نے حمزہ متوکل علی اللہ بن معتضد باللہ عباسی کی تصریح کی ہے۔اس کے بعد یہ خلافت میں مستحکم ہوگیا۔آخر کار ماہ شعبان ۸۰۸ھ میں انتقال ہوا۔اس دوران کئی مرتبہ چند سال کے لیے معزول کیا گیا۔

پھر اس کے رشتہ دار زکریا بن ابراہیم سے ۱۳ صفر ۷۷۹ھ میں بیعت کر لی گئی۔

ایک ماہ کے بعد پھر متوکل خلافت پر واپس آ گیا۔یہاں تک کہ ماہ رجب ۸۰۵ھ تک تخت نشین رہا۔پھر اسے معزول کر کے قید کر دیا گیا۔پھر عمر بن معتضد سے بیعت لی گئی۔ان کا لقب واثق رکھا گیا۔پھر ان کا انتقال ہوگیا۔پھر ان کے بھائی زکریا سے بیعت کر لی گئی اور لقب مستعصم رکھا گیا۔

اس دوران متوکل ماہ صفر ۹۱ ویں سال تک قید و بند کی زندگی گزارتا رہا۔کچھ دنوں کے بعد اسے قید سے آزاد کر دیا گیا۔پھر قید میں مبتلا کر کے لوگوں سے ملنے سے روک دیا گیا۔پھر ۷ ربیع الاول کو قید و بند کی صعوبتوں سے آزاد کر دیا گیا۔

پھر جمادی الاول کی پہلی تاریخ کو ان سے بیعت کر لی گئی اور انہیں ان کے گھر میں لایا گیا۔چنانچہ ان کی خدمت میں حکام اور قاضی وغیرہ جمع ہوگئے۔یوم شہود کا منظر سامنے آ گیا۔یہ خلافت کرتے رہے آخر کار ان کی وفات ہوگئی۔

خلافت مستعین باللہ

مستعین باللہ کا پورا نام ابوالفضل عباس بن متوکل علی اللہ ابوعبداللہ محمد بن معتضد ابوبکر بن سلیمان بن احمد عباسی ہے۔ان کے والد محترم نے انہیں ولی عہد تجویز کر دیا تھا۔لیکن ان سے قبل دوسرے صاحبزادے معتمد علی اللہ تادم مرگ خلافت سے دستبردار ہی رہا۔

جس وقت والد متوکل کا انتقال ہوا تو صاحبزادے مستعین سے ماہ رجب ۸۰۸ھ میں بیعت کر لی گئی۔چنانچہ مستعین برابر تخت نشین رہا۔یہاں تک کہ سلطان ناصر فرج بن برقوق نے دمشق میں محاصرہ کر لیا۔

بعض نے لکھا ہے کہ مستعین سے بیعت اس سلطنت کے بارے میں کی گئی تھی جو خلافت کے نام سے مشہور تھی۔غالباً یہ واقعہ ۱۵ محرم ۸۱۵ھ میں پیش آیا۔پھر کچھ دنوں کے بعد اہل حل وعقد' قاضی اور حکام اور کچھ عوام جمع ہوئے تو ان سب نے ان کے بارے میں سوالات کیے تو اس نے سختی سے منع کیا۔لیکن جب اسے اعتماد اور یقین پیدا ہوگیا تو اس نے منظور کر لیا۔پھر ان کے لقب کو تبدیل نہیں کیا گیا۔پھر ان

کے نام پر سونے اور چاندی کے سکے ڈھالے گئے۔ پھر ولایت اور عزل کے سلسلے میں تصرف کیا گیا۔ درحقیقت خطبہ اور علامت اسی کے حصہ میں تھا۔

جس وقت لشکر تیار ہو کر مصر کے لیے روانہ ہوا تو تمام حکام اس کی خدمت میں تھے۔ لیکن ارباب حل وعقد امیر شیخ کے پاس تھے۔ پھر ۸ ربیع الثانی کو مصر میں داخل ہو کر انتشار پھیلا دیا اور تمام حکام اس کے سامنے تھے۔ یہ دن بھی میدان محشر کا منظر پیش کر رہا تھا۔ تو وہ برابر قلعہ ہی میں رہا۔ اس کے بعد قلعہ میں اُتر گیا اور شیخ باب السلسلہ سے اصطبل میں اُتر گیا۔

لیکن آٹھویں دن شیخ اور حکام محل میں داخل ہوئے اور خلیفہ تخت پر بیٹھ گیا۔ شیخ کو خلیفہ نے ایسی شاہی خلعت سے نوازا جس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کے بعد شیخ کو عنان حکومت سپرد کر دی اور نظام ملک کے خطاب سے نوازا۔ پھر شیخ اور خلیفہ کے لیے حرمین کے منبروں پر دعائیں کی گئیں۔ جس وقت حکام محل میں ڈیوٹیوں سے فرصت پاتے تو اصطبل میں شیخ کی خدمت میں دوبارہ آ جاتے اور پھر متذبذب ہو جاتے۔

پھر شیخ کا منشی خلیفہ کی طرف رُخ کر کے منشورات مرتب کر کے دستخط کی مہر لگاتا۔ اس طرح معاملہ ایک مدت تک چلتا رہا۔ شیخ کو یہ گمان ہوا کہ خلیفہ گھر کی سلطنت سے استعفیٰ دینا چاہتا ہے لیکن جب اس نے ایسا نہیں کیا شیخ نے اس سے گریز کیا۔ پھر اس کے پاس سوائے نوکروں اور مصاحبوں کے کوئی بھی باقی نہیں رہا۔

پھر اوائل شعبان بروز دوشنبہ شیخ نے ارباب حل وعقد، قاضیوں، حکام، مصاحبوں وغیرہ کو جمع کیا تو لوگوں نے ان سے بیعت کر لی۔ اس وقت اس کا لقب سلطان موید ابونصر رکھ دیا گیا۔ پھر یہ محل میں چڑھ کر تخت شاہی پر بیٹھ گیا۔ حکام نے قدم بوسی کی۔ قاضیوں اور کارکنان نے مصافحہ کیا۔ پھر خلیفہ کے پاس یہ تحریر بھیجی کہ وہ ان کے پاس حکومت وخلافت کے سپرد ہو جانے کے سلسلے میں حسب دستور گواہ رہے۔ چنانچہ اس شرط کے ساتھ خلیفہ نے منظور کر لیا کہ وہ اپنے گھر چلا جائے تو میں گواہ بن سکتا ہوں۔ چند دن تک اس نے موافقت نہ کی پھر انہیں محل سے منتقل کر کے قلعہ کے کمروں میں لے جایا گیا اس حال میں کہ اس کے ساتھ اس کے اہل وعیال اور وہ لوگ بھی تھے جو اندر جانے سے لوگوں کو منع کرتے تھے۔

لیکن ذی قعدہ کے مہینہ میں منبروں پر خلیفہ کے لیے دُعا کرنا ترک کر دیا گیا اور سلطنت کے والی بننے سے قبل ان کے لئے دُعائیں کی جاتی تھیں۔ پھر یہ برابر خلافت پر متمکن رہے یہاں تک کہ سولہویں سال معزول کر دیا گیا۔ پھر جب موید فیروز کے پاس گیا جسے اسکندریہ بھیجا گیا تھا وہ وہاں مقیم ہو گیا تھا یہاں تک کہ ططر (تاتاری) سلطنت میں ٹھہر گیا۔ چنانچہ انہیں چھوڑنے کے لیے بھیجا گیا۔ پھر انہیں قاہرہ جانے کی اجازت دی گئی۔ پھر وہ سکندریہ میں ٹھہر گیا۔ اس کے بعد یہاں اس کو سکون ملا اور انہیں تجارت میں اچھی خاصی آمدنی ہوئی پھر وہ یہیں رہا یہاں تک کہ طاعون میں مبتلا ہو کر ۸۳۳ھ میں جام شہادت نوش کیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اپنے بیٹے کو خاص نصیحت

امام شعبیؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے والد محترم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ فرمایا اے بیٹے! یہ صاحب جن کا نام نامی اسم گرامی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہے یہ تم کو تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مقدم رکھتے ہیں۔ اس لیے میں تمہیں چار باتوں کی نصیحت کرتا ہوں:

۱- اول یہ کہ تم ان کے سامنے کسی کا بھید مت کھولنا۔

۲- دوسرے یہ کہ ان کے سامنے جھوٹ مت بولنا۔
۳- تیسرے یہ کہ ان کے سامنے کسی کو نصیحت کرتے وقت مبالغہ سے کام مت لینا۔
۴- چوتھے یہ کہ ان کے سامنے کسی کی غیبت مت کرنا۔

شعمیؒ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے عرض کیا کہ ان میں ہر نصیحت ایک ہزار سے بہتر ہے تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ دس ہزار سے بہتر ہے۔

شہنشاہوں وسلاطین کے مصاحبین کے لئے چند رہنما اصول

بعض دانشوروں نے کہا ہے کہ جب کوئی بادشاہ تمہارا اکرام زیادہ کرنے لگے تو تم بھی اس کی عظمت کرو۔ جب کوئی تمہیں لڑکے کی طرح ماننے تو تم اسے آقا سمجھو۔ جب بھائی بنائے تو تم اس کو والد کی طرح مانو۔ تم اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر مت دیکھو۔ اس کے لیے برابر دعائیں کرتے رہو۔ دُعا کا سلسلہ ختم مت کر دینا۔ جب وہ تم سے ناراض ہو جائے تو متاثر مت ہونا۔ جب وہ راضی رہے تو اس سے دھوکہ مت کھانا۔ پیچھے لگ کر کوئی چیز مت مانگنا۔ چنانچہ اسی مفہوم کا شعر ہے ؂

قرب الملوک یا اخاالبدرالسنی حظ جزیل بین شدقی ضیغم

''اے بھائی بدرسنی بادشاہوں کی قربت' عمدہ نصیبہ کی طرح شیر کے دونوں جبڑوں میں ہے۔''

فضل بن ربیع کہتے ہیں کہ اگر کسی نے بادشاہ سے بے موقع حاجت روائی کے لیے کہا تو گویا وہ آداب سے ناواقف ہے اس نے اپنی زبان کھودی۔ اس کا یہ فعل بے وقت کی شہنائی اور نمازوں کو بے وقت ادا کرنے کی طرح ہے اس لیے کہ نماز بغیر وقت کے قبول نہیں ہوتی۔

خالد بن صفوان کہتے ہیں کہ جو بادشاہوں کے پاس بھلائی اور امانت کے ساتھ بیٹھتے ہیں وہ بڑے انصاف پرست ہیں بہ نسبت ان لوگوں کے جو فسق اور خیانت کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ اس لیے کہ بادشاہ کے پاس ناصح دشمن بن کر اور دوست عداوت وحد کے پیکر بن کر جمع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ دشمن بادشاہ کی نصیحت کی وجہ سے بغض رکھتا ہے اور دوست اس کے عالی مرتبہ کی وجہ سے حرص کرتا ہے۔

حکیم افلاطون کہتے ہیں کہ اگر تم کسی بادشاہ کی خدمت میں رہتے ہو تو پروردگار عالم کی معصیت میں اس کی اطاعت نہ کرنا۔ اس لیے کہ خداوند قدوس کا احسان زیادہ وقیع ہے بہ نسبت اس بادشاہ کے جس کے دربار میں تم آتے جاتے ہو اور خدائے پاک کی وعید تیرے لیے زیادہ سخت ہے اس بادشاہ کی دھمکی اور وعید کے مقابلے میں۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من تواضع لغنی لاجل غناه ذهب ثلثا دينه.

''اگر کوئی مال دار کے مال ودولت سے مرعوب ہو کر اس سے جھک کر پیش آتا ہے تو اس کی وجہ سے اس سے دین کا دوثلث جاتا رہا۔''

عبداللہؓ بن مسعود اور انسؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من اصبح حزينا على الدنيا اصبح ساخطًا على ربه ومن اصبح يشكو مصيبته فانما يشكو ربه ومن دخل لغنى فتواضع له ذهب ثلث دينه. (رواہ البیہقی الشعب)

''جس نے دُنیا سے غمزدہ ہو کر صبح کی تو گویا وہ اپنے رب پر غصہ ہوا اور جس نے اپنے مصائب پر شکایت کرتے ہوئے صبح کی

گویا اس نے اپنے رب کی شکایت کی اور جو شخص کسی مال دار کے یہاں گیا اور اس کے پاس جھک گیا تو اس کے دین کا ثلث حصہ چلا گیا۔"

ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لعن اللّٰہ فقیراً یتواضع لغنی من اجل مالہ من فعل ذلک فقد ذھب ثلثا دینہ. (رواہ الدیلمی)

"اللہ تعالیٰ اس فقیر پر لعنت کرے جو کسی مال دار کے پاس مال کی وجہ سے جا کر جھک گیا جس نے ایسا کیا تو اس کے دین کا دو ثلث جاتا رہا۔"

دوسری حدیثوں میں ہے:

قال رسول اللّٰہ من ترک شیئاً للّٰہ عوضہ اللّٰہ خیرا. (الحدیث)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ کے لیے کسی چیز کو ترک کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے عوض کوئی اچھی چیز عنایت کر دیتا ہے۔"

بعض صحابہ کرامؓ سے روایت ہے:

انک لا تدع شیئا اتقاء للّٰہ الا اعطاک اللّٰہ خیرا منہ. (رواہ احمد مرفوعا)

"تم اللہ تعالیٰ کے خوف سے کسی چیز کو چھوڑ نہیں پاتے لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر چیز عنایت فرما دیتا ہے۔"

حکماء کے اقوال زریں

افلاطون کہتے ہیں کہ جو شخص تجربات سے دوچار نہیں ہوتا دھکے کھاتا ہے۔ مزید کہا ہے کہ تجربات تادیب کے لیے اور لیل و نہار کی گردش نصیحت و عبرت کے لیے کافی ہیں۔ بادشاہ ایک بڑے دریا کی طرح ہوتا ہے جس سے چھوٹی چھوٹی بہت سی نہریں پھوٹتی ہیں۔ اگر اس دریا کا پانی میٹھا ہوتا ہے تو ان کا پانی بھی میٹھا ہوتا ہے اگر نمکین ہوتا ہے تو ان نہروں کا بھی نمکین ہوتا ہے۔

کسی دانشور سے سوال کیا گیا تو اس نے کہا کہ جس شخص میں ادب کی مجلسیں جمع ہو جاتی ہیں تو وہ غصہ سے مغلوب نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ عقل معاملات میں استقلال پیدا کر دیتی ہے۔ یا عقل مندی مستقل مزاجی کا نام ہے۔ چنانچہ اس کا پھل سلامتی ہے۔ بادشاہ چلتے ہوئے بازار کی طرح ہے جس میں سامان وغیرہ لگایا جاتا ہے۔ سلطان شہر میں سوار ہونے کی طرح ہے جس سے لوگ مرعوب ہو جاتے ہیں بلکہ وہ سواری کی وجہ سے زیادہ بارعب ہوتا ہے۔ اگر کوئی اپنے مقصد کو پہچان لیتا ہے تو اس پر خرچ کرنا آسان ہو جاتا ہے جو نگاہ کو بے لگام کر دیتا ہے وہ تادیر افسوس کرتا ہے جس کی امیدیں لمبی ہوتی ہیں اس کا انجام برا ہوتا ہے جس کی زبان میں لگام نہیں ہوتی وہ اپنے آپ کو مقید کر دیتا ہے جو اپنے عیوب کو دور کر دیتا ہے۔ اسے حاسدین رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جو مصائب برداشت کرتا ہے وہ اندرون تہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جو اچھی چیزوں سے محبت کرتا ہے وہ محارم سے بچ جاتا ہے جس سے لوگ حسن ظن رکھتے ہیں اس کو دیر تک دیکھتے ہیں۔ ادب شرافت کا قائم مقام ہے جتنا کریم آدمی سدھارتا ہے اتنا ہی بدبخت کو معاف کر دینے سے بگڑ جاتا ہے۔ جو عقل مندوں کے مشورہ سے کام لیتا ہے وہ درستگی کو پالیتا ہے۔ جو کسی سے باامید ہوتا ہے مرعوب رہتا ہے۔ جو کسی کام کو انجام نہیں دے پاتا وہ عیب نکالتا ہے۔ جو خصومت میں مبالغہ کرتا ہے گناہ کرتا ہے اور جو قطع و برید سے کام لیتا ہے وہ ظلم کرتا ہے اور نہ اس میں خدا کا خوف ہے جس نے امانت کی بے انتہا حفاظت میں خصومت کی اس نے مقصد کے خلاف کام لیا۔ جس نے اپنے آپ کو ایسے کام کے لیے پیش کیا جس کو وہ نہیں کر سکتا تو دوسروں کی

نظروں میں گر جاتا ہے۔ جو اچھے کام کرتا ہے وہ چھا جاتا ہے قیادت کرتا ہے اور جس نے قیادت کی اس نے اپنے مقصد کو پالیا۔

یتیموں اور بیواؤں پر ظلم کرنا فقر و فاقہ کی کنجی ہے۔ سینے کی اصلاح سوائے وسیع الظرف آدمی کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ ذرا ذرا سی بات میں گھٹیا آدمی منع کرتا ہے اور چھوٹے آدمی ہی فخر کا شکار ہوتے ہیں اور بخیل آدمی تعصب کرتا ہے۔ مددگار بھائی کے لیے سوائے ضرورت مند آدمی کے اور کوئی بھی پانی کی حاجت کی طرح انصاف کا خواہاں نہیں ہوتا۔ مددگار شریف آدمی سے جب مہربانی کی اُمید کی جاتی ہے تو وہ نرمی کا برتاؤ کرتا ہے۔ بدبخت آدمی سے جب مہربانی کا برتاؤ کیا جاتا ہے تو وہ اور سخت ہو جاتا ہے۔ اللہ کے نزدیک زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو انتقامی قدرت کے باوجود عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں۔ بے وقوف وہ ہے جو اپنے سے کمزوروں پر ظلم کرتا ہو۔

جو اپنے نفس کے لیے واعظ نہیں ہوتا اس کے لیے مواعظ سود مند نہیں ہوتے۔ جو تقدیر الٰہی پر راضی رہتا ہے وہ بلاء و مصائب پر صبر کرتا ہے۔ جو اپنی دُنیا کو آباد کرتا ہے گویا وہ اپنے مال کو ضائع کرتا ہے جو آخرت کو سنوارتا ہے وہ آرزوؤں کو حاصل کر لیتا ہے۔ قناعت تنگدست کو باعزت بناتی ہے۔ صدقہ کرنا مال دار کے لیے خزانہ ہے۔ جس نے اپنے عیب کو صیغہ راز میں رکھا اس کا حشر برا ہوتا ہے۔ بدبخت وہ ہے جو اپنے لیے بخل کر کے دوسرے کے لیے جمع کرتا ہے۔ بھلائی بہترین پونجی ہے۔ احسان بہترین عادت ہے۔ جو لوگوں سے مستغنی ہو جاتا ہے وہ افلاس سے محفوظ رہتا ہے۔ جو اپنی حاجات خدائے مشکل کشا کے سامنے پیش کرتا ہے تو وہ اپنے معاملات میں غالب رہتا ہے۔

جو اپنی حاجات لوگوں سے بیان کرتا ہے وہ اپنی عزت کو پامال کرتا ہے جو اپنے بھائی کے بھید کو افشاء کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے برابر رازوں کو افشاء کر دیتے ہیں۔ جاہل کی نافرمانی سے سلامت رہو گے۔ عقل مند کی اطاعت سے فائدہ میں رہو گے۔ احمق کے پاس ادب کی زیادتی ایسا ہی ہے جیسے ایلوے کی جڑوں میں خوشگوار پانی ڈال دیا جائے تو سوائے کڑواہٹ کے اور کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

انجیل مقدس میں آیا ہے جیسے کرو گے ویسا بدلہ دیا جائے گا۔ جس پیمانے سے تم تولتے ہو اسی کے مطابق تولا جائے گا۔ بعض خلفاء اپنے خاندانی بھائیوں سے خوشی کی لہر اس طرح دوڑایا کرتے تھے کہ وہ ان کے سامنے ایک ہزار درہموں کی تھیلی ڈال دیتے اور یہ کہتے تھے کہ تم لوگ اسے رکھو۔ پھر چھوٹے بچوں کو بھیجا کرتے تھے اور انہیں خرچ کرنے کی مکمل رعایت دیتے تھے اور یوں کہتے کہ تم کو خرچ کرنے کا مکمل اختیار ہے۔

بعض دانشوروں نے کہا ہے کہ عقل مند وہ ہے جس نے مال کے ذریعہ سے اپنی حفاظت کی اور دین کو نفس سے بچایا۔ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی وہ ہے جس نے علم و فضل کے ساتھ لوگوں میں زندگی گزاری۔ بہترین لذت بھائیوں کے ساتھ احسان کرنا ہے۔ ادب کا ذخیرہ نیک کام کرنا ہے۔ نیکی کرنا عقل مند کا مال غنیمت ہے۔ بھلائی خیر خواہوں کا عطر ہے۔ جو اپنا مال خرچ کرتا ہے تو اس کی مثال دی جاتی ہے۔ جو اپنے پیسوں کو کمتر سمجھتا ہے اس کی عزت کی جاتی ہے۔ نیک کام کرنے والا گرتا نہیں ہے۔ اگر گرتا بھی ہے تو کوئی سہارا دینے والا مل جاتا ہے۔ انصاف پرور بادشاہ بارش اور اونٹ سے بہتر ہے۔ ظالم بادشاہ دائمی فتنہ سے بہتر ہے۔ بادشاہوں کی فضیلت نوازنے میں ان کی شرافت معاف کرنے میں ان کی عزت عدل گستری میں ہے۔ عدل نظام عالم کے چلانے کا نام ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم سبعۃ یظلھم اللّٰہ یوم لا ظل الاظلہ امام عادل. (الحدیث)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات اشخاص ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس دن سایہ میں رکھیں گے جس دن خدا کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے پہلا منصف امام ہے۔''

چنانچہ آپ نے عدل و انصاف کو پہلے شمار فرمایا۔

قال علیه الصلوة والسلام عدل السلطان یوم یعدل عبادة سبعین سنة' قال علیه الصلاة والسلام عدل ساعة فی الحکومت خیر من عبادة ستین سنة' قال صلی اللّٰہ علیه وسلم السلطان ظل اللّٰہ فی الارض یاوی الیه کل مظلوم من عباده فان کان له الاجر وعلی الرعیة الشکروان جبار کان علیه الاثم وعلی الرعیة الصبر.

''حضور ﷺ نے فرمایا بادشاہ کے ایک دن کا انصاف ستر سال کی عبادت کے برابر ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا حکومت میں ایک ساعت کا انصاف ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بادشاہ زمین میں اللہ کا سایہ ہے اللہ کے بندوں میں سے ہر مظلوم اس میں ٹھکانہ حاصل کرتا ہے۔ اگر بادشاہ انصاف کرتا ہے تو اس کے لیے اجر اور رعایا پر شکریہ کا حق ہوتا ہے لیکن اگر وہ ظلم کرتا ہے تو اس پر گناہ ہوتا ہے اور رعایا پر صبر۔''

خلافت معتضد باللہ ابوالفتح داؤد

معتضد باللہ سے بیعت ۱۷ ذی الحجہ ۸۱۶ھ میں ان کے بھائی مستعین باللہ کے عوض میں لی گئی اس لیے کہ انہیں سلطان مؤید نے معزول کر دیا تھا۔ پھر انہیں بلا کر سلطان مؤید اور قاضی صالح بلقینی شافعی کے درمیان بٹھایا گیا۔ پھر انہیں خلافت پر مقرر کر دیا گیا۔ چنانچہ یہ خلافت پر متمکن رہے۔ یہاں تک کہ بروز یک شنبہ ۴ ربیع الاول ۸۴۵ھ میں ایک مزمن مرض میں مبتلا ہو کر ۷۰ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

خلافت مستکفی باللہ

ان کا پورا نام ابوالربیع بن متوکل علی اللہ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن سلیمان بن احمد عباسی ہے۔ان سے بیعت اس دن لی گئی جس دن بھائی معتضد باللہ کا انتقال ہوا۔اس لیے کہ انہی کو ولی عہد بنایا گیا تھا غالباً ماہ ربیع الاول ۸۴۵ھ کا زمانہ تھا۔صلاح الدین صفدی شرح لامیۃ العجم میں لکھتے ہیں کہ:

اسی طرح عبیدیوں نے جنہوں نے خلفاء مصر کو فاطمیوں کا لقب دیا تھا ان میں سے جو سب سے پہلے مراکش کے والی بنے وہ مہدی ہیں ان کے بعد قائم صاحبزادہ منصور پھر معز کو یکے بعد دیگرے چنا جاتا رہا' بنایا گیا۔پھر حاکم چھٹے خلیفہ بنے اور حاکم کو اس کی بہن نے اس کو قتل کر دیا۔جن کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ تعالیٰ باب الحاء الحما کے عنوان میں آئے گا۔

صفدی لکھتے ہیں جب حاکم کو اس کی بہن نے قتل کر دیا تو پھر حاکم کے بیٹے ظاہر کو والی بنایا گیا۔پھر مستنصر' الامر' حافظ وغیرہ ایک دوسرے کے بعد تخت نشین ہوتے رہے۔پھر چھٹے خلیفہ ظافر کو تخت پر بٹھایا چنانچہ انہیں معزول کر کے قتل کر دیا گیا۔پھر ان کے بعد ظافر کا بیٹا فائز ہوا اور سب سے آخری صاحبزادہ عاضد کو والی بنایا گیا۔

مزید لکھتے ہیں کہ اسی طرح مصر میں بنوایوب حکومت کرتے رہے۔چنانچہ سب سے پہلے صلاح الدین سلطان ناصر تخت نشین ہوئے۔پھر صاحب زادہ عزیز' بھائی افضل بن صلاح الدین' صلاح الدین کے بھائی عامل کبیر' صاحبزادہ کامل یکے بعد دیگرے عنان حکومت سنبھالتے رہے۔پھر چھٹا خلیفہ عادل صغیر کو بنایا گیا۔چنانچہ انہیں ارکان سلطنت نے گرفتار کر کے معزول کر دیا۔پھر ارباب حل و عقد نے سلطان صالح نجم الدین ایوب کو خلیفہ مقرر کیا اس کے بعد اس کے بیٹے نورانشاہ کو خلیفہ بنایا گیا۔اس خاندان کے سب سے آخری فرد تھے جنہیں والی بنایا گیا۔

مزید لکھتے ہیں کہ یہی معاملہ ترکی سلطنت میں بھی رہا۔چنانچہ سب سے پہلے ترکی کا والی معز عزالدین ایبک صالحی کو بنایا گیا۔پھر ان کے بعد صاحبزادہ منصور مظفر قطز' ظاہر بیبرس صاحبزادہ سعید محمد وغیرہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوتے رہے۔پھر چھٹا خلیفہ عادل سلامش بن ظاہر بیبرس کو چنا گیا۔چنانچہ انہیں معزول کر دیا گیا۔ان کے بعد سلطان منصور قلادون الفی کو عنان حکومت سپرد کر دی گئی۔

خاندان عبیدی

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ خاندان عبیدی شاہان مصر کا تذکرہ مختصر بیان کیا گیا ہے۔اب میں تفصیل سے بیان کر رہا ہوں۔چنانچہ خاندان عبیدی کی داغ بیل حسین بن محمد بن احمد بن عبداللہ القداح سے پڑ جاتی ہے آنکھوں کا علاج کیا کرتے تھے اور آنکھوں کا پانی ابن میمون بن محمد بن اسمٰعیل بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نکالا کرتے تھے۔

حسین بن محمد وفات سے قبل مقام سلمیہ تشریف لائے اس لیے کہ ان کے دادا عبدالقداح کا مال اور امانتیں رکھی ہوئی تھیں۔اتفاق سے ان کی موجودگی میں عورتوں کا تذکرہ ہونے لگا تو لوگوں نے ان کے سامنے ایک لوہار یہودی کی عورت کا تذکرہ کیا۔اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا اور یہ عورت خود نہایت حسین و جمیل تھی۔یہودی سے اس کا اپنے جیسا ایک خوبصورت لڑکا بھی تھا۔حسین بن محمد نے اس عورت سے نکاح کر لیا۔اس سے محبت کرنے لگے اور اس لڑکے سے بھی پیار کرنے لگے۔چنانچہ بچے کو پڑھایا لکھایا بھی' لڑکا پڑھ لکھ کر اہم ترین آدمی ہو گیا اور حسین بن محمد یہ کہنے لگے کہ یہی بچہ میرا وصی ہے اور یمن و مراکش کا والی ہے۔چنانچہ لوگ اسی سے مراسلت کرنے لگے۔حسین بن محمد کے کوئی لڑکا نہیں تھا اسی لیے اسی یہودی لوہار کے بچے کو ولی عہد بنا لیا۔یہی وہ بچہ ہے جس کا نام عبیداللہ مہندی ہے۔

یہی وہ شخص ہے جس نے عبیدی خاندان میں سب سے پہلے عنان حکومت کا مالک ہوا۔ لوگ عبید نام کی طرف نسبت کرنے لگے۔ اس نے دعوت کے اصول اور رازوں کو خوب پرکھ لیا۔ چنانچہ اس نے مبلغین کو حکم دیا اور ان کو مزید دولت اور تمغوں سے نوازا اور ہم نشینوں کو اطاعت وانقیاد کے لیے حکم دیا اور حسین بن محمد نے یہ کہا کہ یہ بچہ میرا وصی ہے اس کے بعد چچا زاد بہن سے نکاح کر دیا۔ چنانچہ اسی وقت سے اس نے اپنے نام عبید اللہ کے ساتھ مہدی کا اضافہ کر لیا۔ نسب نامہ یوں ہے: عبید اللہ بن حسین بن علی بن محمد بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب۔

بعض اہل علم لکھتے ہیں کہ عبید اللہ قداح کے بیٹوں میں سے ہے۔

جب حسین کا انتقال ہو گیا تو اس کے بعد مہدی تخت نشین ہوا۔ چنانچہ اس کی دعوت عام ہو گئی۔ اس کے داعی مراکش سے برابر فتوحات کی خبریں دیتے رہے۔ پھر مکتفی کے زمانے میں عبید اللہ مہدی کی شہرت ہو گئی۔ لیکن جب مکتفی کو طلب کیا گیا تو وہ اپنے بیٹے ابوالقاسم نزار (جن کو قائم بھی کہا جاتا تھا) کے ساتھ فرار ہو گئے۔ ابوالقاسم ان دنوں بچہ تھا۔ ان کے ساتھ دو غلام تھے اور یہ دونوں مراکش جانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ جب یہ دونوں افریقہ پہنچے تو اپنا مال منگوا کر ساتھ لے لیا۔ اس کے بعد ربیع الثانی کے آخر عشرہ ۲۹۷ھ میں رقادہ پہنچ کر محل میں مقیم ہو گئے۔ جمعہ کے دن خطبہ میں سارے ملک میں دُعا کے اہتمام کے لیے حکم دیا۔ اس وقت انہیں امیر المؤمنین مہدی کا لقب مل گیا۔ پھر خود ہی جمعہ کے دن لوگوں کو زبردستی جمع کر کے دُعا کے لیے بیٹھ گیا۔ پھر اپنے مذہب کی دعوت دی۔ اس وقت جو بھی اس کے مذہب کو قبول کرتا اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتا اور جو انکار کر دیتا اسے قید کر دیتا۔

چنانچہ عبیدیوں کی سلطنت کا دور ۲۹۷ھ سے شروع ہو جاتا ہے اور عبید اللہ مہدی ہی سب سے پہلا خلیفہ چنا گیا تھا۔ پھر ان کے بعد صاحبزادہ قائم نزار، صاحبزادہ منصور اسماعیل صاحبزادہ معز معد یہ سب کے سب یکے بعد دیگرے جانشین ہوتے گئے۔ بلکہ معز معد ہی عبیدیوں میں سب سے پہلے شخص ہیں جو مصر کے بادشاہ بنے۔ غالباً یہ دور ۷ شعبان ۳۵۸ھ کا ہے۔ پھر جمعہ کے دن ۲۰ شعبان کو منبروں پر دُعائیں کی گئیں۔

انہی دنوں مصر کے علاقے سے بنو عباس کا تذکرہ خطبوں سے ہٹا دیا گیا۔ اسی دوران عباسی خلیفہ مطیع اللہ الفضل بن جعفر تھے اس دن کے چند گھنٹے ہی گزرے تھے کہ معز بروز منگل ماہ رمضان ۳۶۲ھ میں مصر میں داخل ہو گئے۔

(محض وضاحت کے لیے یہ تفصیل ذکر کر دی ہے ورنہ یہ مقصود بالذات نہ تھا)

پھر خلیفہ معز کے بعد صاحبزادہ عزیز بن معز جانشین ہوئے۔ پھر ان کے بعد صاحبزادہ حاکم ابوالعباس احمد خلیفہ بنائے گئے۔ یہ عبیدی خاندان کے چھٹے خلیفہ تھے چنانچہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ انہوں نے دوشنبہ کی شام بتاریخ ۷ اشوال ۴۱۱ھ کو باہر نکل کر حسب دستور شہر کا گشت کیا۔ اس کے بعد حلوان کے مشرقی جانب میں گشت کیا۔ ان کے ساتھ دو سوار تھے لیکن انہوں نے ان کو واپس کر دیا تھا۔ لوگ حاکم ابوالعباس کا انتظار ۳ ذی قعدہ تک کرتے رہے۔ جب واپسی کی کوئی توقع نہ معلوم ہوئی تو لوگ ان کو تلاش کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ محل کے اردگرد جستجو کی جانے لگی۔ لوگ غور سے تلاش کرنے لگے۔ اچانک لوگوں کی نگاہ پہاڑ کی چوٹی پر پڑی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ان کا گدھا کھڑا ہے۔ گدھے کے اگلے پاؤں میں تلوار کا وار معلوم ہوتا ہے۔

لوگ نشانات سے اندازہ لگا رہے تھے آخر کار ایک حوض کے پاس آئے۔ ایک شخص نے اس میں اُتر کر دیکھا کہ اس میں چند بندھے ہوئے اعضاء موجود ہیں جس میں چھریوں کے نشانات ہیں۔ چنانچہ پھر لوگوں کو ان کے قتل ہو جانے پر شبہ باقی نہ رہا۔

پھر ان کے صاحبزادے ظاہر ابوالحسن علی جانشین ہوئے۔ پھر صاحبزادے مستنصر، مستعلی، آمر، حافظ عبدالمجید بن ابوالقاسم محمد ابن

مستنصر، ظافر یکے بعد دیگرے خلفاء ہوتے رہے۔ چونکہ چھٹے خلیفہ ظافر تھے۔ اس لیے انہیں قتل کر دیا گیا۔ پھر ان لوگوں کے بعد صرف دو آدمیوں کے پاس خلافت رہی۔ صاحبزادے فائز پھر ان کے بعد عاضد عبداللہ بن یوسف بن حافظ تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔

پھر ان لوگوں کے بعد عبیدیوں کی سلطنت ختم ہوگئی۔ غالباً یہ دور ۵۶۷ھ کا تھا۔ اس وقت مستضی بنور اللہ ابومحمد حسن بن مستنجد عباسی خلافت کے امین تھے۔

جب عبیدی سلطنت ختم ہوئی تو مصر میں سلطان سعید شہید ملک ناصر صلاح الدین یوسف بن ایوب فرماں روا بنائے گئے۔ پھر ان کے بعد صاحبزادہ ملک عزیز عثمان، بھائی افضل، ملک عادل کبیر ابوبکر بن ایوب، ملک کامل محمد یکے بعد دیگرے جانشین ہوتے رہے۔ پھر ملک عادل صغیر چھٹے خلیفہ چنے گئے۔ چنانچہ انہیں معزول کر دیا گیا۔

پھر ان کے بعد ملک صالح بن ایوب بن کامل جانشین ہوئے۔ پھر ان کے بعد صاحبزادہ سلطان معظم توران شاہ بھائی اشرف، یوسف ابن شجرۃ الدر، معز ایبک، صاحبزادہ منصور علی یکے بعد دیگرے جانشین ہوتے گئے۔ پھر ان کے بعد مظفر قطز کو چھٹا جانشین بنایا گیا۔ چنانچہ انہیں قتل کر دیا گیا۔

پھر ان کے بعد ظاہر بیبرس، صاحبزادہ سعید محمد بن برکتہ خان، بھائی عادل سلامش، منصور قلادون، صاحبزادہ اشرف خلیل یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے پھر ان کے بعد القاہر کو چھٹا خلیفہ بنایا گیا۔ چنانچہ یہ نصف یوم جانشین رہے، پھر انہیں قتل کر دیا گیا۔

پھر ان کے بعد ناصر بن منصور کو جانشین بنایا گیا۔ چنانچہ انہیں معزول کر کے عادل کتبغا کو بنایا گیا۔ پھر یہ خود بخود دوبارہ معزول ہو گیا۔ پھر ان کے بعد ان کے والد محترم کے غلام جانشین ہوگئے۔ پھر ان کے بعد عادل کتبغا، منصور لاجین، مظفر بیبرس، منصور ابوبکر بن ناصر بن منصور یکے بعد دیگرے جانشین ہوتے رہے۔ آخرکار چھٹے خلیفہ بھائی اشرف کجک متعین ہوئے۔

پھر ان کے بعد ان کے بھائی ناصر احمد، برادر صالح اسماعیل، برادر کامل شعبان، مظفر حاجی، برادر ملک ناصر حسن ایک دوسرے کے بعد جانشین ہوتے گئے۔ پھر ان کے بعد سلطان صالح چھٹے خلیفہ چنے گئے۔ چنانچہ انہیں معزول کر کے قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ پھر ان کے بعد سلطنت کا والی پہلے کے معزول شدہ خلیفہ کو بنایا گیا اور وہ سلطان ناصر حسن ہیں۔ پھر ان کے بعد منصور علی بن صالح، اشرف شعبان بن حسین بن ناصر، منصور علی بن اشرف شعبان بن حسین بن ناصر، برادر الصالح حاجی بن اشرف، ظاہر برقوق یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوتے رہے۔ پھر دوبارہ حاجی کو والی بنا دیا گیا اور حاجی کو منصور کا لقب دے دیا گیا۔ پھر دوبارہ برقوق کو بٹھایا گیا۔ پھر ان کے صاحبزادے ناصر فرج کو، پھر ان کے بعد برادر عزیز کو، پھر دوبارہ فرج کو جانشین بنایا گیا۔ چنانچہ انہیں معزول کر کے قتل کر دیا گیا۔

پھر ان کے بعد مستعین باللہ عباسی جانشین ہوئے۔ پھر سلطان موید ابونصر شیخ، پھر صاحبزادہ سلطان مظفر احمد جانشین ہوئے لیکن انہیں معزول کر دیا گیا۔ پھر ان کے بعد سلطان ظاہر ططر خلیفہ بنائے گئے۔ پھر ان کے بعد صاحبزادہ سلطان صالح محمد جانشین ہوئے۔ چنانچہ انہیں معزول کر دیا گیا۔

پھر ان کے بعد سلطان اشرف برسری جانشین ہوئے۔ پھر ان کے بعد سلطان عزیز یوسف کو خلیفہ بنایا گیا لیکن انہیں معزول کر دیا گیا۔ پھر ان کے بعد سلطان ظاہر جقمق جانشین ہوئے۔ پھر صاحبزادہ سلطان منصور عثمان کو جانشین بنایا گیا لیکن انہیں معزول کر دیا گیا۔ پھر ان کے بعد سلطان اشرف اینال کو خلیفہ چن لیا گیا۔ پھر ان کے بعد صاحبزادہ سلطان موید احمد کو جانشین بنایا گیا۔ لیکن انہیں معزول کر دیا گیا۔ پھر ان کے بعد سلطان ظاہر خشقدم کو خلیفہ بنایا گیا۔ پھر سلطان ظاہر بلبائی کو جانشین بنایا گیا لیکن انہیں معزول کر دیا گیا۔

پھر ان کے بعد سلطان ظاہر تمربغا کو خلیفہ بنا کر معزول کر دیا گیا۔ پھر ان کے بعد سلطان ظاہر خایربک کو جانشین بنایا گیا۔ لیکن انہیں

اسی رات معزول کر دیا گیا۔ پھر ان کے بعد سلطان اشرف قایتباوی کو جانشین بنایا گیا۔ پھر ان کے بعد صاحبزادہ سلطان ناصر محمد کو خلیفہ چنا گیا انہیں قتل کر دیا گیا۔

پھر ان کے بعد سلطان ظاہر قانصوہ جو سلطان ناصر محمد کے ماموں تھے کو خلیفہ بنایا گیا۔ لیکن انہیں بھی معزول کر دیا گیا۔ پھر ان کے بعد سلطان اشرف جانبلاط کو جانشین بنایا گیا۔ لیکن انہیں بھی معزول کر کے قتل کر دیا گیا۔ پھر ان کے بعد سلطان عادل طوفان بای کو خلیفہ بنایا گیا۔ لیکن انہیں بھی معزول کر کے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ پھر ان کے بعد سلطان اشرف قانصورہ غوری کو جانشین بنایا گیا۔ پھر ان کے بعد سلطان سلیم بن محمد بن بایزید بن عثمان' صاحبزادہ سلطان سلیم' صاحبزادہ سلطان مراد وغیرہ یکے بعد دیگرے جانشین ہوتے گئے۔ (اللہ پاک انہیں نصرت اور فتح سے نوازے اور ان کی مغفرت فرمائے)

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ ہم نے تاریخ کے چند اوراق درمیان میں ذکر کر دیئے ہیں اگر چہ طول بیانی ہے لیکن فوائد سے خالی نہیں ہے۔ اب پھر ہم اپنے موضوع کی طرف عود کرتے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیے:

بڑی بطخ کی خصوصیات

بطخ تیرنے کو پسند کرتی ہے۔ اس کے بچے انڈے سے نکلتے ہی تیرنے لگتے ہیں۔ جب مادہ انڈے سیتی ہے تو نر ایک لحہ کے لیے بھی اس سے الگ نہیں ہوتا۔ غالباً بچے انڈے سے آخر ماہ تک نکل آتے ہیں۔

چوری کی عجیب سراغرسانی

امام دینوریؒ مجالسہ میں اور ابن جوزی الاذکیاء میں تحریر کرتے ہیں کہ محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی سیدنا سلیمان علیہ السلام کے پاس شکایت لے کر آیا کہ اے اللہ کے نبی میرے پڑوسی میری بطخ چرا لیتے ہیں۔ یہ سننے کے بعد آپ نے لوگوں کو نماز کے لیے بلایا۔ بعد نماز خطبہ دیا۔ پھر آپ نے فرمایا تم میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو اپنے پڑوسی کی بطخ چرا لیتے ہیں۔ پھر مسجد میں آتے ہیں تو ان کے سر پر پر ہوتے ہیں۔ بس اتنا کہنا تھا کہ ایک آدمی نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا تو آپ نے فرمایا کہ بس اسے پکڑلو اسی نے چرائی ہے۔

شرعی حکم

بطخ کا گوشت اجماع صحابہؓ سے جائز ہے۔

بڑی بطخ کے طبی فوائد

چھوٹی اور بڑی بطخ دونوں کا گوشت کھایا جاتا ہے اور نرم ہوتا ہے۔ حکیم بقراط لکھتے ہیں کہ بطخ شہری پرندوں میں سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ بڑی بطخ میں سب سے اچھی مخالیف[1] ہوتی ہے اس لیے کہ اس کا گوشت بدن کو فربہ کر دیتا ہے۔ لیکن فضلات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اگر ذبح کرنے سے پہلے اس کے حلق میں بورق پھونک دیا جائے تو مضرت دور ہو سکتی ہے ورنہ اس کا گوشت بلغم پیدا کرتا ہے۔ اس کا گوشت گرم مزاج والوں کو زیادہ راس آتا ہے۔ اگر گوشت میں زیتون کا تیل ملا دیا جائے تو گوشت کی بدبو ختم ہو جاتی ہے۔ گوشت پکاتے وقت اگر گرم مصالحے زیادہ مقدار میں ڈال دیئے جائیں تو گوشت کی بدبو اور غلاظت دور ہو جاتی ہے ورنہ اس کا گوشت فضلات آمیز ہوتا ہے اور جلدی ہضم نہ ہونے کی وجہ سے معدہ کے موافق نہیں آتا۔ چنانچہ گوشت میں فضلات کی وجہ سے بخار جلدی آ جاتا ہے۔ امام قزوینیؒ کہتے ہیں کہ اگر کسی بڑی بطخ کی خصیہ پکا کر کھالے پھر اس وقت اپنی بیوی سے صحبت کرلے تو ان شاء اللہ استقرار حمل ہو جائے گا۔ اس کے پیٹ

---

[1] ایک مخصوص قسم کی بڑی بطخ ہوتی ہے۔۱۲

میں کنکریاں ہوتی ہیں۔اگر کسی کا پیٹ چل رہا ہو تو کنکریوں کو پیس کر پینے سے فائدہ ہوجاتا ہے۔اس کا تیل نمونیہ اور بال گرنے کی بیماری میں مالش کرنا مفید ہے۔اس کی زبان پابندی سے کھانا سلسل بول کے لیے مفید ہے۔

اس کا گوشت بہترین غذاؤں میں ضرور شامل ہوتا ہے لیکن یہ دیر میں ہضم ہوتا ہے۔اس کا انڈا متوسط حرارت کا ہوتا ہے لیکن گاڑھا خون پیدا کرتا ہے ہاں نیم نقصان دہ ہوتا ہے۔اگر اس کا انڈا پہاڑی پودینہ اور نمک میں ملا کر کھایا جائے تو اس کے نقصان دہ اجزاء زائل ہوجاتے ہیں۔اس کا انڈا گندہ خون پیدا کرتا ہے البتہ گرم مزاج لوگوں کو راس آجاتا ہے۔

بطخ اور شتر مرغ کا انڈا دونوں گاڑھا خون پیدا کرتے ہیں اور دیر سے ہضم ہوتا ہے۔جو شخص شتر مرغ کے انڈوں کو استعمال کرنا چاہے تو ان کی خالص زردی استعمال کرے۔یہ بات ہمیشہ یاد رکھئے کہ ہر انڈے کی زردی بہ نسبت سفیدی کے زیادہ لطیف ہوتی ہے اور سفیدی بہ نسبت زردی کے زیادہ مرطوب ہوتی ہے۔لیکن انڈوں میں زیادہ لطیف ہوتی ہے اور سفیدی بہ نسبت غذائیت بھی زرد قسم کے انڈوں میں زیادہ ہوتی ہے۔غذائیت کا مادہ ان خاص قسم کی مرغیوں میں بہت کم ہوتا ہے جو بغیر مرغ کے انڈا دیتی ہیں لیکن اس قسم کی مرغیوں کے انڈوں سے بچے نہیں پیدا ہوتے ہیں (جو ان خاص قسم کی مرغیوں سے انڈے ہوتے ہیں ان کو اصطلاح میں خاکی انڈے بولتے ہیں۔

جس وقت چودہویں رات کا چاند گھٹنا شروع ہوتا ہے تو اکثر یہ مرغیاں انڈے دینا بند کر دیتی ہیں۔اس لیے کہ انڈے استہلاک (گھٹنے کے ایام) سے لے کر ابدار (یعنی چاند کے بڑھنے کے ایام) تک بھر کر مرطوب ہوجاتے ہیں۔اس کے بعد ان میں تولید کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے (اس کے برخلاف ابدار سے محاق تک کا ذکر ان شاءاللہ حجل اور دجاج تک کے انڈوں کے بیان میں آجائے گا۔

الالفة

الـــفة: بھتنی یا بھوت کو کہتے ہیں۔لیکن بعض لغویین نے مادہ بھیڑیا کا ترجمہ کیا ہے۔(کچھ تفصیل باب السین اور باب الذال میں آجائے گی)

الالق

الـق: بھیڑیا کو کہتے ہیں اور مادہ بھیڑیا کو الـقة کہیں گے۔جمع اُلـق آتی ہے۔لیکن کبھی کبھی بندریا کو بھی الـفة کہہ دیتے ہیں۔اسی مناسبت سے بندر کے لیے الق استعمال کرنا چاہیے۔لیکن ایسا کرتے نہیں بلکہ بندر کے لیے علیحدہ الفاظ ہیں جیسے قرد و رباح وغیرہ۔

الاودع

جنگلی چوہا: امام جوہری کہتے ہیں کہ اودع یـربوع کو کہتے ہیں (اور یہ چوہے کے مانند ایک جانور ہے جس کے اگلی ٹانگیں چھوٹی، پچھلی بڑی بڑی اور دم لمبی ہوتی ہے۔اس کی جمع یرابیع آتی ہے۔(تفصیل باب الیاء میں آئے گی)

الاورق

امام اللغتہ جوہری کے قول کے مطابق اورق اونٹ کی اس قسم کو کہتے ہیں جو سفید مائل بہ سیاہ ہوتا ہے۔اس کا گوشت اونٹوں میں سب سے اچھا ہوتا ہے۔لیکن اہل عرب اسے سواری اور کام کے لیے اچھا نہیں سمجھتے۔

الاوس

اوس: بھیڑیا کے معانی میں بھی ہے۔ کبھی کبھی انسان کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ نیز تصغیر کے ساتھ بھی اویس بھیڑیا کے لیے مستعمل ہے۔ جیسے کیت اوکلین وغیرہ۔ چنانچہ شاعر الہذلی کہتا ہے ؎

یالیت شعری عنک والامراھم ما فعل الیوم اویس بالغنم

''اے کاش کہ میں تم سے وابستہ ہوتا تو اب تک معاملہ نمٹ چکا ہوتا' آج بھیڑیئے نے جو سلوک بکریوں کے ساتھ کیا۔''

اسی طرح کمیت شاعر نے کہا ہے ؎

کما خامرت فی حضنھا ام عامر لذی الحبل حتی عال اوس عیالھا

''لگڑ بگڑ نے جس طرح شکاری کے پاس بھیڑیئے سے تربیت حاصل کی' اسی طرح بھیڑیا اس کے بچوں کی بھی مکمل کفالت کرتا رہا۔''

جوہری کہتے ہیں کہ شاعر لذی الحبل سے شکاری مراد لے کر یہ کہنا چاہتا ہے کہ شکاری رسی کو لگڑ بگڑ یا بھیڑیئے کے کونچ میں پھانس دیتا ہے۔ (تھوڑی سی تفصیل العباء کے عنوان میں آئے گی)

احادیث رسول اللہ ﷺ میں تذکرہ

حمزہ بن اسد الحارثی کہتے ہیں:

خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی جنازة رجل من الانصار الی بقیع الغرقد فاذا ذئب مفترش ذراعیه فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ھذا اویس فافرضوا له فلم یفعلوا. اھ(رواہ ابونعیم)

''جناب رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کے جنازے میں بقیع الغرقد تک تشریف لائے تو آپ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بھیڑیا اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے بیٹھا ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ اویس ہے اس کو کچھ دے دو (شاید نہ ہونے کی وجہ سے صحابہ نے) ایسا نہیں کیا۔''

(ان شاء اللہ بھیڑیوں کا دربار رسالت مآب میں حاضری کا تذکرہ باب الذال ذئب کے عنوان میں ملاحظہ کیجئے گا)

اویس قرنی رضی اللہ عنہ

یہی اویس نام ابن عامر القرنی رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا۔ لیکن زیارت سے محروم رہے۔ یہ کوفہ میں رہتے تھے۔ ان کا شمار اکابر تابعین میں ہوتا ہے۔ (امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق بن الخطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال خیر التابعین رجل یقال له اویس القرنی یاتی علیکم فی امداد اھل الیمن لواقسم علی اللّٰہ لا برہ فان استطعت ان یستغفرلک فافعل. (رواہ الامام مسلم)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تابعین میں سب سے بہتر وہ ہے جس کا نام اویس قرنی ہوگا وہ تمہارے پاس مدد کے لیے یمنی لوگوں کے ساتھ آئیں گے۔ اگر وہ کسی بات میں قسم کھالیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور پورا فرمادیں گے۔ اگر تم ان سے دعائے مغفرت کرو اس کو تو کروالینا۔'' (مدد کے لوگ وہ کہلاتے ہیں جو ہر ملک سے اسلام کے لشکر کی مدد کے لیے آتے ہیں)

چنانچہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ جب امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے تو آپؓ نے ان سے اللہ سے استغفار کرنے کی

فرمائش کی۔انہوں نے امیر المؤمنین کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔نیز اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑتے ہوئے شہادت نوش فرمائی۔

سیدنا حسن بصریؒ کہتے ہیں:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یدخل الجنة بشفاعة رجل من امتی اکثر من ربیعة ومضر.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے ایک شخص کی سفارش کی وجہ سے جنت میں اس قدر لوگ داخل کئے جائیں گے جو ربیعہ اور مضر دونوں قبیلوں سے زائد ہوں گے۔'' (رواہ الامام احمد)

حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ شاید وہ میرے نزدیک اویس قرنی رضی اللہ عنہ امام التابعین مراد ہیں اور القرنی قرن (سینگ) کی طرف منسوب ہے اور قرن قبیلہ مراد کی ایک شاخ کا نام ہے۔اس سلسلے میں امام اللغۃ جوہری سے ایک سہو بھی سرزد ہو گیا ہے جس کی شہرت کی وجہ سے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ابوامامہؓ کہتے ہیں:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یدخل الجنة بشفاعة رجل من امتی مثل الحیین ربیعة ومضر قیل یا رسول اللّٰہ وما ربیعة من مضر قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم انما اقول ما اقول.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں ایک شخص کی سفارش کی وجہ سے دو قبیلوں ربیعہ و مضر کے برابر لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے۔کسی نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربیعہ کا مضر سے کیا جوڑ ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ بس جو میں کہتا ہوں وہ وحی الٰہی کے اشارہ سے کہتا ہوں۔''

ابن السماک کہتے ہیں کہ رجل من امتی (میری اُمت کا ایک شخص) کی مراد کے بارے میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے۔قاضی عیاض کہتے ہیں کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

لکل رجل من الصحابة شفاعة (الشفاء)

''ہر صحابی رسول شفاعت کا استحقاق رکھتا ہے۔''

یزید بن جابرؓ کہتے ہیں:

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال یکون فی امتی رجل یقال له صلة ابن اشیم یدخل الجنة بشفاعته کذا و کذا. (رواہ ابن المبارک)

''واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں ایک شخص صلہ ابن اشیم نامی پیدا ہوگا جس کی شفاعت سے اتنے اتنے لوگ جنت میں داخل کئے جائیں گے۔''

الایلس

بڑی مچھلی۔امام القزوینی کہتے ہیں کہ الایلس ایک بڑی قسم کی مچھلی ہوتی ہے۔اس مچھلی کے علاوہ تمام دریائی جانوروں کا شکار کیا جا سکتا ہے۔اس مچھلی کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اسے بھون کر دو آدمی ایک ساتھ بیٹھ کر کھانے لگیں تو آپس کی دشمنی محبت سے بدل جاتی ہے۔

الایم والاین

الایم والاین سانپ کو کہتے ہیں۔ ازرقی کہتے ہیں کہ **الایم** نر سانپ کو کہتے ہیں۔ طلق بن حبیب کہتے ہیں کہ ہم لوگ عبداللہ بن عمرو بن العاص کے ساتھ ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے تو سایہ سمٹنے لگا۔ مجلس سے لوگ اُٹھ کر جانے لگے۔ اچانک ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چتکبرے رنگ کا موٹا تازہ آدمی باب بنی شیبہ سے داخل ہوا۔ لوگ اسے دیکھ کر ششدر ہو رہے تھے۔ اتنے میں اس نے بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کیا اور مقام ابراہیم میں اس نے دو رکعت نماز پڑھی تو ہم نے اس کے پاس جا کر یہ کہا کہ اے عمرہ کرنے والے خدا تمہاری عبادت کو قبول فرمائے۔ دیکھو ہمارے یہاں بے وقوف اور چھوٹے بچے رہتے ہیں۔ ہم لوگوں کو خطرہ ہے کہ کہیں وہ تمہیں پریشان نہ کریں اس لیے تم ان سے بچنا۔ چنانچہ وہ غائب ہو گیا۔ پھر بعد میں اسے نہیں دیکھا گیا۔ روایت میں ہے:

انه امر بقتل الایم (الحدیث)

''رسول اللہ نے ایم نامی سانپ کو مارنے کا حکم دیا ہے۔''

ابن السکیت کہتے ہیں کہ اصل میں یہ لفظ ایم ہے۔ بعد میں اس میں تخفیف کر دی گئی جیسے کہ **لین ولین وھین وھین** اس کی جمع **الوم** آتی ہے۔ (بقیہ تفصیل کعیب کے عنوان میں آئے گی)

الایل

الایل بارہ سنگھا کو کہتے ہیں۔ اس میں چند لغات ہیں (بعض کے نزدیک **الایل** فارسی میں کوزن یعنی پہاڑی بکرے کو کہتے ہیں اکثر یہ جنگلی گائے کے مشابہ ہوتا ہے۔ یہ جانور اتنا باحوصلہ ہوتا ہے کہ اگر اسے شکاری سے ڈر لگتا ہے تو پہاڑ کی چوٹی سے بھی کود پڑتا ہے۔ اس کے باوجود اس کے چوٹ نہیں لگتی۔ اس کے سینگ میں جتنی گرہیں ہوتی ہیں اتنے سال اس کی عمر ہوتی ہے۔ جب اسے سانپ ڈس لیتا ہے تو یہ سرطان کیڑا کھا لینے کی وجہ سے درست ہو جاتا ہے۔ بارہ سنگھا میں خاص بات یہ ہے کہ یہ مچھلی سے انس والفت رکھتا ہے۔ چنانچہ یہ مچھلی کو دیکھنے کے لیے کبھی کبھی دریا کے کنارے چلا جاتا ہے۔ مچھلی بھی اسے دیکھ کر خشکی کے قریب آ جاتی ہے۔

مچھلی کے شکاری اس کی عادت سے واقف ہوتے ہیں۔ جب انہیں مچھلی کا شوق ہوتا ہے تو وہ اسی بارہ سنگھا کی کھال پہن کر دریا کے کنارے بیٹھ کر مچھلی کا شکار کر لیتے ہیں۔

یہ بارہ سنگھا سانپ کے کھانے کا عادی ہوتا ہے چنانچہ جہاں کہیں بھی اسے سانپ نظر آ جاتا ہے تو اسے لقمہ بنا لیتا ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سانپ اسے ڈس بھی لیتا ہے تو اس کی آنکھ سے دو چھوٹے نقرہ کے برابر خون نکلتا ہے جس کی وجہ سے اس کی آنکھ میں انگلی کے برابر گڑھا پیدا ہو جاتا ہے جس میں اچھے طریقے سے انگلی جا سکتی ہے۔ یہ خون زمین پر گر کر خشک ہونے کے بعد شمع کی مانند ہو جاتا ہے۔ لوگ اس خون سے سانپ کے زہر سے بچنے کے لیے تریاق بناتے ہیں اور یہ تریاق حیوانی فادزہر کہلاتا ہے۔ سب سے اچھا تریاق زرد رنگ کا ہوتا ہے۔

اس قسم کا بارہ سنگھا اکثر ہندوستان' سندھ اور فارس وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ جب اس خاص بنائے ہوئے تریاق کو سانپ یا بچھو کے ڈسنے کے مقام پر لگا دیا جاتا ہے تو بے حد نفع بخش ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے زہر پی لیا ہو اس وقت تریاق کا پینا نہایت مفید ہے۔ زہر

کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے اس خاص تریاق میں اللہ تعالیٰ نے عجیب وغریب خصوصیات ودیعت کردی ہیں۔

سینگ کب نکلتی ہے

جب یہ بارہ سنگھا دوسال کی عمر کا ہو جاتا ہے تو اس کی سینگیں آنی شروع ہوتی ہیں۔اس کی سینگ بالکل میخ کی طرح نکلتی ہے۔ تیسرے سال سینگوں میں شاخیں بننا شروع ہو جاتی ہیں۔اس طرح برابر چھ سال تک شاخ درشاخ نکلتی رہتی ہیں۔ پھر ایک وقت اس کی دونوں سینگیں دو گھنے درخت کی طرح خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔اس جانور میں یہ بھی خصوصیت ہے کہ ان مراحل سے گزرنے کے بعد ایک نیا دور شروع ہوتا ہے کہ ہر سال اس کی دونوں سینگیں گر جاتی ہیں' پھر اُگ آتی ہیں۔مضبوطی کے لیے سورج کی دھوپ میں تھوڑی دیر کے لیے گرمی بھی حاصل کرتا ہے۔

امام فن شیخ ارسطو رقم طراز ہیں کہ اس قسم کا بارہ سنگھا سیٹی' راگ اور ساز سے شکار کیا جاتا ہے۔وجہ اس کی یہ ہے کہ جب وہ باجا سنتا ہے تو اسے نیند نہیں آتی۔شکاری اسے باجے سے اس قدر مست کر دیتے ہیں کہ اسے ہوش نہیں رہتا۔۔دونوں کان سن دیکھ کر پیچھے سے اس کو پکڑ لیتے ہیں۔اس کا ذکر (آلہ تناسل) بغیر گوشت وہڈی کے ایک پٹھا ہوتا ہے۔اس کی سینگ بالکل ٹھوس ہوتی ہے۔یہ جانور فی نفسہ بزدل ہوتا ہے لیکن دیکھنے سے بارُعب معلوم ہوتا ہے۔یہ سانپوں کو شوق سے نگل جاتا ہے اور دم کی طرف سے کھانے کی ابتداء کرتا ہے۔ ہر سال اپنی سینگوں کو جھاڑ دیتا ہے۔غالباً یہ سینگوں کو ہر سال خداوند قدوس کے الہام سے جھاڑ دیتا ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے سینگوں میں عجیب وغریب منافع' فوائد ودیعت فرمائے ہیں۔لوگ اس کی سینگوں سے موذی جانور کو بھگاتے ہیں۔اس کی سینگوں میں ولادت میں آسانی کی تاثیر رکھی گئی ہے۔حاملہ عورتیں اس سے فوائد حاصل کرتی ہیں۔نیز اگر اس کے سینگ کا کچھ حصہ جلا کر شہد میں ملا کر چاٹ لیا جائے تو پیٹ سے کیڑا نکل جاتا ہے۔(کتاب النعوت)

دمیریؒ کہتے ہیں کہ یہ جانور نہایت موٹا ہوتا ہے اگر اسے بھاگنے کا موقع مل جائے تو شکاری سے بچ کر نکل جاتا ہے۔

درج ذیل اشعار کے معانی

زجاجی کہتے ہیں کہ امام اللغۃ ابن درید سے اس شعر کا مطلب پوچھا گیا ؎

هجرتک لاقلى منى ولكن رائيت بقاء ودک فى الصدود

''میں نے تمہیں چھوڑ دیا ہے لیکن کسی بغض کی وجہ سے نہیں چھوڑا' محض اس لیے کہ میرے نزدیک تمہاری دوستی وادی کے کنارے رہنے ہی میں باقی رہ سکتی ہے۔''

كهجر الحائمات الورد لما رأت ان المنية فى الورود

''جس طرح کہ پانی کا پیاسا گھاٹ پر منڈلا رہا ہو اور پیتا نہ ہو باوجود اس کے کہ وہ جانتا ہے کہ موت گھاٹوں ہی میں ہے۔''

تغيظ نفوسها ظمأ و تخشى حماما فهى تنظر من بعيد

''پیاس کی وجہ سے تڑپ رہا ہو اور موت سے ڈر رہا ہو کہ وہ دور ہی سے گھات میں لگی ہوئی ہے۔''

تصد بوجه ذى البغضاء عنه و ترمقه بالحاظ الودود

''موت دشمنوں کی طرح اعراض کر رہی ہو اور محبوب کی طرح ٹکٹکی باندھ کر دیکھ بھی رہی ہو۔''

چنانچہ زجاجیؒ نے بتایا کہ الحائم اسے کہتے ہیں جو پانی کے ارد گرد منڈلا رہا ہو لیکن قریب نہ جاتا ہو۔ اور ان اشعار کے معانی اس طرح سمجھ میں آ سکتے ہیں کہ بارہ سنگھا ہرن سانپ کے کھانے کے عادی ہوتے ہیں جب ان میں گرمی بڑھتی ہے تو وہ بھڑک اُٹھتے ہیں۔ اسی حالت میں وہ پانی تلاش کرتا ہے۔ پانی مل بھی جاتا ہے تو پیتا نہیں ہے برابر سانس لیتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اگر اس حالت میں پانی پی لے تو پانی اور زہر پیٹ میں ایک ساتھ جمع ہو جائیں گے جس سے اسے تباہ ہونے کا اندیشہ لاحق رہتا ہے۔ لہٰذا وہ کافی دنوں پانی نہیں پیتا۔ جب زہر کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں تو اس وقت پانی پیتا ہے پھر پانی نقصان نہیں دیتا۔ گویا شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ مجھے تمہارے وصال کا شدید انتظار ہے باوجود اس کے کہ میں فرقت کی زندگی گزار رہا ہوں جیسے کہ پیاسا پانی کے گرد چکر لگا رہا ہو لیکن وہ مرنے کے خوف سے پیتا نہ ہو۔

امام زجاجیؒ کی مختصر سوانحی خاکہ

ان کا نام عبدالرحمٰن بن اسحاق کنیت ابوالقاسم ہے۔ یہ علم نحو کے زبردست امام گزرے ہیں۔ انہوں نے ابواسحاق الزجاجی کی صحبت میں تادیر رہ کر فائدہ اٹھایا ہے اس لیے زجاجی ہی سے مشہور ہوئے۔ انہوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام کتاب الجمل ہے۔ ضرب الامثال پر طویل بحث کی ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ جو بھی اس کا مطالعہ کرتا ہے خوب مستفید ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انہوں نے یہ کتاب مکۃ المکرمہ میں تصنیف کی ہے۔ جب ایک باب سے فارغ ہوتے تو ایک ہفتہ تک طواف کرتے۔ کتاب کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے دعائیں مانگتے کہ اللہ تعالیٰ مطالعہ کنندگان کو فائدہ پہنچائے اور مصنف کی مغفرت فرمائے۔ ان کی کتاب کی تھوڑی سی عبارت بطور نمونہ درج ذیل ہے:

ما حرم اللّٰه شیئًا الا واحل بازائه خیرامنه' حرم المیتة واباح المذکی' وحرم الخمر واباح النبیذ وحرم السفاح واباح النکاح وحرم الربوا واباح البیع.

''اللہ تعالیٰ نے اگر کوئی چیز حرام کی ہے تو اس کے بدلہ میں ضرور کوئی نہ کوئی چیز حلال کی ہے مثلاً مردار حرام کیا ہے تو اس کے بدلہ میں ذبیحہ حلال کیا' شراب حرام کی تو نبیذ حلال کر دی' زنا کو حرام قرار دیا تو نکاح کو جائز قرار دیا۔ سود کو حرام کیا تو بیع وشرا کو جائز قرار دیا۔''

زجاجیؒ کا انتقال ۳۳۹ھ یا ۳۳۷ھ میں دمشق میں ہوا۔ بعض نے کہا کہ طبریہ میں وفات ہوئی۔ ابومنصور موہوب الجوالیقی اللغوی کے کتنے عمدہ اشعار ہیں ؎

ورد الوری سلسال جودک فارتووا　　ووقفت حول الورد وقفة حائم

''مخلوق تیرے جود وسخا کے گھاٹ میں آ کر خوب سیراب ہوئی اور گھاٹ کے ارد گرد تڑپتے ہوئے پیاسوں کی طرح ٹھہر بھی گئے۔''

حیران اطلب غفلة من وارد　　والورد لا یزداد غیر تزاحم

''میں حیران ہو کر آنے والوں کی غفلت کی سراغ میں رہا اور گھاٹ میں برابر بھیڑ بھاڑ ہوتی چلی جا رہی تھی۔''

امام الجوالیقیؒ

یہ فنون ادب کے زبردست امام تھے۔ انہوں نے بہت سی نفع بخش کتابیں لکھی ہیں۔ خلیفہ المقتفی باللہ کے پنجوقتہ نمازوں کے امام

تھے۔ جب یہ خلیفہ کے دربار میں پہلی مرتبہ آئے تھے تو یہ کہا تھا:

''السلام علی امیر المؤمنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!'' تو ان سے طبیب ہبۃ اللہ بن الصاعد بن التلمیذ النصرانی نے کہا کہ کہیں امیر المؤمنین سے اس طرح سلام کیا جاتا ہے؟ تو الجوالیقی نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی اور براہ راست خلیفہ سے یوں کہا کہ میں ہمیشہ سنت نبویہ کے مطابق سلام کرتا ہوں اور یہ آپ کے لیے سب سے عمدہ سلام سمجھا جاتا ہے۔

الجوالیقی نے مزید کہا کہ اے امیر المؤمنین اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ نصرانیوں اور یہودیوں میں علم ان کے دل کی گہرائیوں میں نہیں اُترا تو وہ اپنی قسم میں حانث نہیں ہوگا بالکل واقعہ کے مطابق صحیح قسم کھائے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں تالے لگا دیئے ہیں جنہیں صرف ایمان وسلام کی دولت ہی کھول سکتی ہے۔ خلیفہ نے یہ سن کر کہا کہ آپ نے بہت عمدہ کہا اور بالکل سچ کہا' گویا ابن التلمیذ حیران رہ گئے کچھ جواب نہ بن پڑا حالانکہ زبردست علم وفضل کے مالک تھے۔ مندرجہ بالا جو دو شعر گزرے ہیں اسی موضوع پر ابن الخشاب نے بھی اشعار کہے ہیں۔ امام الجوالیقی کی وفات بغداد میں ۵۳۹ھ میں ہوئی۔

شرعی حکم

بارہ سنگھا حلال ہے اس لیے کہ اس کا شمار پاکیزہ جانوروں میں ہوتا ہے جیسے کہ پہاڑی بکرا۔ لیکن امام رافعیؒ نے اس کا ذکر باب الاطعمہ (کھانے کے باب) میں نہیں کیا۔ اس کے بجائے باب الربا (سود کے باب) میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً یوں کہا ہے کہ ہرنوں کا گوشت بشمول بارہ سنگھا کے بارے میں شیخ ابو محمد کا قول صاف طور پر واضح نہیں ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلے میں متردد ہیں۔ پھر آگے جا کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہرن معہ بارہ سنگھا کا مسئلہ بالکل اسی طرح ہے جیسے بھیڑ بکریوں کے ساتھ جواز کا حکم لگایا جاتا ہے۔ البتہ گو دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کے بدلے میں فروخت نہیں کیا جا سکتا الا یہ کہ برابر سرابر ہوں۔ امام متولی نے بغیر کسی ترجیح کے مسئلہ کے دونوں رخوں کا ذکر کیا ہے۔

فوائد

اگر کسی جگہ اس کے سینگوں کی دھونی دی جائے تو تمام کیڑے مکوڑے موذی جانور بھاگ جاتے ہیں' اسی طرح اگر اس کے سینگوں کو جلا کر دانتوں میں لگایا جائے تو دانتوں کی زردی کو دور اس کے گڑھوں اور جڑوں کو بھر دے گی۔ اگر اس کی سینگ کے بعض اجزاء کو گلے میں باندھ کر لٹکایا جائے تو جب تک گلے میں رہیں گے اسے کرکے نیند نہیں آ سکتی۔ بارہ سنگھا کا عضو تناسل خشک کرنے کے بعد پیس کر پانی میں ملا کر پینا منی میں ہیجان اور تیزی پیدا کرتا ہے۔ انسان کے عضو تناسل میں انتشار پیدا کر دیتا ہے۔ اس کا خون پینے سے مثانہ کی پتھری ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے

ابن اویٰ

ابن اویٰ گیدڑ کو کہتے ہیں اس کی جمع آویٰ آتی ہے۔ اسی طرح ابن عرس' ابن المخاض' ابن اللبون کی جمع بنات عرس بنات مخاض بنات لبون آتی ہے اور بنات آویٰ غیر منصرف ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

ان ابن اوی لشدید المقتنص و ھو اذا ما صیدریح فی قفص

''واقعی گیدڑ بہت شکاری ہوتا ہے لیکن جب اسے پکڑ کر بند کر دیا جاتا ہے تو پنجرے میں بھاگا پھرتا ہے۔''

گیدڑ کی کنیت ابو ایوب' ابو ذویب' ابو کعب' ابو وائل (بعض نے ابو زہرہ بھی لکھا ہے)

گیدڑ کی عادتیں

اس کا نام ابوآویٰ اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ اپنے تمام ہم جنسوں کے ساتھ مل کر بولتا ہے اور خاص طور پر رات میں چیختا ہے وہ بھی اس وقت جب کہ وہ تنہا رہ گیا ہو۔ اس کی آواز بچوں جیسی ہوتی ہے۔

گیدڑ پنجوں کا لمبا ناخن کا بڑا ہوتا ہے' دوسروں پر حملہ کرتا ہے' پرندوں وغیرہ کا شکار کر کے کھاتا رہتا ہے۔ مرغیاں بہ نسبت لومڑی کے گیدڑ سے زیادہ ڈرتی ہیں۔ اگر گیدڑ اس درخت کے نیچے سے گزر جائے جس پر مرغیاں بیٹھی ہوئی ہوں تو فوراً خوف کے مارے نیچے گر جاتی ہیں اگر چہ مرغیوں کے جھنڈ کے جھنڈ کیوں نہ ہوں۔

گیدڑ حلال ہے یا حرام

صحیح قول کے مطابق اس کا گوشت حرام ہے اس لیے کہ یہ کونچلی کے دانتوں سے حملہ کرتا ہے۔ اگر کسی کو یہ اشکال پیش آئے کہ چونکہ گیدڑ کے کونچلی کے دانت کمزور ہوتے ہیں تو اس کا حکم بھی لگڑ بگڑ (ضبع) یا لومڑی کے مانند ہو جائے گا۔ پھر تو باقاعدہ ایک مذہب بن جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے شوافع کے نزدیک دونوں صورتیں موجود ہیں اس لیے صحیح وہ جو المحرر' المنہاج' الشرح' الحاوی' الصغیر وغیرہ میں موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ حرام ہے۔ شیخ ابوحامد کے نزدیک حلال ہے۔ امام احمدؒ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جو بھی جانور کونچلی کے دانتوں سے نوچتے ہیں وہ درندوں میں داخل ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ وامام ابویوسف ومحمد رحمہم اللہ کے نزدیک بھی ممنوع ہے۔

گیدڑ کے طبی خواص

اگر اس کی زبان کسی کے گھر میں ڈال دی جائے تو اس میں جھگڑا ہونے لگتا ہے۔ اس کا گوشت جنون' مرگی جو آخر ماہ میں ہوتی ہے نفع بخش ہوتا ہے۔ اگر اس کی دائیں آنکھ کسی نظر لگنے والی چیز پر لٹکا دی جاتی ہے تو وہ نظر بد سے محفوظ رہتی ہے بلکہ نظر بد کا اس پر بس تک نہیں چل پاتا۔ اگر کوئی اس کے دل کو گلے میں باندھ کر لٹکا لے تو وہ ان شاء اللہ تعالیٰ تمام درندوں سے محفوظ رہے گا۔

باب اَلبَاء الموحدة

البابوس

البابوس انسان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں بلکہ ہر چیز کے چھوٹے بچوں کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ابن احمر ماعر نے کہا ہے ؎

حنت قلوصی الی بابوسها طربا   وما حنینک بل ما انت والذکر

''شہد کی مکھی اپنے انڈوں، بچوں کو دیکھ کر مستی سے گنگنانے لگی اور اے شہد کی مکھی تیری یہ گنگناہٹ بلکہ تیرا ہر ذکر و شغل کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے۔''

البازی

باز۔شکرا۔ابن سیدہ لکھتے ہیں کہ البازی کے علاوہ باز اور بازیٌ بھی کہتے ہیں۔بازی بالاتفاق نر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔تثنیہ کے لیے بازیان جمع کے لیے بزاۃ بولتے ہیں جیسے کہ قاضیان وقضاۃ۔شاہین اور بازی کے لیے یوں کہتے ہیں فلان یصید صقورًا (فلاں شکرا کا شکار کر رہا ہے) بازی بزوان سے مشتق ہے۔کودنے، اچکنے کے معانی پائے جاتے ہیں۔اس کی کنیت ابوالاشعث، ابوالبہلول، ابولاحق ہے۔یہ پرندہ تمام پرندوں میں بدخلق، متکبر ہوتا ہے۔

قزوینی کہتے ہیں کہ بازی صرف مادہ ہی ہوا کرتا ہے۔اس کا نر دوسری قسم سے ہوتا ہے جیسے کہ چیل اور شاہین وغیرہ میں ہوتا ہے۔ اس لیے تو ان کی شکلوں کے بارے میں اختلاف ہے۔

اہل علم کے لئے عبداللہ مبارک کی سخاوت

امیر المؤمنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارک تجارت کیا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اگر پانچ اشخاص نہ ہوتے تو میں تجارت نہ کرتا اور پانچ اشخاص یہ ہیں: سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، فضیل بن سماک، اسماعیل بن علیہ یعنی ابن مبارک ان لوگوں کی مالی امداد کر کے صلۂ رحمی کا ثبوت دیتے تھے۔چنانچہ حسب دستور ایک سال گزر گیا۔کسی نے عبداللہ بن المبارک کو یہ بتایا کہ ابن علیہ کو اب قاضی بنا دیا گیا ہے۔ یہ خبر سن کر ابن مبارک ابن علیہ کے پاس نہ آئے اور نہ کچھ مالی امداد کی۔کچھ دنوں کے بعد ابن علیہ عبداللہ بن مبارک کے پاس خود آئے لیکن عبداللہ بن مبارک نے ان کی طرف سر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔اس کے بعد ابن مبارک نے ابن علیہ کے پاس یہ اشعار لکھ کر ارسال کر دیئے

یا جاعل العلم له بازیا   یصطاد اموال المساکین

''اے علم کو باز بنانے والے! غریبوں کے مال کا شکار کرتا ہے۔''

احتلت للدنیا و لذاتها   بحیلة تذهب بالدین

''تو نے دُنیا اور اس کی لذتوں کو اس تدبیر سے قابو میں کر رکھا ہے کہ جو دین کو پامال کر دیتا ہے۔''

فصرت مجنونا بها بعدما کنت دواء للمجانین

''تم دُنیا کو حاصل کر کے مجنون بن گئے ہو حالانکہ تم خود مجنونوں کے لیے دوا تھے۔''

این روایاتک فی سردها لترک ابواب السلاطین

''تیری روایات بادشاہوں کے دروازوں کے چھوڑ دینے کے بارے میں کہاں چلی گئیں۔''

این روایاتک فیما مضی عن ابن عوف و ابن سیرین

''تیری بیان کردہ روایات کہاں ہیں جو ابن عوف و محمد ابن سیرین کے واسطے سے بیان ہوئی ہیں۔''

ان قلت اکرهت فذا باطل زل حمار العلم فی الطین

''اگر تم یہ کہتے ہو کہ مجھے قضا کے لیے مجبور کیا گیا ہے تو بالکل غلط ہے، علم کا گدھا مٹی میں پھسل گیا ہے۔''

جس وقت اسماعیل بن علیہ ان اشعار سے مطلع ہوئے تو انہوں نے ہارون الرشید کی خدمت میں جا کر استعفاء دے دیا تو ان کا استعفاء منظوری کر لیا گیا۔

عبداللہ بن مبارکؒ خصائل حمیدہ

یہ ایک زبردست عالم، عابد، زاہد، امام حدیث، علم وعمل کے نمونہ آدمی تھے۔ ابن خلکان نے ان کی حیات پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک لطیفہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ کی مجلس میں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اسے چھینک آ گئی اس نے الحمدللہ نہیں کہا تو ابن مبارک نے کہا اگر چھینک آ جائے تو اسے کیا پڑھنا چاہیے تو اس نے جواب دیا کہ الحمدللہ کہنا چاہیے تو آپ نے فرمایا یرحمک اللہ (اللہ تم پر رحم کرے) یہ سن کر حاضرین مجلس عبداللہ بن مبارک کے حسن ادب سے متحیر رہ گئے۔

مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مرتبہ الرقۃ تشریف لائے تو لوگ جوق در جوق عبداللہ بن مبارک کے پیچھے چل رہے تھے۔ گرد وغبار خوب اُڑ رہا تھا۔ اتفاق سے قصر الخشب سے ہارون الرشید کی ایک باندی نے جھانک کر دیکھا تو اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں جن کے پیچھے ایک اژدھام کثیر چل رہا ہے تو جواب دیا گیا کہ یہ خراسان کے ایک زبردست عالم ہیں جن کو عبداللہ بن مبارک کہا جاتا ہے تو اس ام ولد باندی نے کہا خدا کی قسم! بادشاہ تو یہ کہلانے کے مستحق ہیں اس لیے کہ لوگ ان کے پیچھے کسی مقصد یا شرط کے ساتھ جمع نہیں ہوئے ہیں بلکہ ان کی غزارت علمی کی وجہ سے بطور فخر چل رہے ہیں۔

اہل علم نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے ملک شام میں کسی آدمی سے قلم مستعار لیا۔ اچانک آپ کو سفر درپیش آ گیا۔ انطاکیہ کی طرف چلے گئے۔ قلم بھی بھول کر ساتھ لے گئے۔ جب آپ کو اس کا قلم انطاکیہ میں یاد آیا تو آپ فوراً پیدل تشریف لائے اور اس کا قلم واپس کیا۔ پھر وہاں سے واپس ہوئے۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ جس جگہ پر بیٹھ جاتے تھے تو زمین انوار و برکات سے منور ہو جاتی تھی۔ وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی۔

ہارون الرشید کا واقعہ

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید شکار کھیلنے کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے ایک سفید مائل بہ سیاہی باز کو ہوا میں اُڑا دیا۔ تھوڑی دیر

تک وہ اُڑتا رہا پھر نظروں سے بھی اوجھل ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک پنجے میں مچھلی لے کر اُتر آیا۔ ہارون الرشید نے اس مچھلی کے بارے میں علماء سے پوچھا آیا اس کو کھانا جائز ہے یا نہیں اور اس جانور کی کیا حقیقت ہے؟ تو مقاتل نے جواب دیا حضور امیر المؤمنین آپ کے جد امجد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ہم سے روایت بیان کی ہے کہ فضاؤں میں مختلف قسم کی مخلوق رہتی ہیں۔ بعض ان میں سے ایسے سفید قسم کے جانور ہوتے ہیں جن سے مچھلی کی شکل کے بچے پیدا ہوتے ہیں جن کے بازو تو ہوتے ہیں لیکن پر نہیں ہوتے۔ اس کے بعد حضرت مقاتل نے اس کے کھانے کی اجازت دی تو اس جانور کا احترام کیا گیا۔

باز کی قسمیں

باز پانچ قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) البازی (۲) الزرق (۳) الباشق (۴) البیدق (۵) الصقر [1]

ان میں بازی نام کا سب سے زیادہ پایا جاتا ہے اس لیے کہ یہ پیاس پر کنٹرول کرتا ہے گھنے سایہ دار جہاں مسلسل درختوں کی قطاریں ہوں وہاں یہ مسکن بناتا ہے۔ یہ پرندہ بازو کا ہلکا' اڑان میں تیز ہوتا ہے' مادہ' نر سے زیادہ طاقت ور ہوتی ہے چونکہ بازی میں گرمی زیادہ ہوتی ہے اس لیے اس کو طرح طرح کے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ مثلاً گوشت ہلکا ہو جاتا ہے اور بازو دبلا ہو جاتا ہے۔ سب سے بہترین وہ باز ہوتا ہے جس کی آنکھیں سرخ' بازو ہلکے پھلکے اور اڑان تیز ہوتی ہو جیسے کہ الناشی شاعر نے کہا ؎

لو استضاء المرء فی ادلاجه بعینه کفته عن سراجه

''اگر آدھی رات میں باز کی آنکھوں سے روشنی حاصل کرے تو اسے چراغ کی ضرورت نہیں رہے گی۔''

اور اس سے کم درجہ کا باز وہ ہوتا ہے جس کی آنکھیں چتکبری اور سرخ ہوتی ہیں اور ان دونوں سے گھٹیا پیلے رنگ کا ہوتا ہے۔

باز کی جسمانی ساخت

باز کی گردن لمبی' سینہ چوڑا' مونڈھے چوڑے' دم کا حصہ لاغر' دونوں رانیں بالوں سے ڈھکی' بازو موٹے اور چھوٹے ہوتے ہیں۔ باز کے بچے کو عربی میں غطریف کہتے ہیں۔ باز سے عربی میں مثال بھی دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ شاعر نے آخر مصرعہ میں استعمال کیا ہے ؎

اذا ما اعتزذ و علم بعلم فعلم الفقه اولی باعتزاز

''اگر عالم آدمی علم سے فخر کرتا ہے تو واقعی علم فقہ زیادہ قابل افتخار ہے۔''

و کم طیب یفوح ولا کمسک و کم طیریطیر ولا کباز

ترجمہ: ''بہت سی خوشبوئیں مہکتی ہیں مگر مشک کی اور ہی بات ہے اور کتنے پرندے پرواز کرتے ہیں لیکن باز جیسا کوئی نہیں اُڑ پاتا۔''

شیخ زاہد ابوالعباس القسطلانی کہتے ہیں کہ میں نے ابوشجاع بن رسم الاصبہانی کو جو مقام ابراہیم کے امام تھے ان سے سنا ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ میں نے شیخ احمد سے جو حماد الدباس کے خادم تھے' سنا ہے کہ ایک دن شیخ عبدالقادر جناب حماد الدباس کے یہاں بغرض

---

[1] البازی: عام عقاب الزرق: سفید عقاب۔ (ج)

الباشق: (ILUIPITER NISUS) SPARROW HOWK یا MUSKET

الصقر: FALCO SACER(ج)

ملاقات حاضر ہوئے تو الدباس نے انہیں دیکھا کہ انہوں نے بازی پرندے کا شکار کرلیا ہے تو ان کے شیخ انہیں ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے تو وہ اپنے شیخ کے یہاں سے بغیر سامان وغیرہ لیے ہوئے نکل آئے اور یہ بھی ہمارے بڑے لوگوں میں سے تھے۔

اسی لیے شیخ عبدالقادر کہتے ہیں ؎

انا ببلل الاقراح املاء دوحھا　　طربا و فی العلیا باز اشھب

''میں مارے خوشی کے گھنے درختوں کو مستی سے بھر دوں گا اور پہاڑ کی چوٹی میں سفید سیاہ رنگ کا باز رہتا ہے۔''

شیخ ابواسحاق شیرازی کہتے ہیں کہ لوگ قاضی شریح کو باز اشہب (سفید مائل بہ سیاہی) کہتے تھے۔ ابوعیظی نے ابتدائی قصیدہ میں کہا ہے ؎

لیس المقام بدار الذال من شیمی　　ولا معاشرۃ الا تذال من ھممی

''ذلت کی جگہ رہنا میری عادت نہیں اور نہ ذلیلوں کی طرح رہنے کا میرا ارادہ ہے۔''

ولا مجاورۃ الاوباش تجمل لی　　کذالک الباز لا یاوی مع الرخیم

''اور نہ میں نے بدمعاشوں کی صحبت کو اپنے لیے زینت بنایا جس طرح کہ باز گدھوں کے ساتھ نہیں رہتا۔''

(۲) الباشق

الباشق عجمی لفظ ہے معرب ہے اس کی کنیت ابوالاخذ ہے۔ یہ مزاج میں گرم' بدخلق ہمیشہ بے چین و مضطرب رہتا ہے۔ کبھی یہ مانوس ہو جاتا ہے اور کبھی وحشت کرنے لگتا ہے۔ یہ قسم بھی طاقتور ہوتی ہے۔ اگر یہ قسم صغرسنی میں مانوس ہو جاتی ہے تو اس کا مالک شکار سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ یہ پرندہ بھی ہلکا پھلکا' عادت کا اچھا' بادشاہوں کے پالنے کے لیے زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ پرندہ اچھے قسم کا شکار لا کر دیتا ہے۔ مثلاً کبوتر' تیتر اور قمری وغیرہ۔

یہ نہایت تیز اور چالاک پرندہ ہوتا ہے۔ اگر اس کا مقابل بھاری ہو جاتا ہے تو پھر اسے نہیں چھوڑتا الا یہ کہ دو میں سے ایک ہلاک ہو جائے۔ باز کی اس قسم میں سب سے اچھا وہ ہوتا ہے جو دیکھنے میں چھوٹا' وزن میں بھاری' پنڈلیاں لمبی' رانیں چھوٹی ہوتی ہیں۔

(۳) البیدق

یہ باز کی تیسری قسم ہے گوریا اور چھوٹی چھوٹی چڑیوں کا شکار کرتا ہے گھنے درختوں کی جگہ بہت کم رہتا ہے۔ یہ طبیعت میں عقعقی پرندہ کی طرح ہوتا ہے۔ چنانچہ ابوالفتح کشاجم شاعر کہتا ہے ؎

حسبی من البزاۃ والبیادق　　ببیدق یصید صید الباشق

''میرے لیے باز اور شکرے کافی ہیں جو جنگل میں شکرے کی طرح شکار کرتا ہے۔''

مودب مدرب الخلائق　　اصید من معشوقۃ العاشق

''وہ شائستہ اور لوگوں کا سدھایا ہوا ہے۔ جو عاشق کے لیے معشوق کا زیادہ شکاری ہے۔''

یسبق فی السرعۃ کل سابق　　لیس لہ فی صیدہ من عائق

''وہ ہر تیز رفتار سے آگے نکل جاتا ہے اسے شکار کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔''

ربیته و کنت غیر واثق ان الفرازین من البیادق

''میں نے اسے پالا تو ہے لیکن مجھے اعتماد نہیں ہے۔ واقعی شطرنج کی ملکہ بیدق باز کے قبیل سے ہے۔''

القصی پرندہ شکاری پرندوں میں سب سے چھوٹا' تدبیر وحیلہ میں ناقص' بدخلق اور مزاج میں خشک ہوتا ہے۔ کبھی کبھی چڑیوں' گوریوں کا شکار کر لیتا ہے' بلکہ اکثر انہی سے ڈر کر بھاگ جاتا ہے۔ یہ شکل وصورت میں باشق کے مشابہ لیکن چھوٹا ہوتا ہے۔

باز حلال ہے یا حرام

ہر قسم کا باز اور شکرا حرام ہے اس لیے کہ میمون بن مہران' عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''ہر کونچ والے درندوں اور چنگل مارنے والے پرندوں کا کھانا حرام ہے۔'' (رواہ الامام مسلم)

یہی اکثر علماء کرام کا مذہب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں باز اور شکرے کا گوشت حرام نہیں ہے۔ یہی مسلک اللیث' الاوزاعی' یحییٰ بن سعید وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے:

لا یحرم من الطیر شئی. ''کوئی بھی پرندہ حرام نہیں ہے۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا استدلال قرآن کریم کی وہ آیت ہے جس میں مباح اشیاء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نیز امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث ''ذی ناب'' صحیح نہیں ہے۔

امام ابہری کہتے ہیں جنگل والے پرندوں کے بارے میں کوئی نص صریح نہیں ہے۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس حدیث میں ''ذو مخلب'' کا لفظ ہے وہ حدیث صحیح نہیں ہے اس لیے کہ میمون بن مہران نے مذکورہ بالا حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے درمیان کا واسطہ ترک کر دیا ہے۔ حالانکہ درمیان میں سعید بن جبیر بھی ہیں اس لیے یہ حدیث سقوط سے خالی نہیں ہے۔ اس علت کی وجہ سے ہمارے نزدیک یہ حدیث معیار کے مطابق نہیں ہے۔

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ محرم (احرام باندھنے والا) آدمی کو باز یا شکرے کو ساتھ رکھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح وہ جانور بھی جو کتے وغیرہ کے قبیل سے ہوں' رکھنا مکروہ ہے اس لیے کہ ان جانوروں کو دیکھ کر شکار بھاگ جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس قسم کے پرندے یا جانور شکار دیکھ کر بے اختیار حملہ کر دیتے ہیں تو شکار مر جاتا ہے۔ لہٰذا اگر باز کو شکار پکڑنے کے لیے آمادہ کیا یا شکار پر چھوڑ دیا لیکن باز نے شکار کو مارا نہیں یا کسی قسم کی اذیت نہیں پہنچائی تو اس وقت محرم کو جزا نہیں دینی ہوگی۔ البتہ گناہ گار ضرور ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی آدمی نے تیر سے نشانہ لگایا لیکن خطا کر گیا تو وہ محض تیر چلانے کی وجہ سے گناہ گار ہو گا۔ اس لیے کہ اس نے تیر چلاتے وقت ارادہ تو کر ہی لیا تھا۔ لیکن چونکہ نقصان نہیں پہنچا اس لیے ضمان بھی نہیں لیا جائے گا۔

امام شافعیؒ مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ جن جانوروں سے نہ نقصان پہنچتا ہو نہ فائدہ ان کو مارنا بھی درست نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیے کہ ان سے نفع کی اُمید ہے اور محض لوگوں پر حملہ کرنے کی وجہ سے مکروہ بھی نہیں گردانا جائے گا۔ جیسے باز' شکرا' چیتا اور عقاب وغیرہ اور وہ بھی جو ان جیسے ہوں۔ اھ

باز چونکہ پاک پرندہ ہے اس لیے اس کی بیع جائز ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے ان سے نفع اُٹھایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ عدی بن حاتم کہتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے باز کے شکار کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جو وہ تمہارے لئے پکڑ لے اسے کھا سکتے ہو۔'' (رواہ الترمذی)

امثال

اہل عرب کہتے ہیں:

هل ينهض البازی بغير جناح. ''کیا شکرا بغیر بازوؤں کے پرواز کر سکتا ہے۔''

یہ مثل کسی کے تعاون یا موافقت کرنے کے وقت بولی جاتی ہے۔ چنانچہ شاعر نے کہا ہے ؎

اخاک اخاک ان من لا اخاه کساع الی الهيجا بغير سلاح

''تمہارا بھائی بھائی ہے واقعی جس کے بھائی نہیں ہوتا وہ بغیر ہتھیار کے لڑائی کرنے والے کی مانند ہے۔''

و ان ابن عم المرء فاعلم جناحه و هل ينهض البازی بغير جناح

''اور یقیناً کسی کے چچازاد بھائی کو اس آدمی کے بازو سمجھو۔ کیا کوئی باز بغیر بازوؤں کے پر پھیلا سکتا ہے۔''

ایک بہترین ضرب المثل

خالد بن یزید الارقط کہتے ہیں کہ ابوایوب سلیمان بن ابی المجالد کی بہترین ضرب الامثال میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ ابوایوب ہم سب لوگوں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بارے میں ترغیب اور ترہیب کر رہے تھے کہ اچانک خلیفہ منصور کے یہاں سے ان کا بلاوا آ گیا۔ یہ سنتے ہی ابوایوب کے چہرے کا رنگ بدل گیا' زرد ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب دربار سے واپس آئے تو ان کے چہرے پر کسی قسم کے خوف کے آثار نہیں تھے بلکہ یہ کوئی نئی بات تھی جب بھی منصور بلاتے تو یہ کیفیت طاری ہو جاتی۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے یہ سوال کیا کہ آپ تو خلیفہ کے یہاں کثرت سے آتے جاتے ہیں وہ آپ سے مانوس ہیں اس کے باوجود آپ ان سے خوف محسوس کرتے ہیں۔ بلاوا سنتے ہی چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے۔ جواب میں فرمایا کہ ہم نے اپنے بڑوں سے یہ سنا ہے کہ ایک مرتبہ باز اور مرغ مباحثہ کر رہے تھے۔

باز نے کہا: تم میرے نزدیک اپنے مالک کے وفادار نہیں معلوم ہوتے۔

مرغ نے کہا: میں اپنے مالک کا کیسے وفادار نہیں ہوں؟

باز نے کہا: مشکل سے تم روز ایک انڈا دیتے ہو۔ تمہارے مالک اسے یکجا کر کے سیتے ہیں۔ پھر چند دنوں میں باہر آ جاتے ہو۔ مالک اپنے ہاتھ سے تمہیں دانہ ڈالتے ہیں۔ پھر جب تم بڑے ہو جاتے ہو تو اُڑ جاتے ہو کسی کے قریب بھی نہیں آتے۔ ادھر اُدھر سے چنتے رہتے ہو۔ اسی طرح تمہارا حال ہے کہ اگر کسی دیوار پر چڑھ جاتے ہو اگرچہ اس میں تم کئی سال کیوں نہ رہ چکے ہو چھوڑ کر اُڑ جاتے ہو۔ تمہیں ہر وقت کسی دوسری شاخ کی تلاش رہتی ہے۔ پھر دوسروں کی عنایات کی اُمیدیں باندھتے ہو۔

رہا میں تو لوگ مجھے پہاڑوں سے پکڑ کر لے جاتے ہیں' پالتے ہیں' جب میں بڑا ہو جاتا ہوں تو کھانا دانہ بھی تھوڑا سا چنتا ہوں۔ بس زیادہ دن نہیں لگتے چند ہی دن میں مانوس ہو جاتا ہوں۔ میرے مالک مجھے شکار کرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں تو میں تنہا اُڑتا رہتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں شکار پکڑ کر اپنے مالک کو دے دیتا ہوں۔

مرغ نے کہا: میاں بس کرو' اب دلائل ختم ہو گئے۔ دراصل بات یہ ہے کہ اگر تم بازوؤں اور شکروں کو سیخوں میں بھنتے ہوئے دیکھ لو تو

تم دوبارہ مالک کے پاس نہیں آسکتے اور میرا یہ حال ہے کہ روزانہ میں سیخوں میں مرغوں کو بھنتے ہوئے دیکھتا ہوں اس کے باوجود کھڑا رہتا ہوں۔ان حالات کے پیش نظر میں تم سے زیادہ اپنے مالک کا وفادار ہوں۔بس میں تو یہ تمنا کرتا ہوں کہ کاش میں تمہارے جیسا ہوتا۔اھ

ابوایوب نے کہا کہ اگر تم لوگ منصور کو اتنے قریب سے دیکھ لو جتنے قریب سے میں جانتا ہوں تو منصور کے بلاوے کے وقت تمہارا مجھ سے زیادہ بدتر حال ہو جائے۔

ابوایوب سلیمان کا قتل

پھر بعد میں خلیفہ منصور نے ابوایوب سلیمان بن ابی الجالد کو ۱۵۴ھ میں ان کا مال واسباب چھین کر پریشان کر کے قتل کر دیا۔حالانکہ ابوایوب کے منصور کے ساتھ خلیفہ بننے سے قبل گہرے تعلقات تھے جس کی وجہ سے خلیفہ ہونے کے بعد دربار میں ابوایوب کی کافی قدر ومنزلت تھی۔پھر بعد میں کسی وجہ سے منصور ان سے غصہ ہو گیا اور اس قدر بدظن ہوا کہ آپس کے دیرینہ تعلقات ختم ہو گئے۔

اہل علم لکھتے ہیں کہ غالباً اسی لئے جب ابوایوب خلیفہ منصور کے دربار میں حاضر ہوتے تو ان کے اوپر خوف وہراس کے آثار نمایاں ہو جاتے لیکن کسی وجہ سے یہ مامون ومحفوظ ہو کر واپس آجاتے۔

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ ابوایوب نے خلیفہ منصور سے بچنے کے لیے کچھ تیل کی چیزوں میں جادو کر رکھا تھا اور جس وقت دربار میں جاتے تو سب سے پہلے بھنوؤں میں یہ تیل لگا لیتے جس کی وجہ سے عوام میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ ''دہن ابی ایوب'' (ابوایوب کا تیل) اس عمل کی وجہ سے خلیفہ منصور ان کو دیکھ کر مسکراتے اور محبت سے پیش آتے۔

اسی معانی میں ناصح الدین بن سعید بن دہان جو علم وفضل میں اپنے وقت کے امام سیبویہ مانے جاتے تھے کہتے ہیں ؎

لا تجعل الهزل دابا فهو منقصته والجد تعلوبه بين الورى القيم

''تم مذاق اور ٹھٹھا کے عادی نہ بنو اس لیے کہ یہ عیب ہے' سنجیدگی مخلوق میں انسان کی قدر وقیمت میں اضافہ کرتی ہے۔''

ولا يغرنک من مالک تبسمه ما سحت السحب الاحين تبتسم

''بادشاہ کی مسکراہٹ تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے' اس لیے کہ جب بادل گرجتا ہے تو لگاتار برستا ہے۔''

یہ بھی ان کے اچھے اشعار سمجھے جاتے ہیں ؎

بادر الى العيش والايام راقدة و لا تكن لصروف الدهر تنتظر

''زمانہ خاموش ہو تو آرام سے زندگی گزارو اور تم زمانہ کی گردش کا انتظار نہ کرو۔''

فالعمر كالكاس يبدوا فى اوائله صفو وآخره فى قعره كدر

''عمر تو پیالہ کی طرح ہے جو بظاہر صاف وستھرا رہتا ہے لیکن اندر گہرائی میں گدلا پن ہوتا ہے۔''

یہ بھی ان ہی کے اشعار ہیں لیکن بعض لوگوں نے ابن طباطبا الطالبی کی طرف منسوب کئے ہیں ؎

تامل نحولى والهلال اذا بدا ليلته فى افقه ابنا اضنى

''تم میری لاغری کو غور سے دیکھو اور جب چاند رات میں اپنے افق میں طلوع ہوتا ہے (تو اس وقت دیکھو) ہم میں سے کون زیادہ لاغری ہے۔''

علی انه یزداد فی کل لیلۃ نموا و جسمی بالضنی دائما یفنی

''چاند تو ہر رات بڑھتا رہتا ہے اور میرا جسم لاغری کی وجہ سے ہمیشہ گھٹتا رہتا ہے۔''

یہ بھی انہی کے اشعار سمجھے جاتے ہیں ؎

واللّٰہ لو لا ان یقال تغیرا و صبا و ان کان التصابی اجدرا

''خدا کی قسم! کیوں نہ کہا جائے کہ وہ بدل کر عورتوں پر مائل ہو گیا اگرچہ اس کا کھیل وکود کی طرف مائل ہونا زیادہ مناسب ہے۔''

لاعدت تفاح الخدود بنفسجا لثما و کافور الترائب عنبرا

''تو میں سیب جیسے رخساروں کو بنفشہ جیسے ناک کافور وعنبر جیسے سینے کو تیار کروں گا۔''

(الجواہر والزواہر)

ناصح الدین سعید بن الدہان کی وفات ۵۶۹ھ میں ہوئی۔ غزنوی کہتے ہیں کہ الترائب' تریبۃ کی جمع ہے۔ سینہ کے بالائی حصہ قلادہ باندھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ الکواشی نے کہا ہے کہ اس سے مراد بعض کے نزدیک سینہ ہے کچھ کے نزدیک سینے کی ہڈی ہے اور بعض کے نزدیک اطراف رجل (پاؤں کے کناروں) یا انگلیوں کو کہتے ہیں۔

باز کے طبی خواص

باز کا پتہ آنکھوں میں بطور سرمہ لگانے سے آنکھیں پانی سے محفوظ رہتی ہیں۔ اسی طرح آنکھ کی بے نوری کے لیے بھی مفید ہے۔ اگر کوئی عورت بانجھ کیوں نہ ہو۔ باز یا شکرا کی بیٹ پانی میں ملا کر پی لے تو حاملہ ہونے کی اُمید ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص باشق نامی خاص قسم کے باز کا دماغ کھالے تو خفقان (دل دھڑکنا) جو سوداء کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے' دور ہو جاتا ہے' بشرطیکہ ایک درہم کے مقدار عرق گلاب میں ملا کر استعمال کریں۔

تعبیر

باز کو کسی حاکم کا خواب میں دیکھنا ان کی سلطنت وامارت پر اشارہ کرتا ہے۔ اگر حاکم نے خواب میں دیکھا کہ باز اس کے ہاتھوں سے اُڑ گیا ہے لیکن اس کی پنڈلیاں ہاتھوں میں رہ گئی ہیں تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ اس کی سلطنت چلی جائے گی نام باقی رہے گا اور اگر یہ دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں اُڑنے کے بعد اس کے پر یا بال وغیرہ رہ گئے ہیں تو اس کی یہ تعبیر دی جائے گی کہ اس کے ہاتھ میں تھوڑا سا مال باقی رہ جائے گا۔

خواب میں باز کا ذبح کرنا کامیابی پر دلالت کرتا ہے۔ اگر کسی نے یہ دیکھا کہ بہت سے بازوں کو ذبح کر دیا گیا ہے تو اس کی یہ تعبیر ہو گی کہ جو حاکم یا بادشاہ ظلم کر کے مال ودولت لوٹتے ہیں یا عوام سے کھینچتے ہیں وہ عنقریب مرجائیں گے۔ خواب میں باز کا گوشت بادشاہوں یا حاکموں کے مال کی شکل میں آتا ہے۔ اگر کسی بازاری آدمی نے باز کو خواب میں دیکھا تو اس کے لیے فضل اور ریاست کی علامت ہوگی۔

باز کی ایک قسم باشق نام کی ہے یہ خواب میں ڈاکو یا چور کی شکل میں آتا ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ باشق خواب میں اولاد نرینہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

الباذل

الباذل اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کے کونچلی کے دانت نکل آئے ہوں۔ چاہے وہ نر ہو یا مادہ۔ تقریباً یہ دانت آٹھ سال کی عمر میں نکلنا شروع ہوجاتے ہیں۔ البازل کی جمع بزل و بُزُل اوربوازل آتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی سے) ایک نوجوان اونٹ بطور قرض لیا۔ پھر بعد میں آپؐ نے ایک باذل اونٹ (آٹھ سالہ) واپس کیا اور فرمایا تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو قرض کی ادائیگی اچھی طرح کرتا ہو (اچھے مال سے کرتا ہو)۔''

امام الخطابی' ابن خزیمہ' یونس بن عبدالاعلیٰ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفیان بن عیینہؒ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے معانی پوچھے گئے تو خاموش ہوگئے۔

''جو استجمار کرے تو طاق مرتبہ کرے۔''

پھر تھوڑی دیر کے بعد سفیان بن عیینہ سے کہا گیا کہ اس حدیث کے معانی جو امام مالکؒ نے بتائے ہیں وہ بیان کئے جائیں تو کیا آپ پسند کریں گے تو انہوں نے فرمایا کہ امام مالکؒ کیا کہتے ہیں؟ تو ان سے بتایا گیا کہ وہ **الاستجمار** کے معانی **الاستطابتہ بالاجمار** بتاتے ہیں' یعنی پتھروں سے پاکی حاصل کرنا۔

یہ سن کر سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ میری اور امام مالک کی مثال ایسی ہے جیسے کہ پہلے لوگوں نے کہا ہے ۔

و ابن اللبون اذا مالزقی قرن لم يستطع صولة البزل القناعيس

''اور اونٹ کا بچہ جب سینگ سے ملتا ہے تو قناعیس کے پہاڑی بکرے کے حملے کی بھی تاب نہیں رکھتا۔''

الباقعه

الباقعة داهية کے معانی میں ہے یعنی ہوشیار وزیرک مرد۔

امام الہروی عبداللہ بن عمرؓ سے **البـاقـعة** کے معانی یہ نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک ڈراؤنا پرندہ ہوتا ہے۔ پانی پی کر دائیں اور بائیں اُڑ جاتا ہے۔ حدیث قبائل میں ہے:

ان عليا لابی بكر رضی الله عنه لقد عثرت من الاعراب علی ناقعة.

''سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ مجھے ناقعہ پر سوار ایک اعرابی کی اطلاع ملی ہے۔''

دوسری حدیث میں یوں ہے:

ففاتحته فاذا هو باقعة.

''میں نے اس سے بھاؤ تاؤ کیا تو وہ نہایت ہوشیار نکلا۔''

بالام

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن زمین ایک روٹی کی طرح ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے اس کو اُلٹی پلٹی کر دے گا (جیسے کہ تم میں سے کوئی سفر میں اپنی روٹی کو اُلٹتا ہے) جنتیوں کی مہمان نوازی کے لیے۔ اتنے میں ایک یہودی آیا اس نے یہ کہا اے ابوالقاسم! اللہ تم پر برکت نازل فرمائے کیا آپؐ کو میں قیامت کے دن جنتیوں کے کھانے کے بارے میں بتاؤں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں ضرور بتا۔ یہودی نے کہا زمین ایک روٹی کی طرح ہو جائے گی جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ آپؐ نے ہماری طرف دیکھا' پھر ہنسے' یہاں تک کہ آپؐ کے دانت کھل گئے۔ اس نے کہا کیا میں آپؐ کو ان کے سالن کے بارے میں نہ بتاؤں؟ آپؐ نے فرمایا ضرور بتا اس نے کہا ان کا سالن اور بالام اور نون ہوگا۔ ابوسعید نے پوچھا کہ بالام اور نون کیا ہے؟ یہودی نے کہا وہ بیل اور مچھلی ہیں جن کے کلیجے کے ٹکڑے میں سے ستر ہزار آدمی کھاویں گے۔ (انہیں الفاظ کے ساتھ بخاری شریف میں بھی سبعون سین کی تقدیم کے ساتھ حدیث وارد ہوئی ہے)۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''کہ میں جناب رسول اللہ کے پاس کھڑا ہوا تھا کہ اچانک ایک یہودی عالم آیا اس نے کہا محمد (ﷺ) السلام علیک (ثوبانؓ کہتے ہیں) یہ سن کر میں نے اسے اتنی زور سے دھکا دیا جس سے قریب تھا کہ وہ چکرا جاتا۔ اس نے کہا تو نے مجھے کیوں دھکا دیا؟ میں نے کہا تم یا رسول اللہ کہہ کر کیوں نہیں پکارتے ہو؟ یہودی نے کہا کہ ہم ان کا وہ نام لے کر پکارتے ہیں جو ان کے گھر والوں نے رکھا ہے۔ تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں میرا نام محمد (ﷺ) ہی ہے جو میرے گھر والوں نے تجویز کیا ہے۔ یہودی نے کہا میں آپ سے سوال کرنے کے لیے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر میں تم سے کچھ بتاؤں گا تو کیا تم مان لو گے؟ یہودی نے کہا اپنے کانوں سے غور سے سنوں گا۔ اتنے میں آپؐ ایک چھڑی سے جو ساتھ تھی زمین پر کرید نے لگے اور فرمایا اچھا سوال کرو۔ یہودی نے کہا جس دن زمین تبدیل کر دی جائے گی اس زمین اور آسمان کے علاوہ اس وقت لوگ کہاں رہیں گے؟ آپؐ نے فرمایا اس وقت حشر کے علاوہ اندھیرے میں ہوں گے۔

یہودی نے سوال کیا قیامت کے دن سب سے پہلے کن لوگوں کو اجازت دی جائے گی؟ آپؐ نے فرمایا فقراء مہاجرین کو۔ یہودی نے سوال کیا جس وقت وہ جنت میں داخل ہوں گے ان کو کیا تحفہ دیا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا مچھلی کے جگر کا ٹکڑا۔ یہودی نے کہا پھر اس کے بعد ان کا کھانا کیا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا ان کے لیے جنت کا وہ بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت کے گوشوں میں چرا ہوگا۔ یہودی نے کہا کھانے کے بعد ان کا پینا کیا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا شرب ونوش ایسے چشمہ سے ہوگا جس کا نام سلسبیل ہوگا۔

یہودی نے کہا آپؐ نے بالکل سچ فرمایا اور میں آپ کے پاس ایسے سوالات کرنے آیا ہوں جن کو روئے زمین میں سوائے نبی کے یا ایک دو آدمیوں کے اور کوئی نہیں جانتا۔ آپؐ نے فرمایا اگر میں جواب دوں گا تو کیا تم کو تشفی ہو جائے گی؟ یہودی نے کہا میں بہت غور سے سنوں گا۔ آپؐ نے فرمایا اچھا پوچھو۔ یہودی نے کہا کہ بتایئے بچہ کیسے پیدا ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا مرد کی منی سفید اور عورت کی زرد ہوتی ہے جب دونوں مل جاتی ہیں تو اگر مرد کی منی عورت کی منی پر غالب آ گئی تو خدا کے حکم سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کی مرد پر غالب آ جاتی ہے تو خدا کے حکم سے بچی پیدا ہوتی ہے۔ یہودی نے کہا آپؐ نے بالکل سچ فرمایا یقیناً آپؐ نبی ہیں۔ پھر وہ چلا گیا۔ جب وہ یہودی چلا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے جو کچھ بھی مجھ سے سوالات کیے ہیں مجھے ان کا علم نہیں تھا بس اللہ نے مجھے اس وقت باخبر بنا دیا

تھا۔ (مسلم)

اسی قسم کی حدیث بخاری شریف میں بھی ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ یہودی عبداللہ بن سلام تھے جیسا کہ بعض دیگر احادیث میں اس نام کی تصریح آ چکی ہے۔

نون اور بالام نامی مچھلی

نون مچھلی کو کہتے ہیں۔ یہی نام حضرت یونس علیہ السلام کا بھی پڑ گیا تھا۔ چنانچہ انہیں ذوالنون بھی کہا جاتا ہے۔ بالام کے بارے میں لوگوں نے غیر معقول معانی بیان کئے ہیں۔ غالباً لفظ بالام عبرانی زبان کا لفظ معلوم ہوتا ہے۔ (النہایہ)

امام خطابی کہتے ہیں کہ یہودی تعمیم مراد لے رہا تھا تو اس نے حروف تہجی کو آگے پیچھے کر دیا ہے۔ دراصل **لای** کہنا چاہتا تھا جیسے **لعی** ہے تو نقل کرنے والوں نے **یـا** کی بجائے **بـاء** ذکر کر دیا ہے اس طور پر **لای** کے معنی جنگلی بیل کے ہوتے ہیں۔ یہی میرے نزدیک درست معلوم ہوتا ہے۔ اھ

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ لفظ بھی عبرانی زبان کا ہے اور ''زیادۃ'' مچھلی کے جگر کو کہتے ہیں جو اسی کے ایک حصہ سے جدا ہو گیا ہو اس لیے کہ وہ کھانے میں لذیذ ہوتا ہے۔ **سبعون الفاً** سے مراد بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہونے کو تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد مبالغہ اور کثیر تعداد ہو۔ اس روایت کو امام نسائی نے بھی باب فی عشرۃ النساء میں بیان کیا ہے۔

البال

بال اس بڑی مچھلی کو کہتے ہیں جس کی لمبائی پچاس گز ہوتی ہے۔ یہ بڑے سمندر میں پائی جاتی ہے۔ بعض لوگ اس مچھلی کو عنبر کہتے ہیں لیکن یہ لفظ عربی نہیں ہے۔ امام الجوالیقی کہتے ہیں کہ شاید بال کو معرب کر لیا گیا ہے۔

جوہری کہتے ہیں کہ بال دریا کی بڑی مچھلی کو کہتے ہیں۔ لیکن یہ لفظ عربی نہیں ہے۔ امام القزوینی کہتے ہیں کہ بال وہ مچھلی ہے جس کی لمبائی پانچ سو گز ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے اس کے بدن کا کچھ حصہ ایک ٹیلہ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ کشتی والے اس سے بہت ہی ڈرتے ہیں۔ جب انہیں محسوس ہوتا ہے کہ یہ مچھلی ہے تو وہ اسے طبول سے مارتے ہیں تاکہ وہ کہیں نکل جائے۔ مشہور ہے کہ جب بال مچھلی کسی دریائی مچھلی پر ظلم کرتی ہے تو اللہ جل شانہٗ ایک گز کی مچھلی اس پر مسلط کر دیتے ہیں جو اس کے کان پر چپک جاتی ہے تو یہ بال مچھلی گہرائی میں جا کر اپنے سر کو زمین سے خوب ٹکراتی ہے یہاں تک کہ یہ مر جاتی ہے۔ کچھ دنوں کے بعد پہاڑ کی طرح باہر تیرنے لگتی ہے۔

اس مچھلی کے شکار کے لیے بھی مخصوص حبشی لوگ ہوا کرتے ہیں۔ یہ لوگ جب اسے دیکھتے ہیں تو اپنے کتے اس پر چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ کتے اسے دریا کے باہر کھینچ کر لے آتے ہیں۔ پھر اس کا پیٹ پھاڑ کر عنبر نکالتے ہیں۔ (ان شاءاللہ بقیہ تفصیل باب العین عنبر کے عنوان میں آ جائے گی)

اَلْبَبِّرُ

ببر شیر۔ پہلی بـاء پر زبر، اور دوسری بـاء پر زیر ہے۔ یہ بھی درندوں کی اقسام میں سے ہے۔ شیر سے دشمنی رکھتا ہے۔ اس کو برید اور فرانق بھی کہتے ہیں۔ یہ ببر شیر ہندوستان میں پایا جاتا ہے۔ معرب ہے گیدڑ کے مشابہ ہوتا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ قسم زبرقان اور شیرنی کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے۔

ببر شیرنی ہوا سے حاملہ ہو جاتی ہے اسی لیے اس کا حملہ بھی ہوا کی طرح تیزی سے ہوتا ہے۔ شاید ہی کوئی اس کے شکار کرنے پر کمر بستہ ہوتا ہو۔ اس جانور کے بچے چرا کر شیشے کی بوتل میں رکھ دیتے ہیں۔ پھر ان بوتلوں کو تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر لے جاتے ہیں۔ جب شیر ببر اپنے بچوں کو نہیں پاتا تو وہ تلاش میں نکل پڑتا ہے۔ آخر کار جب وہ سراغ لگا کر شکاریوں کو پالیتا ہے تو وہ لوگ بچوں کو شیشے کی بند بوتل سمیت اس کے سامنے ڈال دیتے ہیں۔ تو وہ انہیں دیکھنے میں مصروف ہو جاتا ہے جس سے اس کی توجہ دوسرے بچوں سے ہٹ جاتی ہے۔ اس طرح سے شکاری بچوں کو پکڑ کر پرورش کرتے ہیں۔ شیر ببر کے بچے انسانوں کے بچوں سے انس والفت رکھتے ہیں اور انسانوں سے مانوس ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح شیر ببر کافور کے درخت سے انسیت رکھتا ہے۔ اسی لیے جب وہ کافور کے درختوں کے پاس رہتا ہے تو کوئی بھی درخت کے قریب نہیں آتا۔ لوگ کافور بھی نہیں نکال پاتے۔ پھر وہ چند دن کے لیے درخت سے الگ ہو جاتا ہے۔ اس علاقے کے لوگ اس کے ہٹنے کے ایام سے واقف رہتے ہیں۔ چنانچہ موقع پا کر کافور نکال لیتے ہیں۔

شرعی حکم

شیر ببر کا گوشت حرام ہے اس لیے کہ یہ بھی کو نچلی کے دانتوں سے حملہ کرتا ہے اور کھاتا ہے اس کا شمار بھی درندوں میں ہوتا ہے۔

طبی خواص

شیر ببر کا پتا سرسام یا برسام کے امراض کے لیے مفید ہے۔ پتے میں پانی ملا کر سر کی مالش کرنے سے یہ امراض زائل ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی عورت ببر شیر کے پتے کو اپنی شرمگاہ میں رکھ لے تو وہ حاملہ نہیں ہو سکتی اور اگر وہ حالت حمل میں رکھ لے تو اس کا حمل ساقط ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی اس کے ٹخنوں کو اپنی کلائی میں باندھ لے تو اس کی تھکاوٹ اور تھکان دور ہو جاتی ہے اگرچہ وہ روزانہ بیس فرسخ کیوں نہ چلتا ہو (ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے گویا روزانہ ساٹھ میل کیوں نہ قطع کیا ہو۔ بعض لغویین نے لکھا ہے کہ ایک فرسخ بارہ ہزار قدم کا ہوتا ہے)۔

اگر کسی کے حب القرع کی بیماری ہو تو وہ شیر ببر کی کھال میں برابر بیٹھنے سے جاتی رہتی ہے۔

ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ شیر ببر بڑے والے شیر کی شکل اور سفید زرد اور کالی دھاریوں کا ہوتا ہے۔ شیخ ارسطو نے لکھا ہے کہ شیر ببر حبشہ کی سرزمین میں ہیبت ناک شکل کا ہوتا ہے۔ غالباً یہاں کے علاوہ اور دیگر علاقوں میں نہیں پایا جاتا۔

ببر شیر کا گوشت دیر ہضم ہوتا ہے۔ ببر شیر کے دل کو کھانا شجاعت کو بڑھاتا ہے اور لیپ کرنا اس کی چربی کا ذکر، کمر اور چڑھے پر قوت باہ کے لیے مفید ہے اور کنٹھ مالا کے لیے بھی مجرب ہے۔

الببغاء

طوطا۔ بعض لغویین کہتے ہیں کہ اس میں تین باء ہیں۔ پہلی اور تیسری باء میں زبر ہے اور دوسری باء میں سکون ہے۔ یہ ہرے رنگ کا ایک پرندہ ہوتا ہے جس کو عربی میں دُرۃ بھی کہتے ہیں۔

ابن السمعانی کہتے ہیں کہ ببغاء میں صرف دو باء ہیں۔ پہلی باء پر زبر دوسری باء ساکن ہے (الانساب) ببغاء کا خطاب ابوالفرج شاعر کو فصاحت و بلاغت میں مہارت کی وجہ دے دیا گیا تھا۔ بعض اہل علم نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ ببغاء کا لقب امام قضاعی کو دیا گیا تھا اس لیے کہ یہ ہکلاتے تھے یا ان کی زبان سے سین کی جگہ ثاء راء کی جگہ غین یا لام وغیرہ نکلتا تھا۔ یہ پرندہ کبوتر کے برابر ہوتا ہے۔ لوگ اس کی آواز سے لطف اندوز ہونے کے لیے اپنے گھروں میں پالتے ہیں۔ جس طرح کہ مور رنگ وروپ اور خوش آواز ہونے کی وجہ سے رکھا جاتا ہے۔

طوطے کی قسمیں اور خصوصیتیں

طوطا مختلف قسم کا ہوتا ہے۔ بعض سفید' بعض ہرے رنگ کے ہوتے ہیں۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ معز الدولہ بن بویہ کی خدمت میں ایک عجیب وغریب قسم کا طوطا پیش کیا گیا تھا۔ طوطے کا رنگ سفید' منقار اور پاؤں کالے اور چوٹی ہلکے رنگ کی تھی۔ آج کل طوطے کی اکثر قسمیں ناپید ہیں۔ زیادہ تر ہرے رنگ کا طوطا پایا جاتا ہے۔

طوطا خوش اخلاق' نہایت سمجھ دار' نقل اُتارنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔ طوطے کو زیادہ تر' بادشاہ یا امراء ضبط شدہ خبروں سے محفوظ ہونے کے لیے رکھتے اور پالتے ہیں۔

یہ پرندہ اپنی غذا پاؤں سے کھاتا ہے۔ جس طرح انسان ہاتھ سے کھاتا ہے۔ اکثر لوگ اس کی تعلیم کا مخصوص انتظام کرتے ہیں۔

طوطے کی انوکھی تعلیم

امام فن شیخ ارسطو نے لکھا ہے طوطے کو سکھانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک آئینہ لے کر اس کے سامنے رکھ کر اس کی صورت کو دیکھتے رہو۔ پھر آئینہ میں دیکھ کر بار بار باتیں کرو تو وہ بھی دہرانے لگے گا۔ اور باتیں کرنا سیکھ جائے گا۔

ابن الفقیہ کہتے ہیں کہ میں نے جزیرہ رانج میں عجیب وغریب قسم کے طوطے دیکھے ہیں جو ہرے' سفید' زرد تھے اور بلا تکلف کسی بھی زبان میں باتیں کرنے لگتے تھے۔

ابواسحاق الصابی نے طوطے کی تعریف میں کہا ہے ؎

انعتها صبیحة ملیحة ناطقة بالغة الفصیحة

''میں نے پرکشش اور خوب صورت طوطے کی مدح سرائی کی ہے جو صاف ستھری زبان میں گفتگو کرتا ہے۔''

عدت من الاطیار واللسان یوھمنی بانها انسان

''اس کا شمار تو پرندوں میں ہوتا ہے لیکن زبان کی وجہ سے مجھے وہ انسان معلوم ہوتا ہے۔''

تنهی الی صاحبها الاخبارا وتکشف الاسرار والاستارا

''اپنے مالک کوخبریں دیتا ہے۔چھپی ہوئی باتوں اور رازوں کوکھول دیتا ہے۔''

وبكماء الا انها سميعة تعيد ماتسمعه طبيعة

''گونگا تو ہے لیکن سنتا ہے۔شنیدہ باتوں کو بتانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔''

زارتک من بلادها البعيده واستوطنت عندک كالقعيد

''وہ تمہیں دور دراز علاقوں سے دیکھ لے گا' پھر تمہارے پاس محافظ کی طرح رہنے لگے گا۔''

ضيف قراه الجوز و الارز والضيف فى اتيانه يعز

''وہ مہمان ہے جس کی غذا اخروٹ اور چاول ہے اور ایسے مہمان کے ہونے سے عزت بڑھ جاتی ہے۔''

تراها فى منقارها الخلوقى كلئولئو يلقط بالعقيق

''جس زعفرانی چوپ سے وہ چگتا ہے وہ تمہیں عقیق سرخ رنگ کے پتھر کا موتی معلوم ہوگا۔''

تنظر من عينين كالفصين فى النور والظلمة بصاصين

''وہ دونگ کی آنکھوں سے روشنی اور اندھیرے میں دیکھتا ہے۔''

تميس فى حلتها الخضراء مثل الفتاة الغادة العذراء

''وہ اپنے سبز جوڑے میں نازک اندام نوجوان لڑکی کی طرح نزاکت سے چلتا ہے۔''

خريدة خدورها الاقفاص ليس لها من جسمها خلاص

''شرمیلا طوطا پنجرے میں رہتا ہے' اسے قید و بند کی زندگی سے خلاصی نہیں ملتی۔''

تجسها وما لها من ذنب وانما ذاک لفرط الحب

''ہم اسے بے گناہ قید میں رکھتے ہیں محض یہ ہم فرط محبت کی وجہ سے کرتے ہیں۔''

تلک اللتى قلبى بها مشغوف كنيت عنها واسمها معروف

''بس یہی چیز ہے جس کی وجہ سے میں لٹو ہو گیا ہوں میں نے اس کا نام نہیں لیا اگرچہ وہ مشہور ہے۔''

يشرک فيها شاعر الزمان الكاتب المعروف بالبيان

''زمانہ کا شاعر اس کی مدح میں شریک ہو گیا جو گویائی میں مشہور انشاء پرداز ہے۔''

ذالک عبد الوحد بن نصر تقيه نفسى حادثات الدهر

''وہ عبدالواحد بن نصر ہے جسے خدا لیل و نہار کی گردش سے محفوظ رکھے۔''

یہ سن کر ابوالفرج نے جوابی اشعار کہے ۔

من منصفى محكم الكتاب شمس العلوم قمر الاداب

''کون ہے جو ایسی کتاب کی محکم آیات کو بیان کرے جو علوم وفنون کی آفتاب آداب کی ماہتاب ہیں۔''

امسی لاصناف العلوم محرزا وسام ان یلحق لما برزا

''وہ کتاب تمام علوم کی جامع ہے زندگی گزارنے کے لیے ساتھ کا تمغہ ہے۔''

وھل یجاری السابق المقصر اوھل یباری المدرک المغرر

''اور کیا جود و بخشش کم کرنے والا زیادہ کرنے والے کی برابری کر سکتا ہے یا بچہ جوان آدمی کا مقابلہ کر سکتا ہے۔''

آخر کار ابوالفرج نے طوطے کی تعریف کرتے ہوئے کہا ۔

ذات شغا تحسبه یاقوتا لاترضی غیر الارز قوتا

''ٹیڑھی چونچ میں ایسا والا جسے تم یاقوت سمجھ رہے ہو سوائے چاول کے کسی دوسری چیز کے کھانے پر راضی نہیں ہوتا۔''

کانما الحبة فی منقارھا حبابة تطفو علی عقارھا

''دانہ اس کی چونچ میں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کی چونچ پر حباب بیٹھ گیا ہو۔''

ابن خلکان الفضل بن ربیع کی سوانح حیات میں لکھتے ہیں کہ احمد بن یوسف الکاتب نے اپنے بے وفا بھائی عبدالحمید کے طوطے کے مرجانے پر اشعار لکھ کر بھیجے ۔

انت تبقی و نحن طرہ فداکا احسن اللّٰہ ذوالجلال عزاکا

''تم زندہ رہو اور ہم خوش رہیں۔قربان جائیے تمہاری آبرو کو خدائے ذوالجلال بہتر کرے۔''

فلقد جل خطب دھر اتاک بمقادیر اتلفت ببغاکا

''زمانہ کی جن مصیبتوں سے تم دوچار ہوئے ہو وہ بڑی ہیں تمہارے طوطے نے ان کو ضائع کر دیا۔''

عجبا للمنون کیف اتتھا وتخطت عبدالحمید اخاک

''تعجب ہے کہ موت کیسے آ گئی اور تمہارے بھائی عبدالحمید کے پاس پہنچ گئی۔''

کان عبدالحمید اجمل للموت من الببغاء و اولٰی بذاکا

''عبدالحمید موت کے لیے بہ نسبت طوطا کے بہتر اور مناسب تھے۔''

شملتنا المصیبتان جمیعا فقدنا ھذہ و رؤیه ذاکا

''ہم دو مصیبتوں سے ایک ساتھ دوچار ہوئے۔ایک کو رخصت کیا تو دوسری سے مڈبھیڑ ہو گئی۔''

علامہ زمخشری کہتے ہیں طوطا اپنی آواز میں یہ کہتا ہے ویل لمن کانت الدنیا ھمه (جس کا مقصد دُنیا کمانا ہو وہ ہلاک ہو جائے)۔

شرعی حکم

رافعی میں لکھا ہے کہ صحیح قول کے مطابق طوطے کا گوشت حرام ہے اسی کو الصمیری نے البحر میں لکھ کر برقرار رکھا ہے اور اس کے حرام

ہونے کی علت گوشت کے خبث کی وجہ سے ہے اور بعض علماء نے اس کا گوشت حلال قرار دیا ہے اس لیے کہ یہ پاکیزہ چیزیں کھاتا ہے۔ زہریلے پرندوں میں سے نہیں ہے اور نہ چنگل مارنے والوں میں سے ہے اور نہ تو اس کے مارنے کا حکم دیا گیا اور نہ روکا گیا۔

امام متولی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی آواز اور گفتگو سے لوگوں کے انس و محبت رکھنے کی وجہ سے اس کو کرایہ پر لینے کو جائز قرار دیا ہے۔ امام بغویؒ نے دونوں صورتوں (جائز و ناجائز) بیان کی ہیں بلکہ ہر ان پرندوں کی جن کی آواز سے لوگ مانوس رہتے ہیں جیسے بلبل وغیرہ دو صورتیں لکھی ہیں۔

طبی خواص

طوطے کی زبان کھانے سے کلام میں شستگی' فصاحت' روانی' قوت گویائی میں جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا پتا زبان میں ثقل پیدا کرتا ہے۔ اس کا خون خشک کر کے باریک کرنے کے بعد دو دوستوں کے درمیان بکھیر دینے سے عداوت و دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ طوطے کا گوشت دیر ہضم ہوتا ہے مگر دل کو فرحت دیتا ہے۔ خاص طور سے پھیپھڑے کے مریضوں کے لیے مفید ہے۔ طوطے کی بیٹ چھائیں اور سیاہی کو دفع کر دیتی ہے۔ اس کی بیٹ کچے سبز انگور کے پانی میں ملا کر آنکھوں میں بطور سرمہ استعمال کرنے سے بینائی میں اضافہ اور آشوب چشم سے حفاظت رہتی ہے۔ اگر کوئی بچہ لکنت سے بولتا ہے تو اس کے لیے طوطے کا گوشت بہترین علاج ہے۔

تعبیر

خواب میں طوطا ایک منحوس اور جھوٹے شخص کی شکل میں آتا ہے۔ بعض معبرین نے لکھا ہے کہ فلسفی آدمی کی صورت میں آتا ہے۔ اس کے بچے بھی فلسفی کے بچے کی شکل میں آتے ہیں اور بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ طوطا لڑکی یا بچے کی شکل میں رونما ہوتا ہے۔ اور کبھی طوطے کی تعبیر یتیم لڑکے یا لڑکی سے کی جاتی ہے۔

البج

پانی کے پرندے کو کہتے ہیں اس کی تفصیل باب الطاء میں آ جائے گی۔

البجع

پوٹا۔ پوٹے کو کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل ان شاءاللہ باب الحاء میں آ جائے گی۔ عرب شاعر نے حیرت انگیز اشعار کہے ہیں ؎

ما طائر فی قلبه یلوح للناس عجب

''کوئی پرندہ ایسا نہیں ہے جس کے قلب میں لوگوں کے لیے باعث عجب چیز ظاہر ہوتی ہو۔''

منقاره فی بطنه والعین منه فی الذنب

''اس کی چونچ پیٹ میں ہو اور آنکھ اس کی دم میں ہو۔''

البحزج

البحزج۔نیل گائے کے بچے کو کہتے ہیں۔

البخاق

البخاق۔غراب کے وزن پر ہے۔نر بھیڑیا کو کہتے ہیں۔

البخت

بختی اونٹ۔البخت۔اونٹ کی ایک قسم کا نام ہے۔بعض نے لکھا ہے کہ یہ عربی النسل ہوتا ہے۔نر اونٹ کو بختی اور اونٹنی کو بختیہ کہتے ہیں۔اس کی جمع بخاتی آتی ہے۔جمع الجمع ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔اسے یاء کی تخفیف کے ساتھ بخاتی بھی پڑھ سکتے ہیں۔

امام جوہری اور ابن السکیت کہتے ہیں کہ جو صیغہ بھی بخاتی کے وزن پر ہو اور اس کا واحد مشدد ہو تو اس کی جمع میں تشدید و تخفیف دونوں پڑھ سکتے ہیں جیسے عواری' سواری' علالی' اوانی' اثافی' کراسی' مہاری۔(الصحاح والاصلاح)

ابن السکیت کہتے ہیں کہ الاثفیۃ مفرد ہے اس کی جمع اثافی آتی ہے۔ان تین پائے کو کہتے ہیں جن کو کھانا پکنے کے وقت ہانڈی رکھنے کے لیے رکھا جاتا ہے۔یہ لفظ کلام عرب میں بھی مستعمل ہے۔کہتے ہیں (رماہ اللّٰہ لثالثۃ الا ثافی)یعنی اللہ تعالیٰ اسے پہاڑ بنا دے۔اس لیے کہ انسان کو ضرورت کے وقت دو پائے کے علاوہ جب تیسرا نہیں ملتا تو وہ پہاڑ کو تیسرا پایہ بنالیتا ہے۔پھر بعد میں ثالثۃ الا ثافی سے مراد پہاڑ لیا جانے لگا۔

بخاتی۔ان اونٹوں کو کہتے ہیں جن کی گردنیں لمبی ہوتی ہیں۔

جنادہؓ بن امیہ کہتے ہیں:

''(ایک مرتبہ)ہم لوگ بسر بن ارطاۃ کے ساتھ دریائی سفر میں تھے تو ایک چور کو لایا گیا جس نے ایک بختی اونٹنی چوری کی تھی' بسر بن ارطاۃ نے کہا کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ سفر میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔اگر یہ عذر نہ ہوتا تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹتا۔''

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے ان عورتوں کے بارے میں انکشاف کرتے ہوئے فرمایا جو آخر زمانہ میں ہوں گی ان کے سر بختی اونٹ کے کوہانوں کی طرح ہوں گے۔وہ جنت کی بو تک نہ پائیں گی حالانکہ جنت کی بو پانچ سو سال کی مسافت سے بھی محسوس ہوتی ہے۔'' (رواہ الامام مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس اُمت کے آخر میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو درندوں کی کھالوں میں سوار ہوں گے۔یہاں تک کہ وہ اپنی مسجدوں کے دروازوں پر آئیں گے ان کی عورتیں ملبوس تو ہوں گی مگر ننگی ہوں گی' ان کے سروں پر جھوٹے'

دبلے پتلے اونٹ کے کوہان کی طرح ہوں گے۔تم ان عورتوں پر لعنت کرنا اس لیے کہ وہ ملعون ہوں گی۔'' (المستدرک)
عصمہ بن مالکؓ کہتے ہیں:
''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں بختی اونٹوں کے برابر پرندے ہوں گے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! وہ پرندے تو یقیناً نرم اور خوشگوار ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا ان سے زیادہ خوشگوار تو وہ ہوں گے جو ان کو کھائے گا اور اے ابوبکر! آپ بھی کھانے والوں میں سے ہیں۔'' (الکامل)

البدنة

حج کے قربانی کا جانور۔ اَلْبَدَنَةُ۔اس گائے یا اونٹ کو کہتے ہیں جس کی قربانی مکہ میں کی جاتی ہو۔یہ واحد ہے اس کی جمع بُدُن (دال پر سکون اور باء پر پیش ہے) آتی ہے۔دال کے سکون کے ساتھ تو قرآن مقدس میں بھی وارد ہوا ہے۔دال پر پیش امام جوہری نے لکھا ہے۔

اس کو بدنۃ اس لیے کہتے ہیں کہ صحت مند بدن والا ہوتا ہے۔امام نووی کہتے ہیں کہ بدنۃ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو قربانی کی عمر کا ہو گیا ہو چاہے نر ہو یا مادہ۔غالباً یہ فقہائے کرام کی اصطلاح کے مطابق ہے اور ارباب لغت کے نزدیک بدنۃ کا اطلاق گائے اور اونٹ دونوں پر ہوتا ہے۔

ازہریؒ کہتے ہیں کہ بدنۃ گائے' بکری اور اونٹ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔بدنۃ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ تندرست وتوانا اچھے بدن کا ہو جاتا ہے لیکن خاص طور پر بدنۃ کا لفظ اونٹ کے لیے احادیث نبوی میں بھی استعمال ہوا ہے۔چنانچہ ابوہریرہؓ کہتے ہیں:

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من اغتسل یوم الجمعة ثم راح فی الساعة الاولی فکانما قرب بدنة ومن راح فی الساعة الثانیة فکانما قرب بقرة ومن راح فی الساعة الثالثة فکانما قرب کبشا اقرن ومن راح فی الساعة الرابعة فکانما قرب دجاجة ومن راح فی الساعة الخامسة فکانما قرب بیضة. (رواہ الامام المسلم)

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن غسل کیا' پھر وہ پہلی فرصت میں (مسجد) کے لیے چلا گیا گویا اس نے اونٹ کی قربانی کی اور دوسری گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے گائے کی قربانی کی اور تیسری گھڑی میں گیا گویا اس نے ایک سینگ والا دنبہ کی قربانی کی اور چوتھی گھڑی میں گیا گویا اس نے ایک مرغی کی قربانی کی اور جو پانچویں گھڑی میں گیا گویا اس نے ایک انڈے کی قربانی کی۔''

دوسری حدیث میں اس طرح وارد ہوئے ہیں:

وفی الساعة الرابعة بطة وفی الخامسة دجاجة وفی السادسة بیضة. (المسند للامام احمدؒ)

''اور چوتھی گھڑی میں بطخ کی قربانی کا ثواب ملے گا اور پانچویں گھڑی میں مرغی کا اور چوتھی گھڑی میں انڈے کی قربانی کا ثواب ملے گا۔''

مینڈھے کو سینگ کے ساتھ خاص طور سے اس لیے ذکر کیا ہے کہ وہ سینگ کے ساتھ بھلا معلوم ہوتا ہے۔ بَدْنَةٌ کی جمع بُدُن آتی

ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَا هَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ. (الحج)

''ہم نے کعبہ کے چڑھائے ہوئے اونٹ تمہارے لیے اللہ کی نشانیاں بنادی ہیں۔''

یعنی ہم نے اس دین کی نشانیوں میں سے بنایا جس میں تمہارے لیے بھلائی ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس بھلائی سے مراد دُنیا کے فوائد اور آخرت کا اجر وثواب ہے۔

اہل علم لکھتے ہیں کہ صفوان بن سلیم حج کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو ان کے پاس صرف سات اشرفیاں تھیں۔ انہوں نے اس رقم سے ایک بدنہ خرید لیا۔ ان سے دریافت کیا گیا تو فرمایا قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَا هَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ. (الحج)

''ہم نے کعبہ کے چڑھائے ہوئے اونٹ تمہارے لیے اللہ کی نشانیاں بنادی ہیں اس میں تمہارے لیے بہتری ہے۔''

سب سے پہلے بدنہ قربانی پیش کرنے والے

سب سے پہلے جنہوں نے بدنہ بطور قربانی بیت اللہ کے لیے پیش کی ہے وہ الیاس بن مضر ہیں اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بیت اللہ خانہ کعبہ میں غرق ومنہدم ہونے کے بعد مقام ابراہیم علیہ السلام کو تلاش کر کے لوگوں کے لیے نشان دہی کی۔ یہ واقعہ غالباً حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کا ہے۔

اور الیاس ہی پہلے شخص ہیں جو اس میں کامیاب ہوئے اور اسے بیت اللہ کے گوشے میں نصب کر دیا۔ غالباً اسی لیے اہل عرب الیاس بن مضر کی آخری دم تک عظمت کرتے رہے۔

جس وقت الیاس بن مضر کا انتقال ہوا تو اس کی بیوی خندف نامی عورت نے بہت رنج وافسوس کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ اپنے لیے خوشبو کو حرام کر لیا اور دوسری شادی بھی گوارا نہیں کی۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان کی عورت نے یہ نذر بھی مانی کہ جس شہر میں ان کے شوہر کی وفات ہوئی ہے اس میں سکونت اختیار نہیں کرے گی اور نہ کوئی دوسرا گھر بنائے گی' چنانچہ سرگرداں پھرتی رہی یہاں تک رنج وملال کرتی ہوئی جمعرات کے دن مر گئی۔

یہ بات بھی تاریخ میں ملتی ہے کہ اس عورت نے یہ بھی نذر مانی تھی کہ وہ جمعرات کے دن طلوع سے غروب آفتاب تک روتی رہے گی۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الیاس کو برا بھلا مت کہو اس لیے کہ وہ مومن تھے۔''

اہل علم یہ بھی لکھتے ہیں کہ حج کے موقع پر الیاس بن مضر کی قبر سے تلبیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز آتی تھی۔

موسیٰ بن سلمۃ الہذلی کہتے ہیں:

''میں اور سنان دونوں عمرہ کرنے کے لیے چلے اور سنان کے ساتھ قربانی کا ایک اونٹ تھا جسے وہ کھینچ رہے تھے۔ اتفاق سے وہ راستہ میں تھک گیا اور میں اس کا حال دیکھ کر مغموم ہو گیا کہ یہ تو رہ گیا۔ چنانچہ ہم ابن عباسؓ کے پاس پوچھنے کے لیے آئے تو انہوں نے فرمایا تم نے خبردار اور عالم شخص کو پایا۔ اب سنو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ اونٹ ایک شخص کے ساتھ روانہ کیے اور وہ چلا اور پھر لوٹ آیا۔ اور پوچھا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر ان میں سے کوئی تھک جائے تو کیا کروں؟ تو آپؐ نے

فرمایا کہ اسے نحر کردو اور اس کے گلے کی جوتیاں اس کے خون سے رنگ کر اس کے کوہان میں چھاپا مار دو اور اس میں سے تم کھاؤ اور نہ تمہارا کوئی رفیق کھائے۔ (رواہ الامام المسلم)

ان شاء اللہ ھدی پر تفصیل کے ساتھ باب الہاء ہدی کے عنوان میں آ جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ (حج کے دنوں میں) وہ قربانی کا اونٹ کھینچ رہا ہے آپ نے اس سے یہ کہا کہ تم اس پر سوار ہو جاؤ۔ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو قربانی کا اونٹ ہے۔ آپ نے فرمایا اس پر سوار ہو جاؤ۔ اس نے کہا قربانی کا اونٹ ہے۔ آپ نے تیسری مرتبہ فرمایا تمہارا برا ہو اس پر سوار ہو جاؤ۔'' (رواہ بخاری و مسلم ابوداؤد النسائی)

بعض روایات میں **ویلک ارکبھا** **ویلک ارکبھا** (یعنی ویلک کی تقدیم کے ساتھ ہے) کے الفاظ آئے ہیں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم قربانی کے اونٹ کو نحر کرنا چاہو تو اسے کھڑا کر دو۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر **اللّٰھم منک والیک** کہو اور پھر بسم اللہ پڑھ کر نحر کرو۔ قربانی کے لئے بھی اسی طرح عمل کرنا چاہیے۔'' (رواہ الحاکم)

زیاد بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ ایک ایسے آدمی کے پاس آئے جو اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا آپ نے فرمایا اسے اُٹھا لو اور پیر باندھ دو (پھر نحر کرو) یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔'' (متفق علیہ)

عبداللہ بن فرط کہتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا دن نحر کا دن ہے۔ پھر ماہ ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ ہے جس دن حجاج منیٰ میں ٹھہرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قربانی کے پانچ یا چھ اونٹ تھے جنہیں آپ نحر کرنے جا رہے تھے تو سب آپ کے قریب آ گئے (آپ یہ سوچنے لگے) کہ ان میں سے پہلے کس کو نحر کیا جائے۔'' (رواہ احمد و ابوداؤد)

بدنہ پر سواری

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بدنہ پر بوقت ضرورت سوار ہونا جائز ہے۔ بغیر ضرورت کے سواری نہیں کرنا چاہیے۔ سواری کا جواز اس وقت تک ہے کہ اسے تکلیف یا اذیت پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ یہی مسلک عبداللہ بن مبارک و ابن منذر اور ایک جماعت کا ہے۔ امام احمدؒ و امام مالکؒ کہتے ہیں کہ بدنہ میں سواری بغیر ضرورت کے بھی کر سکتے ہیں۔ یہی قول عروہ بن الزبیر اور اسحاق بن راہویہ کا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر بغیر بدنہ کے سواری کیے ہوئے کام نہ نکل رہا ہو تو سواری کی جا سکتی ہے۔ القاضی نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ اس میں بظاہر سواری کی جا سکتی ہے۔

جمہور علمائے کرام کی دلیل یہ روایت ہے:

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اھدی ولم یرکب ھدیۃ ولم یامر الناس برکوب الھدایا. (الحدیث)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدی کا جانور لے کر گئے لیکن اس پر سوار نہیں ہوئے اور نہ آپ نے ہدی کے جانوروں پر سوار ہونے کا حکم دیا۔''

اس سے قبل جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا **ویلک ارکبھا** (تمہاری ہلاکت ہو اس پر سوار ہو جا) دراصل یہ کلمہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو ہلاکت میں واقع ہو گیا ہو اس لیے کہ وہ محتاج ہے اور مصیبت میں مبتلا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ کلمہ غیر اختیاری طور پر

زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور وہ پہلے اپنے موضوع لہ میں استعمال ہوتا تھا جیسے اہل عرب کہتے ہیں لا ام لہ. لا اب لہ. تربت یداک. قاتلہ اللہ (یہ سارے کلمات مذمت کے مواقع سے بولے جاتے ہیں معانی یہ ہیں۔اس کے ماں نہ ہو۔اس کے باپ نہ ہو۔ تیرے ہاتھ خاک آلود ہو جائیں۔اللہ اس کو قتل کرے) اس طرح وہ کلمات بھی جو اس کے مشابہ ہوتے ہیں۔

اَلْبذجُ

ابذج بھیڑ کے بچے کو کہتے ہیں۔یہ بکری کے بچے کی مانند ہوتا ہے۔جمع بذجان آتی ہے۔شاعر نے کہا ہے ؎

قد هلكت جارتنا من الهمج و ان تجع تاكل عتودا اوبذج

''ہماری پڑوسن جو نیچ قوم کی تھی وہ چل بسی جب اسے بھوک لگتی تو وہ بکری یا بھیڑ کا بچہ کھا جاتی تھی۔''

امام جوہری کہتے ہیں کہ ھمج کا لفظ معاش میں ناکارہ کام یا اقتصادیات کے بارے میں بری تدبیر اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔حدیث شریف میں بھی ہے:

يخرج رجل من النار كانه بذج

''دوزخ سے ایک آدمی نکالا جائے گا جو بکری کے بچے کی طرح ہوگا۔''

انسؓ سے ایک دوسری روایت مروی ہے:

''نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا وہ ذلت کی وجہ سے بھیڑ کے بچے کی طرح ہوگا۔ چنانچہ اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے یہ کہیں گے کہ میں نے تمہیں مال دیا اور نوازشات وکرم سے نوازا اور تجھ کو نعمتوں سے مالا مال کر دیا اب بتا تو کیا کر کے آیا ہے؟ تو وہ یہ کہے گا: اے پروردگار! میں نے مال جمع کیا بڑھایا اور اکثر مال تو چھوڑ کر آ گیا۔آپ مجھے دوبارہ بھیجئے لے کر آ جاؤں گا۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا جو تم نے کر کے آگے بھیجا ہے وہ دکھا تو وہ بندہ ایسا نکلے گا کہ اس نے کوئی خیر کا کام کر کے نہیں بھیجا ہے۔چنانچہ اسے دوزخ کا راستہ دکھا دیا جائے گا۔'' (رواہ ابن المبارک)

اس حدیث کو اسماعیل بن مسلم نے حسن اور قتادہؓ سے نقل کیا ہے۔نیز ابوبکر بن العربی مالکی نے اپنی کتاب ''سراج المریدین'' میں اس کی تخریج کی ہے۔مزید یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور حسن کے مراسیل میں سے ہے۔اور حافظ منذری نے ترغیب وترہیب میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے اسماعیل بن مسلم مکی سے روایت کیا ہے اور بعد میں یہ حکم لگایا ہے کہ اسماعیل حسن کے مقابلہ میں زیادہ ضعیف ہیں۔

حدیث میں تذکرہ کیوں

حدیث میں بھیڑ کے بچے سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس میں ذلت اور حقارت مقصود ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک آدمی قیامت کے دن لایا جائے گا وہ ذلت وحقارت سے بھیڑ کے بچے کی طرح ہوگا تو اللہ پاک اس سے یہ کہیں گے کہ اے ابن آدم! میں بہترین تقسیم کرنے والا ہوں، تم اپنے ان اعمال کا جائزہ لو جو تم نے میری

خاطر کیے ہیں' میں تمہیں ان کا بدلہ دوں گا اور پھر ان اعمال کو دیکھو جو تم نے غیروں کے لیے کیے ہیں اس لیے کہ تمہیں ان ہی چیزوں کا بدلہ دیا جائے گا جن کے لیے تم نے کیا ہے۔'' (رواہ ابو یعلی فی مسندہ' ابو نعیم مرفوعا)

بذج فارسی زبان کا لفظ ہے پھر اسے معرب کرلیا گیا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی کو کعبہ کے کسی پردے کے پاس دیکھا گیا کہ وہ یہ کہہ رہا ہے **اللّٰھم امتنی میتة ابی خارجة** (اے اللہ! مجھے ابو خارجہ جیسی موت نصیب فرما) اس دیہاتی سے پوچھا گیا کہ ابو خارجہ کا انتقال کس حالت میں ہوا ہے تو اس نے جواب دیا کہ وہ ایک بھیڑ کا بچہ ذبح کر کے کھا گیا۔ مشعل برتن میں پانی پیا۔ پھر دھوپ میں جا کر سو گیا۔ چنانچہ اس نے اللہ تعالیٰ سے سیراب اور گرم ہو کر ملاقات کی (مشعل اس برتن کو کہتے ہیں جس میں نبیذ بنائی جاتی ہے)۔

امثال

اہل عرب کہتے ہیں فلان اذل من بذج (فلاں بھیڑ کے بچہ سے بھی زیادہ کمزور اور ذلیل ہے)۔ اس لیے کہ بھیڑ کا بچہ بار برداری کرنے والے جانوروں میں سب سے زیادہ کمزور ہوتا ہے۔

البراق

شب معراج کی سواری۔ براق وہ جانور ہے جس پر رسول اللہ ﷺ شب معراج میں سوار ہوئے تھے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ آپؐ سے قبل انبیاء علیہم السلام بھی سوار ہوئے تھے۔

البراق: یہ لفظ برق بمعنی بجلی سے مشتق ہے جو بادل میں چمکتی ہوئی نظر آتی ہے جیسے کہ پل صراط سے گزرنے والوں کے لئے حدیث پاک میں منقول ہے۔ کہ وہ بجلی کی طرح پار کر جائیں گے۔ اور بعض تیز سواری کی طرح گزر جائیں گے اور کچھ لوگ تیز رفتار گھوڑوں کی طرح نکل جائیں گے۔

براق کے بارے میں اختلاف ہے کہ آخر یہ کیا چیز ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ براق ایک جانور ہے جو خچر سے چھوٹا گدھے سے بڑا سفید رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ اتنا تیز رفتار ہوتا ہے کہ اس کا قدم وہاں پڑتا ہے جہاں اس کی نگاہ پہنچتی ہے۔ اسی لیے مشہور ہے کہ زمین سے آسمان تک کی مسافت ایک ہی قدم میں طے کرلی تھی اور پھر سات قدموں میں سات آسمانوں کو قطع کرلیا تھا۔

بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ براق کوئی جانور نہیں پہلے معدوم تھا صرف شب معراج میں اس کو وجود بخشا گیا۔ جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ اتنی لمبی مسافت اتنی جلدی طے کرنا مستبعد ہے ان کے لیے ماقبل کی گفتگو تردید کے لیے کافی ہے۔ امام سہیلی کہتے ہیں:

''جس وقت نبی پاک ﷺ سوار ہونے لگے تو براق شوخی کرنے لگا۔ اس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سوال کیا کہ اے براق تم اس وقت شرم وحیا کا مظاہرہ کرو کیا کوئی ایسا بندہ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے زیادہ باعزت ہو جو تجھ پر سوار ہوا ہے؟''

امام ابن بطال اس سوال کے بارے میں یوں فرماتے ہیں کہ چونکہ انبیاء علیہم السلام کو سوار ہوئے کافی دن گزر گئے تھے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور رسول کریم ﷺ کے درمیان ایک عرصہ دراز گزر چکا تھا اس لیے جبرائیل علیہ السلام نے اس طرح کا سوال کیا تھا۔

امام نووی' زبیدی اور صاحب تحریر کرتے ہیں کہ براق وہ جانور ہے جس پر انبیاء کرام سوار ہوا کرتے تھے۔ لیکن امام نووی یہ بھی کہتے ہیں کہ محض دعویٰ کافی نہیں اس سے قبل انبیاء کے سوار ہونے کے سلسلے میں کسی حدیث صحیح سے ثبوت کی ضرورت ہے۔

صاحب المقتفی کہتے ہیں کہ براق کے خچر کی شکل میں ہونے کی یہ حکمت ہے کہ لوگوں پر یہ بات واضح ہو جائے کہ اس میں نبی کریم ﷺ کا سوار ہونا امن وسلامتی کے لیے تھا جنگ کرنے یا خوف ودہشت میں مبتلا کرنے کے لیے نہیں تھا۔ یا صرف اس بات کو بتانا مقصود ہے کہ آپؐ نے اتنا لمبا سفر عجیب وغریب انداز میں اتنی جلدی طے کیا کہ اس حیرت ناک واقعہ کے لیے اس جانور کی شکل وصورت گواہی ہیں دیتی۔

یک اعتراض اوراس کا جواب

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ آپؐ جنگ میں ایک خچر پر کیوں سوار ہوئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں جنگ میں گھوڑے پر سوار ہونا چاہیے گو خچر پر سواری کرنا امن وسلامتی کی طرف اشارہ کرتا ہے جیسے کہ ابھی گزرا ہے۔ لیکن آپؐ کا خچر پر میدان جنگ میں سوار ہوکر جانا محض شجاعت اور بہادری کو بتانا مقصود تھا۔ علمائے کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ براق سفید رنگ کا تھا اور خچر سیاہ وسفید رنگ کا ہوتا ہے ور یہ مخلوط رنگ زیادہ بھلا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت جبرائیلؑ آپؐ کے ساتھ سوار ہوئے یا نہیں؟

شب معراج میں براق پر رسول کریم ﷺ کے ساتھ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سوار ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ جبرائیل علیہ السلام سوار نہیں ہوئے۔ اس لیے کہ معراج کی رات خصوصیات تو صرف پیغمبر ﷺ کے لیے تھیں۔ اھ

لیکن روایات میں یہ بھی ہے کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنے صاحبزادے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی زیارت کرنے کے لیے براق پر سوار ہوکر جاتے تھے۔ نیز حضرت ابراہیم واسماعیل علیہم السلام دونوں براق پر سوار ہوئے۔ اسی طرح جس وقت سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ماں اور بیٹے کو بیت اللہ کے قریب چھوڑا تھا تو وہاں سے براق ہی پر سوار ہوکر ہجرت کر گئے تھے۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب براق لایا گیا تو میں حضرت جبرائیل کے پیچھے سوار ہو گیا۔" (مستدرک)

پھر آگے چل کر روایت میں ابوحمزہ میمون الاعور متفرد ہو گئے ہیں اور اس روایت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ الزہرا رضی اللہ عنہا کی فضیلت

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمام انبیاء قیامت کے دن چوپاؤں پر اُٹھیں گے تاکہ وہ قوم کے مومنوں کو پورا پورا حق دلائیں۔ چنانچہ سیدنا صالح علیہ السلام اپنی اونٹنی کے ساتھ اُٹھیں گے اور میں براق کے ساتھ اُٹھوں گا جس کے نقش قدم منتہائے نظر پر پڑیں گے اور فاطمہؓ (میری بیٹی) میرے سامنے ہوگی۔" (الحدیث)

ابوالقاسم اسماعیل بن محمد الاصفہانی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آپؐ شب معراج میں براق سے تشریف لے گئے لیکن پھر اسی سے واپس نہیں آئے۔ تو اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ آپؐ کو براق کے ذریعے بزرگی اور شرافت کی وجہ سے لے جایا گیا۔ پھر اسی سے واپس نہیں ہوئے اس میں محض اللہ کی قدرت کا اظہار تھا۔

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ براق سے سوار ہوکر جانا اس پر سوار ہوکر واپس آنا بھی دلالت کرتا ہے۔ جیسے کہ قرآن کریم میں گرمیوں بں کپڑوں سے بچنے کا تذکرہ ہے اور خدا کے ہاتھ میں خیر وبھلائی کا تذکرہ ہے لیکن ضمناً سردیوں سے بھی بچنا اور خیر کے ساتھ شرور کا بھی

تذکرہ سمجھ میں آجاتا ہے۔

وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ. (نحل)

''اللہ نے تمہارے لیے کرتے بنائے جن سے تم گرمی سے بچتے ہو۔''

بِيَدِهِ الْخَيْرِ.

''اسی کے ہاتھ میں خیر و بھلائی ہے۔''

حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم براق سے جدا نہیں ہوئے بلکہ اسی سے واپس بھی آئے ہیں۔ پھر آپؐ براق پر قیامت کے دن بھی سوار ہوں گے۔ لیکن دیگر انبیاء سوار نہیں ہوں گے۔

چنانچہ حاکم کی روایت میں زید بن عمرو کہتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے حوض سے قیامت کے دن پیوں گا اور وہ انبیاء بھی سیراب ہوں گے جو مجھ سے طلب کریں گے۔ اللہ تعالیٰ صالح علیہ السلام کے لیے ان کی اونٹنی کو اُٹھائیں گے جس سے وہ خود دودھ پئیں گے اور وہ مومنین بھی سیراب ہوں گے جو ان پر ایمان لائے ہوں گے۔ پھر وہ اس پر سوار ہوں گے یہاں تک کہ اس کے ذریعے موقف میں پہنچ جائیں گے اور اونٹنی بلبلائے گی۔ تو آپؐ سے ایک آدمی نے سوال کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! تو آپؐ اس دن عضباء پر سوار ہوں گے (یہ حضورؐ کی اونٹنی کا نام ہے) آپؐ نے فرمایا اس پر میری بیٹی فاطمہؓ سوار ہو کر میدان محشر میں آئے گی اور میرا حشر تو براق کے ساتھ ہوگا جو محض میری خصوصیت ہے نہ کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی۔'' (روایۃ السبتی فی الشفاء)

معراج کا واقعہ کس دن پیش آیا؟

اس سلسلے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ ابن الاثیر کہتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ۲۷ ربیع الاول دوشنبہ کی رات ہجرت سے ایک سال قبل پیش آیا۔ اسی کو امام نووی نے شرح مسلم میں یقین کا خیال ظاہر کیا ہے۔

امام نووی نے اپنے فتاویٰ میں یقین کے ساتھ بیان کیا ہے کہ وہ ربیع الثانی کا مہینہ تھا۔

سیر الروضہ میں ہے کہ معراج کا واقعہ رجب میں ہوا ہے اور رات میں پیش آیا اور آپؐ کو رات میں معراج اس لیے کرائی گئی تا کہ بادشاہوں کے ساتھ ہم نشینی میں رات اور دن کا فرق واضح ہو جائے اس لیے کہ رات میں مخصوص قسم کی ہم نشینی اور مجلس ہوتی ہے۔

تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سوانح

مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپؐ عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ بنو سعد میں پانچ سال زیر تربیت رہے۔ ماں کا انتقال مقام ابواء میں ہوا۔ اس وقت آپؐ کی عمر چھ سال کی تھی۔ ماں کے انتقال کے بعد کفالت دادا عبد المطلب نے کی۔ پھر دادا کے انتقال کا حادثہ پیش آیا۔ اس وقت آپؐ کی عمر ۸ سال کی تھی۔ پھر آپؐ کے چچا ابو طالب نے تربیت و کفالت کا بار اُٹھایا۔ چچا ہی کے ساتھ شام کا سفر بھی کیا۔ اس وقت آپؐ کی عمر ۱۲ سال کی تھی۔ جب ۲۵ برس کے ہوئے تو حضرت خدیجہؓ کی طرف سے تجارت کرنے کے لیے نکلے۔ اسی سال حضرت خدیجہؓ سے شادی بھی ہوگئی۔

قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کا پلان بنایا تو آپؐ کو فیصل اور حکم تجویز کیا گیا۔ اس وقت آپؐ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ چالیس سال کی عمر میں آپؐ کو نبوت و رسالت کی نعمت ملی۔ چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو اس وقت آپؐ کی عمر ۴۹ سال ۸ ماہ ۱۱ دن کی تھی۔ ابو طالب کے

انتقال کو تین ہی دن گزرے تھے کہ حضرت خدیجہؓ کا بھی انتقال ہو گیا۔ تین ماہ بعد آپ زید بن الحارثہ کو ساتھ لے کر طائف تشریف لے گئے اور وہاں ایک ماہ قیام فرما کر مطعم بن عدی کے پڑوس میں مکہ مکرمہ واپس تشریف لائے۔ جس وقت آپؐ کی عمر پچاس سال کی ہوئی تو نصیبین کے جنات کا وفد آیا وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ جب آپؐ ۵۱ سال ۹ ماہ کے ہوئے تو شب معراج کا واقعہ پیش آیا۔ جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لیے ہجرت کا سانحہ پیش آیا تو اس وقت آپؐ کی عمر ۵۳ سال کی تھی اور یہ غالباً بعثت و نبوت کا ۱۳ واں سال تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ چودھواں سال تھا۔ ہجرت میں آپؐ کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عامر بن الفہیرہ غلام عبداللہ بن اریقط راہبر بھی تھے۔ یہی ہجرت کا سال اسلامی تاریخوں میں اصل الاصول سمجھا جاتا ہے۔ اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان بھائی چارگی واخوت کا درس دیا اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنا لیا۔ اس سال اور بھی کارہائے نمایاں وقوع پذیر ہوئے۔ مثلاً حالت اقامت میں پوری نمازیں پڑھیں گئیں۔ سفر میں رخصت دے دی گئی۔ سیدنا علی بن ابی طالب کا نکاح اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے کر دیا گیا۔

اس کے بعد زندگی میں ہجرت کا دوسرا سال شروع ہو جاتا ہے۔ غزوہ ودان' غزوہ بواط' غزوہ العشیرۃ اور بدر الاولیٰ بھی پیش آئے (ودان ایک جگہ کا نام ہے۔ بواط مقام بیعت رضوان سے ایک جانب میں واقع ہے اور بدر الاولیٰ جمادی الاخریٰ میں ہوا)۔

غزوہ بدر الکبریٰ جس میں قریش کے بڑے بڑے سورما' بہادر' نوجوان سپاہی کفار قتل کر دیئے گئے۔ اللہ نے مسلمانوں کو فتح عنایت فرما کر عزت بخشی۔ غالباً یہ غزوہ ۱۳ رمضان بروز جمعہ کو ہوا۔

غزوہ بن سمیم ماہ ذی الحجہ میں پیش آیا جس میں آپؐ ابوسفیان کا تعاقب کر رہے تھے لیکن وہ ہاتھ نہیں آیا تھا۔ ہجرت کے تیسرے سال غزوہ بنی غطفان غزوہ نجران' غزوہ قینقاع' غزوہ اُحد' غزوہ حمراء الاسد وغیرہ پیش آئے۔ چوتھے سال غزوۂ بنی نضیر اور غزوہ ذات الرقاع رونما ہوئے۔ پانچویں سال غزوہ دومتہ الجندل وغزوہ خندق اور غزوہ بنو قریظہ پیش آیا۔ چھٹے سال غزوہ بنی لحیان وغزوہ بنی المصطلق ہوئے۔ ساتویں سال منبر بنایا گیا۔ غزوہ خیبر اور فدک کا واقعہ بھی پیش آیا۔ فدک کا واقعہ تو مشہور و معروف ہے اور فدک صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھا۔ ہجرت کے آٹھویں سال غزوہ موتہ' فتح مکہ' غزوہ حنین' غزوۂ طائف اور ہوازن کے مال ودولت کی تقسیم وغیرہ ہوئی۔ نویں سال غزوۂ تبوک' دسویں سال حجتہ الوداع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری تاریخی حج مبارک ہوا جس میں آپؐ نے اپنے دست مبارک سے ۶۳ اونٹوں کا نحر کیا' ۶۳ غلام آزاد کئے اور اتنے ہی سال آپؐ نے دُنیا کی زندگی گزاری۔ پھر آپؐ کا گیارہویں سال انتقال ہو گیا۔ آپؐ کے درد ربیع الاول کے شروع ہی میں ہونے لگا تھا۔ چنانچہ ۱۲ ربیع الاول کو آپؐ پردہ فرما گئے۔ کل عمر ۶۳ سال کی ہوئی۔ اس طور پر مدینہ منورہ میں قیام کی مدت دس سال ہو جاتی ہے (جس کا تذکرہ بلغ کے عنوان میں ہو چکا ہے)۔

آپؐ کی تمام اولادیں ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہوئیں۔ الا یہ کہ باندی ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے ایک صاحبزادہ ابراہیم پیدا ہوا۔ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے طیب' طاہر' قاسم' زینب' رقیہ' ام کلثوم اور فاطمہ اولادیں پیدا ہوئیں۔ (سلام اللہ ورضوان اللہ علیہم اجمعین)

آپؐ کے تمام صاحبزادوں کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ آپؐ نے خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں کسی سے نکاح نہیں کیا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر سے بھی نکاح کر لیا۔ پھر بعد میں آپؐ نے کنواری اور دوشیزہ عورتوں میں سوائے عائشہ رضی اللہ عنہا کے کسی سے نکاح نہیں کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتقال خلافت معاویہؓ ۵۸ھ میں ہوا۔ کل عمر ۶۷ سال کی ہوئی۔ پھر آپؐ نے تیسرے سال حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمر فاروق سے رشتہ زوجیت جوڑ لیا۔ حفصہ رضی اللہ عنہا کا انتقال خلافت عثمانؓ

میں ہوا۔اس کے بعد زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ سے نکاح کرلیا۔یہ آپؐ کی زندگی ہی میں وفات پا گئیں۔گویا آپؐ کی حیات مبارک میں سوائے حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے کسی اور بیوی کا انتقال نہیں ہوا۔پھر آپؐ نے چوتھے سال ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا۔ان کی ماں عاتکہ نامی آپؐ کی رشتہ میں چچی ہوتی ہیں۔ان کا انتقال بھی ۵۹ھ خلافت امیر معاویہ میں ہوا۔

بعض اہل علم نے ۶۱ھ میں انتقال کی تاریخ درج کی ہے۔مزید یہ بھی لکھا ہے کہ یوم عاشورہ میں انتقال ہوا۔جس دن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے تھے۔پھر آپؐ نے پانچویں سال زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے شادی کرلی۔ان کا انتقال ۲۰ھ خلافت فاروقی میں ہوا۔گویا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد پہلی بیوی ہیں جو وفات رسول کے بعد انتقال کرگئیں۔اس کے بعد آپؐ نے رملہ بنت ابی سفیان جن کو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی کہا جاتا ہے سے نکاح کرلیا۔ان کا انتقال بھی خلافت معاویہ ۴۴ھ میں ہوا۔پھر بعد میں آپؐ نے جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحرث المصطلقیہ سے نکاح کرلیا۔ان کا انتقال بھی خلافت معاویہ ۵۶ھ میں ہوا۔سب سے بعد میں آپؐ نے میمونہ رضی اللہ عنہا بنت الحرث سے نکاح کیا جن کا انتقال ۴۰ھ میں ہوا۔گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ بیویوں سے رشتۂ زوجیت نبھاہ کر وصال فرمایا۔

البرذون

ٹٹو۔گھوڑا یا ترکی گھوڑے کو کہتے ہیں۔اس کی جمع براذین اور گھوڑی کے لیے برذونۃ استعمال کرتے ہیں۔کنیت ابوالاخطل ہے اس لیے کہ اس کے کان لٹکے ہوئے رہتے ہیں بخلاف عربی گھوڑوں کے۔

دمیریؒ کہتے ہیں کہ برذون وہ گھوڑے یا ٹٹو ہیں جن کے والدین عجمی ہوتے ہوں۔الاعجمی وہ لوگ کہلاتے ہیں جو صاف اور شستہ کلام پر قادر نہ ہوں۔چاہے وہ عربی النسل ہوں یا غیر عربی۔اس لیے زیاد بن ابیہ کو بھی عجمی کہتے ہیں۔اس لیے کہ اس کی زبان میں لکنت تھی اگرچہ وہ عربی النسل تھا۔عجم کا لفظ حدیث میں بھی وارد ہوا ہے۔

قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلوۃ النھار عجما.

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دن کی نمازیں گونگی (خاموش) پڑھی جائیں۔''

دن کی نماز کو عجماء اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ خاموشی سے پڑھی جاتی ہیں۔ان میں زور سے قرأت نہیں کی جاتی۔لیکن امام نوویؒ نے اس حدیث کو باطل قرار دیا ہے۔اعجمی والاعجمی اس کو کہا جاتا ہے جو گفتگو کرنے پر قادر نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے:

قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم العجماء جرحھا جبار. (الحدیث)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جانوروں کا نقصان کیا ہوا معاف کردیا گیا ہے۔''

عجماء کھلے ہوئے اور آزاد جانوروں کو کہتے ہیں ورنہ اجماع یہ ہے کہ یہ لفظ سائق اور قائد دونوں جانوروں کو شامل ہے۔صاحب منطق الطیر ان کہتے ہیں کہ ٹٹو بولتے وقت یہ کہتا ہے:

اللّٰھم انی اسالک قوت یوم بیوم.

''اے اللہ میں تجھ سے روز بروز اپنی قوت میں اضافے کا طلب گار ہوں۔''

احادیث رسول ﷺ میں تذکرہ

روایت میں ہے:

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں ترک میں تھا اور وہ تم لوگوں پر کنکٹے ٹٹوؤں پر سوار ہو کر حملہ کر رہے تھے یہاں تک کہ انہوں نے دریائے فرات کے کنارے پر باندھ دیئے تھے۔''

دوسری روایت میں ہے:

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ مروان کے پاس سے گزرے اس حال میں وہ مدینہ میں اپنا گھر تعمیر کر رہے تھے۔ چنانچہ میں ان کے پاس بیٹھ گیا اور مزدور کام کر رہے تھے۔ میں نے کہا تم مضبوط بناؤ اور دور کی اُمیدیں رکھو اور جلد ہی مر جاؤ۔ مروان نے پوچھا اے ابوہریرہ! کیا آپ مزدوروں سے گفتگو کر رہے ہیں' آپ ان سے کیا باتیں کر رہے ہیں؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے ان سے یہ کہا ہے کہ مضبوط بناؤ' دور کی اُمیدیں کرو اور جلد ہی مر جاؤ۔ اے خاندان قریش! (کم از کم) تین مرتبہ تم یاد کر لیا کرو کہ تم کل کیسے تھے اور آج تم کیسے ہو گئے۔ تم اپنے فارس اور روم کے غلاموں سے خدمت لیتے ہو اور سفید آٹے کی روٹی اور فربہ گوشت کھاؤ۔ تم میں سے بعض بعض کو نہ کھائے اور تم آپس میں ایک دوسرے کے ٹٹو کی طرح دانت نہ کاٹو۔ آج تم چھوٹے ہو کل بڑے بن جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ اگر کسی کا دُنیا میں ایک درجہ بلند کرتے ہیں تو آخرت میں اس کا ایک درجہ کم کر دیتے ہیں۔''

سراج الوراق نے گھوڑے کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے ۔

لصاحب الاحباش برذونة بعيدة العهد عن القرط

''حبشیوں کے پاس ایک ٹٹو (مادہ ٹٹو) ہے جو بالی سے پرانی معلوم ہوتی ہے۔''

اذا رأت خيلا على مربط تقول سبحانک یا معطی

''جب وہ باڑہ میں کسی گھوڑے کو دیکھتی ہے تو کہتی ہے اے دینے والے تیری ذات پاک ہے۔''

تمشى على خلف اذا مامشت كـانـمـا تكتب بالقبطى

''جب وہ چلتی ہے تو پیچھے کی جانب چلتی ہے گویا وہ قبطی زبان میں لکھتی ہے۔''

جاحظ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک دیہاتی سے میں نے سوال کیا کہ کس جانور کی خوراک زیادہ ہوتی ہے؟ تو اس نے کہا کہ دودھ پلانے والی ٹٹو یا (مادہ ٹٹو) کی۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس ٹٹو پر سوار ہو کر آیا اس کے سر پر عمامہ تھا اس کا ایک شملہ دو مونڈھوں کے درمیان لٹک رہا تھا۔ میں نے آپ ؐ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو آپ ؐ نے فرمایا کیا تم نے ان کو دیکھا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں دیکھا ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا کہ وہ جبرائیل تھے' مجھے حکم دیا ہے کہ میں بنو قریظہ کے بارے میں کر گزروں۔''

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شام میں تشریف آوری

الکامل میں ۱۵ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب بیت المقدس فتح ہو گیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شام چار مرتبہ تشریف لائے۔ پہلی مرتبہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ دوسری مرتبہ اونٹ پر آئے۔ تیسری مرتبہ ارادہ کیا لیکن راستہ سے لوٹ آئے اس لیے کہ شام میں طاعون کی وباء پھیل گئی تھی۔ چوتھی مرتبہ گدھے پر سوار ہو کر تشریف لے گئے۔ ساتھ ساتھ حکام کو اس بات کی ہدایت کر دی تھی کہ وہ مقام جابیہ میں ملاقات کریں گے۔ چنانچہ آپ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ آپ نے اس میں لنگڑاہٹ محسوس کی۔ فوراً اُتر پڑے تو آپ کے لیے ایک ٹٹو لایا گیا۔ سوار ہوتے وقت وہ شوخی کرنے لگا تو آپ اس سے بھی اُتر گئے دوسری طرف رُخ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا سارا کبر و غرور نکال دے گا۔ اس کے بعد آپ اونٹنی پر سوار ہوئے۔ پھر آپ کبھی ٹٹو پر سوار نہیں ہوئے۔

علماء لکھتے ہیں کہ جس وقت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شام کا ارادہ کیا تو مدینہ میں اپنا قائم مقام سیدنا علی رضی اللہ عنہ ابن طالب کو بنا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا کہ آپ خود بخود اس کتے کے پاس جا رہے ہیں۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں عباس رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی جہاد کی پہل کر رہا ہوں' ورنہ عباس رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد فتنوں کے دروازے کھل جائیں گے جس طرح کہ رسی کھل جاتی ہے۔ چنانچہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال خلافت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے چھٹے سال میں ہو گیا اور فتنوں کے دروازے کھل گئے۔ شر و فساد رونما ہو گئے۔ جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پیشین گوئی تھی۔

ابوالہذیل کا ایک عجیب واقعہ

مورخ ابن خلکان نے ابوالہذیل محمد بن الہذیل العلاف البصری جو مذہب اعتزال میں بصرہ کے شیوخ میں سے تھے ان کی سوانح حیات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ خود ہی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے وطن بصرہ سے ٹٹو پر سوار ہو کر مامون الرشید کے دربار میں بغداد کا سفر کیا۔ راستے میں ہرقل کے عبادت خانے سے گزر رہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی عبادت گاہ کی دیوار سے بندھا ہوا ہے۔ میں نے اسے دیکھ کر سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دے کر غور سے دیکھا۔ پھر اس نے یہ پوچھا کہ کیا تم معتزلی ہو؟ میں نے کہا ہاں! میں معتزلی ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ کیا تم میرے سامنے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں! میں آپ کے سامنے ہوں۔ پھر اس نے کہا کیا تم ابوالہذیل العلاف ہو؟ میں نے جواب دیا کہ جی ہاں میں ہی ابوالہذیل ہوں۔ اس نے کہا کیا نیند میں لذت ملتی ہے؟ میں نے کہا ہاں ملتی ہے۔ اس نے کہا کب ملتی ہے؟ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میں یہ کہتا ہوں کہ لذت نیند کے ساتھ ملتی ہے تو غلط ہے اس لیے کہ نیند سے تو عقل جاتی رہتی ہے اور اگر یہ کہتا ہوں کہ لذت سونے سے قبل ملتی ہے تو بھی غلط۔ اس لیے کہ لذت کا وجود نہیں ہوتا' معدوم رہے گی اور اگر کہتا ہوں کہ لذت نیند کے بعد ملتی ہے تو بھی غلط بات ہو جائے گی' اس لیے کہ لذت کے احساس کا علم نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں لاجواب ہو گیا۔

ابوالہذیل کہتے ہیں کہ میں نے پھر انہی سے یہ گزارش کی کہ میں جواب دینے سے عاجز ہوں۔ آپ ہی جواب دیجئے مجھے بھی اس کا علم ہو جائے گا اور جہاں کہیں بھی بیان کروں گا آپ ہی کے حوالے سے بیان کروں گا۔ تو اس شخص نے یہ کہا کہ میں اس شرط کے ساتھ اس کا جواب بتا سکتا ہوں کہ تم اس عبادت گاہ کے مالک کی بیوی سے یہ گزارش کرو کہ وہ میری پٹائی نہ کرے۔ چنانچہ ابوالہذیل نے اس کی بیوی سے گزارش کی تو اس نے منظور کر لی۔ پھر اس دیوار سے بندھے شخص نے کہا کہ بھائی سنو کہ اونگھ تو ایک بیماری ہے جو بدن میں سرایت کر جاتی ہے اس کی دوا نیند ہے۔

ابوالہذیل کہتے ہیں مجھے اس کا جواب بہت پسند آیا۔ جس وقت میں واپس ہونے لگا تو اس نے کہا ابوالہذیل ذرا ٹھہرو اور میرے سوال کو غور سے سنو!

دوسرا سوال

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ امین تھے آسمان اور زمین کے نیچے آرام فرما رہے ہیں۔ ابوالہذیل نے کہا کہ ہاں ہمارا عقیدہ یہی ہے۔ پھر اس نے کہا کہ ان کی اُمت کے بارے میں تمہیں اختلاف و انتشار پسند ہے یا اتحاد و اتفاق۔ ابوالہذیل نے کہا اختلاف نہیں بلکہ اتحاد و اتفاق پسند ہے۔ اس نے کہا قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ.

''ہم نے آپ کو عالم کے لیے مجسمہ رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

تو حضور اکرم ﷺ کا مرض الوفات میں کیا حال تھا؟ جو کہ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ میرے بعد خلیفہ ہوں گے آپ نے وصیت بھی کی تھی اور اُمت کو اس معاملہ میں ترغیب بھی دی تھی۔

ابوالہذیل کہتے ہیں کہ میں اس کا جواب نہیں دے سکا میں نے اسی سے کہا کہ آپ ہی اس کا جواب دیں (لیکن میں اب تک یہ معلوم نہیں کر سکا تھا کہ آخر یہ شخص کون ہے)

میں فوراً ٹو کا رُخ موڑ کر خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں حاضر ہوا۔ ان کو سارے حالات بتائے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اس شخص کو اسی حالت کے ساتھ حاضر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ وہ شخص حاضر کر دیا گیا۔ تو اس سے مخاطب ہو کر مامون الرشید نے کہا کہ ہاں اب تم مجھ سے وہی سوالات کرو جو تم نے ابوالہذیل سے دریافت کئے ہیں۔ اس نے سارے سوالات دہرائے۔ ہارون الرشید کی مجلس میں بڑے بڑے علماء بیٹھے ہوئے تھے کوئی جواب نہ دے سکا تو ہارون الرشید نے کہا بھائی تیرے ان سوالات سے سبھی حیران ہیں تم خود ہی جواب دو۔ تو اس شخص نے کہا سبحان اللہ! میں ہی سوالات کروں اور میں ہی جواب دوں۔ ہارون الرشید نے کہا ارے یہ کون سی مشکل بات ہے کم از کم تمہی سے فائدہ ہو جائے۔

اس دیوار سے بندھے شخص نے کہا بہت اچھا امیر المؤمنین تعمیل حکم کرتا ہوں۔ آپ یوں سمجھئے کہ اللہ جل شانہٗ نے تمام ہونے والی چیزوں کو ازل ہی میں لکھ کر قضاء قدر کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے بعد اپنے محبوب نبی ﷺ کو بھی مطلع کر دیا۔ اب اس کے بعد ان کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ ان سے کسی قسم کا گناہ یا خلاف ورزی سرزد ہو۔ جب اتنی بات ثابت ہوگئی تو تمام معاملات و امور کو قضائے الٰہی کے سپرد کر دیا گیا۔ اس لیے کہ وہی ہو کر رہے گا جو مقدر کر دیا گیا ہے۔ وہ غلبہ والا اور قوت دار خدا ہے اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں اور نہ اس کے نافذ کردہ امور میں کوئی نکتہ چینی کرنے والا ہے۔

ہارون الرشید کو اس کی بات بہت پسند آئی۔ اسی دوران ہارون الرشید کو کوئی بات یاد آ گئی تو وہ گھر کے اندر داخل ہو گئے تو اس شخص سے ایک مجنون نے کہا اے بدزبان تم نے ہمیں سے فائدہ اُٹھایا اور ہمیں سے بھاگتے ہو۔ یہ دونوں بات کر ہی رہے تھے کہ اچانک ہارون الرشید آ گئے۔ فرمایا کہ اچھا تم ہم سے کیا انعام لینا چاہتے ہو؟ اس نے کہا ایک ہزار اشرفیاں۔ ہارون الرشید نے کہا اتنی رقم کیا کرو گے؟ اس نے جواب دیا کہ میں انہیں اپنے کام میں لاؤں گا۔ چنانچہ انعام دیئے جانے کا حکم دیا گیا۔ انعام لے کو وہ واپس ہو گیا۔ ابوالہذیل العلاف کا انتقال ۲۲۷ھ میں ہوا۔ (وفیات الاعیان)

اہل علم لکھتے ہیں کہ اونگھ سر میں، غنودگی آنکھ میں، نیند قلب میں طاری ہوتی ہے اور نوم و نیند تو اس ثقیل غشی کو کہتے ہیں کہ جو قلب میں

طاری ہوتی ہے جس سے اشیاء کی معرفت اور دیگر چیزوں کا امتیاز نہیں ہو پاتا۔ چونکہ نیند اور اونگھ نقص ہے تغیر ہے اللہ تعالیٰ ان تمام نقائص سے پاک ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

لَا تَاخُذُہٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْم. (سورۃ البقرہ)

''اللہ تعالیٰ کو نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھ طاری ہوتی ہے۔''

خالد بن صفوان سفاح کے دربار میں

امام الفرج الجوزی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ خالد بن صفوان التیمی خلیفہ ابو العباس کے دربار میں تشریف لائے۔ اس وقت خلیفہ تنہا بیٹھے ہوئے تھے۔ خالد نے کہا اے امیر المؤمنین! جب سے آپ نے مسند خلافت کو زینت بخشی ہے اس وقت سے میں یہ تمنا کرتا رہا کہ آپ ہی کی موجودگی میں تنہا جا کر آپ کے بارے میں تخیلات قائم کروں۔ اس لیے اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں اپنی اس خواہش کی تکمیل کرلوں۔ اور آپ دروازے پر ایک دربان کو ہدایت کردیں کہ وہ کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ دے۔ امیر المؤمنین سفاح نے دربان کو اس کا حکم دیا کہ وہ ایسا ہی کرے۔

تھوڑی دیر کے بعد خالد بن صفوان خلوت سے جلوت میں آ گئے۔ کہا کہ اے امیر المؤمنین میں نے آپ کے بارے میں خوب سوچا' آخر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ ایک منفرد بادشاہ ہیں۔ آپ سے زیادہ کسی نے عورتوں سے زیادہ لطف نہیں اُٹھایا اور نہ کسی کو اتنی زیادہ قدرت تھی اور آپ کا تو کیا کہنا۔ آپ کے اندر یہ بھی امتیاز ہے کہ آپ نے عالمی پیمانے پر ایک عورت کا انتخاب کیا۔ آپ دونوں کے تعلقات کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ بیمار ہو جاتی ہے تو آپ بھی بیمار پڑ جاتے ہیں۔ اگر وہ کہیں چلی جاتی ہے تو آپ بھی غائب ہو جاتے ہیں۔ جب وہ حیض کے ایام گزارتی ہے تو آپ بھی روزے سے ہو جاتے ہیں۔ باندیوں تک سے لطف اندوز نہیں ہوتے۔ حالانکہ آپ کے پاس ایسی ایسی باندیاں ہیں جن کی طرف انسان کا میلان ایک فطری بات ہے مثلاً سفید' خوبصورت' گندم گوں ہیں۔ اسی طرح بعض وہ بھی ہیں جو سونے کی طرح زرد اور بعض باندیاں سرخ لب والی ہیں۔ کچھ باندیاں یمامہ و مدینہ کی ہیں جن کے کلام میں شگفتگی حاضر جوابی جیسی خصوصیات ہیں جن کو دیکھتے ہی شہوت بھڑک اُٹھتی ہے۔

سفاح نے کہا آج تم نے مجھ سے اتنی دلچسپ باتیں کی ہیں کہ میں بے انتہا محظوظ ہوا۔ خدا کی قسم تم نے اس قسم کی گفتگو اس سے قبل کبھی نہیں کی۔ ایسی باتیں تو تم مجھ سے بار بار کرو۔ خالد بن صفوان نے پھر اسی قسم کی دلچسپ باتیں کیں اور اس انداز سے کیں کہ سفاح کو از سر نو لطف ملتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد سفاح نے خالد سے کہا کہا اچھا اب تم جا سکتے ہو۔ چنانچہ خالد دربار سے اُٹھ کر چلے گئے۔

ابو العباس سفاح پھر انہی خیالات میں گم سم ہو گئے۔ بس سفاح اسی حالت میں تھا کہ اچانک ان کی بیوی ام سلمہ آ گئیں جن سے سفاح نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ام سلمہ کے ہوتے ہوئے کسی باندی سے لطف اندوز نہیں ہوں گے اور نہ کسی دوسری عورت سے شادی کریں گے۔ چنانچہ حسب وعدہ سفاح نے اس کو نبھانے کی کوشش بھی کی۔

ام سلمہ نے جب یہ محسوس کیا کہ سفاح اس وقت فکر مند معلوم ہوتے ہیں تو سوال کیا کہ اے امیر المؤمنن کیا بات ہے؟ آج آپ متفکر کیوں ہیں؟ کیا کوئی مزاج کے خلاف بات ہوگئی تو سفاح نے کہا نہیں نہیں کوئی بات نہیں۔ ام سلمہ کے اصرار کرنے پر سفاح نے خالد بن صفوان سے ہونے والی گفتگو کی روداد کہہ دی۔ اور جو جو باتیں خالد نے کی تھیں وہ سب بیان کر دیں۔

ام سلمہ نے کہا: آپ نے اس حرام زادے کی باتیں سن لیں اور محظوظ بھی ہوئے۔ سفاح نے کہا اس نے میری خیر خواہی کی اور تو اسے گالی دے رہی ہے' برا بھلا کہتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد ام سلمہ غلاموں کے پاس گئی اور انہیں حکم دیا کہ وہ خالد بن صفوان کی پٹائی کر دیں۔

خالد بن صفوان کہتے ہیں کہ جس وقت امیر المؤمنین سفاح کے دربار سے دلچسپ گفتگو کر کے اُٹھا تو ذہن میں یہ بات تھی کہ سفاح مجھ سے خوش ہو گیا ہے اور ضرور کچھ نہ کچھ انعام بھی دے دے گا۔ اس خیال میں مگن جب میں گیٹ سے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چند آدمی میرا پوچھتے پوچھتے میرے پاس آئے۔ اس وقت انعام کی بات کا اور یقین ہو چلا کہ شاید یہ لوگ انعام کی خوشخبری دینے کے لیے آ رہے ہیں۔ میں نے ان لوگوں سے کہا کہ میں ہی خالد بن صفوان ہوں۔ بس یہ سننا تھا کہ ایک شخص لکڑی لے کر مارنے کے لیے میری طرف بڑھا۔ میں اس کے تیور دیکھ کر سمجھ گیا اور فوراً ٹٹو پر سوار ہو کر فرار ہو گیا۔ چند دن چھپا رہا اور میں خوب جانتا تھا کہ یہ سازش ام سلمہ سفاح کی بیوی کی ہے۔ خالد کہتے ہیں کہ ایک دن میں لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک پھر کچھ لوگوں نے مجھ پر حملہ کر دیا اور یہ کہنے لگے کہ تمہی نے امیر المؤمنین کے سامنے دل نشین باتیں کی ہیں۔ میں اس وقت یہ سمجھا کہ اب تو میری موت آ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے لگا۔ یہ بھی خیال آیا کہ مجھ جیسے بوڑھے آدمی سے زیادہ یہ معاملہ کبھی نہ ہوا ہوگا۔ کچھ دنوں کے بعد امیر المؤمنین کے دربار میں حاضر ہوا دیکھتا ہوں کہ امیر المؤمنین تشریف فرما ہیں اور دوسری جانب کچھ باریک پردے لٹکے ہوئے ہیں۔ مجھے کسی کے چھپے رہنے کا احساس ہوا۔ اتنے میں سفاح نے مجھے بٹھا لیا اور کہا کہ اے خالد! تم نے میرے سامنے کچھ اوصاف بیان کئے تھے۔ پھر انہیں دوبارہ بیان کرو۔ تو میں نے کہا بہت اچھا حضور والا! ابھی بیان کرتا ہوں۔ سنئے اہل عرب کے نزدیک (ضرۃ) (سوکن) کا لفظ ضرر و نقصان سے مشتق مانا گیا ہے اس لیے اگر کسی کے پاس ایک سے زائد بیوی ہو تو وہ نقصان میں رہتا ہے اور اس کی زندگی مکدر ہو جاتی ہے۔ سفاح نے کہا خالد یہ تمہارا وہ کلام معلوم نہیں ہوتا۔ خالد نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہے۔ امیر المؤمنین! بلکہ میں نے آپ کو یہ بھی بتانا تھا کہ تین قسم کی عورتیں سخت مردوں پر مسلط ہو جائیں گی جن کا مشغلہ عیب جوئی کرنا ہوتا ہے۔ سفاح نے کہا اگر تم نے اس قسم کی بات حضور اکرم ﷺ سے سنی ہے تو وہ تم سے بری ہیں۔ خالد نے کہا ہاں ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے سمجھا۔ خالد نے مزید کہا کہ حضور والا! میں نے آپ کو اس سے بھی آگاہ کیا تھا کہ چار قسم کی عورتیں اپنے شوہروں کی عیب جوئی کریں گی۔ شر و رفتن سے بھرپور ہوں گی اور شوہروں پر ناپسندیدگی کا اظہار کریں گی۔

سفاح نے کہا خالد میں نے تم سے یہ پہلی بار نہیں سنا بلکہ اس سے قبل بھی سن چکا ہوں۔ خالد نے اس کا بھی اقرار کیا۔ سفاح نے کہا کیا تم مجھ سے جھوٹ بول رہے ہو؟ خالد نے کہا کیا آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں؟ امیر المؤمنین خدا کی قسم! باکرہ باندیاں بالکل مردوں کی طرح ہوتی ہیں سوائے اس کے کہ ان کے خصیے نہیں ہوتے۔

خالد کہتے ہیں کہ یہ کہتے ہی پردے کے پیچھے سے ہنسنے کی آواز آئی۔ پھر میں نے سفاح سے کہا کہ حضور والا! آپ کے پاس کیا کمی ہے آپ کے پاس تو قریش کی خوبصورت عورتیں ہیں۔ آپ ان خوبصورت عورتوں اور باندیوں کی طرف دیکھ کر محظوظ ہوتے ہیں۔

خالد کہتے ہیں کہ اس گفتگو کے بعد پھر پردے کے پیچھے سے یہ آواز آئی کہ تم سچ کہہ رہے ہو۔ اے چچا! یہ ساری گفتگو تم نے کی ہے لیکن تیری باتیں معلوم نہیں ہوتیں اور جو بات تمہارے دل میں تھی وہ باتیں نہیں کیں۔

سفاح نے کہا خالد تمہیں خدا قتل کر دے۔ خالد کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے بعد میں باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سفاح کی بیوی ام سلمہ نے دس ہزار درہم اور ایک ٹٹو جو زین سے آراستہ و پیراستہ تھا بطور ہدیہ میری طرف بڑھا دیا۔ (کتاب الاذکیاء)

ٹٹو کا شرعی حکم

ٹٹو کا شرعی حکم حلت یا حرم کے بارے میں عام گھوڑوں ہی کی طرح ہے۔

طبی خواص

اگر کسی عورت نے ٹٹو (برذون) کا خون پیا تو وہ کبھی حاملہ نہیں ہو سکتی۔ اس کی مینگنیاں یا براز پیٹ سے مرا ہوا بچہ اور جھلی کو باہر نکال

دیتا ہے۔اسی طرح اس کے براز کو خشک کر کے ناک میں چھڑک لے تو نکسیر بند ہو جائے گی۔اس طرح زخموں پر چھڑکنے سے خون بند ہو جاتا ہے۔ٹٹو کی چربی کی مالش نقرس اور عرق النساء کے لیے مفید ہے۔

تعبیر

ٹٹو خواب میں ایک مقابل خصیم کی شکل میں آتا ہے۔بعض نے کہا ہے کہ غلام یا عجمی آدمی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔اسی طرح بہت سے ٹٹو بہت سے عجمی مردوں کی شکل میں آتے ہیں اور کبھی کبھی خواب میں ٹٹو آجانے سے عورت سے تعبیر دیتے ہیں۔مثلاً اگر کسی نے یہ دیکھا کہ اس نے اپنے ٹٹو کی چوری کرلی ہے تو گویا وہ اپنی عورت کو طلاق دے دے گا اور اگر کسی نے اپنے ٹٹو کو ضائع کر دیا ہے تو گویا اس کی عورت نافرمان اور فاجر ہوگی۔اگر کسی نے دیکھا کہ وہ ٹٹو پر سوار ہے حالانکہ اس کی عادت عربی گھوڑوں پر سوار ہونے کی ہے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اس آدمی کا مرتبہ کم ہو جائے گا۔

اَلْبَرغش

برغش مچھر کی ایک قسم کا نام ہے مندرجہ ذیل اشعار حافظ ذکی الدین عبدالعظیم نے شیخ ابوالحسن المقدسی کے بارے میں کہے ہیں اور المقدسی امام تقی الدین بن دقیق العید کے والد محترم کا نام ہے جن کی وفات اوائل شعبان ۶۲۱ھ قاہرہ میں ہوئی ۔

ثلاث باآت بلینابها البق والبرغوث والبرغش

''تین وباؤں میں ہم مبتلا کر دیئے گئے ہیں وہ بق' برغوث' برغش ہیں۔''(یہ مچھروں کے نام ہیں)

ثلاثة اوحش ما فی الوریٰ یا لیت شعری ایها اوحش

''دُنیا میں تین وحشی ہیں۔کاش کہ مجھے علم ہوتا کہ کون زیادہ وحشی ہے۔''

البرغن

برغن نیل گائے کے بچے کو کہتے ہیں (با اور غین دونوں میں زبر اور پیش دونوں پڑھ سکتے ہیں)۔

البرغوث

برغوث پسو کو کہتے ہیں اس کی جمع براغیث آتی ہے۔با پر پیش زیر سے زیادہ مشہور ہے۔اہل عرب کہتے ہیں (اکلونی البراغیث) مجھے پسوؤں نے کھالیا۔یہ زبان بنی طے کی ہے جو باضابطہ ایک زبان ہے۔چنانچہ وہ قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں اور یہ قرأت بھی مانتے ہیں:

واسروا النجوىٰ الذین ظلموا. (انبیاء)

''اور ظالموں نے چھپا کر سرگوشی کی۔''

دوسرا ارشاد ہے:

خشعاً ابصارهم.

''آنکھیں جھکائے ہوئے۔''

یا مثلاً یہ عبارت:

یتعاقبون فیکم الملائکة.

''ملائکہ کا گروہ ایک کے بعد دوسرا آتا رہتا ہے۔''

اور ان کا قول مسلم شریف میں ہے:

حتی احمر تاعیناہ.

''یہاں تک کہ ان فرشتوں کی آنکھیں سُرخ ہوں گی۔''

امام سیبویہ لکھتے ہیں کہ **اکلونی البراغیث** کی نظیر قرآن کریم میں نہیں ہے اور **اسروا النجویٰ** میں ضمیر **ھم** **فاعل** ہے اور **الذین** **بدل** ہے۔

پسو کی عادات

پسو کی کنیت ابو طافر' ابو عدی' ابو الوثاث ہے۔ اسے طامر بن طامر بھی کہتے ہیں۔ پسو کودنے والے جانوروں میں سے ہے۔ اس پر خدا کا یہ فضل ہے کہ ضرورت پڑنے پر پیچھے کی جانب سے بھی کود پڑتا ہے تا کہ وہ شکار کرنے والے کو دیکھ سکے۔ ورنہ سامنے کی جانب سے کودنے کی شکل میں یہ خود جلدی موت کے جال میں پھنس جائے گا۔

امام جاحظ نے یحییٰ برمکی سے نقل کیا ہے کہ پسو بعض چیونٹی کی طرح اُڑنے والے جانوروں میں سے ہے۔ یہ دیر تک جفتی کرتا ہے۔ انڈے دیتا ہے' بچے جننے کے بعد بچوں ہی کے غول میں رہتا ہے' اُڑتا ہے۔ یہ مٹی اور تاریک جگہوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ پسو کا حملہ زیادہ تر سردیوں کے آخر اور موسم ربیع کے شروع میں ہوتا ہے اور یہ ترچھا ہو کر حملہ کرتا ہے۔

بعض اہل علم لکھتے ہیں کہ پسو کی شکل ہاتھی کی طرح ہوتی ہے۔ پکڑنے کے دانت بھی ہوتے ہیں اور چوسنے کے لیے سونڈ بھی۔

پسو کا حکم

پسو کھانا حرام ہے۔ محرم اور غیر محرم سب کے لیے اس کو قتل کرنا مستحب ہے۔ لیکن پسو کو گالی دینے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو پسوؤں کو گالی دیتے ہوئے سن لیا تو فرمایا کہ اسے گالی نہ دیا کرو یہ انبیاء کو نماز فجر کے لیے زیادہ بیدار کرتے ہیں۔'' (رواہ احمد والبخاری' البزار' الطبرانی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پسوؤں کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ نماز فجر کے لیے بیدار کرتے ہیں۔'' (رواہ الطبرانی فی معجمہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''ایک مرتبہ ہم لوگ ایک منزل میں مقیم ہو گئے تو پسوؤں نے ہمیں بہت ستایا۔ ہم نے ان کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان پسوؤں کو گالی مت دیا کرو اس لیے کہ یہ بہترین جانور ہے اس لیے کہ یہ تمہیں اللہ کے ذکر کے لیے بیدار کرتا ہے۔'' (رواہ الطبرانی فی معجمہ)

عموم بلوی اور تنگی کی وجہ سے پسو کا تھوڑا خون معاف ہے۔
حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ جب تک زیادہ خون نہ لگا ہو اس وقت تک رعایت ہے۔ اصحاب شوافع کہتے ہیں کہ معمولی خون تو معاف ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں الا یہ کہ اسے خود لگایا ہو۔ مثلاً پسو کو اپنے کپڑوں یا بدن پر خود ہی مار دیا ہو۔ اس شکل میں دو صورتیں ہیں: صحیح روایت یہی ہے کہ وہ معاف ہی ہے بلکہ اسی طرح ان جانوروں کا بھی یہی حکم ہے جن میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا ہے جیسے کھٹمل، پسو اور مچھر وغیرہ اور ان کا بھی یہی حکم ہے جو ان کی طرح ہوتے ہیں۔
کسی نے شیخ الاسلام عزالدین بن سلام سے دریافت کیا کہ جس کپڑے میں مچھر کا خون لگ گیا ہو تو کیا اسے گیلا اور نم پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا ایسے کپڑے میں پسینہ لگ گیا ہو تو بھی پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس سے بدن نجس ہو جائے گا یا نہیں یا یہ کہ ان تمام صورتوں میں معاف سمجھا جائے گا اور کیا ایسے شخص کو وقت مقررہ سے پہلے غسل کرنا مستحب ہے؟
جواب فرمایا ہاں بدن اور کپڑا ایسی صورت میں نجس ہو جائیں گے اور ایسے شخص کو وقت مقررہ ہی پر غسل کا حکم دیا جائے گا۔ ورنہ اس سے قبل غسل کرنا تقویٰ اور احتیاط کی بات ہوگی۔ یہی ہمارے سلف صالحین کا طریقہ تھا۔ یہی لوگ دین کی حفاظت میں سب سے بڑھ کر پابندی کرتے تھے۔ رہا زیادہ خون کا مسئلہ تو یہ بھی علمائے محققین کے نزدیک مطلقاً معاف ہے چاہے وہ خون پسینہ کے ذریعہ پھیل گیا ہو یا نہ پھیلا ہو۔ یہی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے۔

پسوؤں سے حفاظت کے لیے

فارسی بانس کی چھڑی کو گدھی کے دودھ اور جنگلی بکری کی چربی میں لت پت کر کے گھر کے درمیانی جگہ میں گاڑ دیں۔ پھر ۲۵ مرتبہ یہ پڑھے:

اقسمت علیکم ایھا البراغیث انکم جند من جنود اللّٰہ من عھد عاد وثمود واقسمت علیکم بخالق الوجود الفرد الصمد المعبود ان تجتمعوا الیٰ ھذا العود ولکم علی المواثیق والعھود ان لا اقتل منکم والداً ولا مولوداً.

ان شاء اللہ وہ اس لکڑی پر سب جمع ہو جائیں گے۔ پھر انہیں لے کر بغیر مارے ہوئے پھینک دو ورنہ اس کی تاثیر جاتی رہے گی۔ اس کے بعد گھر میں جھاڑو دے کر چالیس مرتبہ یہ پڑھے:

وَ مَالَنَا اَنْ لَّا نَتَوَکَّلَ عَلَی اللّٰہِ وَقَدْ ھَدٰنَا سُبُلَنَا وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَا اٰذَیْتُمُوْنَا وَ عَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ.

یہ عمل کرنے سے پسو پھر نہیں ہوں گے۔ یہ عمل آزمودہ اور مجرب ہے۔

ایک عجیب سوال

ایک مرتبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے یہ سوال کیا کہ پسو کی روح کو موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے یا نہیں؟ تو آپ تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر آپ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ پسوؤں کے بہتا ہوا خون ہوتا ہے یا نہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں ان کے بہتا ہوا خون ہوتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ملک الموت ہی ان کی روح کو قبض کرتا ہے۔ اس کے بعد قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

اَللّٰہُ یَتوفی الانفس حِین مَوْتِھَا.

''ان کی موت کے وقت اللہ ہی ان کی روحوں کو کھینچ لیتا ہے۔''

(آگے چل کر اس سلسلے میں بعوض کے بیان میں آجائے گا جو اس بات کی تائید کرے گا)

پسو کی مثالیں

اہل عرب کہتے ہیں ھو اطمر من برغوث وہ پسو سے زیادہ کودتا اچھلتا ہے۔ فلان اطیر من برغوث فلاں پسو سے زیادہ اُڑتا ہے۔

پسو سے متعلق اشعار

پسو ڈستا اور اذیت دیتا ہے۔

پسو کے بارے میں ایک مصری دیہاتی نے کہا ہے ؎

قطال فی الفسطاط لیلی و لم یکن بارض الفضا لیل علی یطول

''ان کے خیمے میں میری رات لمبی ہوگئی اور کھلے میدان میں مجھ پر رات دراز نہیں ہوئی۔''

الالیت شعری ھل ابیتن قتلھم ولیس لبرغوث علی سبیل

''کاش کہ مجھے علم ہوتا کہ کیا تم نے رات گزاری ہے حالانکہ پسو کے لیے مجھ پر کوئی راستہ نہیں ہے۔''

ابوالمیمون مجدالدین الکنانی نے پسو کے بارے میں حیرت انگیز کلام کہا ہے ؎

و معشر یستحل الناس قتلھم کما استحلوا دم الحجاج فی الحرم

''اور یہ پسو لوگوں کے قتل کو حلال سمجھتا ہے جس طرح کہ حرم میں حاجیوں کے خون کو حلال سمجھ رکھا ہے۔''

اذا سفکت دھا منھم فما سفکت یدای من دمه المسفوک غیر دمی

''جب ان میں سے کسی کا خون بہتا ہے تو سوائے میرے خون کے میرے ہاتھ بہتے ہوئے خون میں رنگین نہیں ہوئے۔''

ابوالحسن بن سکرۃ الہاشمی ایک پرکشش آدمی ابن برغوث کے بارے میں کہتے ہیں ؎

یلیت ولا اقول بمن لانی متی ما قلت من ھو یعشقوہ

''میں اس کی محبت میں مبتلا ہوا لیکن میں ان کا نام نہیں لیتا۔ اس لیے کہ جب بھی میں نے بتایا کہ وہ فلاں ہے تو لوگ اس پر فریفتہ ہوگئے۔''

حبیبی قد تقی عن رقادی فان اغمضت ایقظنی ابوہ

''وہ ایسا دوست ہے جس نے میری نیند اُڑادی ہے اگر کبھی آنکھ بند بھی ہوئی ہے تو اس کے باپ نے مجھے بیدار کردیا ہے۔''

یہ عمدہ اشعار بھی انہی کے ہیں ؎

کان خالا لاح فی خدہ للعین فی سلسلة من عذار

''اس کی رخسار کی مسلسل زنجیر میں تل ایسا نمایاں ہوا جیسا کہ آنکھ کے قریب تل نظر آئے۔''

اسود یستندم فی جنة قیدہ مولاہ خوف الفرار

''جیسے کہ وہ باغ بہشت میں خدمت کرنے کے لیے شیر ہو جسے اس کے آقا نے فرار کے خوف سے مقید کردیا ہو۔''

یہ اشعار بھی انہی کے ہیں ؎

و ما عشقی لہ وحشا لانی کرھت الحسن و اخترت القبیحا

''مجھے اس سے عشق وحشت اور تنہائی کی وجہ سے نہیں ہے کہ میں نے حسن کو برا سمجھ کر بدصورتی کو اختیار کر لیا ہو۔''

ولکن غرت اھوی ملیحا و کل الناس یھوون الملیحا

''بلکہ مجھے محض یہ جذبہ تھا کہ میں پرکشش آدمی سے محبت کروں اور ہر شخص پرکشش چیز ہی پر فریفتہ ہوتا ہے۔''

یہ بھی ان ہی کے منظوم کلام میں سے ہے ؎

تحمل عظیم الذنب ممن تحبہ و ان کنت مظلوما فقل انا ظالم

''تم جس سے محبت کرتے ہو اس کی بڑی خطاؤں کو درگزر کرو اگرچہ تم مظلوم کیوں نہ ہو اپنے کو ظالم ہی سمجھا کرو۔''

فانک ان لم تغفرالذنب فی الھوی یفارقک من تھوی وانفک راغم

''اس لیے کہ اگر تم محبت میں خطاؤں کو درگزر نہیں کرو گے (تو حشر یہ ہوگا) کہ تمہارا محبوب تم سے بدک جائے گا اور پھر تم ناک بھنوؤں چڑھاتے پھرو گے۔''

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ اخیر کے یہ دو شعر عباس بن الاحنف کے ہیں۔ ابن سکرہ کا انتقال ۳۸۵ھ میں ہوا ہے۔

موذی جانوروں سے محفوظ رہنے کے لیے

ابن ابی الدنیا لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ افریقہ کے گورنر نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں کیڑے مکوڑوں اور بچھوؤں کی شکایت کرتے ہوئے تحریر کیا تو آپ نے جواب تحریر فرمایا کہ تم صبح و شام یہ دعا پڑھا کرو۔ یہ دعا فائدہ سے خالی نہیں ہے:

وما لنا ان لا نتوکل علی اللہ. (سورۂ ابراہیم)

''اور ہمارے لیے کیا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں۔''

(ان شاء اللہ باب الہاء میں اس قسم کی دوسری آیت آئے گی جو فردوس الحکمت سے نقل کی گئی ہے)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کو پسو اذیت پہنچانے لگیں تو پانی کا ایک پیالہ لے کر سات مرتبہ **وما لنا الا نتوکل علی اللـٰـہ** الایہ پڑھ کر دم کرو۔ پھر یہ کہو اگر تم اللہ پر ایمان و یقین رکھتے ہو تو اپنے شر اور اذیت سے ہم کو باز رکھو۔ پھر اس پانی کو اپنے بستر کے اردگرد چھڑک دو۔ چنانچہ اس عمل سے تم ان کے شر سے مامون ہو کر رات گزارو گے۔''

(کتاب الدعوات للمستغفری وشرح المقامات للمسعودی)

حسین بن اسحٰق کہتے ہیں کہ پسو سے حفاظت کے لیے یہ عمل کیا جا سکتا ہے کہ گندھک اور ریوند کو گھر میں سلگا دیں۔ اس سے یا تو پسو مر جائیں گے یا بھاگ جائیں گے۔

دوسرا عمل یہ ہے کہ گھر میں ایک گڑھا کھود کر کنیر کے پتے ڈال دیں تو اس گڑھے میں تمام پسو جمع ہو جائیں گے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر کلونجی کا جوشاندہ گھر میں چھڑک دیں تو پسو مر جائیں گے اور کچھ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر سداب کو پانی میں بھگو کر گھر میں چھڑک دیا جائے تو پسو مر جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر گھر میں پرانے کتان کے کپڑے اور نارنج کے چھلکوں کی دھونی دی جائے تو پسو دوبارہ نہیں ہو

سکتے۔

اگر کسی انسان کے دائیں کان میں پسو گھس جائے تو اپنے دائیں ہاتھ سے بایاں خصیہ پکڑے۔اگر بائیں کان میں گھس جائے تو بائیں ہاتھ سے دایاں خصیہ پکڑ لینے سے جلد ہی باہر آجائے گا۔

خواب میں تعبیر

خواب میں پسو کمزور دشمن یا نیزہ زن دشمن کی شکل میں آتا ہے۔نیز کبھی کبھی اوباش قسم کے لوگوں سے تعبیر دیتے ہیں۔جاماسب نے کہا ہے کہ خواب میں اگر پسو کاٹ لے تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ اسے دولت نصیب ہوگی۔

البُرا

براء۔ایک پرندہ کا نام ہے جس کو سمویل بھی کہتے ہیں۔(ان شاءاللہ تفصیل باب السین میں آجائے گی)

البرقانة

ابن سیدہ نے کہا ہے کہ برقانہ رنگ برنگی ٹڈی کو کہتے ہیں۔جمع برقان آتی ہے۔

البرقش

برقش چڑیا کو کہتے ہیں جو کہ عصفور' کنجشک کی طرح ہوتی ہے۔اہل حجاز اسے سرشور کہتے ہیں۔براقش کا تذکرہ آخر باب میں آجائے گا اور براقش ایک ضرب المثل کتیا کا نام ہے۔[1] مثلاً اہل علم نے لکھا ہے کہ فلاں لوگوں کا پتہ کتیا نے بتایا۔اس لیے کہ وہ جانوروں کے کھروں کی آواز کو سن کر بھونکنے لگی تھی۔(جن جانوروں پر وہ لوگ سوار تھے) تو لوگوں نے اس کے بھونکنے سے قبیلہ کا پتہ لگا لیا پھر بعد میں لوگوں نے اگلا قدم اُٹھایا۔

البُرکة

آبی پرندہ۔برکتہ ایک دریائی چڑیا کو کہتے ہیں اس کی جمع برک آتی ہے۔چنانچہ زہیر شاعر نے قطا پرندے کے بارے میں کہا ہے کہ جس وقت وہ شکرے کو دیکھ کر بہتے ہوئے پانی میں بھاگ گئی ؎

حتی استغاثت بماء لارشاء له بین الاباطح فی حافاته البرک

"یہاں تک کہ برکتہ کشادہ نالہ کے بے ڈول پانی میں پناہ گزین ہوئی جس کے اردگرد کناروں پر ہم جنسوں کا جھنڈ تھا۔"

امام لغت ابن سیدہ کہتے ہیں کہ برکتہ آبی پرندہ کو کہتے ہیں۔اس کی جمع برک' ابراک' برکان آتی ہے اور میرے نزدیک جمع الجمع

---

[1] اللہ تبارک وتعالیٰ نے کچھ مخصوص قسم کے کتوں میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ سننے اور سونگھنے کی زبردست قوت رکھتے ہیں۔آج کے سائنسی دور میں کتوں کی ان صلاحیتوں کا بھی فائدہ اُٹھایا جارہا ہے۔آپ نے اکثر پڑھا اور دیکھا ہوگا کہ فلاں جگہ چوری ہوگئی تو کتوں وغیرہ کو لایا گیا جو کہ اپنی مخصوص سونگھنے کی طاقت سے مطلوبہ شخص کی نشان دہی کرتے ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کی نشان دہی کے لیے کتوں کو کئی کئی میل دوڑنا پڑتا ہے۔

ابراک وبرکان آتی ہے۔ نیز برکتہ مینڈک کو بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ بعض شراح نے زہیر کے اس شعر کے معانی بتاتے ہوئے برک سے مراد مینڈک لکھا ہے۔اھ

العباب میں لکھا ہے البرک بیٹھے ہوئے اونٹوں کے غول کو کہتے ہیں۔ واحد بارک اور مونث بارکتہ آتا ہے۔اھ

البشر

بشر انسان کو کہتے ہیں اس میں واحد، جمع، مذکر ومونث سب برابر ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی تثنیہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

فَقَالُوْا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا. (المؤمنون)

"قوم نے کہا کیا ہم اپنی طرح کے دو آدمیوں کی باتوں پر ایمان لے آئیں گے۔"

اس کی جمع البشر استعمال ہوتی ہے۔

البط

بطخ۔ بطخ آبی پرندہ ہے۔ واحد کے لیے بطۃ استعمال ہوتا ہے۔ ہاء تانیت کے لیے نہیں ہے بلکہ وحدت کی ہے اسی لیے یہ لفظ جنس ہے کہتے ہیں ھذہ بطۃ (یہ بطخ ہے) نر اور مادہ دونوں کے لیے بولتے ہیں۔ جیسے کہ حمامۃ اور دجاجۃ استعمال کرتے ہیں۔ بطۃ کا لفظ عربی نہیں ہے۔ اہل عرب چھوٹی بطخ کو بط اور بڑی بطخ کو اوزۃ (مرغابی) کہتے ہیں۔ اس کا بھی شرعی حکم وہی ہے جو اس سے قبل بڑی بطخ (اوزۃ) کے عنوان میں گزر چکا ہے۔

عبداللہ بن اویسؒ کہتے ہیں:

"کہ میں نحر کے دن سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے یہاں گیا۔ چنانچہ ہمارے پاس آٹے کا چھڑکا ہوا گوشت لایا گیا۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ٹھیک معاملہ فرمائے اگر ہمارے پاس اس بڑی بطخ کا گوشت لایا جاتا تو زیادہ بہتر تھا' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر زیادہ رکھی ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابن اویس! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کسی بھی خلیفہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے مال میں سے سوائے دو پیالوں کے جائز نہیں ایک پیالہ وہ جسے وہ کھائے اور دوسرا وہ جو لوگوں کے سامنے رکھ دیا جائے۔" (رواہ الامام احمد)

علی بن زید بن جدعان کی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے علی بن زید بن جدعان سے ۷۶ھ میں سنا ہے کہ کہتے تھے عورتیں جس وقت اکٹھی ہوتی ہیں تو وہ بالکل بطخ کی طرح ہوتی ہیں کہ جب ان میں سے ایک چیختی ہے تو سب چیخ پڑتی ہیں۔ (الکامل لابن عدی)

ایک فقہی مسئلہ

امام ماوردی کہتے ہیں کہ جو بطخ اوزۃ کے مقابلے میں اڑ نہ پاتی ہو جب اسے کسی آدمی نے قتل کر دیا ہو تو اس میں جزا نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کا شمار شکاری چیزوں میں نہیں ہوتا۔

بعض اہل علم نے تخریج کی ہے کہ وہ آبی پرندہ جو پانی میں غوطہ لگا کر نکل پڑتا ہو تو وہ محرم کے لیے حرام ہے پھر انہوں نے بطخ کی مثال

دی ہے۔لیکن جو جانور پانی ہی میں رہتے ہیں جیسے مچھلی وغیرہ تو ان کا شکار نا جائز نہیں ہے اور نہ اس میں جزا ہے۔ رہا نڈی کا معاملہ تو صحیح قول کے مطابق اس کا شمار خشکی کے جانوروں میں سے ہوتا ہے اس لیے اس کے قتل پر جزا ہے۔

ضرب المثل

مشہور ضرب المثل ہے او لـلـبط تهد دين بالشط (ترجمہ) کیا بطخ کنارے پر آ کر لڑنے کی دھمکی دے رہی ہے۔ (حالانکہ بطخ جب بیچ دریا میں ہوتی ہے تو تیراکی اور غوطہ زنی کی وجہ سے اسے کچھ سہولت مل سکتی ہے جس کی وجہ سے لاف زنی کر سکتی ہے۔ لیکن کنارے پر آ کر لڑنے کی کس طرح دھمکی دے رہی ہے۔ اس لیے کہ بطخ کی اس دھمکی میں خود اس کے لئے موت نظر آ رہی ہے اور اس لیے کہ کنارے پر آ کر وہ کچھ نہیں کر سکتی)

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ سلطان نورالدین محمود بن زنگی اور ابوالحسن سنان بن سلیمان بن محمد جو راشدالدین کے نام سے زیادہ مشہور تھے اسماعیلی قلعہ کے مالک تھے۔ ان دونوں کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ قائم تھا۔ سلطان محمود نے ان کے پاس دھمکی کا خط لکھا کہ سنان بن سلیمان نے یہ اشعار اور ایک رقعہ لکھ کر بھیجا ہے ؎

يـاللرجال لامر هال مفظعه ما مرقط على سمعی توقعه

''اے لوگو! جن کے معاملہ کی گھبراہٹ خوفناک ہے کبھی بھی مجھے اس کے حصول کی توقع نہیں ہوئی۔''

ياذالذی بقراع السيف هادنا لاقام قائم جنبی حين تصرعه

''اے وہ جس نے ہمیں تلوار کی جھنکار سے دھمکی دی ہے جب تم اس سے لڑو گے تو اس کے مقابلہ کے لیے کوئی بھی کھڑا نہ ہوگا۔''

قام الحمام الى البازی يهدده واستيقظت لاسود الغاب اضبعه

''کبوتر باز کو دھمکانے کے لیے کمربستہ ہوا اور لکڑ بگھا جنگل کے شیروں کے مقابلہ کے لیے چست ہو گیا۔''

اضحی يسدفم الافعی باصبعه يكفيه ما قد تلاقی منه اصبعه

''وہ سانپ کا منہ اپنی انگلیوں سے بند کرنے لگا۔ یہی کافی ہے کہ اس نے اپنی انگلیوں کو اس میں ڈال دیا ہے۔

رقعہ کا مضمون یہ ہے:

''ہم اجمال و تفصیل سے آگاہ ہیں اس کی عملی اور قولی دھمکی بھی معلوم ہے۔ خدا کی قسم کتنی حیرت کی بات ہے کہ ایک مکھی ہاتھی کے کان میں بھنبھنا رہی ہے۔ مچھر تماثیل (طاقت ور پہلوان) میں شمار کیا جا رہا ہے۔ اس قسم کی بات تو پہلے بھی کہی جا چکی تھی۔ لیکن ہم نے پھر ان پر خطرناک حملہ کر دیا تھا۔ ان کا کوئی مدد اور نصرت کرنے والا بھی نہ تھا۔ اور کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حق مغلوب اور باطل غالب ہو جائے گا۔ عنقریب کل ظالموں کو پتہ چل جائے گا کہ وہ کس طرح کا رویہ اختیار کر رہے ہیں۔ مزید آپ نے جو یہ کہا ہے کہ ''سنان کا سر کون جدا کرے گا'' اپنے بارے میں یہ کہا کہ ''میرا قلعہ پہاڑ کی طرح مضبوط ہے'' تو یاد رکھیئے کہ یہ سب جی بہلانے کی باتیں ہیں' خیالات ہی خیالات ہیں جو ہر اعراض کی وجہ سے ختم نہیں ہوتے جس طرح ارواح امراض کی وجہ سے کمزور نہیں ہوتیں۔

بھلا طاقتور اور کمزور' شریف و رذیل میں کتنا فرق ہے۔ اگر ہم ظاہری اور حسی چیزوں کی طرف مائل ہوں اور باطنی و عقلی چیزوں سے کترانے لگے تو پھر ہمارے نبی پاک ﷺ کا اسوۂ مبارکہ کافی ہے۔ اس لیے کہ آپؐ نے فرمایا جتنی مجھے اذیت

دی گئی مجھ سے قبل کسی نبی کو بھی اتنی اذیت نہیں دی گئی اور آپؐ کے خاندان والوں کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا ہے اس سے سب ہی واقف ہیں۔ بہر حال گزشت انچہ گزشت' اللہ ہی کے لیے آخرت کا معاملہ سپرد اور دُنیا میں حمد وثنا ہے۔ اس لیے کہ ہم مظلوم ہیں ظالم نہیں ہیں۔

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا. (بنی اسرائیل)

''آپؐ کہہ دیجئے حق آ گیا اور باطل نکل بھاگا۔ یقیناً جھوٹ نکل بھاگنے والا ہے۔''

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہمارے سپاہی جنگجو ہیں موت کی پرواہ نہیں کرتے روزموت کے حوض کے کنارے کھڑا کیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ. (الجمعہ)

''تم اپنے مرنے کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو اور وہ کبھی بھی اپنے مرنے کی تمنا نہیں کر سکتے ان اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے کئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔''

مثل مشہور ہے ''کیا بطخ کنارے پر آ کر لڑنے کی دھمکی دے رہی ہے'' بس تو مصائب سے بچنے کے لیے ڈھال تیار کر لے یا اوڑھنی اوڑھ لے اور حملوں سے حفاظت کے لیے کپڑوں کو زرہ بنا لے ورنہ میں ضرور تیری فوجوں کے باوجود تیرے ہی علاقہ میں تجھ پر غالب آ جاؤں گا اور تجھ کو اور تیرے لشکریوں کو فنا کے گھاٹ اُتار دوں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو تو اپنے گھروں سے موت کا تلاش کرنے والا بن جائے اور اپنے ہاتھوں سے اپنی ہی ناک کاٹنے والا (چنانچہ یہ تو بڑی شرم کی بات ہو گی)۔

جس وقت تم کو ہمارا یہ خط ملے تو گھات میں لگ جانا۔ شروع میں نحل کی آیات اور آخر میں سورۂ ص کی آیات پڑھ لینا۔ پھر یہ خط ان دو شعروں پر ختم ہو گیا۔

بنانلت هذالملک حتی تاثلث بیوتک فیه واستقر عمودها

''تم نے یہ ملک ہمیں سے حاصل کیا ہے یہاں تک کہ تیرے گھر کے اثرات راسخ ہو گئے اور ملک مستحکم ہو گیا۔''

فاصبحت ترمینا بنبل بنا استوی مغارسها قدما و فینا جدیدها

''اب تم ہمیں تیر کا نشانہ بنانے لگے اور قدم سے او گنے کی جگہ برابر ہو گئی اور ہمارے اندر ملک کے لیے نئے حوصلے ہیں۔''

یعقوب بن یوسف بن عبدالمومن صاحب بلاد المغرب کی سوانح حیات میں لکھتے ہیں کہ ان کے اور ادقونش [1] صاحب طلیطلۃ کے درمیان مراسلت جاری تھی۔ اسی دوران امیر یعقوب کے پاس ادقونش نے ایک قاصد بھیجا جس کے ذریعہ سے امیر یعقوب کو مرعوب کرنا' دھمکی دینا اور بعض قلعوں کا مطالبہ کیا تھا اور امیر یعقوب نے وزیر ابن النجار کے مشورہ سے یہ جواب لکھا:

باسمک اللّٰھم فاطر السموت والارض وصلی اللہ علی السید المسیح روح اللہ و کلمته الرسول الفصیح . اما بعد.

''کسی بھی ہوش مند اور عاقل پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ تم امیر الملت الحنفیہ ہو جس طرح کہ میں امیر الملت النصرانیہ ہوں۔''

تمہیں یہ خوب معلوم ہے کہ اندلس کے حکام ذلت ونکبت اور کاہلی کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ انہوں نے رعایا کے معاملات میں

---

[1] ادقونش: الفانسو (ج)

غفلت برتنا شروع کر دی ہے۔ راحت و آسائش اور تمناؤں کی زندگی بخشی ہے۔ ادھر میں انہیں ظلم و زیادتی اور جلاوطنی کی دھمکی دیتا ہوں۔ ان کے بچوں کو قید کر لیتا ہوں' بہادروں کا نمونہ پیش کر کے دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتا ہوں۔ اس لیے تمہیں حتی الامکان ان لوگوں کی مدد کرنے میں عذر نہ کرنا چاہیے مزید یہ کہ تمہاری فوج میں تجربہ کار اور آزمودہ لوگ بھرتی ہیں۔

اللہ نے تمہیں ضروری قرار دیا ہے کہ تمہارا ایک آدمی ہمارے دس آدمیوں سے مقابلہ کرے۔ اب اللہ نے یہ جان لیا ہے کہ تم لوگوں میں کمزور لوگ ہیں اس لیے حکم میں تخفیف کر دی ہے۔ اب معاملہ بالکل برعکس ہے۔ اب ہمارا ایک آدمی تمہارے دس آدمیوں پر بھاری ہو جاتا ہے۔ نہ تم دفاع کر سکتے ہو اور نہ ان کے وار کو روک سکتے ہو۔

ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ جشن منا رہے ہو اور برسرِ پیکار ہونے کا ارادہ ہے۔ ایک سال کے بعد ہر دوسرے سال کی بے کاری اور ہلاکت کے لیے تیار ہو جاتے ہو۔ ایک پاؤں کو تو آگے بڑھاتے ہو دوسرے کو پیچھے ہٹا لیتے ہو۔ مجھے یہ نہیں معلوم ہو سکا ہے کہ بزدلی نے تمہارے ساتھ دیر کر دی ہے یا تمہارے رب کا وعدہ جھوٹا ہے۔

مزید کہ میرے بارے میں یہ لب کشائی کی گئی ہے کہ میں دریا کو عبور نہیں کر سکتا اور نہ جنگ پر آمادہ ہو سکتا ہوں۔

اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ جس میں تم کو آرام و سکون ہے میں عذر کرتا ہوں تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ عہد و پیمان کی پابندی کرو اور رہن وغیرہ زیادہ رکھو اور اپنے تمام غلاموں کو معہ ساز و سامان اور سواریوں کے ساتھ میرے پاس بھیج دو ورنہ میرا حملہ تم پر ہونے والا ہے۔ پھر میں ایسی جگہ میں حملہ کروں گا جو تمہارے نزدیک معزز جگہ ہوگی۔

اگر جنگ میں تم فتح یاب ہوئے تو مال غنیمت زیادہ حاصل کرو گے اور ایک کثیر تعداد میں مال کے مالک بن جاؤ گے۔ اگر مجھے فتح نصیب ہو گی تو میرا تم پر غلبہ ہوگا۔ دونوں مذہبوں اور ملکوں کا حاکم بن جاؤں گا۔ خدا ہی ارادہ پورا کرنے والا ہے۔ وہی سب کا رب ہے بھلائی اسی کی بھلائی ہے۔''

چنانچہ جب امیر یعقوب کو وہ خط ملا تو اس نے پارہ پارہ کر ڈالا اور اس کے ایک ٹکڑے میں یہ لکھ کر بھیج دیا کہ تو واپس آجا ہم ایک ایسے زبردست لشکر سے لڑیں گے جس سے تمہیں فرار نہیں مل سکتی۔ پھر ہم ذلیل کر کے رکھ دیں گے۔ اس کا اصل جواب تو تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے شنیدہ بات نہیں ہوگی۔

متنبی نے کہا ہے ؎

ولا کتب الا المشرفیة عندہ   ولا رسلہ الا الخمیس العرموم

''اور اس کے فرمان نہیں ہیں مگر اس کی تلواریں اور اس کے قاصد نہیں ہیں مگر لشکر ہائے کلاں (یعنی وہ دشمنوں کے پاس نامہ و پیام نہیں بھیجتا بلکہ اپنی شجاعت سے ان کو مغلوب کر دیتا ہے)''

تھوڑی دیر کے بعد امیر یعقوب نے کوچ کرنے کا حکم صادر فرمایا اور شہروں سے لشکر جمع کرنے کا حکم دیا۔ اسی دن شہروں میں خیمے نصب کرا دیئے۔ پھر اس نے سمندر کے راستے سے زقاق سبت کی طرف رحلت کرنے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ اندلس تک کو عبور کر لیا۔ بلاد فرنج تک گھس گیا۔ ان کو زبردست شکست دی اور مال غنیمت کو لوٹ کر واپس آ گیا۔

امیر یعقوب کے حالات

امیر یعقوب ایک شریعت پسند حاکم تھا۔ نیکیوں کا حکم دیتے' حدود کو قائم کرتے۔ بلا امتیاز جس طرح کہ عام لوگوں میں حدود قائم کرتے اسی طرح اپنے گھر والوں پر بھی قائم کرتے۔ فقہ کی جزئیات پر زیادہ اعتماد نہ کرتے ورنہ فقہاء کتاب و سنت ہی کی روشنی میں فتویٰ

دیتے ہیں۔ جو بھی اجتہاد کرتے ہیں وہ کتاب وسنت اجماع اور قیاس کے مطابق کرتے ہیں۔

دمیریؒ کہتے ہیں کہ اسی سیرت و کردار کی حامل ایک جماعت مغرب سے ہمارے پاس آئی تھی جن میں ابوعمر' ابوالخطاب' محی الدین بن العربی الصوفی مؤلف فتوحات مکیۃ وغیرہ تھے۔

امیر یعقوب کا انتقال ۶۰۹ھ یا ۶۱۰ھ میں ہوا۔

سلطان محمود کے حالات

ابوالاثیر کہتے ہیں کہ مجھے نورالدین الشہید کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عدل وانصاف کے لیے ایک مکان تعمیر کرایا تعمیر کا محرک یہ بنا کہ اس کے امراء میں اسدالدین شیرکوہ نامی وزیر بھی شامل تھا۔ ہر شخص ایک دوسرے پر ظلم کرتا گو رشتہ دار کیوں نہ ہوتے۔ لوگوں کی شکایات کثرت سے آنے لگیں۔ خاص طور پر لوگ فریاد کے لیے قاضی کمال الدین السہروردی کے پاس زیادہ جانے لگے۔ لیکن چونکہ شیرکوہ سب کا امیر تھا اس لئے لوگوں کو اس سے انصاف نہیں ملا۔ لیکن جب یہ بات نورالدین شہید کو معلوم ہوئی تو اس نے دیوان کی تعمیر کا حکم دیا۔ جب شیرکوہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے اپنے نواب سے کہا کہ دیکھو نورالدین صرف میری وجہ سے یہ دیوان تعمیر کروا رہا ہے ورنہ مجھے قاضی کمال الدین کے خلاف کوئی روک نہیں سکتا۔ خدا کی قسم! اگر مجھے تم میں سے کسی کی وجہ سے دیوان عدل وانصاف میں حاضر کیا گیا تو میں تم کو سولی دے دوں گا۔ تم لوگ آپس میں معافی تلافی کرلو۔

ابن الاثیر کہتے ہیں کہ نورالدین شہید کے انتقال کے بعد ایک دن ایک آدمی پر ظلم کیا گیا تو وہ پریشان حال ہوگیا۔ اس مظلوم نے فوراً نورالدین شہید کا نام لے کر فریادرسی کی۔ اس بات کی اطلاع صلاح الدین بن یوسف بن ایوب کو ہوگئی تو انہوں نے اس شخص کی فریاد کو سن کر اس کی شکایت کو دور کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مظلوم شخص پہلے سے زیادہ رونے دھونے لگا۔ اس شخص سے لوگوں نے یہ سوال کیا کہ بھائی اب تو پہلے سے زیادہ رونے لگا کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں سلطان عادل کی وفات کی وجہ سے رو رہا ہوں۔

نورالدین شہید کا انتقال قلعہ دمشق میں ماہ شوال ۵۶۹ھ کو ہوا۔ مشہور ہے کہ ان کو خوانیق کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ اس وقت کے اطباء نے انہیں فصد لگانے کا مشورہ دیا لیکن اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے انتقال ہوگیا۔ یہ ایک بارُعب بادشاہ تھے۔ انہیں قلعہ ہی میں دفن کر دیا گیا۔ پھر بعد میں انہیں ان کے تعمیر کردہ مدرسہ کی تربت میں سوق الخواصین کے گیٹ کے قریب دفن کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر کے پاس دُعا مانگنے سے قبول ہو جاتی ہے۔ یہ بات آزمودہ مجرب ہے۔

سلطان نورالدین عدل گستر' عابدوزاہد' متقی و پرہیزگار' شریعت کے دلدادہ بادشاہ تھے۔ ان کے مزاج میں بھلائی کا پہلو غالب تھا۔ صدقات وغیرہ کثرت سے کرتے تھے۔ شام کے علاقے میں مدارس کا جال بچھا دیا تھا۔ دمشق میں مارستان کے قریب دارالحدیث اور شہر موصل میں جامع مسجد نوری اور شہر پناہ کے قریب جہاں پر نہر عاصی بہہ رہی ہے وہاں مزید ایک مسجد اور تعمیر کرائی۔ اس کے علاوہ صوفیاء کے لیے مسافر خانے' خانقاہیں اور ہوٹل وغیرہ بنا دیئے تھے۔ مرنے کے بعد انہوں نے لوگوں پر اچھے نقوش چھوڑے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کفار سے پچاس سے زائد شہروں کو ان کے قبضہ سے نکال کر فتح حاصل کی تھی۔ ان کے بے شمار کارنامے ہیں۔

سلطان ناصر صلاح الدین یوسف بن ایوب کا انتقال ماہ صفر ۵۸۹ھ میں ہوا۔

ابن خلکان لکھتے ہیں جب ان کا انتقال ہوا تو قاضی الفاضل نے ان کے صاحبزادے ملک ظاہر (جو حلب کے حاکم تھے) کے پاس ایک رقعہ تحریر کیا جس کا مضمون یہ ہے:

''دیکھو تم رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے نصیحت حاصل کرو۔ قیامت کا دھاکہ ایک خطرناک دھاکہ ہوگا۔ آنسوؤں نے

آنکھ کے حلقے کو کھود ڈالا ہے اور قلوب نرخرے تک آ گئے ہیں۔تم نے میرے مخدوم اپنے والدمحترم کو اس طرح سے رُخصت کر دیا کہ اب دوبارہ نہیں آ سکتے تم نے میری طرف سے ان کی تقبیل کی اور انہیں تدابیر سے مغلوب کر کے اللہ کے سپرد کر دیا۔ خدا کرے کہ وہ راضی برضا ہوں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ۔

دروازے میں مسلح لشکر اسلحے اور چوکیدار ہوں گے جو نہ تو مصائب کو روک سکتے ہیں اور نہ قضاوقدر کے خلاف کوئی اقدام کر سکتے ہیں۔آنکھیں اشکبار ہیں' دل رنجیدہ ہے۔ہم لوگ تو سوائے رضائے الٰہی کے اور کیا کر سکتے ہیں؟اے یوسف تم ہمیں غم زدہ کر گئے۔ترکہ کا تو کوئی محتاج نہیں ہے۔ہمیں مصائب وآلام نے گھیر رکھا ہے۔ایک دن تو فیصلہ الٰہی ہو کے رہتا ہے۔اگر آپ کے بارے میں اتفاق سے پیش آ گیا ہے تو کوئی بات نہیں ہے۔مصائب وآلام تو آتے ہی رہیں گے۔بس سب سے آسان موت ہی نظر آتی ہے۔ ہر مصیبت سے نجات مل جاتی ہے۔حالانکہ لوگ موت ہی کو سب سے برا سمجھتے ہیں۔فقط والسلام''

مرحوم دائرہ سلطنت کے وسعت کے ساتھ تواضع وخاکساری کا پیکر'لوگوں سے قرب ومانوس'رحم دل' شفیق'متحمل مزاج اچھے لوگوں کی طرف میلان رکھتے تھے۔عمدہ اشعار کی تحسین کرتے بلکہ مجلس میں بار بار گنگناتے۔اکثر جو اچھے قسم کے اشعار سناتے وہ محمد بن حسین الحمیری کے تھے ۔

و زارنی طیف من اھوی علی حذر　　من الرشاۃ وداعی الصبح قد ھتفا

''چغل خوروں کے ڈر کے باوجود مجھے خواب میں محبوب کی زیارت ہوئی پھر صبح کے منادی نے اذان دی۔''

فکدت اوقظ من حولی بہ فرحا　　و کادیھتک ستراحب فی شغفا

''قریب تھا کہ مارے خوشی کے اس سوز وگداز کی وجہ سے جو اس سے وابستہ تھا جاگ جاتا اور اس پر میں فریفتہ ہوں اس کا راز کھل جاتا۔''

ثم انتبھت و امالی تخیل لی　　نیل المنی فاستحالت غبطتی اسفا

''لیکن اس کے بعد میں ہوشیار ہو گیا اور مجھے مطلوب کے حاصل ہونے کی اُمیدیں ہو گئیں۔آخر کار نتیجہ یہ نکلا کہ میری خوشی افسوس سے بدل گئی۔

بلکہ سلطان ناصر صلاح الدین مرحوم ان اشعار کو بطور تشبیہہ پڑھتے ۔

عجبت لمبتاع الضلالۃ بالھدی　　وللمشتری دنیاہ بالدین اعجب

''مجھے ہدایت کے بدلے ضلالت خریدنے والے پر تعجب ہے بلکہ دین کے بدلے دُنیا کے خریدار پر زیادہ حیرت ہے۔''

واعجب من ھذین من باع دینہ　　بدنیا سواہ فھو من زین اخیب

''اور ان دونوں سے زیادہ حیرت انگیز وہ ہے جس نے اپنے علاوہ دُنیا کے بدلے دین کو فروخت کر دیا یہ شخص ان دونوں سے زیادہ نامراد ہے۔''

مرحوم کی عمر تقریباً چھپن (۵۶) سال اور کچھ مہینے تھی۔

البطس

بطس مچھلیوں کے اقسام میں سے خاص قسم کی مچھلیاں ہوتی ہیں۔ان کے مخصوص پتا ہوتا ہے کہ اگر ان سے کچھ لکھ دیا جائے تو خشک ہونے کے بعد دن کی طرح رات کی تاریکی میں بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

اس بات کو صاحب العطار نے بھی ذکر کیا ہے۔

البعوض

مچھر۔بعوض' یہ ایک چھوٹا سے جانور رہوتا ہے۔امام جوہریؒ لکھتے ہیں کہ بعوض مچھر کو کہتے ہیں۔اس کا واحد بعضة ہے(دمیریؒ کہتے ہیں کہ یہ ان کا وہم ہے) بلکہ صحیح یہ ہے کہ مچھر کی دو قسمیں ہیں۔مچھر چیچڑی کے مشابہ ہوتا ہے اسی کے ساتھ دو ہلکے پھلکے پاؤں ہوتے ہیں جن میں نمی ہوتی ہے۔اسی جانور کو عراق میں شام اور جرجس بھی کہتے ہیں۔

جوہری کہتے ہیں کہ بعوض قرقس کی ایک لغت ہے۔چھوٹے مچھر کو کہتے ہیں۔

مچھر ہاتھی کے مانند ہوتے ہیں الا یہ کہ مچھر کے اعضاء ہاتھی سے زیادہ ہوتے ہیں اس لیے کہ ہاتھی کے چار پاؤں ہوتے ہیں ایک سونڈ اور ایک دم ہوتی ہے۔اور مچھر کے ان اعضاء کے علاوہ دو پاؤں زائد اور چار بازو ہوتے ہیں۔ہاتھی کی سونڈ پر گوشت اور مچھر کی کھوکھلی ہوتی ہے۔جس کا سلسلہ پیٹ تک ہوتا ہے گویا کہ اس کی سونڈ اس کے پیٹ کی کھڑکی ہوتی ہے۔مچھر جب کسی آدمی کے کاٹتا ہے تو وہ اس کا خون پیتا ہے اور پی کر پیٹ میں پہنچا دیتا ہے۔گویا کہ مچھر کی سونڈ گلا اور حلق کا کام انجام دیتی ہے۔اسی لیے مچھر کا ڈسنا اذیت رساں' تکلیف دہ ہوتا ہے حتی کہ یہ کھال پر بھی اچھی طرح قابو پا جاتا ہے۔راجز نے کہا ہے ؎

مثل السفاة دائما طنينها ركب في خرطومها سكينها

''ہمیشہ مچھر کی بھنبھناہٹ خاردار درخت کی طرح ہوتی ہے اور چھری اس کے سونڈ میں جڑ دی گئی ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی الہام کردہ چیزوں میں سے یہ ہے کہ مچھر انسان کے ایسے عضوی مسامات پر بیٹھتا ہے جہاں سے کوئی رگ نکلتی ہوتی ہے اس لیے کہ یہ جگہ کی جلد میں نہایت نرم ہوتی ہے۔مچھر کو جب اس کا سراغ مل جاتا ہے تو وہ اپنی خرطوم اس میں رکھ دیتا ہے۔زیادہ تر وہ خون چوستا ہے۔خون کا مچھر اتنا حریص ہوتا ہے کہ بسا اوقات خون زیادہ پی لینے کی وجہ سے پیٹ پھٹ جاتا ہے۔اُڑنے سے معذور ہو جاتا ہے۔اکثر اس کی ہلاکت کا سبب یہی حریص پن ہوتا ہے۔

مچھر کی حیرت انگیز قوت

مچھر میں اللہ تعالیٰ نے اتنی قوت ودیعت فرمائی ہے کہ یہ بسا اوقات اونٹ کو قتل کر دیتا ہے بلکہ ہر چوپائے کو قتل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔جب مچھر اسے ڈس کر ہلاک کر دیتا ہے تو درندے اور مردار خور پرندے اس کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں جو بھی اس کے ڈسے ہوئے کو کھا لیتا ہے تو وہ بھی مر جاتا ہے۔

عراق کے بادشاہوں کا قدیم زمانے میں یہ طریقہ تھا کہ جب وہ کسی کو قتل کرنا چاہتے تو وہ مچھر کی نالیوں کے قریب کچھاڑ میں باندھ کر ڈال دیتے تھے۔پس وہ مچھروں کے بار بار ڈسنے سے ہلاک ہو جاتے۔

اسی معانی میں ابوالفتح البستی نے یہ اشعار کہے ہیں ؎

لا تستخفن الفتی بعداوة ابداً و ان کان العدو ضئیلا

''دشمنی کی وجہ سے کبھی بھی جوان کو کم تر اور ہلکا پھلکا مت سمجھنا اگر چہ دشمن کمزور کیوں نہ ہوں۔''

ان القذی یوذی العیون قلیله ولربما جرح البعوض من الفیلا

''چھوٹا تنکا آنکھوں کے لئے تکلیف دہ ہوتا ہے اور کبھی مچھر ہاتھی کو زخمی کر دیتا ہے۔''

بعض شعراء نے بڑے لطیف اور معنی آفرین شعر کہے ہیں ؎

لا تحقرن صغیرا فی عداوته ان البعوضة تدمی مقلة الاسد

''دشمنی میں چھوٹے کو ہرگز کمتر نہ سمجھنا اس لیے کہ مچھر شیر کی پتلی کو خون آلود کر دیتا ہے۔''

اس قسم کا ایک شعر ابوالنصر السعودی نے کہا ہے ؎

لا تحقرن عدوا رماک و ان کان فی ساعدیه قصر

''جس دشمن نے تمہیں تیر کا نشانہ بنایا ہے اسے کمتر مت سمجھو اگر چہ اس کے ہاتھوں میں کوڑا کر کٹ کیوں نہ ہو۔''

فان الحسام یحز الرقاب و یعجز عما تنال الابر

''اس لیے کہ تلوار گردنوں کو کاٹ دیتی ہے اور انسان کے لیے سوئی کی تکلیف نا قابل برداشت ہوتی ہے۔''

ان ہی کے یہ اشعار ہیں لیکن بعض لوگوں نے جمال الدین بن مطروح کی جانب منسوب کیے ہیں ؎

یا من لبست علیه اثواب الضنا صفرا موشحة بحمر الارمع

''اے وہ جسے لاغری کا رزد لباس پہنایا گیا جس میں سرخ آنسوؤں کی دھاریاں پڑی ہوئی ہیں۔''

ادرک بقیة مهجة لو لم تذب اسفا علیک رمیتها عن اضلعی

''اگر تجھے ہٹایا نہ جائے تو جسم کے بقیہ روح بھی نکال لے (تیرا برا ہو) میں اس روح کو اپنی پسلیوں سے الگ کر چکا ہوں۔''

ان ہی کے یہ بھی عمدہ ترین اشعار ہیں ؎

لما و قفنا للوداع و صارما کنا نظن من النوی تحقیقا

''جب ہم رخصت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو جس فراق کا ہم تصور کرتے تھے وہ واقعی ہو کر رہا۔''

نثروا علی ورق الشقائق لؤلؤا و نثرت من ورق البهار عقیقا

''انہوں نے لالہ کے پتے پر موتی بکھیر دیئے تو میں نے بھی گاؤ چشم کے پتے پر عقیق بکھیر دیئے۔''

اسی جیسے ابراہیم بن علی القیر وانی صاحب زہر الادب وغیرہ نے اشعار کہے ہیں ؎

و معذرین کان نبت خدودهم اقلام مسک تستمد خلوقا

''بہت سے سبزہ آغاز جن کے رخسار کے بالوں کا اُگنا یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کہ مشک کے قلم کو خوشبو میں ڈبو دیا گیا ہو۔''

نظموا البنفسج بالشقیق ونضدوا تحت الزبرجد لؤلؤ و عقیقا

''انہوں نے بنفشہ کو گاؤ چشم میں پرو دیا ہے موتی اور عقیق کو زبرجد کے نیچے سلیقہ سے لگا دیا ہے۔''

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر دُنیا کی وقعت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کافر کو پانی کے چلو کے برابر بھی دُنیا نہ دیتا۔'' (رواہ الترمذی والحاکم)

شاعر نے بھی اسی مضمون میں کہا ہے ۔

اذا کان شئی لا یساوی جمیعه جناح بعوض عند من کنت عبده

''اگر کوئی چیز سب مل کر اس ذات کے یہاں جس کا تو غلام ہے مچھر کے پر کے برابر نہ ہو۔''

واشغل جزء منه کلک ما الذی یکون علی ذالحال قدرک عنده

''اور پھر تمہیں اس ساری چیز میں سے کچھ حصہ تمہی کو مشغول کر دے تو اس حالت میں تمہارے آقا کے یہاں تمہاری کیا حیثیت رہے گی۔''

گویا کہ مطلب یہ ہوا کہ دُنیا کی وقعت اللہ کے نزدیک صرف یہ ہے کہ دُنیا کو اللہ تعالیٰ نے مقصود اصلی نہیں بنایا بلکہ دُنیا تو مقصود اصلی کی طرف رہنما بنتی ہے۔ اسی طرح دُنیا نہ سکونت و اقامت کی جگہ ہے اور نہ صلات و انعامات کی جگہ ہے بلکہ اسے تو محنت و مشقت' آزمائش و ابتلاء اور عمل کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اکثر جہال اور کفار دُنیا دار رہے ہیں۔ انبیاء' اولیاء اور ابدال نے دُنیا سے بچنے کی کوشش کی ہے۔

دُنیا کی بے وقعتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا ہے؟ آپ کو اسی سے اندازہ لگ جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے دُنیا کی تحقیر و مذمت کی ہے بلکہ مبغوض ترین اشیاء میں شمار کرایا ہے یہاں تک کہ دُنیا میں رہنے والوں کو اور اس سے محبت کرنے والوں کو بھی مبغوض قرار دیا ہے۔ دانش وروں کو آخرت کا توشہ تیار کرنے کی صرف اجازت دی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دُنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے اللہ کے ذکر کے' وہ ملعون نہیں اور نہ وہ ملعون ہے جو ذکر اللہ کے قریب ہے چاہے معلم ہو یا متعلم ہو۔'' (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

لیکن اس حدیث سے مطلق دُنیا کو لعنت ملامت کرنا گالی دینے کا مفہوم نہیں نکلتا۔

چنانچہ موسیٰ الاشعری کہتے ہیں:

''بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دُنیا کو گالی نہ دیا کرو اس لیے کہ دُنیا مؤمن کی بہترین سواری ہے جس کے ذریعہ سے مومن خیر تک پہنچتا ہے اور اسی سے شر سے نجات حاصل کرتا ہے جب بندہ یہ کہتا ہے اللہ نے دُنیا کو ملعون قرار دیا ہے تو دُنیا کہتی ہے اللہ نے دُنیا کو اپنے پروردگار کی نافرمانی کی وجہ سے ملعون فرمایا ہے۔'' (خرجه الشریف ابو القاسم زید بن عبداللہ بن مسعود الهاشمی)

اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ دُنیا کو ملعون اور برا بھلا نہ کہا جائے۔ ماقبل کی دونوں حدیثوں کے درمیان اعتدال کی یہ راہ نکلتی ہے کہ دُنیا کو مباح سمجھنے اور فائدہ اُٹھانے والے کے لیے اس لیے لعنت کی گئی ہے کہ دُنیا کی بعض چیزیں اللہ کے ذکر سے غافل کر دیتی ہیں جس

طرح کہ بعض سلف صالحین سے منقول ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ کی یاد میں رکاوٹ پیدا کرتی ہو چاہے وہ اولاد میں سے ہو یا مال و دولت کے قبیل سے ہو منحوس ہے۔

اسی لئے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ. (حدید)

''یاد رکھنا دُنیا کی زندگی یہی کھیل تماشا بناؤ سنگھار اور آپس میں بڑائی کرنا اور مال و دولت اور اولاد میں اضافہ کرنا وغیرہ ہے۔''

اور جو چیز اللہ تعالیٰ سے قرب کا ذریعہ بنتی ہو یا عبادت میں معین ثابت ہو تو ایسی چیز ہر شخص کے لیے محبوب ہے۔ ہر شخص اس کی تعریف میں رطب اللسان رہتا ہے۔ اگر دُنیا کی چیزیں قرب الٰہی کا ذریعہ بنتی ہوں تو پھر دُنیا قابل ملامت نہیں ہوتی بلکہ اس چیز کی تو ترغیب دی گئی ہے۔ گویا اسی کی طرف استثناء کر کے اشارہ کیا گیا ہے:

الا ذکر اللہ وما والاہ او عالم او متعلم.

''سوائے اللہ کے ذکر کے وہ ملعون ہے۔ اور جو ذکر اللہ کے قریب ہے چاہے معلم ہو یا متعلم ہو (وہ ملعون نہیں)۔''

اسی کی تصریح دوسری حدیث میں ہے:

فنعمت مطية المومن عليها يبلغ الخير وبها ينجو من الشر.

''مومن کی بہترین سواری وہ ہے جس کے ذریعہ سے خیر و بھلائی تک پہنچ جاتا ہو اور اسی کے ذریعے برائی سے نجات حاصل کرتا ہو۔''

جو اس سے قبل بیان کیا گیا ہے اس شرح سے دونوں حدیثوں کا تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ احیاء العلوم باب سادس میں کہتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کبھی بندہ کی ایسی تعریف کی جاتی ہے کہ مشرق و مغرب کا درمیانی حصہ تعریف سے بھر جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ تمام تعریفیں مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہیں رکھتیں۔'' (احیاالعلوم باب العلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک موٹا اور فربہ آدمی آئے گا لیکن خدا کے نزدیک اس کی مچھر کے پر کے برابر بھی اہمیت نہیں ہوگی، چاہو تو قرآن شریف کی یہ آیت پڑھو (جس کے معنی یہ ہیں کہ) پھر ہم ان کے لیے قیامت کے دن ترازو قائم نہیں کریں گے۔'' (رواہ البخاری فی التفسیر وفی التوبہ)

علماء کرام اس حدیث کا یہ مفہوم بتاتے ہیں کہ ان کے پاس عذاب کے مقابلے میں نہ تو اعمال ہوں گے اور نہ کار ثواب ہوگا جسے ترازو میں وزن کیا جاسکے اور یہ حتمی فیصلہ ہے کہ جن کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو وہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تہامہ پہاڑوں کے برابر لوگوں کے اعمال ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس جملے کے مجازی معانی مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ جو لوگ کھانے وغیرہ میں گھی کا کثرت سے اہتمام کرتے ہیں ان کے لیے اس حدیث سے گھی کی مذمت معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ بعض لوگ اسے قدر کفایت سے زائد استعمال کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے یہاں مبغوض ترین فربہ عالم ہے۔''

نمرود کی ناک میں مچھر کا گھس جانا

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے مچھروں کو نمرود کے لیے بھیجا تو نمرود ایک بہت بڑے لشکر کے درمیان میں تھا۔ جس کا اندازہ نہیں لگایا سکتا۔ جب نمرود نے مچھروں کو دیکھا تو وہ لشکر سے علیحدہ ہوگیا۔ گھر میں گھس کر دروازوں کو بند کر کے پردے لٹکا دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد گدی کے بل لیٹ کر تدبیر سوچنے لگا۔ اتنے میں ایک مچھر اس کی ناک میں گھس گیا اور وہ دماغ تک پہنچ گیا۔ مچھر چالیس یوم تک پریشان کرتا رہا' باہر نہیں نکلا۔ یہاں تک کہ نمرود سر کو زمین پر مارنے لگا۔ آخر کار نمرود کا یہ حال ہوا کہ اس کے نزدیک سب سے محبوب شخص وہ تھا جو اس کے سر میں ضرب لگاتا۔ پھر بعد میں وہ مچھر چوزے کی طرح زمین پر گر گیا گویا کہ وہ یہ کہہ رہا تھا:

ذٰلِکَ یُسَلِّطُ اللّٰهُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ. (القرآن)

''اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے رسولوں کو بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔''

پھر نمرود تھوڑی دیر کے بعد مر گیا۔

محمد بن عباس الخوارزمی الطمر خیزی وزیر ابوالقاسم المازنی کو گرفتار کرتے وقت یہ اشعار پڑھ رہا تھا ؎

لا تعجبوا من صید عصفور بازیا ان الاسود تصاد بالخرفان

''چھوٹے چڑے نے باز کا شکار کر لیا تو حیرت مت کرو اس لیے کہ بکری کے چھوٹے بچے شیروں کا شکار کر لیتے ہیں۔''

قد غرقت املاک حمیر فأرة وبعوضة قتلت بنی کنعان

''ایک چوہیا نے حمیر کے تمام سامان کو غرق آب کر دیا ہے اور ایک مچھر نے بنو کنعان (یعنی نمرود کو) مار ڈالا ہے۔''

فرمایا میرے صحابی سے نرمی کرنا

جعفر الصادق بن محمد الباقر اپنے والد محترم سے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ موت کے فرشتے کو رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری صحابی کے سرہانے دیکھ کر فرمایا کہ میرے صحابی کے بارے میں نرمی کا برتاؤ کرنا اس لیے کہ یہ مومن ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو ہر مومن آدمی کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا ہوں۔ اسی طرح میں تمام گھر والوں کے دن میں پانچ مرتبہ جائزہ لیتا ہوں۔ بغیر اذن الٰہی میں روح کے قبض کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔

جعفر بن محمد کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ موت کا فرشتہ نماز کے اوقات میں جائزہ لیتا ہے۔ اھ

مچھر کی خوبیاں

مچھر کا جثہ نہایت چھوٹا ہوتا ہے اس کے باوجود خداوند قدوس نے اس کے دماغ کے اگلے حصے میں قوت حفظ درمیانی حصے میں قوت فکر اور آخری حصہ میں قوت ذکر ودیعت فرمائی ہے۔ اسی کے ساتھ دیکھنے کی قوت' چھونے کی صلاحیت اور سونگھنے کی طاقت بخشی ہے۔ اس کے علاوہ کھانے کا منفذ فضلات کا مخرج' شکم انتڑیاں اور ہڈیاں بھی پیدا کی ہیں۔

خدا تعالیٰ کی ذات کتنی عظیم الشان ہے کہ اس نے کسی چیز کو بے کار پیدا نہیں فرمایا۔ سورۃ البقرہ کی تفسیر میں زمخشری نے اشعار لکھے ہیں ؎

یامن یری مدالبعوض جناحها فی ظلمة اللیل البیهم الالیل
''اے وہ ذات جوشب دیجور میں مچھروں کے پروں کے اڑان کو دیکھتی ہے۔''

ویری مناط عروقها فی نحرها والمخ فی تلک العظام النحل
''اور جواس کے سینے کی رگوں کے ملنے کی جگہ اوران دبلی ہڈیوں میں مغز کو دیکھتی اور نگرانی کرتی ہے۔''

امنن علی بتوبة تمحوبها ماکان منی فی الزمان الاول
''تو مجھ پر توبہ کا احسان کر جس سے گزشتہ زمانہ کی خطائیں مٹ جائیں۔''

ابن خلکان نے بعض علماء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام زمخشری نے وصیت کی تھی کہ مندرجہ بالا اشعار اس کی قبر پر لکھ دیئے جائیں۔ آخر شعر میں دوسری قرأت بھی ہے ۔

اغفر لعبد تاب من فرطاته ماکان منه فی الزمان الاول
''تو بندہ کو بخش دے جس نے زمانہ گزشتہ کے کیے ہوئے گناہوں سے توبہ کر لی ہے۔''

امام زمخشری

ابن خلکان وغیرہ لکھتے ہیں کہ امام زمخشری معتزلی المذہب تھے۔ وہ اس کا اظہار بھی کرتے تھے۔ نیز جب کسی کے یہاں اندر جانے کی اجازت طلب کرتے تو فرماتے کہ میں ابوالقاسم المعتزلی ہوں۔ ان کی سب سے پہلی تفسیر کشاف ہے۔ چنانچہ وہ یوں خطبہ لکھ کر حمد وثنا کرتے ہیں:

الحمد لله الذی خلق القرآن.
''تمام تعریفیں اس پاک ذات کے لیے ہیں جس نے قرآن کریم کو پیدا فرمایا۔''
جب لوگوں نے اس سے کہا کہ اس سے تو لوگ تیری کتاب کو پڑھیں گے نہیں چھوڑ دیں گے تو اس نے فوراً یہ بدل دیا:
الحمد لله الذی جعل القرآن.
''تمام تعریفیں اس پاک ذات کے لیے ہیں جس نے قرآن کو بنایا۔''
جعل کا لفظ معتزلیوں کے نزدیک خلق کے معانی میں ہے۔
تفسیر کے اکثر نسخوں میں یہ موجود ہے۔ الحمد لله الذی انزل القرآن ''تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لیے ہیں جس نے قرآن کا نازل کیا) لیکن یہ بات یادرکھئے کہ یہ مصنف کی ترمیم یا اصلاح نہیں ہے بلکہ لوگوں نے بعد میں اس طرح لکھ دیا ہے۔ خوب سمجھ لو۔

زمخشری کا انتقال ۵۳۸ھ میں عرفہ کی رات ہوا۔
(احیاء العلوم باب محبت میں مچھر کی پیدائش کے اسرار وحکم بیان کئے گئے ہیں)

مچھر نکالنے کا عمل اور حضرت علاء الحضرمی کی کرامات

امام ابوبکر محمد بن الولید الفہری الطرطوشی' یہ ایک متقی پرہیزگار' ادیب اور کم گو آدمی گزرے ہیں ان کی وفات اسکندریہ میں ۵۰۲ھ میں

ہوئی۔ان کی کتاب میں لکھا ہے کہ مطرب بن عبداللہ بن ابی مصعب المدنی کہتے ہیں کہ جب میں منصور کے دربار میں آیا تو منصور رنجیدہ تھے کسی سے ہم کلام نہیں ہو رہے تھے۔غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا کوئی گہرا دوست جدا ہو گیا تھا۔تھوڑی دیر کے بعد منصور نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا او مطرب! مجھ میں رنجیدگی اور غم اتنا سوار ہو گیا ہے کہ شاید ہی کوئی بغیر خداوند قدوس کے زائل کر سکے۔کیا کوئی دُعا ہے جس کو پڑھنے سے یہ غم جاتا رہے۔میں نے کہا کہ حضور والا مجھ سے محمد بن ثابت نے عمرو بن ثابت بصری کے حوالہ سے سنایا ہے کہ ایک مرتبہ بصرہ کے ایک آدمی کے کان میں مچھر گھر گیا۔پردے کے قریب پہنچ کر قوت شنوائی تک اثر انداز ہو گیا جس کی وجہ سے رات کی نیند حرام ہو گئی۔چنانچہ سیدنا حسن بصریؒ کے اصحاب میں سے کسی نے یہ تلقین کی کہ تم العلاء بن الحضرمی صحابی رسول کی دعا پڑھو جو انہوں نے جنگل اور دریا کی ہولناکی کے وقت پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات بخشی۔بصرہ کے آدمی نے کہا کہ وہ آخر کون سی دُعا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تفصیل یہ ہے کہ مجھے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ کہتے ہیں ایک مرتبہ العلاء الحضرمی رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر دے کر بحرین بھیجا گیا جس میں میں بھی شریک تھا۔راستہ کو طے کرتے ہوئے ایک جنگل سے گزر ہوا۔اسی درمیان ہمیں پیاس کی شدت محسوس ہوئی۔ اتنے میں العلاء الحضرمی نے اُتر کر دو رکعت نماز ادا کی اور یہ دُعا کی:

"یا حلیم یا علی یا عظیم. ہمیں پانی سے سیراب کر دے۔"

بس یہ کہنا تھا کہ بادل کا ٹکڑا پرندہ کے بازو کی طرح آیا اور چھا گیا۔اس کے بعد اس قدر بارش ہوئی کہ ہمارے برتن بھر گئے۔ سواروں کو پلایا اور تھوڑی دیر کے بعد کوچ کیا۔یہاں تک کہ خلیج کے پاس پہنچ گئے۔جس کے اندر اس قدر جوش و تلاطم تھا کہ ہم نے اس سے قبل نہیں دیکھا۔دریا کو پار کرنے کے لیے کوئی کشتی نہیں تھی۔پھر العلاء حضرمی رضی اللہ عنہ نے دو رکعت نماز پڑھی اور انہی الفاظ میں دُعا مانگی: یا حلیم یا علیم یا علی یا عظیم ہمیں اس دریا سے پار کر دے۔پھر العلاء حضرمی رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہا کہ بھائیو اللہ کا نام لے کر پار کر جاؤ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اتنے میں ہم لوگ پانی پر چل پڑے۔خدا کی قسم نہ پاؤں بھیگے نہ موزے اور نہ کسی جانور کا کھر۔لشکر کی تعداد چار ہزار کے قریب تھی۔

چنانچہ اس بصرہ کے آدمی نے یہ دُعا پڑھی۔تھوڑی دیر کے بعد دو بھنبھناتے ہوئے مچھر نکلے جو دیوار سے جا کر ٹکرا گئے اور اس آدمی کو نجات مل گئی۔

یہ واقعہ سنتے ہی خلیفہ منصور قبلہ رُخ ہو گیا اور اسی دُعا کو پڑھتا رہا۔مطرب کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور نام لے کر فرمایا کہ مطرب اللہ تعالیٰ نے میرے غم کو دور کر دیا۔اس کے بعد کھانا منگوایا اور مجھے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔

حضرت موسیٰ کاظم کی کرامات

اسی جیسا یہ واقعہ بھی ہے جس کو مؤرخ ابن خلکان نے موسیٰ الکاظم جعفر الصادق کی سوانح حیات تحریر کرتے ہوئے زیب قرطاس کیا ہے۔

"ایک مرتبہ موسیٰ الکاظم کو خلیفہ ہارون الرشید نے بغداد میں قید کر لیا۔کچھ دنوں کے بعد ہارون الرشید نے کوتوال کو بلوا بھیجا اور کوتوال سے کہا کہ میں نے رات ایک حبشی کو خواب میں دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا نیزہ تھا وہ مجھ سے یہ کہہ رہا تھا کہ موسیٰ الکاظم کو رہا کر دو ورنہ میں اسی نیزے سے تم کو ہلاک کر دوں گا۔اس لیے تم ان کو جا کر رہا کر دو۔اسی کے ساتھ انہیں

تیس ہزار دراہم بطور ہدیہ دے دو۔ مزید یہ بھی کہہ دینا کہ اگر آپ ہم سے کوئی عہدہ لینا چاہتے ہوں تو دیا جا سکتا ہے ورنہ مدینہ منورہ جانا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے۔''

کوتوال نے کہا کہ میں نے بعینہٖ یہی باتیں موسیٰ الکاظم سے نقل کر دیں۔ مزید یہ بھی کہا کہ میں نے آپ کے معاملہ کو بالکل عجیب انداز سے دیکھا۔ موسیٰ الکاظم نے کہا کہ دیکھو میں تمہیں راز بتا دیتا ہوں کہ ایک رات میں سو رہا تھا تو جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ ؐ نے فرمایا اے موسیٰ! تمہیں ظلماً قید کیا گیا ہے۔ تم یہ دُعا پڑھا کرو' تم یہ رات بھی قید خانہ میں نہ گزار سکو گے کہ رہا کر دیئے جاؤ گے۔ اور وہ دعا یہ ہے:

یاسامع کل صوت یاسابق کل فوت ویاکاسی العظام لحما ومنشرها بعد الموت اسالک باسمائک العظام وباسمک الاعظم الاکبر المکنون الذی لم یطلع علیه احد من المخلوقین یا حلیماً ذا اناة لا یقدر علی اناته یا ذالمعروف الذی لا ینقطع معروفه ابداً ولا نحصی له عددا فرج عنی.

پھر اس کے بعد وہی ہوا جس حالت میں کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو' یعنی تم رہائی کا پروانہ لے کر آئے ہو۔

موسیٰ الکاظم کی وفات

ان کی وفات ۱۸۷ھ یا ۱۸۳ھ ماہ رجب بغداد میں ہوئی۔ آپ کو زہر دے دیا گیا تھا بعض نے کہا ہے کہ ان کا انتقال قید خانہ کی زندگی میں ہوا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ موسیٰ الکاظم کی قبر پُر دُعا تریاق مجرب ہے۔ یہ بات خطیب ابوبکر کے حوالہ سے مل جاتی ہے۔

ابن خلکان نے بھی یعقوب بن داؤد کی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ خلیفہ مہدی نے موسیٰ الکاظم کو ایک کنوئیں میں قید کر کے اس کے اوپر ایک گنبد بنوا دیا تھا۔ چنانچہ وہ پندرہ سال قید رہے۔ اسی میں آپ کو کھانا بھیج دیا جاتا تھا نماز کے اوقات سے مطلع کر دیا جاتا۔ موسیٰ کہتے ہیں کہ جب بارہ سال گزر گئے تو تیرہویں سال کے شروع میں ایک صاحب خواب میں آتے اور یہ شعر پڑھ کر چلے جاتے ہیں ؎

حسن علی یوسف رب فاخرجه ۔۔۔ من قعرجب و بیت حوله غمم

''پروردگار نے یوسف علیہ السلام پر مہربانی فرمائی چنانچہ انہیں گہرے کنوئیں اور ایسے گھر سے نکالا جس کے گرد حزن وملال تھا۔''

موسیٰ الکاظم کہتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور یہ سمجھا کہ شاید اب پریشانی ختم ہو جائے گی۔ پھر اس کے بعد ایک سال تک رہا کچھ نہیں دیکھا۔ پھر دوسرے سال میں دیکھا کہ ایک صاحب خواب میں آ کر یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

عسی فرج یاتی به اللّٰه انه ۔۔۔ له کل یوم فی خلیقته امر

''جلد ہی اللہ تعالیٰ کشادگی لائیں گے اس لیے کہ وہ اپنی مخلوق کے بارے میں روزانہ امر کرتے ہیں۔''

موسیٰ کہتے ہیں کہ پھر میں ایک سال رہا کچھ نہیں دیکھا۔ پھر تیسرے سال کے شروع میں دیکھتا ہوں کہ ایک صاحب خواب میں یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

عسی الکرب الذی امسیت فیه ۔۔۔ یکون ورائه فرج قریب

''جس مصیبت میں تم گرفتار ہو جلد ہی اس کے بعد آسانی اور کشادگی آ رہی ہے۔''

فیا من خائف و یفک عان　　و تاتی اهله النائی الغریب

''اے وہ شخص جوخوف زدہ ہورہا ہے مصیبت دور ہو جائے گی اور تو اپنے دور دراز کے گھر والوں سے ملاقات کرلے گا۔''

موسیٰ الکاظم کہتے ہیں کہ جب صبح ہوگئی تو مجھے کسی نے آواز دی تو میں یہ سمجھا کہ مجھے نماز کی اطلاع دی جارہی ہے۔اتنے میں ایک رسی لٹکائی گئی تو اس رسی کو میں نے اپنی کمر سے باندھ لیا۔پھر مجھے کنوئیں سے نکال لیا گیا۔اس کے بعد ہارون الرشید کے دربار میں لے جایا گیا۔مجھ سے کہا گیا کہ امیر المؤمنین کو سلام کرو۔تو میں نے کہا السلام علیکم یا امیر المؤمنین المہدی! تو امیر المؤمنین نے مجھ سے کہا میں ہادی نہیں ہوں۔پھر میں نے کہا السلام علیکم یا امیر المؤمنین! تو امیر المؤمنین رشید نے کہا ہاں میں ہارون الرشید ہوں۔تو میں نے کہا السلام علیکم یا امیر المؤمنین الرشید! (موسیٰ الکاظم کو قید خانے میں ایک عرصہ دراز گزر گیا تھا دور خلافت بدل گئے تھے)۔ہارون الرشید نے کہا اے یعقوب میرے پاس کسی نے تمہاری سفارش نہیں۔ایک دن میں اپنی بچی کو گردن و کاندھے پر اُٹھائے ہوئے تھا تو اس وقت مجھے تمہارا اُٹھانا یاد آ گیا۔اس لیے کہ تم مجھے بچپن میں اسی طرح کاندھے پر اُٹھایا کرتے تھے۔موسیٰ الکاظم کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر ہارون الرشید نے مجھے انعام دینے کا حکم صادر فرمایا اور جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

مچھر کا شرعی حکم

گندگی کی وجہ سے حرام ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک سوال

عبدالرحمٰن بن نعیم کہتے ہیں:

''میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا ایک آدمی نے مچھر کے خون کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم کس خاندان سے ہو؟ اس نے کہا میں اہل عراق میں سے ہوں۔ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگو! اس آدمی کو دیکھو یہ مجھ سے مچھر کے خون کے بارے میں حکم معلوم کر رہا ہے حالانکہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے [1] کو شہید کر دیا ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرمایا کرتے کہ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ دونوں میرے دُنیا میں پھول ہیں۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حسنین رضوان اللہ علیہم سے زیادہ کوئی حضور کے مشابہ نہیں تھا۔'' (رواہ البخاری فی الادب والترمذی)

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''حسن رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے سر تک زیادہ مشابہ ہیں اور حسین رضی اللہ عنہ اس سے نیچے کے حصے میں آپ سے زیادہ مشابہ ہیں۔'' (رواہ ابن حبان والترمذی)

کیا حسنینؓ کے متعلق حجاج کا سوال

امام شعبی کہتے ہیں کہ جب حجاج بن یوسف کو معلوم ہوا کہ یحییٰ بن یعمر کا یہ خیال ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ، رسول اللہ

---

[1] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ طنزیہ فرما رہے تھے کہ انسانوں کی خوں ریزی بلکہ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سفاکانہ قتل سے گریز نہیں کیا اور اپنی ذہانت و تقویٰ کے اظہار میں مچھر کا خون کپڑے پر لگنے کی صورت میں مسئلہ پوچھتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ کبیرہ گناہ بلکہ حرام کا ارتکاب کرتے ہیں اور معمولی چیزوں میں زہد و تقویٰ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

ﷺ کے خاندان اور اہل بیت میں سے ہیں تو حجاج نے والیٔ خراسان قتیبہ بن مسلم کو یہ تحریر کیا کہ یحییٰ بن یعمر کو میرے پاس بھیج دو۔ یحییٰ بھی خراسان میں سکونت پذیر تھے چنانچہ جس وقت یحییٰ بن یعمر حجاج کے پاس آئے۔ شعبی کہتے ہیں کہ میں اس وقت حجاج ہی کے پاس تھا۔ حجاج نے یحییٰ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ اہل بیت رسول میں سے ہیں۔ یحییٰ بن یعمر نے کہا ہاں صحیح ہے اے حجاج! امام شعبی کہتے ہیں کہ مجھے یحییٰ بن یعمر کے جرأت مندانہ کلام سے حیرت ہوئی کہ انہوں نے یا حجاج کہہ دیا۔ حجاج نے کہا خدا کی قسم اگر تم اس بات کے ثبوت میں قرآن کریم کی مشہور آیت کریمہ:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ كُمْ وَنِسَاءَ نَا وَ نِسَآءَ كُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ. (آل عمران)

آپؐ فرما دیجئے کہ آ جاؤ ہم اور تم اپنے بیٹوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور اپنی عورتوں کو اور اپنے آپ کو اور تمہارے تنوں کو بلا لیں پھر ہم سب مل کر خوب دل سے دُعا کریں اس طور پر کہ (جو اس بحث میں) ناحق ہوں ان پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔"

کے علاوہ کسی دوسری آیت کریمہ سے ثبوت پیش کر دو تو تم میری امان میں رہو گے۔ کسی چیز کا خطرہ نہ کرو۔ یحییٰ نے کہا جی ہاں! دوسری آیت پاک سے ثابت کر دوں گا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ. (الانعام)

"اور ہم نے (ابراہیمؑ کو) ایک بیٹا اسحٰق اور ایک پوتا یعقوب دیا۔ ہر ایک کو ہم نے سیدھا راستہ بتایا اور ابراہیمؑ سے پہلے زمانہ میں ہم نے نوحؑ کو ہدایت کی اور ان ابراہیمؑ کی اولاد میں سے داؤدؑ سلیمانؑ یوسفؑ موسیٰ اور ہارون کو ہدایت کا راستہ دکھایا۔ اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔ نیز زکریا' یحییٰ' عیسیٰ اور الیاس کو بھی ہدایت کا راستہ بتایا اور یہ سب حضرات نیک لوگوں میں سے تھے۔"

آیت کریمہ پڑھنے کے بعد یحییٰ بن یعمر نے کہا اللہ جل شانہٗ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں شمار کیا ہے حالانکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے والد ہی نہیں تھے۔ نیز حضرت عیسیٰ و ابراہیم علیہم السلام کے درمیان ایک دراز مدت گزر چکی ہے جتنی کہ حسن و حسین رضوان اللہ علیہم اور جناب رسول اللہ ﷺ کے درمیان نہیں گزری۔

حجاج بن یوسف نے کہا واقعی آپ نے بہت عمدہ دلیل پیش کی ہے۔ خدا کی قسم! ہم نے قرآن مجید کی بہت تلاوت کی لیکن کبھی بھی اس آیت پر غور نہیں کیا۔ یہ عجیب وغریب استدلال ہے۔

پھر حجاج نے یحییٰ سے کہا آپ کا میرے بارے میں کیا خیال ہے؟ میں اعرابی غلطی تو نہیں کرتا۔ یحییٰ بن یعمر خاموش ہو گئے حجاج نے کہا میں تمہیں قسم دیتا ہوں ضرور بتاؤ۔

یحییٰ نے کہا اے امیر! اگر آپ مجھے قسم دیتے ہیں تو میں ضرور بتاؤں گا آپ زیر کو پیش پڑھتے ہیں اور پیش کو زبر پڑھ دیتے ہیں۔ حجاج نے کہا یہی بات ہے خدا کی قسم میں کھلی ہوئی اعراب کی غلطی کر رہا تھا۔

چنانچہ حجاج نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر والیٔ خراسان قتیبہ بن مسلم کے پاس یہ تحریر لکھی کہ جب تمہیں یہ میرا رقعہ ملے تو یحییٰ بن یعمر کو اپنا قاضی بنا لینا۔

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ حجاج نے یحییٰ سے کہا آپ نے سنا ہے کہ میں اعراب کی غلطی کرتا ہوں۔ یحییٰ نے کہا ایک حرف میں۔ حجاج نے کہا وہ کس جگہ پر۔ یحییٰ نے کہا وہ غلطی قرآن کریم میں کرتے ہیں۔ حجاج نے کہا پھر تو وہ بہت بڑی غلطی ہے۔ وہ کون سے غلطی ہے؟ یحییٰ نے کہا وہ یہ ہے کہ آپ:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآءُ كُمْ وَاَبْنَآءُ كُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ. (توبہ)

"آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ لے آئے۔"

میں آپ رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ حجاج نے کہا یقیناً آپ نے میری کوئی غلطی اعراب کی نہیں سنی۔ پھر انہیں خراسان بھیج دیا۔ امام شعبی کہتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حجاج بن یوسف گفتگو کے طویل ہونے کی وجہ سے اپنے موضوع کو بھول گئے تھے۔

(الروض الزاہر)

یحییٰ بن یعمر کی سوانح حیات میں ابن خلکان لکھتے ہیں کہ اس میں تھوڑی سی بات لغو ہے۔

امام دمیریؒ کہتے ہیں یحییٰ بن یعمر کے کلام میں اس بات کی تصریح ملتی ہے کہ **فی** کی ضمیر اور **ومن ذریتہ** کی ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔

الکواشی اور بغوی کی تفسیر میں یہ ہے کہ ضمیر نوح علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے اس لیے کہ یونس علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کا ذکر من جملہ پیغمبروں میں کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس **کل من الصالحین واسماعیل والیسع ویونس ولوطا وکلا فضلنا علی العالمین.**

یونس اور لوط علیہما السلام نوح علیہ السلام کی ذریت میں ہیں نہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں لیکن قول ثانی کے مطابق ان کا استدلال بھی صحیح ہے۔

یحییٰ بن یعمر کون تھے

ابن خلکان لکھتے ہیں:

"یحییٰ بن یعمر تابعی، قرآن کے عالم، نحو کے ماہر شیعہ عالم تھے لیکن ان کا شمار متقدمین شیعوں میں ہوتا ہے اس لیے کہ ان کے اندر شیعیت معمولی درجے میں تھی غالی نہیں تھے بغیر کسی صحابی کی تنقیص کئے ہوئے فقط فضیلت اہل بیت کے قائل تھے۔"

ابن خلکان کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ بصرہ کے حاکم نے خطبہ دیتے ہوئے کہا:

اتقوا اللّٰہ فانہ من یتق اللّٰہ فلا ھوارۃ علیہ.

"اللہ سے ڈرو اس لیے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اس کو ہلاکت کا خوف نہیں ہوتا۔"

چنانچہ اہل بصرہ "ہوارۃ" کا مفہوم نہیں سمجھ پائے تو ان لوگوں نے ابوسعید یحییٰ بن یعمر سے اس کا مطلب دریافت کیا تو آپ نے

فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اسے ہلاک اور ضائع ہونے کا خطرہ لاحق نہیں رہتا۔
امام اصمعی نے اس پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ غریب اور انوکھی باتوں کا باب تو وسیع اور کشادہ ہے میں نے اس قسم کی بات نہیں سنی۔
یحییٰ بن یعمر کا انتقال ۱۲۹ھ میں ہوا۔
یعمر کا لفظ یاء کے زبر کے ساتھ ہے۔ بعض نے پیش بھی پڑھا ہے لیکن پہلا ہی زیادہ صحیح ہے۔

نصر اللہ بن یحییٰ کا خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال

نصر اللہ بن یحییٰ علماء اہل سنت و جماعت کے معتبر و مستند عالم ہیں کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے یہ سوال کیا کہ اے امیر المؤمنین آپ لوگ مکہ کو فتح کرتے ہوئے یہ بھی کہہ رہے تھے کہ جو بھی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا تو اسے امان ہے لیکن جو آپ کے صاحبزادے حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملہ کیا گیا وہ سب کو معلوم ہے۔
سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس سلسلے میں ابن الصیفی کے اشعار نہیں سنے۔ میں نے کہا نہیں سنے۔ آپ نے فرمایا جاؤ اسی سے سن لو۔ اتنے میں میں بیدار ہو گیا فوراً بھاگا ہوا حیص بیص شاعر کے پاس گیا اور ان سے اپنا خواب بیان کیا تو وہ رونے لگے اور اتنے روئے کہ سسکیاں لینے لگے۔
پھر انہوں نے قسم کھا کر بیان کیا کہ جو بھی انہوں اشعار کہے ہیں وہ کسی کو نہیں لکھوائے اور وہ صرف اسی رات میں نظم کئے گئے ہیں۔ پھر انہوں نے اشعار سنائے۔

ملکنا فکان العفو منا سجیة فلما ملکتم سال بالدم ابطح

''ہم مالک بن گئے تو عفو و درگزر ہماری طبیعت ثانیہ بن گئی' لیکن جب تم مالک بنے تو خون کے نالے بہہ پڑے۔''

وحللتموا قتل الاساری و طالما عدونا علی الاسری فنعفو و نصفع

''اور تم نے قیدیوں کے خون کو روا سمجھا (اور ہمارا یہ حال ہے) کہ دشمن عرصہ دراز تک ہمارے قیدی رہے لیکن ہم بخشتے رہے اور درگزر کرتے رہے۔''

وحسبکم هذا التفاوت بیننا و کل اناء بالذی فیه ینضح

''بس یہی فرق ہمارے اور تمہارے درمیان کافی ہے اور (دیکھو دراصل بات یہ ہے کہ) برتن میں جو چیز ہوتی ہے وہی ٹپکتی ہے۔''

حیص بیص سے شہرت کی وجہ

ان کا نام سعد بن محمد کنیت ابوالفوارس التمیمی ہے۔ لیکن ابن الصیفی سے زیادہ مشہور ہوئے اور لقب حیص بیص مشہور ہوا۔ ایک مرتبہ اس نے لوگوں کو کسی اہم معاملہ میں اُلجھا ہوا دیکھا تو اس نے کہا ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ حیص بیص میں پڑ گئے ہیں یعنی ایسی گڑبڑ میں پڑ گئے ہیں جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ جب ہی سے اس کا لقب حیص بیص رکھ دیا گیا۔ اس نے علم فقہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ لیکن علم ادب اور شعر و شاعری کا زیادہ غلبہ تھا۔ ان کے اشعار اچھے ہوتے۔ جب لوگ ان سے ان کی عمر کے بارے میں سوال کرتے تو جواب دیتا کہ میں دُنیا میں اندازے سے جی رہا ہوں' اس لیے کہ اسے اپنی تاریخ پیدائش صحیح یاد نہیں تھی۔

وفات ۵۷۴ھ میں ہوئی۔ان کے عمدہ اشعار یہ ہیں ۔

یا طالب الرزق فی الافاق مجتھدا　　اقصر عناک فان الرزق مقسوم

''اے دُنیا میں روزی کو محنت ومشقت سے طلب کرنے والے دوڑ دھوپ کم کردے اس لیے کہ روزی تقسیم ہوچکی ہے۔''

الرزق یسعی الی من لیس یطلبه　　و طالب الرزق یسعی وھو محروم

''جو روزی تلاش نہیں کرتا اس کے پاس پہنچ جاتی ہے اور روزی کا طلب گار کوشش کے باوجود محروم رہتا ہے۔''

یہ بھی ان ہی کے اشعار ہیں ۔

یا طالب الطب من داء اصیب به　　ان الطبیب الذی ابلاک بالداء

''اے مرض میں مبتلا دوا کے طلب کرنے والے یقیناً دوا کرنے والا وہی ہے جس نے تم کو مبتلا کیا ہے۔''

ھو الطبیب الذی یرجی لعافیة　　لامن یذیب لک التریاق فی الماء

''طبیب تو وہی ہے جس سے آرام کی اُمید کی جاتی ہے۔طبیب وہ نہیں ہے جو تمہارے لیے پانی میں تریاق گھول رہا ہے۔''

یہ بھی ان ہی کے اشعار ہیں ۔

الہ عما استاثر اللّٰہ به　　ایھا القلب ودع عنک الحرق

''معبود وہ ہے جو وفات دیتا ہے۔اے دل سوز وتپش کو اپنے اوپر سے جدا کردے۔''

فقضاء اللّٰہ لا یدفعه　　حول محتال اذالامر سبق

''اللہ کے فیصلہ کو کوئی بدل نہیں سکتا جب کہ حکم نافذ کردیا گیا ہے۔''

یہ اشعار بھی انہی کی طرف منسوب ہیں ۔

انفق ولا تخش اقلا لا فقد قسمت　　علی العباد من الرحمان ارزاق

''خوب خرچ کرو کم ہونے کا خوف نہ کرو اس لیے کہ خدا کی طرف سے بندوں کا رزق تقسیم کردیا گیا ہے۔''

لا ینفع البخل مع دنیا مولیة　　ولا یضر مع الاقبال انفاق

''اس لیے کہ دُنیا سے جاتے ہوئے بخل نفع اندوز نہیں ہوتا اور نہ خرچ دُنیا میں آتے ہوئے نقصان دہ ہوتا ہے۔''

ضرب المثل

عرب کہتے ہیں ھو اعزمن مخ البعوض. ''وہ مچھر کے مغز سے زیادہ نایاب ہے'' یہ بھی کہتے ہیں کَلَّفْتَنِیْ من مخ البعوض ''تو نے مجھے مچھر کے مغز کی تکلیف دی ہے'' اردو میں کہتے ہیں کہ تو نے مجھے چیل کی موت لانے کی زحمت دی ہے۔

فائدہ: ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا. (بقرہ)

''ہاں واقعی اللہ تعالیٰ نہیں شرماتے اس بات سے کہ وہ کوئی مثال بیان کریں خواہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو۔''

اس آیت کا شان نزول

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ کفار مکہ نے سورۃ کے علاوہ مکھی اور مکڑی وغیرہ سے مثال دینے کی بابت انکار کیا کہ ان سب چیزوں سے مثال نہیں دی جاتی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں منافقین کے لیے دو مثالیں دے کر بیان کیا:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِىْ اسْتَوْقَدَ نَارًا. (بقرہ)

''ان کی حالت اس شخص کی طرح ہے جس نے کہیں آگ جلائی ہو۔''

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ. (بقرہ)

''یا ان منافقوں کی ایسی مثال ہے کہ جیسے آسمان سے بارش ہو۔''

چنانچہ کفار مکہ نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ تو ان تمام مثالیں دینے سے بالاتر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات پاک نازل فرمائیں۔

امام کسائی کہتے ہیں کہ ابوعبیدہ وغیرہ جن کا شمار اعلام مفسرین میں ہوتا ہے' کہتے ہیں کہ' **فما فوقها** ''میں ایک حقیر اور چھوٹی شے کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

قتادہ اور ابن جریج کہتے ہیں کہ نہیں'' **فما فوقها** '' سے مراد مچھر دے بڑی چیزی ہیں۔ مفسر ابن عطیہ کہتے ہیں کہ جھگڑے کی بات نہیں ہے۔ دونوں معانی کا احتمال ہے۔ واللہ اعلم

بعیر

اونٹ۔ اونٹ کو مینگنی کرنے کی وجہ سے بعیر کہتے ہیں۔ عربی میں **بَعَرَ البعير يبعر** ماضی اور مضارع دونوں میں عین کلمہ پر زبر ہے۔ (ترجمہ ہوگا اونٹ نے مینگنی کی) اور مصدر کا صیغہ **بعرًا** کے عین کلمہ پر سکون ہے جس طرح کہ **ذبح' ذبحا** میں مصدر کا عین کلمہ سکون کے ساتھ آتا ہے۔ چنانچہ ابن السکیت نے اس کی تصریح اس طرح کی ہے:

بعیر کا لفظ اسم جنس ہے جس کا اطلاق نر اور مادہ دونوں پر ہوتا ہے۔ اونٹوں کے ناموں میں بعیر کا لفظ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ انسانوں کے لیے لفظ انس' چنانچہ **جمل** نر کے لئے اور **ناقة** مونث کے لئے **قعود** نوجوان اونٹ کے لئے اور **قلوص** اونٹ کے بچہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف بعض عرب سے یہ بھی منقول ہے' کہتے ہیں **صَرَعَتْنِىْ بَعِيْرِىْ اَىْ نَاقَتِى** یعنی مجھے میری اونٹنی نے پچھاڑ دیا اور **شَرِبْتُ مِنْ لَبَنِ بَعِيْرِىْ اى مِنْ لَبَنِ نَاقَتِىْ.** یعنی میں نے اونٹنی کا دودھ پیا۔ جس وقت اونٹ نو سالہ یا چار سالہ ہو جاتا ہے تو اس وقت سے اسے **بعیر** کہنے لگتے ہیں۔ اس کی جمع **اَبْعُرْ' اَباعر** اور **بُعْرَان** آتی ہے (بعض نے **اباعیر** بھی ذکر کیا ہے)۔

امام التفسیر حضرت مجاہدؒ قرآن کی مندرجہ ذیل آیت کے تحت میں فرماتے ہیں:

وَلِمَنْ جَاءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ. (یوسف)

''اور جو شخص اسے لائے گا اسے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلہ ملے گا۔''

یہاں **بعیر** سے مراد گدھا ہے اس لیے کہ بعض عرب گدھے کو **بعیر** بھی کہہ دیتے ہیں لیکن یہ شاذ و نادر ہے۔

چند فقہی مسائل

اگر کسی نے مرنے کے بعد بعیر کی وصیت کی تو اس وصیت میں اونٹنی بھی شامل ہوگی۔ لیکن اگر کسی نے بکری کی وصیت کی تو بکرا شامل نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی نے اس کے برعکس وصیت کی مثلاً اونٹنی کی وصیت کی یا بکرا کی وصیت کی تو ان دونوں صورتوں میں اونٹ اور بکری شامل نہیں ہوگی' عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن عرف نے کلام عرب کے خلاف بعیر کو جمل کا درجہ دے دیا ہے۔

امام رافعیؒ فرماتے ہیں کبھی کبھی کلام عرب میں نص کو اُتار دینے کی وجہ سے ایک واسطہ معلوم ہوگا۔ مثلاً جب کہ عرف عام میں بعیر کا استعمال جمل کے معانی میں زیادہ ہونے لگے۔ لیکن اگر عرف عام میں زیادہ استعمال نہ ہوا ہو تو پھر لغت اور زبان کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

امام سبکی کہتے ہیں ان جیسے مسائل میں نص کے خلاف تصحیح کرنا بعید معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ امام شافعیؒ زبان کو زیادہ جاننے والے تھے اس لیے کوئی بھی مسئلہ سوائے عرف عام میں مشہور ہونے کی وجہ سے اپنی اصل سے خارج نہیں ہوگا۔ اس لیے اگر کوئی مسئلہ صحیح ہوگا تو عرف عام میں مشہور ہوگا۔

بخلاف امام شافعیؒ کے اس قول کے کہ لغت کی اتباع کرو ورنہ عرف عام کی اتباع ہی بہتر ہے۔

(۲) کسی کنوئیں میں دو اونٹ گر گئے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے اوپر ہوں اگر اوپر والے کو نیزہ مارا گیا اور نیچے والا اونٹ اوپر والے کے بوجھ سے مر گیا تو یہ حرام ہو جائے گا اور اس لیے کہ اسے نیزہ نہیں لگا ہے لیکن اگر نیزہ دونوں اونٹوں کو لگ گیا ہو تو دونوں جائز اور حلال ہوں گے اور اگر اس بات کا شک ہو کہ نیچے والا اونٹ اوپر والے کے بوجھ سے مرا ہے یا نیزہ کے آر پار ہو جانے سے مرا ہے تو دیکھا جائے گا کہ اس کے نیزہ جان نکلنے سے پہلے لگا ہے یا بعد' تو امام بغوی کے فتاویٰ کی تصریح کے مطابق حلال اور حرام دونوں کا احتمال سمجھا جائے گا۔ جیسے کہ اگر کوئی غلام غائب اور لاپتہ ہو جائے آیا اسے کفارہ میں آزاد کرنا جائز ہے یا نہیں۔

(۳) اسی طرح اگر کسی نے غیر مقدور جانور پر تیر چلایا پھر وہ غیر مقدور باقی نہیں رہا بلکہ مقدور ہو کر غیر مذبح میں پہنچ گیا تو وہ حلال نہ ہوگا اور اگر کسی مقدور جانور کو تیر مارا۔ پھر وہ غیر مقدور ہو گیا تو اگر وہ مذبح میں پہنچ جائے تو حلال اور اگر غیر مذبح میں پہنچ جائے تو حرام ہوگا۔

جب شادی کرے یا جانور اور غلام خریدے

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اذا اتزوج احدکم امرأۃ او اشتری جاریۃً او غلاماً او دابۃً فلیاخذبناصیتھا ولیقل اللّٰھم انی اسئالک خیرہ وخیر ما جبل علیہ واعوذبک من شرہ وشرما جبل علیہ واذا شتریٰ بعیر افلیا خذبذروۃ سنامہ ولیدع بالبرکۃ ولیقل مثل ذلک.

(ابوداؤد۔نسائی۔ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے جب کوئی کسی عورت سے شادی کرے یا کوئی باندی یا غلام یا کوئی جانور خریدے تو اس کی پیشانی کو پکڑ کر یہ دُعا پڑھے۔ اے اللہ! میں آپ سے اس چیز کی بھلائی اور جو اس میں بھلائی رکھ دی گئی ہے' چاہتا ہوں اور میں اس کے شر سے اور جو شر اس میں رکھ دیا گیا ہے آپ سے پناہ چاہتا ہوں اور فرمایا جب کوئی اونٹ خریدے تو اس کے کوہان کے اُٹھان کو پکڑ کر برکت کی دُعا کرے اور اسے چاہیے کہ یہی کلمات پڑھے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ کے لئے برکت کی دعا کرنا

ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلاد بن رافع اور ان کے بھائی دونوں بدر کی طرف ایک دبلے اونٹ پر سوار ہو کر جا رہے تھے جب یہ دونوں مقام روحا کے قریب پہنچے تو اونٹ بیٹھ گیا۔ چنانچہ ان دونوں نے یہ منت مانی کہ خدایا اگر ہم بدر تک پہنچ گئے تو ہم آپ کے نام پر اونٹ قربان کر دیں گے۔ اتنے میں ہم نے نبی پاک ﷺ کو دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا خیریت تو ہے کیا حال ہے؟ چنانچہ ہم نے آپؐ کو اپنی پریشانی سے مطلع کیا تو آپؐ اُترے اور وضو فرمایا۔ پھر آپؐ نے بچے ہوئے پانی میں تھوک دیا۔ پھر انہیں حکم دیا کہ وہ اونٹ کا منہ کھولے رہیں تو آپؐ نے اونٹ کے منہ میں تھوڑا سا پانی ڈال دیا۔ پھر تھوڑا سا سر پہ' گردن پہ' کندھے پہ' کوہان پہ' پچھلے حصہ پر اور کچھ دم پر ڈال دیا۔ پھر آپؐ نے دُعا فرمائی' خدایا خلاد اور رفاعہ کو سفر کرنے کی قوت عطا فرما۔

دونوں بھائی کہتے ہیں کہ پھر سوار ہو کر ہم سفر کرتے رہے یہاں تک کہ ہم نے پہلے قافلہ کو پالیا اور جب ہم بدر پہنچ گئے تو اونٹ بیٹھ گیا۔ چنانچہ ہم نے منت ماننے کے مطابق قربانی کر کے اس کے گوشت کو صدقہ کر دیا۔

درود شریف کی برکت کا عجیب واقعہ نمبر ۱

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھے۔ جب ہم مدینہ کے شارع عام کے چوراہے پر پہنچے تو ایک عرب دیہاتی کو دیکھا کہ وہ ایک اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے آنحضور ﷺ کے پاس آ کر ٹھہر گیا۔ ہم سب اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ اس نے آپؐ کو سلام کیا۔ آپؐ نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا تم کیسے ہو' صبح کیسی گزری؟ اتنے میں ایک آدمی آیا دیکھنے میں چوکیدار معلوم ہوتا تھا۔ اس نے کہا اے اللہ کے رسول اس اعرابی نے میرا اونٹ چرا لیا ہے۔ یہ سن کر فوراً اونٹ بلبلانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد دھیما ہونے لگا۔ نبی پاک ﷺ نے اس کی بلبلاہٹ اور آواز کو غور سے سنا۔ جب اونٹ خاموش ہو گیا تو آپؐ نے چوکیدار کی طرف رُخ کر کے فرمایا تم اپنے دعویٰ سے باز آ جاؤ۔ اس لیے کہ اونٹ تمہارے خلاف گواہی دے رہا ہے کہ تم جھوٹے ہو۔ چنانچہ چوکیدار اپنے دعویٰ سے پھر گیا۔ پھر حضور اکرم ﷺ اعرابی کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا کہ تم نے میرے پاس آتے ہی کیا کہا تھا؟ اعرابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہو جائیں۔ میں نے یہ پڑھا تھا:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا تَبْقٰی صَلٰوةٌ اَللّٰهُمَّ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا تَبْقٰی بَرَكَةٌ. اَللّٰهُمَّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا يَبْقٰی سَلَامٌ. اَللّٰهُمَّ وَارْحَمْ مُحَمَّدًا حَتّٰی لَا تَبْقٰی رَحْمَةٌ.

''اے اللہ! جب تک رحمت باقی ہے محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما۔ خدایا جب تک برکت رہے محمد ﷺ پر برکت نازل فرما۔ اے اللہ جب تک درود و سلام باقی رہے محمد ﷺ پر درود و سلام نازل فرما۔ خدایا محمد ﷺ پر مہربانی فرما جب تک کہ رحمت و مہربانی باقی رہے۔''

یہ سن کر آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کو میرے لیے منکشف کر دیا ہے اور اونٹ اللہ کی قدرت سے بول رہا تھا اور فرشتوں نے آسمان کو گھیر لیا تھا۔ (رواہ الطبرانی فی کتاب الدعوات)

درود شریف کی برکت کا عجیب واقعہ نمبر ۲

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ چند لوگ ایک آدمی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ چنانچہ ان سب نے

اس آدمی کے خلاف یہ شہادت دی کہ اس نے ان سب کی اونٹنی چرائی ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے اسے چلے جانے کی ہدایت فرمائی چنانچہ وہ مندرجہ ذیل کلمات پڑھتے ہوئے جانے لگا:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا يَبْقٰى مِنْ صَلَوَاتِكَ شَيْءٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا يَبْقٰى مِنْ بَرَكَاتِكَ شَيْءٌ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا يَبْقٰى مِنْ سَلَامِكَ شَيْءٌ.

"اے اللہ! محمد ﷺ پر درود و سلام ہو یہاں تک کہ تیرے پاس درود و سلام باقی نہ رہے اور آپؐ پر برکت نازل فرما یہاں تک کہ تیرے پاس برکتیں ختم ہو جائیں۔ خدایا آپؐ پر اتنا سلام ہو کہ آخر کار تیرے پاس سلام باقی نہ رہے۔"

اتنے میں اونٹنی بول اُٹھی اور یہ کہا کہ اے اللہ کے رسول! یہ شخص میری چوری سے بری ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اس آدمی کو میرے پاس کون حاضر کر سکتا ہے؟ چنانچہ اہل بدر کے ستر آدمی اس کو تلاش میں لپک پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان لوگوں نے اس آدمی کو دربار نبوت میں حاضر کر دیا تو آپؐ نے فرمایا: تم نے ابھی کیا پڑھا تھا؟ تو اس نے بتایا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اسی لیے تو میں مدینے کی گلیوں میں فرشتوں کی بھیڑ دیکھ رہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو جاتے۔ پھر آپؐ نے فرمایا تم ضرور پل صراط سے اس حالت میں گزرو گے کہ تمہارا چہرہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن ہوگا۔ اھ (حوالہ بالا)

(عنقریب ہی ان شاء اللہ حاکم کی روایت ناقۃ کے عنوان میں آجائے گی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹ کی فریاد

تمیم داری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ہماری طرف ایک اونٹ دوڑتا ہوا آیا۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سر کے پاس کھڑا ہو کر بلبلانے لگا۔ آپؐ نے فرمایا اے اونٹ ٹھہر جا۔ اگر تو سچا ہے تو سچائی کا صلہ ملے گا اور اگر تو جھوٹا ہے تو جھوٹ کی سزا ملے گی اور اللہ جل شانہٗ ہماری طرف ٹھکانا پکڑنے والے کو نامراد نہیں کرتا۔ ہم نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ اونٹ کیا کہہ رہا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا یہ اونٹ آیا ہے اس کے مالک اسے نحر کر کے گوشت کھانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ چنانچہ یہ ان سے فرار اختیار کر کے چلا آیا ہے اور یہ تمہارے نبی سے فریاد رسی کر رہا ہے۔

بس ہم بیٹھے ہی ہوئے تھے کہ اچانک اونٹ والے دوڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ اونٹ نے جب ان کو دیکھا تو پھر وہ نبی پاک ﷺ کے سر مبارک کے پاس پناہ لے کر کھڑا ہو گیا۔ ان لوگوں نے آکر یہ کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ اونٹ ہمارا ہے یہ تین دن سے بھاگا ہوا ہے۔ اب ہم اسے آپؐ کے پاس دیکھ رہے ہیں۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا یہ اونٹ مجھ سے شکایت کر رہا ہے۔ اونٹ والوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ اونٹ کیا شکایت کر رہا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اونٹ یہ کہہ رہا ہے کہ چند سال سے وہ تمہارے ساتھ ہے۔ تم گرمیوں میں گھاس کی منڈی تک اس پر بار برداری کرتے ہو اور سردیوں میں اون اور گرم سامانوں کو بازار تک لادتے ہو۔ پھر جب یہ بڑا ہو گیا تو تم نے اس سے جفتی کرائی۔ چنانچہ اللہ نے اس کے ذریعے تمہیں بہتیرے اونٹ دیئے۔ پھر جب اس سال سرسبزی و شادابی ہوئی تو تم نے اس کو نحر کر کے گوشت کھانے کا ارادہ کر لیا۔

انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم! معاملہ بالکل ایسے ہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیا تمہیں اس فرماں بردار اونٹ کو یہی صلہ دینا چاہیے۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! اچھا نہ ہم اسے فروخت کریں گے اور نہ ذبح کریں گے۔

آپؐ نے فرمایا تم لوگ جھوٹے ہو اس نے تم سے فریاد کی لیکن تم نے اس کی فریاد رسی نہ کی اس لیے میں تم سے زیادہ اس پر رحم کرنے

کا مستحق ہوں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے قلوب سے رحم و کرم کو سلب کر کے مومنوں کے قلب میں ودیعت فرما دیا ہے چنانچہ آپؐ نے سو درہم کے عوض اونٹ کو ان لوگوں سے خرید لیا اور فرمایا اے اونٹ جا تو اللہ کے لیے آزاد ہے۔

اتنا کہنے کے بعد وہ اونٹ حضور اکرم ﷺ کے سر کے پاس کھڑے ہو کر بلبلانے لگا تو آپؐ نے فرمایا آمین۔ پھر دوبارہ بلبلایا۔ آپؐ نے فرمایا آمین۔ پھر سہ بار بلبلایا تو آپؐ نے فرمایا آمین۔ پھر چوتھی بار بلبلایا تو آپؐ رونے لگے۔ ہم نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ اونٹ کیا کہہ رہا ہے؟ آپؐ نے فرمایا پہلی بار اس نے یہ کہا اے اللہ کے نبی اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور قرآن کے بدلہ میں بہترین بدلہ عنایت فرمائے تو میں نے آمین کہا۔ دوبارہ اس نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت کا رُعب قیامت تک قائم رکھے تو میں نے آمین کہی۔ پھر اس نے کہا جس طرح کہ آپؐ نے میرے خون کی حفاظت فرمائی اسی طرح اللہ آپؐ کی اُمت کے خون کی حفاظت فرمائے۔ چنانچہ میں نے آمین کہا۔ چوتھی بار اس نے کہا اللہ تعالیٰ آپؐ کی اُمت کی گرفت نہ کرے تو میں اس کی یہ دُعا سن کر رونے لگا اس لیے کہ میں نے یہ ساری دُعائیں اللہ تعالیٰ سے کی ہیں۔ چنانچہ اللہ نے قبول فرما لیں اور اخیر میں گرفت سے منع فرمایا ہے۔ حضرت جبرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے بیان کیا ہے:

اِنَّ فِنَاءَ اُمَّتِیْ بِالسَّیْفِ جَرٰی الْقَلَمُ بِمَا هُوَ کَائِنٌ. (رواہ ابن ماجہ)

"کہ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے کہ میری اُمت کی تباہی تلوار سے ہوگی۔"

ہارون الرشید کی پریشانی اور نیک عالم کی تلاش

امام طرطوشیؒ ابن بلبان اور مقدسی وغیرہ فضل بن ربیع سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید نے حج کیا۔ ایک رات میں سو رہا تھا کہ اچانک میں نے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا کون ہے؟ کہا گیا جواب دیجئے امیر المؤمنین ہیں۔ چنانچہ میں فوراً باہر آیا دیکھا کہ خلیفہ ہارون الرشید ہیں۔ میں نے کہا حضور عالی جاہ آپ نے بلاوجہ زحمت کی۔ کسی کو بھیج دیتے میں حاضر ہو جاتا۔ ہارون الرشید نے فرمایا تمہارا برا ہو مجھے ایک خلجان درپیش ہے جسے سوائے کسی عالم آدمی کے کوئی دور نہیں کر سکتا اس لیے تم مجھے کسی عالم آدمی کی نشاندہی کر دو جس سے میں تشفی حاصل کر سکوں۔ میں نے کہا حضور والا یہاں سفیان بن عینیہ موجود ہیں۔ فرمایا چلو ان کے پاس چلتے ہیں۔ چنانچہ ان کے یہاں جا کر ہم نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آواز آئی کون صاحب ہیں؟ میں نے کہا فوراً آیئے! امیر المؤمنین ہیں۔ چنانچہ وہ فوراً آئے اور کہا اے امیر المؤمنین آپ نے کیوں زحمت اُٹھائی کسی کو بھیج دیتے تو میں فوراً آ جاتا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا جس کے لیے ہم آئے ہیں اس سلسلے میں پوری کوشش کرو۔ چنانچہ تھوڑی دیر تک دونوں نے گفتگو کی۔ سفیان نے پوچھا حضور والا آپ پر کسی کا قرض تو نہیں ہے؟ ہارون الرشید نے جواب دیا ہاں ہے تو سفیان نے کہا عالی جاہ امیر المؤمنین اس قرض کو ادا فرما دیجئے۔ فضل بن ربیع کہتے ہیں کہ پھر ہم سفیان کے یہاں سے چلے آئے۔ امیر المؤمنین نے فرمایا تمہارے ساتھی سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کوئی دوسرا عالم دین تلاش کرو جس کے پاس جا کر میں تشفی حاصل کروں۔ میں نے کہا دوسرے یہاں عبدالرزاق بن ہمام ہیں جو واعظ عراق سے مشہور ہیں۔ آپ نے فرمایا وہاں چلتے ہیں۔

چنانچہ ہم نے ان کے دروازے پر جا کر دستک دی۔ آواز آئی کون ہیں؟ میں نے کہا جلدی آیئے امیر المؤمنین ہیں۔ چنانچہ وہ فوراً تشریف لائے۔ عبدالرزاق نے کہا آپ نے کیوں زحمت کی کسی کو بھیج دیتے میں فوراً حاضر ہو جاتا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا جس لیے ہم آئے ہیں اسے جلدی سے حل کر دو۔ پھر امیر المؤمنین نے ان سے تھوڑی دیر گفتگو کی تو عبدالرزاق نے کہا حضور والا آپ پر کسی کا قرض تو نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہے۔ انہوں نے کہا تب آپ اسے فوراً ادا کریں۔ پھر ہم ان کے یہاں سے واپس آ گئے۔

امیر المؤمنین نے فرمایا مجھے تمہارے ساتھی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ پھر کوئی دوسرا عالم تلاش کرو جس سے میں سکون حاصل کرسکوں۔ چنانچہ میں نے کہا تیسرے فضیل بن عیاض رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا چلو ان کے پاس چلتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کے پاس پہنچے۔ معلوم ہوا کہ وہ قرآن کریم کی آیت پڑھ رہے ہیں۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا آواز آئی کون صاحب ہیں؟ میں نے کہا فوراً تشریف لائیے امیر المؤمنین ہیں۔ فضیل بن عیاض نے کہا کہ مجھے امیر المؤمنین سے کیا لینا دینا ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ کیا آپ پر امیر المؤمنین کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ فضیل نے کہا کیا حضور اکرم ﷺ نے نہیں فرمایا:

ليس المؤمن ان يذل نفسه.

''مومن کے لیے اپنے آپ کو پست کرنا مناسب نہیں ہے۔''

یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا۔ پھر فضیل نے جلدی سے بالائی منزل پر چڑھ کر چراغ کو گل کر دیا اور ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد ہم انہیں ہاتھوں سے تلاش کرنے لگے۔ اچانک امیر المؤمنین کی ہتھیلی ان پر پڑ گئی تو فضیل نے کہا اے آہیں بھرنے والے اگر کل خدا کے عذاب سے نجات پا گیا تو تیرے ہاتھ سے زیادہ نرم کوئی ہاتھ نہ ہوگا۔ فضل بن ربیع کہتے ہیں یہ سن کر میں نے جی میں کہا کہ وہ رات میں پاک دل سے صاف ستھری گفتگو کر لیتے ہیں۔ امیر المؤمنین نے فضیل بن عیاض سے کہا ہم جس لیے آئے ہیں تم اس بارے میں جلدی سے کوئی حل تلاش کرو۔

فضیل بن عیاض نے کہا اس حال میں آئے ہیں کہ آپ نے اپنا بوجھ بھی اُٹھا رکھا ہے اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں ان کا بوجھ بھی آپ پر ہے۔ اگر آپ ان سے اپنے اور ان کے گناہوں کے ایک حصے کے اُٹھانے کی درخواست کریں تو وہ نہیں کر سکتے جو لوگ آپ سے زیادہ محبت والے ہیں وہ آپ ہی سے زیادہ راہ فرار اختیار کرنے والے ہو جائیں گے۔

فضیل بن عیاض نے مزید فرمایا جس وقت سیدنا امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کو خلافت کا والی بنایا گیا تو آپ نے سالم بن عبداللہ بن عمر، محمد بن کعب قرضی اور رجاء بن حیوۃ کو طلب فرمایا اور ان سے یہ فرمایا مجھے خلافت کی مصیبت میں مبتلا کر دیا گیا ہے چنانچہ تم لوگ مجھے مشورہ دو (گویا آپ نے خلافت کو مصیبت گردانا اور ہارون الرشید آپ اور آپ کے ساتھی خلافت کو نعمت سمجھ رہے ہیں) چنانچہ سالم بن عبداللہ بن عمر نے کہا اگر آپ کل کے دن خدا کے عذاب سے نجات چاہتے ہیں تو دُنیا سے روزہ رکھ لیجئے اور موت کے دن افطار کیجئے۔

محمد بن کعب نے کہا اگر آپ کل قیامت کے دن خدا کے عذاب سے نجات چاہتے ہیں تو مسلمانوں میں بوڑھے لوگوں کو باپ' نوجوان لوگوں کو بھائی اور چھوٹی عمر والوں کو بچے تصور فرمائیے۔ اسی طرح سے آپ ان کے ساتھ باپ کی طرح حسن سلوک' بھائی کی طرح صلہ رحمی' بچوں کی طرح شفقت کا معاملہ کیجئے۔

رجاء بن حیوۃ نے کہا اگر آپ کل قیامت کے دن خدا کے عذاب سے بچنا چاہتے ہیں تو آپ جو چیز اپنے لیے پسند کرتے ہیں وہی مسلمانوں کے لیے اختیار فرمائیں اور جو چیز اپنے لیے بری سمجھتے ہیں وہ مسلمانوں کے لیے ناپسند فرمائیں۔ پھر جب آپ کا جی چاہے دُنیا سے رخصت ہو جائیں۔

اتنی تفصیل کے بعد فضیل بن عیاض نے امیر المؤمنین ہارون الرشید کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں بھی آپ سے انہی باتوں پر عمل کرنے کے لیے کہتا ہوں اور جس دن لوگوں کے قدم پھسل جائیں گے اس دن میں آپ پر خوف محسوس کر رہا ہوں۔ خدا آپ پر رحم فرمائے۔ کیا آپ کے پاس ان جیسے لوگ ہیں جو آپ کو اس جیسی نصیحتیں کرتے ہوں؟

یہ سن کر ہارون الرشید اس قدر رویا کہ اس پر غشی طاری ہوگئی۔

فضل بن ربیع کہتے ہیں اتنے میں میں نے فضیل بن عیاض سے کہا کہ بھائی امیر المؤمنین کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیجئے۔ فضیل بن عیاض نے جواب دیا تم نے اور تمہارے اصحاب نے ان کو قتل کر دیا ہے اور میں ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کروں! اتنے میں ہارون الرشید کو افاقہ ہوا۔ فرمایا اے فضیل اور نصیحتیں کرو۔ چنانچہ فضیل نے کہا اے امیر المؤمنین مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کے ایک عامل نے ان سے بیداری کی شکایت کی تو عمر بن عبدالعزیز نے یہ لکھ کر بھیجا:

"برادرم تم جہنم میں دوزخیوں کی بیداری کا ذرا تصور کرو اور ان کے دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا بھی خیال کرو بس یہی چیز تم کو تمہارے پروردگار کے دربار میں سونے اور بیدار رہنے کے لیے آمادہ کردے گی۔ اس کا بھی خیال رکھنا کہ کہیں تمہارے قدم اس راستے سے بھٹک نہ جائیں جس کی وجہ سے تم نا اُمید اور دُنیا میں آخری سانس لینے والے ہو جاؤ۔ فقط والسلام"

یہ خط جب اس عامل کو ملا تو وہ سفر کر کے فوراً عمر بن عبدالعزیز سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ عمر بن عبدالعزیز نے ان سے پوچھا کہ تم کس لیے آئے ہو؟ عامل نے جواب دیا کہ میں نے آپ کے خط کی وجہ سے اپنے قلب کو آزاد کر دیا ہے اب مجھے کبھی بھی والی نہ بنایا جائے یہاں تک کہ میں اپنے پروردگار سے جاملوں۔

یہ سن کر ہارون الرشید بہت رویا۔ ہارون الرشید نے کہا فضیل اللہ تم پر رحم کرے کچھ اور نصیحتیں کیجئے۔ فضیل نے کہا اے امیر المؤمنین آپ کے جد امجد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے ایک مرتبہ آپؐ کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے حکومت کے بارے میں مشورہ دیجئے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا چچا عباس تمہارا زندہ نفس (یعنی آپ کا وجود) بے شمار سلطنتوں سے بہتر ہے اس لیے کہ امارت اور حکومت قیامت کے دن حسرت اور ندامت بن کر آئے گی۔ اگر آپ سے ہو سکے تو حتی الامکان امیر اور حاکم نہ بنئے گا۔

یہ سن کر خلیفہ ہارون الرشید رو پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہارون الرشید نے کہا اے فضیل اور مزید نصیحت کیجئے۔ چنانچہ فضیل بن عیاض نے فرمایا اے درخشندہ رو آپ ہی سے اللہ جل شانہ قیامت کے دن ان مخلوق کے بارے میں سوال کرے گا اگر آپ چاہتے ہوں کہ آپ کا چہرہ آگ سے بچ جائے تو آپ ایسا ضرور کیجئے اور آپ صبح شام اس سے گریز کیجئے کہ کہیں رعایا کی طرف سے آپ کے قلب میں کھوٹ نہ ہو اس لیے کہ روایت میں ہے:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اس حالت میں صبح کی کہ وہ رعایا کو دھوکہ دینے والا ہوا تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔"

پھر یہ سن کر ہارون الرشید بہت روئے تھوڑی دیر کے بعد فضیل بن عیاض نے فرمایا امیر المؤمنین کیا آپ پر کسی کا قرض تو نہیں ہے؟ ہارون الرشید نے کہا ہاں میرے اوپر خدا کا قرض ہے جس کا وہ مجھ سے محاسبہ کر سکتا ہے۔ اگر اس نے مجھ سے سوال کر لیا تو بس میرے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ اور اگر مدلل جواب نہ بن پڑا تو بھی تباہی ہے۔ ہارون الرشید نے کہا اس سے میری مراد خدا کے بندوں کا قرض ہے۔ میرے پروردگار نے مجھے اس کا پابند نہیں بنایا بلکہ اس نے تو مجھے اپنی اطاعت کا پابند اور وعدہ کی وفائی کا پابند بنایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ. (آیت ۵۵: الذاریات)

''اور میں نے جن اور انسان کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں اور میں ان سے رزق کا طالب نہیں ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھانا کھلائیں۔ اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا قوت والا نہایت طاقت والا ہے۔''

اس کے بعد ہارون الرشید نے کہا اے فضیل یہ ایک ہزار اشرفیاں ہیں ان کو قبول فرمایئے اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کیجئے۔ اس کے ذریعہ سے آپ اپنے رب کی عبادت میں تقویت حاصل کیجئے۔ فضیل بن عیاض نے کہا سبحان اللہ میں تو تم کو نجات کے بارے میں رہنمائی کر رہا ہوں اور تم مجھے اس جیسی چیز سے بدلہ دے رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے۔

فضل بن ربیع کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں خاموش ہو گیا۔ پھر فضیل نے اس کے بعد ہم سے گفتگو نہ کی۔ اس کے بعد ہم لوگ ان کے پاس سے اُٹھ کر آ گئے۔ ہارون الرشید نے مجھ سے کہا کہ جب تم مجھے کسی عالم دین کی رہنمائی کرو تو ان جیسے آدمی کی نشاندہی کرنا اس لیے کہ آج سے یہ سید المؤمنین ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض کا استغناء

فضیل بن عیاض کی عورتوں میں سے ایک عورت ان کے پاس آئی۔ اس نے یہ کہا کہ حضور آپ جانتے ہیں ہم کتنے تنگ دست ہیں اگر آپ یہ مال قبول فرمالیں تو ہمارے لیے خوشی کا باعث ہوگا۔ یہ سن کر فضیل نے کہا میری اور تمہاری مثال ان لوگوں جیسی ہے جن کے پاس ایک اونٹ ہو اور وہ لوگ اونٹ کے ذریعہ سے کھا کما رہے ہوں۔ پھر جب وہ اونٹ بوڑھا ہو جائے تو وہ لوگ اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت کھا گئے ہوں۔ اے میری عورت تم بھوک سے مر جانا لیکن ایسے اونٹ کو کبھی ذبح نہ کرنا۔ جب یہ بات ہارون الرشید نے سنی تو اس نے کہا چلو ہم لوگ بھی مال لے کر چلیں شاید فضیل قبول فرمالیں۔

راوی کہتا ہے جس وقت ہم لوگ مال لے کر فضیل کی خدمت میں آئے تو فضیل کو ہمارے آنے کا علم ہو گیا۔ چنانچہ فضیل گھر کی چھت پر منڈیر کے اوپر بیٹھ گئے اور ہارون الرشید ان کی بغل میں جا کر بیٹھ گئے اور ان سے گفتگو کرنے لگے لیکن فضیل نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس ہم اسی حالت میں تھے کہ ایک سیاہ فام باندی آئی۔ اس نے یہ کہا کہ اے فلاں جب سے تم آئے ہو شیخ کو اذیت دے رہے ہو اس لیے تم لوگ واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ ہم لوگ واپس آ گئے۔

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ قاضی ابن خلکان فضیل بن عیاض کی سوانح حیات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ جب یہ واقعہ سفیان ثوری کو معلوم ہوا تو سفیان ثوری فضیل بن عیاض کے پاس آئے اور فرمایا اے فضیل تم نے اشرفیوں کی تھیلی واپس کرنے میں غلطی کی ہے آپ اسے لے لیتے اور نیک کام میں صرف کر دیتے۔ یہ سن کر فضیل نے سفیان ثوری کی داڑھی پکڑ کر فرمایا سفیان تم شہر کے فقیہہ مانے جاتے ہو اور لوگوں کے منظور نظر ہو تم بھی اس قسم کی غلطیاں کرتے ہو۔ اگر یہ بات ان لوگوں کو بھلی معلوم ہوتی تو مجھے بھی معلوم ہوتی۔ اھ

(سراج الملوک وشرح اسماء الحسنیٰ)

(امام دمیری مزید کہتے ہیں کہ ابن خلکان کی تاریخ الاعیان میں سفیان ثوری مذکور ہے حالانکہ وہ سفیان بن عیینہ ہیں)

ایک مرتبہ ہارون الرشید نے فضیل بن عیاض سے کہا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ بہت اچھے زاہد ہیں۔ فضیل نے کہا آپ مجھ سے بھی بڑے زاہد ہیں۔ میں تو دُنیا کا زاہد ہوں تم آخرت کے زاہد ہو (یعنی میں دُنیا سے زہد اختیار کئے ہوئے ہوں اور تم آخرت سے زہد اختیار کئے ہوئے ہو اور دُنیا ایک دن فنا ہو جائے گی اور آخرت فنا ہونے والی چیز نہیں ہے)۔

فضیل بن عیاض اور آپ کی چھوٹی بیٹی کی گفتگو

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ شیخ فضیل بن عیاض کی ایک چھوٹی لڑکی تھی۔ لڑکی کی ہتھیلی میں ایک دن درد ہوا۔ فضیل نے ایک دن اپنی بچی سے پوچھا ہتھیلی کا کیا حال ہے؟ بچی نے کہا خدا کا شکر ہے خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے تھوڑی مصیبت میں مبتلا کیا ہے مگر اس کے علاوہ سارے بدن کو عافیت کے ساتھ رکھا ہے۔ ہتھیلی میں مصیبت دی ہے تو سارے جسم میں سکون و راحت ہے۔ پس خدا کا شکر ہے۔ یہ سن کر فضیل نے فرمایا اے میری بچی تم مجھے اپنی ہتھیلی دکھاؤ۔ چنانچہ اس نے ہتھیلی دکھائی تو آپ نے اس کی ہتھیلی کا بوسہ لے لیا۔ بچی نے کہا میں آپ کو خدا کی قسم دیتی ہوں کیا آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟ فضیل نے کہا خدا کی قسم ہاں۔

بچی نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے خدا کی قسم مجھے گمان نہیں تھا کہ آپ خدا کے سوا کسی اور سے محبت کرتے ہوں گے۔ یہ سن کر فضیل چیخ پڑے اور فرمایا اے میری بچی! تم مجھے اللہ کے علاوہ کسی اور کی محبت میں ملامت وعتاب کرتی ہو۔ اے اللہ! تیری عزت اور بزرگی کی قسم میں تیرے ساتھ تیری محبت میں کسی اور کو شریک نہیں گردانتا۔

حضرت فضیل کے اقوال زریں

ایک آدمی نے فضیل بن عیاض کو اپنی حالت بتائی تو آپ نے فرمایا اے میرے بھائی کیا اللہ کے علاوہ اور کوئی بھی تدبیر کرنے والا ہے تو اس نے جواب دیا نہیں تو آپ نے فرمایا بس پھر اسی کی حسن تدبیر پر راضی ہو جاؤ اور فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اس کو غم میں مبتلا کر دیتے ہیں اور جب وہ کسی سے ناراض ہوتے ہیں تو اس کے لیے دُنیا کو اور وسیع کر دیتے ہیں۔

امام نووی کہتے ہیں کہ فضیل بن عیاض فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کی وجہ سے کسی عمل کو چھوڑ دینا ریاء ہے لوگوں کی وجہ سے کوئی کام کرنا شرک ہے۔ اگر ان دونوں چیزوں سے کوئی بچ جائے تو وہ اخلاص ہے۔

کسی نے فضیل بن عیاض سے پوچھا کہ محبت کسے کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا سب چیزوں کو چھوڑ کر صرف اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا نام محبت ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اگر میری دُعا قبول ہوتی ہے تو میں صرف امام کے لیے دُعا کرتا ہوں۔ اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ امام کی اصلاح کر دیتا ہے تو سارا ملک اور تمام مخلوق مامون رہتی ہے۔ آدمی کا اپنے ہم نشینوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا اور حسن سلوک سے پیش آنا رات کے قیام اور دن میں روزہ رکھنے سے بہتر ہے۔

اگر کوئی دل سے **لاالہ الا اللّٰہ** یا **سبحان اللّٰہ** کہے تو مجھے اس کے دوزخ میں جانے کا خطرہ معلوم ہوتا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص تمہارے سامنے غیبت کرتا ہے تو تمہیں یہ چیز بھلی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ فوراً سنتے ہی کہتا ہے **لاالہ الا اللّٰہ** یا **سبحان اللّٰہ** حالانکہ ان کلمات کی یہ جگہ نہیں ہے بلکہ اس وقت تو اپنے آپ کو سمجھانا چاہیے اور یہ تلقین کرنی چاہیے کہ اے نفس اللہ سے ڈر۔

فضیل بن عیاض کے صاحبزادے نے ایک دفعہ یہ کہا ابا جان میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی ایسی جگہ بیٹھ جاؤں جہاں سے میں سب کو دیکھتا رہوں اور وہ مجھے نہ دیکھ پائیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا اگر تمہاری یہ خواہش پوری ہو جاتی تو تم برباد ہو جاتے تو صاحبزادے نے فوراً کہا ایسی جگہ ہوتا جہاں میں نہ لوگوں کو دیکھ پاتا اور نہ لوگ مجھے دیکھ پاتے۔

فضیل بن عیاضؒ مکہ میں رہنے لگے تھے۔ پھر آخر کار مکہ ہی کو وطن اقامت بنا لیا۔ آپ کی وفات ۵ محرم ۱۸۷ھ میں ہوئی۔ (الاذکار)

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ سے معلوم ہوا کہ امام اوزاعی سے مقام ذی طویٰ میں ان کی ملاقات ہوئی تو سفیان نے ان کے

اونٹ کی نکیل پکڑ کر اونٹوں کی قطار سے علیحدہ کر کے نکیل کو گردن پر رکھ لیا۔ پھر سفیان جب بھی کسی جماعت کے پاس سے گزرتے تو کہتے لوگو ہٹ جاؤ یہ راستہ امام اوزاعیؒ کا ہے۔

امام اوزاعیؒ

ان کا نام عبدالرحمٰن بن عمرو بن یحمد ابوعمرو ہے۔ یہ اہل شام کے امام تھے۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ انہوں نے ستر ہزار مسائل کے جوابات دیئے ہیں۔ اوزاعی بیروت میں رہتے تھے۔

یحمد یاء پر پیش حاء پر ساکن ہے۔ امام نوویؒ نے **تہذیب الاسماء و اللغات** میں باء کے بجائے یاء اور یاء پر پیش اور جیم میں کسرہ کی تصریح کرتے ہیں۔

امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا اے عبدالرحمٰن! آپ ہی نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں میں نے کہا خدایا جی ہاں' آپ ہی کے فضل سے کرتا ہوں۔ پھر میں نے گزارش کی خدایا مجھے اسلام ہی پر اُٹھانا تو اللہ پاک نے فرمایا سنت پر بھی۔

امام اوزاعی کا انتقال

آپ کا انتقال ماہ ربیع الاول ۱۵۷ھ میں ہوا۔

بعض لوگ ان کی موت کا واقعہ یوں لکھتے ہیں کہ یہ ایک مرتبہ بیروت کے حمام میں داخل ہوئے۔ حمام کا مالک کوئی اور کام بھی کرتا تھا۔ چنانچہ وہ دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد آیا اور دروازہ کھولا تو پتہ چلا کہ آپ کی روح پرواز کر چکی ہے اور آپ کا داہنا ہاتھ رخسار کے نیچے اور منہ قبلہ کی طرف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ حمام کا دروازہ مالک کی عورت نے بغیر ارادہ کے بند کر دیا تھا۔

اوزاع دمشق کی ایک بستی کا نام ہے اور ابوعمرو یہاں کے رہنے والے نہیں تھے بلکہ کہیں سے آ کر مقیم ہو گئے تھے چنانچہ اسی بستی کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ یمن کے قیدیوں میں سے تھے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ اوزاعی بعلبک میں ۸۸ھ میں پیدا ہوئے اور حنتوس نامی بستی کی قبلہ مسجد میں دفن ہوئے۔ یہ مقام غالباً بیروت میں داخل ہوتے ہی پڑتا ہے۔ لیکن بستی والے ان کے مزار سے واقف نہیں ہیں بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں ایک نیک آدمی کی قبر ہے جس پر نور کی بارش ہوتی ہے۔ سوائے خواص کے اور کوئی نہیں جانتا کہ یہ قبر امام اوزاعی کی ہے۔

اونٹ کا شرعی حکم اس سے قبل ابل کے عنوان میں گزر چکا ہے۔ اونٹ پر سوار ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

> ''حضرت ابوالاس خزاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں حج کے لیے صدقہ کے ایک کمزور اونٹ پر سوار کیا تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ آپ ہمیں اس اونٹ پر سوار کریں تو آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر اونٹ کے کوہان میں شیطان ہوتا ہے لہٰذا تم جب بھی اس پر سوار ہوا کرو تو اللہ کا نام اسی طرح لیا کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے نام لینے کا حکم دیا ہے۔ پھر تم اس سے اپنی سواری کی خدمت لو۔ کیونکہ باری تعالیٰ نے ہی اس پر سوار ہونے کو کہا ہے۔''
>
> (رواہ احمد والطبرانی)

(امام بخاریؒ نے اپنی جامع صحیح کے ابواب زکوٰۃ میں اس میں سے بعض حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن انہوں نے مکمل حدیث

ذکر نہیں کی)

امثال اور کہاوتیں

اہل عرب کہتے ہیں:

(۱) **فلان اخف حلما من بعير.** ''اونٹ سے بھی زیادہ جلدی طیش میں آجانے والا ہے'' عقل کی کمی اور طیش کے لیے اونٹ سے مثال دی جاتی ہے اور اونٹ ہوتا بھی کینہ ور اور غضب ناک۔

(۲) **هما كر كبتى بعير.** ''وہ دونوں اونٹ کے دو زانو یا دو گھٹنوں کی طرح ہیں'' یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ دو چیزوں میں برابری کرنی ہوتی ہے۔ جیسے دوسری مثل ہے **هما كفرسى رهان** ''وہ دونوں ریس کے گھوڑوں کی طرح ہیں'' یعنی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ مثل سب سے پہلے ہرم بن قطبہ فزاری نے استعمال کی ہے۔ اس موضوع پر امام میدانی وغیرہ نے کافی تفصیل سے خامہ فرسائی کی ہے۔

(۳) **وهو كالحادى وليس له بعير.** ''وہ اس ہانکنے والے کی طرح ہے جس کے پاس اونٹ بھی نہ ہو'' یہ مثل اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو غیر مملوکہ چیز پر شیخی بگھارے یا وہ غیر مستحق چیز کی طرف منسوب ہو۔''

اس سے بھی زیادہ جامع اور بہترین مثال حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

المتشبع بما لم يعط كلابس ثوبى زور. ''جو شخص لوگوں میں بڑائی ظاہر کرنے کے لیے کہے کہ فلاں چیز میرے پاس ہے حالانکہ اس کے پاس نہ ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی فریب کے دو کپڑے پہن لے۔''

بعض بزرگوں نے کہا ہے ؎

اصبحت لا احمل السلاح ولا　　املك رأس البعير اذنفرا

''میں اس حال میں ہوں کہ نہ مجھ میں ہتھیار اُٹھانے کی قوت ہے اور نہ سفر کے وقت کسی اونٹ کے مالک بننے کی ہمت ہے۔''

والذئب اخشاه ان مررت به　　وحدى واخشى الرياح والمطرا

''اور بھیڑیا کے پاس سے تنہا گزرنے سے ڈرتا ہوں اسی طرح ہواؤں اور بارش سے بھی خوف لگتا ہے۔''

من بعد قوة ما اصيب بها　　اصبحت شيخا يعالج الكبرا

''قوت اور ہمت کے بعد جب میں گرفتار مصیبت ہوا ہوں تو ایسے بوڑھے کے مانند ہو گیا ہوں جو بڑھاپے کا علاج کر رہا ہو۔''

ذہانت اور ذکاوت

امام الفرج جوزی نے لکھا ہے کہ ابونواس لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اونٹ پر ایک عورت سے میری ملاقات ہوگئی۔ حالانکہ وہ مجھے پہچانتی نہ تھی اس نے اپنے چہرہ سے نقاب اُٹھایا تو وہ نہایت خوبصورت معلوم ہو رہی تھی۔ اس نے مجھ سے دریافت کیا تیرا کیا نام ہے؟ میں نے کہا (وجہک) تیرا چہرہ نام ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے کہا تیرا نام حسن ہوا۔

اس جیسے ذکاوت کے واقعات اور بھی ہیں۔ مثلاً ایک مرتبہ مامون الرشید عبداللہ بن طاہر کے اوپر غصہ ہو گئے۔ مامون الرشید نے اپنے ہم نشینوں سے طاہر کے قتل کے بارے میں مشورہ کیا۔ اتفاق سے اس مجلس میں طاہر کا دوست بیٹھا ہوا تھا اس نے طاہر کے پاس ایک

خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم یاموسیٰ!

جب طاہر کو یہ خط ملا اس نے مضمون پڑھا تو وہ حیرت میں پڑ گیا۔ دیر تک خط کو دیکھتا رہا لیکن اس کا مطلب نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ طاہر کے پاس ایک باندی کھڑی تھی اس نے کہا اے میرے آقا میں اس خط کا مطلب سمجھ رہی ہوں۔

یاموسیٰ ان الملا یاتمرون بک لیقتلوک. (القصص)

''اے موسیٰ اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ وہ آپ کو قتل کریں۔''

حالانکہ اس سے قبل طاہر نے مامون الرشید کے دربار میں جانے کا عزم کر لیا تھا۔ چنانچہ طاہر نے مامون کے پاس جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ بس یہی چیز ان کے بچنے کا سبب ہوئی۔

اس سے بھی اچھا واقعہ قاضی ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ایک دن بادشاہ اپنے کسی عامل پر ناراض ہو گیا تو بادشاہ نے اپنے وزیر کو یہ حکم دیا کہ اس عامل کے پاس خط لکھ کر اس کو مطلع کر دے۔ لیکن وزیر کو اس عامل سے محبت تھی۔ چنانچہ وزیر نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں خط تو لکھا لیکن مضمون کے آخر میں ان شاء اللہ بڑھا دیا۔ اور ان شاء اللہ کے نون کے شروع میں تشدید ڈال دیا۔ جب عامل نے خط پڑھا تو اسے یہ حیرت انگیز بات معلوم ہوئی کہ وزیر سے یہ حرکت کیوں ہوئی۔ اس لیے کہ مضمون نگار کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنی تحریر میں حرکت نہیں لگاتے۔ چنانچہ عامل تھوڑی دیر غور کرتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اس کا مقصد قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ کرنا ہے:

اِنَّ الْمَلَا یَاتَمِرُوْنَ بِکَ لِیَقْتُلُوْکَ.

''اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ تمہیں قتل کر دیں۔''

چنانچہ اس نے وہ خط وزیر کے نام تھوڑی سے ترمیم کر کے واپس کر دیا اور ترمیم یہ کہ تشدید کو اپنی جگہ سے ہٹا کر اس کی جگہ الف بنا دیا اور پھر مہر لگا کر خط واپس کر دیا۔ جب وہ خط وزیر کو ملا تو بہت خوش ہوا۔ اور سمجھ گیا کہ اس کی مراد اس ترمیم سے قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ عامل کی یہی مراد تھی:

اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا.

اونٹ کے طبی خواص

(۱) اونٹ کا گوشت پیشاب میں آرام دہ ہوتا ہے۔

(۲) اونٹ کے گوشت کا طلاء داد کے لیے مفید ہے۔

(۳) اونٹ کے پھیپھڑے کا طلا کلف (چہرے پر جھائیوں) کے لیے مجرب ہے۔

(۴) اونٹ کی چربی کا طلاء بواسیر کے لیے نافع ہے۔

(۵) اونٹ کے بال اگر کسی سلسل البول کے مریض کی ران پر باندھ دیئے جائیں تو سلسل البول کے لیے نافع ہوگا۔

(۶) اگر اونٹ کے پسینہ میں گیہوں کو بھگو کر چڑیوں کو کھلا دیئے جائیں تو وہ بے ہوش ہو جاتی ہیں۔

بغاث

بغاث. گدھ سے چھوٹا پرندہ۔ باء میں زبر' زیر' پیش تینوں پڑھے جاسکتے ہیں سبزی مائل سفید رنگ کا پرندہ ہوتا ہے جو گدھ سے چھوٹا اور اڑان میں سست ہوتا ہے۔ یہ پرندہ بہت شریر ہوتا ہے۔ اور اس کا شکار نہیں کیا جاسکتا۔

یونس کہتے ہیں جن لوگوں نے بغاث کو واحد کا صیغہ قرار دیا ہے ان کے نزدیک جمع **بغثان** 'غزالی اور غزلان کے وزن پر آتی ہے۔ جو حضرات **بغاثة** کا اطلاق نر اور مادہ دونوں پر کرتے ہیں ان کے نزدیک جمع نعامہ اور نعام کے وزن پر **بغاثة و بغثان** آتی ہے۔

شیخ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ جس مال پر پابندی لگا دی گئی ہو اس مال کو لے کر ولی سفر نہیں کرسکتا اس لیے کہ روایت میں ہے **ان المسافر و ماله لعلی ای هلاک** کہ "مسافر اور اس کا مال خطرہ سے خالی نہیں ہوتا۔" (المہذب فی باب الحجر) اسی سے عباس بن مرداس سلمیٰ کا شعر ہے ۔

بغاث الطیر اکثر ها فراخا وام الصقر مقلات نزور

"بغاث پرندہ زیادہ بچوں والا ہوتا ہے اور شکرے کی ماں کم بچے والی کم محبت رکھنے والی ہوتی ہے۔"

مقلات: میم کی زیر کے ساتھ اس لفظ کے کئی معنی آتے ہیں۔

(۱) ان عورتوں کو کہتے ہیں جن کے ۔ بچے زندہ نہ رہتے ہوں۔

(۲) ان اونٹنیوں کو کہتے ہیں جن کے ایک بچہ کے بعد کوئی دوسرا بچہ پیدا نہ ہو۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ مقلات ان پرندوں کو کہتے ہیں جو اپنے گھونسلے ہلاکت خیز جگہ پر بناتے ہوں۔

نزور: نون میں زبر ہے۔ ان کو کہتے ہیں جن میں محبت کم ہو اور نزر قلت (کم) کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

شرعی حکم: خبث ہونے کی وجہ سے اس کا گوشت حرام ہے۔

ضرب المثل

اہل عرب کہتے ہیں:

بارضنا یستنسر (ترجمہ) ہماری زمین میں بغاث بھی گرگس ہوتا ہے۔

یعنی جو ہمارے پڑوس میں رہتا ہے وہ معزز بن جاتا ہے۔ یہ ایسے معزز شخص کے لیے بولتے ہیں جس کے پاس ذلیل شخص بھی آکر معزز بن جاتا ہے یا کمزور آدمی قوی بن جاتا ہو۔

بَغَلُ

خچر۔ مشہور جانور ہے اس کی کنیت ابوالاسج' ابوالحرون' ابوالصفر' ابوقضاعہ' ابوقموص' ابوکعب' ابومختار اور ابوطعون وغیرہ ہیں اور بعض اس کو ابن ناہق بھی کہتے ہیں۔

بغل بفتحہ باء اور سکون غین معجمہ اور لام کے ساتھ لغت عربی ہے۔ فارسی میں اُستر اور ہندی میں خچر کہتے ہیں۔

خچر۔ گھوڑے اور گدھے سے مل کر پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے گدھے جیسی جسم میں سختی اور گھوڑے جیسی ہڈیاں ہوتی ہیں۔ اسی طرح اس

کی آواز بھی گھوڑے اور گدھے کی آواز کے درمیان ہوتی ہے۔ لیکن یہ بانجھ ہوتا ہے۔ اس کے بچے پیدا نہیں ہوتے۔ لیکن ابن بطریق نے ۴۴۴ھ کے حوادثات میں لکھا ہے کہ عجیب قسم کا خچر تھا جس سے ایک کالی گھوڑی اور سفید رنگ کا خچر پیدا ہوا۔ اس کے بعد ابن بطریق نے تعجب کا اظہار کیا ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خچر میں دو متضاد جانور سے مل کر پیدا ہونے کی وجہ سے متضاد اخلاق، مختلف طبیعتیں اور عادتیں اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہیں۔

اگر خچر کا باپ گدھا ہوتا ہے تو یہ گھوڑے کے زیادہ مشابہ ہوتا ہے۔ اگر باپ گھوڑا ہو تو گدھے سے زیادہ مشابہ ہوتا ہے اور تعجب خیز بات یہ بھی ہے کہ خچر کا ہر عضو گھوڑے اور گدھے کی مشابہت میں درمیانی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا اثر خچر کی عادت و اخلاق پر بھی نمایاں ہوتا ہے جیسے خچر کے اندر گھوڑے جیسی ذہانت اور سمجھ نہیں ہوتی اور نہ گدھے جیسی حماقت اور بے وقوفی ہوتی ہے۔

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ خچر کو دریافت کرنے والا قارون ہے۔

خچر میں گدھے جیسا صبر اور گھوڑے جیسی قوت ہوتی ہے۔ نیز دو مختلف جانوروں سے مل کر پیدا ہونے کی وجہ سے اس کے اخلاق فاسد اور دورنگے ہوتے ہیں۔ اسی معانی میں عرب شاعر نے کہا ہے ؎

خلق جدید کل یوم مثل اخلاق البغال

''نئی نئی عادتیں روزانہ خچروں کی طرح بدلتا رہتا ہے۔''

لیکن اس کے باوجود خچر جس راستہ میں ایک بار چل لیتا ہے دوبارہ اس کو نہیں بھولتا۔ اگرچہ یہ جانور دو مختلف جانوروں سے مل کر پیدا ہوتا ہے اس کے باوجود بادشاہوں کی سواری اور فقیروں، درویشوں کے بوجھ اٹھانے کے ساتھ اس کی حاجات کو پورا کرنے کا ضامن اور لمبا راستہ طے کرنے کے ساتھ صبر سے کام لیتا ہے۔ چنانچہ شاعر نے کہا ہے ؎

مرکب قاض و امام عادل و عالم و سید و کھل

''قاضی، منصف بادشاہ عالم اور ادھیڑ عمر کے سرداروں کی سواری ہے۔''

یصلح للرحل و غیر الرحل یہ سفر اور حضر کے لائق ہوتا ہے

سیدنا حسین بن علی اور خچر کی سواری

ایک مرتبہ عباس بن فرج نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ ایسے خچر پر سوار ہیں جس کے منہ کے بال بڑھاپے کی وجہ سے جھڑ گئے تھے ان سے کسی نے کہا کہ آپ اس خچر پر سوار ہیں حالانکہ آپ مصر میں بہترین کشتی (سواری) میں سوار ہوتے تھے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس سواری پر میں سوار ہوں مجھے اس پر کوئی ملال نہیں بلکہ ملال تو اخلاق فاسدہ پر ہے۔

ایک شامی کہتا ہے کہ ایک مرتبہ میں مدینہ منورہ گیا۔ ایک ایسے خوبصورت آدمی کو دیکھا کہ اس سے حسین خاموش اور خوبصورت میں نے اب تک کسی کو نہیں دیکھا تھا اور نہ اس جیسا بہتر کوئی جانور نظر سے گزرا تھا۔ وہ ایک خچر پر سوار تھا۔ اس حالت میں میں دیکھ کر ان کی طرف میلان ہو گیا۔ میں نے ان کے بارے میں لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ سیدنا علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ چنانچہ میں ان کے پاس آیا۔ حالانکہ میں ان سے بغض وعناد رکھتا تھا۔ میں نے ان سے کہا آپ ابوطالب کے صاحبزادے ہیں انہوں نے کہا نہیں میں ان کا پوتا ہوں۔ میں نے کہا کہ میں آپ کو اور آپ کے والد کو اور جد امجد علی بن ابی طالب کو برا

بھلا کہا کرتا ہوں۔ جب میری گفتگو ختم ہوگئی تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم مسافر معلوم ہوتے ہو میں نے کہا جی ہاں! پھر انہوں نے کہا آپ ہمارے ہاں چلئے۔ اگر آپ کو کسی اقامت گاہ کی تلاش ہو تو ہم آپ کو ٹھہرائیں گے۔ اگر مال کی ضرورت ہو تو ہم مدد کریں گے یا کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو ہم آپ سے تعاون کریں گے۔

وہ شامی کہتا ہے تھوڑی دیر کے بعد میں ان کے پاس سے چلا آیا۔ اس کے بعد سے روئے زمین پر ان سے محبت کرنے والا مجھ سے زیادہ کوئی نہ تھا۔ (الکامل المبرد)

علی بن حسین کے مختصر حالات اور خصائل حمیدہ

امام دمیریؒ کہتے ہیں علی بن الحسین رضی اللہ عنہ کو زین العابدین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ ان کی ماں کا نام سلامہ تھا۔ ان کے بڑے بھائی کا نام بھی علی تھا جو کربلا میں اپنے والد کے ساتھ شہید کر دیئے گئے تھے۔ انہوں نے اپنے والد محترم اور چچا حسن، جابر، عبداللہ بن عباس، مسور بن مخرمہ، ابو ہریرہ، صفیہ، عائشہ، ام سلمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ سے حدیثیں روایت کی تھیں۔

ابن خلکان کہتے ہیں زین العابدین کی ماں کا نام سلامہ تھا جو فارس کے آخری بادشاہ یزدجر کی بیٹی تھیں۔ (وفیات الاعیان)

زمخشریؒ کہتے ہیں یزدجر کی تین لڑکیاں تھیں جن کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قید کر لیا گیا تھا۔ ان میں سے ایک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی جس سے سالم پیدا ہوئے۔ دوسری لڑکی محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی جن سے قاسم پیدا ہوئے۔ تیسری لڑکی حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو ملی جن سے زین العابدین پیدا ہوئے۔ چنانچہ یہ سب ایک دوسرے کے خالہ کے بیٹے تھے۔ علی زین العابدین اپنے والد محترم کے ساتھ کربلا میں شریک ہوئے لیکن بچے ہونے کی وجہ سے بچ گئے۔ اس لیے کہ کربلا میں مخالف گروہ نے ہر خاندان والے کو قتل کر دیا تھا بالکل ان لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ خدائے پاک قاتلوں کا برا حال کرے اور ان کو ذلیل کر کے لعنت کرے۔ عبیداللہ بن زیاد نے علی زین العابدین کے قتل کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو اس ارادے سے باز رکھا۔ لیکن بعض تاجروں نے یزید بن معاویہ کو علی زین العابدین کے قتل کرنے کا مشورہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت بھی بچا لیا۔ اس کے بعد سے یزید بن معاویہ ان کی عزت و تکریم کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ان کے ساتھ بیٹھتا اور ان کو اپنے کھانے میں شریک کرتا۔ پھر یزید بن معاویہ نے انہیں مدینہ منورہ بھیج دیا۔ چنانچہ یہ وہاں جا کر محترم اور باعزت بن گئے۔ ابن عساکر کہتے ہیں کہ علی زین العابدین کی مسجد دمشق میں مشہور و معروف ہے۔ غالباً یہ مسجد شہر جامع علی کے نام سے مشہور ہے امام زہری کہتے ہیں کہ میں نے کسی قریشی کو ان سے افضل نہیں دیکھا۔ (ربیع الابرار)

محمد بن سعد کہتے ہیں کہ علی زین العابدین معتمد علیہ اور مامون آدمی تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت حدیثیں روایت کی ہیں اور یہ عالم آدمی تھے۔ اہل بیت میں ان سے بہتر آدمی کوئی نہیں تھا۔

امام اصمعیؒ کہتے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی نسل سوائے علی زین العابدین رضی اللہ عنہ کے کسی سے نہیں چلی اور زین العابدین رضی اللہ عنہ کی سوائے چچا حسن رضی اللہ عنہ کی لڑکی سے کسی اور سے نسل نہیں چلی اسی لیے تمام حسینیوں کا سلسلہ انہی سے جا ملتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ سیدنا زین العابدین وضو کرتے تھے تو ان کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا۔ اور جب یہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو خوفزدہ ہو جاتے۔ چنانچہ ان سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ آپ کی یہ حالت نماز کے وقت کیوں ہو جاتی ہے تو فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں اور کس سے سرگوشی ہوتی ہے؟

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ علی زین العابدین جس مکان میں رہتے تھے اس میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مکان میں آگ لگ گئی۔

جب نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا گیا کہ کیا حال ہے؟ جس وقت مکان میں آگ لگی تو آپ نے نیت کیوں نہیں توڑی؟ فرمایا کہ میں اس آگ سے دوسری آگ کی طرف متوجہ تھا۔

اہل علم لکھتے ہیں کہ جب آپ حج کرتے تو آپ تلبیہ کے وقت خوفزدہ ہوجاتے' چہرہ زرد ہوجاتا اور بے ہوش ہوکر گر پڑتے۔ جب افاقہ ہوتا تو آپ سے پوچھا جاتا تو آپ فرماتے کہ مجھے **لبیک اللّٰھم لبیک** کہتے وقت یہ خوف محسوس ہوتا ہے کہ کہیں یہ نہ کہہ دیا جائے **لا لبیک ولا سعدیک** (تم حاضر نہیں ہو) چنانچہ لوگ آپ کی حوصلہ افزائی کرتے اور یہ کہتے کہ تلبیہ کہنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ آپ تلبیہ کہتے تو بے ہوش ہوکر سواری سے گر جاتے۔ آپ چوبیس گھنٹے میں ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے اور آپ بہت زیادہ صدقات وخیرات کرتے بلکہ رات میں صدقہ زیادہ کرتے اور فرماتے کہ رات کا صدقہ پروردگار کے غصہ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور آپ بہت زیادہ روتے۔ آپ کو زیادہ رونے سے لوگوں نے منع کیا تو فرماتے حضرت یعقوبؑ' حضرت یوسفؑ کے گم ہوجانے پر اتنا روئے تھے کہ آپ کی آنکھیں سفید ہوگئی تھیں۔ اس کے باوجود ان کی موت واقع نہیں ہوئی تو میں کیسے نہ روؤں۔

علی زین العابدین یہ بھی کہتے کہ دس سے زائد آدمیوں کو دیکھا ہے کہ وہ ہر حج پر میرے گھر والوں کی طرف سے قربانی کرتے ہیں۔ جب آپ گھر سے باہر نکلتے تو یہ دُعا کرتے:

اَللّٰھم انی اتصدق الیوم اواھب عرفی الیوم عمن یغتابنی.

''اے اللہ! میں اپنی غیبت کرنے والے کے لیے آج صدقہ دے رہا ہوں اور اپنی آبرو ہبہ کر رہا ہوں۔''

علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی وفات

مؤرخین کا آپ کے سن وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک آپ کی وفات ۹۴ھ کے اوائل میں ہوئی۔ ابن فلاس کہتے ہیں کہ اس سال سعید بن مسیب سعید بن جبیر عروہ بن زبیر اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن وغیرہ کا انتقال ہوا ہے۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ آپ کی وفات ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں ہوئی ہے۔ لیکن مدائنی نے ۱۰۰ھ میں وفات کو حیرت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ بعض نے تصریح کی ہے کہ ۹۹ھ کے وقت آپ کی عمر ۵۸ سال کی تھی۔ آپ کو چچا حسن رضی اللہ عنہ کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

شیخ ابواسحٰق شیرازی فیروز آبادی

قاضی ابن خلکان جلال الدولہ ملک شاہ کی سوانح حیات میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ مقتدی بامر اللہ نے شیخ ابواسحٰق شیرازی فیروز آبادی کو (جن کی تصانیف النبۃ اور المندب وغیرہ ہیں) ملک جلال الدولہ کی صاحبزادی کا پیغام لے کر نیشاپور بھیجا تو جب اپنے کام سے فارغ ہوگئے تو امام الحرمین سے مناظرہ ہوگیا۔ پھر جب فیروز آبادی نیشاپور سے واپس ہونے لگے تو امام الحرمین رخصت کرنے کے لیے آئے تو یہ ان کی سواری کا رکاب اس وقت تک پکڑے رہے جب تک کہ فیروز آبادی اپنے خچر پر سوار نہ ہوگئے۔ فیروز آبادی خراسان میں بہت ہی زیادہ عزت وعظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کے لوگ اتنے معتقد تھے کہ خچر جہاں پاؤں رکھ دیتا تھا تو لوگ وہاں کی مٹی اُٹھا کر تبرک حاصل کیا کرتے تھے۔

فیروز آبادی زبردست امام' عالم باعمل' متقی' پرہیزگار' عابد وزاہد تھے۔ ان کی وفات ۴۷۶ھ میں ہوئی۔ (وفیات الاعیان)

امام الحرمین کی وفات

ابن خلکان کہتے ہیں امام الحرمین کی وفات ۴۷۶ھ میں ہوئی۔ جس دن ان کا انتقال ہوا تو بازار بند ہوگیا۔ جامع مسجد کے منبر توڑ

دیئے گئے۔ان کے شاگرد ۴۰۰ کے قریب گزرے ہیں۔ جب ان لوگوں کو استاذ کے انتقال کی خبر ملی تو ان سب نے دواتوں اور قلموں کو توڑ دیا۔اسی حالت میں ان لوگوں نے تقریباً کئی سال گزار دیئے۔ (وفات الاعیان)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک پڑوسی کا نام اسکافی تھا۔ یہ دن میں کام کرتا۔ جب رات کو گھر واپس آتا تو وہ کچھ پیتا۔نشہ طاری ہوتے وقت یہ شعر گنگناتا ؎

اضاعونی وای فتی اضاعو لیوم کریھة و سداد ثغر

''لوگوں نے مجھے تو ضائع کر دیا اور میرے علاوہ کون سے جوان ہیں جو میدان جنگ اور سرحد بندی میں برباد ہوئے ہیں۔''

اسکافی برابر پیتا اور یہی شعر دہراتا رہتا یہاں تک کہ اس کو نیند آ جاتی۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہر رات اس کے شور وغوغا کو سنتے اور نماز میں مشغول رہتے۔ایک دن اتفاق سے اس کی آواز نہ آئی تو امام صاحب نے اس کے بارے میں لوگوں سے دریافت کیا تو آپ کو کسی نے بتایا کہ اسکافی کو چند دن ہوئے رات کے پہرہ داروں نے پکڑ لیا ہے۔چنانچہ جب یہ بات امام صاحب معلوم ہوئی تو آپ نماز فجر پڑھ کر خچر پر سوار ہو کر امیر کے محل میں آئے اور ان سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ یہ سنتے ہی امیر نے حکم دیا کہ انہیں اجازت دے دی جائے اور ان کا استقبال سواری کی حالت میں کیا جائے اور انہیں اس وقت تک اندر نہ بلایا جائے جب تک کہ فرش نہ بچھایا جائے۔چنانچہ ان سب چیزوں کا اہتمام کیا گیا۔پھر انہیں مجلس میں آنے کی اجازت دی گئی۔امیر نے فرمایا کہ امام صاحب فرمایئے کیا ضرورت پیش آ گئی' آپ نے کیسے آنے کی زحمت فرمائی؟امام صاحب نے اپنے پڑوسی اسکافی کے بارے میں خلاصی کی سفارش کی۔ یہ سن کر امیر نے فرمایا اسکافی کو چھوڑ دیا جائے بلکہ اس رات سے آج تک جتنے لوگ گرفتار کئے گئے ہیں ان سب کو آزاد کر دیا جائے۔چنانچہ ان سب کو بھی رہا کر دیا گیا اور وہ سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

اس کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے خچر پر سوار ہو کر چل پڑے۔کیا دیکھتے ہیں کہ اسکافی پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کیا اسکافی ہم نے تم کو برباد کر دیا۔اسکافی نے کہا نہیں بلکہ آپ نے میری حفاظت فرمائی اور مجھے بچا لیا۔اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔آپ نے پڑوسی ہونے کا حق ادا کر دیا۔اس کے بعد اسکافی نے اس شغل سے توبہ کر لی۔پھر اس کے بعد کبھی اس نے ارتکاب نہیں کیا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ ہے۔یہ زبردست عالم باعمل گزرے ہیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا ہاں دیکھا ہے کہ اگر وہ اس دیوار کو یہ کہہ دیتے کہ یہ سونے کی ہے تو وہ اس کو مدلل کر کے ثابت کر دیتے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے' اشعار میں زہیر بن ابی سلمی کے' محمد بن اسحاق کے سیرت ومغازی میں' امام کسائی کے نحو میں' مقاتل بن سلیمان کے تفسیر میں تمام لوگ اہل وعیال ہیں۔اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قیاس میں امام تھے۔ انہوں نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز چالیس سال تک پابندی سے پڑھی تھی۔اور عام طور پر ایک رات میں پورا قرآن کریم ختم کر دیتے۔آپ رات میں اس قدر روتے کہ پڑوسیوں کو بھی رحم آنے لگتا۔جس جگہ آپ کی وفات ہوئی ہے اس جگہ آپ نے ستر ہزار مرتبہ قرآن کریم کو تلاوت میں ختم کیا ہے اور تیس سال تک افطار (ناشتہ) نہیں کیا۔آپ کے اندر سوائے عربی کم جاننے کے اور کوئی نقص نہیں،

تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوعمرو بن العلاء نے آپ سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی کو مثقل چیز سے قتل کر دے تو کیا قاتل پر قصاص واجب ہوگا یا نہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ قصاص واجب نہیں ہوگا (یہ جواب اپنے مذہب کے مطابق دیا تھا) اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔ پھر ابوعمرو بن العلاء نے سوال کیا۔ اگر کوئی گوپھن کے پتھر سے قتل کر دے تو کیا جواب ہے؟ آپ نے فرمایا چاہے کوئی ''ابو قبیس'' سے قتل کر دے تب بھی قصاص نہ ہوگا۔ اور کبھی امام صاحب کی طرف سے لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ آپ نے یہ جواب ان لوگوں کی زبان میں دیا ہے جو لوگ اسمائے ستہ[1] کو تینوں حالتوں میں الف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ چنانچہ عرب شاعروں نے کہا ہے ؎

ان اباھا وابا اباھا قد بلغا فی المجد غایتاھا

''واقعی اس کے آباء واجداد نے اپنے اپنے مقاصد میں شرافت و بزرگی کو حاصل کر لیا ہے۔''

یہ اہل کوفہ کی زبان ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کوفی ہیں۔ امام اعظم کی وفات بغداد کے قید خانہ میں ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ اور بعض نے اس کے علاوہ تاریخ وفات تحریر کی ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ان کی وفات قید خانہ میں نہیں ہوئی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کی وفات ان دن ہوئی جس دن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ اور بعض نے اس سال کا تذکرہ کیا ہے نہ کہ اس دن میں جیسے کہ اس سے قبل گزر چکا ہے۔ (تاریخ بغداد وفیات الاعیان)

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ امام کی وفات ۱۵۱ھ یا ۱۵۳ھ میں ہوئی۔ (تہذیب الاسماء)

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ جو اوپر کا شعر اسکافی کی حکایت میں گزرا ہے وہ عرجی عبداللہ ابن عمرو بن عثمانؓ بن عفان کا ہے۔ اس شعر کا نضر بن شمیل نے مامون الرشید کے دربار میں بطور استشہاد پڑھا تھا۔

نضر بن شمیل اور مامون رشید کی علمی گفتگو

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ نضر بن شمیل مامون الرشید کے دربار میں آئے تو دونوں حدیث کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ چنانچہ مامون الرشید نے ایک روایت ہشیم کی سند سے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تک روایت بیان کی اور وہ یہ ہے:

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت آدمی عورت کے دین اور خوبصورتی کی وجہ سے نکاح کر لیتا ہے تو وہ تنگی سے نجات پا جاتا ہے۔''

یہ روایت سن کر نضر بن شمیل نے کہا امیر المؤمنین ہشیم نے بالکل سچ روایت کی ہے۔ ہم سے بھی فلاں نے فلاں سے بیان کر کے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تک سند کا واسطہ پہنچا کر بیان کیا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت آدمی عورت کے دین و مذہب اور خوبصورتی کی وجہ سے نکاح کر لیتا ہے تو وہ تنگی سے نجات پا جاتا ہے۔''

نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ یہ سن کر مامون الرشید سیدھے بیٹھ گئے حالانکہ وہ تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر فرمایا نضر تم سداد کیسے کہتے ہو؟ تو میں نے جواب دیا کہ سداد یہاں غلط ہے۔ مامون نے کہا کیا تم میری اعراب کی غلطی نکال رہے ہو؟ میں نے کہا ہشیم نے اعراب کی غلطی کی ہے۔ چنانچہ امیر المؤمنین نے کہنا مان لیا۔ پھر فرمایا اچھا سداد کے زیر یا زبر پڑھنے میں کیا فرق پڑ جائے گا؟ میں نے کہا

---

[1] اسمائے ستہ یہ ہیں: ابو، اخو، حمو، ھنو، خو اور ذو۔ (ج)

سداد (زبر کے ساتھ) دین میں درستی اور میانہ روی کو کہتے ہیں اور سداد (زیر کے ساتھ) حاجت اور تنگی کو کہتے ہیں اور جس کو آپ درست کرلیں اس کو سداد (زیر کے ساتھ) کہتے ہیں۔ مامون نے کہا کیا تم کو اس سلسلے میں عرب شعراء کا کوئی شعر یاد ہے؟ میں نے کہا جی ہاں جیسے عربی کہتا ہے ۔

اضاعونی و ای فتی اضاعوا لیوم کریھۃ و سداد ثغر

''لوگوں نے مجھے تو ضائع کر دیا اور (میرے علاوہ) کون سے جوان ہیں جو میدان جنگ اور سرحد بندی میں برباد ہوئے ہیں۔''

چنانچہ مامون الرشید نے یہ سن کر ایک رقعہ میں کچھ لکھا اور ایک خادم سے کہا کہ یہ رقعہ لے کر نضر بن شمیل کے ساتھ فضل بن سہل کے پاس چلے جاؤ۔ جب فضل بن سہل نے وہ رقعہ کھول کر پڑھا تو یہ کہا اے نضر تم کو امیر المؤمنین پچاس ہزار دراہم بطور انعام دینے کو تحریر فرمایا ہے۔ آخر کیا معاملہ ہوا مجھے بھی بتاؤ۔

نضر کہتے ہیں کہ میں نے فضل بن سہل سے سارا واقعہ بیان کیا۔ یہ سن کر فضل بن سہل نے مزید تیس ہزار دراہم اور انعام دیئے۔ چنانچہ میں اسی ہزار دراہم ایک حرف کے بدلہ میں بطور انعام لے کر چلا آیا۔

نضر بن شمیل کا انتقال مقام مرو میں ۲۰۴ھ میں ہوا۔ (وفیات الاعیان)

ہارون الرشید کے ہاں امام یوسف کا علمی مقام

امام ابو یوسف، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ ان کا اصل نام یعقوب ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں بستر میں آرام کرنے کے لیے آیا تو اچانک کسی شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا میں باہر آیا تو معلوم ہوا کہ وہ ہرثمہ بن اعین ہے۔ انہوں نے کہا کہ چلئے آپ کو امیر المؤمنین ہارون الرشید یاد فرما رہے ہیں۔ یہ سن کر میں اپنے خچر پر سوار ہوا اور ڈرتا ہوا امیر المؤمنین کے گھر آ گیا۔ دروازے پر ہرثمہ سے پوچھا کہ بھائی امیر المؤمنین کے پاس اور کون بیٹھا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ عیسیٰ بن جعفر بیٹھے ہیں۔ پھر میں گھر میں داخل ہوا تو دیکھا امیر المؤمنین تشریف فرما ہیں اور انؓ کی داہنی طرف عیسیٰ بن جعفر بیٹھے ہیں۔ چنانچہ میں نے سلام کیا اور بیٹھ گیا۔

ہارون الرشید نے کہا ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ! میرے گمان میں ہم نے تم کو خوف میں مبتلا کر دیا ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم! ہاں بلکہ جو میرے پیچھے ہیں وہ بھی خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر ہارون الرشید تھوڑی دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا اے یعقوب کیا تم کو معلوم ہے کہ میں نے تم کو کیوں بلایا ہے؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ ہارون الرشید نے کہا میں نے تم کو اس لیے بلایا ہے تا کہ تم اس بات کے گواہ رہو کہ عیسیٰ بن جعفر کے پاس ایک باندی ہے میں نے ان سے یہ کہا کہ تم اس باندی کو مجھے ہبہ کر دو لیکن اس نے انکار کر دیا۔ خدا کی قسم! اگر یہ ہبہ نہ کرے گا تو میں اسے قتل کر دوں گا۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے عیسیٰ بن جعفر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تمہارے نزدیک باندی کی اس قدر اہمیت ہے کہ تم نے ہبہ کرنے سے انکار کر دیا ہے اور باندی سے تم نے اپنی قدر امیر المؤمنین کے یہاں گرا دی ہے۔ آخر کار وہ باندی بھی ہر حال میں تم سے چلی جائے گی۔ یہ سن کر عیسیٰ بن جعفر نے کہا کہ امیر المؤمنین نے دھمکی دینے میں بہت جلدی کر دی ہے۔ آخر کار کوئی بات یا کوئی عذر تو سننا چاہیے۔ میں نے کہا اچھا بتا کیا بات ہے یا کیا عذر ہے؟

عیسیٰ بن جعفر نے کہا کہ میں نے اس باندی کو طلاق اور آزاد نہ کرنے کی قسم کھائی ہوئی ہے اگرچہ میرا سارا مال کیوں نہ لٹ جائے اس لئے میں اس باندی کو فروخت نہیں کر سکتا اور نہ ہبہ کر سکتا ہوں۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ یہ سن کر ہارون الرشید میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ابو یوسف اس مسئلہ کا کوئی حل نکل سکتا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں نکل سکتا ہے۔ فرمایا کیسے؟ میں نے کہا یہ نصف باندی تو آپ کو ہبہ کر دے اور نصف باندی آپ کو فروخت کر دے تو گویا وہ باندی نہ ہبہ ہوگی اور نہ فروخت ہوگی۔ عیسیٰ بن جعفر نے کہا ابو یوسف کیا ایسا کرنا جائز ہے۔ میں نے کہا ہاں جائز ہے۔ عیسیٰ نے کہا اچھا آپ گواہ رہیے میں نے نصف باندی امیر المؤمنین کو ہبہ کر دی اور نصف ایک ہزار اشرفیوں کے عوض ان کے ہاتھ فروخت کر دی۔ ہارون الرشید نے کہا میں نے نصف باندی بطور ہبہ قبول کر لی اور نصف باندی ایک ہزار اشرفیوں کے عوض خرید لی۔ امام ابو یوسف نے کہا اچھا میرے پاس باندی اور مال لایا جائے۔ چنانچہ دونوں نے باندی اور مال حاضر کر دیا۔ امام ابو یوسف نے کہا اے امیر المؤمنین اب باندی کو لے لیجئے اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے۔

ہارون الرشید نے کہا اے یعقوب ایک چیز اور باقی رہ گئی ہے وہ بھی حل کر دیجئے۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا باندی تو مملوکہ ہے اور باندی سے حیض تک ترک جماع کرنا ضروری ہے۔ خدا کی قسم! اگر میں نے یہ رات باندی کے ساتھ نہ گزاری تو میری جان نکل جائے گی۔ میں نے کہا اے امیر المؤمنین آپ باندی کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لیں اس لیے کہ آزاد عورت کے لیے حیض تک ترک جماع کرنا ضروری نہیں ہے۔

ہارون الرشید نے کہا اچھا میں نے آزاد کر دیا کون نکاح پڑھائے گا؟ میں نے کہا میں نکاح پڑھا دوں گا۔ چنانچہ مسرور اور حسین کے سامنے میں نے خطبہ پڑھا اور اس باندی کا نکاح بیس ہزار اشرفیوں کے عوض مہر متعین کر کے ہارون الرشید سے کر دیا۔ اس کے بعد امام ابو یوسف نے کہا اچھا حضور عالی جاہ! آپ مہر کی رقم میرے پاس لے آیئے تاکہ میں اس عورت کو ادا کر دوں۔ چنانچہ مہر کی رقم لا کر ادا کر دی گئی۔

اس کے بعد امیر المؤمنین نے فرمایا ابو یوسف اب آپ جا سکتے ہیں۔ اور مسرور سے یہ کہا کہ تم دو لاکھ درہم اور بیس کپڑوں کے تخت ابو یوسف کو بطور انعام دیئے جاتے ہیں' ان کے گھر پہنچا دو۔ چنانچہ یہ انعام ابو یوسف کے گھر پہنچا دیا گیا۔ اھ (تاریخ بغداد)

خاموش رہنے والوں کی حکایت

بعض مؤرخین نے لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف کی مجلس میں ایک آدمی نہایت خاموش رہتا تھا کبھی کوئی بات پوچھتا ہی نہ تھا۔ ایک دن امام ابو یوسف نے اس سے یہ کہا کہ بھائی تم کبھی کچھ پوچھتے ہی نہیں ہو۔ اس نے کہا جی ہاں اگر آپ کہتے ہیں تو سوال کرتا ہوں۔ بتایئے کہ روزہ دار کب افطار کرے؟ آپ نے فرمایا جب سورج چھپ جائے۔ اس نے کہا اگر نصف رات تک سورج نہ چھپے تو روزہ کب افطار کرے؟ یہ سن کر امام ابو یوسف ہنس پڑے اور فرمایا واقعی تمہارے لئے خاموشی بہتر ہے۔ میں نے تمہیں اُبھارنے میں غلطی کی ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

عجبت لازراء الغبی بنفسه وصمت الذی قد کان بالقول أعلما

''میں غبی آدمی کو چھیڑ کر حیرت میں پڑ گیا جب اس نے خیالات کا اظہار کیا تو میں اس کی وجہ سے خاموش ہو گیا۔''

وفی الصمت ستر للغبی و انما صحیفة لب المرء ان یتکلما

''سکوت غبی کے لیے پردہ ہے۔ گفتگو کرنا آدمی کے دماغ کا صحیفہ ہے۔''

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک آدمی بعض علماء کی مجلس میں بیٹھتا لیکن بات بالکل نہ کرتا تھا۔ ایک دن اس سے یہ کہا گیا کہ بھائی تم

بالکل بات نہیں کرتے ہو۔اس نے کہا اچھا یہ بتایئے کہ ہر مہینے ایام بیض کے روزے کیوں مستحب ہیں؟ عالم نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا۔اس پر اس آدمی نے کہا کہ ایام بیض [1] کے روزے اس لیے مستحب ہیں کہ چاند کے انہی ایام بیض میں گہن لگتا ہے اس لیے اللہ جل شانہٗ نے یہ چاہا کہ آسمان میں کوئی نئی چیز ایسی سامنے نہ آئے جس کا ظہور زمین میں نہ ہوا ہو۔اس موضوع پر یہ بہت عمدہ واقعہ ہے۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ایک آدمی امام شعبی کی مجلس میں بیٹھا تھا اور برابر خاموش رہتا تھا۔ایک دن امام شعبی نے فرمایا بھائی تم بھی کچھ بولا کرو۔اس نے کہا میں خاموش رہتا ہوں تو محفوظ رہتا ہوں اور سنتا ہوں تو علم میں اضافہ ہوتا ہے اس لیے کہ آدمی کا نصیبہ اس کے لیے سننے میں رکھ دیا گیا ہے اور زبان میں نصیبہ کسی دوسرے کے مستفید ہونے کے لیے ہے۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ایک نوجوان امام شعبیؒ سے گفتگو کر رہا تھا تو امام شعبی نے فرمایا ہم نے یہ کبھی نہیں سنا ہے کہ جوان نے کہا کیا آپ نے ہر علم کو سن لیا ہے۔آپ نے فرمایا نہیں۔جوان نے کہا کچھ حصہ بھی نہیں سنا۔

شعبی نے فرمایا ہاں کچھ حصہ تو ضرور سنا ہے۔جوان نے کہا پھر یہ بات آپ کان کے اس خانہ میں رکھ لیجئے کہ جس کو آپ نے سنا ہے۔یہ سن کر امام شعبی خاموش ہو گئے۔

قاضی القضاۃ کا خطاب

امام ابو یوسف کو سب سے پہلے قاضی القضاۃ کا خطاب دیا گیا اور سب سے پہلے فقیہہ ہیں جنہوں نے علماء کا اس موجودہ نہج کے مطابق لباس متعین کیا ورنہ عام طور پر لوگوں کا لباس ایک ہی وضع قطع کا رہتا تھا۔کسی آدمی کو لباس کے ذریعے ممتاز نہیں کر سکتے تھے۔

ذہانت وظرافت

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن مسہر بغداد اور واسط کے درمیان چھوٹے سے شہر مبارک میں قاضی تھے۔جب ان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ امیر المؤمنین ہارون الرشید اور ان کے ساتھ امام ابو یوسف بصرہ تشریف لا رہے ہیں تو عبدالرحمٰن بن مسہر نے مبارک کے رہنے والوں سے کہا کہ تم لوگ میری ان دونوں کے سامنے تعریف کرنا۔شہر والوں نے انکار کر دیا۔چنانچہ انہوں نے لباس تبدیل کر کے ان دونوں سے ملاقات کی اور جاتے ہی کہا کہ قاضی تو بس ہمارے شہر کے ہیں۔پھر جب وہ لوگ دوسرے مقام پر پہنچے تو انہوں نے دوسری جگہ بھی پہنچ کر یہی جملہ کہا کہ قاضی تو بس ہمارے شہر کے ہیں۔یہ سن کر ہارون الرشید نے امام ابو یوسف کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا یہاں کے قاضی کی تعریف صرف ایک ہی آدمی کر رہا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کی کارکردگی درست نہیں ہے۔امام ابو یوسف نے کہا امیر المؤمنین تعجب کی بات یہ ہے کہ قاضی خود اپنی تعریف کر رہا ہے۔یہ سن کر ہارون الرشید ہنس پڑے اور فرمایا کہ یہ قاضی صاحب تو ظریف اور دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں ایسے لوگ معزول نہیں کیے جا سکتے۔

امام ابو یوسف کی وفات ماہ ربیع الاول ۱۸۲ھ میں ہوئی اور بعض لوگوں نے اس کے علاوہ تاریخ بیان کی ہے۔

خچر بے نسل کیوں ہوتا ہے

ایک مرتبہ موصل کے حاکم اپنے خچر سے گر پڑے تو ابوالسعادات مبارک بن الاثیر نے یہ اشعار کہے۔

ان زلت البغلة من تحته فان فی زلتها عذرا

---

[1] ایام بیض: قمری مہینے کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخیں۔(ج)

''اگر خچر ان کے نیچے سے پھسل گیا ہے تو یقیناً کسی عذر سے پھسل گیا ہے۔''

حملها من علمه شاهقا ومن ندى راحته بحرا

''انہوں نے جان بوجھ کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھایا ہے اور ان کے جودو کرم مثل دریا کے ہیں۔''

حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب فرمایا کرتے تھے کہ خچر کی نسل نہیں چلتی (اگرچہ خچر تمام جانوروں میں سب سے زیادہ تیز چلنے والا جانور ہے) کیونکہ جن جانوروں میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے لیے لوگ لکڑیاں جمع کرتے تھے ان میں خچر بھی تھا۔ چنانچہ آپ نے اس کے لیے بددعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے خچر کو اس لیے بے نسل بنا دیا۔ (تاریخ دمشق)

امام ابوحنیفہ کی ذہانت

اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارے پڑوس میں ایک چکی والا رافضی رہتا تھا۔ اس کے پاس دو خچر تھے۔ اس بدبخت نے ایک نام ابوبکر رکھا تھا اور دوسرے کا نام عمر رکھا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد رافضی نے ان میں ایک خچر کو نیزہ مار کر ہلاک کر دیا۔ چنانچہ جب میرے دادا جان (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا تم لوگ جا کر دیکھو جس خچر کو اس نے نیزہ مارا ہے اس کا نام عمر ہوگا۔ چنانچہ لوگ گئے دیکھا معلوم کیا تو وہی نکلا جو امام اعظم نے فرمایا تھا۔

سفیان بن ابان کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

عجیب وغریب فوائد

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ خچر پر سوار ہوئے تو وہ بدک گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے روک دیا اور ایک شخص کو اس پر قل اعوذ برب الفلق پڑھنے کا حکم دیا۔ جب پڑھا گیا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔'' (الکامل لابن عدی فی ترجمة خالد بن یزید العمریٔ المکی)

یہ حدیث ان شاءاللہ دابتہ کے عنوان میں بھی آ جائے گی۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کے تین اولاد ہو گئی ہو اور ان میں سے کسی ایک کا نام بھی محمد نہ رکھا ہو تو وہ بڑا بے رحم ہے اور اگر تم اس کا نام محمد رکھو تو اسے گالی نہ دو نہ برا بھلا کہو اور نہ اس کو مارو پیٹو بلکہ اس کے ساتھ عزت واکرام، عظمت وشرف کا معاملہ کرو۔'' (الکامل لابن عربی)

عبداللہ بن زریر غافقی مصری کہتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خچر بطور ہدیہ پیش کیا تو آپ نے اس پر سواری کی۔ لوگ کہنے لگے کہ ہم گدھے کو گھوڑی سے ملا دیں تو ہمیں بھی یہ حاصل ہو جائے۔ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہی کریں گے جنہیں علم نہیں۔'' (رواہ ابوداؤد، النسائی)

ابن حبان کہتے ہیں کہ علم نہیں رکھنے سے مراد اس فعل سے منع کرنا ہے۔

امام خطابی بھی اسی کے قریب قریب معنی بیان کرتے ہیں کہ جب گدھے کو گھوڑی سے ملا دیا جائے گا تو گھوڑے کے فوائد ختم ہو جائیں گے۔ ان کی تعداد میں قلت پیدا ہو جائے گی۔ ان کی نسل منقطع ہو جائے گی۔ حالانکہ لوگ گھوڑے کو بطور سواری اور دیگر ضرورتوں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ گھوڑوں پر بیٹھ کر دشمنوں سے جنگ اور مال وغیرہ حاصل کرتے ہیں۔

فقہی مسائل اور گھوڑے کی فضیلت

اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے اور جتنا حصہ مجاہد کا مال غنیمت پر لگایا جاتا ہے اتنا ہی گھوڑے کے حصہ میں بھی آتا ہے۔

اور یہ تمام فوائد خچر میں حاصل نہیں ہوتے اور نہ لوگ خچر کو ان کاموں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ انہی تمام فضائل اور خوبیوں کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے گھوڑے کو پسند فرمایا ہے اور آپؐ کی یہ خواہش تھی کہ گھوڑوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے ان کی نسل بڑھتی رہے اس لیے کہ گھوڑوں میں بے شمار منافع اور خیر و برکت ہے۔

اگر گھوڑا گدھیوں سے جفتی کرتے ہوں تو اس صورت میں نہی کے ذیل میں نہ آنے کا احتمال ہے۔ الا یہ کہ کوئی یہ تاویل کرنے لگے کہ حدیث کی مراد گھوڑے کے قسموں کی گدھوں کی نسلوں سے حفاظت مقصود ہے۔ اور ان دونوں کے ملنے کی کراہت پیش نظر ہے تا کہ دو مختلف جانوروں کی قسموں سے کوئی مرکب نسل نہ تیار ہو جائے۔ اس لیے کہ دو قسموں سے مل کر جو جانور پیدا ہوتے ہیں وہ عام طور پر جن جانوروں سے پیدا ہوتے ہیں ان سے زیادہ خبیث اور سرکش نکلتے ہیں۔ مثلاً بھیڑیئے کا بچہ جو بجو یا لگڑ بگڑ سے پیدا ہوتا ہے اور کتے کا بچہ جو مادہ بھیڑ سے پیدا ہوتا ہو وغیرہ۔

خچر کے فضائل و فوائد

یہ خچر بانجھ جانور ہوتا ہے نہ اس کی نسل چلتی ہے۔ نہ تو چالاک ہوتا ہے نہ سیدھا ہوتا ہے۔ علامہ دمیری فرماتے ہیں کہ مجھے یہ رائے بھلی معلوم نہیں ہوتی اس لیے کہ قرآن پاک میں اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً. (النحل:۸)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خچروں کا اس کے مخصوص نام کے ساتھ ذکر کر کے احسان جتلایا ہے۔ جس طرح گھوڑوں اور گدھوں جیسی سواری کا ذکر فرما کر احسان جتلایا ہے اور جو اس میں فوائد و منافع ہیں اس پر بھی توجہ دلائی ہے اور جو چیزیں ناپسندیدہ و مذموم ہوتی ہیں قابل تعریف نہیں ہوتیں اور نہ ان پر سواری کی جا سکتی ہے اور نہ اس کے ذریعے احسان جتلایا جا سکتا ہے۔ حالانکہ نبی پاک ﷺ نے خچر کو استعمال فرمایا ہے اور سواری کے لیے اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ نے سفر اور حضر دونوں میں سواری کی ہے۔ اگر یہ ناپسندیدہ اور مکروہ چیز ہوتا تو آپ اسے نہ اختیار فرماتے اور نہ استعمال کرتے۔ اھ

چنانچہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

> نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ بنی نجار کے باغ میں اپنے خچر پر سوار جا رہے تھے اور ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے کہ اچانک آپ کا خچر اس طرح بدک گیا کہ خطرہ ہونے لگا کہ کہیں وہ آپؐ کو گرا نہ دے وہاں چار پانچ یا چھ قبریں تھیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جانتا ہے کہ یہ کس کی قبر ہے؟ ایک شخص نے جواب دیا کہ جی ہاں میں جانتا ہوں۔ تو آپؐ نے سوال کیا کہ ان کی وفات کب ہوئی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ لوگ حالت شرک میں مرے ہیں تو آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ عذاب میں مبتلا ہیں۔ پھر فرمایا کہ اگر تم اظہار نہ کرتے تو ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے کہ جس طرح اس عذاب قبر کو ہم سن رہے ہیں تمہیں بھی سنا دیں۔ پھر آپؐ نے اپنے روئے مبارک کو ہماری طرف پھیر کر ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت سے عذاب قبر سے پناہ مانگو تو ہم لوگوں نے دُعا کی ہم پناہ مانگتے ہیں اللہ کی عذاب قبر سے۔ پھر فرمایا اللہ کی پناہ مانگو جہنم کے عذاب سے۔ تو ہم لوگوں نے کہا ہم پناہ مانگتے ہیں اللہ کی عذاب جہنم سے۔ پھر فرمایا پناہ مانگو ظاہر و باطن کے ہر فتنوں سے' تو ہم

لوگوں نے کہا ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ہر ظاہری اور باطنی فتنوں سے۔ پھر فرمایا کہ اللہ کی پناہ مانگو فتنہ دجال سے تو ہم لوگوں نے کہا ہم پناہ مانگتے ہیں اللہ کی دجال کے فتنہ سے۔" (مسلم)

دلدل نامی خچر

رسول اللہ ﷺ جس خچر پر سفر وغیرہ میں سوار ہو کر جاتے تھے اس کا نام دلدل تھا اور یہ مادہ تھی جیسے کہ اس کی تائید ابن صلاح وغیرہ نے کی ہے۔ یہ خچریا حضور ﷺ کی وفات کے بعد زندہ رہی بڑھیا ہونے کے بعد اس کے داڑھ کے دانت جھڑ گئے تھے۔ چنانچہ اس کے لیے جو موٹا پیس کر کھلاتے تھے۔ یہاں تک کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں بقیع غرقد قبرستان کے قریب مر گئی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا یہ خچر سیاہ سفید رنگ کا تھا۔

فقہی مسائل

حافظ قطب الدین شرح جامع صغیر سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے (بغل) خچر پر سوار ہونے کی قسم کھالی پھر وہ مادہ خچریا نر خچر پر سوار ہو گیا تو حانث ہو جائے گا۔ اس لیے کہ لفظ (بغل) خچر اسم جنس ہے جس کا اطلاق نر اور مادہ دونوں پر کیا جاتا ہے۔ بالکل یہی مسئلہ خچر کا بھی ہے۔

عربی کے لفظ بغلۃ میں جو ہاء ہے وہ افراد (تنہا اور اکیلے) کے لیے ہے اور ہائے افراد نر اور مادہ دونوں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ جس طرح کہ جرادۃ اور تمرۃ (ٹڈی۔ کھجور) میں ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے بغلۃ (خچریا) میں سوار نہ ہونے کی قسم کھالی اس کے بعد پھر وہ خچریا خچریا میں سوار ہو گیا تو بھی حانث ہو جائے گا۔

حافظ قطب الدین مزید تحریر کرتے ہیں کہ محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا خچر نر تھا نہ مادہ پھر اس کے بعد آپ کے لیے پانچ خچر مزید تیار کیے گئے۔ (شرح الیسرۃ)

حضور اکرم ﷺ کے معجزات کا ذکر

امام سہیلی کہتے ہیں غزوہ حنین کے ذکر میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بطحاء سے خچر پر سوار ہو کر ایک مٹھی مٹی اُٹھائی تھی جس کو کفار کے چہروں پر شاھت الوجوہ (کفار کے چہرے بدشکل ہو جائیں) کہہ کر پھینک دی تھی۔ چنانچہ کافروں کا لشکر اس سے شکست کھا گیا۔

حضور اکرم ﷺ نے جس وقت زمین سے مٹی اُٹھانے کا ارادہ کیا تو خچریا نے اپنے پیٹ کے حصے کو زمین سے لگا دیا تھا جس سے آپؐ نے زمین سے آسانی کے ساتھ مٹی اُٹھالی۔ پھر وہ خچریا کھڑی ہو گئی۔ اس خچریا کا نام بیضا تھا جس کو غالباً فروہ بن نعامہ نے ہدیہ کیا تھا۔

"انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں غزوہ حنین میں جس وقت مسلمان شکست کھانے لگے تو رسول اللہ ﷺ اپنی سیاہ و سفید خچریا پر سوار تھے جس کو دلدل کہتے تھے۔ آپ نے دلدل کو مخاطب کر کے فرمایا دلدل جھک جا۔ چنانچہ اس نے سنتے ہی پیٹ کو زمین پر لگا دیا یہاں تک کہ آپؐ نے ایک مٹھی اُٹھالی۔ پھر اسے کفار کے چہروں کی طرف پھینک دیا اور فرمایا کفار فتح یاب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ کفار شکست کھا گئے۔ حالانکہ ہم نے نہ تیر چلائے نہ نیزے برسائے اور نہ تلوار سے مارا۔"

(رواہ الطبرانی فی معجمہ الاوسط)

''شیبہ بن عثمان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کے دن اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے بطحاء سے ایک مٹھی مٹی اُٹھا دیجئے چنانچہ خچریا سمجھ گئی سنتے ہی جھک گئی یہاں تک کہ اس نے اپنا شکم زمین سے ملا دیا۔ اتنے میں آپؐ نے حصباء سے مٹی اُٹھا کر کفار کے چہروں کی طرف پھینک دی اور فرمایا شاہت الوجوہ (کفار کے چہرے بدشکل ہو جائیں) وہ فتح یاب نہیں ہو سکتے۔'' (رواہ الطبرانی فی معجمتہ الاوسط)

خزیمہ بن اوس کہتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ہجرت کر کے چلا گیا۔ چنانچہ میں تبوک سے لوٹتے وقت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور مسلمان ہو گیا۔ اس وقت میں نے یہ سنا کہ آپؐ فرما رہے ہیں کہ یہ مقام حیرہ ہے اور جو مجھ پر پیش کیا جائے گا اور عن قریب تم اسے فتح کرو گے اور وہاں شیماء بنت نفیل ازدی ہے جو سیاہ سفید خچریا میں کالی اوڑھنی ڈالے ہوئے سوار ہے۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اگر ہم حیرہ میں داخل ہو گئے اور شیماء کو اس حالت پر پا گئے تو شیماء میری ہو گی۔ آپؐ نے فرمایا اچھا وہ تمہاری ہو جائے گی۔ اس کے بعد ہم خالد بن ولید کے ساتھ حیرہ کا ارادہ کر کے چلے۔ جب حیرہ میں ہم داخل ہوئے تو سب سے پہلے ہم نے جس سے ملاقات کی وہ شیماء بنت نفیل تھی۔ اس کو ہم نے اسی حالت میں پایا جس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ سیاہ و سفید خچریا میں کالی اوڑھنی ڈالے ہوئے سوار ہے۔ جاتے ہی میں شیماء سے لپٹ گیا اور میں نے کہا کہ اس کو رسول اللہ ﷺ نے مجھے دے دیا ہے۔ یہ سن کر خالد بن ولید نے کہا کہ تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ چنانچہ میں نے دلیل سے ثابت کر دیا تو انہوں نے مجھے دے دی۔ تھوڑی دیر کے بعد شیماء کا بھائی عبدالمسیح آ گیا۔ اس نے کہا کیا تم مجھے میری بہن کو فروخت کر سکتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا جو چاہو اس کی قیمت لگاؤ۔ میں نے کہا ایک ہزار درہم سے کم میں نہیں دے سکتا۔ چنانچہ اس نے مجھے ایک ہزار درہم ادا کر دیئے۔ پھر اس نے مجھ سے کہا اگر تم مجھ سے اس وقت ایک لاکھ درہم لے لیتے تو میں اس وقت دینے پر مجبور تھا۔ میں نے کہا ایک ہزار درہم سے زیادہ میں لے بھی نہیں سکتا تھا۔

طبرانی کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس بات کا گواہ محمد بن مسلم رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ (رواہ الطبرانی وابونعیم)

خچر حلال ہے یا حرام

گھریلو گدھے اور گھوڑے سے مل کر پیدا شدہ جانور کا گوشت حرام ہے۔ اس لیے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''ہم نے حنین کے دن خچروں اور گدھوں اور گھوڑوں کو ذبح کیا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سب کو گدھوں اور خچروں سے تو منع فرمایا لیکن گھوڑوں سے منع نہیں فرمایا۔''

حرام ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ یہ خچر دو جانور ایک حلال دوسرا حرام سے مل کر پیدا ہوتا ہے اس لیے حرمت کے پہلو کو ترجیح ہو گی۔ اس لیے کہ خچر جنگلی گدھے اور حلال گھوڑے سے مل کر پیدا ہوتا ہے۔

اور جو حدیث ابو واقد نے بیان کی ہے کہ:

''بعض قوم کے خچر مر گئے۔ لیکن کھانے کے لیے اس کے علاوہ ان کے پاس اور کچھ نہیں تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپؐ نے انہیں کھانے کے لیے رُخصت دے دی۔'' (رواہ البزاز باسناد صحیح)

یہ حدیث اس بات پر محمول کی جائے گی کہ وہ لوگ اضطراب کی حالت سے گزر رہے تھے اور وہ اس قدر بھوکے تھے کہ انہیں مرنے کا خطرہ ہو گیا تھا تو آپؐ نے انہیں مردار خچر کا گوشت حلال کر دیا تھا۔

ایک جزئی مسئلہ

اگر کسی نے زید کے لیے مرنے کے بعد خچر یا دینے کی وصیت کی تو اس وصیت سے بیل شامل نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ اگر خچر کی وصیت کی تو خچر یا شامل ہو جائے گی اور **بغلة** میں تاءوحدت کے لیے ہے جس طرح کہ **ثمرة** اور **زبية** میں تاءوحدت کے لیے ہے۔ جمع یا مونث کی نہیں ہے۔

ضرب الامثال

(۱) **قيل للبغل من ابوک قال الفرس خالی.** ''خچر سے پوچھا گیا کہ تیرا باپ کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ گھوڑا میرا ماموں ہے۔'' یہ مثل اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو اپنے معاملہ میں غلط سلط اور فساد رکھتا ہو۔

(۲) **فلان اعقر من البغل.** ''فلاں خچر سے زیادہ بانجھ ہے۔'' یعنی اس کی نسل بالکل ہی نہ چلنے والی ہے۔

(۳) **فلان اعقم من بغلة.** ''فلاں خچر سے زیادہ بانجھ'' یعنی اس کی نسل بالکل ہی نہ چلنے والی ہے۔

(۴) اہل عرب کہتے ہیں **هو اعيب من بغلة ابی دلامة.** ''وہ آدمی ابودلامہ کے خچر سے بھی زیادہ عیب دار ہے۔''

دلچسپ واقعات

ابودلامہ کا نام زند بن جون ہے جو نہایت سیاہ فام کوفہ کا رہنے والا تھا۔ یہ بنو اسد کا غلام تھا۔ اس کے بہت سے دلچسپ واقعات مشہور ہیں۔ مثلاً ابودلامہ کا لڑکا بیمار ہو گیا تو اس نے ایک طبیب کو ایک مقررہ اجرت متعین کر کے دوا کرنے کے لیے بلایا۔ جب اس کا لڑکا شفا پا گیا تو ابودلامہ نے کہا خدا کی قسم ہمارے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ ہاں تمہیں ایک تدبیر بتلاتا ہوں' فلاں یہودی بہت مال دار ہے تم اس کے خلاف اجرت کی بازیابی کے لیے دعویٰ کرو میں اور میرا لڑکا دونوں گواہ رہیں گے۔ چنانچہ وہ طبیب قاضی ابن لیلیٰ کے پاس دعویٰ کرنے کے لیے گیا۔ یہودی بلایا گیا تو اس نے انکار کر دیا۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے کوئی گواہ ہے۔ طبیب نے کہا جی ہاں۔ قاضی نے کہا کون ہے انہیں حاضر کرو۔ چنانچہ ابودلامہ اشعار پڑھتے ہوئے آیا قاضی اس کے اشعار کو سن رہے تھے

ان الناس غطو نی تغطیت عنهم وان بحثوا عنی ففيهم مباحث

''لوگوں نے مجھے چھپایا ہے تو میں بھی چھپ گیا ہوں۔ اگر وہ میرے بارے میں تحقیق کریں گے تو میں بھی ان سے تحقیق کروں گا۔''

وان نبشو بئری نبشت بارهم ليعلم قوم كيف تلک النبائث

''اگر وہ میرا کنواں کھود کر مٹی نکالیں گے تو میں بھی ان کے کنوؤں سے نکال لوں گا تا کہ لوگ جان لیں کہ وہ نکالی ہوئی مٹی کیسی ہے۔''

جب ابودلامہ اور ان کے بیٹے نے شہادت دی تو قاضی نے کہا تم دونوں کی شہادتیں قبول ہیں اور تم لوگوں کی گفتگو سن لی گئی۔ اس کے بعد قاضی نے اپنی جیب سے طبیب کو رقم ادا کی۔ گویا کہ قاضی نے دونوں مصلحتوں کا خیال کر کے یہ حسن سلوک کیا۔

اسی جیسا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ ابودلامہ قاضی عافیہ بن یزید کے ایک آدمی پر مقدمہ دائر کرنے گیا اور یہ اشعار پڑھے

لقد خاصمتنی غواة الرجال وخاصمتهم سنة وافية

''اوباش لوگوں نے مجھ سے جھگڑا کر لیا چنانچہ میں بھی ان سے ایک سال تک لڑتا رہا۔''

فما ادحض الله لی حجة وما خيب الله لی قافية

"چنانچہ خدانے میری کسی دلیل کو باطل نہیں کیااور نہ اس نے مجھے کسی شعر میں نا کام کیا۔"

فمن کنت من جورہ خائفا فلست اخافک یا عافیة [1]

"لہٰذا کون ہے جس کی زیادتی سے میں ڈرتا ہوں اوراے عافیہ تجھ سے بھی میں نہیں ڈرتا۔"

یہ سن کر عافیہ نے کہا میں تمہاری امیر المؤمنین سے ضرور شکایت کروں گا۔اس آدمی نے کہا آپ کیا شکایت کریں گے۔قاضی نے کہا اس لیے کہ تو نے میری ہجو کی ہے۔ابودلامہ نے کہا اگر آپ میری شکایت کریں گے تو امیر المؤمنین آپ کو معزول کر دیں گے۔قاضی نے کہا کیوں معزول کر دیں گے۔ابودلامہ نے کہا کہ آپ ہجو اور تعریف کا فرق نہیں سمجھتے۔

امام ابوالفرج بن الجوزی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابودلامہ شاعر خلیفہ مہدی کے دربار میں آیا۔اس نے خلیفہ کو اتنا بہترین قصیدہ سنایا کہ امیر المؤمنین مہدی نے کہا اچھا دلامہ مانگ جو مانگنا ہو۔ابودلامہ نے کہا مجھے ایک کتا دے دیجئے۔یہ سن کر مہدی غصہ ہو گیا اور فرمایا کہ میں کہہ رہا ہوں کہ کوئی ضرورت کی چیز مانگو تم کتا مانگنے لگے۔ابودلامہ نے کہا ضرورت تو مجھے ہے یا آپ کو؟ امیر المؤمنین نے کہا نہیں ضرورت تم کو ہے۔ابودلامہ نے کہا بس پھر مجھے شکار کرنے کے لیے کتے کی ضرورت ہے۔چنانچہ مہدی نے ایک کتا دینے کا حکم فرمایا۔ ابودلامہ نے کہا امیر المؤمنین میں شکار کھیلنے جا رہا ہوں تو کیا شکار دوڑتے ہوئے ننگے پاؤں کروں گا اس کے ساتھ سواری بھی دے دیجئے۔

چنانچہ امیر المؤمنین نے ایک جانور دینے کا حکم صادر فرمایا۔پھر ابودلامہ نے کہا اس جانور کی نگرانی کون کرے گا؟ امیر المؤمنین نے ایک غلام دینے کا حکم دیا۔ابودلامہ نے کہا میں جس وقت شکار کھیل کر آؤں گا تو اسے کون پکائے گا؟ امیر المؤمنین نے ایک باندی دینے کا حکم فرمایا۔ابودلامہ نے کہا یہ ساری چیزیں رات میں کہاں رہیں گی؟ یہ سن کر امیر المؤمنین نے ایک گھر دینے کا حکم دیا۔ابودلامہ نے کہا مجھ پر اہل وعیال کے ایک ہجوم کا بوجھ ہے میں آخر ان لوگوں کو کہاں سے کھلاؤں گا؟ تو اس پر امیر المؤمنین بولے کہ تیرے لیے ایک ہزار بیگھہ آباد یا غیر آباد زمین کے دینے کا فیصلہ کرتا ہوں۔

امیر المؤمنین کا دوسرا لفظ غامر تھا اس لیے ابودلامہ کو پوچھنے کی ضرورت پیش آئی کہ عامر (آباد) تو میں جانتا ہوں مگر یہ غامر کیا بلا ہے؟ امیر المؤمنین نے کہا "غیر آباد" ابودلامہ ہنس کر بولا تو پھر میں آپ کو ایک لاکھ بیگھہ غیر روح زمین چٹیل میدان میں دیتا ہوں آپ مجھے اس کے بدلہ میں صرف ایک ہی بیگھہ قابل کاشت دے دیجئے۔امیر المؤمنین بولے کہ کہاں سے دوں۔دلامہ نے کہا کہ بیت المال سے۔مہدی نے چمک کر کہا کہ اس سے سب مال واپس لے لو اور ایک بیگھہ زمین قابل کاشت دے دو۔تو دلامہ نے کہا کہ جب آپ دیا ہوا مال لے لیں گے تو سب ہی غیر آباد ہو جائے گا۔مہدی ہنس پڑا اور پھر دے دلا کر خوش کر دیا۔

امام ابوالفرج بن الجوزی نے محمد بن اسحٰق السراج کے حوالہ سے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ داؤد بن رشید بیان کرتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ ہشیم بن عدی سے کہا کہ آپ یہ بتائیے کہ یہ خلیفہ مہدی نے سعید بن عبدالرحمٰن کو قاضی کیوں بنایا تھا اور اتنا اہم عہدہ کیوں سپرد کر دیا تھا۔ہشیم بن عدی نے جواب دیا کہ اس کی داستان بہت دلچسپ ہے۔اگر تم دلچسپی سے سننا چاہو تو میں تمہیں تفصیل سے بتا سکتا ہوں۔ داؤد بن رشید نے کہا میں ضرور دلچسپی سے سنوں گا۔ہشیم نے کہا اچھا غور سے سنو جس وقت مہدی خلیفہ بنایا گیا تو اچانک سعید بن عبدالرحمٰن ربیع دربان کے پاس آئے اور کہا کہ میں امیر المؤمنین مہدی سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں آپ اجازت لے دیجئے۔ربیع نے کہا

---

[1] یہاں عافیہ کا لفظ دو معنی ہیں: اس کے معنی صحت اور سلامتی کے بھی آتے ہیں۔(ج)

آپ کون ہیں اور کس ضرورت سے تشریف لائے ہیں؟ سعید نے کہا کہ میں نے امیر المؤمنین مہدی سے متعلق ایک بہترین خواب دیکھا ہے' میں انہی سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ربیع نے کہا او سعید! لوگ جو خواب دیکھتے ہیں اس کو وہ اپنے لیے صحیح نہیں سمجھتے تو پھر دوسرے کا دیکھا ہوا خواب وہ کیسے مان لیں گے۔ اس کے علاوہ تم کوئی دوسری تدبیر کرو جو اس سے زیادہ مؤثر ہو۔ سعید نے دربان سے کہا اگر تم میری خبر امیر المؤمنین تک نہ پہنچاؤ گے تو میں کسی دوسرے کو وسیلہ بناؤں گا اور میں اس سے یہ بھی بتاؤں گا کہ میں نے ان سے اجازت طلب کی تھی لیکن انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ اتنی بحث کرنے کے بعد دربان ربیع خلیفہ مہدی کے پاس گیا اور عرض کیا آپ نے اچھا لوگوں کو لالچ میں مبتلا کر رکھا ہے یہاں تک کہ لوگ طرح طرح کے حیلے تلاش کر کے آتے ہیں۔ خلیفہ مہدی نے جواب دیا بادشاہوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔

دربان نے کہا دیکھئے ایک شخص دروازے پر کھڑا ہوا یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے امیر المؤمنین مہدی کے متعلق ایک بہترین خواب دیکھا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ وہ براہ راست آپ ہی سے بیان کرنا چاہتا ہے۔

مہدی نے کہا ربیع تمہارا برا ہو جو میں خواب دیکھتا ہوں وہ کبھی صحیح نہیں ہوتا۔ شاید کہ جو خواب دیکھنے کا دعویٰ کرتا ہے اس نے میرے لیے کوئی خواب گھڑ لیا ہو۔ ربیع نے اپنے دل میں سوچا کہ شاید اس کا دیکھا ہوا خواب بادشاہ کے یہاں قبول نہ ہوگا۔ اتنے میں خلیفہ مہدی نے کہا اچھا اس آدمی کو بلاؤ۔ چنانچہ دربان نے سعید بن عبدالرحمٰن کو اندر بلا کر حاضر کر دیا۔ سعید بن عبدالرحمٰن خوبصورت' بارُعب بظاہر مالدار' لمبی داڑھی اور شگفتہ بیان آدمی تھا۔

مہدی نے کہا سعید بتاؤ تم نے کیا خواب دیکھا ہے۔ خدا برکت عطا فرمائے۔

سعید نے جواب دیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک شخص آیا اس نے کہا کہ تم امیر المؤمنین سے کہہ دو کہ وہ تیس سال اور خلافت کریں گے اور اس خواب کی تصدیق وہ خواب کرے گا جس کو آپ خود اس رات میں دیکھیں گے۔ آپ ایک یاقوت کو دو سے بدلیں گے جس سے تیس یاقوت پیدا ہو جائیں گے اور وہ آپ کو دے دیئے جائیں گے۔

یہ سن کر خلیفہ مہدی نے کہا تم نے بہت عمدہ خواب دیکھا ہے۔ اگر میں نے آنے والی رات میں اس خواب کو دیکھ لیا تو تیرے سچ اور جھوٹ کا امتحان ہو جائے گا۔ اگر واقعی میں نے تمہارے کہنے کے مطابق دیکھ لیا تو میں تمہیں خواہش کے مطابق انعام سے نوازوں گا۔ لیکن اگر تمہاری اطلاع کے مطابق میں نے خواب نہیں دیکھا تو میں سزا بھی دوں گا۔ اس لیے کہ خواب کا معاملہ بالکل الگ ہے کبھی واقعی منظر کشی ہوتی ہے اور کبھی خواب تھوڑے سے فرق کے ساتھ دکھائی دیتا ہے۔ سعید نے کہا اے امیر المؤمنین میں اس وقت کیا کروں جس وقت میں اپنے گھر بال بچوں کے پاس واپس جاؤں گا اور انہیں یہ بتاؤں گا کہ میں امیر المؤمنین کے پاس گیا تھا۔ پھر وہاں سے خالی ہاتھ واپس آیا۔ مہدی نے کہا اچھا بتا ہم کیا کریں؟ سعید نے کہا جو میں چاہتا ہوں وہ آپ جلدی سے عنایت فرما دیجئے اور میں خواب کے سچ دیکھنے کے بارے میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر خواب سچ نہ ہوا تو میری بیوی کو طلاق ہے۔ یہ سن کر مہدی نے سعید کے لیے دس ہزار درہم دینے کا حکم فرمایا اور یہ بھی کہا کہ انعام دیتے وقت ان کی کوئی ضمانت بھی لے لے۔

یہ سن کر سعید کی آنکھیں خلیفہ کی طرف اُٹھیں۔ کیا دیکھتے ہیں کہ خلیفہ مہدی کے پاس ایک نہایت خوبصورت نوکر کھڑا ہے۔ سعید نے اسے دیکھ کر کہا یہ نوکر میری ضمانت لے گا۔ مہدی نے نوکر سے کہا کیا تم سعید کی ضمانت لیتے ہو؟ یہ سن کر نوکر کا چہرہ سرخ ہو گیا اور شرمندہ ہو گیا۔ پھر نوکر نے کہا ہاں میں سعید کی ضمانت لیتا ہوں۔ اتنے میں سعید مال لے کر گھر کی طرف چل دیئے۔

جب رات ہوئی تو خلیفہ نے بالکل ویسا ہی خواب دیکھا جیسے کہ سعید نے خبر دی تھی۔ جب صبح ہوئی تو سعید فوراً دروازہ پر حاضر ہو

گئے۔اجازت مانگی' چنانچہ انہیں اجازت دے دی گئی۔ جب مہدی نے سعید کو دیکھا تو فرمایا: سعید خواب دیکھنے کے بارے میں جو تم نے بتایا تھا وہ کہاں پورا ہوا۔ سعید نے کہا کیا واقعی امیر المؤمنین نے خواب نہیں دیکھا اور جواب دینے پر سعید تتلانے لگے۔ سعید نے کہا اگر واقعی آپ نے خواب نہیں دیکھا تو میری بیوی کو طلاق۔

مہدی نے کہا تمہارا برا ہو تم کو کس نے طلاق دینے پر مجبور کیا ہے۔ سعید نے کہا میں اپنی سچائی پر طلاق کی قسم کھا رہا ہوں۔ مہدی نے کہا خدا کی قسم! جس طرح تم نے بتایا تھا بالکل میں نے اسی طرح خواب دیکھا۔ سعید نے سن کر کہا اللہ اکبر! امیر المؤمنین جو آپ نے وعدہ فرمایا ہے وہ فوراً پورا کیجئے۔ امیر المؤمنین نے کہا اعزاز و اکرام کے ساتھ پورا کیا جائے گا۔ اس کے بعد مہدی نے تین ہزار اشرفیاں' دس کپڑے کے تخت (جامہ دان) اور تین اپنی ذاتی سواریوں میں سے انعام دیا اور بعض مؤرخین نے تین سفید و سیاہ خچر کا ذکر کیا ہے۔

چنانچہ سعید یہ انعام لے کر واپس جانے لگے کہ اتنے میں سعید کے پاس وہ نوکر آیا جس نے ان کی ضمانت لی تھی اور کہا میں تمہیں اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں' جس خواب کا تم نے ذکر کیا ہے آیا اس کی کچھ حقیقت بھی ہے یا کہ نہیں؟ سعید نے کہا خدا کی قسم کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔ نوکر نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے جیسے آپ نے امیر المؤمنین سے بتایا تھا اسی طرح انہوں نے خواب بھی دیکھ لیا۔ سعید نے کہا اس قسم کی باتیں بزرگوں کی خرق عادات میں سے ہیں جن کی مثال نہیں مل سکتی۔ جب میں نے امیر المؤمنین سے خواب کے بارے میں تذکرہ کیا تو انہوں نے سوچا غور و فکر کیا۔ انہیں یہ بات انوکھی معلوم ہوئی۔ یہاں تک کہ ان کے دل پر یہ بات راسخ ہو گئی۔ اس کے بعد سے وہ متفکر ہو گئے۔ اسی حالت میں وہ سو گئے ہوں گے۔ چنانچہ جو بات ان کے ذہن میں یاد ماغ میں تھی اس کو انہوں نے خواب کی شکل میں دیکھ لیا۔ یہ سن کر نوکر نے کہا آپ نے جو طلاق کی قسم کھائی ہے اس کا کیا ہوگا؟ سعید نے کہا میں نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی ابھی دو طلاق کا مجھے اختیار ہے۔ اس کے بدلہ میں مہر میں دس دراہم زائد دے دوں گا اور اس کے عوض میں دس ہزار دراہم' تین ہزار اشرفیاں اور دس قسم قسم کے کپڑوں کے تخت اور تین سواریاں حاصل کر ہی چکا ہوں یہ سن کر نوکر حیران ہو کر رہ گیا۔

سعید نے کہا خدا کی قسم میں نے تم سے یہ بات بالکل سچ سچ بتا دی ہے اور تم نے میری ضمانت لی ہے اس کے بدلہ میں میں نے بالکل سچ بات کہہ دی ہے اب تم اس کو راز میں رکھنا۔ چنانچہ اس غلام نے ایسے ہی کیا۔

ہشیم کہتے ہیں جب ہی سے خلیفہ مہدی نے انہیں ہم نشینی کے لیے طلب کر لیا تھا اور سعید' مہدی کے ہم نشین ہو گئے اور بادشاہت سے فائدہ اُٹھا کر اسی دوران مہدی نے اپنے لشکر کا قاضی بنا دیا۔ چنانچہ مہدی کے انتقال تک قضاء کے منصب پر فائز رہے۔

ابو الفرج بن الجوزی کہتے ہیں کہ ہم نے یہ حکایت اسی طرح سنی ہے لیکن مجھے اس واقعہ کی صحت میں شک معلوم ہوتا ہے اور قاضیوں سے اس قسم کی باتوں کا صدور نہ ہونا چاہیے۔ (کتاب الاذکیاء)

اس واقعہ کے بارے میں ائمہ کرام کی رائے

- امام دمیریؒ کہتے ہیں سعید بن عبد الرحمٰن کے اس واقعہ کے بارے میں امام احمدؒ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
- یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ سعید بن عبد الرحمٰن ثقہ آدمی تھے۔ اس واقعہ کی تہمت ہشیم بن عدی کے ذمہ ہے۔ اس کے بعد یحییٰ نے فرمایا کہ ہشیم صحیح آدمی نہ تھے جھوٹ بولا کرتے تھے۔
- علی بن عدی کہتے ہیں کہ میں اس قسم کی باتوں کو پسند نہیں کرتا۔
- ابو داؤد عجلی کہتے ہیں کہ ہشیم جھوٹے آدمی تھے۔

○ ابراہیم بن یعقوب جرجانی کہتے ہیں کہ ہشیم کمینہ آدمی تھا جس کا انکشاف ہو گیا تھا۔
○ ابوذرعہ کہتے ہیں کہ ہشیم کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

ایک راہزن پادری نما

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک فوجی شام کے علاقے میں ایک بستی کی طرف جا رہا تھا۔ جب اس نے چند فرسخ کا راستہ طے کر لیا تو وہ تھک گیا۔ اس کے پاس ایک خچر یا تھی جس کے اوپر سفر کا ضروری سامان لدا ہوا تھا۔ شام کا وقت بھی قریب آ رہا تھا اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا گرجا گھر ہے اور اس میں ایک راہب ہے۔ راہب نے اسے دیکھ کر اس کا استقبال کیا اور اس نے اپنے پاس رات گزارنے کے متعلق پوچھا تاکہ وہ اس کے لیے مہمان نوازی کا انتظام کر سکے۔ چنانچہ اس فوجی نے رات میں قیام کے بارے میں حامی بھر لی۔

فوجی کہتا ہے کہ جس وقت میں گرجا گھر میں داخل ہوا تو مجھے پادری کے سوا کوئی دوسرا نظر نہ آیا۔ اتنے میں پادری نے میری خچر یا کو ایک طرف لے جا کر باندھ دیا اور اس کو گھاس چارہ ڈالا۔ اور میرا اسباب ایک کمرے میں لے جا کر رکھا۔ گرم پانی لایا' سردی کڑا کے کی پڑ رہی تھی۔ برف گرنے کا زمانہ تھا۔ آگ جلائی اور بہت عمدہ کھانا میرے لیے لایا۔ چنانچہ میں نے کھانا کھایا۔ جب رات کا ایک حصہ گزر گیا تو سونے کی تیاری کرنے سے پہلے میں نے اس سے یہ معلوم کیا کہ بیت الخلاء کدھر ہے؟ اس نے بتایا کہ بیت الخلاء اوپر ہے اور اس کا راستہ مجھے دکھلایا۔ جب میں رفع حاجت کے لیے اوپر پہنچا اور بیت الخلاء کے دروازے پر قدم رکھا تو ایک بڑی سی چٹائی پر نظر پڑی اور میں نے اس پر جیسے ہی قدم رکھا دھم سے میدان میں گرجا گھر سے باہر آ گرا۔ گویا اس بدبخت نے وہ چٹائی چھت سے باہر اس طرح لٹکائی تھی کہ اس پر ذرا سا بوجھ پڑے تو فوراً آدمی جا گرے۔ میں نے گرنے کے ساتھ شور مچانا شروع کیا مگر پادری نے کوئی جواب نہ دیا۔ خیر مجھے چوٹ تو ضرور آئی مگر کوئی ہڈی وغیرہ نہیں ٹوٹی تھی۔ اس برف باری کے عالم میں جاڑے سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ آخر کار برف سے بچنے کے لیے گرجا گھر کے دروازے کی محراب میں کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں اوپر سے ایک وزنی پتھر آ کر گرا۔ اگر مجھ پر گرتا تو پیس کر رکھ دیتا۔ میں وہاں سے نکل کر بھاگا۔ وہ پادری مجھے گالیاں دیتا رہا۔ جس سے میں سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو اسی پادری بدبخت کی شرارت ہے جو مجھے لوٹنے اور جان سے مارنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔

جب میں محراب سے باہر آیا تو برف باری کے عالم میں کھلے آسمان کے نیچے کھڑا ہوا تھا۔ میرا سارا بدن اور کپڑے بھیگ گئے۔ تب میں نے سوچا جان بچانے کی کوئی صورت اختیار کرنی چاہیے۔ ورنہ میں صبح تک اکڑ کر مر جاؤں گا۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ تدبیر آئی کہ ایک دو تین دھڑی کا پتھر ڈھونڈ کر اسے اپنے کندے پر رکھ کر ادھر اُدھر میدان میں بھاگوں۔ چنانچہ میں نے یہی تدبیر اختیار کی جس کی وجہ سے جسم میں گرمی آ گئی۔ پھر پتھر اُتار کر کچھ دیر کے لیے آرام کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد سردی نے پریشان کیا تو پھر پتھر اُٹھا کر یہی ورزش کی۔ غرض کہ میں صبح تک یہ کرتا رہا۔ سورج نکلنے سے پہلے میں نے گرجا گھر کے دروازے کھلنے کی آواز سنی۔ میں نے جو آگے بڑھ کر غور سے دیکھا تو پادری باہر نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے وہاں مجھے تلاش کیا جہاں میں رات کو بالائی منزل سے نیچے گرا تھا۔ جب اس نے وہاں نہ پایا تو پادری نے بڑبڑاتے ہوئے کہا ارے وہ مسافر کہاں گیا۔ میں نے پادری کی بات سن لی۔ اتنے میں پادری آگے چلا اور میں اس کے پیچھے سے آہستہ سے گرجا کے دروازے میں داخل ہو گیا اور کواڑ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ پادری مجھے تلاش کر کے تھوڑی دیر کے بعد لوٹ آیا اور آ کر دروازہ بند کرنے لگا۔ میں ایک طرف چھپا کھڑا ہی تھا۔ جوں ہی وہ پلٹا اور میری طرف اس کی نگاہ اُٹھنے ہی والی تھی کہ میں نے خنجر نکال کر اس کو نیچے گرا کر اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیا اور اسے ختم کر کے میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر گرجا کا دروازہ بند کر

کے میں اوپر گیا۔ آگ جو پہلے سے سلگ رہی تھی اسے اور مزید لکڑیاں ڈال کر روشن کیا اور خوب سینک کر اپنے بدن میں گرمی پیدا کی۔ اس کے بعد گیلے کپڑے اُتار کر اپنے سامان میں سے دوسرے کپڑے نکال کر پہنے اور پادری کی چادر اوڑھ کر سو گیا۔ رات کا جاگا ہوا تھا۔ چنانچہ مجھے خوب نیند آئی۔ عصر کے وقت تک سوتا رہا۔ آنکھ کھلی تو بھوک لگ رہی تھی۔ اُٹھ کر گرجا میں گھوما پھرا۔ باورچی خانہ میں گیا تو کھانے پینے کا اچھا خاصہ ذخیرہ ملا۔ سیر ہو کر کھانا کھایا تو جان میں جان آئی اور طبیعت میں نشاط پیدا ہوا۔

وہیں مجھے گرجا کے دیگر کمروں کی چابیاں مل گئیں اب میں نے سکون کے ساتھ ایک ایک کمرہ کھول کر دیکھا تو وہاں ہر طرح کے سامان کے انبار لگے ہوئے تھے۔ قیمتی چیزیں' سونا اور چاندی سواریوں کے کجاوے' قسم قسم کے آلات' طرح طرح کے اسباب سے بھرے پڑے تھے۔ جس سے میں نے خوب سمجھ لیا کہ پادری ایک قسم کا راہزن تھا جو کسی مسافر کو تنہا ادھر سے گزرتے دیکھتا تو جس طرح اس نے میرے ساتھ معاملہ کیا ایسا ہی معاملہ دوسروں کے ساتھ بھی کرتا ہوگا اور اسے دھوکہ سے مار کر اس کے سامان پر قبضہ کر لیتا ہوگا۔ اب میں نے سوچا اتنے بڑے ذخیرے کو کس طرح یہاں سے منتقل کروں اور اپنے بارے میں ادھر سے گزرنے والوں کو شبہ نہ پیدا ہونے دوں۔ تو اچانک یہ تدبیر ذہن میں آئی کہ صبح کو پادری کا لباس پہن لیا اور اسے پہن کر گرجا کے اوپر جاتا اور چھت پر ٹہلنے لگتا۔ نیچے سے گزرنے والے دور سے یہ سمجھتے کہ وہی پادری ہے اور قریب آتے تو میں پشت کر کے دوسری طرف چلا جاتا۔

اسی طرح چند روز گزارے کسی کو میری حالت کا پتہ نہ چل سکا۔ اس کے بعد میں نے تلاش کر کے دو خرجیاں نکالیں ان پر بہت قیمتی اور اچھا اچھا سامان بھر لیا۔ پھر پادری کا لباس اُتار کر اپنے کپڑے پہن کر اور یہ خرجیاں اپنے خچر پر لاد کر پاس کی بستی میں گیا اور ایک مکان کرایہ پر لے کر اس میں ٹھہر گیا اور موقع بہ موقع اس گرجا کے سامان کو اس مکان میں خچر پر لاد کر منتقل کرتا رہا۔ چونکہ سامان بہت تھا اس لیے خچر پر شروع شروع میں وہی چیزیں منتقل کیں جو اپنے سائز اور وزن کے لحاظ سے تو کم مگر قیمتی اور عمدہ تھیں۔ البتہ وزنی اور بڑی چیزیں وہیں چھوڑ دیں۔ آخر ایک دن میں نے اس کا بھی بندوبست کیا۔ بہت سے خچر اور گدھے کرائے پر حاصل کیے اور کچھ مزدور لیے اور یہ سب سامان لاد کر ایک قافلہ کے ہمراہ وہاں سے چل پڑا اور تمام مال غنیمت لے کر اپنے گھر آ گیا سامان کافی قیمتی تھا اور کافی تعداد میں تھا چنانچہ اسی ہزار دراہم اور کافی اشرفیاں اور بہت ہی نفیس وقیمتی سامان میرے ہاتھ آیا اور میں نے اس میں سے قیمتی سامان زمین میں دفن کر کے چھوڑ دیا جس کی کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ (کتاب الاذکیاء)

حافظ ابن شاکر نے اس واقعہ کو ابو محمد بطال کے حوالہ سے قلم بند کیا ہے لیکن اس میں ذرا سی ترمیم ہے۔

طبی خواص

اگر خچر کے دل کو خشک کر کے اس کو تراش کر تراشے کو کسی عورت کو پلا دیا جائے تو وہ کبھی بھی حاملہ نہیں ہو سکتی اسی طرح اگر اس کے کان کے میل کو کوئی عورت اپنی شرمگاہ میں رکھ لے تو وہ بھی حاملہ نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی عورت اس کے کان کے میل کو خچر کی چرم میں رکھ کر پہن لے تو جب تک وہ پہنے رہے گی حاملہ نہیں ہو سکتی۔

اگر کوئی گنجا آدمی خچر کے کھروں کی راکھ کو باریک کر کے اس کو تیل میں ملا کر لگاتا رہے تو اس کو شفا نصیب ہو گی۔ یہی نسخہ جس جگہ بال نہ آئے ہوں استعمال کرنا فائدہ مند ہے۔

کالی خچر یا کے کھر یا اس کا خون دروازے کی چوکھٹ یا سیڑھی کے زینے میں دفن کر دینے سے کوئی چوہا وغیرہ نہیں آ سکتا۔ اسی طرح اگر خچر کے کھروں سے گھر میں دھونی دی جائے تو چوہے اور کیڑے مکوڑے بھاگ جاتے ہیں۔

خچر کا ذکر مازو کے ساتھ کوٹ کر روغن زیتون میں ملا کر بالوں میں ملیں تو بالوں کو سیاہ کر دیتا ہے اور بالوں کو بڑھانے کے لیے مفید

ہے۔

خچر کا گوشت درد مفاصل کے لیے اور چربی اس کی نقرس اور عرق النساء کے لیے مجرب ہے۔ ابن زہر نے سقراطیس کے حوالہ سے لکھا ہے اگر کوئی کسی آدمی پر عاشق ہو گیا ہو اور وہ یہ چاہتا ہو کہ اس کی اس شخص سے محبت یا عشق ختم ہو جائے تو وہ خچر کے لوٹنے کی جگہ پر لوٹا کرے تو اس کا عشق جاتا رہے گا۔ لیکن اگر وہ کسی عورت پر فریفتہ ہو گیا تو وہ خچریا کے لوٹنے کی جگہ پر لوٹا کرے تو اس کا عشق جاتا رہے گا۔

اگر کسی کو زکام ہو گیا ہو تو وہ اس کے گوبر کو سونگھنے کے بعد تھوک کر راستہ میں پھینک دے تو جو بھی اس کے گوبر کے اوپر سے گزرے گا اس کا زکام گزرنے والے کی طرف منتقل ہو جائے گا اور تھوکنے والا تندرست ہو جائے گا۔

ہرمس نے لکھا ہے کہ اگر حاملہ عورتیں خچر کے کان کے میل کو لے کر چاندی کے بندقہ میں رکھ کر پہن لیں تو جب تک وہ پہنے رہیں گی ولادت نہیں ہوگی۔

اگر کوئی اس کے کان کے میل کو نبیذ میں ملا کر نوش کرے تو اسی وقت نشہ میں آجائے گا۔

اگر کوئی عورت خچر کے پیشاب کو تین دراہم کی مقدار میں نوش کر لے تو وہ کبھی بھی حاملہ نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح اگر کوئی حاملہ عورت خچر کے تھوڑے سے دماغ کو بھی پی لے تو اس کا بچہ مجنون اور پاگل پیدا ہوگا۔

ابن بختیشوع نے لکھا ہے کہ اگر کوئی عورت خچریا کے پسینے کو روئی میں جذب کر کے شرمگاہ میں رکھ لے تو وہ کبھی بھی حاملہ نہیں ہو سکتی۔

تعبیر

خواب میں خچر پر سواری کرنا سفر پر دلالت کرتا ہے اور درازی عمر کی طرف اشارہ کرتا ہے اور کبھی خواب دیکھنے والے کو ولد الزنا (حرامی) ہونے کی تعبیر دی جاتی ہے۔

اگر کسی ایسے آدمی نے خواب میں خچر کو دیکھا جس کا ارادہ سفر وغیرہ کا بالکل نہیں ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ کسی سخت قسم کے آدمی سے مغلوب ہوگا۔ خچریا کو خواب میں دیکھنا مرتبہ اور عزت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔

بعض معبرین نے یہ لکھا ہے کہ خچریا کو خواب میں دیکھنا بانجھ عورت ہونے کی علامت ہے۔

کالے رنگ کی خچریا مال و دولت اور سفید رنگ کی خچریا شرافت اور عزت کی پیش گوئی کرتی ہے۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ خچریا بھی خواب میں سفر درپیش ہونے کی علامت ہوتی ہے۔ اگر کسی نے خواب میں یہ دیکھا کہ وہ اپنی خچریا سے اُتر کر بالکل جدا ہو گیا ہے تو گویا وہ اپنے مرتبہ سے نیچا ہو جائے گا۔ یا وہ اپنی بیویوں سے جدائی اختیار کرے گا۔ اس لیے کہ اہلیہ بھی آدمی کی ایک طرح کی سواری ہوتی ہے یا یہ کہ خواب دیکھنے والوں کا سفر طویل ہو جائے گا۔

خچروں کا گوشت اور ان کی کھال کی تعبیر مال سے کی جاتی ہے اور کبھی خچر کی تعبیر ایسے مرد سے کی جاتی ہے جس میں کوئی شرافت نہ ہو جیسے غلام اور چرواہا اور حرامی بچہ۔ لیکن یہ مرد قوی اور سخت ہوگا اور اگر خواب میں خچریا کو دیکھا تو اس کی تعبیر بانجھ عورت سے دی جاتی ہے۔

البغیبغ

ہرن۔ عربی میں البغیبغ موٹے نر ہرن کو کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل باب ظا میں ظبی کے عنوان میں آجائے گی۔

البقر الاهلی

گھریلو گائے۔ بیل۔ البقرۃ اسم جنس کا' جس کا اطلاق نر اور مادہ دونوں پر ہوتا ہے۔ اس میں تاء وحدت کی ہے جمع کی نہیں ہے۔ جمع بقرات آتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سبع بقرات سمان. ترجمہ: سات موٹی گائیں۔ (یوسف)

مبرد نحوی کہتے ہیں کہ تمیز کے طور پر یوں استعمال کریں گے **هذا بقرة** (یہ ایک بیل ہے) نر کے لیے اور **هذه بقرة** (یہ ایک گائے ہے) مادہ کے لیے۔ جیسے کہ نر کے لیے **هذا بطة** (یہ ایک بطخ ہے) اور مادہ کے لیے **هذه بطة** (یہ ایک بطخ ہے) بولتے ہیں۔

بقیر. بقران. باقران ریوڑوں کے لیے استعمال کرتے ہیں جن کی دیکھ بھال چرواہے کر رہے ہوں اور لفظ **بیقور** صرف ریوڑ کے لیے بولتے ہیں۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

اجاعل أنت بیقور مسلعة ذریعة لک بین اللّٰه والمطر

''تم گائیوں کے ریوڑوں کو رہنما بنا رہے ہو۔ کیا یہ فعل بارش اور خدا کے درمیان واسطہ بن سکتا ہے۔'' (الکامل للمبرد)

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ اہل یمن گائے بیل کو **بقرة** کے بجائے **باقورة** کہتے ہیں جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے پاس کتاب صدقہ میں تحریر فرمایا تھا: **فی کل ثلاثین باقورة بقرة** (ہر تیس گائے پر ایک گائے یا بیل واجب ہوگا)۔

بقرة کالفظ **بقر**: **بقراً** باب فتح سے ماخوذ ہے جس کے معانی پھاڑنے اور کھولنے کے آتے ہیں۔ کھیتی کاشت کاری میں چونکہ بیل زمین کو جوتتے اور پھاڑتے ہیں اس لیے اسے **بقرة** کا نام دیا گیا اور اسی وجہ سے محمد بن علی بن زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہ کو **الباقر** کہتے ہیں اس لیے کہ وہ علم کو کھول کر اس کی گہرائی میں پہنچ گئے۔ اس کے بارے میں حدیث شریف میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتنہ کے ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ فتنہ' **وجوه البقر** ''یعنی گائے بیل کے چہروں کی طرح ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں گے جس طرح کہ قرآن پاک میں ہے:

ان البقر تشابه علینا. (بقرہ)

حدیث شریف میں یہ بھی الفاظ وارد ہیں:

رجال بایدیهم سیاط کأذناب البقر یضربون بها الناس.

''کچھ لوگ ہوں گے جن کے ہاتھوں میں گایوں کے دم جیسا کوڑا ہوگا اور وہ اس سے لوگوں کو مارا پیٹا کریں گے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

سمعت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یقول ان طالت بک حیاة یوشک ان تری قوما یغدون فی سخط اللّٰه ویروحون فی لعنته فی ایدیهم مثل اذناب البقر. (رواہ الحاکم)

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرمایا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اگر تمہاری عمر طویل ہوگی تو تم عن قریب ایسے لوگوں کے دیدار کرو گے کہ وہ خدا کی ناراضگی میں صبح کرتے ہوں گے اور اس کی لعنت میں شام کر رہے ہوں گے۔ ان کے ہاتھوں میں گایوں کے دم کی طرح کوئی چیز ہوگی۔''

دوسری حدیث میں اسی قسم کے الفاظ ہیں:

"بینمارجل یسوق بقرة اذ تکلمت فقالوا سبحان اللّٰہ بقرة تتکلم قال امنت بذالک انا وابوبکرؓ وعمرؓ.

''اسی دوران کہ ایک شخص گائے ہنکار رہا تھا کہ اچانک وہ گائے گویا ہوگئی تو لوگوں نے (تعجب سے) کہا سبحان اللہ (اللہ کی ذات پاک ہے) گائے بھی بولا کرتی ہے؟ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ایمان لایا اس پر (یعنی اللہ کی قدرت پر) میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔''

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ان اللّٰہ یبغض البلیغ من الرجال الذی یتخلل بلسانه کما تخلل البقرة.

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر بہت ناراض وغضب ناک ہوتا ہے جو گایوں کی طرح زبان کو توڑ موڑ کر کلام کرتا ہے۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اذا تبایعتم بالعینة واخذتم اذناب البقره ورضیتم بالزرع وترکتھم الجھاد سلط اللّٰہ علیکم ذلالا ینزعه عنکم حتی ترجعوا الی دینکم. (رواہ ابوداؤد)

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اہل عینہ کے ہاتھوں پر بیعت کرلو گے تو گایوں کے دموں کو تھام لو گے اور کھیتی کو مشغلہ بنالو گے اور جہاد کرنا چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسے ظالموں اور ذلیل کر دینے والوں کو مسلط کر دیں گے جو تمہیں ایمان سے بالکل نہتے کر دیں گے، یہاں تک کہ تم اپنے دین میں لوٹ آؤ۔''

نہایت الغریب میں لکھا ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

مادخلت السکة دار قوم الاذلوا. (باب السین)

''جب ہل لوگوں کے گھروں میں آجائے گا تو وہ منقاد اور تابع ہوں گے۔''

اس لیے کہ سکۃ ہل کے پھاڑ کو کہتے ہیں جس سے زمین کو جوتتے ہیں۔ گویا حدیث کا مفہوم یہ نکلا کہ جب مسلمان کاشت کاری میں مصروف ہو جائیں گے اور جہاد کرنا چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ حاکم ان کی کاشت کاری کی وجہ سے ان سے ٹیکس وغیرہ وصول کرے گا۔ اسی مفہوم کے قریب یہ حدیث بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

العز[1] فی نواصی الخیل والذل فی اذناب البقر.

''گھوڑوں کی پیشانیوں میں عزت اور گایوں کے دموں میں ذلت ہے۔''

---

[1] چونکہ گھوڑا جہاد کا سب سے بڑا آلہ ہے اور جہاد عام طور سے اسی سے لڑا جاتا ہے اس لیے اس میں عزت ہے اور جو شخص گائے بیل کی دم پکڑے رہے گا یعنی صرف ہل ہی جوتا کرے گا تو چونکہ وہ جہاد اور جوان مردی سے دور رہے گا اس لیے اس میں ذلت ہے۔ غرض اسی وجہ سے گھوڑے کی پیشانی میں عزت اور بیلوں کے دم میں آپؐ نے ذلت بتائی ورنہ درحقیقت ہل جوتنے میں کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ دوسری احادیث میں آپؐ نے کھیتی کرنے پر زور دیا اور اس کی بڑی فضیلت بتائی ہے۔

گائے بیل کی خصوصیات

گائے بیل طاقت ور اور نفع بخش جانور ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں انسانوں کے تابع اور فرماں بردار بنا کر پیدا کیا ہے۔ درندوں کی طرح انہیں (اپنی مدافعت وغیرہ کے لیے) ہتھیار نہیں دیئے گے۔ اس لیے کہ یہ جانور انسان کے زیر اطاعت رہتا ہے۔ چنانچہ انسان ہی گائے بیل کو ان کے دشمنوں سے نجات دلاتا ہے۔ ان میں ہونے والے مضرات ونقصانات کو دور کرتا ہے۔ اگر ان جانوروں میں ہتھیار کے قبیل کی کوئی چیز پیدا کر دی جاتی تو پھر یہ انسان کے تابع نہ رہتے اور ان کو انسان کے لیے قابو میں کرنا دشوار ہو جاتا۔

بے سینگ کے بیل کا ہتھیار اس کے سر میں رہتا ہے چنانچہ وہ سر کو سینگ کی جگہ استعمال کرتا ہے جس طرح کہ بچھڑے سینگ نکلنے سے پہلے سروں سے طبعی طور پر مارتے ہیں۔

گائے کی چند قسمیں ہوتی ہیں اسی کی ایک قسم جاموس (بھینس) کہلاتی ہے۔ یہ سب سے زیادہ دودھ دیتی ہے اس کا جسم سب سے بڑا ہوتا ہے۔

امام جاحظ کہتے ہیں کہ بھینس گائے کی قسموں کی گویا بھیڑ ہوتی ہے۔ اس لیے اس قسم کی بھینس کا گوشت عربی النسل کی گایوں سے زیادہ اچھا اور لذیذ ہوتا ہے۔ غالباً اسی لیے قربانی میں بھینس کو مقدم رکھتے ہیں جس طرح کہ بھیڑ یا دُنبہ کو بکری پر مقدم رکھتے ہیں۔

زمخشری کہتے ہیں کہ درندوں میں فوقیت رکھنے والے تین ہیں۔ شیر' چیتا اور شیر ببر اور دیگر جانوروں میں تین فوقیت رکھتے ہیں ہاتھی' گینڈا اور بھینس۔ (ربیع الابرار)

گائے بیل کی دوسری قسم عربی النسل گائے بیل ہوتے ہیں۔ یہ نرم چکنے اور بے بالوں کے ہوتے ہیں۔ عربی نسل کی دوسری قسم کا نام دربانتہ ہے۔ یہ مال ومتاع بار برداری کے لیے مخصوص ہوتی ہے اور کبھی کبھی اس کے کوہان اُٹھ جاتے ہیں۔

گائے کی خصوصیت یہ ہے کہ جب یہ ایک سال کی ہو جاتی ہے تو کبھی کبھی بیل پر چڑھتی ہے اور یہ بہ نسبت بیل کے زیادہ منی والی ہوتی ہے۔ اور تمام جانوروں میں یہ خاص بات ہے کہ مادہ کی آواز بہ نسبت نر کے زیادہ باریک اور پتلی ہوتی ہے لیکن یہ بات گائے میں نہیں ہوتی بلکہ گائے کی آواز زیادہ بلند ہوتی ہے۔ جب بیل گائے پر چڑھتا ہے تو یہ بے چین ہو کر بیل کے نیچے ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر جب کہ بیل کا عضو مخصوص سخت ہو اور وہ جفتی کرتے وقت مقام سے خطا کر جائے۔

گائے کو جب جفتی کی خواہش ہوتی ہے تو وہ بہت بدکتی ہے اور چرواہوں کو تھکا دیتی ہے۔

مصر کے علاقہ میں ایک گائے ہوتی ہے جسے بقر الخیس کہتے ہیں۔ اس کی گردن لمبی اور سینگ گھریلو گائیوں کی طرح ہوتے ہیں لیکن وہ دودھ بہت زیادہ دیتی ہے۔

مسعودی کہتے ہیں کہ میں نے رے میں ایک گائے دیکھی جو اونٹ کی طرح بیٹھتی تھی اور وہ اپنے بوجھ کے ساتھ ہی اونٹ کی طرح حملہ کر دیتی تھی لیکن اس کے اوپر کے دونوں دانت گائیوں کی طرح نہیں تھے اور یہ گھاس وغیرہ نیچے کے دانتوں سے کھاتی تھی۔

ولادت کی آسانی کے لیے

عکرمہ رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ایک گائے کے قریب سے گزرے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ گائے کے پیٹ میں اس کا ہونے والا بچہ اسے بے چین کر رہا ہے۔ گائے نے فریاد کی اور یہ کہا کہ روح اللہ!

آپ میری اس پریشانی سے نجات کے لیے خداوند قدوس سے دُعا فرمایئے۔ چنانچہ آپؑ نے یہ دُعا کی:

يَا خَالِقَ النَّفْسِ مِنَ النَّفْسِ وَ يَا مُخْرِجَ النَّفْسِ مِنَ النَّفْسِ خَلِّصْهَا.

''اے ایک ذات (جان) کو دوسری (جان) سے پیدا کرنے والے اور ایک ذات کو دوسری ذات سے نکالنے والے اسے تکلیف سے نجات دے دے۔

بس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ دُعا کرنا تھا کہ گائے نے بچہ جن دیا۔ اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عورت کو ولادت کے وقت تنگی یا دشواری پیش آئے تو وہ کلمات بالا کو لکھ کر باندھ لے۔ (کتاب المجالسۃ لاحمد بن مروان المالکی الدینوری)

اسی طرح سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی عورت کو ولادت کے وقت تنگی یا دشواری پیش آئے تو وہ مندرجہ ذیل کلمات لکھ کر باندھ لے:

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم لا اله الا اللّٰه الحليم الكريم سبحان اللّٰه رب العرش العظيم الحمد للّٰه رب العالمين كانهم يوم يرونه ما يوعدون لم يلبثوا الا ساعة من نهار بلاغ فهل يهلك الا القوم الفاسقون.

کامیابی کے لیے ایک عمل

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ غالباً اسی قسم کا مضمون دوسری حدیث میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا طَلَبْتَ حَاجَةً وَاَحْبَبْتَ اَنْ تَنْجَحَ فَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهُ الْعَلِيْمُ الْكَرِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَمْ يَلْبَثُوا اِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ بَلَاغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُوْنَ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحَاهَا. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ عَنِ النَّارِ. اَللّٰهُمَّ لَا تَدَعْ لَنَا ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِیَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ. (رواہ الطبرانی)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم کوئی ضرورت کامیابی کے ساتھ پوری کرنا چاہتے ہو تو ان الفاظ کا ورد کرو۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اس کی ذات واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ بلند و بالا ہے نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس اللہ کے جس کی ذات تنہا ہے جس کا کوئی شریک نہیں وہ حلیم و کریم ہے۔ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اس کی ذات واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ عرش عظیم اور تمام آسمان و زمین کا پروردگار ہے۔ تمام تعریفیں خاص ہیں اللہ ہی کے لیے اور سارے جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے گویا کہ وہ لوگ جس روز دیکھیں گے ان چیزوں کو جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے (تو کہیں گے) دن کے کچھ گھنٹوں سے زیادہ نہ ٹھہرے اعلان ہے نہیں ہلاک کیا جاتا مگر گناہ گار قوموں ہی کو گویا کہ وہ لوگ جس دن دیکھیں گے اسے (تو کہیں گے) وہ نہیں ٹھہرے مگر شام کے وقت کچھ دیر یا صبح کے وقت کچھ دیر اے اللہ ہم طلب کرتے ہیں آپ سے ان چیزوں کو جو آپ کی رحمتوں کا موجب اور مغفرت کا ضامن ہو اور ہم مانگتے ہیں آپ سے ہر گناہوں سے حفاظت وسلامتی اور ہر بھلائی کی دولت اور جنت کی کامیابی اور دوزخ سے نجات۔ اے اللہ تو ہمارے ہر گناہ کو معاف فرما دے اور

تکلیف و پریشانی کو دور فرمادے اور ہر وہ ضرورت وحاجت جس میں آپ کی رضا ہو تو اپنی رحمت سے اسے پورا فرمادے۔ اے ارحم الرحمین۔''

ولادت میں آسانی کے لیے دوسرا عمل

اور ولادت کا مجرب اور آزمودہ عمل یہ ہے کہ مندرجہ ذیل کلمات لکھ کر مبتلائے دردزہ کو پلادے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔سورۃ الفاتحہ   بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔سورۃ اخلاص

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔سورۃ الفلق   بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔سورۃ الناس

بسم الله الرحمن الرحيم. اذا السماء انشقت واذنت لربها وحقت واذا الارض مدت والقت ما فيها وتخلت اللّٰهم يا مخلص النفس من النفس يا مخرج النفس من النفس يا عليم يا قدير خلص فلانة مما في بطنها من ولدها خلاصا في عافيه انك ارحم الراحمين.

گائے کا ایک عجیب واقعہ

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بادشاہ سلطنت کی دیکھ بھال کے لیے محل سے باہر نکلا۔لیکن وہ رعایا سے خطرہ محسوس کررہا تھا۔چنانچہ وہ ایک ایسے آدمی کے پاس مقیم ہوا جس کے پاس ایک گائے تھی۔جب گائے شام کو واپس آئی تو اس آدمی نے گائے سے اتنا دودھ دوہا جتنا کہ تیس گائیوں سے نکلتا ہے۔بادشاہ اتنا دودھ دینے والی گائے کو دیکھ کر حیران ہو گیا اور اس نے یہ سوچا کہ یہ گائے ہتھیا لینی چاہیے۔جب دوسرا دن ہوا تو گائے چراگاہ کی طرف چلی گئی۔پھر جب شام کو واپس آئی تو اس دن پہلے کے مقابلے میں نصف دودھ نکلا۔یہ معاملہ دیکھ کر بادشاہ نے گائے والے کو بلایا اور یہ کہا کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ کل تو گائے نے کافی دودھ دیا تھا تو آج کیوں کم ہو گیا' کیا گائے آج اسی چراگاہ پر نہیں گئی تھی آخر کیا بات ہے؟ تو اس نے جواب دیا کیوں نہیں!اسی چراگاہ میں گئی تھی۔لیکن آج ایسا ہوا ہے کہ کل کی حالت دیکھ کر بادشاہ اپنی رعایا کے ساتھ غلط سلوک کرنے کا عزم کر چکا تھا۔چنانچہ اسی وجہ سے اس کا دودھ آج کم نکلا۔اس لیے کہ جب بادشاہ ظالم ہو یا رعایا کے ساتھ ظلم کر رہا ہو تو برکت ختم ہو جاتی ہے۔

یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھ کر بادشاہ نے اس گائے والے سے یہ عہد کیا کہ وہ اب گائے اس سے ظلم کے طور پر نہیں لے گا۔چنانچہ پھر دوسرے دن یہ ہوا کہ گائے چراگاہ کے لیے چلی گئی۔شام کو جب واپس آئی تو دوہنے والے نے اتنا ہی دودھ دوہا جتنا کہ پہلے دن گائے سے دودھ نکلا تھا۔یہ حالت دیکھ کر بادشاہ کو عبرت ہوئی اور انصاف برتنا شروع کر دیا اور یہ کہا کہ واقعی جب بادشاہ ظلم کر رہا ہو یا رعایا ظالم ہو تو برکت جاتی رہتی ہے۔اب میں ضرور انصاف کیا کروں گا اور اب سے اچھے حالات ہی پر غور وخوض کیا کروں گا۔

(رواہ حافظ البیہقی فی الشعب)

دوسرا واقعہ

ابن الجوزی کہتے ہیں کہ کسریٰ کا ایک بادشاہ شکار کرنے کے لیے گیا تو تھوڑی دیر کے بعد اپنے ہمراہیوں سے بچھڑ گیا اور گھٹا ٹوپ بادلوں سے آسمان ڈھک گیا اور زبردست بارش شروع ہو گئی جس کے نتیجہ میں وہ اپنے فوجیوں سے علیحدہ ہو کر ایک ایسے راستہ پر چل پڑا جس کا اس کو خود بھی علم نہیں تھا کہ وہ کہاں چل رہا ہے!تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک بڑھیا کی جھونپڑی پر پہنچا اور اس کے یہاں مقیم ہو گیا۔بڑھیا نے اس کا گھوڑا اندر باندھ دیا۔اس کی لڑکی گائے دوہنے لگی۔کسریٰ نے دیکھا کہ گائے نے کافی مقدار میں دودھ دیا ہے تو اس نے

سوچا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اب گائے پر بھی ٹیکس لگا دیں کیونکہ اس گائے نے کافی مقدار میں دودھ دیا ہے۔

دوسری رات جب بڑھیا کی لڑکی دودھ دوہنے کے لیے چلی تو کیا دیکھتی ہے کہ گائے کے تھنوں میں دودھ کا بالکل نام و نشان نہیں ہے۔ چنانچہ لڑکی نے بلند آواز سے ماں کو پکار کر کہا کہ اے ماں! بادشاہ رعایا کے ساتھ غلط سلوک کرنے کا عزم کر چکا ہے۔ ماں نے کہا تمہیں اس بات کا علم کیسے ہوا؟ اس نے جواب دیا آج گائے نے ذرہ برابر دودھ نہیں دیا۔ تو ماں نے کہا خاموش رہ رات کا معاملہ ہے۔ اب کسریٰ نے بدسلوکی کے بجائے انصاف اور حسن سلوک کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ جب دوسری رات ہوئی تو ماں نے کہا کہ بیٹی دودھ نکالو۔ تو لڑکی نے دودھ دوہنے کا ارادہ کیا تو گائے کے تھن بھر رہے تھے۔ تو لڑکی نے کہا اے ماں خدا کی قسم! واقعی بادشاہ نے جو برا ارادہ کیا تھا اس سے پھر گیا ہے۔

جب دوپہر ہوئی تو کسریٰ کے ہمراہی آ گئے۔ کسریٰ سوار ہوا اور ہمراہیوں کو یہ حکم دیا کہ بڑھیا اور اس کی لڑکی کو بھی لیتے آنا۔ چنانچہ دونوں گئیں تو کسریٰ نے خوب انعام و اکرام سے نوازا اور یہ کہا کہ تم دونوں نے کیسے جان لیا تھا تو بڑھیا نے کہا کہ ہم دونوں اسی مکان میں مدتوں سے رہ رہے ہیں۔ جب کوئی ہمارے ساتھ عدل و انصاف کرتا ہے تو ہماری زمین سرسبز ہو جاتی ہے اور ہماری زندگی میں تازگی آ جاتی ہے۔ اور جب کوئی ظلم کرتا ہے تو ہماری زندگی تنگ ہو جاتی ہے اور منافع ختم ہو جاتا ہے۔ (مواعظ الملوک والسلاطین)

طرطوسی کہتے ہیں مصر کے بالائی علاقے میں کھجور کا ایک درخت تھا جس پر تقریباً چوبیس صاع کھجوریں آتی تھیں۔ حالانکہ ان دنوں میں دیگر علاقوں میں ایک درخت میں اس سے آدھی بھی نہیں آتی تھیں۔ بادشاہ مصر کسی بات پر ناراض ہوا تو پھر اس سال ایک کھجور بھی نہیں آئی۔ (سراج الملوک)

طرطوسی کہتے ہیں کہ مجھ سے مصر کے بالائی علاقے کے ایک بوڑھے آدمی نے بتایا کہ میں اس کھجور کو جانتا ہوں کہ مقام غربہ میں جس میں ۲۴۰ صاع[1] اور ۲۴ مد[2] کھجوریں نکلتی تھیں۔ اس کھجور کا مالک گرانی کے دنوں میں ۲۴ مد ایک اشرفی کے عوض میں فروخت کرتا تھا۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک واعظ جلال الدولہ ملک شاہ سلجوقی کے دربار میں آیا اس نے وعظ کے دوران یہ واقعہ بھی بتایا کہ ایک مرتبہ شاہ کسریٰ اپنے لشکر سے بچھڑ کر ایک باغ کے دروازے پر پہنچا اور اندر گھس کر اس نے پانی مانگا۔ چنانچہ ایک بچی برتن میں گنے کا ٹھنڈا شربت لے کر آئی۔ بادشاہ نے پیا تو اسے بہت لذیذ معلوم ہوا۔ بادشاہ نے کہا یہ شربت کیسے بناتی ہو؟ اس بچی نے کہا کہ ہم اپنے ہاتھوں سے گنے نچوڑ کر رس نکالتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا اچھا جاؤ ایک گلاس اور پلاؤ۔ بچی بادشاہ کو جانتی نہیں تھی۔ جب بچی چلی گئی تو بادشاہ نے سوچا اس مکان کو میں لے لوں اور اس کے بدلے ان کو دوسری جگہ دے دی جائے۔ بس وہ بچی اندر گئی اور فوراً روتے ہوئے باہر آئی اور اس نے کہا کہ ہمارے بادشاہ کی نیت خراب ہو گئی ہے۔ بادشاہ نے کہا تمہیں اس بات کا علم کیسے ہوا کہ بادشاہ کی نیت میں فتور آ گیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہمارا یہ معمول تھا کہ ہم گنے کا رس بغیر کسی پریشانی کے جتنا چاہتے تھے نکال لیتے تھے۔ اس مرتبہ میں گئی تو بارہا کوشش کے باوجود نہ نکال سکی۔ یہ معاملہ دیکھ کر بادشاہ نے اپنا ارادہ بدل دیا اور کہا اچھا جاؤ اب تم ضرور حسب معمول نکال لو گی۔

اس دوران بادشاہ نے اپنا ارادہ بدل دیا تھا کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔ چنانچہ جب وہ لڑکی گئی اور اس نے رس نکالا تو اتنا ہی نکلا اور مسکراتے ہوئے واپس آئی۔ (ترجمہ: جلال الدولہ ملک شاہ سلجوقی فی وفیات الاعیان)

---

[1] صاع: پیمانہ برابر ساڑھے تین سیر۔

[2] مد: ایک پیمانہ جس کی مقدار اہل حجاز کے نزدیک ۴۵ تولے اور اہل عراق کے نزدیک ۶۷ تولے ہے۔

کچھ جلال الدولہ کے بارے میں

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں کہ جلال الدولہ تمام بادشاہوں میں نیک طبیعت کے مالک تھے یہاں تک کہ ''ملک عادل'' کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ انہوں نے تمام ٹیکس ختم کر دیئے اور حفاظتی پولیس پوری مملکت میں پھیلا دی جس کی وجہ سے سارے شہروں میں امن وامان پھیل گیا۔ پھر یہ اتنی زبردست سلطنت کے مالک بن گئے کہ ان جیسا اسلامی بادشاہ کوئی بھی نہیں گزرا۔

انہیں شکار کا شوق تھا۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے جتنے شکار کئے تھے انہیں شمار کیا گیا تو دس ہزار نکلے۔ پھر انہیں دس ہزار اشرفیوں میں فروخت کر دیا۔ اور جلال الدولہ یہ فرماتے کہ مجھے خداوند قدوس سے خوف معلوم ہوتا ہے کہ میں ان ذی روح چیزوں کو بغیر کھانے کے ارادے کے قیدی رکھوں۔

تاریخ میں موجود ہے کہ یہ کوئی شکار کرتے تو اس کی جانب سے ایک دینار صدقہ کرتے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جلال الدولہ نے کوفہ کے راستہ میں اتنے زیادہ نیل گائیوں کا شکار کیا کہ ان سے سرخ رنگ کی گائیوں کے کھروں اور ہرنوں کے سینگوں کا اس راستہ میں ایک مینار بنوایا۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ وہ مینار آج تک موجود ہے اور اس کا نام منارۃ القرون (سینگوں والا منارہ) ہے۔ جلال الدولہ کی وفات بغداد میں ۱۶ شوال ۴۸۵ھ میں ہوئی۔

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ مقتدی باللہ نے اپنا ولی عہد صاحبزادہ مستظہر باللہ کو بنا دیا لیکن جب ملک شاہ بغداد تیسری بار حملہ آور ہوا تو اس نے مقتدی باللہ کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے صاحبزادے مستظہر باللہ کو معزول کر کے نواسے جعفر کو ولی عہد بنائے۔ ان ہی ایام میں مقتدی بصرہ چلا گیا اور مستظہر کی معزولی کا کام دشوار معلوم ہونے لگا۔ چنانچہ مقتدی باللہ نے ملک شاہ سے مستظہر کو معزول نہ کرنے کے بارے میں بار بار کہا۔ ملک شاہ نے انکار کر دیا تو مقتدی نے دس یوم کی مہلت لی۔ اسی دن سے مقتدی نے روزہ رکھنا شروع کر دیا اور افطار کے وقت ریت پر بیٹھ کر افطار کرتا اور ملک شاہ کے لیے بددعائیں کرتا۔ چنانچہ اس عمل سے ملک شاہ انتقال کر گیا۔ بظاہر نہ کوئی ملک شاہ کے جنازے میں شریک ہوا اور نہ ہی کسی نے اس کے جنازے کی نماز پڑھی۔ خود مقتدی نے بھی شرکت نہیں کی اور ملک شاہ کی نعش کو تابوت میں اُٹھا کر اصفہان لے جا کر دفن کر دیا گیا۔

بنی اسرائیل کو جس گائے کے بارے میں ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اس کا قصہ مشہور ومعروف ہے جس کی تھوڑی سی تفصیل ان شاء اللہ باب العین عجل کے عنوان میں آجائے گی۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کے درمیان کتنا تفاوت پیدا کر دیا ہے۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے کہا گیا کہ اپنے پیارے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو خدا کی راہ میں قربان کر دیجئے تو آپؑ نے فوراً تعمیل حکم کے لیے پیشانی پکڑ کر ذبح کرنے کے لیے بیٹھ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔ چنانچہ انہوں نے گائے ذبح کرنے میں ٹال مٹول کی۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں سارا مال خرچ کر دیا اور ثعلبہ بن حاطب نے زکوٰۃ میں بھی بخل سے کام لیا اور حاتم نے سفر وحضر دونوں میں وسعت قلبی اور سخاوت سے کام لیا اور حاجب نے اپنی آنکھ کی روشنی میں بھی بخل کیا۔ ان تمام باتوں میں کتنا تفاوت ہے کہ سحبان بن وائل سب سے بڑا خطیب اور باقل گونگے سے بھی زیادہ عاجز۔ اسی طرح خداوند قدوس نے جگہوں میں کتنا تفاوت برقرار رکھا ہے بعض علاقوں میں سیلاب اور بعض میں قحط اور پانی بالکل نہ ہو۔

اہل عرب کی ایک رسم

اہل عرب قحط سالی اور پرآشوب حالات میں جب باران رحمت کے خواہش مند ہوتے تو گائے کی دم میں آگ باندھ کر چھوڑ دیتے تھے۔اس سے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس عمل سے خدا کو رحم آجاتا ہے اور باران رحمت سے نوازتا ہے۔ چنانچہ شاعر نے اسی سے متعلق یہ شعر کہا ہے ؎

اجاعل انت بیقورا مسعلة ذریعة لک بین اللّٰہ و المطر

''تم گایوں کے ریوڑ کو رہنما بنا رہے ہو کیا یہ فعل بارش اور خدا کے درمیان واسطہ بن سکتا ہے۔''

امیہ بن ابی الصلت الثقفی نے بھی قحط سالی کی منظر کشی کرتے ہوئے کہا ہے ؎

سنة ازمة تخیل للناس سترىٰ للعضاة فیھا صریرا

''خشک سالی لوگوں کے سامنے ہے اس میں آپ کیکر کے درختوں میں بھی آواز پائیں گے۔''

لاعلی کوکب ینوء و لاریح جنوب ولاتری طخرورا

''نہ تو وہ ستارہ ہی نظر آرہا ہے جو بارش برسنے کا سبب ہے نہ جنوبی ہوائیں چل رہی ہیں جو بادلوں کو کھینچ کر لائیں۔''

ویسقون باقر السھل للطود مھاذیل خشیة ان تبورا

''اور پھر برسیں وہ ٹیلوں اور چٹانوں پر اور دبلے پتلے جانوروں پر یہ سب کچھ اس اندیشہ کے پیش نظر کہ کہیں بارشوں کا سیلاب انہیں ہلاک ہی نہ کردے۔''

عاقدین النیران فی ھلب الاذناب منھا لکی تھیج البحورا

''آگ کے باندھنے والے ان جانوروں کی دموں میں اس لیے باندھ رہے ہیں تاکہ دریاؤں میں سیلاب آجائے۔''

سلع ما ومثله عشر ما عائل ما وعالت البیقورا

''قائد اور انہی جیسی دس مفلس وقلاش اور بھوک سے تڑپتی ہوئی گائیں کی موجودگی میں کیا یہ کافی ہوں گے۔''

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ ایک شخص کے پاس ایک گائے تھی وہ دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک سیلاب آیا جس میں گائے ڈوب گئی۔ لڑکے نے اباجان سے کہا کہ ہم جو دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرتے تھے وہ پانی روز بروز اکٹھا ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن سیلاب بن کر اس نے گائے کو غرق کر دیا۔ (احیاء العلوم)

امام خلالؒ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک گائے شراب میں چھوٹ کر چلی گئی۔ چنانچہ اس نے شراب پی لی۔ اس کے بعد لوگوں نے اسے ذبح کر دیا۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اس صورت حال سے آگاہ کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اسے تم کھاؤ یا فرمایا کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔'' (المجلس التاسع)

گائے کا شرعی حکم

گائے کا دودھ اور اس کا گوشت متفق علیہ طور پر کھانا جائز ہے۔ چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی

ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ گائے کی چربی اور دودھ شفا بخش ہے اور گوشت بیمار کن ہے۔ (مسلم)

"نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔" (بخاری)

امام طبرانی زہیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ایک عورت ملیکہ بنت عمرو زیدیہ کے خاندان کی مجھ سے بیان کرتی ہے کہ (یہ خاندان زید بن عبداللہ بن سعد سے ملتا ہے) کہ ایک مرتبہ میرے حلق میں درد پیدا ہوا تو میں ملیکہ کے پاس آئی تو انہوں نے میرے لیے بطور علاج گائے کی چربی تجویز کی اور مزید یہ بھی فرمایا:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گائے کا دودھ شفا بخش ہے۔ اس کا گھی علاج ہے اور گوشت بیماری ہے۔" (رواہ الطبرانی)

واقعہ نگار تابعیہ تھی نام معلوم نہیں ہو سکا۔ حدیث کے بقیہ راوی ثقہ ہیں اور یہ حدیث اس طرح بھی کتابوں میں روایت کی جاتی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"نبی کریم ﷺ نے کہ تم گائے کا دودھ اور گھی کھایا کرو اور گوشت سے بچا کرو اس لیے کہ اس کا گھی اور دودھ علاج ہے اور اس کا گوشت بیماری ہے۔" (رواہ فی المستدرک وقال صحیح الاسناد)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت منقول ہے:

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں جو بھی بیماری اُتاری ہے اس میں سے ہر ایک کا علاج بھی نازل فرمایا ہے تو جو اس سے ناواقف ہو وہ ناواقف رہے اور جو جانتا ہو وہ جانتا ہے۔ گائے کا دودھ ہر بیمار کے لیے شفا بخش ہے۔ تم گائے کا دودھ پیا کرو اس لیے کہ وہ ہر درخت پر منہ مار لیتی ہے۔"

(ایک روایت میں ترم کی بجائے ترتم کا لفظ آیا ہے) (الحاکم وابن حبان فی روایۃ وھی بمعناھا)

امام ابن ماجہ نے ابوموسیٰ سے حدیث روایت کی ہے لیکن گائے کے دودھ کا تذکرہ نہیں کیا مگر معنی دونوں کے ایک ہے ہیں۔ ان کے علاوہ براء نے مکمل دو حدیث نقل کی ہیں لیکن ان کی روایت میں محمد بن جابر بن سیار ہیں جو اکثر محدثین کے نزدیک صدوق اور سچے ہیں۔ البتہ بعض محدثین نے ضعیف اور کمزور لکھا ہے اور ان کے علاوہ بقیہ راوی ثقہ اور مستند ہیں۔

حاکم نے عبداللہ بن مبارک، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، قیس بن مسلم، طارق بن شہاب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی روایت نقل کی ہے۔ (تاریخ نیشاپور)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو گھی سے زیادہ کسی اور چیز میں شفا نہیں ہے۔" (کتاب ابن السنی)

فقہی مسائل

اگر کسی نے گائے کی وصیت کی تو اس وصیت میں بیل شامل نہیں ہوگا۔ یہی صحیح قول ہے۔ اس لیے کہ گائے کا لفظ مادہ ہی کے لیے وضع کیا گیا۔ لیکن اگر اس کے برعکس وصیت کی تو گائے شامل ہو جائے گی اور بقرۃ (گائے) میں ہاء وحدت کے لیے ہے۔

امام رافعی کہتے ہیں زکوٰۃ میں گائے کا نصف بھینس سے پورا ہو جائے گا۔ لیکن "عمدہ" اور "کفایہ" وغیرہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ عکس کی صورت میں شامل نہیں ہوگا۔ یعنی اگر کسی نے گائے کی وصیت کی تو اس میں بھینس شامل نہیں ہوگی ہاں اس وقت شامل سمجھی جائے گی جب کہ وصیت کرنے والا یہ کہہ دے کہ من بقری (میری گائیوں میں سے) پھر جب جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے کہ وصیت کرنے والے نے تو ترکہ میں صرف بھینسیں ہی چھوڑی ہیں۔

لیکن وصیت کرنے کے بعد اگر یہ معلوم ہو کہ اس کے ترکہ میں تو صرف نیل گائے ہیں تو پھر اس میں دو صورتیں ہیں جن کی وضاحت

ہم نے ہرنوں اور اونٹوں کے باب میں کردی ہے۔

رہا گائے کی زکوٰۃ کا مسئلہ تو ہر تیس چرنے والی گائیوں میں ایک تبیعہ واجب ہوگا جو ایک سال کا ہو اور ہر چالیس میں ایک مسنۃ واجب ہوگا جو دو سال کا ہو اس لیے کہ امام مالکؒ نے طاؤس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اسی طرح زکوٰۃ لیا کرتے تھے۔ اور اگر اس سے کم ہوتی تو آپ زکوٰۃ نہیں لیتے تھے۔

ایک سال کے بچے کو تبیعہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بچہ چراگاہ میں ماں کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے۔ بعض فقہا نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس بچے کے سینگ کان کے برابر ہوتے ہیں۔

اگر کسی نے زکوٰۃ میں تبیعہ نر کے بجائے تبیعہ مادہ دے دی تو بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ بلکہ مادہ کی زکوٰۃ مادہ ہونے کی وجہ سے زیادہ اولی ہوگی۔ دو سال کے بچے کو مسنۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا ایک سال مکمل ہو گیا ہے اور دوسرے سال میں داخل ہو گیا ہے۔

اگر کسی نے چالیس گائیوں میں سے ایک ایک سال کے دو بچے زکوٰۃ میں دیئے تب بھی صحیح قول کے مطابق زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لیکن امام بغوی کہتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اس لیے کہ ایک ایک سال کے دو بچے کامل ایک سال کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔

تین قاضیوں کا ایک عجیب واقعہ

عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں تین قاضی تھے ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہو گیا۔ پھر اس جگہ کو پر کر لیا گیا۔ انہوں نے خوب فیصلے کیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان لینے کے لیے ایک فرشتہ بھیجا۔ فرشتے نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنی گائے کو پانی پلا رہا ہے۔ گائے کے پیچھے اس کا بچھڑا کھڑا ہوا ہے۔ فرشتے نے گھوڑے پر سوار ہو کر بچھڑے کو اپنے پیچھے لگا لیا۔ چنانچہ وہ بچھڑا گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ گائے والا اور یہ فرشتہ دونوں پہلے قاضی کے پاس مقدمہ لے کر آئے۔ فرشتے کے پاس جو قیمتی موتی تھے اس نے قاضی کو دے دیئے اور یہ کہا کہ آپ فیصلہ میرے حق میں صادر کر دیں کہ یہ بچھڑا میرا ہے۔ قاضی نے کہا میں کیسے فیصلہ کر دوں کہ بچھڑا تمہارا ہے۔ فرشتے نے کہا وہ اس طرح کہ گھوڑا' گائے اور بچھڑا تینوں کو چھوڑ دیجئے اگر بچھڑا گھوڑے کے ساتھ چلنے لگے تو سمجھ لیجئے کہ بچھڑا میرا ہے۔ چنانچہ قاضی نے ایسا ہی کیا تو وہ بچھڑا گھوڑے کے ساتھ چلنے لگا تو قاضی نے فرشتے کے حق میں فیصلہ کر دیا کہ بچھڑا تم لے جاؤ۔

پھر یہ دونوں فریق دوسرے قاضی کے پاس گئے تو اس دوسرے قاضی نے بھی یہی فیصلہ کیا اور موتی لے لیے۔ جب تیسرے قاضی کے پاس گئے تو فرشتے نے اس کو ایک موتی عنایت کیا اور کہا کہ میرے اور اس آدمی کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ یہ سن کر قاضی نے کہا مجھے تو حیض آ رہا ہے۔ تو فرشتے نے کہا سبحان اللہ کیا کہہ رہے ہیں مرد کو بھی حیض آتا ہے؟ قاضی نے جواب دیا کہ کہیں ایسا ہوا ہے کہ گھوڑا بچھڑا جنتا ہو۔ چنانچہ قاضی نے گائے والے کے حق میں بچھڑے کا حکم صادر کر دیا۔ (رواہ فی الحلیہ فی ترجمہ عکرمہ)

امام دمیریؒ کہتے ہیں انہی جیسے قاضیوں کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''دو قاضی جہنم میں ہوں گے اور ایک جنت میں۔''

ضرب الامثال

(۱) اہل عرب کہتے ہیں ترکت زید ابملاحس البقر او لادھا (میں نے زید کو ایسی جگہ چھوڑا ہے جہاں گائے اپنے بچھڑے کو چاٹ رہی تھی) اہل عرب اس سے چٹیل میدان مراد لیتے تھے۔

(۲) الکلاب علی البقر (اس کی تفصیل مع معانی و مطالب ان شاء اللہ باب کاف میں آ جائے گی۔

طبی خواص

گائے' بیل کی چربی کو سرخ زرنیخ (ہڑتال) میں ملا کر گھر میں دھونی دی جائے تو اس سے سانپ' بچھو اور کیڑے مکوڑے بھاگ

جاتے ہیں۔

گائے' بیل کی چربی اگر کسی برتن میں مل دی جائے تو اس میں مچھر جمع ہو جاتے ہیں۔

گائے' بیل کے سینگ کو باریک پیس کر پینے سے شہوت میں اضافہ ہوتا ہے۔

گائے' بیل کا خون بہتے ہوئے خون کو بند کر دیتا ہے۔

گائے' بیل کے پتے کو ماء کراث میں ملا کر بواسیر میں لگانے سے بواسیر سے شفا اور درد میں راحت ملتی ہے۔اسی طرح ان کے پتہ کو چھائیوں اور سیاہ داغوں میں لگانا مفید ہے۔اگر ان کے پتہ کو شہد میں ملا کر بطور سرمہ استعمال کریں تو آنکھوں کی بینائی میں افاقہ ہو جاتا ہے۔گائے بیل کے پتہ کو نطرون' شہد اور تخم حنظل کو ملا کر مقعد میں لگانا نفع بخش ہے۔

ارسطو نے لکھا ہے کہ اگر گائے کی آنکھ پھوٹ جائے یا باہر نکل آئے تو اس کی آنکھ کے پانی سے کسی کاغذ پر لکھیں تو وہ دن میں تو نہ پڑھا جائے گا لیکن رات میں پڑھا جا سکتا ہے۔

گائے کے بالوں کو جلا کر پی لیا جائے تو دانتوں کے درد کے لیے نفع بخش ہے۔اسی طرح اس کے بالوں کو جلا کر سکنجبین میں ملا کر پینے سے تلی زائل ہو جاتی ہے۔اسی طرح جلائے ہوئے بالوں کو شہد میں ملا کر نوش کر لیں پیٹ سے حب القرع نکل جاتا ہے۔

یونس نے لکھا ہے اگر ثوا کیل کو گائے بیل کے گوبر کے ساتھ لگائیں تو وہ بکھر جائیں گی اور کھانے والا اسی وقت درست ہو جائے گا۔

اور اگر اسے کسی ورم شدہ عضو پر ملا جائے تو اسے نرم کر دے گا۔اگر کسی جگہ چیونٹیوں کے نکلنے کا اندیشہ ہو تو وہاں اس کی دھونی دینے سے چیونٹیاں نہیں نکلتی ہیں۔اگر پیر کے جوڑوں کے آماس پہ اسے لگایا جائے تو اس سے جلد شفا حاصل ہوگی۔اگر کسی حاملہ عورت کو بوقت دردزہ اس کی دھونی دی جائے تو ولادت میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے اور خواہ مردہ ہو یا زندہ بچہ بسہولت پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی جھلی بھی بآسانی باہر نکل جاتی ہے۔اگر کسی گھر میں اس کی دھونی دی جائے تو گھر کے زہریلے کیڑے بھاگ جاتے ہیں۔اگر کسی جلے ہوئے شخص کو یہ لگایا جائے اور اس کے ناک میں پھونک دیا جائے تو نکسیر کا خون بند ہو جائے گا۔جسم میں اگر کانٹا یا نیزہ چبھا ہوا ہو تو اسے جسم پر بار بار مل کر اتنی دیر چھوڑ دیں کہ وہ خشک ہو جائے تو وہ بآسانی نکل جاتا ہے۔

ہرمس کہتے ہیں کہ عرق گلاب کو اگر بد کے ہوئے بیل کے ناک پر مل دیں تو وہ ٹھنڈا اور مدہوش ہو جاتا ہے۔

اگر بیل کے گوشت کو پکا کر کسی بڑی شیشی یا شیشے کے برتن میں سختی سے بند کر کے چالیس دن تک رکھیں۔پس اس میں کیڑے پڑ جائیں۔اب ان کیڑوں کو کسی دوسری شیشی میں رکھیں یہاں تک کہ وہ کیڑے ایک دوسرے کو کھالیں اور صرف ایک کیڑا باقی رہ جائے۔یہ بچا ہوا ایک کیڑا زہر قاتل ہوگا۔

اگر کسی تالاب میں یا حوض میں چھپکلیاں ہوں اور وہ چلاتی ہوں تو بیل کی انتڑیاں دھو کر ان کے سرے باندھ کر پھیلانے کے بعد اس تالاب میں لٹکا دیں تو تمام چھپکلیاں ڈر سے خاموش اور بھاگ جائیں گی۔

تعبیر

اگر کسی نے گائے یا بیل کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر سالوں اور برسوں سے دی جائے گی جس طرح کہ یوسف علیہ السلام نے اس کی تعبیر یہی دی تھی۔اگر موٹے دیکھے ہوں تو شاداب سال ہوں گے اگر دبلے دیکھے ہوں گے تو قحط سالی سے تعبیر دی جائے گی۔بشرطیکہ گائے یا بیل سفید یا سیاہ رنگ کے خواب میں آئے ہوں۔ورنہ اگر کسی نے زرد یا سرخ رنگ کی گائیں دیکھیں تو اس کی یہ تعبیر دی جائے گی کہ وہ درخت کو اپنے سینگوں سے مار کر اکھاڑ دیں گی یا کسی عمارت کو منہدم کر دیں گی اس لیے کہ یہ گائیں فتنوں کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں جن مکانوں میں داخل ہو جائیں گی اس کو منہدم کر دیں گی اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''آخری دور میں فتنے بیل کے سینگوں وآنکھوں کی طرح رونما ہوں گے۔''

اگر کسی نے خواب میں زرد رنگ کی گائے دیکھی تو یہ تعبیر ہوگی کہ اس سال سرسبزی وشادابی ہوگی اور اگر سیاہ وسفید رنگ کی گائے دیکھی تو تعبیر یہ ہوگی کہ شروع سال میں شدت اور سختی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر کسی نے گائے کا پچھلا حصہ چتکبرا دیکھا تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ آخر سال میں پریشانی جھیلنی پڑے گی۔ اگر کسی نے خواب میں نصف گائے دیکھی تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ دیکھنے والے کی بہن یا لڑکی کسی مصیبت میں مبتلا ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی نے گائے کا ہر وہ حصہ دیکھا جو حصے وراثت میں متعین ہیں۔ مثلاً ربع، ثمن وغیرہ تو اس کی بھی یہی تعبیر دی جائے گی۔

اگر کسی نے خواب میں یہ دیکھا کہ وہ کسی غیر کی گائے کو دوھ رہا ہے اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ دیکھنے والا کسی دوسرے کی عورت کے ساتھ خیانت کرے گا اور جب بھی کوئی انسان خواب میں اپنی گائے کو دیکھے گا تو اس کی تعبیر بیوی یا لڑکی میں دائر رہے گی۔ خواب میں گائے کا دودھ جائز مال کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ خواب میں گائے کی آواز سننا ایسے لوگوں کی نشاندہی ہوتی جو ادب واحترام میں مشہور ہوں گے۔ خواب میں گائے سے لگی چوٹ بیماری کی شکل میں آتی ہے۔

اگر کسی نے یہ دیکھا کہ اس کے اوپر گائے یا بیل نے حملہ کر دیا ہے اور دیکھنے والا اس کی طرف متوجہ نہیں ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ دیکھنے والا اسی سال مر جائے گا۔

کسانوں اور کاشتکاروں کے خواب میں گائے کا آنا خیر وبرکت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ خواب میں گائے کا وہ رنگ اچھا سمجھا جاتا ہے جو گھوڑے کے لیے بہتر سمجھا جاتا ہے۔

نصرانی کہتے ہیں کہ اگر کسی نے خواب میں یہ دیکھا کہ وہ گائے یا بیل کا گوشت کھا رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ دیکھنے والا حاکم کے دربار میں پیش کیا جائے گا اور جو شخص مال جمع کرنے کی فکر میں ہو اس کے خواب میں چربی کا آنا علامت ہے اس بات کی کہ اسے مال بلا کسی کدوکاوش کے حاصل ہوگا اور وہ اسے خرچ کئے بغیر اپنے پاس جمع رکھے گا۔

خواب میں گائے کا بھنا ہوا گوشت خطرہ یا خوف محسوس کرنے والے کے لیے امن کا باعث ہوگا یا گوشت کا بھوننے والا مامون رہے گا۔ اگر بھوننے والے کی عورت حاملہ ہوگی تو گویا خواب میں بشارت دی گئی ہے کہ لڑکا پیدا ہوگا۔ گوشت کا خواب میں بھوننا معیشت میں کشادگی کا باعث ہوگا۔ اگر گوشت پکا ہوا نہ ہو تو گویا دیکھنے والے کو عورت کی طرف سے رنج پہنچے گا۔

بعض معبرین نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے گائے، بیل کا پکا ہوا یا بھنا ہوا کھایا تو گویا اسے رزق میں ترقی نصیب ہوگی۔

اگر کسی نے خواب میں دیکھا کہ بیل نے اس کو سینگ مار دیا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ کام سے ہٹا دیا جائے گا اور جس قدر اس سینگ کی مار پڑی ہے اسی کے مطابق اسے نقصان ہوگا اور اگر کسی نے دیکھا کہ اس نے بیل کو ذبح کر دیا ہے اور اس کا گوشت تقسیم کر دیا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ ایسا دیکھنے والا مر جائے گا۔ اگر کسی عورت نے دیکھا کہ وہ بیل پر سوار ہوگئی ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اگر اس کا شوہر نہیں ہے تو وہ جلد ہی شوہر والی ہو جائے گی۔ اور اگر اس کا شوہر ہے تو تعبیر یہ ہوگی کہ اس کا شوہر اس کا مطیع وفرماں بردار ہو جائے گا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں کسی ٹیلے پر کھڑی ہوں اور میرے اردگرد گائے بیل ذبح کئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے اس خواب کی تعبیر مسروق سے دریافت کی تو آپ نے جواب دیا کہ اگر آپ کا خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ آپ کے سامنے ایک زبردست جنگ ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ کے سامنے جنگ جمل ہوئی۔

اگر کسی نے خواب میں یہ دیکھا کہ گائے اپنے بچھڑے کا دودھ چوس رہی ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اس کی بیوی دوسروں کو اپنی بیٹی کے ساتھ خیانت کرنے کی دعوت دے رہی ہے اور اگر کسی غلام نے یہ خواب دیکھا کہ اپنے آقا کی گائے کا دودھ نکال رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ غلام اپنے آقا کی لڑکی سے رشتۂ زوجیت جوڑے گا۔

بقروشی

نیل گائے نیل گائے چار قسم کی ہوتی ہے: (۱) المہا (۲) ایل (۳) یحمور (۴) تیتل

ان کی ہر قسم گرمی میں پانی مل جانے پر خوب پیتی ہے اور جب پانی نہیں ملتا تو صبر کرتی ہے اور ہوا کھانے پر قناعت کر لیتی ہے۔ پانی میں صبر و تحمل کی صفت بھیڑیا' گیدڑ' سرخ جنگلی گدھے' ہرن اور خرگوش وغیرہ سب میں پائی جاتی ہے۔ ایل کا بیان تو اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ یحمور کا بیان ان شاء اللہ باب الیاء میں آ جائے گا۔

یہاں بحث پہلی قسم المہاء سے ہے۔ مہا طبعی طور پر جوشیلی اور شہوت انگیز ہوتی ہے۔ اس لیے مادہ جب حاملہ ہو جاتی ہے۔ بچے کے ضائع ہونے کی وجہ سے نر سے بھاگ جاتی ہے۔ مہا میں اس قدر شہوت ہوتی ہے کہ کبھی کبھی نر پر چڑھ جاتی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی جب ایک دوسرے کے ساتھ جفتی کرتے ہیں تو مادہ منویہ کی بدبو سونگھ کر اچھلتے کودتے ہیں۔

نیل گائے کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ اس کی سینگیں ٹھوس ہوتی ہیں ورنہ تمام جانوروں کی سینگیں کھوکھلی ہوتی ہیں جیسے کہ گزر چکا ہے۔ نیل گائے گھریلو بکریوں کے مشابہ ہوتی ہیں۔ اس کی سینگیں اس قدر سخت ہوتی ہیں کہ نیل گائے اپنے سینگھوں کی مدد سے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو شکاری کتوں اور رات میں آنے والے درندوں سے حفاظت کرتی ہے۔

حدیث میں تذکرہ

جس وقت رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دومۃ الجندل کے فرماں روا اکیدر کے پاس بھیجا (اکیدر کندہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا ابن عبدالملک کا بیٹا تھا اور نصرانی المذہب تھا) تو آپؐ نے فرمایا اے خالد تم اکیدر کو نیل گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے۔ چنانچہ خالد رضی اللہ عنہ چاندنی رات میں اس کے پاس پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے نیل گائیوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ہر طرف سے آ کر اپنے اپنے سینگوں کو اکیدر کے محل میں گھسنے لگیں تو اکیدر نے اوپر ہی سے جھانک کر دیکھا اور یہ سوچا کہ آج رات کی طرح اتنی نیل گائیں کبھی نہیں آئیں ورنہ اس سے پہلے میں دو یا تین دن تک نیل گائیوں کے گھات میں رہا۔ لیکن میں ان کو نہ پا سکا پس خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے بعد اکیدر نے گھوڑے پر زین کسنے کا حکم دیا۔ اکیدر اور اس کا بھائی حسان دونوں سوار ہو گئے۔ اکیدر دیباج کی قباء جو سونے سے مزین تھی پہنے ہوئے تھا۔ جیسے ہی اکیدر میدان میں اُترا ویسے ہی رسول اللہ کے گھوڑے سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ آ پہنچے اور قید کر کے قباء کے ساتھ دربار رسالت ﷺ میں بھیج دیا۔ اکیدر کی قباء بعض اصحاب رسول ﷺ کو بہت بھلی معلوم ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سعد کی رومالیں جنت میں اس سے کہیں زیادہ بہتر ہوں گی۔

پھر آپؐ نے اکیدر کے سامنے اسلام پیش کیا اس نے انکار کر دیا۔ پھر اس سے جزیہ لے کر آپؐ نے اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیا۔

غالباً یہ واقعہ ماہ رجب ۹ھ کا ہے۔

انہیں نیل گائیوں کی منظر کشی کرتے ہوئے بجیر بن بجرہ طائی کہتا ہے ؎

تبارک سائق البقرات انی رائیت اللہ یھدی کل ھادی

''گائیوں کا ہنکانے والا بابرکت ہے' واقعی میں نے محسوس کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر راہنما کو راستہ بتاتا ہے۔''

فمن یک حائدا عن ذی تبوک فانا قدامرنا بالجھاد

''کون ہے جو ذوتبوک سے الگ ہٹ جاتا ہمیں تو سچ مچ جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔''

ان شاء اللہ مہا کی تفصیل باب میم میں آ جائے گی۔

شرعی حکم

نیل گائے اور اس کی تمام قسموں کا گوشت بالاتفاق تمام ائمہ کے نزدیک جائز ہے اس لیے کہ یہ پاکیزہ اور طیب چیزوں میں سے ہے۔

امثال

اہل عرب کہتے ہیں **تتابعی بقرتم** گائے کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔

یہ مثال اس وقت بولتے ہیں جب کسی معاملے کی تلاش وجستجو میں کوئی شخص پریشان ہو کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ بشر بن حارث اسدی جس سال اس کی قوم پریشان تھی۔ یہ اس سال اپنی قوم کے ساتھ گیا۔ جب قوم گائے کے پاس سے گزری تو گائے بدک گئی اور وہ گائے پہاڑ کی چوٹی پر جا کر کھڑی ہو گئی۔ چنانچہ بشر بن حارث نے اس کو اپنی تیر کمان سے مار دیا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد بشر نے یہ کہا کہ تم گائے کی تلاش میں پڑے ہوئے ہو یہاں تک کہ میں نے اسے گرا دیا۔

طبی خواص

جس کو فالج ہو گیا ہو ان کے لیے نیل گائے کا مغز کھانا مفید تر ہے۔ اگر کوئی اپنے ساتھ نیل گائے کی سینگ رکھے تو اس سے درندے دور بھاگیں گے۔ اسی طرح کسی گھر میں نیل گائے کے سینگوں یا اس کے چرم یا کھروں کی دھونی دی جائے تو اس گھر میں سے سانپ بھاگ جائیں گے۔ اگر کھروں کی راکھ درد آمیز مڑی ہوئی زبان میں چھڑک دی جائے تو زبان کا درد جاتا رہے گا۔

نیل گائے کے بالوں سے گھر کو دھونی دینے سے چوہے کیڑے مکوڑے بھاگ جاتے ہیں۔

اگر کسی کے چوتھیا بخار آ رہا ہو تو نیل گائے کے سینگوں کو جلا کر کھانے میں ملا دیا جائے تو کھانے کے بعد بخار جاتا رہے گا۔ اس کے سینگوں کو جلا کر مشروبات میں ملا کر پینا باہ میں قوت اعصاب میں مضبوطی اور شہوت میں اضافہ کا سبب ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر سینگوں کو جلا کر نکسیر زدہ کی ناک میں پھونک دیں تو خون بند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نیل گائے کے سینگوں کی راکھ سرکہ میں ملا کر سورج کی طرف منہ کر کے برص میں لگانا بے حد مفید ہے۔ اگر اس کو ایک مثقال کی تعداد میں پھانک لیا جائے تو جس سے بھی پھونکنے والا مقابلہ کرے گا غالب آ جائے گا۔

اس کے سینگ کو گوند کتیرے کے ساتھ جلا کر راکھ کو خونی سیلان الرحم میں استعمال کریں' مجرب ہے۔

تعبیر

نیل گائے کی خواب میں تعبیر خوبصورت عورت سے کی جاتی ہے۔ اگر کسی نے یہ خواب میں دیکھا کہ اس نے نیل گائے کو قتل کیا۔ لیکن شکار کا ارادہ نہ تھا تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ کسی عورت سے بہت سا مال پائے گا۔

بقر الماء [1]

سمندری گائے۔امام قزوینی کہتے ہیں کہ لوگوں کا یہ گمان ہے کہ پانی سے ایک گائے نکلتی ہے جو باہر آ کر چرتی ہے۔اس کا گوبر عنبر[2] ہوتا ہے۔لیکن یہ حقیقت حال خدا ہی بہتر جانتا ہے اس لیے کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ عنبر دریا کی گہرائی سے نکلتا ہے۔اگر اس کی یہ بات صحیح ہے تو اس سمندری گائے کا گوبر دماغ حواس اور قلب کے لیے مفید ہے۔

بقرة بنی اسرائیل

بنی اسرائیل کی گائے

بنی اسرائیل کی گائے کو ام قیس' ام عویف بھی کہتے ہیں۔

یہ ایک دو سینگوں کا چھوٹا سا جانور ہے جو ریت میں رہتا ہے۔اگر تم کبھی اسے دیکھنا چاہو تو جہاں رہتا ہے ایک جوں یا چھوٹی چیونٹی پھینک دو۔چنانچہ یہ جانور فوراً نکل کر اسے پکڑ لے گا۔پھر جب یہ تمہارے ہاتھ آ جائے گا تو اس کی پشت کو پھاڑ کر سلائی لگا دو۔پھر اسے وہ شخص تین مرتبہ بطور سرمہ استعمال کرے جس کی آنکھ میں سفیدی ہو تو وہ سفیدی ختم ہو جائے گی اور جس جگہ بال نہ اُگ رہے ہوں تو اس جانور کو رگڑنے سے بال اُگ آتے ہیں۔

بق

پسو جوہری کہتے ہیں کہ بقة پسو کو کہتے ہیں اس کی جمع بُق آتی ہے (بفتحہ باء اور سکون قاف) باب العین باء اور لام میں زفر بن حارث کلابی نے کہا ہے ؎

الا انما قیس بن عیلان بقة   اذا وجدت ریح العصیر تغنت

---

[1] بقر الماء: دریائی گھوڑا۔(ج)

[2] عنبر بھورے رنگ کی نہایت خوشبودار شے ہے اس کا استعمال خوشبویات اور دواؤں میں ہوتا ہے بہت مہنگی اور قیمتی چیز ہے اس کی کئی قسمیں ہیں (اور غالباً یہ اقسام درجوں کے اعتبار سے ہے۔جیسے ہم کسی چیز کے بارے میں کہیں کہ یہ اصلی ہے' خالص ہے اور اس میں کچھ ملاوٹ ہے) عنبر کی سب سے اچھی قسم عنبر اشہب کہلاتی ہے۔اس کے بعد عنبر بلخی' عنبر خشخاشی وغیرہ ہیں۔اطباء کا خیال ہے کہ عنبر ایک قسم کی مکھی کا موم ہے اور جس مکھی کا یہ موم کہلاتا ہے وہ مکھی دریا کے درمیان واقع جزیروں میں جب باد باران زیادہ ہوتی ہے تو اس کا گھر بہہ کر دریا میں آ جاتا ہے اور پھر وہ موم یعنی عنبر آفتاب کی گرمی اور دریا کے تھپیڑوں سے دریا کی کنارے آ جاتا ہے تو جو لوگ اس کو پہچانتے ہیں دریا کے کنارے سے اُٹھا لیتے ہیں۔

بعض قدیم ماہرین کا خیال ہے کہ عنبر ایک رطوبت ہے جو دریا کے درمیان واقع کانوں اور جزیروں میں پیدا ہوتی ہے۔دریائی جانور اس کو بہت پسند کرتے ہیں اور نظر پڑتے ہی اس کا کھا لیتے ہیں مگر یہ ان کے ہضم نہیں ہوتا جس سے ان کے پیٹ پھول جاتے ہیں اور وہ مر کر دریا کی سطح پر اور پھر تھپیڑوں سے دریا کے کنارے پر آ جاتے ہیں' جو لوگ اس سے واقف ہیں وہ ان جانور کے پیٹ کو چیر کر عنبر نکال لیتے ہیں۔(مخزن الادویہ)

''یادر ہے قیس بن عیلان واقعی پسو ہیں۔جس وقت محسوس کرتا ہے شیرۂ انگور کی خوشبو تو گانے لگتا ہے۔''

پسو کو بق کے ساتھ فسافس بھی کہتے ہیں جس کا تذکرہ ان شاء اللہ باب فاء میں آ جائے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پسونفس حار سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ انسان کے خون کا اتنا شوقین ہوتا ہے کہ جیسے ہی اسے انسان کی خوشبو محسوس ہوتی ہے فوراً آ گرتا ہے۔ پسو مصر اور شام جیسے شہروں میں خوب ہوتے ہیں۔

پسو کا شرعی حکم

پسو گندہ ہونے کی وجہ سے کھانا حرام ہے جیسے کہ مچھر حرام ہے اس لیے کہ پسو میں دم سائل نہیں ہوتا۔ امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی لکھا ہے اور پسو میں جو خون ہوتا ہے وہ انسان کا چوسا ہوا ہوتا ہے جیسے کہ جوں' کھٹمل اور مچھر انسانوں کا خون چوستے ہیں۔ نیز امام رافعی و امام نووی وغیرہ نے جن جانوروں کے خون نہیں ہوتا' ان کی مثال میں پسو اور مچھر وغیرہ کو شمار کیا ہے۔

امام رافعی کہتے ہیں کہ جو پسو ہمارے علاقوں میں مشہور و معروف ہیں ان کو ان جانوروں میں شمار کرنا جن کے خون نہیں ہوتا محل اشکال ہے اور میں نے بہت سے شہروں میں یہ دیکھا ہے کہ وہ خون نہ ہونے والوں میں مچھروں کا نام لیتے ہیں۔ اس لیے جو لوگ اس کا مطلق ذکر کرتے ہیں اس سے مراد مچھر ہی ہوتا ہے۔

طبی خواص

امام قزوینی لکھتے ہیں کہ اگر گھر میں کلقند راور شونیز سے دھونی دے دی جائے تو اس گھر میں پسو نہیں آ سکتے۔ اسی طرح اگر کسی گھر میں صنوبر کے برادہ سے دھونی دے دی جائے تو بھی پسو اور مچھر چلے جاتے ہیں۔

حنین بن اسحاق کہتے ہیں کہ اگر کسی گھر میں حب محلب سے دھونی دے دی جائے تو سارے پسو بھاگ جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی گھر میں علق یا عاج یا بھینس کی کھال یا سرو درخت کی شاخوں سے دھونی دے دی جائے تو بھی پسو بھاگ جاتے ہیں۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حرمل کے پتوں کو سرکہ میں بھگو کر اس کا پانی گھر میں چھڑک دیا جائے تو پسو چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی حرمل اپنے سرہانے رکھ لے یا پاؤں کے پاس رکھ لے تو پسو اس کے پاس نہیں آ سکتے۔ اسی طرح اگر سداب کو سرکہ میں بھگو کر اس کا پانی گھر میں چھڑک جاتے ہیں۔ اگر کندر' کبریت کو باریک کر کے پانی میں پگھلا کر قنب (بھنگ) کی لکڑی میں لگا دیا جائے۔ پھر جہاں سوئے اس کو سر کے پاس رکھ لے تو پسو اس کے قریب نہیں آئیں گے۔

پسوؤں سے حفاظت کے لیے

ابن جمیع لکھتے ہیں کہ کمون خشک آس اور ترمس کا دھواں مچھروں اور پسوؤں کو بھگا دیتا ہے۔

اگر چار کاغذ میں مندرجہ ذیل نقشہ لکھ کر چاروں دیواروں میں چپکا دیں تو پسو چلے جاتے ہیں۔ ۱۱۱۲۱۲ نقش یہ ہے یہ نسخہ مجرب ہے۔

حدیث میں ذکر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

''میرے ان دونوں کانوں نے سنا اور میری آنکھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنے دونوں ہاتھوں سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا حسین رضی اللہ عنہ کو پکڑے ہوئے ہیں اور ان کے دونوں قدم آپ کے دونوں قدموں پہ ہیں اور آپ (بطور محبت و الفت) ان سے کہہ رہے ہیں اے چھوٹے چھوٹے قدم اوپر چڑھ' پسو کی آنکھیں۔ تو وہ بچہ آپ کے اوپر چڑھتا اور اپنا قدم

آپؐ کے سینہ مبارک پر رکھ دیتا۔ پھر آپؐ نے ان سے فرمایا کہ اپنا منہ کھولو۔ پھر ان کا بوسہ لیا اور فرمایا اے اللہ! کون نہ ان سے محبت کرے۔ میں ان سے محبت رکھتا ہوں۔" (رواہ الطبرانی بہ سند جید)

بزار نے بھی انہی بعض الفاظ کے ساتھ روایت نقل کی ہے۔

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ حزقة چھوٹے چھوٹے قدم چلنے کو کہتے ہیں۔ آپؐ نے یہ بطور محبت اور مذاق کے فرمایا تھا ترق کے معانی تم چڑھا کرو۔ عین بقة چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے کنایہ ہے۔ یہ مرفوع ہے اس لیے کہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

محمد بن علی بن حسین بن محمد کی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ اصبغ بن نباتہ حنظلی کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے خطبہ دیتے وقت سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے:

"آدم کی اولاد اور کیا ہے اولاد آدم! پسو اسے ایذا پہنچاتا ہے اس کا پسینہ اسے بدبودار کرتا ہے اور اچھو کا لگ جانا اسے ہلاک کرتا ہے۔" (الکامل ابن عدی وتاریخ ابن نجار)

اصبغ بن نباتہ حنظلی یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ایسی ایسی باتیں نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ایسی باتیں کسی نے بھی نہیں لکھی ہیں اس لیے ان کی نقل کردہ چیزیں ناقابل شنید و نامعتبر ہیں۔ اصبغ بن نباتہ حنظلی سے صرف ابن ماجہ نے ایک روایت نقل کی ہے وہ یہ ہے:

نزل جبرئیلؑ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحجامة الا خدعین و الکاھل. (رواہ ابن ماجہ)

ضرب الامثال

اہل عرب کہتے ہیں: **فلان اضعف من بقة** "کہ فلاں پسو سے بھی زیادہ کمزور ہے۔"

تعبیر

پسو خواب میں نیزہ زن کمزور دشمنوں کے روپ میں آتے ہیں اور یہ ایسا جھنڈ ہے جن سے وفا کی اُمید نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی یہ مضبوط و توانا ہوتے ہیں۔

اور کبھی کبھی حزن و ملال اور رنج سے بھی تعبیر دی جاتی ہے۔ اس لیے کہ پسو نیند نہیں آنے دیتے اور حزن و رنج کا بھی یہی حال ہے کہ رنجیدگی کے وقت نیند نہیں آتی۔

پسو اور مچھر کو خواب میں ایسے دیکھنا کہ وہ اس کے گھر سے نکل رہے ہیں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے گھر کے مکین موت کی وجہ سے گھر چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو جائیں گے۔

اور اگر کسی نے مچھر یا پسو کو اپنے مکان، جگہ، مقام پر دیکھا تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اس مقام، جگہ، مکان میں رہنے والے کی نسل اور خاندان وشاخیں زیادہ ہوں گی۔ واللہ اعلم بالصواب

بکر

بکر، جوان اونٹ کو کہتے ہیں۔ جوان اونٹنی کو بکرۃ اور جمع کے لیے بکار بولتے ہیں جیسے فرخ (پرندے کا بچہ) کی جمع فراخ آتی ہے اور البکر کی جمع قلت ابکر آتی ہے۔

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جوان اونٹ کے لیے بَکر، جوان آدمی کے لیے فتی، جوان اونٹنی کو بکرۃ اور جوان عورت کو فتاۃ کہتے ہیں۔ لفظ

قلوص اونٹ کے لیے بھی بولتے ہیں۔لیکن اونٹ کے ان تمام ناموں میں فرق ہے۔مثلاً لفظ قلوص اونٹ کے لیے باندی کی جگہ پر بعیر اونٹ کے لیے انسان کی جگہ جمل اونٹ کے لیے مرد کی جگہ پر ناقۃ اونٹ کے لیے عورت کی جگہ پر بولا جاتا ہے۔

امام مسلم کی روایت میں ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے جوان اونٹ (بکرٌ) قرض لیا۔جب صدقہ کا اونٹ آپؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے اسے جوان اونٹ ہی ادا کرنے کا حکم مجھے دیا تو میں نے عرض کیا کہ اس میں تو صرف وہ عمدہ اونٹ ہیں جن کے کینچلی کے دانت ٹوٹ چکے ہیں۔تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اسی کو دے دو کیونکہ جمل (عمدہ اونٹ) کی ادائیگی بہترین ادائیگی ہے۔''

بعض روایتوں میں رباعیاً کے بجائے بازلا آیا ہے مگر ترجمہ دونوں کا ایک ہی ہے۔

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ جوان اونٹ فروخت کیا۔اس کے بعد تقاضہ کرنے کی غرض سے آپؐ کے پاس حاضر ہوا۔اور کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس جوان اونٹ کی قیمت ادا کر دیجئے۔آپؐ نے اس پر ہاں کہا اور ادائیگی فرمادی اور بہت اچھی طرح ادائیگی فرمائی۔اس کے بعد ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول میرے بکر (عمدہ اونٹ) کی ادائیگی کر دیجئے تو آپؐ نے اسے بڑی عمر والا اونٹ ادا کیا۔اس پر وہ شخص آیا کہ یہ تو میرے اس جوان اونٹ سے بھی عمدہ و بہتر ہے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہارا رہا (پھر فرمایا کہ) قوم کا افضل و بہتر شخص وہ ہے جو ادائیگی اچھی طرح کرتا ہے۔''

(رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے ارادے سے نکلے جب وادی عسفان پر پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عمرؓ جانتے ہو کہ یہ وادی عسفان ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں یہ وادی عسفان ہے۔تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس وادی سے حضرت نوح، ہود، ابراہیم علیہم السلام اپنے جوان اونٹوں پر سوار ہو کر گزرے ہیں۔ان کے گدھے تھے جن کے اوپر پڑے ہوئے گدے صرف چٹائیاں تھیں اور ان کی لنگیاں خود ان کی عبائیں تھیں اور چادروں کی جگہ وہ کھال استعمال کر رہے تھے۔'' (رواہ ابویعلی باسناد)

سیرین بن معبد جہنی سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

''میں غزوہ فتح مکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں متعہ کی اجازت دے دی۔چنانچہ میں اور میرے ساتھ ایک دوسرا شخص قبیلہ بنوعامر کی ایک عورت کے پاس گئے۔عورت ''بکرۃ عیطاء'' یعنی معتدل لمبی گردن والی ایک نوجوان لڑکی تھی۔ہم لوگوں نے اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کیا تو اس نے سوال کیا تم ہمیں کیا دو گے؟ میں نے جواب دیا کہ چادر۔دوسرے شخص نے بھی چادر ہی دینے کو کہا اور میرے دوسرے ساتھی کی چادر میری چادر سے عمدہ تھی اور میں اس شخص سے عمر میں کم اور نوجوان تھا۔غرض وہ عورت جب اس کی چادر کی طرف دیکھتی تو اسے وہ بہتر معلوم ہوتا اور جب وہ میری طرف دیکھتی تو میں اس کی نگاہوں میں بہتر معلوم ہوتا تھا۔الغرض اس نے مجھ سے کہا کہ تم اور تمہاری چادر ہی میرے لیے کافی ہے۔اس کے بعد تین دن، میں اس کے ساتھ رہا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کر دیا کہ جن کے پاس متعہ کی عورتیں

ہیں انہیں چاہیے کہ ان کو الگ کردیں۔ اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ ابھی ہمارے متعہ کی مدت پوری نہیں ہوئی تھی کہ آنحضور ﷺ نے اسے حرام کردیا۔'' (رواہ الامام مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ کو ایک اونٹنی ہدیہ میں دی تو آپ ؐ نے اسے چھ جوان اونٹ اس کے بدلے میں عطا کیے' تو وہ دیہاتی اس پر ناراض ہوگیا۔ جب آنحضور ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ؐ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ فلاں شخص نے مجھے ایک اونٹنی ہدیہ میں دی جس کے عوض میں نے اسے چھ جوان اونٹ دیئے تو وہ ناراض وغصہ ہوگیا۔ اب میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ قرشی' انصاری' ثقفی اور دوسی کے علاوہ کسی اور کا ہدیہ قبول نہیں کروں گا۔'' (رواہ الترمذی' ابوداؤد' النسائی' والحاکم)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے **صدقنی سن بکرۃ** (اس نے مجھ سے اپنے جوان اونٹ کی عمر صحیح صحیح بتائی) یہ جملہ اہل عرب سچ خبر دینے والے کے لیے بطور ضرب المثل بولتے ہیں۔ اسے انسان اپنے خلاف بھی بولتا ہے گو مضرت رساں کیوں نہ ہو۔

اہل علم لکھتے ہیں کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے جوان اونٹ خریدنے کے بارے میں بھاؤ تاؤ کر رہا تھا تو خریدنے والے نے فروخت کرنے والے سے اونٹ کی عمر دریافت کی تو اس نے بالکل سچ سچ بتادی تو خریدنے والے نے کہا **صدقنی سن بکرۃ** (اس نے مجھ سے اپنے جوان اونٹ کی عمر بالکل صحیح بتادی)۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے غلام کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں موسم گرما میں آقا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا کہ اچانک آپ ؓ نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنے دو جوان اونٹ ہانکنے لیے جارہا ہے اور وہ گرمی میں زمین پر بستر کی طرح رینگتے ہوئے چلا جارہا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ ؓ نے فرمایا اس شخص کو کیا ہوگیا ہے۔ اگر یہ مدینہ میں آرام کرکے پھرتا چلتا تو کیا ہوجاتا۔ اتنے میں وہ آدمی قریب آیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا دیکھو کون ہے؟ چنانچہ میں نے دیکھا تو سیدنا امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے آقا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جناب والا یہ تو امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ سن کر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور سر کو دروازہ سے باہر نکال کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ گرم لو سے جھلس رہے ہیں۔ پھر آپ نے دوبارہ سر نکالا تو آمنا سامنا ہوا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ کو اس وقت کیا جلدی پڑی تھی؟ یہ سن کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ دو جوان اونٹ صدقہ کے تھے جو پیچھے پیچھے رہ گئے تھے اور صدقہ کے اونٹوں کی قطار جاچکی ہے میں نے اسی وقت مناسب سمجھا کہ انہیں قطار تک پہنچادوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ جوان اونٹ ضائع ہوجائیں۔ پھر مجھ سے قیامت کے دن خدائے پاک سوال کریں۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اچھا آپ پانی پینے اور کچھ دیر سستانے کے لیے یہاں آجایئے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ اپنے سایہ کا انتظام کریں۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ بولے ہمارے پاس آپ کے لیے بھی کافی انتظام ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نہیں بس آپ ہی کو ٹھنڈی جگہ مبارک ہو۔ یہ کہتے ہوئے عمر فاروق رضی اللہ عنہ چل دیئے۔

یہ معاملہ دیکھ کر آقا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر کوئی دیانت دار اور صابر شخص کو دیکھنا چاہے تو وہ انہیں دیکھ لے۔ (مسند الامام شافعی)

ضرب الامثال

حدیث میں ہے:

(۱) **جائت هوازن على بكرة ابيها** (قبیلہ ہوازن کے لوگ سب کے سب آگئے) پیچھے کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ (**بکرۃ** لوگوں کی جماعت کو کہتے ہیں) معانی یہ ہیں کہ وہ سب کے سب باپ وخاندان سمیت آگئے۔ گویا اس میں ان کی قلت اور کمزوری کو بیان کیا

گیا ہے۔

(۲) اہل عرب یوں بھی کہتے ہیں جاء وا علی بکرة ابیھم یعنی وہ سب کے سب آ گئے۔کوئی بھی باقی نہیں رہا۔

ضرب المثل کی اصل یہ ہے کہ ساری کی ساری قوم کو قتل کر دیا گیا۔ چنانچہ یہ جملہ انہی لوگوں کے لیے استعمال کیا گیا پھر یہ مثل ہر ان لوگوں کے لیے بولنے لگے جو اکٹھا ہو کر آ رہے ہوں۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اس مثل کے معانی یہ ہیں کہ وہ سب آ گئے کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ حالانکہ یہاں جوان اونٹ حقیقت میں نہیں رہا۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں بکرة کے معانی جس کے پاس لوگ کچھ طلب کرنے کے لیے آئیں۔تو مطلب یہ ہو گا وہ سب بعض کے بعد آتے رہے جیسے کہ اونٹ ایک ہی راستہ پر آتے ہیں۔

بعض اہل علم یہ لکھتے ہیں کہ یہاں بکرة سے مراد راستہ ہے یعنی وہ سب اپنے آباؤ اجداد کے نقش پر آئے۔بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ جملہ بطور مذمت' قلت اور رسوائی کے موقع پر بولا جاتا ہے تو اس وقت مطلب یہ ہو گا کہ ان لوگوں کی سواری کے لیے بس ایک ہی جوان اونٹ کافی ہے اور مثل میں باپ کا ذکر خاص طور پر ذلت اور رسوائی کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

نوٹ: جوان اونٹ کے طبی فوائد اور خواب کی تعبیریں وہی ہیں جو اونٹ کی ہیں۔

اَلْبُلْبُلُ

بضمہ دو بائے موحدہ وسکون دو لام کے۔

بلبل عصفور' گوریا اور چڑا کے قبیل سے ہے اسے بطور تصغیر کعیت او جمیل بھی کہتے ہیں۔بلبل کا دوسرا نام النضر بھی ہے جس کی تفصیل آگے آ جائے گی۔بعض شعراء نے دلچسپ اشعار کہے ہیں ؎

ما طائر نصفه كله له فی ذری الروح سير و لبث

''کیا ہی بھلا ہے وہ پرندہ جس کا نصف ہی کل ہے اور جس کا چلنا ور کنا صحن اور اس کے اطراف ہی میں ہے۔''

رأينا ثلاثة ارباعه اذا صحفوها غدت و هی ثالث

''میں نے اس کا تین چوتھائی دیکھا اور جب وہ ان سب کو ملا لیتا ہے تو وہ ایک تہائی رہ جاتا ہے۔''

علی بن مظفر ابوالفضل آمدی نے جو شہر واسط کے قاضی تھے بہت اچھے اشعار کہے ہیں ؎

واهاله ذكر الحمٰى فتاوها ودعا به داعی الصبا فتو لها

''افسوس ہے اس پر کہ جب اس کے سامنے بخار آتا ہے تو کراہنے لگتا ہے اور جب داعی شوق ومحبت اسے حاضری کی دعوت دیتی ہے تو اس کے پیچھے ہو لیتا ہے۔''

هاجت بلابله البلابل فانثلت اشجانة تشنی عن الحلم النهى

''ان کی بلبلوں نے جب دوسری بلبلوں کی مذمت کی اور اس کے غم واندوہ صبر وتحمل سے ہٹ کر اسے منع کرنے میں لگ گئے۔''

فشكاجوی و بكا اسی و تنبه وجد القديم ولم يزل منبها

''مبتلائے سوزِ عشق نے شکایت کی اور غم وافسوس کے آنسو بہائے پرانی محبت کا واسطہ دیا اور اس بات پر متنبہ کرتی رہی۔''

لا تکرهوه علی السلو فطالما　　حمل الغرام فکیف یسلو مکرها

''کہ تم اسے بھلا دینے پر مجبور نہ کرو کیونکہ کبھی وہ مبتلائے مرض عشق رہ چکا ہے تو پھر اس کے شدائد کو کس طرح بھلا سکتا ہے۔''

لا عتب یا سعدی علیک فسامحی　　وصلی فقد بلغ السقام المنتهی

''اسے سعدی! تم سے کوئی دشمنی یا ناراضگی نہیں ہے۔ تم عفو ودرگزر اور چشم پوشی کرو اور وصل اختیار کرو کیونکہ مرض انتہا کو پہنچ چکا ہے۔''

یوسف بن لؤلؤ نے کتنے اچھے اشعار کہے ہیں ۔

باکر الی الروضة تستجلها　　فثغرها فی الصبح بسام

''وہ صبح سویرے باغ کی طرف اسے آراستہ کرنے نکلی تو صبح ہی صبح اس کا چہرہ (کھلا ہوا) مسکراتا ہوا تھا۔''

والنرجس الغض اعتراه الحیا　　فغض طرف فیه اسقام

''گویا کہ وہ شاداب تر و تازہ نرگس ہے جسے حیا کے پردوں نے ڈھانپ رکھا ہے اس نے اپنی نگاہوں کو نیچے کر لیا مگر اس کی نگاہ میں کھوٹ تھا۔''

وبلبل الروح فصیح علی　　الایکة والسحر و رتمتمام

''گھنے درخت کی بلبل گنجان درخت پر گا رہی ہے اور سحر در پرندہ بھی گا رہا ہے۔''

ونسمة الصبح علی ضعفها　　لها بنا مر والمام

''نسیم صبح اگرچہ ہلکی ہے مگر میرے پاس سے اس کا گزر ہے اور میری طرف اس کی توجہ بھی ہے۔''

فعاطنی الصهباء مشمولة　　عذراء فالواشون نوام

''ٹھنڈی شرابوں نے اس کنواری کے لیے میری گردن لمبی کر دی کیونکہ دوسرے رقیب سو رہے ہیں۔''

واکتم احادیث الهوی بیننا　　ففی خلال الروض نمام

''اور اپنے درمیان ہو رہی محبت کی باتوں کو چھپا رہا ہوں۔ کیونکہ اس باغ میں بات پھیلانے والے چغل خور بھی ہیں۔''

یہ بھی انہی کے دلچسپ اشعار ہیں ۔

سقی الله ارضانور وجهک شمسها　　وأحیا بلادا انت فی افقها بدر

''اللہ نے زمین کو سیراب کیا۔ تیرے چہرے کا نور اس کا سورج ہے اور زمین کو زندہ کیا تو تم اس کے افق پر بدر کامل ہو۔''

وروی بقاعا جود کفک غیثها　　ففی کل قطر من نداک بها قطر

''اور اس نے اس خطے کو سیراب کیا تو تمہارے ہاتھوں کی سخاوت اس کی بارش ہے۔ غرض تمہارے شبنم کا ہر قطرہ اس کا عظیم قطرہ ہے۔''

یہ بھی ان ہی کے اشعار ہیں ۔

تسلسل دمعی و هی لاشک مطلقا وصح حقیقا حین قالوا تکسرا
''میرے آنسو بہہ پڑے اور بلاشبہ وہ جاری ہیں (ان پر گرفت نہیں) اور بلاشبہ لوگوں کا یہ تبصرہ کہ ایک بند تھا جو ٹوٹ گیا۔''

وفی قلب مائی للقلوب سرة وقالو اسیجزی بالھنا و کذا جری
''اور میرا رقت آمیز قلب دوسروں کے لیے باعث مسرت ہے۔ لوگوں نے یہ کہا کہ عن قریب انجام خوشگوار ہوگا اور پھر ایسا ہی ہوا۔''

یہ بھی ان ہی کے اشعار ہیں ۔

بعینی رائیت الماء القی بنفسه علی رأسه من شاهق فتکسرا
''میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ پانی نے اپنے آپ کو اونچائی سے اس کے سروں پر ڈال دیا تو وہ ٹوٹ گیا۔''

وقام علی اثر التکسر جاریا الا فاعجبوا ممن تکسر قد جری
''اور ٹوٹنے کے بعد ہی وہ پھر جاری ہوگیا تو لوگ اس سے بہت متعجب ہوئے کہ جس سے ٹوٹا تھا اس سے پھر جاری ہوگیا۔''

یہ بھی ان ہی کے اشعار ہیں ۔

انفقت کنز مدائحی فی ثغره وجمعت فیه کل معنی شارد
''میں نے مدح کے اپنے پورے خزانے کو اس کے چہرے کی مدح میں صرف کر دیا اور اس کے اندر تمام نوادرات کو جمع کر دیا۔''

وطلبت منه جزاء ذلک قبلة فابی و راح تغزلی فی البارد
''اور جب میں نے اس سے اس کا بدلہ ''ایک بوسہ'' مانگا تو اس نے انکار کر دیا اور ٹھنڈے ماحول میں غزل سرائی کرنے لگیں۔''

اہل عرب کہتے ہیں البلبل یعندل یعنی بلبل بول رہی ہے۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا گزر ایک بلبل کے پاس سے ہوا جو درخت پر بیٹھ کر چہچہا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر آپ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ بلبل کیا کہہ رہی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں نہیں معلوم۔ آپ نے فرمایا وہ یہ کہہ رہی ہے کہ میں نے نصف کھجور کھایا ہے۔ پس دُنیا ایک دن نیست و نابود ہو جائے گی۔

(رواہ ابونعیم وصاحب الترغیب والترہیب)

اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ باب العین عقعق میں آجائے گی۔

امام زمخشری آیت و کاین من دآبة لا تحمل رزقها کی تفسیر کے بارے میں کہتے ہیں کہ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بلبل اپنی روزی جمع کر لیتی ہے۔

امام مالکؒ سے ایک استفتاء

امام بویطی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میں بچپن میں سیدنا مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک سوال کرنے کے لیے آیا۔ اس نے یہ سوال کیا کہ میں نے تین طلاق کی قسم کھائی ہے اگر یہ بلبل چہچہانے سے نہ رکی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم حانث ہو گئے۔ اتنے میں سوال کرنے والا چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعض تلامذہ کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ کہا کہ اس نوجوان نے غلطی کی ہے۔ چنانچہ اس بات کی اطلاع

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو دی گئی کہ یہ بچہ کچھ کہتا ہے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بارعب آدمی تھے یہاں تک کہ کسی آدمی کو ان سے مجلس میں گفتگو کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔کبھی کبھی کوتوال آتا اگر امام زینت مجلس ہوتے تو سرہانے کھڑا ہو جاتا کلام کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

چنانچہ تلامذہ نے کہا عالی جناب یہ بچہ کہتا ہے کہ اس نوجوان نے غلطی کی ہے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم یہ کیسے کہتے ہو؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کیا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جو فاطمہ بنت قیس کے واقعہ میں ہے،ہم سے روایت نہیں بیان کی کہ فاطمہ نے آپؐ سے یہ کہا کہ ابوجہم و معاویہؓ نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوجہم کی لاٹھی کندھے سے نہیں اُترتی اور رہے معاویہ تو وہ فقیر ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے۔تو کیا ابوجہم کی لاٹھی ہمیشہ ان کے کندھے پر رہتی تھی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اکثر اوقات کی طرف تھی۔یہ سن کر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی قدر و منزلت کو پہچان لیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس وقت میں نے مدینہ منورہ سے باہر جانے کا ارادہ کیا تو میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا۔جب میں رخصت ہونے لگا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے بچے خدا سے ڈرتے رہنا اور جو علم کی روشنی خدائے پاک نے تمہیں دی ہے اسے معاصی کے ذریعہ مت بجھانا۔چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ. (النور:۴۰)

''اور جس کو خدا تعالیٰ نے ہدایت کی روشنی سے محروم رکھا پھر اسے نور ہدایت کہیں نہیں ملے گا۔''

اس واقعہ میں بلبل کا تذکرہ ہے لیکن دوسرے طریق سے جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس میں قمری کا تذکرہ ہے۔(ان شاء اللہ مزید تفصیل آجائے گی)

بلبل کے طبی خواص

ہندوستان میں دو قسم کی بلبل پائی جاتی ہے ایک پہاڑی اور دوسری میدانی۔پہاڑی بلبل کی بہ نسبت میدانی بلبل زیادہ خوبصورت اور خوش شکل ہوتی ہے۔بلبل کے انڈے اور مغز باہ کے اضافے کے لیے مفید ہیں۔اس کی بیٹ جلد کے نشانوں کو جلی اور ظاہر کر دیتی ہے اور چہرے کی جھائیوں کو دور کر دیتی ہے۔

اس کی بیٹ پڑبال کے لیے بھی مفید ہے۔اس کا حمول اسقاط جنین کے لیے موثر ہے۔

بلبل کے پر کی راکھ زخموں کے بھرنے کے لیے مجرب ہے۔بلبل کا گرم گرم خون سانس کے لیے اور پھیپھڑوں کی نالیوں کی صفائی کے لیے مفید ہے۔

تعبیر

خواب میں بلبل مال دار مرد کی شکل میں آتی ہے۔بعض کے قول کے مطابق بلبل مال دار عورت کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔بعض معبرین کہتے ہیں کہ خواب میں بلبل قرآن کریم کے قاری بچے کی شکل میں آتی ہے جس کے بعد کوئی بچہ نہ ہو۔کبھی بلبل کی تعبیر نیک بخت لڑکے سے بھی کی جاتی ہے۔

بُلَح

ابن سیدۃ کہتے ہیں کہ بُلَح سیاہ سفید رنگ کا گدھ سے بڑا پرندہ ہوتا ہے جس کے بال جھلسے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔اگر اس پرندہ کا کوئی بال کسی دوسرے پرندہ کے بالوں میں وسط میں گر جاتا ہے تو دہشت زدہ کر دیتا ہے۔بعض نے کہا ہے کہ بُلَح بوڑھے اور پرانے گدھ کو کہتے ہیں۔اس کی جمع بلحان آتی ہے۔

بَلشون

بلشون (البلشون) بگلا کو کہتے ہیں۔ان شاءاللہ تفصیل باب میم میں آجائے گی۔

بُلصوص

ایک پرندہ کو کہتے ہیں اس کی جمع خلاف قیاس بلنصی آتی ہے۔امام سیبویہ کہتے ہیں کہ جمع میں نون زائد ہے۔اس لیے کہ واحد کے لیے بلصوص اور عام لوگ ابولصیص کہتے ہیں۔ بطلیوسی کہتے ہیں کہ ان دونوں اسموں کے بارے میں لغویین کا اختلاف ہے کہ واحد کون ہے اور جمع کسے کہیں گے۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ بلصوص ہی واحد ہے اور بلنصی جمع ہے اور کچھ حضرات نے اس کے برعکس کہا ہے کہ واحد بلنصی ہے اور جمع بلصوص ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نر کو بلصوص اور بلنصی مادہ کو کہتے ہیں۔اس کا تذکرہ ابن ولاد نے کیا ہے اور یہ مصرع بھی لکھا ہے

والبلوص یتبع البلتصی.

''بلصوص نر اپنی مادہ کا پیچھا کیے رہتا ہے۔''

ابن ولاد نے یہ بھی کہا ہے کہ قیاس تقاضا کرتا ہے کہ بلصوص کی جمع بلاصیص ہونی چاہیے۔

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ میں اس پرندہ کا شرعی حکم معلوم نہیں کر سکا۔

بنات المَاء

ابن ابی الاشعث کہتے ہیں کہ بنات الماء نام کی بحر روم میں ایک قسم کی مچھلیاں ہوتی ہیں جو عورتوں سے مشابہ ہوتی ہیں جن کے سیدھے بال ہوتے ہیں رنگ گندمی ہوتا ہے۔شرمگاہ اور پستان بڑی بڑی ہوتی ہیں۔ باتیں تو کرتی ہیں لیکن سمجھ سے بالاتر کرتی ہیں۔ہنستی ہیں' قہقہہ مارتی ہیں۔کبھی کبھی کشتی بان ان کو پکڑ کر لے آتے ہیں اور ان سے وطی کر کے پھر دریا میں چھوڑ دیتے ہیں۔

رویانی کہتے ہیں کہ جب ان کے پاس کوئی شکاری عورتوں کی شکل کی مچھلی پکڑ کر لاتا تھا تو یہ ان سے وطی اور جماع نہ کرنے کا حلف لیتے تھے۔

امام قزوینی کہتے ہیں کہ ایک آدمی بادشاہ کے پاس اس قسم کی مچھلی شکار کر کے لے گیا تو ان کی گفتگو سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ چنانچہ اس آدمی نے اس سے شادی کر لی۔ان سے ایک بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ اپنے ماں اور باپ دونوں کی گفتگو سمجھتا تھا۔(اس کا تھوڑا سا تذکرہ باب الف انسان الماء کے عنوان میں کر دیا گیا ہے)

بنات وردان

گبریلا ان شاءاللہ گبریلے کا تذکرہ باب واؤ کے آخر میں آجائے گا۔

بُھار

بہار سفید قسم کی بہترین سمندری مچھلی ہوتی ہے۔
جوہری کہتے ہیں کہ بہار تین سو رطل کا ایک باٹ ہوتا ہے۔
سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ جن کو ابن الصعبہ بھی کہتے ہیں انہوں نے مرنے کے بعد سو عدد بہار چھوڑے تھے اور ہر بہار میں تین قنطار (ایک قنطار سو رطل کا ہوتا ہے) سونا تھا۔ چنانچہ اس کا ایک پیالہ بنا لیا گیا تھا۔
ابو عبید بن قاسم بن سلام کہتے ہیں کہ کلام عرب میں بہار تین سو رطل کا ہوتا ہے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ یہ عرب میں نہیں ہوتا بلکہ قبطیہ خاندان میں ہوتا تھا۔

بهثة

بہثہ نیل گائے کو کہتے ہیں اس کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

بهرمان

ابن سیدہ کہتے ہیں کہ بہرمان عصفور (گوریا' چڑا) کی قسم ہے۔

بهمة

بہمہ گائے' بھیڑ' بکری کے بچوں کو کہتے ہیں۔ لیکن اس میں نر اور مادہ دونوں برابر ہیں۔ جمع بَھَمٌ بُسمٌ اور بہامات آتی ہے۔
امام ازہری کہتے ہیں کہ بکری یا بھیڑ کا بچہ نر ہو یا مادہ پیدا ہوتے ہی سخلۃ (ج سخال) کہلاتا ہے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد بہمہ کہلاتا ہے۔ اگر بکری کا بچہ چار ماہ کا ہو گیا ہو اور ماں سے جدا ہو گیا ہو تو وہ (ج جفار) کہلاتا ہے پھر جب کر ذرا توانا ہو گیا ہو تو وہ عریض اور عتود کہلاتا ہے' اس کی جمع عرضان وعتدان آتی ہے نیز بعض کے قول کے مطابق جدی بھی کہتے ہیں لیکن اگر ایک سال کا نہ ہوا ہو تو مادہ بچہ کو عناق (ج عنق) کہتے ہیں' اگر بچہ نر ہو' ایک سال کا ہو گیا ہو تو اسے تیس کہتے ہیں اور مادہ بچہ کو عنز کہتے ہیں۔ پھر دوسرے سال میں داخل ہونے کی وجہ سے نر بچے کو جذع اور مادہ بچے کو جذعۃ کہتے ہیں۔
امام زہری کہتے ہیں کہ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ جو بات عناق کے بارے میں امام نووی نے تحریر کی ہے اس میں کچھ لغزش ہو گئی ہے۔ واللہ اعلم (شرح الفاظ مختصر)
لقیط بن صبرہ کہتے ہیں:
''میں وفد بنی المنتفق کے آنے والوں میں سے یا وفد بنی التفق کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ رہا تھا جب ہم لوگ آپؐ کے یہاں حاضر ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں موجود نہ تھے۔ ہم لوگ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ملے' انہوں نے ہم لوگوں کے لیے حریر[1] یا دلیہ[2] بنانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ تیار ہو گیا اور ہم لوگوں کے سامنے قناع (بڑی

---

[1] ایک قسم کی نرم غذا جسے دودھ' روغن اور آٹے سے تیار کیا جاتا ہے۔ (ج)
[2] عصیدہ: گاڑھا دلیا جسے گندم کے آٹے اور مکھن سے تیار کیا جاتا ہے۔ (ج)

پلیٹ لائی گئی) قناع ایک سینی تھی جس میں کھجور تھے (ہم لوگوں نے اسے کھالیا) پھر آنحضور ﷺ تشریف لائے اور ہم لوگوں سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تم لوگوں نے کچھ کھایا' یا یہ کہ تم لوگوں کے لیے (کچھ تیار کرنے کا) حکم دیا ہے؟ تو ہم لوگوں نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ! ابھی ہم لوگ آنحضور ﷺ کے ساتھ ہی تھے کہ ایک چرواہے نے اپنی بکری کو بیت الخلاء کی طرف ہنکا دیا اور اس کے ساتھ بکری کا ایک بچہ تھا جو مینگنی کر رہا تھا۔ آنحضور ﷺ نے اس سے پوچھا کہ اے لڑکے! اس نے کیا جنا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ "بہمۃ" تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کی جگہ تم کوئی ایک بکری ذبح کر دو' پھر فرمایا کہ یہ مت سمجھو کہ میں نے اسے تمہاری وجہ سے ذبح کیا ہے (بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ) میرے پاس سو بکریاں ہیں اور ہم نہیں چاہتے کہ اس میں کچھ اضافہ ہو اس لئے جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی جگہ میں کوئی بکری ذبح کر دیتا ہوں۔ پھر میں نے آپؐ سے عرض کیا کہ میری ایک بیوی ہے جس کی زبان میں کچھ یعنی فحش گوئی یا جھگڑالو پن ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر تو اسے طلاق دے دے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ میرے ساتھ رہ چکی اور میرا اس سے ایک لڑکا بھی ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو تو اُسے نصیحت کر۔ اگر اس میں ذرا بھی خیر ہوگی تو وہ اس پر عمل کرے گی اور جس کے ساتھ تو ہمبستری کرتا ہے اسے لونڈیوں اور باندیوں کی طرح پیٹا مت کر۔ اس کے بعد پھر میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہمیں وضو کے متعلق کچھ بتایئے تو آپؐ نے فرمایا کہ وضو پوری طرح کرو۔ انگلیوں کا خلال کرو اور اگر روزے سے نہ ہو تو استنشاق میں مبالغہ کرو۔"

(رواہ الشافعی و ابن خزیمۃ و ابن حبان و حاکم و اصحاب السنن الاربعہ)

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کہتے ہیں کہ:

"نبی کریم نے ایک دیوار کی طرف رُخ کر کے اس طرح نماز پڑھی کہ اسے قبلہ بنالیا اور ہم لوگ آپؐ کے پیچھے تھے کہ بکری کا ایک بچہ آیا اور سامنے سے گزرنے لگا تو آنحضور ﷺ اسے دفع کرتے رہے یہاں تک کہ اس کا پیٹ دیوار سے لگ گیا۔ (آخر مجبور ہوکر) وہ پیچھے سے گزرا۔" (ابوداؤد)

اسی قسم کی ایک حدیث جدی کے بیان میں آئے گی۔

یزید بن اصم بحوالہ میمون نقل کرتے ہیں کہ:

"آنحضور ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنے سامنے سے پیٹ کو زمین سے الگ کر لیتے حتیٰ کہ اگر کوئی بکری کا بچہ درمیان سے گزرنا چاہتا تو گزر جاتا۔" (رواہ مسلم' ابوداؤد' والنسائی' وابن ماجہ)

بهيمة

چوپائے۔ ابن سیدہ کہتے ہیں کہ خشکی یا سمندر میں رہنے والے چوپاؤں کو بہیمۃ کہتے ہیں اس کی جمع بہائم آتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"وحشی جانوروں کے بدکنے کی طرح ان چوپاؤں میں بدک پن ہے۔"

ان کو بہیمۃ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ گفتگو نہیں کر پاتے۔ نہ باتیں سمجھتے ہیں اور نہ ان کو عقل ہوتی ہے اسی سے بَابٌ مُبْهَمٌ ای بَابٌ مُغْلَقٌ یعنی پیچیدہ باب ہے۔ لَيْلٌ مُبْهِمٌ تاریک رات۔

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْإِنْعَام. (انعام)

''مویشیوں کے چوپائے تمہارے لیے حلال کر دیئے گئے ہیں۔''

انعام (مویشیوں) کی نسبت بہیمۃ کی طرف خاص صفت کی وجہ سے کر دی گئی ہے۔

(انعام) آٹھ جانور کہلاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو انعام کہا جاتا ہے جس طرح ان سب کے مجموعے کو بھی انعام کہا جاتا ہے۔ پھاڑ کھانے والے درندے مثلاً شیر اور ہر کوچلی والے جانور انعام (مویشیوں) میں داخل نہیں ہیں اس لیے بہیمۃ الانعام چرنے والے چوپاؤں اور مویشیوں کو کہتے ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بہیمۃ الانعام ان کو کہتے ہیں جو ذبح کرتے وقت ماں کے پیٹ سے نکلتے ہیں۔ انہیں بغیر ذبح کئے ہوئے کھایا جا سکتا ہے۔ یہی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس لیے کہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ. (الانعام)

''مگر جس کا حکم تم پر نازل ہو چکا۔''

اور ان جنے ہوئے بچوں میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جن کی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کر دیا جائے۔ اھ

خدائی فرمان کے مطابق مویشیوں کا گوشت کھانا جائز ہے اس لیے کہ رات سے دن کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ اگر امراض نہ ہوتے تو صحت وتندرستی کی نعمت کا لطف جاتا رہتا۔ اسی طرح اگر دوزخ نہ ہوتی تو جنت کی قدر و قیمت نہ معلوم ہوتی۔

نیز انسانوں کا مویشیوں کی قربانی کرنا اور ان کو ذبح کرنا ظلم نہیں ہے بلکہ یہ تو ناقص پر کامل کو مقدم کرنا ہے جو عین عدل ہے۔ اسی طرح دوزخیوں پر جنتیوں کا فخر کرنا یا ایمان والوں کو کافروں پر ترجیح دینا ہے۔ جو کہ عین انصاف ہے۔ اسی طرح اگر ناقص اشیاء نہ پیدا کی جاتیں تو کامل اشیاء کی قدر و قیمت نہ معلوم ہوتی۔ اسی طرح اگر خداوند قدوس ان چوپاؤں کو نہ پیدا فرماتا تو انسانوں کی شرافت اور بزرگی کا احساس نہ ہوتا۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

وہ حکم بن ایوب کے گھر میں داخل ہوئے تو کیا دیکھا کہ ایک قوم مرغی کو گاڑ کر اس پر نشانہ کرتی ہے تو میں نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اس بات سے کہ چوپائے (ذی روح) کو روک کر اس پر نشانہ لگایا جائے۔''

(رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ)

یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ ذی روح جانور کو روک کر پھر اسے پھینک کر ہلاک کر دیا جائے۔

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔'' (رواہ البخاری)

نیز اس میں ایک جانور کو عذاب میں مبتلا کرنا' بیکار کرنا' اس کی مالیت کو برباد کرنا اور اگر ذبح کیا جا سکتا ہو تو اسے ضائع کرنا ہے۔

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو روک کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔''

کسی جانور کو کھڑا کر کے قتل کر دینا مجثمہ کہلاتا ہے۔ اس قسم کا فعل پرندوں اور خرگوش کے ساتھ زیادہ کیا جاتا ہے۔

مجاہد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''نبی کریم نے چوپایوں کو ایک دوسرے پر برانگیختہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔''

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''نبی کریم نے ارشاد فرمایا کہ ''ہاں'' چوپائے حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) جوئیں' ٹڈی' گھوڑے' خچر' چوپائے' گائے اور اس کے علاوہ سبھی تسبیح بیان کرنے والوں میں تھے' جب ان کی تسبیح ختم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو قبض کر لیا (انہیں موت دے دی)۔'' (رواہ ابن سبع فی شفاء الصدور)

میدان حشر میں مویشیوں سے قصاص

ابن وحیہ کہتے ہیں کہ میدان حشر میں آیا چوپایوں سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ شیخ ابوالحسن اشعری کہتے ہیں کہ مویشیوں اور چوپایوں میں قصاص جاری نہیں ہوگا اس لیے کہ چوپائے احکام شریعت کے مکلف نہیں ہیں اور جو احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

جانوروں میں ہر ایک کا قصاص اس کے مثل سے لیا جائے گا اور ان میں سے بوڑھے سے پوچھا جائے گا کہ تم نے دوسرے بوڑھے کو کیوں تکلیف پہنچائی؟''

تو یہ محض اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن ایک ایک چیز اور ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا' گویا حساب میں سختی کو بیان کیا گیا ہے کہ مظلوم کو ظالم سے ضرور بدلہ دلایا جائے گا۔ (کتاب الآیات والبینات)

استاذ ابواسحٰق اسفرائینی لکھتے ہیں کہ چوپایوں میں قصاص جاری ہوگا لیکن احتمال یہ ہے کہ مویشیوں سے دیت صرف دُنیا ہی میں لی جائے۔ ابن وحیہ کہتے ہیں کہ چوپایوں میں قصاص کا جاری ہونا عقلاً و نقلاً ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ چوپائے نفع اور ضرر سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ لاٹھی سے بھاگتے ہیں اور چارہ کی طرف لپکتے ہیں اور جب کتا ان پر بھونکتا ہے تو وہ رک جاتے ہیں اور جب انہیں شکار پر اکسایا جاتا ہے تو وہ آمادہ اور مشتعل ہو جاتے ہیں۔ یہی حال پرندوں اور جنگلی جانوروں کا ہے کہ وہ گزند پہنچانے والے پرندوں اور جانوروں سے بچ کر بھاگتے ہیں۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ قصاص لینا ایک طرح کا انتقام لینا ہے اور چوپائے مکلف نہیں ہوتے تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ چوپائے مکلف نہیں ہوتے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ جل شانہٗ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ وہی تمام چیزوں کا مالک کل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے ان مویشیوں کو قابو کر دیا ہے اور جن جانوروں کا گوشت کھانا حلال ہے ان کے ذبح کرنے اور قربانی کرنے کو مباح قرار دیا ہے اس لیے اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

نیز ان میں سے بعض چوپایوں سے قصاص لیا جائے گا جنہوں نے دوسرے چوپاؤں کو اذیت پہنچائی ہوگی۔ لیکن ان سے منہیات کے ارتکاب اور اوامر الٰہی پر عمل نہ کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کہ مطالبہ صرف ذوی العقول اور ہوش مند مخلوق سے ہوگا۔

جب آپس میں اختلاف اور تنازعہ بڑھ جائے گا تو ہم اس چیز پر عمل کریں گے جس کا ہمارے پروردگار نے حکم دیا ہے۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلُ. (النساء:۵۹)

چنانچہ قرآن کریم اختلاف کے وقت اپنے بڑوں سے فیصلہ کرانے کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ. (الانعام:۳۸)

''اور نہیں ہے زمین پر کوئی چوپایہ اور نہ پرندہ جو اپنے دونوں بازوؤں سے اُڑتے ہیں مگر تمہارے ہی طرح کی اُمتیں (مخلوق) ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ. (التکویر:۵)

''اور جب جانوروں کو جمع کیا جائے گا۔''

حشر کے معانی جمع کرنے کے ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (قیامت کے دن) لوگوں کو تین طریقے پر جمع کیا جائے گا کچھ تو رغبت کرنے والے ہوں گے' کچھ خوفزدہ ہوں گے اور ایک اونٹ پہ دو دو کر کے یا تین تین کر کے یا دس دس کر کے سوار ہوں گے اور بقیہ لوگوں کو جہنم میں جمع کیا جائے گا جہاں وہ لیٹیں گے وہیں وہ آگ لیٹے گی اور جہاں وہ رات گزاریں گے وہیں وہ بھی رات گزارے گی اور جہاں وہ صبح کریں گے وہیں وہ بھی صبح کرے گی اور جہاں وہ شام کریں گے وہیں وہ بھی شام کرے گی۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹوں کا حشر لوگوں کے ساتھ ہوگا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مخلوق میں بعض کا بعض سے قصاص لیا جائے گا حتیٰ کہ بے سینگ کے جانوروں کا اس کے مثل سینگ والے سے اور ذروں و چیونٹیوں کا اسی طرح ذروں و چیونٹیوں سے اور جب چوپائے اور چیونٹیاں (بالمقابل) ہوں گے تو ان سے بھی قصاص لیا جائے گا۔'' (رواہ الامام احمد بسند صحیح)

جب اتنی چھوٹی چیزوں سے بدلہ لیا جائے گا تو جو مخلوق احکام شرع کی مکلف ہوگی اسے کیسے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور وہ مخلوق کیسے غافل ہو جائے گی (خدائے پاک سے ہم اپنے اعمال کی برائی اور اپنے نفسوں کے شرور سے سلامتی چاہتے ہیں)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی منقول ہے:

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن بالیقین تمہیں صاحب حق کو اس کا حق ادا کرنا ہوگا یہاں تک کہ بے سینگ کی بکری کا تاوان سینگ والی بکری سے لیا جائے گا۔''

اسی حدیث میں نیز دوسری احادیث میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

''جس اونٹ والے نے اونٹوں پر واجب زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں کی تو قیامت کے روز اس کے سامنے اس طرح کا منظر پیش کیا جائے گا کہ ایک چٹیل میدان ہوگا جو اونٹوں کے بلبلانے سے لبریز ہوگا پھر اونٹوں کا یہ گلہ پہلے سے بھی زیادہ بھرپور کر دیا جائے گا تا آنکہ کوئی اونٹ کا بچہ بھی نہ چھوٹنے پائے گا جو اس زکوٰۃ نہ دینے والے مالک کو اپنے پاؤں سے روندرہے ہوں گے اور اپنے دانتوں سے چبا رہے ہوں گے۔''

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''ایسا نہ ہو کہ تم میں سے روز قیامت میں کوئی شخص چوری کی بکری کو اپنے کاندھے پر اُٹھائے ہوئے آئے جو ممیا رہی ہوگی اور پھر مجھ سے طالب شفاعت ہوتے ہوئے مجھے پکارے۔ میرا جواب اس وقت یہ ہوگا کہ ان جرائم کی پاداش کی اطلاع میں تمہیں پہلے ہی دے چکا ہوں اب میں کچھ نہیں کرسکتا۔'' (رواہ البخاری)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''قیامت کے دن انسان و جنات کے علاوہ سبھی چوپائے و جانور چیخ و پکار کر رہے ہوں گے قیامت کی گھبراہٹ کی وجہ سے اور ان جانوروں کی چیخ و پکار اس دن اللہ تعالیٰ کے الہام کی وجہ سے ہوگی۔'' (صحیح حدیث)

چنانچہ اس قسم کی حدیثیں محمول کی جائیں گی ان قوتوں پر جو اللہ تعالیٰ نے جانوروں میں مضرت رسانی سے بچنے کے لیے اور ان منافع کو پہنچانے کے لیے تابع ہونا وغیرہ پیدا فرمائی ہیں۔

خدا کی پیدا کردہ جبلت نہ عقلی ہے اور نہ حسی ہے اور نہ ادراکی طور پر ہے۔ بلکہ اللہ پاک نے ہر چیز میں اس کی طبیعت کے مطابق ایک عادت اور جبلت پیدا فرمادی ہے جس کی منفعت و مضرت کی حقیقت سے وہی واقف ہے۔

مثلاً جب خدائے پاک نے چیونٹی کے اندر اپنی روزی جمع کرنے کی قوت رکھ دی ہے کہ وہ سردیوں کے لیے اپنا انتظام کر لیتی ہے تو چوپاؤں اور مویشیوں کی یہ جبلت ہونا کہ وہ قیامت کے دن اپنے حقوق کے ضائع ہونے پر چیخ و پکار کریں گے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

جو بھی جانوروں کے حالات کی تلاش و جستجو میں رہے گا تو وہ خدا کی اس حکمت کا ضرور مظاہرہ دیکھے گا کہ خدائے پاک نے ان کو عقل تو نہیں دی اس کے بجائے وہ حسی قوت رکھ دی ہے جس سے جانور فوائد اور نقصانات میں امتیاز کر سکتے ہیں اور ان پر اشیاء کی حقیقت کا اس طور پر الہام کر دیا گیا ہے کہ اس قسم کی بات انسانوں میں بھی نہیں پائی جاتی۔ الا یہ کہ انسان باقاعدہ اشیاء کے حقائق کا سراغ لگائے یا باقاعدہ علم حاصل کرے یا وہ دور اندیشی اور باریک بینی سے کام لے۔

مثلاً شہد کی مکھی اپنی روزی کے لیے چھ کونوں کا خزانہ مضبوط قسم کا بناتی ہے یہاں تک کہ اس کو دیکھ کر انجینئر بھی حیران ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح مکڑی اپنے گھر کا جالا مضبوط قسم کا بناتی ہے اور اسی طرح دیمک اپنے گھر کو چوکور لکڑی ہی میں بناتی ہے۔ چنانچہ چوپاؤں اور دیگر جانوروں سے عجیب عجیب قسم کے افعال اور صنعتیں صادر ہوتی ہیں جن کو انسان دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ حالانکہ پروردگار عالم نے ان کو بیان و اظہار سے محروم کر رکھا ہے۔ اگر مشیت ایزدی یہ بھی چاہتی تو ان کے اندر یہ دونوں جوہر بھی ودیعت فرما دیتا جیسے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے دور میں ایک چیونٹی نے نطق کیا تھا۔

البھیم ایک ہی قسم کا گھوڑا ہوتا ہے اس میں نر اور مادہ دونوں برابر ہوتے ہیں اور بہم کالے رنگ کی ایک بھیڑ ہوتی ہے جس میں سپیدی کا نام و نشان تک نہیں ہوتا۔

رہی جناب رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث جس میں آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ:

''قیامت کے دن لوگوں کو صاف ستھرا اُٹھایا جائے گا۔''

اس کے معانی یہ ہیں کہ جو بیماریاں دُنیا میں ہوتی ہیں مثلاً سفید داغ' لنگڑا پن' اندھا پن' کانا پن وغیرہ یہ ساری چیزیں حشر کے دن لوگوں میں نہیں ہوں گی بلکہ جو لوگ جنت یا جہنم میں داخل کئے جائیں گے وہ بالکل تندرست و توانا ہوں گے' اس لیے کہ انہیں ان دونوں مقامات میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داخل کیا جائے گا۔

اور بعض احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن لوگ ننگے اُٹھائے جائیں گے تو یہ حدیث مندرجہ اس حدیث کے معانی کے اعتبار سے مخالف نظر آ رہی ہے۔

اور بڑے لوگوں میں مسعر بن کدام کا منظوم کلام یہ ہے ؎

نهارک یا مغرور سهو و غفلة ولیلک نوم والردی لک لازم

''اے مغرور تیرے یہ دن سہو و غفلت ہیں اور تیری یہ رات نیند ہے اور تمہارا فنا ہونا حتمی والابدی ہے۔''

وتتعب فیما سوف تکره غبه کذالک فی الدنیا تعیش البهائم

"توان چیزوں میں سرگرداں و پریشان ہے جسے تو کبھی ناپسند کرے گا۔ دُنیا میں اس طرح تو چوپائے و جانور زندگی گزارتے ہیں۔"

ایک فقہی مسئلہ

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ اصحاب شافعیہ کا چوپاؤں کی شرمگاہ کو چھونے کے بارے میں کہ آیا اس سے وضوٹوٹ جائے گا یا نہیں اختلاف ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ وضوٹوٹ جائے گا اس لیے کہ مس فرج کے بارے میں جو آیت ہے وہاں عام ذکر کیا گیا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ وضونہیں ٹوٹے گا۔ اس لیے کہ صراحتاً کوئی حرمت وارد نہیں ہوئی ہے اور نہ کوئی حکم آیا ہے اور چوپاؤں کے پچھلا حصہ چھونے سے بھی حتمی طور پر وضونہیں ٹوٹے گا۔

امام دارمی کہتے ہیں کہ چوپاؤں اور پرندوں کی فرج میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

امثال

اہل عرب کہتے ہیں:

ماالانسان لو لا الانسان الاصورة ممثلة. کیا ہے انسان؟ تو صرف ایک ممثل صورت ہے۔

ماالانسان لو لا الانسان الا بهيمة مهملة. کیا ہے انسان؟ تو صرف ایک بے کار سا حیوان ہے۔

یہ مثل اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو گفتگو کرنے پر قادر ہو۔

بوم[1] وبومة

بوم الو کو کہتے ہیں۔ یہ ایک پرندہ ہے جس کا اطلاق نر اور مادہ دونوں پر ہوتا ہے اور بعض عرب الو کو صدی اور فیاد بھی کہتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں نام صرف نر کے لیے مخصوص ہیں اس کی کنیتیں ام الخراب، ام الصبیان وغیرہ ہیں۔ اسی طرح اس پرندہ کو غراب اللیل (رات کا کوا) بھی کہتے ہیں۔

جاحظ کہتے ہیں کہ الو چند قسم کا ہوتا ہے۔ چنانچہ ہامتہ، صدی، ضوع، خفاش، غراب اللیل بومتہ وغیرہ۔ اسی پرندے کی قسموں کے نام ہیں بلکہ یہ سارے نام ان پرندوں کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں جو رات میں اپنے گھونسلوں سے نکلتے ہیں اور رات میں نکلنے والے یہ پرندے چوہوں، چھپکلی، گوریا، چڑا، عصفور اور چھوٹے چھوٹے جانوروں کا شکار کرتے ہیں اور بعض پرندے مچھر کھاتے ہیں۔

الو کی عادات

الو کی عادت یہ ہے کہ یہ ہر پرندے کے گھونسلے میں گھس کر اس کو نکال کر اس کے بچوں کو یا انڈوں کو کھاتا ہے۔ الو رات میں بھرپور

---

[1] ہندوستان میں الو کی کئی اقسام ہیں۔ ایک جثہ (بدن) میں سب سے بڑا ہوتا ہے اس کو الو کہتے ہیں (فارسی میں بوق کہتے ہیں) دوسری قسم جو اوسط بدن کا ہوتا ہے اور بالکل سیاہ رنگ کا ہوتا ہے اس کو چغد (ہندی میں چیلہ) کہتے ہیں اور سب سے چھوٹی قسم جو قمری پرندے کے بقدر ہوتا ہے اس کو بچہ یا بیلاق کہتے ہیں۔

حملہ کرتا ہے۔ چنانچہ کوئی پرندہ اس کے حملہ کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ یہ رات[1] بھر نہیں سوتا۔ الو کو جب دوسرے پرندے دن میں دیکھ لیتے ہیں تو اس کو مار ڈالتے ہیں۔ دشمنی کی وجہ سے اس کے پروں کو نوچ ڈالتے ہیں۔ غالباً شکاری حضرات اسی لیے الو کو اپنے جالوں میں رکھتے ہیں تاکہ پرندے دیکھ کر جمع ہو جائیں اور جال میں پھنس جائیں۔

مسعودی امام جاحظ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ دن میں الو اس لیے نہیں نکلتا کہ اس کی آنکھیں خوبصورت معلوم ہوتی ہیں کہیں لوگوں کی نظریں نہ لگ جائیں۔ اسی لیے الو اپنے آپ کو تمام جانوروں میں سب سے خوب صورت سمجھتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ رات میں ہی نکلتا ہے۔

اہل عرب کا یہ باطل عقیدہ تھا کہ جب انسان مر جاتا ہے یا قتل کر دیا جاتا ہے تو مرنے والے کی روح ایک پرندہ کی شکل میں اس کی قبر پر اپنے جسم سے وحشت محسوس کرتے ہوئے چیختی رہتی ہے اور جس پرندہ کا اہل عرب کے عقیدہ میں ذکر ہوا ہے۔ وہ بوم (الو) ہی ہے جسے صدی کہتے ہیں۔ چنانچہ توبتہ حمیری جو عرب کا مشہور عاشق مزاج ہے کہتا ہے ؎

ولو ان لیلی الا خیلیتة سلمت علی ودونی جندل و صفائح

''اور جب کہ لیلیٰ نے مجھے سلام کیا حالانکہ میرے اور اس کے درمیان بڑی چٹان اور عظیم پتھر حائل تھا۔''

سلمت تسلیم البشاشة اوزقا الیھا صدی من جانب القبر صائح

''تو اس کی طرف قریب ہوتے ہوئے میں نے بھی بخوشی سلام کیا حالانکہ الو قبر کی طرف سے چیخ رہا تھا۔''

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ توبتہ حمیری کسی قبر کے قریب سے اونٹنی پر سوار ہو کر گزر رہا تھا کیا دیکھتا ہے کہ قبر سے الو جیسی کوئی شے اُڑ کر نکلی۔ چنانچہ اس کی اونٹنی بدک گئی تو یہ اونٹنی سے گر کر مرا اور وہیں پر کسی جگہ اسے دفن کر دیا گیا۔

الو کئی قسم کا ہوتا ہے۔ ہر الو تنہائی پسند ہوتا ہے۔ یہ فطرۃً کوؤں کا دشمن ہوتا ہے۔

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ شاہ کسریٰ نے اپنے کسی عامل کو یہ حکم دیا کہ تم مجھے سب سے بدصورت اور برا پرندہ شکار کر کے دو۔ پھر اسے سب سے خراب ایندھن میں بھونو۔ اس کے بعد اسے سب سے زیادہ شری آدمی کو کھلا دو۔ چنانچہ اس نے الو کا شکار کر کے دفلی کی لکڑی میں بھونا۔ اس کے بعد ٹیکس وصدقات وصول کرنے والے کو کھلا دیا۔ (تاریخ ابن نجار)

ابوبکر طرطوشی کہتے ہیں کہ ایک رات عبدالملک بن مروان کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ عبدالملک نے ایک قصہ گو کو بلایا۔ اس کے بیان کردہ قصوں میں ایک قصہ یہ تھا۔ عالی جناب امیر المؤمنین مقام موصل کا ایک الو تھا اور ایک دوسرا الو بصرہ میں رہتا تھا۔ موصل کے الو نے اپنے لڑکے کی شادی کا پیغام بصرہ کے الو کی لڑکی کے لیے بھیجا۔ بصرہ کے الو نے کہا میں ایک شرط کے ساتھ اپنی لڑکی سے شادی کر سکتا ہوں وہ یہ کہ تم میری لڑکی کے مہر میں مجھے سو بیگھہ ویران جگہ دو۔ موصل کے الو نے کہا کہ فی الحال تو میں اس پر قادر نہیں ہوں۔ لیکن اگر موجودہ امیر اپنی تباہ کاریوں کے ساتھ ایک سال مزید امیر رہے تو یہ شرط پوری کی جا سکے گی۔ بس یہ واقعہ سنتے ہی عبدالملک کی آنکھیں کھل گئیں اور چوکنا ہو گیا۔ پھر اس کے بعد (یعنی اس قصہ کو سننے کے بعد) روزانہ دیوان میں بیٹھ کر لوگوں کی زیادتیوں پر غور کرتا اور ان کو دور کرنے کی

---

[1] بعض حکماء کا کہنا ہے کہ الو دن میں بینائی کی کمزوری کی وجہ سے نہیں نکلتا کیونکہ سورج کی روشنی کی وجہ سے اس کی بینائی کم ہو جاتی ہے یا بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ یا سورج کی روشنی کی وجہ سے اس کو نظر نہیں آتا۔ البتہ جب سورج ڈوب جاتا ہے اور رات کی سیاہی پھیل جاتی ہے تب اس کو نظر آنے لگتا ہے اور وہ اپنی جگہ سے نکل کر اپنی خوراک کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے۔

کوشش کرتا اور گورنروں پر نظر رکھتا۔ (سراج الملوک)

امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ میں نے بعض اکابر کے مجموعوں میں دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ مامون الرشید نے اپنے محل سے جھانکا' کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی کھڑا ہوا ہے۔اس کے ہاتھ میں کوئلہ ہے اور وہ محل کی دیوار پر لکھ رہا ہے یہ دیکھ کر مامون الرشید نے ایک نوکر سے کہا دیکھو اس آدمی کے پاس جاؤ وہ کیا لکھ رہا ہے اور اسے پکڑ کر لے آؤ۔ یہ سنتے ہی نوکر اس آدمی کے پاس گیا اور جو اس نے لکھا تھا غور سے اسے پڑھا اور پھر اس کو پکڑ لیا۔وہ یہ اشعار لکھ رہا تھا ۔

یاقصر جمع فیه الشوم واللوم متی یعششس فی ارکانک البوم

''اے محل جب الو اس کے گوشوں میں گھونسلہ بنانے لگے تو اس میں ہر طرح کی قبیح وقابل ملامت اشیاء جمع ہو گئیں۔''

یوم یعشش البوم فیک من فرحی اکون اول ماینعیک مرغوم

''جب الو تمہارے اندر خوشی خوشی اپنا گھونسلہ بنائیں گے تو میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جو ناپسندیدگی کے ساتھ تمہارے اوپر ماتم کرے گا۔''

نوکر نے اس کے پاس جاتے ہی یہ کہا کہ چلئے جناب آپ کو امیر المؤمنین یاد فرما رہے ہیں۔اس آدمی نے کہا میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں مجھے ان کے پاس نہ لے چلو۔نوکر نے کہا تمہیں تو ضرور چلنا پڑے گا۔ چنانچہ جب وہ امیر المؤمنین کے دربار میں حاضر کیا گیا اور خادم نے جو پڑھا تھا اس سے بھی امیر المؤمنین کو آگاہ کیا۔ یہ سن کر مامون الرشید نے فرمایا تمہارا برا ہو تم یہ کیوں لکھ رہے تھے؟ اس نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین جو آپ کے محل میں مال و دولت' قیمتی جوڑے' کھانے پینے کا سامان' فرنیچر' برتن' ساز و سامان' باندیاں اور نوکر وغیرہ جمع ہیں وہ سب آپ کو معلوم ہے جن کی میں تعریف نہیں کر سکتا وہ میری حیثیت سے بالاتر ہیں۔آج امیر المؤمنین میں محل کے قریب سے گزر رہا تھا۔ مجھے شدید قسم کی بھوک لگی ہوئی تھی بس میں کھڑے ہو کر سوچنے لگا۔میرے دل نے یہ کہا کہ میرے سامنے اتنا بلند و بالا محل ہے اور آباد ہے اور مجھے اس محل سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔اس کے بجائے اگر یہ جگہ ویران ہوتی اور میں یہاں سے گزرتا تو یہاں سے لکڑی وغیرہ ضرور ہوتی جس کو میں فروخت کر کے کچھ کھا بھی سکتا تھا۔ پھر اس نے کہا امیر المؤمنین کیا آپ نے یہ چند اشعار نہیں سنے؟ امیر المؤمنین نے کہا وہ اشعار کون سے ہیں سناؤ۔ چنانچہ اس نے سنائے ۔

اذا لم یکن للمرء فی دولة امرئی نصیب ولا حظ تمنی زوالها

''جس کسی شخص کے لیے کسی ملک میں کوئی حصہ نہ ہو اور نہ کچھ دولت کہ جس کے ختم ہونے کی تمنا کی جائے۔''

وما ذالک من بغض لها غیر انه یرجی سواها فهو یهوی انتقالها

''اور جب کہ وہ یہ تمنا اس کے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے نہیں بلکہ مزید توقع رکھنے کی وجہ سے کرتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اسے منتقل کر دے۔''

یہ سن کر مامون الرشید نے فرمایا نوکر! تم انہیں ایک ہزار اشرفیاں دے دو۔اس کے بعد امیر المؤمنین نے فرمایا کہ سنو اتنی رقم تمہیں ہر سال ملا کرے گی بشرطیکہ ہمارا محل اسی طرح آباد رہا۔

اسی مفہوم کے چند اشعار یہ ہیں ۔

اذا کنت فی امرفکن فیه محسنا فعما قلیل انت ماض و تارکه

''جب تو کوئی معاملہ کرتا ہے تو تو اس میں محسن ومخلص رہ' کیونکہ بہت سی چھوٹی چیزیں تم چھوڑتے ہوئے گزر جاتے ہو۔''

فکم دحت الایام ارباب دولة وقد ملکوا اضعاف ما انت مالکه

''بہت سے اصحاب اقتدار کے زمانے بدل گئے حالانکہ تم جتنے کے مالک ہو اس سے کہیں زیادہ پہ ان کی حکومت تھی۔''

الو کا شرعی حکم

الو اور اس کی تمام قسموں کا گوشت حرام ہے۔

امام رافعی کہتے ہیں کہ ابوالعاصم عبادی لکھتے ہیں کہ الو گدھ کی طرح حرام ہے اور ضوع (نر الو یا رات میں اُڑنے والا پرندہ) کا بھی یہی حکم ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ایک قول کے مطابق الو کا گوشت جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضوع نامی پرندہ الو کے علاوہ کوئی پرندہ ہے۔ لیکن صحاح وغیرہ میں موجود ہے کہ ضوع رات میں اُڑنے والا پرندہ ہام کے قبیل سے ہے (اور ہام چھوٹی قسم کا الو ہوتا ہے۔)۔

مفضل کہتے ہیں کہ ضوع نر الو کو کہتے ہیں۔ چنانچہ جو حکم ضوع کا ہوگا وہی بوم (الو) کا بھی ہوگا۔ اس لیے کہ نر اور مادہ کا حکم الگ نہیں ہوتا۔ اھ

اور روضہ میں مذکور ہے کہ ضوع پرندہ ہام کے قبیل سے ہے۔ چنانچہ اسے حرام قرار دیا جائے گا۔

فائدہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ بن علیؓ بن ابی طالب کہتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کے کوئی بچہ پیدا ہوا۔ اس کے بعد اس نے بچے کے دائیں کان میں اذان کہی اور بائیں کان میں تکبیر اقامت پڑھی تو اس بچے کا ام الصبیان [1] نقصان نہیں دے سکتا۔'' (رواہ ابن سنی)

اس حدیث پر سیدنا عمر بن عبدالعزیز پابندی سے عمل کرتے تھے۔ ام الصبیان کسے کہتے ہیں اس میں اختلاف ہے' بعض لوگ اسے الو کہتے ہیں اور بعض اس مرض کو جن کے اثرات کہتے ہیں۔

الو کے طبی خواص

الو کو اگر ذبح کر دیا جائے تو اس کی ایک آنکھ کھلی رہتی ہے اور ایک آنکھ بند ہو جاتی ہے۔ کھلی ہوئی آنکھ کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اسے انگوٹھی کے نگ کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پہننے والا جب تک نہ اُتار دے برابر جاگتا رہے گا۔ اور دوسری آنکھ کی خصوصیت اس کے برعکس ہے۔

طبری کہتے ہیں کہ اگر دونوں آنکھیں مل جائیں اور دونوں میں یہ معلوم کرنا ہو کہ کھلی ہوئی کون سی تھی اور بند کون سی تھی تو ان دونوں آنکھوں کو پانی میں ڈال دو جو آنکھ پانی کے اوپر آ جائے وہ تو کھلی ہوئی ہوگی اور جو نیچے ڈوب جائے وہ بند آنکھ ہوگی۔

ہرمس لکھتے ہیں کہ اگر کسی الو کا دل سونے کی حالت میں کسی عورت کے بائیں ہاتھ پر رکھ دیا جائے تو اس عورت نے دن میں جو کام کئے ہوں گے وہ بتا دے گی۔

الو کے پتہ کو بطور سرمہ استعمال کرنا آنکھ کی بینائی کے لیے مفید ہے۔ کسی بڑے قسم کے الو کے دل کو بھیڑیئے کی کھال میں لپیٹ کر

---

[1] ام الصبیان: سوکھا' سوکڑا۔

کلائی میں باندھ لیا جائے تو باندھنے والا کیڑے مکوڑوں اور ڈاکوؤں سے محفوظ رہے گا اور کسی آدمی سے بھی اس کو خوف محسوس نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی الو کی چربی پگلا کر بطور سرمہ آنکھ میں لگائے تو رات میں جہاں کہیں بھی وہ جائے گا تمام چیزیں روشن نظر آئیں گی۔

الو کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دو انڈے دیتا ہے' ایک انڈے سے تولید ہوتی ہے اور دوسرے سے نہیں ہوتی۔ اگر دونوں میں یہ معلوم کرنا ہو کہ تولید کس انڈے میں ہوگی تو کسی انڈے میں تنکا ڈال کر آزمائے جس انڈے سے تولید ہوگی اس میں پر نظر آنے لگیں گے۔

الو کے گوشت کو کھانے سے آدمی بے وقوف اور احمق ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کو سلس البول (گھڑی گھڑی پیشاب آنا) کی بیماری ہو تو وہ الو کے پتہ کو جھاؤ کی لکڑی کی راکھ اور شہد کے ساتھ ملا کر پئے ان شاءاللہ فائدہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی بچہ رات میں بستر پر پیشاب کرے تو اس کو بھی یہ دوا کھلائیں اس کے لیے نافع ہوگی۔ اگر کسی کو لقوہ ہو گیا ہو تو الو کو ذبح کر کے فوراً اس کا دل لقوہ شدہ جگہ پر لگانا بے حد فائدہ مند ہے۔ اور الو کے خون کو کسی تیل میں ملا کر اگر سر میں لگائیں تو تمام جوئیں مر جائیں گی۔

تعبیر

خواب میں الو فریب کار ڈاکو کی شکل میں آتا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ الو خواب میں ایک ایسے بارُعب بادشاہ کی شکل میں آتا ہے جو اپنے رُعب اور ہیبت سے رعایا کے نزخرے کو شق کر دے گا۔

نیز کبھی الو خواب میں بہادر اور نڈر ہونے کی اطلاع دیتا ہے۔ اس لیے کہ الو رات میں اُڑنے والے پرندوں میں سے ہے۔

بُوْہ

بوہ: یہ ایک الو کے مانند پرندہ ہوتا ہے لیکن الو سے چھوٹا ہوتا ہے۔ مادہ کے لیے بوھۃ استعمال کرتے ہیں اور کبھی کبھی لفظ بوھۃ بے وقوف اور احمق آدمی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ امراء القیس کہتا ہے ۔

ایاھندہ لا تنکحی بوھۃ علیہ عقیقۃ احسبا

''اے ہندہ تو بے وقوفوں سے نکاح مت کر کیونکہ اس پر احسب انسان کا عقیقہ باقی ہے۔''

احسب اس آدمی کو کہتے ہیں جس کے بال گہرے سرخ زرد ہوں۔ گویا امراؤ القیس نے احسب آدمی کو ملامت اور لالچی گردانا ہے اور یہ کہنا چاہتا ہے کہ اس آدمی کا بچپن سے اب تک عقیقہ نہیں ہوا ہے جس کی وجہ سے اس کے بال سرخ زرد معلوم ہوتے ہیں۔

بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ احسب بے وقوف اور کمزور آدمی کو کہتے ہیں اور بوہۃ اس کو کہتے ہیں جس کو ہوا نے اُڑا دیا ہو۔

اور بوہ نر الو کو کہتے ہیں۔ بعض لغویین کہتے ہیں کہ بڑے قسم کا بوہ الو ہی کی قسم سے ہوتا ہے۔ چنانچہ رویہ بڑھاپے کو یاد کرتے ہوئے کہتا ہے ۔

کالبوہ تحت الظلمۃ المرشوش.

''گھٹاٹوپ تاریکی کے اندر بوہ (الو) کی طرح۔''

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ احسب اس آدمی کو کہتے ہیں جس کا جسم بیماری کی وجہ سے سپید ہو گیا ہو اور اس کے بال بھی بیماری سے متاثر ہو کر سرخ اور سپید ہو گئے ہوں۔ خاص طور پر یہ بات اونٹوں اور انسانوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اور بعض حضرات نے احسب کے معانی ''ابرص'' لکھے ہیں یعنی جس کو برص کی بیماری ہو۔

بوہ پرندہ کا شرعی حکم اور خواب میں تعبیر وہی ہیں جو الو کی بیان کی گئی ہیں۔

بوقیر

امام قزوینی لکھتے ہیں کہ بوقیر ایک سفید قسم کا پرندہ ہوتا ہے جو ہر سال مقررہ ایام میں جھنڈ کے جھنڈ کوہ طیر پر آتے ہیں۔ کوہ طیر مصر کے بالائی علاقہ میں انصنا شہر کے قریب واقع ہے۔ یہ شہر ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیمؓ کی ماں) کی جانب منسوب ہے۔ چنانچہ پرندے اس پہاڑ پر آ کر لٹک جاتے ہیں۔ اس پہاڑ میں ایک روشن دان ہے جس میں تمام پرندے سر کو داخل کر کے نکالتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ دریائے نیل میں گر جاتے ہیں اور پھر دریائے نیل سے نکل کر جہاں سے آتے ہیں وہیں واپس چلے جاتے ہیں۔

اور کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ روشن دان میں گھس جاتے ہیں تو انہیں کوئی چیز پکڑ لیتی ہے۔ آخر کار وہ پھڑ پھڑا کر مر جاتے ہیں۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد نیچے گر جاتے ہیں۔ جب ان میں کوئی پرندہ لٹک جاتا ہے تو باقی پرندے ٹھہرے رہتے ہیں۔

قزوینی کہتے ہیں کہ اس پہاڑ پر جتنے اس سال ان پرندوں کے جھنڈ آتے تھے اتنے کبھی نہیں آئے۔ امام اصولی کہتے ہیں کہ میں نے اس علاقہ کے معتبر لوگوں سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ جس سال شادابی ہوتی ہے اس سال یہ روشن دان صرف دو پرندوں کو پکڑتا ہے اور اگر کسی سال متوسط شادابی رہتی ہے تو صرف ایک پرندہ کو پکڑتا ہے اور اگر کوئی سال قحط زدہ ہوتا ہے تو وہ روشن دان کسی بھی پرندہ کو نہیں پکڑتا۔

بینیب

بینیب فیعیل کے وزن پر ہے۔ یہ ایک قسم کی سمندری مچھلی ہوتی ہے۔ ماہرین سمندر اسے خوب جانتے ہیں۔

بیاح

بیاح ایک قسم کی مچھلی ہوتی ہے۔ امام جوہری کہتے ہیں کبھی کبھی باء میں زبر اور تشدید بھی پڑھتے ہیں۔

ابو براقش

ابو براقش، عصفور اور گوریا کے مانند ایک پرندہ ہوتا ہے جو مختلف رنگوں میں دکھائی دیتا ہے۔ جیسے شاعر کہتا ہے ۔

کابی براقش کل یوم لونة یتخیل

''ابو براقش کی طرح اس کا رنگ ہر روز بدلتا رہتا ہے۔''

اس پرندے کو رنگ برنگی اور متلون مزاجی میں بطور ضرب المثل استعمال کرتے ہیں۔ قزوینی کہتے ہیں کہ اس پرندہ کی آواز بھلی معلوم ہوتی ہے۔ گردن اور پاؤں لمبے چونچ سرخ بالکل سارس کے مانند ہوتی ہے۔ ہر وقت وہ اپنا رنگ بدلتی رہتی ہے۔ کبھی سرخ کبھی نیلے کبھی ہرے اور کبھی زرد رنگ میں دکھائی دیتا ہے۔ قزوینی کہتے ہیں کہ مجھے اس پرندہ کی خصوصیت اور طبی فوائد معلوم نہیں ہو سکے۔

ابوبرا

ابوبرا ایک قسم کا پرندہ ہوتا ہے جسے سموئل بھی کہتے ہیں۔ تفصیل باب سین میں ان شاءاللہ آ جائے گی۔

ابو بریص

ابوبریص چھپکلی کو کہتے ہیں اس کا دوسرا نام سام ابرص بھی ہے۔ ان شاءاللہ اس کی تفصیل باب سین اور باب سام ابرص اور وزغ کے عنوان میں آ جائے گی۔

باب التاء

تالب

پہاڑی بکرا۔ ابن سیدہ لکھتے ہیں کہ تالب پہاڑی بکرے اور تالبۃ پہاڑی بکری کو کہتے ہیں۔ ان شاءاللہ تفصیل باب واؤ وفی لفظا لو علی کے عنوان میں آ جائے گی۔

تبیع

بچھڑیا۔ تبیع گائے کے پہلے سال کے بچے کو کہتے ہیں۔ نیز کبھی کبھی اس گائے کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جس کے ساتھ ساتھ اس کا بچہ بھی چلتا ہو۔ مادہ بچہ کے لیے تبیعۃ استعمال کرتے ہیں اس کی جمع تباع وتبائع جیسے افیل (اونٹ کا بچہ) کی جمع افائل وغیرہ آتی ہے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن روانہ فرمایا اور ہمیں حکم دیا کہ ہر چالیس گائے میں ایک گائے اور ہر تیس گایوں پر ایک مسنۃ (دوسال کا بچہ خواہ نر ہو یا مادہ) زکوٰۃ میں لیں۔'' (الموطا' والترمذی' وابوداؤد' والنسائی' وآخرون)

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

مسنۃ: وہ بچہ جو ماں کے ساتھ ساتھ چلتا ہو اگرچہ وہ ایک سال سے کمتر کیوں نہ ہو۔

امام رافعی کہتے ہیں کہ بعض حضرات نے چھ سال کے بچے کے لیے تبیعۃ اور جو ایک سال کا ہو گیا ہو مسنۃ کا اطلاق کیا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ یہ کسی کا مذہب نہیں ہے۔

تبشر

زرد پرندوں کا پرندہ۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ تبشر میں پہلے تاء پھر باء اور شین ہے۔

اور بعض نے تاء کی جگہ فائے مضموم بائے مفتوح اور شین مشدد پڑھا ہے۔ (ادب الکاتب)

تبشر صفار یہ پرندے کو کہتے ہیں اس میں تاء زائد ہے۔ان شاء اللہ اس کی تفصیل باب صاد میں آجائے گی۔

تتفل

تتفل بھیڑیئے کے بچے کو کہتے ہیں۔تاء پر پیش اور ثاء میں سکون ہے۔تنفذ کے وزن پر ہے۔بعض نے تاء کو زائد قرار دیا ہے۔

تدرج

تیتر کے مانند ایک پرندہ ہے۔بفتحہ تائے مثناۃ فوقانیہ ودال وسکون رائے مہملتین وجیم۔ہندی میں لوا کہتے ہیں۔تدرج حمریل کے وزن پر ہے۔یہ تیتر کے مانند ایک پرندہ ہوتا ہے۔جو باغات میں مختلف دل کش آواز کے ساتھ چہچہاتا ہے۔یہ پرندہ بادشمالی چلنے اور آب وہوا کی صفائی اور ستھرائی کی وجہ سے فربہ ہو جاتا ہے۔بادجنوبی اور آب وہوا کے گدلا ہونے کی وجہ سے دبلا ہو جاتا ہے۔یہ نم مٹی کی جگہوں میں گھونسلہ بنا کر وہیں انڈے دیتا ہے تا کہ اسے پریشانیوں اور بیماریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ابن زہر لکھتے ہیں کہ خراسان (فارس) کے علاقہ کا پرکشش پرندہ ہوتا ہے۔

شرعی حکم

صاف ستھرا ہنے کی وجہ سے اس کا گوشت حلال ہے۔بعض حضرات کے قول کے مطابق اگر یہ پرندہ تیتر کے اقسام میں سے ہے تو اس کی تفصیل باب دال دراج کے عنوان میں آجائے گی۔

طبی خواص

اس پرندے کا گوشت تمام پرندوں سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔دماغ اور باہ کے لیے مفید ہے۔اگر کسی کو خبل یا وسواس کی شکایت ہو تو اس پرندہ کا پتہ لے کر ناک سے سڑکنا مفید ہے۔اسی طرح اس کے گوشت کو پکا کر تین دن تک کھانا اس کے لیے مفید ہے اس لیے کہ اس کا گوشت گرم ہوتا ہے۔اس کے پر کی راکھ بالوں کو سیاہ کرتی ہے۔اس کے سرگین کا طلاء جھائیوں اور برص کے لیے مفید ہے۔اس کے گوشت کے کباب بنا کر مسلسل کھانا کمزور حافظہ والوں کے لیے مجرب ہے۔

تخش

اس کا تفصیلی تذکرہ باب دال میں آجائے گا۔

تفلق

آبی پرندہ۔تفلق زبرج کے وزن پر ہے یہ آبی پرندوں میں سے ہے۔

تفہ

تفہ بلی کی شکل کا ایک شکاری جانور ہوتا ہے۔بعض لوگ اسے عناق الارض اور غنجل (سیاہ خرگوش) بھی کہہ دیتے ہیں۔یہ جانور درندوں میں سے ہوتا ہے اور چھوٹے کتے کے برابر چیتے کے مانند ہوتا ہے۔بہت مشکل سے اس کا شکار کیا جاتا ہے۔یہ جانور کبھی کبھی انسان پر حملہ کر کے زخمی کر کے چھوڑ دیتا ہے۔چنانچہ پھر وہ گوشت کھا کر چھوڑ دیتا ہے۔

کبھی کبھی یہ سارس یا اس کے مانند پرندوں کا شکار کر کے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔ ناشی نے اس کے متعلق چند اشعار کہے ہیں ؎

حلو الشمائل فی اجفانه و طف صافی الادیم هضیم الکشح ممسود

''اس کے اچھے اخلاق مشہور ہیں۔ اس کے پیٹ کے نیچے بڑے بڑے بال ہیں۔ صاف جلد اور وہ پتلی کمر اور گھٹے ہوئے بدن کا ہے۔''

فیه من البدر اشباه توافقه منهاله سفح فی وجهه سود

''چودھویں کے چاند سے اسے مشابہت ہے جو اس سے ملتے جلتے ہیں' اس کے سر کے بال صاف اور چہرے پہ سیاہی ہے۔''

کوحه ذاوجه هذافی تدوره کانه منه فی الاجفان معدود

''اس کا چہرہ چاند کے مانند گولائی لئے ہوئے ہے گویا کہ وہ پلکوں ہی میں آیا ہوا ہے۔''

له من اللیث ناباه و مخلبه و من غریر الظباء النحر والجید

''اس کے شیر جیسی کینچلیاں ہیں اور پنجے ہیں اور ہرن کی طرح صراحی دار گردن ہے۔''

اذا رای الصید اخفی شخصه ادبا و قلبه باقتناص الطیر مزود

''شکار اسے جب دیکھتا ہے تو ادب سے دم دبالیتا ہے۔ اس کا دل پرندوں کو شکار کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔''

شرعی حکم

اس کا گوشت کھانا حرام ہے اس لیے کہ حدیث پاک میں ہے کہ ہر کوچلی کے دانت و چنگل رکھنے والے درندوں کو کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

بعض اصحاب شوافع کا کہنا ہے کہ تفہ خشکی میں رہنے والی بلی کو کہتے ہیں جو لومڑی کے برابر گھریلو بلی کی طرح ہوتی ہے۔ لیکن اس جانور کے شرعی حکم کے بارے میں دونوں صورتیں جائز اور ناجائز کی ہو سکتی ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ اس کا گوشت حرام ہے۔ اس لیے کہ یہ چوہوں کو کھاتی ہے۔

امثال

اہل عرب کہتے ہیں هو اغنی من التفه' عن الرفه. وہ اتنا بے نیاز ہے جیسا کہ سیاہ خرگوش بھوسہ سے بے نیاز ہوتا ہے۔ رفہ خشک گھاس کو کہتے ہیں۔ ان دونوں لفظوں کی اصل رفہتہ وتفہتہ ہے۔

حمزہ لکھتے ہیں کہ ان دونوں کی جمع تفات ورفات آتی ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

غنینا عن حدیثکم قدیما کما غنی التفات عن الرفات

''ہم تمہاری پرانی باتوں سے اسی طرح بے نیاز و بے پرواہ ہیں جس طرح سیاہ گوش بھوسے سے۔''

اہل عرب یہ جملہ بھی کہتے ہیں استغنت التفه عن الرفه (سیاہ گوش بھوسہ سے بے نیاز ہے) اس لیے کہ تفہ (سیاہ گوش) کی غذا بھوسہ نہیں ہے بلکہ یہ گوشت کھاتا ہے۔ اسی لئے گھاس پھوس سے بے نیاز رہتا ہے۔ البتہ ان دونوں الفاظ تفہ اور رفہ میں فائے مخفف

پڑھی جائے گی۔لیکن استاذ ابوبکر کہتے ہیں کہ ان دونوں میں فائے مشدد پڑھیں گے۔ چنانچہ امام جوہری نے ان دونوں لفظوں کا ذکر باب ہاء میں کیا ہے۔ جامع وغیرہ میں یہی مذکور ہے لیکن مزید یہ بھی تحریر ہے کہ ان دونوں کو آہستہ سے پڑھا جائے گا۔

لیکن امام زہری نے رفتہ کو باب رفت کسر اور شکست کی معانی میں لیا ہے۔

تغلب ٗابن الاعرابی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رفتہ بھوسہ کے معانی میں ہے۔ چنانچہ ضرب المثل کے طور پر کہتے ہیں **ھو اغنی من التفه عن الرفه** (وہ اتنا بے نیاز ہے جیسا کہ سیاہ گوش بھوسہ سے بے نیاز ہوتا ہے)۔

ازہری کہتے ہیں کہ تفہ ہا کے ساتھ اور رفتہ تاء کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ میدانی کے قول کے مطابق یہ صحیح ہے اس لیے کہ بھوسہ ریزہ ریزہ ہوتا ہے۔

تم

تم ۔ یہ مرغابی کے مانند ایک پرندہ ہوتا ہے جس کی چونچ لمبی اور گردن مرغابی سے زیادہ لمبی ہوتی ہے۔ اس کا گوشت حلال ہے اس لئے کہ یہ پاک وصاف پرندہ ہوتا ہے۔

تمساح

مگرمچھ۔ تمساح مشہور جانور ہے اور کبھی کبھی چھوٹے آدمی کو بھی کہتے ہیں۔ بکسر اول وسکون میم وفتحہ سین مہملہ والف وسکون حاء مہملہ۔ فارسی میں نہنگ اور ہندی میں مگرمچھ کہتے ہیں۔

قزوینی کہتے ہیں کہ یہ جانور گوہ کے مانند اور آبی جانوروں میں سب سے زیادہ عجیب وغریب ہوتا ہے۔ منہ بڑا اوپر والے جبڑے میں ساٹھ کچلی کے دانت اور نیچے والے جبڑے میں چالیس کچلی کے دانت اور دو کچلی کے دانت وسط میں ایک چوکور چھوٹا سا دانت ہوتا ہے جسے وہ منہ بند کرتے وقت ایک دوسرے سے ملا لیتا ہے۔

مگرمچھ کی زبان لمبی اور کچھوے جیسی پشت ہوتی ہے جس میں لوہا بھی اثر انداز نہیں ہوتا۔ اس جانور کے چار پاؤں اور لمبی دم ہوتی ہے۔ یہ جانور خاص طور پر مصر کے دریائے نیل میں پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بحر سندھ میں بھی پایا جاتا ہے۔ پانی میں اس کی گرفت مضبوط ہوتی ہے۔ اسے صرف بغل میں مار کر ہلاک کیا جا سکتا ہے۔

یہ پانی میں بڑا ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ دس گز لمبا اور دو گز یا دو سے زیادہ چوڑا ہو جاتا ہے۔ یہ جانور گھوڑے کو بھی شکار بنا لیتا ہے۔

مگرمچھ جب جفتی کرنا چاہتا ہے تو نر اور مادہ دونوں خشکی کی طرف چلے جاتے ہیں مادہ چت ہو کر لیٹ جاتی ہے۔ پھر دونوں مل جاتے ہیں۔ نر جب فارغ ہو جاتا ہے تو مادہ کو الٹ دیتا ہے ٗاس لئے کہ مادہ چت لیٹنے کے بعد ہاتھ پاؤں کے چھوٹے اور بدن کے خشک اور چکنا ہونے کی وجہ سے سیدھی ہونے پر قادر نہیں ہوتی۔ نر ٗمادہ کو اگر اسی حالت میں چھوڑ کر چلا جاتا ہے تو مادہ اسی حالت میں رہتی ہے۔ کچھ دنوں کے بعد سیدھی ہو کر خشکی میں انڈے دیتی ہے۔ چنانچہ اس کے جو انڈے پانی میں پہنچ جاتے ہیں تو وہ مگرمچھ بن جاتے ہیں اور جو خشکی میں رہ جاتے ہیں وہ اسقنقور[1] (ماہی ریگ) بن جاتا ہے۔

---

[1] یہ ایک قسم کا دریائی جانور ہے جو گرم ممالک میں ہوتا ہے اور گرگٹ سے بڑا اور موٹا ہوتا ہے اور دم چھوٹی ہوتی ہے۔ ۱۲ مصباح اللغات

مگرمچھ کی خصوصیات

مگرمچھ کی خصوصیات یہ ہے کہ اس کے پاخانہ کا مقام نہیں ہوتا۔ جب شکم سیر ہو جاتا ہے تو خشکی میں آ کر منہ کھول دیتا ہے۔ مگرمچھ کی یہ حالت دیکھ کر قطقاط پرندہ اس کے قریب آ جاتا ہے۔ چنانچہ مگرمچھ منہ سے نکال کر قطقاط کے منہ میں ڈال دیتا ہے۔

قطقاط سیاہ رنگ پر سفید نقطے یا سفید پر سیاہ داغوں والا چھوٹا سا پرندہ ہوتا ہے جو رزق کی تلاش میں اُڑتا رہتا ہے۔ چنانچہ وہ پرندہ مگرمچھ کے پاس آ کر اپنی غذا حاصل کر لیتا ہے اور مگرمچھ کے لیے باعث سکون ثابت ہوتا ہے۔ نیز اس پرندے کے سر میں کانٹا ہوتا ہے جس وقت مگرمچھ منہ بند کر لیتا ہے تو وہ کانٹے سے ٹھونکیں مارتا رہتا ہے جس کی وجہ سے مگرمچھ منہ کھول دیتا ہے۔ عنقریب اس پرندہ کا تفصیلی ذکر بھی آ جائے گا۔

ماہرین حیوانات نے لکھا ہے کہ مگرمچھ کے ساٹھ کچلی کے دانت اور ۶۰ رگیں ہوتی ہیں۔ ۶۰ ہی مرتبہ جفتی کرتا ہے۔ ۶۰ ہی انڈے دیتا ہے اور ۶۰ ہی سال تک زندہ رہتا ہے۔

ابوحامد اندلسی لکھتے ہیں کہ مگرمچھ کے ۸۰ کچلی کے دانت ہوتے ہیں ۴۰ کچلی کے دانت تو اوپر کے جبڑے میں ہوتے ہیں اور ۴۰ نیچے کے جبڑے میں ہوتے ہیں اور یہ ہمیشہ جبڑوں کو گھماتا رہتا ہے۔ اس کی ہڈی سینے تک رہتی ہے۔ مگرمچھ کے پاخانہ کا مقام نہیں ہوتا ہاں البتہ شرمگاہ ہوتی ہے جس سے وہ گندگی نکال دیتا ہے۔ مگرمچھ آبی درندوں میں سب سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

یہ جانور سردیوں میں چار ماہ تک پانی کے اندر زمین میں چھپا رہتا ہے۔ سمندری کتا مگرمچھ کا چونکہ دشمن ہوتا ہے اس لئے جب مگرمچھ سوتا ہے تو وہ منہ کھول کر سوتا ہے۔ چنانچہ سمندری کتا مٹی کے اندر گھس کر غائب ہو جاتا ہے۔ پھر موقع پا کر مگرمچھ کے منہ میں گھس جاتا ہے اور انتڑیوں کو کھا جاتا ہے۔ جب تک سمندری کتا مگرمچھ کو مار نہیں دیتا اس وقت تک باہر نہیں نکلتا۔ مگرمچھ کی یہی درگت نیولا بھی کرتا ہے۔

مگرمچھ کا شرعی حکم

مگرمچھ چونکہ کچلی کے دانتوں سے توانائی حاصل کرتا ہے۔ اس علت کی وجہ سے بعض جماعت کے لوگوں نے اس کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے۔

شیخ محب الدین طبری لکھتے ہیں کہ قرش[1] نامی مچھلی حلال ہے۔ اس کے بعد کہتے ہیں اگر تم یہ کہو کہ قرش مچھلی بھی اپنے کچلی کے دانتوں سے توانائی حاصل کرتی ہے تو پھر اس کا حکم وہی ہوگا جو مگرمچھ کا ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ مگرمچھ کا گوشت حرام ہے تو بندہ اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ دریائی جانوروں میں جو بھی اپنے دانتوں سے توانائی حاصل کرتے ہیں وہ حرام ہیں۔ البتہ مگرمچھ نقصان دہ، گندہ اور خبث ہونے کی وجہ سے یقیناً حرام ہے۔

اور شیخ محب الدین کی گفتگو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مگرمچھ کے گوشت کے حرام ہونے کی علت کچلی کے دانتوں سے طاقت و توانائی حاصل کرنے کی وجہ سے ہے۔ لیکن حرمت کی یہ علت بیان کرنا مناسب نہیں ہے اس لئے کہ دریا میں بہت سے ایسے جانور ہیں جو اپنے کچلی کے دانتوں سے ہی شکار کرتے ہیں جیسے قرش مچھلی وغیرہ۔ حالانکہ قرش مچھلی حلال ہے اور یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ دریائی احکام اور ہوتے ہیں اور خشکی کے احکام اور ہوتے ہیں۔ اھ

---

[1] قرش و قریش ایک قسم کی مچھلی ہوتی ہے جسے کلب البحر بھی کہتے ہیں جو پانی کے اندر جانوروں کو اپنے دانت سے تلوار کی طرح کاٹ دیتی ہے۔ ۱۲ مصباح اللغات

دمیری کہتے ہیں کہ یہ تفصیل مجھے زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے۔

ضرب المثل

هو اظلم من تمساح. وہ مگرمچھ سے بھی زیادہ ظالم ہے۔

و کافاه مکافاة التمساح. اس نے مگرمچھ کے بدلہ دینے کی طرح بدلہ دیا۔

مگرمچھ کے طبی خواص

جس کی آنکھ دکھ رہی ہو اس کے لیے مگرمچھ کی آنکھ باندھنا درد کے لیے مفید ہے۔ اگر بائیں آنکھ دکھ رہی ہو تو بائیں آنکھ باندھ کر لٹکائے اور اگر دائیں آنکھ دکھ رہی ہو تو دائیں آنکھ باندھ لے۔ مگرمچھ کی چربی پگھلا کر شمع دان میں کر کے کسی نہر یا دریا میں بتی بنا کر سلگا دیں تو اس نہر کے مینڈک ٹرٹر نہیں کریں گے۔ جس کے کان میں درد ہو رہا ہو اس کی چربی کان میں ڈالنا مفید ہے۔ اگر کوئی بہرہ ہو گیا ہو تو اس کی چربی برابر کان میں ڈالنا مفید ہے۔

جس کی آنکھ میں سفیدی ہو گئی ہو مگرمچھ کا پتہ بطور سرمہ استعمال کرنا سفیدی کو دور کر دیتا ہے۔ مگرمچھ کے دائیں جانب کے کچھ دانت بازو میں باندھنے سے جماع کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اور چربی اس کی روغن گل کے ہمراہ درد سر اور آدھا سیسی کے لیے مفید ہے اور اس کے کلیجہ کا بخور (دھونی دینا) رفع جنون کے لیے مجرب ہے۔

امام قزوینی کہتے ہیں کہ اگر کسی کو کپکپی کی شکایت ہو تو مگرمچھ کے بائیں جانب کا پہلا دانت باندھ کر لٹکا لے تو کپکپی جاتی رہتی ہے اور اگر کسی کو مرگی کی شکایت ہو تو اس کو مگرمچھ کے جگر کی دھونی دینے سے یہ شکایت جاتی رہتی ہے۔

مگرمچھ کی چرم کا ایک ٹکڑا مینڈھے کی پیشانی میں باندھ دینے سے مینڈھا تمام مینڈھوں پر غالب آ جاتا ہے۔ جو پاخانہ مگرمچھ کے پیٹ میں ہوتا ہے اگر اسے بطور سرمہ آنکھ میں لگا لیا جائے تو جو سفیدی آنکھ میں پیدا ہو گئی ہو یا پرانی سے پرانی ہو وہ دور ہو جائے گی۔ مگرمچھ کا پاخانہ مشک کی طرح خوشبودار ہوتا ہے۔ چنانچہ قبطیوں کے نزدیک مشک یہی چیز ہوتی ہے البتہ اس مشک میں تھوڑی سی بو آتی ہے۔

تعبیر

خواب میں مگرمچھ بدترین دشمن کی شکل میں آتا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ مگرمچھ خواب میں جھگڑالو فریبی دھوکے باز ڈاکو کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔ مگرمچھ کا گوشت اور کھال اور ہڈی اور اس کے تمام اجزاء سب کے سب دشمن کا مال ہے۔ اگر کسی نے ان میں سے کسی کو بھی خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ اپنے دشمن سے اسی قدر مال پائے گا۔

تميلة

حجاز میں بلی کے برابر ایک چھوٹا سا جانور رہتا ہے۔ اس کی جمع تملان آتی ہے جیسے کہ ابن سیدہ نے تصریح کی ہے۔

تنوط

تنوط۔ ایک پرندہ۔ ابن رفعۃ لکھتے ہیں کہ تنوط میں تا پر پیش واؤ پر زیر ہے لیکن تائے مشدد مفتوح، نون مفتوح اور واؤ مشدد مضموم بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ (الکفایہ)

بعض اہل علم لکھتے ہیں کہ تنوط ایک پرندہ ہے۔ واؤ پر پیش اور زبر دونوں پڑھ سکتے ہیں۔ امام اصمعی کہتے ہیں کہ تنوط وہ پرندہ ہے جو درختوں سے دھاگا بنا کر اس میں انڈے سیتا ہے۔ اس کا واحد تنوطۃ آتا ہے۔ اس پرندے کی خصوصیت یہ ہے کہ رات میں گھونسلے کے مختلف خانوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ خوف کی وجہ سے صبح تک اطمینان سے نہیں بیٹھتا۔ اسی پرندہ کو صفاء بھی کہتے ہیں۔ (تفصیلی بیان ان شاء اللہ باب صاد میں آ جائے گا)

شرعی حکم

اس پرندے کا گوشت حلال ہے۔ اس لیے کہ یہ گوریا یا عصفور کی ایک قسم ہے۔

طبی خواص

امام قزوینی لکھتے ہیں کہ تنوط پرندے کو چھری سے ذبح کر کے اس کا خون اس شخص کے لیے مفید ہے جو نشہ میں بدخلق یا سرکش ہو گیا ہو۔ اس کا پتہ سکر (سرکہ) میں پکا کر بچے کو نوش کرانے سے بچہ حسن خلق سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ اگر کسی بچے سے لوگ نفرت کرتے ہوں تو جس وقت چاند بڑھ رہا ہو اس وقت تنوط پرندہ کی ہڈی بچے کے باندھ دیں تو اس بچے سے لوگ پیار کرنے لگتے ہیں۔ (عجائب المخلوقات)

تنین

تنین اژدہا[1] سانپ کو کہتے ہیں۔ اس کی کنیت ابو مرداس آتی ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک مچھلی کی ایک قسم کو بھی تنین کہتے ہیں۔
تنین بکسرہ تاء ونون مشدد وسکون یائے تحتانیہ اور نون کے ہے۔

قزوینی کہتے ہیں کہ یہ سانپ کوسج سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ اس کے منہ میں نیزے کے پھل کی طرح کچلی کے دانت ہوتے ہیں۔ کھجور کی طرح لمبا ہوتا ہے۔ خون کی طرح آنکھیں سرخ، چوڑا منہ، بڑا پیٹ اور چکا چوند آنکھیں ہوتی ہیں۔ یہ بہت سے جانوروں کو نگل جاتا ہے۔ خشکی اور سمندر کے تمام جانور اس سے ڈرتے ہیں۔ جب یہ چلتا ہے تو قوت کی وجہ سے دریا موجزن ہو جاتا ہے۔ ابتداً یہ سانپ سرکش ہوتا ہے۔ خشکی کے جانوروں کو نگل جاتا ہے۔ لیکن جب اس کی سرکشی بڑھ جاتی ہے تو ایک فرشتہ اسے دریا میں ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ جو حرکتیں وہ خشکی کے جانوروں سے کرتا تھا وہی حرکتیں سمندری جانوروں کے ساتھ بھی کرنے لگتا ہے جس کی وجہ سے خوب موٹا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ مسلط کر دیتا ہے تو وہ اسے یاجوج ماجوج کے سامنے ڈال دیتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے دو فرسخ کے برابر لمبا سانپ دیکھا ہے جس کا رنگ چیتا جیسا اور کھال پر مچھلی کے سفنے جیسے تھے۔ مچھلیوں کے طرح دو بڑے بازو انسانوں جیسا سر اور دیکھنے سے ایک ٹیلہ معلوم ہوتا تھا کان لمبے، آنکھیں گول اور لمبی۔

تنین کا ذکر حدیث میں

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت کافروں پر ان کی قبروں مین ۹۹ اژدھے مسلط کر دیں گے جو انہیں

---

[1] اژدھا فارسی لفظ ہے بعض ماہرین حیوانات کا کہنا ہے کہ یہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک بری اور دوسرا بحری۔ بری منہ سے کاٹتا ہے۔ سانپ کی طرح بحری اژدھا اپنی دم سے بچھو کی طرح کاٹتا ہے۔

قیامت تک ڈستے رہیں گے اور نوچتے رہیں گے (اور ان کی صفت یہ ہوگی کہ) ان میں سے ایک اژدہا بھی اگر زمین پر پھونک مار دے تو زمین ہریالی اُگانے کے قابل نہ رہے گی۔" (رواہ ابن ابی شیبہ)

دوسری حدیث مبارکہ میں ہے:

"نبی کریم ﷺ ایک روز مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ لوگ گفتگو میں لگے ہوئے ہیں اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کاش! جس چیز میں تم لوگ مشغول ہو اس کے بجائے اگر تم لذات (خواہشات ومرغوبات) کی مذمت میں لگے رہتے تو (وہ زیادہ بہتر تھا) لذات کی مذمت کثرت سے کیا کرو۔ کیونکہ قبر کے اندر کوئی ایسا دن نہیں گزرے گا جس میں وہ تم سے کہے گی کہ میں بیت الغربت (مسافرت کا گھر) بیت الوحدۃ (تنہائیوں کا گھر) بیت التراب (مٹی کا گھر) بیت الدود (کیڑوں مکوڑوں کا گھر) ہوں۔ چنانچہ جب کسی مومن بندے کو دفن کیا جاتا ہے تو قبر اسے مرحبا و اھلا (تیرا آنا باعث مسرت ومبارک ہو) کہہ کر یہ کہتی ہے کہ یقیناً تو میرے محبوب بندوں میں سے ہے جو میری پیٹھ پر چلنے والے تھے، تو آج جب کہ میں تیری مالک بن گئی ہوں اور تو میرا ہو گیا ہے' دیکھے گا کہ میرا تیرے ساتھ کیا رویہ وسلوک رہتا ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اس کے بعد اس کی قبر تا حد نظر وسیع کر دی جائے گی اور اس کا ایک دروازہ جنت کی طرف کھول دیا جائے گا۔

اور جب کوئی کافر یا فاسق وفاجر بندہ دفن کیا جاتا ہے تو قبر اسے لا مرحبا و لا اھلا کہہ کر دھتکارتی ہے اور کہتی ہے کہ یقیناً تو میری پیٹھ پر چلنے والے ان بندوں میں سے ہے جسے میں مبغوض رکھتی ہوں اور پسند نہیں کرتی ہوں' تو آج جب کہ میں تیری مالک بن گئی ہوں اور اب تو میرا ہو گیا ہے تو تو دیکھے گا کہ تیرے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ پھر قبر اس پر اس قدر تنگ کر دی جائے گی کہ اس کی ایک دیوار دوسری سے مل جائے گی اور اس کی پسلیوں کی ہڈیاں ایک دوسرے میں گھس جائیں گی۔

پھر آنحضور ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتلایا کہ اس طرح (گھس جائیں گی) اور ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالا۔ (پھر فرمایا) کہ اس پر ۹۰ یا ۱۹۹ اژدھے مسلط کر دیئے جائیں گے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اگر اس زمین دُنیا پر پھونک مار دے تو تا بقاء دُنیا وہ زمین کچھ نہ اُگا سکے گی (نہ اُگانے کے قابل رہے گی) اور حساب وکتاب کے لیے اُٹھائے جانے کے دن تک وہ اسے اسی طرح ڈستا رہے گا نوچتا رہے گا اور چہروں کو بگاڑتا رہے گا۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر آپؐ نے فرمایا کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔" (رواہ الترمذی مطولا)

موسیٰ علیہ السلام کے عصاء کی خصوصیت

ائمہ کرام لکھتے ہیں کہ جس وقت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے عرض کیا ایما الاجلین الایة۔ تو اسی وقت حضرت شعیب علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ فلاں گھر میں بہت سی لاٹھیاں رکھی ہوئی ہیں ان میں سے ایک لے لینا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام گھر میں داخل ہوئے اور وہ لاٹھی اُٹھالی جس کو حضرت آدم علیہ السلام اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے۔ پھر یہ عصاء تمام انبیاء کرام میں بطور وراثت کے چلا آرہا ہے یہاں تک کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے حصے میں آیا۔ شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اس لاٹھی کو گھر میں رکھ آؤ اس کے بجائے دوسری لاٹھی لے لینا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام گھر کے اندر داخل ہو کر وہی لاٹھی نکال لائے۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام نے سات مرتبہ کیا۔ شعیب علیہ السلام سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی نہ کوئی حیثیت ہے۔ جب صبح ہوئی تو شعیب علیہ السلام

نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ بکریوں کو چورا ہے پر چرالاؤ لیکن تم دائیں جانب جانا اگر چہ اس جانب میں گھاس وغیرہ نہیں ہے برخلاف بائیں جانب کے اس جانب ایک بہت بڑا اژدھا رہتا ہے جو بکریوں کو مار ڈالے گا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام بکریوں کو چورا ہے کی طرف لے گئے تو بکریاں بائیں جانب خود بخود جانے لگیں آپ ان کو روک نہیں سکے اور آزاد چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو نیند آ گئی اتنے میں اژدھا نکل کھڑا ہوا۔ لاٹھی نے اژدہا کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ اژدہا مر گیا۔ موسیٰ علیہ السلام جس وقت بیدار ہوئے ہوئے دیکھا کہ عصاء خون آلود ہے اور اژدہا مرا پڑا ہے۔ آپ نے شعیب علیہ السلام کو بتایا چنانچہ شعیب علیہ السلام بہت خوش ہوئے فرمایا جو بھی بکریاں اس سال دورنگ کی پیدا ہوں گی وہ موسی علیہ السلام تمہارے لیے ہیں۔ چنانچہ تمام بکریاں دورنگی پیدا ہوئیں۔ ان تمام باتوں سے شعیب علیہ السلام کو خوب معلوم ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی خدا کے یہاں ایک شان اور ایک حیثیت ہے۔ اس کے بعد موسی علیہ السلام شعیب علیہ السلام کی خدمت میں ۲۴ سال رہے یہاں تک کہ ۴۰ سال پورے کر دیئے۔ اس کے بعد اپنی اہلیہ کو لے کر چل دیئے۔

شرعی حکم

امام قزوینی کہتے ہیں کہ چونکہ اژدہا سانپ کی ایک قسم ہے اس لیے اس کا گوشت بھی حرام ہے اور اگر تنین نام کی مچھلی بھی مان لیں تو کچلی کے دانت ہونے کی وجہ سے مچھلی کا گوشت حرام سمجھا جائے گا جیسے کہ مگرمچھ حرام ہے۔

اژدہے کے طبی خواص

اژدہے کا گوشت کھانا شجاعت، بہادری پیدا کرتا ہے۔ اگر اس کے خون کی مالش عضو تناسل پر کر کے اپنی عورت سے جماع کرے تو بہت زیادہ لذت محسوس ہوگی۔ اژدہے کی جلی ہوئی راکھ کو شہد کے ساتھ ملا کر ضماد کرنا بواسیر، بہق اور برص کے لیے مفید ہے۔ اگر کسی جگہ اژدہے نے کاٹ لیا ہو تو اس جگہ اژدھے کا تازہ گوشت باندھنا مجرب ہے۔

تعبیر

اژدہا خواب میں بادشاہ کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔ اگر اژدہے کے دو سر یا تین سر دکھائی دیتے ہوں تو بہت ہی خطرناک ہونے کی علامت ہے۔ اگر کوئی مریض اژدہا کو خواب میں دیکھتا ہے تو موت کی علامت ہوگی۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے خواب میں دیکھا کہ اس نے ایک اژدہا جنا ہے۔ کچھ دن کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی اس کے لنجہ بچہ پیدا ہوا ہے اس لیے کہ اژدہا اپنے آپ کو چلتے ہوئے کھینچتا ہے اسی طرح لنجہ آدمی بھی اپنے آپ کو کھینچتا ہے۔

تورم

تورم قطقاط نامی پرندہ کو کہتے ہیں۔ ابن بختیشوع لکھتے ہیں کہ تورم پرندہ کبوتری کی شکل کا ہوتا ہے جسے طیر التمساح بھی کہتے ہیں۔ اس کے بازو میں دو کانٹے ہوتے ہیں جو ہتھیار کا کام دیتے ہیں۔ جب یہ مگرمچھ کے منہ میں گھس جاتا ہے تو کبھی کبھی مگرمچھ منہ بند کر لیتا ہے تو یہ پرندہ ٹھونگیں مارتا رہتا ہے جس کی وجہ سے مگرمچھ منہ کھول دیتا ہے، پھر یہ اُڑ کر بھاگ جاتا ہے۔

ابن بختیشوع لکھتے ہیں کہ اس پرندہ کے کانٹوں کی یہ خصوصیت ہے کہ دونوں کانٹوں یا ایک کانٹے کو لے کر کسی ایسی جگہ گاڑ دیا جائے جہاں کسی آدمی نے پیشاب کیا ہو تو وہ آدمی جس نے پیشاب کیا ہوگا اس وقت تک بیمار رہے گا جب تک کہ اس جگہ سے یہ کانٹا نہ نکال لیا جائے۔ اگر کسی کے معدہ میں درد ہو رہا ہو تو اس پرندہ کا قلب باندھ کر لٹکا لے تو ان شاء شفایاب ہوگا۔

تولب

تولب گدھے کے بچے کو کہتے ہیں فلان اطوع من تولب فلان آدمی گدھے کے بچے سے زیادہ مطیع ہے۔سیبویہ کے نزدیک فوعل کے وزن پر ہونے کی وجہ سے منصرف ہے۔گدھی کو ام تولب کہتے ہیں۔ان شاءاللہ اس کا حکم باب حاء میں آجائے گا۔

تیس

تیس۔بکرا۔جنگلی بکرے کو کہتے ہیں اس کی جمع تیوس واتیاس آتی ہے۔چنانچہ ہذلی شاعر کہتا ہے ۔

من فوقه انسر سود و اغربة　　وتحته اعنز كلف واتياس

''اس کے اوپر سیاہ گدھ اور کوے ہیں اور نیچے سیاہ زردی مائل بکریاں اور بکرے ہیں۔''

تیس نر بکرے کو کہتے ہیں اس کی جمع تیوس اور اتیاس مستعمل ہے۔ہذلی شاعر نے اپنے شعر میں یہی استعمال کیا ہے۔بعض کہتے ہیں کہ تیوسیہ جمع ہے لیکن جوہری کہتے ہیں کہ اس کی صحت کا مجھے علم نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نر ہرن کو بھی تیس کہتے ہیں۔نیز نب التیس ینب نبیبا کے معانی ہیں۔بکرے کا جوش کے وقت بلبلانا جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے اسی لفظ سے تشبیہ دی ہے۔چنانچہ جابر بن سمرہ کہتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ کے پاس ایک پستہ قامت شخص کو لایا گیا جس کے بال بکھرے ہوئے اور پٹھے گوشت سے بھرے ہوئے تھے۔اس نے ایک تہبند باندھ رکھا تھا۔اس نے فعل زنا کا ارتکاب کیا تھا۔نبی کریم ﷺ نے اسے دوبار لوٹا دیا۔پھر اس کے لیے (رجم) کا حکم دیا۔چنانچہ اسے رجم کر دیا گیا۔پھر رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی ہم جہاد کے لیے نکلے تو تم میں سے کوئی نہ کوئی پیچھے رہ گیا جو بکرے کی طرح شہوت کی وجہ سے بلبلاتا اور ان عورتوں میں سے کسی کو تھوڑا پانی دیتا ہے(یعنی زنا کر لیتا ہے) جب بھی اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کسی پر قدرت دے گا تو میں ایسی کڑی سزا دوں گا کہ دُنیا کے لیے باعث عبرت ہوگی۔'' (رواہ مسلم)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے اصحاب میں تقسیم کرنے کے لیے بکریوں کا ریوڑ بھیجا' تقسیم کرنے کے بعد ایک بکرا (تیس) بچ گیا۔چنانچہ سعد نے اسے ذبح کر دیا۔ (رواہ کامل بن عدی)

حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں نہ بتادوں ایک عاریت پہ لیے ہوئے بوک (بکرا) کے بارے میں وہ حلالہ کرنے والا شخص ہے۔پھر فرمایا کہ لعنت ہو محلل و محل لہ پر (جو حلالہ کرتا ہے یا کراتا ہے)۔''

اس حدیث کو دارقطنی اور ابن ماجہ نے اسناد حسن کے ساتھ کاتب اللیث بن سعد' مشرح بن ہاعان مصری' عقبہ بن عامر وغیرہ سے کیا ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے محض حلالہ کی غرض سے حاصل کرنے کے لیے لعنت فرمائی ہے۔اس لیے اس غرض سے عورت کو طلب کرنے میں مروت کو پاش پاش کرنا ہے اور جس کے لیے یہ کام کیا جائے وہ محلل لہ کہلاتا ہے اور بکرے کو کسی غیر کی

وجہ سے جفتی کرنے کے لیے بھی لینا ذلیل کام ہے۔اسی لیے نبی کریم نے حلالہ کرنے والے کو مانگے ہوئے بکرے سے تشبیہ دی ہے۔اہل عرب بکرے کو مانگ کر لینے کو عار سمجھتے تھے۔چنانچہ شاعر نے کہا ہے ۔

وشر منيحة تيس معار

''حاصل کردہ سب سے برا عطیہ عاریت پر لیا ہوا بکرا ہے۔''

ابن سبع سبتی لکھتے ہیں کہ علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت میرے والد محترم کی آنکھ کی بینائی جاتی رہی تو آپ مکہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ایک مرتبہ میں ان کے ساتھ تھا کہ راستہ میں زم زم کے کنوئیں کے پاس شامیوں کے پاس سے گزر ہوا تو وہ لوگ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے لگے تو والد محترم نے سعید بن جبیر رحمہا سے کہا کہ تم مجھے ان لوگوں کے قریب کر دو۔ چنانچہ سعید نے کھڑا کر دیا۔والد محترم نے ان سے پوچھا تم میں سے کون اللہ اور رسول کو گالی دے رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا سبحان اللہ ہم میں سے کسی نے اللہ اور اس کے رسول کو گالی نہیں دی۔

پھر والد محترم نے فرمایا: اچھا تم میں سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کس نے برا بھلا کہا ہے۔انہوں نے جواب دیا کہ ہاں علی ایسے تو تھے ہی۔ یہ سن کر والد محترم نے فرمایا:

''میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے علی رضی اللہ عنہ کو گالی دی (برا بھلا کہا) اس نے مجھے گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی اس نے گویا اللہ کو گالی دی اور جس نے اللہ کو گالی دی اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ناک کے بل اوندھا کریں گے اور پچھاڑ دیں گے۔''

اس کے بعد آپ ان کے پاس سے چلے آئے۔ابا جان نے کہا اے بیٹے! دیکھا تم نے ان کو کہ وہ کیا بک رہے تھے۔میں نے جواب دیا ابا جان ۔

نظروا اليك باعين محمرة نظر التيوس الى شفاء الجاذر

''لوگ آپ کی طرف سرخ نگاہوں سے اس طرح دیکھ رہے تھے جس طرح کہ بکرا ذبح کرنے والے کی چھری کی طرف دیکھتا ہے۔''

یہ سن کر ابا جان نے فرمایا اور پڑھو۔اس کے بعد میں نے پڑھا ۔

شزر العيون منكسى اذقانهم نظر الذليل الى العزيز القاهراه

''شرمندہ نگاہیں ٹھوڑیوں پر جھکی ہوئیں کسی غالب مضبوط و طاقت ور کی طرف کسی ذلیل کے دیکھنے کی طرح (شفاء الصدور)''

عبدالعزیز منیب قریشی کی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ ان کی داڑھی لمبی ہونے کی وجہ سے علی بن حجر سعدی نے دیکھ کر یہ اشعار پڑھے ۔

ليس بطول اللحى تستوجبون القضا

''داڑھی کی لمبائی کے سبب تم قضا کو اپنے حق میں واجب نہیں کر سکتے ہو۔''

ان كان هذا كذا فالتيس عدل رضا

''کیونکہ بات اگر ایسی ہی ہوتی تو بکرا تو بڑا عادل و پسندیدہ ہے۔''

علی بن حجر نے مزید کہا کہ توریت میں لکھا ہے کہ تمہیں داڑھی سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے اس لیے کہ لمبی داڑھی بکرے کی بھی ہوتی ہے۔ (تہذیب الکمال)

(ان شاءاللہ معز کے عنوان میں شرعی حکم کی تفصیل آجائے گی)

امام ذہبی ۲۹۹ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ مقتدر باللہ کے پاس مصر سے تحفے آئے جس میں پانچ لاکھ اشرفیاں تھیں اور ایک بکرا تھا جس کے تھن سے دودھ نکلتا تھا اور انسان جیسی پسلی تھی جس کی ایک بالشت چوڑائی اور چودہ بالشت لمبائی تھی۔ (تاریخ ذہبی)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہماری اُمت میں ایک ایسا وقت آئے گا جب کہ فقہاء ایک دوسرے سے بغض وحسد رکھیں گے اور ان میں بعض، بعض پر حملہ آور ہوں گے اور خون بہائیں گے جس طرح کہ بکرے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے ہیں اور خون بہاتے ہیں۔'' (الترغیب والترہیب فی باب ذم الحسد)

مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ شہادت ہر چیز میں معتبر اور جائز ہے۔ لیکن ان کی شہادت آپس میں ناجائز ہے اس لیے کہ یہ قراء باڑہ میں بکرے سے زیادہ آپس میں ایک دوسرے سے حسد رکھتے ہیں۔ (الحلیہ)

(جوہری لکھتے ہیں کہ زرب وزریبۃ لکڑی کے باڑے کو کہتے ہیں)۔

مسعودی اور حافظ قطب الدین لکھتے ہیں کہ حجاج بن یوسف کی ماں فارعہ بنت عمام، یہ حکیم العرب حارث بن کلدۃ ثقفی کے نکاح میں تھیں۔ یہ ایک مرتبہ صبح صادق میں فارعہ کے پاس آیا دیکھا کہ وہ دانتوں میں خلال کر رہی ہے۔ چنانچہ اس نے اسے طلاق دے دی۔ فارعہ نے طلاق دینے کے بارے میں سبب دریافت کیا۔ اس نے یہ جواب دیا کہ میں جب صبح تمہارے پاس آیا تو تم دانتوں میں خلال کر رہی تھیں، اگر تم نے صبح کا کھانا جلدی کھایا ہے تو تم گویا پیٹ کی بندی ہو اور اگر تم نے رات اس حالت میں گزاری ہے کہ کھانا دانتوں میں لگا ہوا تھا تو تم گویا گندی ہو۔ یہ سن کر فارعہ نے جواب دیا کہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی بات نہیں ہوئی۔ ہاں البتہ میں نے سخت مسواک کی ہے یعنی دانتوں کی صفائی کی ہے۔

کچھ دنوں کے بعد فارعہ سے یوسف بن حکیم بن ابی عقیل ثقفی نے نکاح کر لیا تو ان سے حجاج پیدا ہوا۔ حجاج بدشکل تھا اس کے پاخانہ کا مقام نہیں تھا۔ چنانچہ اس کے چھید کر کے براز کے لیے مقام بنایا گیا۔ نیز اس نے اپنی ماں اور دیگر عورتوں کا دودھ پینے سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ اس معاملہ میں لوگ پریشان ہو گئے۔

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ شیطان حرث بن کلدہ کی شکل میں نمودار ہو کر آیا اور کہا کہ کیوں آپ لوگ پریشان ہیں؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ یہ لڑکا یوسف کا ہے فارعہ کے بطن سے پیدا ہوا ہے اور یہ ماں کا دودھ نہیں پی رہا ہے۔ شیطان نے یہ مشورہ دیا کہ تم لوگ کالا بکرا ذبح کر کے اس کا خون اسے چٹاؤ۔ پھر دوسرا کالا بکرا ذبح کر کے اس کے خون میں ڈال دو۔ پھر اس کے چہرہ کو خون سے تین دن تک مالش کرتے رہو تو چوتھے دن یہ ماں کا دودھ پینے لگے گا۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا تو اس نے ماں کا دودھ پینا شروع کر دیا۔

حجاج خون ریزی کے لیے بے چین رہا کرتا تھا۔ حجاج خود کہا کرتا تھا کہ مجھے خون ریزی اور وہ کام کرنے میں جس کو دوسرے نہ کر سکتے ہوں خوب مزہ آتا ہے۔ (مروج الذہب وشرح السیرۃ)

حجاج بن یوسف کے واقعات

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کے پاس دھمکی کا خط لکھا اور آخر مضمون میں یہ اشعار بھی لکھے۔

اذا انت لم تترک امورا کرھتھا وتطلب رضایا بالذی انا طالبه

''اگر تو اپنے ان امور کو نہیں چھوڑتا جسے تو ناپسند کرتا ہے اور اس چیز کے ذریعے میری رضا چاہتا ہے جس کا میں خود طالب ہوں۔''

وتخش الذی یخشاه مثلک هاریا الی فھا قدضیع الدر جالبه

''اور تم ڈرتے رہو اس سے جو تمہارے ہی طرح ڈرتا ہے حالانکہ وہ میری طرف بھاگا ہوا آتا ہے تو تو یاد رکھ کہ گویا موتیوں کو پانے والے نے اسے ضائع کر دیا۔''

فان ترمنی غفلة قرشیة فیا ربما قدغص بالماء شاربه

''اور اگر تو مجھے قرشی غفلت کا الزام لگاتا ہے (کہ میں بالکل مغفل ہوں) تو بخدا پینے والے کو پانی سے اچھو لگ گیا ہے۔''

وان ترمنی وثبه امویة فھذا و ھذا کله انا صاحبه

''اور اگر تم مجھ پر اموی بہادری (اور ہر معاملے میں کود پڑنے) کا الزام لگاتے ہو تو یہ ہو یا وہ سب میرے رفیق ہیں (یعنی دونوں ہی میری صفت ہیں)۔

فلا تامننی ولحوادث جمة فانک تجزیٰ بالذی انت کاسبه

''غرض تو مجھ سے مامون مت ہو جانا کیونکہ حادثات کثیر ہیں اور تم اسی کے ذریعہ بدلہ دو گے جسے تم حاصل کر رہے ہو۔''

خط پڑھ کر حجاج نے جواب دیا اور آخر مضمون میں یہ لکھا کہ دو حکم میرے پاس آئے ہیں۔ ان میں سے ایک سب سے زیادہ واضح ہے اور دوسرا سخت ہے ان میں سے جو واضح ہے اس کی تعمیل کے لیے مستعد ہوں اور جو دشوار ہے (یعنی سخت ہے) اس پر صبر کروں گا۔

جس وقت خلیفہ عبدالملک نے جواب پڑھا تو کہا کہ ابو محمد میری دھمکی سے ڈر گیا اب میں اس کو تکلیف دہ بات دوبارہ نہیں لکھوں گا۔

حجاج بن یوسف کی عادت تھی کہ جب کوئی قاری اس کے پاس آتا تو خوب سوالات کرتا۔ چنانچہ ایک دن ایک آدمی حجاج کے پاس آیا تو حجاج نے اس سے سوال کیا کہ قرآن کریم کی اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ. الایه سے پہلے کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ آیت ہے:

قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلاً اِنَّكَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ. (الزمر:۸)

''آپ کہہ دیں کہ تو اپنے کفر سے کچھ نفع اُٹھالے تو تو بالیقین جہنمیوں میں سے ہے۔''

یہ سن کر حجاج اتنالا جواب ہوا کہ اس کی پوچھنے کی عادت ختم ہوگئی اور اس کے بعد پھر کبھی کسی سے کچھ نہیں پوچھا۔

ایک مرتبہ حجاج نے عبدالرحمٰن بن اشعث کے شاگردوں میں سے کسی سے کہا کہ خدا کی قسم! میں تم سے شدید بغض رکھتا ہوں تو اس شاگرد نے جواب دیا کہ جو ہم میں سے سب سے زیادہ مبغوض ہوگا اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کریں گے۔

حجاج بن یوسف کے حالات میں یہ واقعہ بھی ہے کہ اولاً حجاج سپہ سالار روح بن زنباع کے ماتحت تھا جو عبدالملک بن مروان کا وزیر تھا اور عبدالملک کا لشکر ان کا حکم نہیں مانتا تھا نہ اس کے کہنے سے لشکر تیار ہوتا تھا اور نہ پڑاؤ ڈالتا تھا۔ چنانچہ عبدالملک نے روح بن زنباع

سے لشکر کی شکایت کی۔ایک دن روح بن زنباع نے عبدالملک سے یہ عرض کیا۔عالی جاہ! میری فوج میں ایک شخص حجاج بن یوسف ہے اگر آپ اسے سپہ سالار بنا دیں تو لشکری آپ کا کہنا مانیں گے۔آپ کے حکم سے وہ پا بہ رکاب ہو جائیں گے اور پڑاؤ بھی ڈالیں گے۔

یہ سن کر عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو لشکر کا قائد بنا دیا۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک مرتبہ عبدالملک پا بہ رکاب ہوا تو لشکر والے بھی تیار ہو گئے لیکن روح بن زنباع کے لشکر نے تیاری میں تاخیر کی۔اچانک ان کے پاس سے حجاج بن یوسف کا گزر ہوا۔دیکھا کہ لشکری کھانے میں مصروف ہیں۔یہ دیکھ کر حجاج نے کہا تمہیں کیا ہو گیا ہے تم لوگ لشکر کے ساتھ کوچ کیوں نہیں کر رہے؟ لشکریوں نے کہا آپ بھی ٹھہریئے ہمارے ساتھ کھانا کھایئے اور ابن الخناء گفتگو بند کرو (ابن الخناء کسی کی توہین کرنے کے وقت بولتے ہیں) حجاج نے کہا جو بات پہلے تھی وہ اب نہیں رہی۔اس کے بعد حجاج نے ان سب کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور روح بن زنباع کے گھوڑوں کی کونچیں کٹوا دیں' خیمے جلوا دیئے۔جس وقت روح بن زنباع کو معلوم ہوا تو فوراً عبدالملک کے پاس گیا اور عرض کیا حضور والا حجاج نے آج جو میرے ساتھ سلوک کیا ہے اس کا انصاف کیجئے۔عبدالملک نے دریافت کیا کہ کیا ہوا بتاؤ؟ روح بن زنباع نے کہا کہ اس نے میرے غلاموں کو قتل کر دیا۔گھوڑوں کی کونچیں کاٹ دیں' خیموں کو جلا دیا۔یہ سن کر عبدالملک نے حجاج کو طلب کیا۔جس وقت حجاج حاضر ہوا عبدالملک نے کہا تمہارا برا ہو' آج تم نے اپنے بڑے روح بن زنباع کے ساتھ کیا کیا؟ یہ سن کر حجاج نے جواب دیا:

اے امیر المؤمنین! میری قوت آپ ہی کی قوت ہے۔میرا کوڑا آپ ہی کا کوڑا ہے۔امیر المؤمنین کے لیے کیا ہے' آپ تو ایک غلام کے بدلے دو غلام اور ایک خیمے کے بدلے دو خیمے روح بن زنباع کو دے سکتے ہیں۔آپ میری لشکر کے سامنے دل شکنی نہ کیجئے۔عبدالملک نے کہا ٹھیک ہے ایسا ہی کرتا ہوں۔چنانچہ حجاج کا منشاء پورا ہو گیا۔اسی دن سے حجاج مضبوط ہو گیا اور اس کا شر بڑھ گیا۔ **وكان هذا اول ما عرف من كفائته** اور یہ اس کی پہلی شرارت تھی جو کھل کر سامنے آئی۔

مبرد لکھتے ہیں کہ سفیان ثوری بحوالہ عبدالملک بن عمر قریشی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کوفہ کی جامعہ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور کوفہ والے ان دنوں بہترین زندگی گزار رہے تھے۔ایک آدمی دس دس یا بیس بیس غلاموں کے ساتھ نکل رہا تھا۔اچانک کسی نے یہ کہا کہ حجاج بن یوسف کو عراق کا گورنر بنا کر بھیج دیا گیا ہے۔کیا دیکھتا ہوں کہ حجاج عمامہ باندھے ہوئے اکثر منہ ڈھانکے ہوئے تلوار اور تیر و کمان لٹکائے ہوئے مسجد میں آیا اور منبر کی طرف بڑھنے لگا۔لوگ اس کے قریب ہو گئے۔حجاج منبر پر بیٹھ گیا۔تھوڑی دیر خاموش بیٹھا رہا۔یہ دیکھ کر لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے اللہ تعالیٰ بنی اُمیہ کا برا کرے اس جیسے شخص کو عراق کا گورنر بنا دیا ہے۔تھوڑی دیر کے بعد عمیر بن خیال برجی نے کہا: کہو تو میں کنکری ماروں۔کسی نے کہا تھوڑی دیر ٹھہرو' ذرا جائزہ لے لیں۔جب حجاج نے لوگوں کے تیور چڑھے ہوئے دیکھے تو اپنے چہرے کو کھول کر کھڑا ہو گیا اور حمد و ثنا کے بعد کہا ؂

انا ابن جلا طلاع الثنايا متى اضع العمامة تعرفونی

''میں معاملوں کو کھول دینے والا اور پہاڑ اور ریتلی زمینوں کی راہ موڑ ہوں (یعنی میں ایک ایسا راستہ ہوں ج کے چڑھنے اور اُترنے کا راستہ واضح ہے) جب میں عمامہ رکھ دوں گا تو تم پہچان لو گے۔''

اس کے بعد کہا کوفیو! میں لوگوں کے سروں کو بالکل تیار دیکھ رہا ہوں۔ اب کھیتی کاٹنے کا وقت آ گیا ہے اور میں اس کا مالک ہوں اور میں عماموں اور داڑھیوں میں خون دیکھ رہا ہوں۔

هذا اوان الشر فاشتدی زیم قد لفها اللیل بسواق حُطَمٍ

''یہ شر کا زمانہ ہے بکریاں جمع ہو گئی ہیں' جسے نہایت بے رحم چرواہوں کے ذریعہ رات نے یکجا کر دیا ہے۔''

لیس براعی ابل و لاغنم ولا بجزار علی ظهر وضم

''وہ نہ اونٹ و بکری کا چرواہا ہے اور نہ گوشت کوٹنے والی لکڑی پر بیٹھا ہوا قصاب۔''

اس کے بعد کہا ؎

وقد لفها اللیل بعصلبی اروع خراج من الدوی

''بلاشبہ رات نے اسے بڑے ڈیل ڈول والے نہایت خوفناک شخص کے ذریعہ جمع کیا ہے جو رنج والم سے پاک ہے۔''

مهاجر لیس باعرابی معاود للطعن بالحظی

''مہاجر ہے کوئی دہقانی نہیں ہے۔ جو اپنے نیزے سے بار بار حملہ کرنے والا ہے۔''

اس کے بعد کہا ؎

قد شمرت عن ساقها فشدوا وجدت الحرب بکم فجدوا

''جنگ نے اپنی پنڈلی کھول دی ہے (تیاری مکمل ہو گئی ہے اور چھڑ گئی ہے) لہٰذا تم بھی تیار ہو جاؤ اور جنگ تمہارے اوپر سخت ہو گئی ہے لہٰذا تم کوشش کرو اور تیاری کر لو۔''

والقوس فیها وترعرد مثل ذراع البکر او اشد

''اور (اس) کمان میں جوان اونٹ کے دستوں کی طرح یا اس سے بھی زیادہ مضبوط و نہایت سخت تانت لگا ہوا ہے۔''

اے اہل عراق! واللہ میں نہایت بے باک اور نڈر ہوں' حوادثات زمانہ سے ڈرتا نہیں اور نہ میں سانپ کی طرح پہلو بدلتا ہوں۔ میں نے بھانپ لیا ہے اور تجربات کی روشنی میں پرکھ لیا ہے۔ امیر المؤمنین ترکش سے تیر لگا چکے ہیں اور انہوں نے ترکش کی لکڑی کو خوب جانچ لیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے تلخ ترین پایا اور توڑنے کے لیے سخت ترین پایا۔ اور تیر پھینکنے کی جگہ دور پائی۔ چنانچہ انہوں نے مجھے تمہارا حکمران بنا دیا۔ اس لیے کہ تم نے فتنہ انگیزی کافی کر لی ہے اور راہ راست سے الگ ہو چکے ہو۔ خدا کی قسم! میں تمہیں نازک عورت کی طرح باندھ دوں گا اور تمہارے اونٹوں کی طرح تمہاری گردن اُڑا دوں گا۔ تمہارا حال تو بالکل ان بستی والوں کی طرح ہو چکا ہے جو آرام و چین کی زندگی گزار رہے ہوں اور انہیں ہر چیز کی فراوانی ہو۔ اس کے باوجود وہ خدا کی نعمتوں کی قدردانی نہ کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے بھوک اور تنگی کا مزہ چکھاتا ہے۔

عراقیو! یاد رکھو جو میں کہہ دیتا ہوں پورا کرتا ہوں جو ارادہ کر لیتا ہوں' کر گزرتا ہوں۔ قسم کھا لیتا ہوں تو پوری کرتا ہوں۔ امیر المؤمنین نے مجھے تم لوگوں کو عطیات دینے پر مامور فرمایا ہے اور میں تمہیں تمہارے دشمن مہلب بن ابی صفرہ کے ساتھ جنگ کرنے کی ہدایت کرتا

ہوں۔اس کے بعد خدا کی قسم عطیہ لینے کے بعد اگر کوئی شخص میری خلاف ورزی کرے گا تو میں تین دن کے بعد اس کی گردن اُڑا دوں گا۔

حجاج بن یوسف نے اپنے خطاب کے بعد غلام کو حکم دیا کہ اب امیر المؤمنین کا خط پڑھ کر سنا دو۔ چنانچہ اس نے پڑھا:

''یہ خط امیر المؤمنین عبدالملک بن مروان کی طرف سے کوفہ کے رہنے والوں کے نام ہے۔السلام علیکم!''

خط کے یہ الفاظ سننے کے بعد کسی نے کچھ نہیں کہا۔اس کے بعد حجاج نے کہا غلام ذرا ٹھہر جاؤ۔اس کے بعد لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: امیر المؤمنین کا سلام تم لوگوں کو پہنچایا گیا لیکن تم لوگوں میں کسی نے جواب نہیں دیا۔ یہ تو ابن سمیتہ کا رواج اور طریقہ ہے خدا کی قسم میں تمہیں ادب سکھا دوں گا۔ یا تو پھر تم لوگ سیدھے ہو جاؤ گے۔

اس کے بعد حجاج نے غلام سے خط پڑھنے کو کہا۔ جب غلام نے پھر دوبارہ خط شروع سے پڑھا تو ابھی السلام علیکم تک نہیں پہنچا تھا کہ مسجد کے ہر شخص کی زبان سے یہ الفاظ نکلے علی امیر المؤمنین السلام (امیر المؤمنین پر سلامتی ہو) اس کے بعد حجاج نے منبر سے اُتر کر لوگوں میں عطیات تقسیم کرنا شروع کر دیئے اور لوگ لینے لگے۔ آخر میں ایک بوڑھا کپکپاتا ہوا آیا اور اس نے عرض کیا حضور عالی جاہ! آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ میں کتنا ضعیف و ناتواں ہوں اور میرا ایک طاقتور لڑکا ہے جو سفر و اسفار کے قابل ہے آپ اسے میری جگہ پر لے جائیں۔

یہ سن کر حجاج نے کہا اے شیخ تمہاری منشاء کے مطابق ایسا ہی کریں گے۔ جب وہ حجاج کے پاس سے چلا گیا تو کسی نے حجاج سے کہا: حضور عالی جاہ! آپ جانتے ہیں کہ یہ کون تھا؟ حجاج نے کہا نہیں' تو اس نے بتایا کہ یہ عمیر بن صابی برجمی ہے جس کے والد نے یہ شعر کہا ہے ۔

همممت ولم افعل و كدت وليتنى ترکت علی عثمان تبکی حلائله

''میں نے چاہا مگر نہیں کر سکا اور قریب تھا کہ میں کرلوں' بلاشبہ میں عثمان رضی اللہ عنہ پر اس کی بیویوں کو روتے ہوئے چھوڑ کر آیا ہوں۔''

جس دن سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گھر میں شہید کر دیئے گئے تھے اس دن اسی بوڑھے نے ان کے شکم مبارک کو روندا اور پسلیوں کو توڑ ڈالا تھا۔ یہ سن کر حجاج نے کہا کہ اس بوڑھے کو بلاؤ۔ چنانچہ وہ بوڑھا آیا تو حجاج نے اس سے کہا اے بوڑھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے دن تو نے اپنے بدلے کسی اور کو کیوں نہ بھیج دیا۔ یقیناً تیرے قتل کرنے میں مسلمانوں میں اصلاح اور درستگی پیدا ہوگی۔اس کے بعد حجاج نے محافظوں کو حکم دیا کہ اس کی گردن اُڑا دیں۔

تشــریح: ابن جلا سے مراد معاملہ کو کھول دینے والا ہے۔لفظ جلا غیر منصرف ہے۔فعل کی نیت کر کے حکایت کر دی گئی ہے اور جب فعل کا فاعل اسم ظاہر ہو تو اس وقت فعل صرف حکایتی ہی ہوتا ہے۔جیسا کہ تم کہو کہ میں نے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ پڑھی تو یہ سابقہ واقعہ کی حکایت ہے بلکہ مبتدا وخبر بھی حکایتی ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر آپ کہیں کہ قرأت الحمد للہ رب العالمین چنانچہ شاعر نے کہا ہے ۔

وَاللّٰهِ مَا زَيْدٌبِنَامِ صَاحِبُهُ.

''واللہ زید کا ساتھی سویا ہوا نہیں ہے۔''

انا ابن جلا: یہ شعر سحیم بن وثیل ریاحی کا ہے۔حجاج نے محض اپنے کو تشبیہ دینے کے لیے پڑھا: **طلاع الثنایا.** جمع ہے اس کا واحد ثنیــه ہے۔ یہ پہاڑ یا ریتلے میدان کے راستہ کو کہتے ہیں۔عربی میں میں اسے بہادر کہتے ہیں۔یعنی میں ایک ایسا راستہ ہوں جو پہاڑوں کا

بلندیوں اور سنگلاخ وادیوں سے گذر چکا ہو۔ جیسے کہ درید بن صمہ نے اپنے بھائی عبداللہ کا مرثیہ کہتے ہوئے لب کشائی کی ہے ؎

کمیش الازار خارج نصف ساقه بعید من السموآت طلاع انجد

''تہبند سمیٹنے والا (یعنی پھرتیلا ہے) اس کی آدھی پنڈلی کھلی ہوئی ہے۔ فواحش و عادات بد سے دور اور مشکل اُمور پر غالب آنے والا ہے۔''
انجد بلند زمین اور ٹیلے کو کہتے ہیں۔

حجاج نے انی لاری رؤ ساقد انیعت سے مراد یہ لیا ہے کہ لوگوں کے سر پک گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انیعت الشمرة انیاعا۔ پھل پک گئے' پھل پک جانے کے وقت بھی یہ کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

اُنْظُرُوْا اِلٰی ثَمَرِہٖ اِذَا اَثْمَرَ وَیَنْعِہٖ.

''پھل پکنے کے لیے ثمر اور ینع دونوں استعمال ہو سکتے ہیں۔''

ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ اس شعر میں اختلاف ہے۔ بعض اس کو احوص کی جانب منسوب کرتے ہیں اور بعض لوگ یزید بن معاویہ کی طرف منسوب کرتے ہیں ؎

ولها بالما طرون اذا اكل النمل الذی جمعا
حرقة حتی اذا ارتفعت سكنت من جلق نبعا
فی قباب عند دسكرة حولها الزيتون قدينعا

''اور بارش جس وقت چیونٹیوں کو ختم کر دے اور اس ذخیرہ کو بھی جو انہوں نے جمع کیا تھا اور ایک لپٹ جب کہ وہ لپکے اور پھر اسے پانی سے بجھا دیا جائے' بلند منارہ جو کہ ایک محل کے قریب ہے اور اس کے ارد گرد زیتون کے پھل ہیں جو نیم پختہ ہیں۔''

شاعر کا قول فاشتدیٔ زیم گھوڑا یا اونٹنی ہے (بطور مفعول استعمال کیا گیا ہے) غالباً یہ شعر حطیم قیسی کا ہے اور قد لفها اللیل بسواق حطیم میں حطم سے وہ شخص مراد ہے جو پیٹو اور سب کچھ چٹ کر جانے والا ہو۔ اسی طرح حطم تیز آگ کو کہتے ہیں۔ علی ظهر وضم الوضم ہر اس لکڑی یا چٹائی کو کہتے ہیں جس پر گوشت کو مٹی سے بچانے کے لیے رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ شاعر نے کہا ہے ؎

وفتیان صدق حسان الوجوه لایجدون لشئی الم

''خوبصورت چہرے والا سچا نوجوان جسے کسی چیز کا غم نہیں ہے۔''

من ال المغيرة لا يشهدون عند المجازر لحم الوضم

''مغیرہ کی آل و اولاد میں سے ہے جو بوچڑ خانے میں لکڑی پہ رکھے ہوئے گوشت کو نہیں دیکھتے۔''

اور شاعر کا یہ قول قدلفها اللیل بعصلبی سے مراد شدید غضب ناک یا بڑے ڈیل ڈول والے مضبوط مرد کو کہتے ہیں اور خراج من الدوی رنج و الم سے محفوظ آدمی کو کہتے ہیں۔ اسی طرح صحراء دوية سے مراد جنگل و چٹیل میدان ہے۔ چنانچہ حطیئہ شاعر نے کہا ہے ؎

وانی اهتدیت والد و بینی و بینها وما خلت ساری باللیل یهتدی

''میں چلا اور آہٹ ہمارے اور اس کے درمیان تھی اور اس آہٹ کے ساتھ چلنے والا برابر رات میں صحیح راستہ ڈھونڈتا رہا۔''

داویہ اس بڑے جنگل و بیابان کو کہتے ہیں جہاں رات میں آواز کی بازگشت سنائی دیتی ہے اور چٹیل میدان میں اونٹوں کی ٹاپ اور اس کی آہٹ پھیل جاتی ہے۔ جاہلین عرب کے عقیدہ کے مطابق اس قسم کی آواز جنوں کی بھنبھناہٹ سے پیدا ہوتی ہے۔

والتوس فیھا وترعرد. شدید کے معانی میں ہے۔ بعض نے عرد کی جگہ عرند بھی پڑھا ہے۔

حجاج بن یوسف کا یہ جملہ **انی واللہ ما یقعقع لی بالشنان.** شن کی جمع ہے' خشک کھال کو کہتے ہیں۔ خشک کھال کی حرکت سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اس سے اونٹ بدک جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی سے حجاج نے اپنے لیے بطور ضرب المثل کے استعمال کیا ہے۔ نابغہ ذبیانی کہتا ہے ؎

کانک من جمال بنی اقیس ۔۔۔ یقعقع بین رجلیہ بشن

''گویا کہ تم بنو اقیس کے شتربانوں میں سے ہو کہ جس کے دونوں پاؤں کے درمیان واقع کھال کی آواز سے اونٹ بدک جاتے ہیں۔''

ولقد فررت عن ذکاء. (میں بڑھاپے سے بھاگا) ذکاء تیزی کو کہتے ہیں۔ تیزی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بڑھاپے میں پیدا ہوتی ہے۔ دوسری حدت قلب سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں قیس بن زہیر عبسی کا قول ہے جری المزکیات غلاب (ذکاوتیں ٹب سے اچھل کر باہر آ گئیں)۔

اور زہیر کا شعر ہے ؎

یفضلہ اذا اجتھدا علیہ ۔۔۔ تمام السن منہ والذکاء

''اس کی تیزی اور بڑھاپا اسے دوسروں پر ترجیح دیتی ہے بشرطیکہ وہ کوشش کریں۔''

فعجم عیدانھا عوداً عوداً. کسی چیز کی سختی اور نرمی معلوم کرنے کے لیے جب اس چیز کو چباتے ہیں تو اس کو عجم کہا جاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ **عجمت العود** لکڑی کی سختی معلوم کرنے کے لیے دانت سے چبانا اور کاٹنا۔ اسی طرح ہر گٹھلی کو عجم کہتے ہیں۔ عجم' جیم پر زبر اور جس نے جیم پر سکون پڑھنا غلط ہے۔ چنانچہ اعشیٰ کہتا ہے ؎

وجذعانھا کلقیط العجم.

''اس کا بچہ اُٹھائی ہوئی گٹھلی کی طرح ہے۔''

حجاج کا یہ جملہ **طالما اوضعتم فی الفتنۃ الا یضاع** (ایضاع ایک قسم کی رفتار کو کہتے ہیں)۔

حجاج بن یوسف کے اور بھی واقعات ہیں' طوالت کی وجہ سے ہم گریز کر رہے ہیں۔

حجاج کا انتقال

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ جب حجاج قریب المرگ ہوا تو اس نے ایک نجومی کو بلا کر یہ کہا کہ آپ کے علم میں کسی بادشاہ کے مرنے کا ذکر ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں ہے لیکن آپ کا نہیں ہے۔ حجاج نے کہا وہ کیسے؟ نجومی نے جواب دیا کہ میرے علم میں جو بادشاہ مرے گا اس کا نام کلیب ہے۔ یہ سن کر حجاج نے کہا ہاں میں ہی ہوں۔ خدا کی قسم میری ماں نے میرا نام کلیب ہی رکھا تھا۔ چنانچہ حجاج نے وصیت کی

اور مریض ہونے کی حالت ہی میں یہ اشعار پڑھے ؎

یا رب قد حلف الاعداء و اجتهدوا ایمانهم اننی من ساکن النار

''اے پروردگار دشمنوں نے قسم کھا رکھی ہے اور کوشش میں ہیں۔ان کا ایمان ہے کہ میں جہنمی ہوں۔''

ایحلفون علی عمیاء ویحهم ماظنهم بعظیم العفو غفار

''کیا وہ جہالت کی وجہ سے قسم کھا رہے ہیں ان کا برا ہو وہ کیا گمان کرتے ہیں اس عظیم ذات سے جو عفو و درگزر اور مغفرت کرنے والی ہے۔''

حجاج بن یوسف کا انتقال ۹۵ھ میں ولید کے عہد خلافت میں شہر واسط میں ہوا اور اسی شہر میں دفن بھی کیا گیا۔اس کی قبر کا نشان مٹا کر پانی بہا دیا گیا۔جس وقت اس کا انتقال ہوا تو کسی کو اس کا علم نہیں ہو سکا تو ایک باندی شعر پڑھتے ہوئے آئی اس وقت لوگوں کو حجاج کے انتقال کا پتہ چلا ؎

الیوم یرحمنا من کان یغبطنا و الیوم نتبع من کانوا لنا تبعا

''جو ہم پر رشک کرتے تھے آج وہ ہم پر رحم کریں گے اور جو ہمارے متبع تھے آج ہم ان کی اتباع کریں گے۔''

ذہبی اور ابن خلکان لکھتے ہیں کہ جنگ کے علاوہ حجاج نے ایک لاکھ بیس ہزار افراد کو قتل کیا ہے۔امام ترمذی نے بھی اتنی ہی مقدار کی تشریح کی ہے۔اور حجاج کے قید خانہ میں ۵۰ ہزار مرد اور ۳۰ ہزار عورتیں جان بحق ہو گئے تھے جن میں سولہ ہزار لڑکیاں کنواری تھیں۔حجاج عورتوں اور مردوں کو ایک جگہ قید کرتا تھا۔حجاج کے انتقال کے بعد قید خانہ کا جائزہ لیا گیا تو ۳۳ ہزار آدمی بے گناہ قید تھے جن کے اوپر نہ قطع ید تھا اور نہ سولی دیئے جانے کے مستحق تھے۔

ابن عساکر لکھتے ہیں کہ سلیمان عبد الملک نے حجاج کے قید خانے سے اس کے مرنے کے بعد تمام مظلومین کو رہا کر دیا تھا۔بعض نے لکھا ہے کہ ایک دن میں ۸۰ ہزار آدمی رہا کیے گئے اور بعض نے رہا ہونے والوں کی تعداد ۳ لاکھ لکھی ہے۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ حجاج کا قید خانہ بلا چھت کے تھا۔گرمیوں میں سورج کی تپش سے بچنے اور سردیوں میں بارش سے حفاظت کا کوئی انتظام نہیں تھا۔سنگ مرمر کی صرف کوٹھڑیاں تھیں۔حجاج قیدیوں کو طرح طرح کی سزائیں دیتا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حجاج نے اپنے منشی سے ایک دن دریافت کیا کہ ہم نے الزام لگا کر کتنے لوگوں کو قتل کیا ہے منشی نے جواب دیا ۸۰ ہزار۔حجاج بن یوسف ۲۰ سال تک عراق کا گورنر رہا۔کل ۵۳ سال کی عمر پائی۔

حجاج بن یوسف جمعہ کے دن سوار ہو کر جمعہ کی نماز کے لیے جا رہا تھا تو اس نے قیدیوں کی چیخ و پکار سنی۔اس نے لوگوں سے پوچھا یہ کس چیز کی آواز ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ قیدیوں کی چیخ و پکار ہے انہیں تکالیف و بھوک کی شکایت ہے۔یہ سن کر حجاج قید خانہ کے ایک گوشہ میں گیا اور قرآن کریم کا یہ جملہ کہا اخسؤا فیها و لا تکلمون (مومنون:۱۰۸) اس کے بعد پھر حجاج کو اگلا جمعہ پڑھنے کی توفیق نہیں ہوئی (یعنی مرض الوفات میں مبتلا ہو گیا)۔

دمیریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن خلکان کی وفیات الاعیان کے حاشیہ میں بعض مشائخ کے حوالہ سے یہ پڑھا ہے کہ اس جملہ کے

استعمال کرنے یا بہت سی باتوں کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے بعض علماء نے کفر کا فتویٰ لگا دیا۔

بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ حجاج پر کفر کا فتویٰ اس لیے لگایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ اس نے لوگوں کو جناب رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مبارک کا طواف کرتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ تم لوگ بوسیدہ ہڈیوں کا طواف کرر ہے ہو۔ (الکامل للمبرد)

دمیریؒ کہتے ہیں کہ کفر یہ قول یہ ہے کہ اس نے رسول اللہ پر کذب کا الزام لگایا گیا ہے۔ اس لیے کہ صحیح روایت میں ہے:

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پہ یہ حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسم اطہر کو کھائے۔'' (رواہ ابوداؤد)

ابوجعفر داؤدی نے انبیاء کے ساتھ مزید شہداء، علماء اور مؤذنوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن یہ اصطلاح حدیث میں زیادتی غریب ہے۔ امام سہیلی کہتے ہیں کہ داؤدی فقہاء اور علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے حجاج کے مرنے کے بعد حجاج کو خواب میں دیکھا کہ وہ سڑا ہوا مردوں کی طرح پڑا ہوا ہے۔ امیر المؤمنین نے حجاج سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے جتنے بھی لوگوں کو قتل کیا ہے ہر مقتول کے بدلے میں مجھے ہر مرتبہ قتل کیا گیا ہے۔ ہاں البتہ مجھے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ تنہا شخص کے بدلہ میں ستر مرتبہ قتل کیا گیا۔ پھر سوال کیا کہ اب تم کو کس کا انتظار ہے؟ اس نے جواب دیا موحدین جس چیز کا انتظار کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس پر کفر کا فتویٰ بے جا لگایا گیا ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حجاج توحید پر مرا ہے (خدا ہی اس کے حالات سے زیادہ واقف ہیں)۔

اشکال اور اس کا جواب

اگر کسی کے دل میں یہ خلجان پیدا ہو کہ اللہ جل شانہٗ نے حجاج بن یوسف کو ہر مقتول کے بدلہ میں ایک ایک دفعہ قتل کیا ہے سوائے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ان کے قتل کی پاداش میں حجاج کو ستر مرتبہ قتل کیا ہے اس کی کیا حکمت ہے۔ حالانکہ عبداللہ بن زبیر صحابی رسول رضی اللہ عنہ تھے، ان کو بھی حجاج نے تہہ تیغ کر دیا تھا۔ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ تابعی تھے اور یہ اہل سنت کا قطعی عقیدہ ہے کہ صحابی، تابعی سے افضل ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حجاج نے جس وقت سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا اس وقت بہت سے جلیل القدر صحابہ موجود تھے جو اپنی مثال آپ تھے۔ جیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہما۔ لیکن جس وقت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا اس وقت اس دور میں ان جیسے بے نظیر عالم موجود نہیں تھے۔ اور دیگر علماء مصنفین نے تصریح کی ہے کہ جس وقت سیدنا حسن بصری کو سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر ملی اس وقت حسن بصری نے فرمایا کہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کا حادثہ ایسے نازک وقت میں پیش آیا ہے کہ مشرق سے مغرب تک مخلوق خدا ان کے علم و دانش کی محتاج تھی۔ بس اسی لیے حجاج بن یوسف رضی اللہ عنہ سعید کے قتل کرنے کی وجہ سے مزید قتل کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ لبوۃ (شرنی) کے عنوان میں آجائے گا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ باب الف اوزۃ (بڑی بطخ) کے عنوان میں گزر چکا ہے۔

ضرب الامثل

اہل عرب کہتے ہیں:

فلان اغلم من تیس بنی حمان. (حا پر زبر ہے) فلاں آدمی بنوحمان کے بکرے سے زیادہ قابل ہے۔
واقعہ یوں پیش آیا ہے کہ بنوحمان کا بکرا ستر بکریوں پر جفتی کے لیے چڑھتا تھا۔ حالانکہ بکرے کی رگ پھٹ گئی تھی' اسی دن سے بنو حمان اپنے بکرے پر فخر کرتے تھے اور تمیں (بکرے) ہی کے لیۓ سفد (جفتی کرنا) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔
ابن جوزی لکھتے ہیں کہ قبیلہ مزنیہ کے لوگوں نے ابوحسان انصاری کو قید کر لیا تو یہ لوگ فدیہ میں صرف جنگلی بکرے ہی کو مانگ رہے تھے۔ یہ سن کر ابوحسان انصاری کی قوم غضب ناک ہو گئی اور انہوں نے کہا کہ ہم ایسا بالکل نہیں کریں گے۔ آخر کار جو فدیہ مانگ رہے تھے دینا ہی پڑا۔ تو جس وقت وہ لوگ جنگلی بکرا لے کر آئے تو انہوں نے یہ کہا کہ اس بکرے کو اپنے بھائی کے بدلہ میں دے کر اسے رہا کروالو۔ اسی دن سے قبیلہ مزنیہ کا نام تیس پڑ گیا۔ چنانچہ مزنیہ کا یہ لقب پڑ گیا جو ان کے لیے معیوب سمجھا جانے لگا۔ (کتاب الاذکیاء)

طبی فوائد

- جنگلی بکرا خچر کی طرح بدبودار ہوتا ہے۔ اگر کسی کو کھانسی آتی ہو یا چوتھیا بخار میں مبتلا ہو تو اس کی داڑھی باندھنے سے دونوں شکایت دور ہو جاتی ہیں۔
- جس آدمی کی تلی بڑھ گئی ہو وہ اپنے ہاتھ سے اس بکرے کی تلی کاٹ کر جس گھر میں وہ رہتا ہو اس میں باندھ کر لٹکا دے۔ جس وقت تلی خشک ہو جائے گی تو تلی کے مرض میں مبتلا آدمی درست ہو جائے گا اور درد جاتا رہے گا۔
- جس کے کان میں درد ہو رہا ہو تو بکرے کا جگر کاٹتے وقت جو رطوبت نکلتی ہے اگر اسے کان میں ٹپکا لیا جائے تو درد جاتا رہے گا۔
- اس کے ٹخنے باریک کر کے پینے سے قوت باہ میں تیزی اور اشتعال پیدا ہوتا ہے۔
- اس کے پیشاب کو جوش دے کر گاڑھا ہو جانے کے بعد برابر چینی ملا کر خارش زدہ کو لگانے سے شکایت دور ہو جاتی ہے۔
- اگر کوئی بچہ زیادہ روتا ہو تو اس کی مینگنی سر کے نیچے رکھنے سے رونے کی شکایت دور ہو جاتی ہے۔

اور بھی بہت سے فوائد ہیں جس کا تذکرہ معز (بکری) کے عنوان میں آجائے گا۔

باب الثاء

ثاغية

بھیڑ۔اہل عرب کہتے ہیں مالہ ثاغية ولا راغية. نہ اس کے پاس کوئی بھیڑ ہے نہ اونٹنی ہے۔یعنی اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔اسی طرح کہتے ہیں ماله دقيقة ولا جليلة. اس کا بھی مفہوم یہی ہے۔دقیقہ بکری کو اور جلیلہ اونٹنی کو کہتے ہیں۔

ثُرمِلة

ثرملته. مادہ لومڑی کو کہتے ہیں۔تفصیل ثعلب (لومڑی) کے بیان میں آجائے گی۔

ثعبان

ثعبان ہر بڑے سانپ کو کہتے ہیں چاہے نر ہو یا مادہ ہو جمع ثعابين آتی ہے۔ثعبہ ایک قسم کے گرگٹ کو کہتے ہیں جس کی تفصیل باب داؤ وزغ (گرگٹ کے عنوان میں آجائے گی)۔

جاحظ کہتے ہیں کہ اژدہے زیادہ تر مصر کے علاقے میں ہوتے ہیں۔اس سے زیادہ اور کسی علاقے میں نہیں ہوتے۔اس لیے اللہ جل شانہ نے عصائے موسیٰ علیہ السلام کو اژدہا بنا دیا تھا۔چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَاهِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ. (القرآن)

''تو انہوں نے ڈال دی اپنی لاٹھی تو اچانک وہ واضح اژدہا بن گیا''۔

یعنی عصاء کو اللہ جل شانہ نے اژدہا بنا دیا تھا۔(کتاب الامصار وتفاضل البلدان)

ایک دلچسپ اور عجیب واقعہ

عبداللہ بن جدعان ابتداء مفلس اور غریب آدمی تھے۔اس کے باوجود نہایت شریر اور مفسد تھے۔قسم قسم کے جرائم برابر کرتے رہتے ان کے والد اور گھر والے ان کے نقصان کی تلافی کر دیتے۔ان کی طرف سے دیت ادا کر دیتے۔ایک مرتبہ مجبور ہو کر ان کے والد نے ان کو شہر بدر کر دیا اور یہ قسم کھالی کہ اب کبھی بھی ان کو پناہ نہیں دیں گے۔چنانچہ ان حالات کے پیش نظر عبداللہ بن جدعان مکہ کی گھاٹیوں کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور موت کی تمنا کرنے لگے۔اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ پہاڑ میں دراڑ ہے۔دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان کے اندر کوئی سانپ ہوگا۔چنانچہ یہ دراڑ کا جائزہ لینے لگے۔سوچا کہ اس میں کوئی نہ کوئی ایسی چیز ضرور ہوگی جو ان کو موت کے گھاٹ اُتار دے گی اور ہمیشہ کے لیے سو جائیں گے۔جب انہیں کوئی خطرناک چیز نظر نہ آئی تو ہمت کر کے اس کے اندر داخل ہو گئے۔کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بہت بڑا اژدھا ہے جس کی دونوں آنکھیں چراغوں کی طرح روشن ہیں۔یہ کھڑے ہو کر اس کا جائزہ لینے لگے۔دل میں یہ بات آئی کہ شاید یہ اژدہا مصنوعی ہے۔چنانچہ انہوں نے اسے ہاتھ سے پکڑ لیا تو واقعی وہ سونے کا مصنوعی اژدہا تھا۔آنکھیں یاقوت کی تھیں، توڑ کر انہوں نے آنکھیں نکال لیں۔پھر آگے دراڑ کے اندر داخل ہو گئے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک تخت پر ایسے ڈھانچے پڑے ہوئے ہیں کہ اتنے

لمبے اور موٹے ڈھانچے انہوں نے کبھی نہیں دیکھے تھے اور ان کے سرہانے چاندی کی ایک تختی تھی جس میں ان کی تاریخ لکھی ہوئی تھی۔ معلوم ہوا کہ وہ جرہم کے بادشاہ تھے ان کا سب سے آخری تاجدار حرث بن مضاض گزرا ہے جس کے عمامہ کا شملہ لمبا تھا۔ ان کے جسموں پر منقش کپڑے تھے۔ کافی دنوں سے ایسا رہا کہ کوئی چیز بھی اگر ان کے بدن پر گرتی تو ذرات کی طرح اُڑ جاتی تھی۔ تختی پر کچھ نصیحتیں کندہ تھیں۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ وہ تختی سنگ مرمر کی تھی اور اس میں یہ لکھا ہوا تھا:

''میں نصیلہ بن عبدالمدان بن خشرم بن عبدیالیل بن جرہم بن قحطان بن ہود علیہ السلام ہوں (جو اللہ کے نبی گزرے ہیں)۔ میں پانچ سو سال تک زندہ رہا۔ مال و دولت' جاہ و جلال و سلطنت کی تلاش و جستجو میں روئے زمین کے اندرون و بیرون کا سفر کیا لیکن ان میں سے کوئی بھی چیز مجھے موت سے نہ بچا سکی۔

پھر اس تحریر کے نیچے یہ اشعار کندہ تھے ؎

قد قطعت البلاد فی طلب الثروة والمجد قالص الاثواب

''فنا ہونے والی اشیاء دولت وعزت کی جستجو میں میں نے اکثر ملکوں کا سفر کیا۔''

وسریت البلاد و قفر القفر بقناة و قوة و اکتساب

''عزم وحوصلہ اور قوت آزمائی کے ساتھ بے آب وگیاہ راستوں سے رات کو بھی سفر کیا۔''

فاصاب الردی بنات فوادی بسهام من المنایا صیاب

''پھر موت کے تیر کے صحیح نشان سے میرا دل ہلاک ہو گیا۔''

فانقضت مدتی و افصر جهلی واستراحت عواذلی من عتاب

''چنانچہ میری عمر ختم ہو گئی اور میری جہالت دور ہو گئی اور میرے عتاب سے ملامت گر محفوظ ہو گئے۔''

ودفعت السفاه بالحلم لما نزل انشیب فی محل الشباب

''بردباری نے بُرے اخلاق کا خاتمہ کر دیا جب کہ بڑھاپے نے جوانی کو پچھاڑ دیا۔''

صاح هل رائیت اوسمعت براع ردفی الضرع ماقری فی الحلاب

''اس نے پکار کر کہا تم نے کسی چرواہے سے سنا یا بچشم خود دیکھا ہے کہ جو برتن میں دودھ جمع کیا گیا تھا وہ تھن میں لوٹا دیا گیا۔''

اور درمیان دراڑ میں یاقوت' موتیوں' زبرجد' سونے چاندی کا انبار تھا۔ اس سے بھی تھوڑے لے کر رکھ لیے پھر اس نے دراڑ پر ایک نشان لگا دیا اور اس کا دروازہ پتھر سے بند کر دیا اور اس نے جو مال یہاں سے نکالا تھا وہ اپنے والد کے پاس بھیج دیا تا کہ والدان سے شفقت ورافت کا مظاہرہ کرنے لگیں۔ پھر آخر کار یہ گھر واپس آ گیا۔ اور خاندان کا سردار بن گیا۔ عبداللہ بن جدعان وہیں کے خزانے کی دولت لوگوں پر خرچ کرتا۔ کھانا کھلاتا' اچھے کام پر پیسہ صرف کرتا۔ اس کا پیالہ اتنا بڑا تھا کہ اونٹ کا سوار سواری کے ساتھ شکم سیر ہو جاتا۔ ایک مرتبہ اس پیالہ میں ایک بچہ گر گیا۔ چنانچہ وہ ڈوب کر مر گیا۔

ابن قتیبہ کہتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں دو پہر کے وقت عبداللہ بن جدعان کے پیالے کے سائے سے سایہ حاصل کیا کرتا تھا۔'' (غریب الحدیث)

یعنی ہاجرۃ میں' ہاجرہ کو صکۃ عمی ایک واقعہ کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک اندھا آدمی تھا۔ غالباً یہ قبیلہ عدوان یا ایاد کا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں فقیہ عرب کے نام سے مشہور تھا۔ یہ ایک مرتبہ اپنی قوم میں حج یا عمرہ کر کے واپس آیا تو جب مکہ دو منزل دور رہ گیا تو اس نے اپنی قوم سے کہا جب کہ وہ وسط ظہیرہ میں تھے جو شخص اس جیسے وقت پر مکہ میں کل کے دن آئے گا اس کو دو عمرہ کا ثواب ملے گا۔ چنانچہ ان لوگوں نے اونٹوں کو تیزی سے ہانکا یہاں تک کہ صبح سویرے مکہ میں آ گئے۔ (نحوی قواعد کی رو سے لفظ عمی ترخیم کے طور پر اعمیٰ کی تصغیر ہے اسی لیے ظہیرۃ کا نام صکۃ عمی پڑ گیا۔ (الانوار)

عبداللہ بن جدعان

عبداللہ بن جدعان تیمی کی کنیت ابوزہیر ہے۔ یہ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے اس لیے عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے حالات کا تذکرہ کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ابن جدعان مہمان نواز' خیر خواہ اور بھلائی کرنے والے آدمی تھے کیا ان کو قیامت کے دن ان کے کام نفع بخش ہو سکتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا بالکل نہیں۔ عائشہ! ابن جدعان کو کسی دن روز محشر کے لیے گناہوں سے مغفرت چاہنے کی توفیق نہیں ہوئی۔

امام سہیلی اور احمد بن عمار کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جدعان ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے شراب سے دل چسپی رکھنے کے باوجود اپنے لیے شراب حرام کر لی تھی۔ یعنی واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک مرتبہ یہ شراب نوش کرنے کے بعد مدہوش ہو گئے تو اپنے ہاتھوں کو بڑھا کر چاند کی روشنی کو مٹھی میں لینے کی کوشش کرنے لگے۔ ہم نشین دیکھ کر ہنس پڑے۔ جس وقت انہیں افاقہ ہوا لوگوں نے انہیں بتایا کہ تم مدہوشی کے عالم میں یہ کر رہے تھے۔ بہت شرمندہ ہوئے اور شراب نہ پینے کی ہمیشہ کے لیے قسم کھائی۔ جب یہ بوڑھے ہو گئے تو بنوتمیم نے انہیں اسراف کرنے سے روکنے کی کوشش کی۔ اور جود و بخشش سے انہیں روکا۔ ابن جدعان کا یہ حال تھا کہ یہ لوگوں کو بلا کر ہلکا سا طمانچہ لگاتے۔ پھر اس سے یہ کہتے کہ اُٹھو اور قسم کھاؤ کہ میں نے تمہارے طمانچہ لگایا ہے اور اس کے بدلہ میں دیت کا مطالبہ کرو۔ چنانچہ سب لوگ ایسا کرتے تو بنوتمیم ابن جدعان کے مال سے ان کو دیت دیتے۔ (الروض الانف)

ابوالفتح علی ابن محمد بستی نے اس موضوع پر بہت ہی اچھا اور طویل قصیدہ کہا ہے جو پند و نصائح کا مجموعہ ہے ابوالفتح کو نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت تھی۔ بعض شعراء نے قصیدہ میں تضمین بھی کی ہے۔ مشہور یہ ہے کہ تضمین کے اشعار خلیفہ راضی باللہ کے ہیں ؎

زيادة المرء في دنياه نقصان ... وربحه غير محض الخير خسران

''انسان کے لیے زیادہ دُنیا داری نقصان دہ ہوتی ہے اور اس کا نفع بھی علاوہ خالص خیر کے نقصان کا سامان ہی ہوتا ہے۔''

وكل وجدان حظ لاثبات له ... فان معناه فی التحقيق فقدان

''اور ہر شخص کے لیے ایک ناپائیدار حصہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اس کے یہ معانی ہوئے کہ وہ بھی ایک دن منقطع ہو جائے گا۔''

ياعامر الخراب الدهر مجتهدا ... بالله هل الخراب العمر عمران

''اے دُنیا کو آباد کرنے کی کوشش کرنے والے خدا کی قسم! کیا دُنیا زندگی بھر کے لیے ہے۔''

ویا حریصا علی الاموال یجمعها نسیت ان سرور المال احزان

''اے مال ودولت جمع کرنے کے حریص، سچ مچ دولت کی شادمانی غم واندوہ کا سبب بن جاتی ہے۔ کیا تم اسے بھول گئے۔''

دع الفواد عن الدنیا وزخرفها فصفوها کدر والوصل ھجران

''دُنیا اوراس کی رنگ رلیوں پر فریفتہ مت ہو جاؤ اس لیے کہ دُنیا کی خوش نمائی گدلا پن اور دستیابی جدائی ہے۔''

واوع سمعک امثالا افصلها کما یفصل یاقوت و مرجان

''اورتم کان کھول کر سن لو میں مثالیں دے کر اس طرح الگ الگ بیان کروں گا جیسے کہ یاقوت اور موتی الگ الگ ہو جاتے ہیں۔''

احسن الی الناس تستعبد قلوبهم فطالما استعبد الانسان احسان

''لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے تو وہ تمہارے تابع ہو جائیں گے کیونکہ بسااوقات انسان احسان کا غلام بن جاتا ہے۔''

وکن علی الدھر معوانالذی امل یرجوندک فان الحر معوان

''جو تمہارے جودوکرم کا اُمیدوار ہو تو تم اس کی پریشانی میں زیادہ سے زیادہ کام آؤ اس لیے کہ شریف آدمی موقع پر دوسروں کا ساتھ دیتا ہے۔''

من جاد بالمال مال الناس قاطبة الیه والمال للانسان فتان

''جو بخشش کرتا ہے اس کا سارا نفع بعد میں اسی کو ہوتا ہے اور مال تو انسانوں کو فتنہ میں ڈال دیتا ہے۔''

من کان للخیر مناعا فلیس له عند الحقیقة اخوان و اخدان

''بھلائی کرنے سے جورو کنے والا ہوتا ہے مصیبت کے وقت اس کے نہ کوئی بھائی ہوتے ہیں اور نہ ساتھی۔''

لاتخدشن بمطل وجه عارفة فالبر یخدشه مطل ولیان

''تمہیں کوئی آشنا ٹال مٹول کے ذریعے دھوکہ نہ دے دے اس لیے کہ نیک کار کو ٹال مٹول اور آسودگی دھوکہ دے دیتی ہے۔''

یا خادم الجسم کم تسعی لخدمته أتطلب الربح مما فیه خسران

''اے بدن کے خادم، تو کب تک خدمت میں مصروف رہے گا کیا نقصان دہ چیزوں میں تم نفع کا سراغ لگا رہے ہو۔''

اقبل علی النفس فاستکمل فضائلها فانت بالنفس لابالجسم انسان

''نفس پر توجہ دے کر آراستہ کرنے کی تکمیل میں لگ جاؤ کیونکہ (سلامت) نفس کا نام انسان ہے ڈھانچہ کا نہیں۔''

من یتق اللّٰه یحمد فی عواقبه ویکفه شر من عزوا و من ھانوا

''جو خدا سے ڈرتا ہے اس کا انجام بہتر ہوتا ہے اور بڑے وچھوٹے ہر ایک کی اذیت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔''

حسب الفتی عقلا خلا یعاشره اذا تحاماه اخوان و خلان

''جوان کے لیے یہ کافی ہے کہ دوستوں میں اطمینان بخش زندگی گزار رہا ہو جب وہ بچنے لگتا ہے تو بھائی اور دوست خوب ہو جاتے ہیں۔''

لا تستشر غیر ندب حازم فطن قد استوت منه اسرار و اعلان

''تم ہوش مند، دانا اور ذہین آدمی کے علاوہ کسی اور سے مشورہ نہ لینا اس لیے کہ ایسے کا ظاہر و باطن دونوں یکساں ہوتا ہے۔''

فللتدابیر فرسان اذا رکضوا فیها ابروا کما للحرب فرسان

''میدان جنگ کی طرح تدبیروں میں بھی شہسوار (مدبر و آزمودہ) ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ ایڑ لگاتے ہیں تو فتح یاب ہو جاتے ہیں۔''

وللامور مواقیت مقدرة وکل امرله حد و میزان

''ہر معاملہ کے لیے اوقات، ایک حد، انتہا اور ناپنے کے لیے ایک پیمانہ ہوتا ہے۔''

من رافق الرفق فی کل الامور فلم یندم علیه و لم یذممه انسان

''جو ہر معاملہ میں نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کرتا ہے اسے شرمندگی اور کسی بھی برائی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔''

ولا تکن عجلا فی الامر تطلبه فلیس یحمد قبل النضیح بحران

''ہنگامی معاملہ کی تفتیش میں جلدی نہ کرنا کیونکہ مقدمہ تحقیق سے قبل نامکمل ہونے کی وجہ سے بہتر نہیں ہوتا۔''

وذو القناعة راض فی معیشته وصاحب الحرص ان اثری فغضبان

''قناعت گزیں اپنی زندگی میں خوش اور مطمئن رہتا ہے اور حریص مالدار بھی ہو تو وہ ناخوش اور پریشان رہتا ہے۔''

کفی من العیش ماقدسد من رمق ففیه للحر ان حقیقت غنیان

''زندگی گزارنے کے لیے معمولی خورد و نوش کافی ہے بس اتنی مقدار شریف آدمی کے لیے مہیا ہو جائے تو کام چل جاتا ہے۔''

هما رضیعا لبان حکمة و تقی و ساکنا وطن مال و طغیان

''وہ دونوں حکمت و تقویٰ کے طفل شیر خوار ہیں نیز مال اور سرکشی ایک ہی وطن کے دونوں باسی ہیں۔''

من مد طرفا بفرط الجهل نحوهوی اغفٰی عن الحق یوما وهو خزیان

''جو خواہشات کی طرف انتہائی جہالت کی وجہ سے ہاتھ بڑھاتا ہے تو وہ ایک دن ذلیل ہو کر حق سے پھر جاتا ہے۔''

من استشار صروف الدهر قام له علی حقیقة طبع الدهر برهان

''حوادثات کا سلسلہ جن پر کھل جاتا ہے تو اس کے لیے زمانہ کی طبیعت بطور دلیل منکشف ہو جاتی ہے۔''

من عاشر الناس لاقی منهم نصبا لان طبعهم بغی وعدوان

''جو لوگوں کے ساتھ زندگی گزارتا ہے تو ان سے تکلیف بھی پہنچتی ہے کیونکہ ان کی طبیعت میں بغاوت و دشمنی ہوتی ہے۔''

ومن یفتش علی الاخوان مجتهدا فجل اخوان هذا الدهر خوان

''جو بھائیوں کے بارے میں تفتیش میں لگا رہتا ہے (اسے تجربہ کے بعد پتہ چل جاتا ہے کہ) اس زمانہ کے سارے بھائی خائن ہیں۔''

من یزرع الشر یحصدفی عواقبه ندامة والحصد الزرع ابان

''جو بدی کی کاشت کرتا ہے نتیجۂ ندامت کاٹتا ہے اس لیے کہ کٹائی کا ایک وقت مقرر ہے۔''

من استنام الی الاشرار نام وفی قمیصه منهم صل و ثعبان

''جو بروں سے مانوس ہو کر مطمئن ہو جاتا ہے گویا وہ آستین میں اژدہا لے کر سو جاتا ہے۔''

من سالم الناس یسلم من غوائلهم وعاش و هو قریر العین جذلان

''جو لوگوں کے ساتھ سلامت روی کا ثبوت دیتا ہے تو وہ ان کے شرور سے محفوظ ہو کر سکون اور چین کی زندگی گزارتا ہے۔''

من کان للعقل سلطان علیه غدا وما علی نفسه للحرص سلطان

''جو لوگ عقل کے محافظ بن جاتے ہیں انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے خرمن کے محافظ نہیں بنتے۔''

وان اساء مسی فلیکن لک فی عروض زلته صفح و غفران

''اگر کوئی شام کے وقت برائی سے پیش آئے تو اس کی آبرو ریزی پر چشم پوشی اور درگزر سے کام لو۔''

اذانبا بکریم موطن فله وراءه فی بسیط الارض اوطان

''جب کسی کا وطن اس کی شرافت کی خبر دے۔ تو یاد رکھو اس کے لیے زمین میں اس کے علاوہ بھی بہت سے وطن ہوں گے۔''

لاتحسبن سروراً دائما ابداً من سرة زمن ساء ته ازمان

''تم اپنے آپ کو دائماً مسرور مت سمجھا کرو اس لیے کہ زمانہ کسی وقت کسی کو خوش کر دیتا ہے تو دوسرے وقت اس کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔''

یاظالما فرحا بالغو ساعده ان کنت فی سنة فالدهر یقضان

''اے بازوؤں سے زیادہ زیادتی کرنے والے عزت و جاہ کی وجہ سے خوش ہے اگر تو اونگھ رہا ہے تو زمانہ تو بیدار ہے۔''

یاایها العالم المرضی سیرته أبشر فانت بغیر الماء ریان

''اور دانش مند انسان پاکیزہ اخلاق والے تمہیں میں خوش خبری دیتا ہوں کہ بغیر پانی ہی کے سیراب ہو۔''

ویااخا الجهل لواصبحت فی لجج فانت ما بینهما لاشک ظمآن

ترجمہ: ''اے جاہل بھائی اگر چہ تو سمندر ہی میں کیوں نہ ہو اس کے باوجود تو یقیناً پیاسا ہی ہوگا۔''

دع التکاسل فی الخیرات تطلبها فلیس یسعد بالخیرات کسلان

''تو خیر و بھلائی کے سراغ لگانے میں کاہلی نہ کر کیونکہ کاہل آدمی نیک کاموں میں سعادت مند نہیں ہوتا۔''

صن حروجک لاتهتک غلالته فکل حرلحر الوجه صوان

''تم اپنی عزت کی حفاظت کرو اس کی آبرو ریزی مت کرو۔ اس لیے کہ ہر شریف آدمی شریف آدمی کے لیے محافظ ہوتا ہے۔''

لاتحسبن الناس طبعا واحدا فلهم غرائز لست تحصیها والوان

''تم ہر ایک کو ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے مت سمجھا کرو اس لیے کہ لوگوں کی طبیعتیں بے حد رنگین اور مختلف ہوتی ہیں۔''

ماکل ماء کصداء الوراد نعم ولاکل نبت فهو سعدان

''ہر پانی اپنے گھاٹ میں آنے والے کے لیے شفاء بخش وخوش گوار نہیں ہوتا صحیح ہے اور نہ ہر گھر میں سعدان[1] ہوتی ہے۔''

من استعان بغیر الله فی طلب فان ناصره عجز و خذلان

''جو بوقت ضرورت غیر اللہ سے مدد مانگتا ہے تو سچ مچ اس کا مدد کرنے والا عاجز اور کمزور ہوتا ہے۔''

واشدد یدک بحبل الله معتصما فانه الرکن ان خانتک ارکان

''اگر قوم نے تمہارے ساتھ بے وفائی کی ہو تو تم اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلو اس لیے کہ یہ مضبوط اور توانا ہے۔''

ولاظل للمرء یغنی عن تقی و رضا وان اظلته اوراق وافنان

''کسی کے پاس خوف ورضا سے بے نیاز کرنے والا سایہ نہیں ہے اگر چہ اسے پتوں اور ٹہنیوں نے سایہ میں لے لیا ہو۔''

سحبان من غیر مال باقل حصر وباقل فی اثراء المال سحبان

''سحبان جیسا خطیب اعظم مال کے بغیر باقل ہے کہ بولنے پر قادر نہ تھا اور باقل دولت کے وقت سحبان بن جاتا ہے۔''

والناس اخوان من والته دولته وهم علیه اذا عادته اعوان

''والی سلطنت کے لیے لوگ بھائی بھائی ہوتے ہیں، جب حاکم پر کوئی حملہ آور ہوتا ہے تو وہ مددگار بن جاتے ہیں۔''

یارافلا فی الشباب الوحب منتشیا من کاسه هل اصاب الرشد نشوان

''اے عنفوان شباب میں اپنے جام سے مست ہونے والے کیا نشے اور مستی میں راہ یاب ہو جائے گا؟''

لا تغترر بشباب ناعم خضل فکم تقدم قبل الشیب شبان

''تم شاداب اور مست جوانی کے دھوکہ میں نہ پڑو کیونکہ بہت سے جوان بڑھاپے سے قبل ہی رخصت ہو گئے ہیں۔''

ویا اخا الشیب لوناصحت نفسک لم یکن لمثلک فی الاسراف امعان

''اور بڑھاپے میں قدم رکھنے والے تیرا نفس صحت مندر ہے تمہارے جیسا فضول خرچ کوئی نہیں ہے۔''

هب الشبیبة تبدی عذر صاحبها مابال شیبک یستهویه شیطان

''فرض کرو جوانی اپنے حجرات کا عذر کر رہی ہو سوچا کہ شیطان کے مدہوش کیے ہوئے بڑھاپے کا کیا حال ہوگا۔''

کل الذنوب فان الله یغفرها ان شیع المرء اخلاص و ایمان

---

[1] سعدان ایک خاردار پودا ہوتا ہے جو اونٹوں کے لیے بہترین چارہ سمجھا جاتا ہے۔۱۲ (مصباح اللغات)

''اگر آدمی میں ایمان و اخلاص ہوتا ہے تو خدائے پاک ہر گناہ کو بخش دیتے ہیں۔''

و کل کسرفان اللّٰہ یجبرہ وما لکسر قناۃ الدین جبران

''اللہ جل شانہٗ جسم کی ہر ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑ دیتا ہے لیکن دین کی ٹوٹی ہوئی لکڑی کو نہیں جوڑتا۔''

احسن اذا کان امکان و مقدرۃ فلا یدوم علی الانسان امکان

''اگر ہمت واستطاعت ہو تو حسن سلوک کر و اس لیے کہ انسان کی استطاعت ہمیشہ نہیں رہتی۔''

فالروض یزدان بالانوار فاغمہ والحر بالعدل والاحسان یزدان

''چمن کھلی ہوئی کلیوں سے دلہن بنا رہتا ہے اور آزاد و شریف آدمی عدل واحسان سے آراستہ رہتا ہے۔''

خذھا سرائر امثال مھذبۃ فیھا لمن یبتغی التبیان تبیان

''ان پاکیزہ اور مہذب لوگوں کی حکمتوں کو یاد کرلو جو لوگ روشنی حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے اس میں روشنی کا سامان ہے۔''

ماضر حسانھا والطبع صائغھا ان لم یصغھا قریع الشعر

''کلمات حکمت کی جادوگری کو درانحالیکہ حکیم طبیعتوں نے انہیں ڈھالا ہے کوئی نقصان پہنچانے والا نہیں اگر بہترین اشعار کی تیاری میں قادرالکلام شاعروں نے حصہ نہ لیا ہو۔''

بعض شعراء نے تضمین کرتے ہوئے کہا ہے کچھ اہل علم کہتے ہیں کہ خلیفہ راضی باللہ نے تضمین کی ہے ؎

وکن لسنۃ خیر الخلق تبعاً فانھا لنجاۃ العبد عنوان

''تم سب سے بہتر خلق (رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے) پیروکار بن جاؤ اس لیے کہ سنت کا طریقہ بندہ کی نجات کا عنوان ہے۔''

فھو الذی شملت للخلق انعمہ وعمھم منہ فی الدارین احسان

''تمام مخلوق پر جس کی عنایات چھائی ہوئی ہیں یہ وہی ذات گرامی ہے اور دُنیا و آخرت کی ساری مخلوق پر ان ہی کا احسان ہے۔''

جبینہ قمر قد زانہ خفر وثغرہ دررغر و مرجان

''وہ مہ جبین جس کی حیا نے چار چاند لگا دیئے ہیں' دانت کیا ہیں بڑے بڑے موتیوں کی طرح تابناک ہیں۔''

والبدر یخجل من انوار طلعتہ والشمس من حسنہ الوضاح تزدان

''اور چاند ان کے چہرہ انور کی ضیاپاشیوں سے شرمندہ ہے اور ان کے چہرہ کی چمک دمک سے سورج کی روشنی میں اضافہ ہوتا ہے۔''

بہ توسلنا فی محو زلتنا لربنا انہ ذوالجود منان

''ہم اپنے پالنہار سے اپنی لغزشوں سے درگزر کے لیے ان کو وسیلہ بناتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ فیاض اور بہت احسان کرنے والے ہیں۔''

و مذاتی البصرت عمی القلوب بہ سبل الھدی ووعت للحق اذان

''اور جب سے وہ آئے اندھے قلوب نے بھی ہدایت کا راستہ دیکھ لیا ہے اور کانوں نے بھی حق بات سن لی ہے۔''

یا رب صل علیه ما همی مطر فَاَنیعت منه اوراق و اغصان

''خدایا جب تک بارش ہوتی رہے اس ذات گرامی پر رحمت نازل فرما جس کی وجہ سے اس سے پتے اور ٹہنیاں پھوٹ پڑیں۔''

وابعث الیه سلاماً زاکیا عطراً والآل والصحب لا تفنیه ازمان

''ان پر ان کی آل واولاد پر اوران کے اصحاب پر قیامت تک پاکیزہ اور معطر درودوسلام بھیجتے رہیے۔''

اب ابوالقاسم بستی کی نثر ملاحظہ فرمایئے:

جو اپنی اصلاح کرلیتا ہے تو اس کے حاسدین خاک آلود ہو جاتے ہیں جو غصہ اور اشتعال کے تابع ہوتا ہے اس کا ادب ضائع ہو جاتا ہے۔ بڑے لوگوں کے اخلاق اخلاق فاضلانہ ہوتے ہیں۔ نیک بخت غصہ کے وقت تھم جاتا ہے۔ رشوت ضرورتوں کی رسی ہے۔ جاہل ترین وہ شخص ہے جو بھائیوں کو ذلیل کرنے والا ہو اور بادشاہوں پر بھروسہ کرنے والا ہو۔ سمجھ عقل کی کرن ہے۔ آرزوئیں تمناؤں کا مذاق اُڑاتی ہیں۔ پاک دامنی گزارہ اور قناعت پر رضامندی کا نام ہے۔

ابوالقاسم بستی کا انتقال ۴۰۱ھ میں ہوا۔

ثعالة

الثعالة لومڑی۔ ثعالۃ، نخالہ کے وزن پر ہے۔ نخالۃ، زبالۃ اور فضالۃ۔ یہ تینوں ہم شکل بھائی بھائی تھے۔ ثعالۃ مشہور لومڑی کا نام ہے۔ ارض مثعلہ اس زمین کو کہتے ہیں جہاں زیادہ تر لومڑیاں رہتی ہوں۔ ارض معقرہ اس زمین کو کہتے ہیں جہاں زیادہ تر بچھو رہتے ہوں۔

ضرب الامثل

اہل عرب کہتے ہیں فلان اروغ من ثعالة. ''فلاں لومڑی سے زیادہ دھوکے باز اور مکار ہے۔'' چنانچہ شاعر کہتا ہے ۔

فاحتلت حین صرمتنی والمرء یعجز لا محالة

''جس وقت تو نے مجھ سے قطع تعلق کرلیا اس وقت میں نے تدبیر کی اور یقیناً انسان عاجز ہوتا ہے۔''

والمرء یکسب ماله والشیخ یورثه الفسالة

''اور انسان اپنی کمائی کرتا ہے اور حرص بے سود زرّات کا وارث بنادیتی ہے۔''

والعبد یقرع بالعصا والحر تکفیه المقالة

''غلام ڈنڈے سے کھٹکھٹایا جاتا ہے (یعنی غلام سے قابل تنبیہ غلطیاں ہوتی ہیں) اور آزاد شریف کے لیے کہہ دینا کافی ہوتا ہے۔''

اہل عرب کہتے ہیں فلان اعطش من ثعالة. ''فلاں لومڑی سے زیادہ پیاسا ہے۔''

ثعالہ کے معانی میں علماء کا اختلاف ہے۔ محمد بن حبیب کا خیال ہے کہ لومڑی کو کہتے ہیں۔ لیکن ابن الاعرابی اس کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ ثعالۃ بنو مجاشع کا ایک آدمی تھا۔ اس نے جنگل میں اپنے ساتھی کا پیشاب نوش کرلیا تھا۔ چنانچہ وہ پیاسا مرگیا۔

ثعبة

امام جوہری لکھتے ہیں کہ ثعبہ ایک قسم کے گرگٹ کا نام ہے۔

ثعلب

(بفتحہ ثاء وسکون عین مہملہ وبفتحہ لام وسکون بائے موحدہ)

ثعلب لومڑی مشہور جانور ہے اس کی جمع ثعالب اور اُثعل آتی ہے۔ مادہ کے لیے ثعلبۃ استعمال کرتے ہیں۔ فارسی میں ''روباہ'' ہندی میں لومڑی ولوکھری بھی کہتے ہیں۔

وابصہ رضی اللہ عنہ بن معبد کہتے ہیں کہ:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ لومڑی درندوں میں سب سے زیادہ شریر ہوتی ہے۔'' (رواہ ابن قانع فی معجمہ)

لومڑی کی کنیت ابوالحصین' ابوالنجم' ابونوفل' ابوالوثاب' ابوالخبص وغیرہ ہے اور مادہ کی کنیت کے لیے ام عویل کہتے ہیں۔ نرلومڑی کو ثعلبان بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ کسائی نے کہا ہے ؂

اربّ یبول الثعلبان براسه لقد ذل من بالت علیه الثعالب

''کیا ایسا بت معبود بنانے کے لائق ہے جس کے اوپر لومڑی موت جاتی ہو یا جس کے اوپر لومڑی کی موت ہوگئی ہو۔ وہ یقیناً ذلیل وخوار ہے۔

اسی طرح دیگر شعراء نے بھی اشعار کہے ہیں لیکن وہ سب خیالات ہی ہیں۔

ابوحاتم رازی نے ثعلبان کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ ثعلب کا تثنیہ گردانتے ہیں۔

بعض اہل علم لکھتے ہیں کہ بنوثعلب کا ایک بت تھا جس کی وہ پوجا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک دن یہ لوگ اس کی پوجا کررہے تھے کہ اچانک دو لومڑیاں دوڑتی ہوئی آئیں اور ٹانگیں اُٹھا کر بت پر پیشاب کرنے لگیں۔ اس بت کا ایک مجاور تھا جس کا نام غادی بن ظالم تھا۔ اس نے مذکورہ بالا شعر پڑھا۔ اس کے بعد بت کو توڑ دیا۔ اس کے بعد وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپؐ نے اس سے نام پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ میرا نام غادی بن ظالم ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارا نام راشد بن عبدربہ ہے۔

بعض حضرات لکھتے ہیں کہ ایک آدمی کا بت تھا یہ اس پر روٹی اور مکھن چڑھا کر بت کے سرہانے رکھ دیتا تھا اور اس سے یہ کہتا تھا کہ اسے کھالے۔ تھوڑی دیر کے بعد لومڑی آئی اور یہ دونوں چیزیں کھا کر بت پر پیشاب کر دیا۔ یہاں ثعلبان سے مراد نر لومڑی ہے۔

بعض لکھتے ہیں کہ دو لومڑی آکر روٹی اور مکھن کھا جاتیں۔ یہاں ثعلبان کا لفظ ثعلب کا تثنیہ ہے۔ (کتاب الہروی)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ہروی سے ثعلبان کے معانی بیان کرنے میں سہو ہوگیا ہے اور روایت بیان کرنے میں تصحیف ہوگئی ہے۔ بلکہ واقعہ یوں ہے کہ لومڑی آئی۔ یہاں ثعلبان سے مراد نر لومڑی ہے اور ثعالب نر لومڑی کو کہتے ہیں جو مشہور جانور ہے۔ تثنیہ مراد نہیں ہے۔ پھر اس نے بت پر پیشاب کر دیا۔ اتنے میں وہ آدمی کھڑا ہوا اور بت کو پتھر مار کر توڑ ڈالا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں

حاضر ہوا اور تفصیل بتائی اور اس نے یہ اشعار پڑھے ؎

لقد خاب قوم املوک لشدة ارادو انزالا ان تکون تحارب

''واقعی وہ قوم ناکام ہے جن کے بادشاہ سخت مقابلہ کے لیے میدان میں اُتر آئے ہوں۔''

فلا انت تغنی عن امور تواترت ولا انت دفاع اذاحل نائب

''جو واقعات پے در پے ہو رہے ہوں تم ان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے اور ناگہانی طور پر پیش آجانے پر تم دور نہیں کر سکتے۔''

ارب یبول الشعلبان براسه لقد ذل من بالت علیه الثعالب

''کیا ایسا بت پالنہار ہوسکتا ہے جس کے سر پر لومڑی پیشاب کر گئی ہو' واقعی جس کے سر پر لومڑی پیشاب کر جاتی ہے وہ رسوا ہو جاتا ہے۔''

یہ واقعہ بغوی نے معجم میں اور ابن شاہین وغیرہما نے ذکر کیا ہے اور اس آدمی کا نام راشد بن عبدربہ تھا۔

یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ ابونعیم اصفہانی نے دلائل النبوۃ میں لکھا ہے۔ لغویین اس شعر کو جانوروں کے ناموں پر بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ ثعلب میں نر اور مادہ میں فرق یہ ہے جیسے افاعی (سانپ) مادہ ہے۔ افعوان ناگ کے لیے استعمال کرتے ہیں اور عقارب (بچھو) مادہ ہے عقربان نر بچھو کو کہتے ہیں۔

لومڑی کمزور' بزدل اور دھوکے باز اور درندوں میں سے ہے۔ لیکن یہ خباثت اور مکر وفریب کی وجہ سے بڑے بڑے درندوں کے ساتھ دوڑ لیتی ہے۔ یہ رزق کی تلاش اس تدبیر سے کرتی ہے کہ بتکلف مردہ بن کر پیٹ پھلا لیتی ہے۔ اپنے پاؤں کھڑے کر دیتی ہے تاکہ جانور سمجھنے لگیں کہ یہ واقعی مرگئی ہے۔ اس کے پاس اگر کوئی جانور آتا ہے تو جھپٹا مار کر شکار کر لیتی ہے لیکن اس کا یہ حیلہ کتے پر نہیں چلتا۔ ایک مرتبہ کسی نے لومڑی سے سوال کیا کہ تم کتے پر زیادہ کیوں حملہ کرتی ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں کتے پر اس لیے زیادہ حملے کرتی ہوں کہ کتا دوسروں کے لیے شکار کرتا ہے اور میں اپنے لیے شکار کرتی ہوں۔

جاحظ لکھتے ہیں کہ لومڑی کا اصل ہتھیار دھوکہ' فریب اور بتکلف مردہ بن جانے کی صلاحیت ہے اور اس کا ہتھیار واقعی کارگر ثابت ہوتا ہے۔ نیز اس کا ہتھیار حباری کے ہتھیار سے زیادہ کارگر ثابت ہوتا ہے۔ اہل عرب بطور ضرب المثل کہتے ہیں **فلان ادھی وامتن سلاح الثعلبه** فلاں لومڑی سے زیادہ مکار اور چالاک ہے۔

امام جاحظ

جاحظ کا نام عمرو بن بحر کنانی لیثی ہے۔ بعض اہل علم لکھتے ہیں کہ جاحظ کو جاحظ اس لیے کہتے ہیں کہ جاحظ کی دونوں آنکھیں بھری ہوئی تھیں اس طرح انہیں حدقی بھی کہا جاتا تھا اس لیے کہ بڑھاپے میں ان پر فالج گر گیا تھا چنانچہ یہ حرارت اور گرمی کی وجہ سے نصف حصہ میں صندل اور کافور کی مالش کرتے اور جسم کا دوسرا نصف حصہ نہایت ٹھنڈا اور سن ہونے کی وجہ سے اگر قینچی سے بھی کاٹ دیا جاتا تو انہیں احساس تک نہ ہوتا تھا چنانچہ خود یہ کہا کرتے تھے کہ میں دائیں بازو سے مفلوج ہو چکا ہوں۔ اگر میرا یہ حصہ قینچی سے بھی کاٹ دیا جائے تو مجھے پتہ نہیں چل سکتا اور میرا بازو جوڑوں کے آماس سے بھر چکا ہے۔ اگر اس پر سے مکھی بھی گزرتی ہے تو تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

جاحظ کہتے ہیں کہ میرے جسم میں دو متضاد چیزیں جمع ہو گئی ہیں۔ اگر میں ٹھنڈی اشیاء کھاتا ہوں تو میرے پاؤں پکڑ لیتی ہے اور اگر گرم اشیاء کھاتا ہوں تو میرا سر پکڑ لیتی ہے اور جاحظ یہ اشعار پڑھا کرتے تھے ؎

اترجوا ان تکون و انت شیخ کما قد کنت ایام الشباب

''کیا تم بڑھاپے میں یہ اُمید رکھتے ہو کہ تم ایسے جاؤ گے جیسے عنفوان شباب میں تھے۔''

لقد کذبتک نفسک ولیس ثوب ولیس کالجدید من الثیاب

''یقیناً تمہیں نفس نے دھوکہ دیا ہے۔ پرانا اور بوسیدہ جوڑا نئے جوڑے کے مانند نہیں ہوتا۔''

جاحظ نے ہر فن میں کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کا شمار اکابر معتزلہ میں ہوتا ہے۔ چنانچہ معتزلہ کا ایک طبقہ جاحظ کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی سب سے بہترین تصنیف ''کتاب الحیوان'' ہے۔

جاحظ لکھتے ہیں کہ روزی کی عجیب وغریب تقسیم ملاحظہ فرمائیے کہ بھیڑیا لومڑی کا شکار کر کے کھا جاتا ہے اور لومڑی قنفذ کا شکار کر کے غذا بنا لیتی ہے۔ اور سانپ عصفور (گوریا) کا شکار کر کے ہضم کر جاتا ہے۔ گوریا' ٹڈی کا شکار کر کے کھا لیتا ہے۔ اور ٹڈی زنبور (بھڑوں) کا شکار کر کے کھا جاتی ہے۔ اور بھڑ شہد کی مکھیوں کا شکار کر کے چبا جاتی ہے۔ شہد کی مکھی عام مکھیوں کا شکار کر کے نگل جاتی ہیں اور مکھیاں مچھروں کو جھپٹ لیتی ہیں۔ (کتاب الحیوان)

امام شعبی اور جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک شخص سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا۔ عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں لومڑیوں کے ساتھ خوب اچھی طرح سے دوڑ رہا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو ایسے جانور کے ساتھ دوڑا ہے کہ جس کے ساتھ نہ دوڑنا چاہیے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ تو جھوٹ زیادہ بولتا ہے۔ اللہ سے ڈرا کرو۔

لومڑی کی عادت یہ ہے کہ یہ شکم سیر ہونے کے باوجود اگر کبوتروں کے برج میں گھس جاتی ہے تو کبوتر کو مار کر پھینک دیتی ہے' محض اس لیے کہ جب اسے بھوک لگے گی وہاں آ کر کھا جائے گی۔

پسو دور کرنے کا ایک طریقہ

بعض ظریفوں نے پسوؤں کے دور کرنے کا ایک دلچسپ طریقہ لکھا ہے کہ جب کسی کے اونی کپڑوں میں پسو زیادہ ہو جائیں تو اس کپڑے کے ایک کونے کو اپنے منہ میں دبا کر دھیرے دھیرے پانی میں داخل ہو جائے۔ پسو چونکہ پانی سے گھبراتے بہت ہیں تو وہ سب کے سب کپڑے کے اس حصہ پر آ بیٹھیں گے جو اس کے منہ میں ہے۔ اس کے بعد اس کپڑے کو پانی میں پھینک دے اور وہاں سے تیزی سے نکل آئے۔ اس طرح وہ پسو سب کے سب پانی میں رہ جائیں گے۔

لومڑی کی ذہانت اور چالاکی کا واقعہ نمبر ا

عجیب بات ہے کہ بھیڑیا لومڑی کے بچوں کا دشمن ہوتا ہے۔ لومڑی کے بچوں کی تلاش وجستجو میں لگا رہتا ہے۔ چنانچہ جس وقت لومڑی کے بچے ہوتے ہیں تو لومڑی اپنے بھٹ کے دروازے پر جنگلی پیاز کے پتے رکھ دیتی ہے تا کہ بھیڑیا اس کی بو سے بھاگ جائے۔ لومڑی کی کھال کی پوستین سب سے بہتر شمار کی جاتی ہے۔ لومڑی سفید' کالی اور خلنجی بھی ہوتی ہے۔

قزوینی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ نوح بن منصور سامانی کی خدمت میں ایسی لومڑی بطور ہدیہ پیش کی گئی جس کے بال کے دو پر تھے۔ جب کوئی آدمی اس کے قریب جاتا تو وہ پھیلا دیتی اور جب اس سے دور ہو جاتا تو اپنے پروں کو سمیٹ لیتی تھی۔ اس کے بعد قزوینی لکھتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں لومڑی اُڑا کرتی تھی۔ (کتاب المخلوقات)

واقعہ نمبر ۲

مشہور ہے کہ ایک مرتبہ شیر لومڑی اور بھیڑیا تینوں ایک شکار کرنے کے لیے نکلے۔ چنانچہ انہوں نے تین جانوروں کا شکار کیا۔ گوہا' ہرن اور خرگوش۔ شیر نے بھیڑیئے سے کہا کہ سب کے لیے تم شکار تقسیم کرو۔ بھیڑیئے نے کہا کہ معاملہ تو بالکل صاف' گوہا آپ کے لیے ہے' خرگوش لومڑی کے لیے اور ہرن میرے لیے۔ یہ سن کر شیر نے زور سے پنجہ مار کر بھیڑیئے کا سرتن سے جدا کر دیا۔ اس کے بعد شیر نے لومڑی سے کہا خدا بھیڑیئے کا برا کرے یہ تو تقسیم کے معاملہ میں بالکل جاہل ہے۔ ابو معاویہ (لومڑی کی کنیت ہے) تم آؤ اور تقسیم کرو۔ لومڑی نے کہا ابو حرث (شیر کی کنیت ہے) معاملہ تو بالکل صاف' گوہا تو آپ کے صبح کے کھانے کے لیے ہے' ہرن شام کے کھانے کے لیے ہے اور خرگوش آپ اسی وقت تناول فرما لیجئے۔

یہ سن کر شیر نے کہا تم نے بہت عمدہ فیصلہ کیا ہے کہاں سے تمہارے ذہن میں آ گیا۔ لومڑی نے جواب دیا۔ بھیڑیئے کے سر کے تن سے جدا ہونے سے۔ (کتاب الاذکیاء)

شعبی کہتے ہیں کہ شیر نے لومڑی سے یہ کہا کہ تم نے فیصلہ کرنے میں دور اندیشی سے کام لیا۔ تم نے یہ تقسیم کہاں سے سیکھی؟ لومڑی نے جواب دیا بھیڑیئے کے معاملے سے جو میرے سامنے پیش آیا۔

واقعہ نمبر ۳

امام شافعیؒ علیہ الرحمۃ کہتے ہیں:

ایک مرتبہ ہم یمن کا سفر کر رہے تھے تو ہم نے توشہ دان کھانا کھانے کے لیے رکھا۔ اتنے میں مغرب کا وقت قریب آ گیا تو ہم نے سوچا کہ نماز سے فراغت کے بعد کھانا کھائیں گے۔ تو ہم نے دسترخوان اسی حالت میں چھوڑ دیا اور نماز ادا کرنے لگے۔ دسترخوان پر پکی ہوئی دو مرغیاں تھیں۔ اتنے میں ایک لومڑی آئی اور ایک مرغی لے کر چلی گئی۔ جب ہم نماز سے فارغ ہو گئے تو افسوس کرتے ہوئے ہم نے سوچا کہ بس کھا چکے مرغیاں' اسی حالت میں تھے کہ اچانک لومڑی مرغی جیسی کوئی چیز منہ میں دبائے ہوئے آئی اور ہم سے کچھ دور رکھ دی۔ چنانچہ ہم مرغی سمجھ کر لینے کے لیے دوڑے کہ شاید لومڑی واپس کر رہی ہو۔ جیسے ہی لینے کے لیے گئے تو وہ لومڑی دسترخوان کے پاس جا کر دوسری مرغی بھی لے گئی اور ہم جس کو مرغی سمجھ کر لینے کے لیے گئے تھے تو معلوم ہوا کہ وہ مرغی جیسی کھجور کی چھال بنا کر لائی تھی۔

جانوروں کی ذہانت کا دوسرا واقعہ

جانوروں اور پرندوں کی چالاکی کے واقعات میں ذیل کے یہ واقعات بھی ہیں جن کو قاسم بن ابی طالب تنوخی انبالوی نے ذکر کئے ہیں۔ قاسم کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ چند رفقاء کے ساتھ انبار جا رہا تھا۔ ہمارے ساتھ بادشاہ کا شکاری پرندہ رکھنے والا شخص بھی تھا۔ سب لوگ باز کو سدھا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد باز کو تیتر پر چھوڑ دیا گیا۔ موقع پا کر تیتر جھاڑی میں گھس گیا اور کانٹے کے درخت میں گھس کر کانٹے کے درخت کی جڑوں کو اپنے پاؤں سے پکڑ لیا اور پاؤں اُٹھا کر چت سو گیا۔ چنانچہ وہ اس طرح باز سے چھپ گیا اور جب باز والا اس جھاڑی کے پاس آیا تو وہ تیتر اُڑ گیا۔ اس طرح وہ اس بار باز والے سے بھی بچ گیا۔ لیکن آخر کار باز والے نے تیتر کا شکار کر لیا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا اس تیتر سے زیادہ چالاک ہم نے نہیں دیکھا۔ اس واقعہ کو قاضی ابوالحسن علی بن تنوخی نے دوسرے انداز سے یوں بیان کیا ہے:

مجھ سے ابوالقاسم تنوخی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ میں بادشاہ کے باز دار کی معیت میں چند ساتھیوں کے ساتھ انبار جا رہا

تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد تیتر دکھائی دیا تو باز کو اس پر چھوڑ دیا گیا۔ اتنے میں تیتر اُڑ گیا لیکن باز تیتر کے پیچھے لگا رہا۔ تمام ساتھی خوش ہو کر تکبیر وتہلیل کہنے لگے۔ اتنے میں میں بھی ساتھیوں کے قریب آ گیا۔ معلوم ہوا کہ تیتر' باز سے چھپنے کے لیے جھاڑی میں گھس گیا ہے اور کانٹے کے درخت کی دو جڑوں کو پکڑ کر دونوں پاؤں اُٹھا کر چت سو گیا ہے۔ باز دیر تک تلاش کرتا رہا لیکن اسے مل نہ سکا اور نہ باز یہ سمجھ سکا کہ تیتر اس طرح سے چالاکی دکھا کر کانٹے کے درخت میں لیٹ کر سو گیا ہے یہاں تک کہ باز دار آیا تو تیتر اُڑ گیا۔ پھر باز نے اسے پکڑ لیا اور شکار مل گیا۔ یہ دیکھ کر تمام ساتھی کہنے لگے کہ ہم نے اس جیسا چالاک تیتر اپنی جان کی حفاظت کی تدبیر کرنے والا کبھی نہیں دیکھا اور نہ سنا۔ یہ حیلہ دیکھ کر رفقاء انگشت بدنداں ہو گئے۔ (اخبار المذاکر ونشوان المحاضرہ)

اس قسم کے واقعات بھی پرندوں کی چالاکیوں سے زیادہ قریب ہیں۔

قاضی ابو علی تنوخی کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوالفتح بصری نے بیان کیا ہے کہ مجھے اہل موصل نے سنایا ہے (اہل موصل شکار اور شکاری پرندہ کے دلدادہ تھے) کہ ارمینیہ کے علاقے کے ایک شکاری نے بتایا کہ میں ایک مرتبہ شکار کے لیے جنگل میں گیا اور اپنے جال میں ایک مانوس پرندہ ڈال کر جال بچھا دیا اور میں زمین کے نیچے جھونپڑی میں چھپ گیا اور وہیں سے جال کی طرف دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد جال میں ایک باز پھنس گیا۔ چنانچہ میں نے اسے پکڑ لیا۔

پھر جب دوپہر کا وقت قریب ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک خوب صورت زمج[1] شکاری پرندہ جال پر اُڑ رہا ہے۔ جب اس نے باز کو دیکھا تو وہ علیحدہ قریب ہی میں بیٹھ گیا۔ پھر میں تھوڑی دیر تک انتظار کرتا رہا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک عقاب اُڑتا ہوا آیا۔ جب اس نے زمج کو دیکھا تو وہ بھی اس کے پاس بیٹھ گیا۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ ایک پرندہ فضا میں اُڑ رہا ہے۔ چنانچہ اس کو دیکھ کر زمج عقاب سے پہلے اُڑ کر اس پرندے کے پیچھے لگ گیا یہاں تک کہ اس کا شکار کر کے لے آیا اور زمج نے اسے چونچ سے نوچ کر صاف کیا یہاں تک کہ صاف ستھرا گوشت ہو گیا۔ بس یہ اسے کھانے ہی والا تھا کہ عقاب بھی اس کے ساتھ کھانے لگا۔ جب گوشت ختم ہو گیا تو عقاب نے جفتی کے لیے اپنا پر زمج پر پھیلا دیا۔ اس پر زمج نے اپنے بازو سے اس کے منہ پر زور سے مارا۔ مگر اس نے اس کی کچھ پرواہ کئے بغیر پھر دوبارہ پر پھیلا دیا تو اس نے برافروختہ ہو کر اور زور سے اس کے منہ پر مارا۔ اس نے پھر تیسری بار پر پھیلایا تو اس نے اپنی چونچ سے اسے اس قدر مارا کہ وہ مر گیا اور زمج رفو چکر ہو گئی۔

جال سے دور رہنے اور اس میں نہ پھنسنے پر میں حیرت میں تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ ہو نہ ہو یہ سدھائی ہوئی ہے یا جال سے سابقہ پڑنے کی وجہ سے وہ اس کو جانتی ہو اور یہ بھی کہ عقاب سے قبل اس کی جنگ ایک پرندے سے ہو چکی ہے جسے اس نے بالآخر اپنا لقمۂ اجل بنا لیا تھا اور میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اس نے عقاب کو اولاً جفتی سے روکا۔ پھر اس کو اپنا شکار کھلایا اور اس کے بعد بھی اس سے راضی نہ ہوئی اور محض اس وجہ سے مار ڈالا کہ وہ اس سے جفتی کرنا چاہتا تھا (یہ ماجرا دیکھ کر) میں نے چاہا کہ اس کا شکار کر لوں تا کہ اس کے ذریعہ سے جس کی کوئی قیمت نہیں ہے' دوسرے پرندوں کا شکار کیا کروں۔ اس لیے یہ رات بھی میں نے اسی جھونپڑی میں گزاری۔ جب صبح نمودار ہوئی تو زمج اسی سابقہ وقت پر جال کے پاس آئی۔ اتنے میں ہی ایک عقاب وہاں آ گیا اور اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ پھر انہیں اوپر ایک شکار نظر آیا اور اس (دوسرے عقاب) کے ساتھ بھی بعینہٖ وہی واقعہ پیش آیا جو گزشتہ دن پہلے عقاب کے ساتھ پیش آیا تھا اور ٹھیک

---

[1] زمج: عقاب سے چھوٹا ایک پرندہ ہوتا ہے جو سُرخ رنگ کا ہوتا ہے جمع زمامج آتی ہے۔ (مصباح اللغات)

اسی طرح زمج پھر اُڑ گئی تو اسے دیکھ کر میری حیرت واستعجاب کی حد نہ رہی اور اس کے شکار کر لینے کی خواہش اور رغبت اور تیز ہو گئی۔ تیسری رات بھی میں نے اسی جھونپڑی میں گزاری۔ جب صبح نمودار ہوئی تو وہی زمج پھر پچھلے دنوں کی طرح جال کے قریب آ کر بیٹھ گئی اور چند لمحوں کے بعد ہی ایک ہلکے پھلکے جسم والا عقاب آیا جس کے بال وحشیانہ طور پر بکھرے ہوئے تھے اور زمج کے قریب بیٹھ گیا۔

پھر انہیں اوپر شکار نظر آیا چنانچہ زمج نے اوپر اُڑنے کی کوشش کی مگر عقاب اسے اس زور زور سے مارنے لگا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اسے اب ختم ہی کر دے گا۔ پھر وہ خود ہی تیزی سے اوپر اُڑا اور اس پرندے کا شکار کر کے سامنے رکھا اور خود تو اس میں سے کچھ نہیں کھایا لیکن زمج کو کھانے کی اجازت دے دی۔ جب زمج نے خوب سیر ہو کر کھا لیا تو اس نے بقیہ گوشت کھایا۔ جب گوشت ختم ہو گیا اور دونوں آسودہ ہو گئے تو عقاب نے جفتی کے لیے اپنا پر اس کے اوپر پھیلایا۔ پہلے تو وہ اس سے راضی نہ ہوئی۔ مگر جب اس نے پر دوبارہ پھیلایا تو وہ راضی ہو گئی اور اسے اس سے نہیں روکا اور اپنے اوپر اسے قدرت دے دی۔ چنانچہ وہ اس پر چڑھ گیا اور آسودہ ہو کر جفتی کی اور فارغ ہو کر دونوں ساتھ اُڑ گئے۔

ایک دوسرا واقعہ

قاضی ابوعلی تنوخی ایک اور واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قدیم مولد سپاہیوں میں سے ایک سپاہی جو بعد میں ابومحمد یحیٰی بن محمد سلیمان کا دربان ہو گیا تھا مجھ سے بیان کیا کہ میں بادشاہ کے کمانڈروں میں سے ایک کمانڈر جو ابواسحاق ابن ابومسعود رازی کے نام سے جانے جاتے ہیں کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اسپین کا شہر المدائن اور مدینہ عتیقہ انہیں کے زیر حکومت تھا۔ یہ شہر اس وقت آباد تھا اور سلاطین و بادشاہ وہاں آیا کرتے تھے وہ شکار کے بے حد شوقین تھے۔ ایک مرتبہ میں ان کے ساتھ وہیں مقیم تھا کہ ایک دن وہ شہر رومیہ جو مدینہ عتیقہ کے بالمقابل سامنے تھا اور اس وقت ویران وغیر آباد تھا کی طرف شکار کے لیے میرے ساتھ نکلے۔ انہوں نے اپنا شکاری پرندہ شکرہ اور شکار کھیلنے کے لیے ہتھیار وسامان اور کچھ سپاہی اپنے ہمراہ لے لیے۔ طویل سفر کے بعد واپسی میں چلتے ہوئے ان کا وہ شکرہ جو شکار کھا کر سیراب ہو چکا تھا اچانک اس نے اپنا پنجہ سینے پر پھیرا اور بڑے زور سے متحرک اور مضطرب ہوا۔

ابن مسعود نے اس سے کہا کہ شاید اس نے کوئی شکار دیکھ لیا ہے اور اسی وجہ سے یہ حرکت کر رہا ہے۔ لہٰذا تم اسے شکار پکڑنے کے لیے چھوڑو۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت والا یہ بڑا شریر اور چالاک شکرہ ہے۔ اس کی یہ حرکت واضطراب اس وجہ سے نہیں ہے کیونکہ وہ سیراب ہو چکا ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں نے اسے شکار پکڑنے کے لیے چھوڑ دیا تو یہ ادھر اُدھر بھٹک کر بھاگ جائے گا۔ اتنے میں ہی اس کی حرکت اور تیز ہو گئی تو انہوں نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو کچھ نہیں ہو گا اور اگر کچھ ہوا تو اس کے ذمہ دار ہم ہیں۔

چنانچہ جب اس نے چھوڑ دیا تو وہ اُڑتا ہوا اس شکار کے قریب پہنچا اور ہم لوگ بھی اس کے پیچھے دوڑے یہاں تک کہ وہ ایک چھوٹی سے جھاڑی کے اندر پہنچ کر اپنے آپ کو چھپانے لگا مگر ہم لوگ اسے دیکھ رہے تھے شکرہ پر مارتا ہوا جھاڑی پر جا کر بیٹھا۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ تیر کی طرح اندر سے کوئی چیز باہر کی طرف تیر کے پھل کے بقدر چڑھی تو شکرہ وہاں سے ہٹ گیا۔ اس کے ہٹ جانے کے بعد وہ چیز پھر جھاڑی کے اندر اُتر گئی۔ ہم لوگ بھی پیچھے سے اس جھاڑی میں داخل ہو گئے تو دیکھا کہ وہ ایک سرخاب کو پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑ رہا ہے اور پھر اسے شکار کر لیا اور چونکہ سرخاب کی یہ عادت ہے کہ جو شکاری جانور اسے شکار کرتا یا شکار کرنے آتا ہے تو وہ اس کے پروں کو زخمی کرنے' جسم میں سوراخ کرنے اور کھال کو کاٹنے کے لیے اس پر بیٹ کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس کی بیٹ نہایت گرم اور شعلہ کے مانند ہوتی ہے۔

غرض شکرہ چونکہ اس سے بخوبی واقف ہوتا ہے اس لیے وہ اس کو شکار کرنے کے لیے محتاط انداز میں اس پر حملہ آور ہوا تو سرخاب نے

بلند ہوکر شکرے پر بیٹ کرنے کی کوشش کی مگر جب اس کا نشانہ خطا کر گیا اور بیٹ شکرے پر نہیں پڑی تو شکرہ اسی وقت اس پر ٹوٹ پڑا اور اسے شکار کر لیا۔ اب ہمیں معلوم ہوا کہ تیر کے پھل کے بقدر جو چیز اوپر اُٹھی تھی وہ سرخاب کی بیٹ تھی جو اس نے شکرہ پر کی تھی۔

اس واقعہ سے تمام شکرے باز، شکاری سپاہی اور جملہ حاضرین بہت متعجب ہوئے اور شکاری جانوروں کے جن عجیب و غریب کارناموں کا انہوں نے مشاہدہ کیا تھا ان میں سے اس مشاہدے کو اور بھی حیرت انگیز انوکھا اور قابل استعجاب سمجھا۔

قاضی تنوخی نے اس واقعے کو فارس کے حوالے سے اس طرح بیان کیا ہے کہ فارس نے بتایا کہ ہارون بن غریب الحبال اور اس کا تمام آلاؤ لشکر اور فوجی مقام حلوان کے سامنے مقیم تھے۔ میں اور کچھ فوجی اس وقت سفر میں تھے اور راستے میں شکار بھی کرتے جارہے تھے۔ ایک مرتبہ اچانک ان کے سامنے ہرن کا ایک بچہ ظاہر ہوا تو لوگوں نے اسے شکار کرنے کے لیے اپنا شکرا چھوڑا۔ کتا باز چونکہ اس وقت ان کے پاس یا قریب نہیں تھے اس لیے کسی کتے کو اس کے ساتھ نہ چھوڑ سکے۔ ورنہ عموماً تنہا شکرہ ہرن یا اس کے بچہ کا شکار نہیں کرپاتا۔ الا یہ کہ اس کے ساتھ کوئی شکاری کتا بھی ہو۔ اگر کتا ہوتا تو شکرہ اُڑ کر اس کے سر پر حملہ کرتا اور اسے زخمی کرتا ہے اور پروں کو اس کی آنکھوں پر پھیلا دیتا ہے تاکہ وہ تیز نہ دوڑ سکے اور کتا پیچھے سے دوڑ کر پکڑ لیتا ہے۔

الغرض اس وقت چونکہ قریب میں کوئی کتا نہیں تھا اس لیے ابن الحبال نے صرف شکرے کو اس کے شکار کے لیے چھوڑ دیا تاکہ وہ کہیں چھوٹ کر ضائع نہ ہو جائے اور کتے کے انتظار میں اس شکار سے محروم ہو جائیں اس لیے انہوں نے مناسب سمجھا کہ فی الحال تو صرف شکرے کو اس پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ اسے جاکر مشغول کردے اور تیز دوڑنے سے باز رکھے رہے تا آنکہ ہم لوگ اسے اپنے تیروں اور گھوڑوں سے پالیں اور اس کا شکار کرلیں۔

غرض شکرا اس کی طرف تیزی سے اُڑا اور ہم لوگ بھی اس کے پیچھے دوڑے (فارس کہتے ہیں کہ) میں خود ان دوڑنے والوں میں شامل تھا۔ ہرن صحرا کے نشیبی علاقے میں بڑی تیزی سے دوڑتا رہا اور جب زمین کا ڈھلان ختم ہوگیا تو شکرہ اس کے گردن اور چہرے پر جھپٹا مار کر گرا اور اپنی چنگل اس میں گاڑ دی۔ مگر ہرن اسے برداشت کر کے اسے اُٹھائے ہوئے بھاگتا رہا۔ ادھر شکرے نے اپنا ایک پاؤں زمین پر اتنا لٹکا دیا کہ زمین پر اس کا نشان پڑتا جارہا تھا اس نے ایسا اس لیے کیا کہ اپنے پاؤں کی گرفت زمین پر اچھی طرح کر کے اسے تیز دوڑنے نہ دے۔

آخر کار وہ میدان کے ایک مقام پر جہاں کچھ خاردار جھاڑیاں تھیں رُک گیا اور ایک بڑے کانٹے دار درخت کی جڑ میں لگ کر کھڑا ہو گیا۔ شکرے نے اسے دوسرے پنجہ سے جسے وہ اس کی گردن اور چہرے کے درمیان گاڑے ہوئے تھا زور سے کھینچا اور بالآخر اس کی گردن کو توڑ کر اسے پچھاڑ دیا۔ اس کے بعد ہم لوگ وہاں پہنچے اور اسے ذبح کیا اور جو بشارت دی گئی وہ صحیح ثابت ہوئی۔

اس کے بعد ابن حبال اور اس کے ہمراہی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ واللہ اس سے زیادہ چالاک شکرہ ہم نے کبھی نہیں دیکھا اور اس کے ساتھ بہتر سلوک اور برتاؤ کرتے ہوئے عزت و احترام کے ساتھ اسے آزاد کر دیا۔

قاضی ابوعلی تنوخی ایک اور واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمیں ابوالقاسم بصری نے اور انہیں کمداریہ کے ایک سپاہی نے بتایا کہ وہ اپنے سپہ سالاروں میں سے ایک سپہ سالار کے ساتھ شکار میں تھا۔ اس سپہ سالار کے پاس ایک عقاب تھا جس سے وہ شکار کیا کرتا تھا۔ اس نے اس سفر میں کافی شکار کیا۔ ایک مرتبہ وہ شکرہ اپنے مالک کے ہاتھوں میں بے حد متحرک و مضطرب ہوگیا تو مالک کو عقاب سے اپنے لئے خطرہ محسوس ہونے لگا (کہ کہیں وہ اسی پر حملہ نہ کردے) کیونکہ اس پرندے کو اگر کبھی اس کے ارادوں اور خواہشات سے روک دیا جاتا ہے تو بسا اوقات وہ اپنے مالک ہی کے لیے خطرہ و ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔ اس لیے شکرہ باز نے اسے (اس کی خواہش کی

تکمیل کے لیے) چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ سب کو پیچھے چھوڑ کر اُڑتا ہوا دور نکل گیا اور ایک نہایت بوڑھے اور کمزور شخص پر جا گرا جو اس وقت خار دار لکڑی کو اپنے گھٹنوں کے بل کھینچتے ہوئے لے جا رہا تھا۔ اس نے جھپٹا مار کر اپنی چونچوں سے اسے خوب نوچا اور اس کی گردن توڑ کر اسے ہلاک کر دیا اور اس کے خون میں اپنے آپ کو لت پت کر لیا اور اس کا کچھ گوشت بھی کھا لیا۔

اس کا مالک یہ خبر لے کر کمانڈر وسپہ سالار کے پاس پہنچا۔ کمانڈر نے اس کے آتے ہی سوال کیا کہ کیا کوئی خاص خبر لائے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ حضرت والا عقاب نے تو ایک پراگندہ جنگلی بوڑھے کو اپنا شکار بنا لیا ہے حالانکہ اس کو چھوڑنے سے پہلے ہم لوگ کہہ رہے تھے کہ جنگلی ہرن یا جنگلی بلے کو شکار کیا جائے تو وہ ہماری باتیں سن رہا تھا۔ کمانڈر نے یہ سمجھا کہ وہ پراگندہ جنگلی بوڑھا بھی جنگلی ہرن یا جنگلی بلی ہی کی طرح کوئی جانور ہوگا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہ آسکا کہ واقعی عقاب نے تو ایک مسلمان شخص کی جان لے لی ہے۔ پھر اس نے انہیں یقین دلایا تو کمانڈر نے کہا کہ تمہارا برا ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟ اور پھر اس جگہ یہ ماجرا دیکھنے کے لیے چل دیا۔ ہم لوگ بھی ان کے پیچھے ہو لیے۔ وہاں پہنچے تو واقعی ہم لوگوں نے ایک بوڑھے کو اسی طرح مردہ پایا۔ انہیں اور ہم سبھی کو اس سے شدید دھچکا پہنچا اور بے حد غم وافسوس کے ساتھ ساتھ عقاب کی اس کرتوت سے بہت حیرت ہوئی۔

قاضی تنوخی نے اپنی کتاب میں محمد بن سلیمان کے حوالے سے ایک اور واقعہ ذکر کیا ہے۔ محمد کہتے ہیں کہ مجھ سے بعض شکاریوں نے بیان کیا اور میں نے خود بھی شکار میں ہونے والے واقعات وعجائبات کا بار بار مشاہدہ کیا ہے اور میں نے بعض انوکھے واقعات کا مشاہدہ کیا ہے۔ لیکن اس میں سب سے عمدہ واقعہ یہ ہے کہ فلاں شخص (ناقل کا نام یاد نہ رکھ سکا) کے پاس ایک باز تھا۔ ایک مرتبہ اسے شکار کے لیے چھوڑا تو اس نے ایک تیتر کا شکار کر لیا اور ایک پاؤں سے اسے مضبوطی سے تھام کر اپنی عادت کے مطابق پیروں سے چلنے لگا اور اسے پکڑے ہوئے اپنے مالک کا انتظار کرنے لگا تا کہ وہ آ کر اسے ذبح کرے اور عادت کے مطابق اسے اس کا گوشت کھلائے۔ اس کا مالک ابھی دوسرے کنارے پر تھا کہ اسی دوران اسے ایک اور تیتر اُڑتا ہوا نظر آیا تو وہ پہلے تیتر کو پاؤں میں پکڑے ہوئے دوسرا شکار کرنے کے لیے اُڑا اور اسے بھی پکڑ کر اپنا شکار بنا لیا اور زمین پر اتر کر دونوں کو لئے ہوئے چلنے لگا۔ ہم لوگ وہاں پہنچے اور اس کا اس حال میں مشاہدہ کیا اور پھر ہم لوگوں نے تیتر اس سے لے کر ذبح کیے۔

شیر کی عیادت اور لومڑی کی ذکاوت

علامہ ابن قیم جوزی اور حافظ ابونعیم امام شعبی سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کوئی شیر بیمار ہوا تو اس کی عیادت کے لیے لومڑی کے علاوہ سارے ہی جانور پہنچے۔ لومڑی کو غائب دیکھ کر ایک بھیڑیئے نے شیر کے سامنے اس کی چغلی کی تو شیر نے کہا کہ جب وہ آئے تو ہمیں بتانا۔ جب لومڑی حاضر خدمت ہوئی تو بھیڑیئے نے بتلا دیا کہ یہی ہیں حضرت لومڑی صاحبہ جو اب تک غائب تھیں۔ اس پر شیر نے ڈانٹ ڈپٹ کی اور تنبیہ کے ساتھ ساتھ جواب بھی طلب کیا۔ تو لومڑی نے عرض کیا کہ حضرت والا میں آپ کے واسطے دوا ڈھونڈ رہی تھی۔ شیر نے کہا تو تمہیں کیا ملا؟ اس نے بتایا کہ بھیڑیئے کی پنڈلی میں ایک دانہ کے بقدر چیز ہوتی ہے وہ آپ کے لیے فائدہ مند ہوگی اور بہتر ہے کہ اسے آپ خود نکالیں۔ شیر نے یہ سنتے ہی فوراً اپنا پنجہ بھیڑیئے کی پنڈلی پر گاڑ دیا اور اسے لہولہان کر دیا۔ اتنے میں لومڑی چپکے سے وہاں سے کھسک گئی۔ اس کے بعد بھیڑیا اس لومڑی کے پاس سے گزرا۔ خون اب بھی اس کی ٹانگ سے بہہ رہا تھا تو لومڑی نے اس سے طنزیہ انداز میں کہا: اے سرخ موزے والے! بادشاہوں کے پاس جب بیٹھا کرو تو غور کیا کرو کہ تمہارے سر اور دماغ سے کیا چیز نکل رہی ہے؟

ابونعیم کہتے ہیں امام شعبی کا مقصد اس واقعہ کو بیان کرنے سے صرف مثال دینا ہے اور لوگوں کو تنبیہ کرنا ہے نیز زبان پر کنٹرول رکھنے اخلاق کو درست اور آراستہ اور ہر ممکن اس کی تادیب پر تاکید کرنا اور زور دینا ہے۔(کتاب الاذکیار۔ وحلیۃ الاولیاء)

اسی مفہوم میں شاعر نے کہا ہے ؎

احفظ لسانک لا تقول فتبتلی　ان البلاء موکل بالمنطق

''اپنی زبان کی حفاظت کرو اگر بولو گے تو مصائب میں پھنسو گے۔ کیونکہ مصائب عموماً بولنے ہی کی وجہ سے آتے ہیں۔''

حدیث میں لومڑی کا تذکرہ

امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز میں مرغوں کی طرح تین ٹھونک لگانے' کتوں کی طرح بیٹھنے اور لومڑیوں کی طرح تاک جھانک کرنے سے منع فرمایا۔''

امام شعبی سے کسی نے پوچھا کہ قاضی شریح کو جو''ادھی من الثعلب واحیل'' (لومڑی سے زیادہ چالاک وحیلہ گر) کہا جاتا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ تو انہوں نے بیان کیا کہ شریح طاعون کے زمانے میں مقام نجف چلے گئے تھے۔ جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ایک لومڑی سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی اور ان کی نقل وحرکت کی نقالی کیا کرتی اور سامنے سے گزرا کرتی اور نماز سے ادھر اُدھر توجہ کرا دیا کرتی تھی۔ جب بہت دنوں یہ ہوتا رہا تو انہوں نے اپنا کرتا اُتار کر ایک موٹی لکڑی کو پہنا دیا اور آستین باہر نکال دی اور اپنی ٹوپی اس کے سر پر رکھ دی۔ لومڑی حسب معمول آ کر سامنے کھڑی ہو گئی اور اپنا کام کرنے لگی تو شریح چپکے سے اس کے پیچھے آئے اور اچانک اس کو پکڑ لیا۔ اسی واقعہ کی وجہ سے قاضی شریح کے متعلق یہ مقولہ کہا جاتا ہے۔

لومڑی و بلی کے چیخنے کی آواز کے لیے ضغا یضغو ضغوا وضغاء آتا ہے۔ کہا جاتا ہے ضغا الثعلب او السنور یضغو ضغوا وضغاء یعنی لومڑی یا بلی چیخی۔ اس کے علاوہ ہر مظلوم ومقہور کی آواز اور اس کی چیخ کے لیے یہ لفظ آتا ہے۔

امام ثعلبی

رئس المولفین والمصنفین' اونچے ادیب اور عظیم تصانیف کے مالک علامہ ابومنصور عبدالملک بن محمد نیشاپوری علیہ الرحمۃ کا لقب ثعالبی تھا۔ ان کی مشہور اور معرکۃ الآراء تصانیف میں سے ثمار القلوب' فقہ اللغۃ اور یتیمۃ الدھر فی محاسن اھل العصر وغیرہ ہیں۔ ثعالبی' لومڑی کے چمڑے کی سلائی کرنے کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہا جاتا ہے۔ چونکہ آپ لومڑی کے چمڑے کی سلائی کیا کرتے تھے اور اسی سے اپنی حاجات پوری کیا کرتے تھے اس لیے اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کا لقب ثعالبی پڑا۔ ان کی کتاب یتیمۃ الدھر بقیہ تصانیف میں سب سے عمدہ اور عظیم ہے۔ اسی کتاب کے متعلق ابوالفتح اسکندری نے ذیل کے چند اشعار کہے ہیں ؎

ابیات اشعار الیتیمۃ ابکار افکار قدیمۃ

''(کتاب) یتیمۃ الدھر کے شعری ابیات قدیم افکار و جدید نظریات کے حامل ہیں۔''

ماتوا وعاشت بعد ھم فلذلک سمیت الیتیمۃ

''لوگ تو اُٹھ گئے مگر یہ ان کے بعد بھی باقی رہی اور اسی وجہ سے اس کا نام یتیمہ رکھا گیا ہے۔''

خود امام العلام ابو منصور ثعالبی کے یہ چند شعری ابیات ہیں:

یاسید اباالمکرمات ارتدی وانتعل العیوق[1] والفرقد[2]

''اے سردار! فیاضی وسخاوت اور کرم واحسان کی چادر اوڑھئے اور ستارہ عیوق وفرقد کا جوتا پہن لیجئے۔''

مالک لاتجری علی مقتضی مودة طال علیھا المدی

''تمہیں کیا ہوگیا کہ تم اس محبت کی ضروریات ومقتضی کے مطابق کیوں نہیں چلتے۔ جس محبت کی تمناؤں کی مدت طویل ہوچکی ہے۔''

ان غبت لم أطلب و ھذا سلیمان بن داؤد نبی الھدی

''اگر تم ہم سے غائب ہوجائے گا تو ہم تمہیں تلاش نہیں کریں گے اور یہ ہیں سلیمان بن داؤد علیہ السلام جو نبی برحق ہیں یعنی ہدایت کے پیغامبر ہیں۔''

تفقد الطیر علی شغله فقال مالی لاأری الھدھدی

''جنہوں نے اپنی مشغولیت کے باوجود پرندے کو تلاش کیا اور کہا کہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔''

اور انہی کے چند اشعار کسی مسافر بچے کے بارے میں ہیں:

فدیت مسافرا رکب الفیافی فاثرفی محاسنه السفار

''میری جان قربان ہو ایک ایسے مسافر پر جو روانہ ہو رہا ہے دشت وصحرا میں تو اب اس کے بالوں پر سفر کے گردوغبار کے آثار موجود ہیں۔

فمسک و رد خدیه السوافی و غبر مسک صدغیه الغبار

''پس مشک اس کے صاف ستھرے رخساروں پر موجود ہے اور مشک کا غبار اس کی دونوں کنپٹیوں کا غبار ہے۔''

ان کی وفات ۴۲۹ھ اور بقول بعض ۴۳۰ھ میں ہوئی۔

لومڑی کی حلت وحرمت میں اختلاف

امام شافعی نے اسے حلال کہا ہے۔ علامہ ابن صلاح کہتے ہیں کہ اس کی حلت کے متعلق ایک حدیث بھی نہیں ملتی۔ البتہ حرمت سے متعلق دو احادیث ہیں مگر ان دونوں کی سندیں ضعیف ہیں۔ امام شافعیؒ نے اہل عرب کی عادت اور عام طور سے اس کے کھانے کے رواج پر اعتماد کرتے ہوئے اسے حلال قرار دے کر فرمایا کہ یہ آیت قرآنی أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ (حلال کردی گئی ہیں تمہارے لیے عمدہ چیزیں) کے عموم میں داخل رہے گا۔ اسی طرح امام طاؤس عطاء قتادہ وغیرہ نے بھی اس کے حلال ہونے کی تصریح کی ہے۔

علامہ بویطی کے ایک مایہ ناز شاگرد امام المحدث والفقہ علامہ ابوسعید عثمانی دارمی نے بھی اسے حرام قرار دیا ہے امام مالک اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا کھانا مکروہ ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کی اکثر روایات اس کی حرمت کی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے بھی اسے

---

[1] عیوق: ایک ستارے کا نام ہے جو نہایت بلندی پر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ستارہ ثریا کے پیچھے ہوتا ہے۔

[2] فرقد: قطب شمالی کے قریب ایک روشن ستارے کا نام ہے اور اسی کے پہلو میں ایک دوسرا ستارہ بھی ہے جو اس سے کم روشن ہوتا ہے اور یہ دونوں فرقدان کہلاتے ہیں۔

سباع (درندوں) ہی میں شمار کیا ہے۔

ضرب المثل

فریبی وحیلہ گر کے لیے اہل عرب بولتے ہیں:

هو اروع من ثعلب. وہ لومڑی سے بھی زیادہ مکار چالاک اور حیلہ گر ہے۔ شاعر نے بھی اسی معنی میں استعمال کرتے ہوئے کہا ہے ؎

کل خلیل کنت خاللته لاترک اللّٰه له واضحه

''ہر دوست جس سے میں نے دوستی کی اللہ اس کو تنہا نہ چھوڑے۔''

کلهم اروع من ثعلب وما اشبه اللبة بالبارحه

''سبھی لومڑی سے زیادہ مکار نکلے اور آج کی رات کل گزشتہ رات سے کس قدر مشابہ ہے۔''

دینوری کہتے ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس وقت فرمایا جب کہ وہ منبر پر کھڑے تھے کہ جو شخص (ربنا) اے ہمارے پروردگار کہے اور پھر اس پر ڈٹ جائے اور لومڑیوں کی طرح مکروفریب کی کوئی راہ تلاش نہ کرے تو وہ............الخ

بعض روایات میں ثعالب کے بجائے ثعلب واحد استعمال ہوا ہے۔ (المجالسة الدینوری)

حضرت حسن بن سمرہ سے مروی ہے کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص موت سے بھاگتا ہے اس کی مثال اس لومڑی جیسی ہے، جس سے زمین ہر وقت دین قرض کا مطالبہ کرتی رہتی ہے اور وہ بھاگنے لگتی ہے اور دوڑتی رہتی ہے حتیٰ کہ جب وہ تھک کر اور پریشان ہو کر ہانپنے لگتی ہے تو وہ اپنے بل میں داخل ہو جاتی ہے مگر پھر جب زمین وہاں اس سے مطالبہ کرتی ہے کہ میرا قرض، میرا قرض تو وہ نکل کر اسی طرح بھاگنے لگتی ہے اور دوڑتی رہتی ہے یہاں تک کہ اس کی گردن ٹوٹ جاتی ہے اور وہ مر جاتی ہے۔''

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

اہل عرب کہتے ہیں:

(۱) فلان اذل ممن بالت علیه الثعالب ''فلاں اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے جس پر لومڑیاں موت گئیں۔''

(۲) ادھی من ثعلب. ''لومڑی سے زیادہ چالاک وحیلہ گر۔''

(۳) اعطش من ثعالہ. ''لومڑی سے زیادہ پیاسا۔''

حمید بن ثور کہتے ہیں:

الم ترمابینی و بین بن عامر من الرد قد بالت علیه الثعالب

''کیا تم نے میری اس محبت کو نہیں دیکھا جو ابن عامر سے تھی بلاشبہ لومڑیاں اس پر پیشاب کر گئیں۔''

و اصبح صافی الود بینی و بینه کان لم یکن والدهر فیه عجائب

''میری اور اس کی محبت اس طرح صاف ہو کر ختم ہوئی کہ گویا پہلے تھی ہی نہیں اور زمانے میں عجائبات ہوتے ہی ہیں۔''

طبی خواص

اس کا سر اگر کبوتر کے برج یا اس کے ڈربے میں ڈال دیا جائے تو سارے کبوتر بھاگ جائیں گے۔ اس کا دانت اگر ریح الصبیان کے مرض میں مبتلا بچہ پر باندھ دیا جائے تو یہ مرض دور ہو جاتا ہے اور نیند میں ڈرنے کی شکایت ختم ہو جاتی ہے۔

اس کا پتا اگر مجنون یا مرگی زدہ شخص کی ناک میں ڈال دیا جائے تو اس کا جنون اور مرگی ختم ہو جائے گی اور وہ کبھی اس کا شکار نہیں ہوگا۔

اس کا گوشت کوڑھ اور مالیخولیا کے مرض میں مفید ہے۔ اس کی چربی پگھلا کر اگر گنٹھیا کے مریض کے جوڑوں پر ملی جائے تو اس کا درد فوراً ختم ہو جاتا ہے۔

اس کا فوتہ اگر بچہ کے جسم پر باندھ دیا جائے تو دانت بآسانی نکل آتے ہیں۔ اس کے سر کے بال و چمڑا ٹھنڈے مزاج والوں کے لیے بے حد مفید ہے۔ اس کا استعمال اسے پہن کر بھی کر سکتے ہیں اور دھونی دے کر بھی۔ اس کا خون اگر بچوں کے سر پر ملا جائے تو گنج ہونے کے باوجود بال اُگ جاتے ہیں۔[1]

اگر کوئی شخص اس کا خون اپنے ساتھ رکھے تو وہ کسی کے فریب و حیلہ میں نہیں پھنس سکے گا۔ اس کے پھیپھڑے کو پیس کر اگر پیا جائے تو ریح الصبیان کا مرض دور ہو جاتا ہے۔ اس کے دانت کو اگر مرگی زدہ یا مجنون اپنے اوپر باندھ لے تو اس کا مرض دور ہو جائے گا۔ تلی کے درد کا مریض اگر اس کی تلی کو اپنے بدن پر باندھ لے تو درد سے اسے فوری آرام ملے گا۔

ہرمس کہتے ہیں کہ کوئی اس کی کلیجی اپنے ہاتھ میں رکھے رہے تو وہ نہ کتے سے ڈرے گا اور نہ ہی کتا اس پر بھونکے گا۔ اس کے کان کو اگر گردن کی کنٹھ مالا پر لگا لے تو اسے فائدہ محسوس ہوگا اور فوری راحت ہوگی۔ اس کا آلہ تناسل اگر سر درد میں سر پر باندھ لیا جائے تو درد ختم ہو جائے گا۔ اس کا پتا اگر سونا میں ملا دیا جائے تو اس کا رنگ پیتل جیسا ہو جائے گا۔ کان کے قریب ہونے والے ورم پر اگر اس کے خصیہ کو ملا جائے تو رفتہ رفتہ ورم ختم ہو جائے گا۔ تلی کے درد میں مبتلا شخص اگر اس کے کلیجے کو پانی میں ملا کر ایک مثقال کے بقدر لے تو بلا توقف اس کا درد فوراً ختم ہوگا اور اسے آرام ملے گا۔ اس کی چربی اگر دونوں ہتھیلی اور تلووں پر مل لی جائے تو ٹھنڈک کے خطرہ سے وہ مامون ہو جائے گا۔ اس کے دماغ کو اگر ورس[2] گھاس میں ملا کر سر پر ملا جائے تو سر کی بھوسی (رسی) اور پھنسی اور گنجا پن ختم ہو جاتا ہے اور بال جھڑنے کی شکایت بھی دور ہو جاتی ہے۔ جو بچہ رات میں ڈرتا اور روتا ہو اس کے جسم پر اگر اس کی دم باندھ دی جائے تو وہ اسی طرح ٹھیک ہو جائے گا جس طرح اس کا دانت باندھنے سے ٹھیک ہو جاتا ہے۔

اس کی چربی اگر کسی چیز پر مل دی جائے تو اس جگہ جہاں کہیں بھی پسو ہوں گے وہاں سے اس پر آ کر جمع ہو جائیں گے۔ اس کے فوتہ کو خشک کر کے پینے کے بعد پانی میں ملا کر ایک درہم کے وزن کے بقدر پینے سے جماع اور بھوک و شہوت میں گونا گوں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی دم کو باریک پیسنے کے بعد زعفران کے تیل میں ملا کر اگر آلہ تناسل پر پیشاب کے سوارخ پر لگا کر مل لی جائے تو قوت جماع میں بے پناہ اضافہ و فائدہ ہوگا اور جتنی دیر تک وہ چاہے جماع کر سکتا ہے۔

کتاب الابدان میں مذکور ہے کہ اگر تم لومڑی کی چربی تلاش کرو اور وہ نہ مل پائے تو بھیڑیئے کی چربی اس کا بدل اور قائم مقام ہے۔

---

[1] عام گنجوں کے لیے بھی بہت مفید ہے خواہ عمر زیادہ ہی کیوں نہ ہو بالکل نکل آتے ہیں۔

[2] ورس ایک مخصوص قسم کی گھاس ہے جو تل کے مانند ہوتا ہے اور اس سے رنگائی وغیرہ کا کام لیا جاتا ہے۔ بعض علاقہ میں سے کسم کہتے ہیں۔

خواب کی تعبیر

اگر کسی نے خواب میں لومڑی دیکھی تو اس کی تعبیر عورت سے دیں گے۔ چنانچہ اگر کوئی خواب میں یہ دیکھتا ہے کہ وہ لومڑی سے چھیڑ خوانی کر رہا ہے اور اس سے کھیل رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اس کی شادی ایسی عورت سے ہوگی جس سے وہ بہت محبت کرے گا اور بیوی بھی اس سے اسی طرح محبت کرے گی۔ بعض حضرات نے لومڑی کو خواب میں دیکھنے کی یہ تعبیر دی ہے کہ اسے دیکھنے والے کو دھوکے باز' مکار اور فریبی شخص سے واسطہ پڑے گا۔ اور اگر کسی نے خواب میں یہ دیکھا کہ وہ لومڑی سے جھگڑ رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ گویا وہ اپنے قرض خواہ سے جھگڑنے والا ہے۔

اسی طرح خواب میں اس کا گوشت کھانا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کھانے والے کو نفع کا مال کھانے کی وجہ سے کچھ نقصان ہوگا مگر وہ پھر ٹھیک ہو جائے گا۔ بعض حضرات نے اسے خواب میں دیکھنے کی تعبیر یہ دی ہے کہ بادشاہ کی جانب سے اس کے پاس کوئی دشمن پہنچے گا۔

یہودیوں نے خواب میں اسے دیکھنے کی تعبیر یہ دی ہے کہ وہ کسی نجومی یا طبیب کے پاس پہنچے گا اور اس کی زیارت کرے گا۔

نصاریٰ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص خواب میں لومڑی کا بوسہ لیتا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اسے ایک شریف اور محبوب وخوبصورت بیوی حاصل ہونے والی ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر کوئی خواب میں یہ دیکھتا ہے کہ اس نے لومڑی کو قتل کر دیا تو اس کی تعبیر یہ دی جائے گی کہ وہ کسی شریف انسان کے لڑکے کو قتل کرنے والا ہے اور خواب میں اگر کوئی اس کا دودھ پیتا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ بیماری سے اب شفایاب ہونے والا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ خواب میں لومڑی سے جھگڑنا اپنے اہل وعیال میں قریبی دوستوں میں سے کسی دوست سے جھگڑنے کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

ثفا

ث'ف اور اخیر میں الف کے ساتھ۔ یہ جنگلی بلی ہے جو لومڑی سے ملتی جلتی ہے اور گھریلو بلی کے ہم شکل ہوتی ہے اس کا بیان ان شاء اللہ باب السین میں آجائے گا۔

ثقلان

جن وانس۔ ثقل کے معنی بوجھ اور کثافت کے آتے ہیں چنانچہ جنات وانسان کو ثقلان (تثنیہ) کہا جاتا ہے۔

وجہ تسمیہ

کیونکہ یہی دونوں دراصل روئے زمین پر ثقیل وبوجھل ہیں۔ بعض حضرات نے اس کی وجہ ان دونوں کی شرافت بتائی ہے کہ ان کی شرافت وعظمت کی بنا پر انہیں ثقلان کہتے ہیں۔ کیونکہ ہر شریف کو (اہل عرب) ثقیل سے تعبیر کرتے ہیں۔ بعض حضرات نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ چونکہ یہ گناہوں سے گراں بار ہوتے ہیں اس لیے انہیں ثقلان کہا جاتا ہے۔

ثُلج

ابن سیدہ کہتے ہیں کہ یہ عقاب کا چوزہ ہے (لہٰذا اس کی تفصیل وہی ہوگی جو عقاب کی ہے)۔

ثنی

دو سالہ جانور۔ ثنی ہر اس جانور کو کہا جاتا ہے جس کے سامنے کے کینچلیوں والے دانت ٹوٹ گئے ہوں اور ایسا پھٹے ہوئے کھروں والے جانور میں اس کے تیسرے سال اور ناب والے جانوروں میں اس کے چھٹے سال میں ہوتا ہے۔

ثنی واحد۔ اس کی جمع ثنایا آتی ہے۔ مونث کے لیے ثنیہ جمع ثنیات آتی ہے۔

ثور

ثور کے معنی بیل ہیں اور اس کی کنیت ابوعجل (بچھڑوں کا باپ) ہے۔ مؤنث یعنی گائے کے لیے ثورۃ مؤنث لاتے ہیں۔ اس کی جمع ثِوَرَۃً و ثِیْرَان وثِیْرَۃ آتی ہے۔ امام نحو علامہ سیبویہ فرماتے ہیں کہ ثیرۃ جو ثور کی جمع ہے اس میں (ث کے بعد) واؤ کو یاء سے اس لیے بدل دیا ہے کہ وہ کسرہ (زیر) کے بعد واقع تھا (اور یاء ہی کسرہ کے موافق حرف ہے واؤ تو ضمہ (پیش) کو چاہتا ہے۔ پھر علامہ فرماتے ہیں کہ اس طرح واؤ کو یاء سے بدلنا کوئی نادر نہیں بلکہ عام اور شائع وذائع ہے۔

علامہ دمیری فرماتے ہیں کہ اس کی تبدیلی کی وجہ یہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ اس کے درمیان اور ثورۃ الاقط کی جمع (جس کے معنی پنیر کا ٹکڑا ہے) اور جمع ثورۃ آتی ہے کے درمیان فرق کرنا ہے اسی وجہ سے پہلے اسے فعلۃ کے وزن پر لائے پھر اس میں حرکت دی۔

چونکہ ثور کے معنی پھاڑنے اور زمین جوتنے کے ہیں اسی وجہ سے اسے ثور کہتے ہیں کہ یہ زمین کو پھاڑتا اور اسے جوتتا ہے۔ جیسا کہ بقرۃ (گائے بیل) کو بقرۃ اس لیے کہتے ہیں کہ بقر کے معنی پھاڑنے کے ہیں اور وہ بھی زمین کو پھاڑتا اور جوتتا ہے۔

جانوروں کی باہمی ہمدردی کا واقعہ

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ دو بیل ایک رسی میں بندھے ہوئے ہیں اور ان سے کھیت جوتا جا رہا ہے۔ جب ان میں سے ایک رک کر اپنا جسم کھجلانے لگا تو دوسرا بھی رک گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا کہ یہ ہیں درحقیقت وہ دو بھائی جن کی اخوت محض اللہ کے لیے ہے ان میں سے جب ایک رک جاتا ہے تو دوسرا بھی اس کی موافقت کرتا ہے اور اخلاص اسی اتحاد واتفاق سے اپنے درجہ کمال کو پہنچتا ہے۔ لہٰذا جو شخص اپنے بھائیوں کے حق میں مخلص نہ ہوگا وہ بلاشبہ منافق ہوگا (پھر اخلاص کی تعریف فرماتے ہوئے کہا) اخلاص نام ہے موجودگی وعدم موجودگی میں زبان ودل کے ایک ہو جانے کا۔

ایک [1] روایت

وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب زمین کو پیدا فرمایا تو وہ کشتی کے مانند ڈگمگاتی اور ادھر ادھر ہوتی تھی۔ اللہ نے اس

---

[1] اس قسم کی روایات اور واقعات دراصل اسلامی کتب میں بنی اسرائیل کے علماء اور ان کی کتب سے ہی اسلامی ذخیرہ میں منتقل ہوئی ہیں اور کسی بھی درجہ میں قابل قبول نہیں ہیں اور ان کا کوئی مدلل اور جامع حوالہ اسلامی ذخیرہ کی مستند کتابوں میں نہیں ملتا۔ اس لیے ہمیشہ کے لیے یہ حقیقت ملحوظ رہے کہ ان معاملات میں وہ روایات قبول کی جاسکتی ہیں جو اسلام کی ٹھوس بنیاد پر حقائق کے قریب ہوں اس لیے یہ کہنا کہ یہ کرۂ ارض بیل کے سینگ پر ہے اسرائیلی افسانے ہیں اور حقائق سے دور واقعات ہیں۔

کے جماؤ ٹھہراؤ کے لیے نہایت عظیم وطاقت ور فرشتہ پیدا فرمایا اور اسے حکم دیا کہ وہ اس کے نیچے جا کر اسے اپنے کندھوں پر اُٹھا لے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اسے اُٹھا کر اپنا ایک ہاتھ مشرق کی جانب اور دوسرا مغرب کی جانب نکال کر دونوں کناروں سے پکڑ کر جکڑ لیا۔ مگر (اس بوجھ کی وجہ سے) اس کے پاؤں میں لرزا پیدا ہو گیا اور وہ کانپنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جماؤ کے لیے سرخ یاقوت کی ایک بہت بڑی چٹان پیدا کی جس کے وسط میں سات ہزار سوراخ تھے اور ہر سوراخ سے ایک عظیم سمندر نکل رہا تھا جس کی لمبائی اور طول وعرض کا صحیح علم واندازہ صرف اللہ کو ہے۔ پھر اسے فرشتے کے دونوں پاؤں کے درمیان داخل ہو جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ حکم مطابق داخل ہو گیا۔ مگر پھر اس پتھر کے اندر لرزا و کپکپی پیدا ہو گئی اور اس میں قرار باقی نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک نہایت ضخیم وعظیم بیل پیدا فرمایا جس کے چار ہزار آنکھیں اور اتنے ہی کان' ناک' منہ' زبان اور پاؤں تھے اور ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں کی مسافت پانچ سو سال تک چلنے کی تھی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا (کہ وہ پتھر کو اپنی پیٹھ پر اُٹھا لے) چنانچہ اس نے پتھر کے نیچے داخل ہو کر اسے اپنی پیٹھ اور سینگ پر اُٹھا لیا۔ اس بیل کا نام ''کیوثا'' بتایا جاتا ہے مگر پھر اس بیل کے اندر لرزہ پیدا ہو گیا اور اس کا قرار جاتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک بہت بڑی مچھلی پیدا کی۔ اس کی ضخامت اور اس کی آنکھوں کی چمک ووسعت کی بنا پر انسان اس کی طرف نگاہ کرنے پر قادر نہیں ہوتا نہ ہی اس کی تاب لاسکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر دُنیا کے سارے سمندروں کو اس کی ایک ناک کے سوراخ میں ڈال دیا جائے تو اس کی مثال ایسی ہو گی جیسے کسی طویل وعریض اور لق دق میدان میں رائی کا ایک دانہ ہو۔

غرض اللہ نے اس بیل کا قرار اس مچھلی کو بنایا۔ اس مچھلی کا نام ''ہموت'' بتایا جاتا ہے اور اس مچھلی کا ٹھکانا پانی کو بنایا۔

پانی کے نیچے ہوا اور ہوا کے نیچے پانی' پھر پانی کے نیچے ظلمات وتاریکیاں ہیں اور ان تاریکیوں کے بعد کیا ہے اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ بندوں کے علم کی رسائی اس سے آگے نہیں ہو سکی اور نہ ہی اس کا علم اللہ نے اپنے بندوں کو دیا ہے۔

(مسالک الابصار فی ممالک الامصار جزء ۲۳)

اہل جنت کی غذا

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے ان کے لیے جنت کا ایک ایسا بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت کے اطراف میں چرا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اہل جنت مچھلی کے جگر کا وہ چھوٹا سا ٹکڑا بھی کھایا کریں گے جو جگر کے پاس ہی اس کے ایک جانب ہوتا ہے۔'' (مسلم کتاب الطہار' نسائی عشرۃ النساء)

ابن اسحاق سے بسند صحیح' روایت ہے کہ:

''شہداء جس وقت جنت میں داخل ہوں گے تو جنت کی مچھلی اور بیل ان کے دوپہر کے کھانے کے واسطے نکل کر آئیں گے اور ایک دوسرے سے کھیلنے لگیں گے جب جنتیوں کو یہ جانور خوب پسند آجائے گا تو بیل اپنے سینگوں سے مچھلی کو مار دے گا اور اسے چیر پھاڑ کر اسی طرح تیار کر دے گا جس طرح جنتی اسے ذبح کر سکتے تھے۔ شام کے کھانے کے لیے وہ دونوں پھر واپس شام کو جنتیوں کے سامنے آئیں گے اور اسی طرح سے کھیلنے لگیں گے اور کھیلتے کھیلتے مچھلی اپنی دُم سے بیل کو مار کر اسی طرح چیر پھاڑ دے گی جس طرح کہ وہ ذبح کر سکتے تھے۔''

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں چند چیزوں کی طرف اشارہ ہے جو قابل التفات اور لائق توجہ ہیں۔ اور وہ اس طرح کہ

جب اس زمین کی بقاء اور اس کا جماؤ اور ٹھہراؤ ایک مچھلی پر ہے جو تیرنے والا حیوان ہے تو گویا اس سے لوگوں کو اس کی طرف توجہ دلانا اور احساس پیدا کرنا ہے کہ یہ مقام اور یہ دُنیا فنا ہونے والی ہے اور یہ مسکن ایک عارضی مسکن ہے جس کے قلعے تباہ ہونے والے اور فنا ہونے والے ہیں اور یہ ہمیشہ باقی رہنے والا مقام نہیں ہے اور جب جنت میں داخل ہوتے ہی اسے ذبح کر دیا گیا اور انہوں نے اس کی کلیجی کھالی تو گویا وہ دار الفناء سے نکل کر ایسے مسکن کو پہنچ گئے جس میں بقاء و پائیداری اور ہمیشگی و دوام ہے اور اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے پل صراط پر ان کے لیے نیلگوں رنگ کا مینڈھا ذبح کیا جائے گا تا کہ وہ جان لیں اور سمجھ لیں کہ اب اس کے بعد نہ موت ہے اور نہ فنا۔

رہی بات بیل کی تو چونکہ بیل کھیتی کرنے کا آلہ و ذریعہ ہے اور اہل دُنیا کے سامنے دو طرح کی کھیتیاں ہیں' یا تو دُنیا کی یا آخرت کی تو اس کے ذبح کر دینے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اب ان کھیتی کی مشقت سے (خواہ دُنیا کی کھیتی ہو یا آخرت کی جو کرنا تھا کر چکے) بچ گئے اور اب انہیں آرام ہی آرام ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورج و چاند کو قیامت کے دن بے نور کر دیا جائے گا۔'' (رواہ البخاری و انفرد)

اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو ابوبکر بزار کے حوالے سے مفصل ذکر کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن داناج نے فرمایا کہ خالد بن عبداللہ قشیری کے زمانۂ خلافت میں میں نے ابوسلمہ بن عبداللہ سے اس مسجد یعنی مسجد کوفہ میں اس طرح سنا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے پاس بیٹھ گئے تو انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث اس طرح سنائی کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز سورج و چاند جہنم میں بیلوں کی شکل میں ہوں گے۔ اس پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کا کیا گناہ ہے؟ (یعنی جہنم میں یہ کس گناہ کی وجہ سے جائیں گے؟) تو ابوسلمیٰ نے فرمایا کہ میں تو حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم **وما ذنبہا** ان کا کیا گناہ ہے' کہہ رہے ہو۔''

امام بزار فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صرف اسی طرح مروی ہے اور عبداللہ داناج نے ابوسلمہ سے اس کے علاوہ اور کوئی حدیث روایت نہیں کی ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورج و چاند جہنم میں دہشت زدہ بیل (کی طرح) ہوں گے۔'' کعب احبار سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سورج اور چاند کو دہشت و خوف زدہ بیل کی طرح لایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا تا کہ جو لوگ ان کی عبادت کرتے تھے وہ انہیں دیکھ لیں جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو (سب) جہنم کے ایندھن ہیں۔''

انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے مروی ہے کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورج و چاند دو خوف زدہ بیل ہوں گے جہنم میں۔'' (ابوداؤد وطیالسی)

نہایت الغریب میں ذکر کیا گیا ہے کہ باری تعالیٰ نے جب سورج و چاند کو سباحۃ کی تعبیر کے ذریعہ اپنے کلام میں ذکر کیا کہ **کل فی فلک یسبحون** (ان میں سے ہر ایک آسمان پر تیر رہا ہے)۔ پھر جب خبر دی کہ وہ اور ان کے پجاری جہنم میں جائیں گے اور ان پجاریوں کو عذاب اس طرح ہوگا کہ وہ ان پر ہمیشہ مسلط رہے گا اور وہ دہشت کے مارے اس خوفزدہ بیل کی طرح ہوں گے جن کی دہشت دائمی اور کبھی نہ ختم ہونے والی ہو۔ اس واقعہ کو ابوموسیٰ نے بھی کچھ اس طرح ذکر کیا ہے۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ انہیں جہنم میں اس لیے جمع کیا جائے گا کہ دُنیا میں خدا کے سوا ان کی پرستش کی گئی تھی اور یہ عذاب ان کے واسطے نہیں ہوگا کیونکہ یہ جمادات میں سے ہیں بلکہ یہ تو صرف کافروں کو مزید رسوا کرنے اور ان کی بکاء وگڑگڑاہٹ میں اضافہ کرنے کے لیے کیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کعب احبار کے قول کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اللہ کی ذات کریم اور بلند وبالا ہے اس سے کہ وہ سورج وچاند کو عذاب دے بلکہ اللہ تعالیٰ تو ان دونوں کو قیامت کے دن سیاہ اور بے نور کردیں گے۔ جب یہ عرش سے قریب ہوں گے تو اللہ تعالیٰ سے گریہ وزاری کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہمارے معبود آپ جانتے ہیں کہ ہماری اس اطاعت وفرمانبرداری کو جو آپ کے لیے تھی اور ہماری رفتار کی تیزی کو جو دُنیا میں آپ ہی کے حکم سے تھی لہٰذا کافروں کی عبادت کی وجہ سے آپ ہمیں عذاب مت دیجئے۔ اس پر باری تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ ہاں تم نے سچ کہا میں نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ میں پیدا کروں گا اور (ہر چیز کو) اس کے سابق کی طرف (جس چیز سے پیدا کیا جائے گا اسی کی طرف لوٹادوں گا) اور تم دونوں کو بھی اس چیز کی طرف لوٹاؤں گا جس سے میں نے تمہیں پیدا کیا ہے اور تمہیں اپنے عرش کے نور سے پیدا کیا ہے تو تم اسی کی طرف لوٹ جاؤ۔ غرض وہ لوٹ جائیں گے اور عرش کے نور میں مدغم ہو جائیں گے اور یہی معنی ہیں باری تعالیٰ کے ارشاد ''وہی ذات ہے جو پیدا کرتی ہے اور پھر دوبارہ اسے لوٹاتی ہے۔''

سیرت سعید بن جبیر میں ابونعیم لکھتے ہیں کہ حضرت سعید نے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے آدمؑ کے پاس ایک سرخ رنگ کا بیل اُتارا جس سے وہ کھیتی کرتے تھے اور اس مشقت سے اس کی پیشانی پر جو پسینہ آتا تھا پونچھتے جاتے تھے اور یہی وہ مشقت ہے جسے باری تعالیٰ نے اپنے کلام میں اس طرح ذکر فرمایا ہے:

فَلَا یُخْرِجَنَّکُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی.

''حضرت آدم علیہ السلام اکثر حوا سے کہا کرتے تھے کہ تو نے ہی میرے ساتھ یہ معاملہ کیا۔

اس کے بعد آدم علیہ السلام کی جو بھی اولاد اس بیل سے کام لیتی وہ یہ ضرور کہتے کہ آدمؑ سے پہلے ہی حوا وہاں پہنچ گئی۔

اہل عرب جب کسی گائے کو گھاٹ پر پانی پلانے کے لیے اُتارتے اور وہ پانی کے گدلاپن یا پیاس نہ لگنے کی وجہ سے پانی نہ پیتی تو وہ بیل کو مارتے تھے جس سے وہ پانی میں گھس جاتا اور اسے دیکھ کر پھر گائے بھی گھس جاتی (اور وہ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ) گائے عموماً بیل کی اتباع کرتی اور اس کے پیچھے ہولیا کرتی ہے۔

سلیک بن سلکہ کو قتل کرنے کے بعد انس بن مدرکہ نے اسی مفہوم میں یہ شعر کہے ہیں ؎

انی و قتلی و سلیکا ثم اعقله　　كالثور يضرب لما عافت البقر

''میں اور سلیک کا مقتول اور ان کے ذی ہوش وعقل مند لوگ اس بیل کی طرح ہیں جسے اس وقت مارا جائے جب گائے پانی پینے سے رُک جائے۔''

امثال

اہل عرب کہتے ہیں:

الثور يحمى انفه بروقه. بیل اپنے سینگ سے ناک کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ مثل حریم کی حفاظت اور اس کے تحفظ پر اُبھارنے

کے لیے بولی جاتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ پہنچے تو انہیں اور عامر بن فہیرہ و بلال بن رباح رضوان اللہ علیہم کو بخار آ گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں ان کے پاس حاضر ہوئی تو وہ سب کے سب ایک ہی مکان میں تھے میں نے والد صاحب سے دریافت کیا کہ رات کیسی گزری؟ تو انہوں نے جواب دیا ؂

کل امری مصبح فی اھله والموت ادنی من شراک نعله

''ہر کوئی اپنے اہل وعیال میں صبح کرتا ہے اور موت اس کے جوتے کے تسموں سے بھی زیادہ قریب ہے۔''

انا للّٰه وانا الیه راجعون ان ابی لیھذی (اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون اباجان بیماری کی وجہ سے بڑبڑانے لگے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پھر عامر بن فہیرہ سے دریافت کیا کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ تو انہوں نے یہ اشعار پڑھے ؂

لقد وجدت الموت قبل ذوقه والمرء یاتی حتفه من فوقه

''موت کا مزہ چکھنے سے پہلے ہی میں نے اسے پالیا اور انسان کی موت وہلاکت اوپر سے آتی ہے۔''

کل امرئ مجاھد بطوقه کالثور یحمی انفه بروقه

''ہر شخص اپنی طاقت کے بقدر سعی وکوشش کرتا ہے جس طرح کہ بیل اپنے سینگوں سے اپنے ناک کی حفاظت کرتا ہے (یعنی اپنی حفاظت آپ کرتا ہے۔''

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا واللّٰه ھذا ما یدری ما یقول کہ بخدا یہ کیا کہہ رہے ہیں خود بھی نہیں سمجھ پا رہے ہیں۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے معلوم کیا کہ آپ کی رات کیسی گزری؟ تو انہوں نے جواب میں یہ اشعار پڑھے ؂

الالیت شعری ھل ابیتن لیلة بفخ وحولی اذخر[1] وجلیل

ترجمہ: ''اے کاش کہ مقام فخ میں ایک رات گزری ہوتی کہ میرے آس پاس اذخر اور دوسری ہری بھری گھاس ہوتی۔''

و ھل اردن یوما میاہ مجنة و ھل یبدون لی شامة و طفیل

ترجمہ: ''اور ان عورتوں نے بازار مجنہ کا پانی کیا کبھی میرے لیے چاہا؟ اور کیا وہ میرے لیے شامہ وطفیل پہاڑی بن کر ظاہر ہوئی۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور اس ماجرے کو سنایا۔ تو آپؐ نے دُعا فرمائی کہ:

''اے اللہ! تو ہمارے دلوں میں مدینے کی محبت اس طرح ڈال دے جس طرح کہ تو نے مکہ کی محبت ڈال دی ہے اور اے اللہ! تو ہمارے ناپ وتول کے برتن (صاع ومد میں برکت دے دے اور مدینہ کے بخار کو مھیعہ یعنی جحفہ منتقل فرمادے۔''

---

[1] ایک قسم کی خوشبودار سبز گھاس ہے۔ اس کی جمع اِذْخَرَۃ و اذاخر آتی ہے۔

عامر کے قول میں لفظ طوق آیا ہے جس کے معنی طاقت کے ہیں اور بلال کے قول میں فخ کا تذکرہ ہے تو یہ مکہ مکرمہ کی ایک وادی کا نام ہے اور مجنہ مکہ مکرمہ کی اترائی میں واقع ایک بازار کا نام ہے اور شامہ وطفیل سوق مجنہ کے کنارے اونچائی پر واقع دو پہاڑیوں کے نام ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے قول میں مذکورہ مہیعہ یہ جحفہ ہی کا دوسرا نام ہے۔

اہل عرب کہتے ہیں:

(۱) هو ارعى من ثور. وہ بیل سے زیادہ چرنے والا ہے۔

(۲) انما أكلت يوم اكل الثور الابيض. میں تو اسی دن کھالیا گیا جس دن سفید بیل کو لقمۂ تر بنایا گیا۔

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میری اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مثال ان تین بیلوں جیسی ہے جو ایک ہی جھاڑی میں رہتے تھے اور ان میں سے ایک سفید ایک سرخ اور ایک سیاہ تھا اور ان کے ساتھ اس جھاڑی میں ایک شیر بھی رہتا تھا جو ان کے اتفاق واتحاد اور اکٹھے رہنے کی وجہ سے انہیں کچھ نقصان دینے پر قادر نہیں تھا۔ ایک دن شیر نے سیاہ اور سرخ بیل سے کہا کہ سفید بیل کا رنگ چونکہ مشہور (اور دور سے نظر آنے والا ہے) اس لیے (شکاریوں کو) یہ ہمارے اس جھاڑی میں ہونے کا پتا دیتا ہے اور میرا رنگ تو بس تم دونوں ہی کے رنگ جیسا ہے لہٰذا تم اگر ہمیں اس کو کھانے کے لیے چھوڑ دو اور اس کی اجازت دو تو یہ جھاڑی تم ہی دونوں کے لیے ہو جائے گی۔ ان دونوں نے بسر وچشم کہہ دیا کہ جی کھا لیجئے ہم آپ کے درمیان حائل نہیں ہوں گے۔ چنانچہ اس نے اسے اپنا لقمۂ تر بنالیا۔ ابھی کچھ ہی زمانہ گزرا تھا کہ اس نے سرخ بیل سے کہا کہ میرا رنگ تو تیرے ہی رنگ جیسا ہے لہٰذا تم ہمیں سیاہ بیل کو کھانے دو تو اس نے کہا آپ کی جیسی مرضی۔ چنانچہ اس نے اسے کھالیا۔ چند ہی دنوں بعد اس نے سرخ بیل سے کہا کہ اب تو میں تمہیں بالیقین کھاؤں گا۔ تو اس نے مہلت مانگتے ہوئے عرض کیا کہ آپ تین بار آواز لگانے کا موقعہ عنایت فرمائیں۔ شیر نے مہلت دیتے ہوئے کہا اچھا کرلو تو اس نے تین مرتبہ یہ آواز لگائی کہ ''میں تو اسی دن کھالیا گیا تھا جس دن سفید بیل کو کھایا گیا۔'' اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی آواز بلند کر کے کہا کہ ہم تو اسی روز کمزور و ذلیل ہو گئے جس دن حضرت عثمان غنی کو قتل (شہید) کیا گیا۔''

بیل کے طبی خواص

اگر اس مٹی کو جس پر بیل نے گائے کے ساتھ جفتی کرنے کے بعد فوراً پیشاب کر دیا اُٹھا کر عضو مخصوص کے سوراخ پر ملا جائے تو یہ مٹی قوت باہ میں مزید تقویت پہنچائے گی۔ اسی طرح سے جس شخص کو سوتے میں پیشاب نکل جانے کا عارضہ لاحق ہو اس کو بیل کا مثانہ خشک کر کے پیس کر سرکہ کے ساتھ ملا کر پلانے سے ان شاء اللہ بہت جلد یہ بیماری ختم ہو جائے گی اور بستر پر پیشاب نکلنا بند ہو جائے گا۔ نیز ایسے شخص کے لیے ٹھنڈے پانی کا استعمال بھی مفید ترین ہے۔

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ بیل کی ایک عجیب وغریب خصلت یہ ہے کہ اگر وہ تھک کر کھڑا ہو جائے تو اس کے خصیتین پکڑ کر دبانے سے اس میں ایک قسم کا نشاط پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ بہت تیز چلنے لگتا ہے۔ نیز اگر اس کے کان میں پارہ ڈال دیا جائے تو وہ وہیں دم توڑ دے گا اور اگر اس کی ناک میں عرق گلاب دیا جائے تو وہ فوراً زمین پر گر پڑے گا۔ اگر بیل کے پیشاب سے لوہے پر لکھا جائے تو لکھا ہوا صاف دکھائی دے گا۔

علاوہ ازیں بیل کی اور بھی بہت سی خصلتیں ہیں جن کو آپ نے باب الباء میں ملاحظہ فرمالیا ہے۔

تعبیر

بیل کوخواب میں دیکھنا انتہائی سودمند اور معیشت میں معین ومددگار ہوتا ہے اور کبھی نہایت طاقت ور باعزت شخص کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔بعض دفعہ اس کی تعبیر خوبصورت نوجوان سے بھی دی جاتی ہے۔ کیونکہ بیل کو عربی میں "ثور" کہتے ہیں اور ثور کے معنی جوش مارنے کے ہیں۔ چونکہ نوجوان کی جوانی بھی اپنے پورے جوش اور شباب پر ہوتی ہے اس لئے اس کی تعبیر جوان سے دی جاتی ہے اور کبھی کبھی شر پسندی وفتنہ کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے اور اگر کسی کاشتکار یا کسان وغیرہ نے بیل کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر یہ دی جائے گی کہ اس کے تمام مشکل کام آسان ہو جائیں گے۔ بسا اوقات سستی وکاہلی کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ چتکبرے بیل کو دیکھنا باعث راحت ومسرت ہے اور کالے بیل کو دیکھنا بزرگی وشرافت کی علامت ہے یا مریض کے تندرست ہونے کی جانب اشارہ ہے۔

اَلثُّوْلَ

نر شہد کی مکھی۔ الثـول (ثاء پر زبر اور واؤ ساکن) عام طور پر یہ لفظ شہد کی مکھیوں کے بارے میں بولا جاتا ہے۔ چاہے ایک مکھی ہو یا پورا چھتہ کا چھتہ۔ حضرت امام اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ شہد کی مکھی کے لیے کوئی علیحدہ سے واحد لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ یہ معنی تو اس صورت میں ہوں گے اگر اس کو ثاء فتح کے ساتھ پڑھا جائے اور واؤ ساکن کر کے اور اگر بالتحریک (واؤ پر زبر) پڑھا جائے تو اس صورت میں اس کے معنی دیوانی بکری کے ہوں گے جو اپنے پاگل پن کی وجہ سے ریوڑ سے علیحدہ رہے۔ دیوانے پہاڑی بکرے کے لیے بھی یہ لفظ آتا ہے۔

نر شہد کی مکھی کی خواب میں تعبیر

نر شہد کی مکھی کے لیے خواب کی تعبیر ایک چالاک اور مبارک لڑکے سے کی جاتی ہے۔

الثیتل

الثیتل. اس کے معنی پہاڑی بکرے کے ہیں۔ حدیث شریف میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا **فِیْ الثَّیْتَلِ بَقَرَةٌ** یعنی اگر کسی شخص نے حالت احرام میں یا حرم میں پہاڑی بکرے کا شکار کر لیا تو اس پر ایک گائے کا شرعی تاوان واجب ہوگا۔

باب الجیم

الجاب شیر اور موٹے گورخر کو کہتے ہیں اس کی جمع جووب آتی ہے۔

الجارف سانپ کے بچے کو کہتے ہیں۔

الجارحة

الجارحۃ ۔اس درندہ یا پرندہ کو کہتے ہیں جو اپنے مالک کے واسطے شکار کر کے لائے۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ.

"اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو شکار پر چھوڑ بھی دو اور ان کو اس طریقہ پر تعلیم دو جس طریقہ سے تمہیں اللہ

نے تعلیم دی۔"

جوارح. جارحۃ کی جمع ہےاور جارحۃ کے معنی آتے ہیں کمانے والا۔ چونکہ یہ اپنے مالک کے لیے شکار کما کر لاتا ہےاس واسطےاس کا جارحہ کہتے ہیں۔ جیسا کہ کلام پاک میں دوسری جگہ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔

وَيَعْلَمُ مَاجَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ "اور جو کچھ تم دن بھر میں کرتے ہو اللہ کے علم میں ہے۔"

الجاموس

بھینس۔ الجاموس فارسی زبان کا لفظ ہےلیکن عربی میں کثرت سے استعمال ہونے لگا۔ اس کی جمع جوامیس آتی ہے۔ بھینس انتہائی طاقت وراور قوی الجثہ جانور ہے۔ شیر بھی اس کو دیکھ کر خوف کھا جاتا ہے۔ اس کے باوجود مخلوق خدا میں سب سے زیادہ ڈرپوک اور بزدل جانور ہے۔ مچھر سے کچھ زیادہ ہی ڈرتی ہے۔ اگر مچھر کاٹ لے تو وہاں سے بھاگ کر پانی میں گھسنے کی کوشش کرتی ہے۔

بھینس اپنے مالک کے اشارہ کو خوب اچھی طرح سمجھتی ہے۔ اگر وہ بلانے کا اشارہ کرے تو فوراً اس کے پاس آجاتی ہے۔ یہ اس کے شرف النسل اور ذی حس ہونے کی دلیل ہے۔ اپنی جگہ سے بہت زیادہ مانوس ہو جاتی ہے۔ اپنی اور اپنے بچوں کی خاطر پوری پوری رات نہیں سوتی۔

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت کا منظر بڑا عجیب ہوتا ہے جب بہت ساری بھینسیں جنگل میں گول دائرہ کی شکل بنالیتی ہیں اور ان سب کی پشت ایک دوسرے کی پشت کی جانب رہتی ہے۔ بیچ میں بچے اور چرواہے کھڑے رہتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چہار دیواری سے گھرا ہوا محفوظ شہر ہے۔

اگر ان میں نر (بھینسا) آپس میں سینگوں کے ذریعے زور آزمائی کرتے ہوئے شکست کھا جاتا ہے تو شکست خوردہ شرم کی وجہ سے درختوں کے جھنڈ میں جا کر بیٹھ جاتا ہےاور وہاں سے اپنی احساس کمتری کو دور کر کے نئی طاقت اور قوت کے ساتھ میدان میں آتا ہےاور اپنے حریف پر حملہ کر دیتا ہےاور اس پر غالب آنے تک اس کو نہیں چھوڑتا۔

بھینس کا شرعی حکم

بھینس کا گوشت گائے کی طرح حلال طیب ہے۔

بھینس کے طبی خواص

بھینس کی کھال کی دھونی دینے سے گھر کے تمام پسو ختم ہو جاتے ہیں۔ نیز اس کا گوشت کھانے سے جوئیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر بھینس کی چربی کو اندرانی نمک کے ساتھ ملا کر خارش زدہ کے بدن پر یا داغدار چہرہ پر مل دیا جائے تو خارش اور داغ بالکل صاف ہو جائیں گے اور اگر برص زدہ مریض کو مل دیا جائے تو برص سے بھی بہت جلد نجات حاصل ہو جائے گی۔

ابن زہری ارسطاطالیس کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس کیڑے کو جو بھینس کے دماغ میں ہوتا ہے اپنے پاس رکھ لے تو اس کو بالکل نیند نہیں آسکتی۔

بھینس کی خواب میں تعبیر

اگر کسی شخص نے بھینس کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر ایسے طاقت ور مرد سے دی جائے گی جو اپنی بساط اور وسعت سے زیادہ

تکلیف برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

اگر کسی عورت نے یہ دیکھا کہ اس کے بھینس کے سینگ لگے ہوئے ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ عورت کسی بادشاہ سے شادی کرے گی۔

الجان

الجان سانپ کی ایک قسم کا نام ہے جو چھوٹا اور سفید رنگ کا ہوتا ہے۔

کلام پاک میں تذکرہ

قال اللہ تعالیٰ: **فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ:**

''سو انہوں نے جب اس کو لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا سانپ تیز ہوتا ہے تو پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔''

وقال تعالٰی فی آیۃاخریٰ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسٰى قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى.

''اور حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی فرمایا کہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ! انہوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے میں کبھی اس پر سہارا لگاتا ہوں اور کبھی اپنی بکریوں کے لیے درخت کے پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے میرے اور بھی کام نکلتے ہیں۔''

ارشاد ربانی ہوا کہ اس عصاء کو زمین پر ڈال دو اے موسیٰ! سو انہوں نے اس کو زمین پر ڈال دیا تو یکا یک خدا کی قدرت سے دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔

ایک تفسیری نکتہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں جو عصا تھا بحکم خدا اس کو ڈال دیا تو وہ سانپ بن گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصاء زرد رنگ کا سانپ بن گیا تھا اس سانپ کے بارے میں قرآن شریف میں ایک جگہ تو یہ ارشاد ہے:

كَاَنَّهَا جَآنٌّ. جان عربی لغت میں چھوٹے اور پتلے سانپ کو کہتے ہیں۔ اور دوسری جگہ آیا ہے:

فَاِذَا هِيَ ثعبان۔ اس کے معنی بڑے موٹے سانپ اور اژدھے کے ہیں اور مندرجہ بالا آیت میں جو حَيَّةٌ کا لفظ آیا ہے یہ عام ہے اور ہر چھوٹے بڑے اور پتلے موٹے سانپ کو کہتے ہیں۔

تطبیق: ان آیات کی اس طرح ہو سکتی ہے کہ یہ سانپ شروع میں پتلا اور چھوٹا اور پھر موٹا اور بڑا ہو گیا۔ یا یہ کہ سانپ تو بڑا اژدہا ہی تھا لیکن اس کو جان (ہلکا) اس لیے کہہ دیا ہو کہ یہ عظیم الشان اژدہا سرعت سیر کے اعتبار سے چھوٹے سانپ کی طرح تھا۔ یعنی عام عادت کے خلاف کہ بڑے اژدھے تیز نہیں چل سکتے اور یہ بڑی تیزی سے چلتا تھا۔

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے عصائے موسیٰ کو تین وصف عطاء کئے تھے (۱) **حیة** (۲) **جان** (۳) **ثعبان** کہ وہ عصاء دشمنوں کے لیے حیة (سانپ) تھا اور موٹا ہونے کے اعتبار سے **ثعبان** (اژدہا) تھا اور حرکت و رفتار کے اعتبار سے جان (ہلکا پھلکا سانپ) تھا۔

فرقد السنجیؒ کہتے ہیں کہ اس سانپ کے دونوں جبڑوں کے درمیان چالیس گز کا فاصلہ تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی تو وہ زرد اور سرخ رنگ کا سانپ بن گیا۔ جس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اس کے دونوں جبڑوں

کے درمیان کا فاصلہ اسی گز تھا اور یہ تقریباً زمین سے ایک میل دور اپنی دم کے سہارے کھڑا تھا جس کا نیچے والا ہونٹ زمین پر پڑا تھا اور اوپر والا فرعون کے محل کی دیوار پر تھا۔

''حیوۃ الحیوان'' کے مصنف فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا اور وہ فوراً اژدہا بن گیا تو اس نے لوگوں پر حملہ شروع کر دیا۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اس نے فرعون پر بھی حملہ کر دیا جس کی بنا پر وہ تخت شاہی سے اُٹھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ بہر حال جب اس نے لوگوں پر حملہ شروع کر دیا تو لوگ بری طرح گھبرا گئے۔ چیخنے اور چلانے لگے جن میں سے تقریباً پندرہ ہزار تو اس کی دہشت کی وجہ سے وہیں مر گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصاء کے بارے میں حق تعالیٰ کو یہ جواب دیا تھا کہ میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں۔ اور تیسری بات آپ نے یہ فرمائی تھی وَلِیَ فِیْهَا مَآرِبُ اُخْرٰی کہ اس سے میرے اور بھی کام نکلتے ہیں۔ مثلاً کندھے پر رکھ کر اپنے اسباب وسامان (کھانے پینے کو لٹکا لینا یا موذی جانوروں کو دفع کرنا وغیرہ) حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اس عصاء سے بہت سے کام لیا کرتے تھے۔ مثلاً موذی جانوروں سے حفاظت کا کام اسی سے ہی لیتے تھے اور اگر کوئی دشمن سامنے آجاتا تھا تو اس کے واسطے بھی یہی کام آتا تھا اور اگر کہیں کنوئیں سے پانی کھینچنے کی ضرورت پڑتی تو وہاں بھی اسی کو استعمال کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اگر آپ کی طبیعت پھل کو چاہتی تو آپ اس عصاء کو زمین پر گاڑ دیتے تو اس پر فوراً شاخیں نکلتیں پھر اس کے بعد وہ عصاء پھل دینے لگتا۔ نیز آپ رات کو روشنی کا کام بھی اسی سے لیتے تھے۔ (عصائے موسیٰ پر تفصیلی روشنی قسط پنجم میں ڈال چکے ہیں)

اَلْجَبْهَةُ

گھوڑا۔ مشہور ومعروف جانور ہے۔

حدیث نبوی میں گھوڑے کا تذکرہ

لَیْسَ فِیْ الْجَبْهَةِ وَلاَ فِیْ النُّخَّةِ وَلاَ فِیْ الْکُسْعَةِ صَدَقَةٌ.

''گھوڑوں میں اور گدھوں میں اور کھیتی کے بیلوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔''

گھوڑے کو الجَبْهَةَ اس لیے کہا جاتا ہے کہ جَبْهَةَ کے معنی عمدہ اور بہترین چیز کے ہیں۔ کیونکہ یہ تمام چوپاؤں میں بہترین اور عمدہ جانور ہے اس لیے اس کو الجبهة کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ قوم کے سردار یا بڑے آدمی کے لیے جبهة القوم استعمال ہوتا ہے چونکہ وہ قوم میں سب سے زیادہ باعزت اور اعلیٰ خاندان کا ہوتا ہے۔

اَلنُّخَّةُ ماخوذ ہے النُّخَّ سے جس کے معنی تیز ہنکانے کے آتے ہیں اور الکسعة' کَسْعُ سے مشتق ہے جس کے معنی کام کرنے والے بیل یا گدھے کے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اَلْجُثْلَهُ

الجثله کالی چیونٹی کو کہتے ہیں۔ باب النون کے عنوان کے تحت اس کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ مفصل آئے گا۔

اَلْجُحْمَرِشْ

الجحمرش اس کے کئی معنی آتے ہیں۔ دودھ پلانے والی خرگوشنی کو کہا جاتا ہے اور بہت بوڑھی بانجھ عورت کو بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع جحامر اور تصغیر جحمیر آتی ہے۔

اَلْجَحْش

الجحش چھوٹے چھوٹے گدھے کے بچے کو کہتے ہیں چاہے جنگلی گدھے کا بچہ ہو یا گھریلو۔ اس کی جمع جحاش اور جحشان آتی ہے اور اس کی مؤنث جحشہ ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے الجحش بچھڑے کو بھی کہتے ہیں اور قبیلہ بنی ہذیل کی لغت میں ہرن کے بچے کو کہا جاتا ہے۔

ضرب المثل

جحیش وحدہٗ اہل عرب ایسے شخص کے بارے میں بولتے ہیں جو اپنی رائے پر سختی سے عمل کرتا ہو۔ صاحب الرائے اور سمجھ دار ہو۔ اہل عرب بے وقوفوں کے بارے میں کہتے ہیں۔ عییر وحدہٗ (بے وقوف) کہ فلاں شخص گدھا یعنی بے وقوف ہے۔ حدیث شریف میں تذکرہ:

حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم میں سے صاحب الرائے اور عقلمند تھے اور دینی امور میں اکثر ان کی رائے کو قبول کیا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین زینب بنت جحش سے فرمایا اگر تمہارے والد مسلمان ہوتے تو میں ان کا کوئی اچھا نام رکھتا۔ ان کا نام پہلے جحش تھا۔"

الجخدب

ٹڈی کی ایک قسم۔ الجخدب (جیم پر ضمہ خاء ساکن دال پر فتحہ) یہ ایک پرندہ کا نام ہے جو ٹڈی کے مشابہ ہوتا ہے۔ اس کی جمع جخادب آتی ہے۔ یہ پرندہ سبز رنگ کا اور لمبی ٹانگوں والا ہوتا ہے۔ بعض ماہرین حیوانات کی رائے ہے کہ یہ پرندہ چھپکلی کے مشابہ ہوتا ہے اور اس کو ابو جخادب بھی کہا جاتا ہے۔

الجُدجُد

جھینگر۔ امام جوہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک قسم کا پرندہ ہے جو ٹڈی کے مشابہ ہوتا ہے۔ اس کی جمع جدجد آتی ہے اور میدانی فرماتے ہیں کہ جدجد شیر کی ایک قسم ہے جو پوری رات آواز کرتا رہتا ہے اور تلاش کرنے سے نہیں ملتا۔

جدجد کا شرعی حکم

جدجد اگر وضو کے پانی میں گر کر مر جائے تو وہ پانی پاک رہتا ہے اور اس سے وضو کرنا درست ہے۔

ایک توضیح: وضو (واؤ کے فتحہ کے ساتھ) اس پانی کو کہتے ہیں جس سے وضو کیا جائے اور ضمہ کے ساتھ فعل وضو کو کہا جاتا ہے۔ ان شاءاللہ جدجد کے متعلق مزید تفصیل صاد کے بیان میں صرر ر کے عنوان کے تحت آئے گی۔

الجداية

الجداية (جیم کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ) ہرن کے چھ یا سات ماہ کے بچہ کو کہا جاتا ہے۔ چاہے نر ہو یا مادہ' اور بعض حضرات نے کہا ہے الجداية ہرن کے نر بچہ کو کہتے ہیں۔

امام اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ جــــداية (ہرن کا بچہ' عناق) کی طرح ہوتا ہے۔ عناق بکری کے ایک سال سے کم عمر والے بچہ کو کہتے ہیں۔

حدیث میں تذکرہ

''حضرت کلدہ ابن حنبل فرماتے ہیں کہ مجھے آقائے نامدار سرور کائنات کی خدمت اقدس میں صفوان ابن امیہ نے دودھ اور ہرن کا بچہ اور کھیرا ککڑی لے کر بھیجا۔ میں آپ ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ لیکن میں سلام کرنا بھول گیا تو آپؐ نے اس پر مجھے تنبیہ فرمائی کہ تم واپس جاؤ اور السلام علیکم کہہ کر اندر آؤ۔ یہ واقعہ حضرت صفوان کے اسلام لانے کے بعد کا ہے۔''

ضخابیس کھیرے اور ککڑی کو کہتے ہیں اور جدایہ ہرن کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں' چاہے نر ہوں یا مادہ۔

اَلجَدی

الجدی۔ بکرے کے نر بچہ کو کہتے ہیں۔ نحوی نقطۂ نظر سے تین بکری کے بچوں کے لیے ثــلاثــه اجــدِ اور زیادہ کے لیے الــجــداء استعمال ہوگا۔

الجدی کا حدیث میں تذکرہ:

(۱) ''ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ ایک دن نماز پڑھ رہے تھے تو آپؐ کے سامنے سے ایک بکری کا بچہ گزرا تو آنحضور ﷺ اسے ہٹانے لگے۔''

(۲) ''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بکری کے بچہ کا واقعہ سنایا: فرمایا کہ بکریوں کے ریوڑ میں ایک بچہ تھا جس کو اس کی ماں دودھ پلا کر اس کا پیٹ بھرتی اور پرورش کرتی تھی۔ ایک دن وہ بچہ اپنی ماں سے علیحدہ ہوگیا (بھوکا پریشان پھرتا رہا) تو اس کے بعد اس کو تمام بکریوں نے دودھ پلایا لیکن وہ پھر بھی شکم سیر نہیں ہوا۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ مثال ان لوگوں کی ہے جو بعد میں آئیں گے کہ ان میں سے ہر ایک شخص کے پاس اتنا مال ہوگا کہ وہ پورے ایک قبیلہ اور ایک جماعت کو کافی ہوسکتا ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود وہ یہی کہے گا کہ یہ میرے لئے کافی نہیں ہے۔''

(۳) صـفـوة الصفوة وغیرہ میں حضرت مجاہد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے کہ اگر فرات کے قریب بکری کا چھوٹا بچہ بھی مرجاتا ہے تو مجھے خوف رہتا ہے کہ کہیں (قیامت کے دن) حق تعالیٰ اس کا مطالبہ نہ کردیں) کہ میں نے تیری نگرانی میں دیا تھا تو نے اچھی طرح نگہبانی کیوں نہیں کی۔

الطف: یہ کوفہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ نہر فرات کے قریب ہونے کی بناء پر اس کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

ضرب المثل

اہل عرب اگر کسی کو انتہائی محتاط رہنے کی تلقین کرتے ہیں تو کہتے ہیں:

تغدی بالجدی قبل ان یتعشی بک.

''بکری کے بچہ کو وقت شب استعمال کرنے سے پہلے ناشتہ میں استعمال کر کے دیکھ لو۔''

طبی خواص

بکری کے بچے کا گوشت ٹھنڈا، خشک اور زود ہضم ہوتا ہے۔ سرخ رنگ کی بکری کے بچہ کا گوشت زود ہضم ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین غذا کا کام دیتا ہے۔ اگرچہ یہ قولنج والے مریض کے لیے نقصان دہ ہے مگر شہد کا استعمال اس سے پیدا شدہ امراض کو فوراً ختم کر دیتا ہے۔ نیز زیادہ موٹے بچے کا گوشت دیر ہضم اور نقصان دہ ہوتا ہے۔

مجموعی اعتبار سے بکری کا گوشت پھوڑے پھنسی والے مریض کے لیے فائدہ مند ہے۔

بکری کے بچے کا گوشت سردیوں میں نقصان دہ اور گرمیوں میں فائدہ مند ہوتا ہے اور باقی دیگر موسموں میں متوسط رہتا ہے۔

خواب میں تعبیر

جدی کی تعبیر ولد (بچے) سے دی جاتی ہے۔ ذبح شدہ بکری کے بچے کو خواب میں دیکھنا بچے کی موت کی طرف اشارہ ہے (چاہے لڑکا ہو یا لڑکی) اور اگر بکری کے بچے کا بھنا ہوا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا تو یہ لڑکے کی موت کی طرف اشارہ ہے۔ اگر کسی شخص نے خواب میں یہ دیکھا کہ اس نے بکری کے بچے کے پائے کھائے ہیں تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ اس کو مصیبت سے بہت جلد چھٹکارا نصیب ہوگا۔ اور اگر بائیں پسلی کھاتے ہوئے دیکھا تو رنج و غم لاحق ہونے کا امکان ہے۔ بکری کے بچے کا اگلا حصہ کھاتے ہوئے دیکھنا عورتوں اور لڑکیوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور پچھلا آدھا حصہ کھاتے دیکھنا مردوں کی طرف اشارہ ہے۔ اور اگر کسی شخص نے یہ دیکھا کہ وہ بکری کے بچے کی بھنی ہوئی ٹانگ کھا رہا ہے اور وہ نرم ہے تو اس کی تعبیر یہ دی جائے گی کہ وہ شخص اس عورت کو دھوکہ دے رہا ہے جو اس کے ساتھ احسان کر رہی ہے اور اگر وہ سخت ہے تو یہ غیبت اور چغلی کی طرف اشارہ ہے۔ ان شاء اللہ اس کے بارے میں مزید تفصیل باب الخاء میں الحروف کے بیان میں آئے گی۔

اَجْدَلُ

(شکرا) اجدل شکرے کو کہتے ہیں جو باز کی ایک قسم ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کے معنی شدت (سختی) کے آتے ہیں۔ اس کو اَجْدَلُ اور اَجْدَلی بروزن اَعْجَم اور اعجمی بھی بولا جاتا ہے۔ اکثر علماء نحو نے اس کو غیر منصرف پڑھا ہے۔

ضرب الامثال

بِیْضُ القطا یَحْضُنَهُ الاجدل ''چیل کے انڈے کو شکرا سیتا ہے۔''

اہل عرب یہ مثال اس وقت دیتے ہیں جب کوئی شریف باعزت شخص اپنا ماویٰ و مرجع کسی ذلیل و کمینے شخص کو بنا لے۔

اَلُجذ ُعْ

بھیڑ کا ایک سالہ بچہ۔ الجذ ع (جیم اور ذال پر فتحہ) اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ بھیڑ کے چھ مہینے کے بچہ کو جَذَ عُ کہا جاتا ہے۔ بعض سات مہینے کے بچے کو کہتے ہیں حتیٰ کہ بعض نے آٹھ یا دس ماہ کی بھی قید لگائی ہے۔ لیکن راجح اور بہتر قول یہ ہے کہ بھیڑ کے ایک سالہ بچے کو جَذَ عُ کہتے ہیں۔ اسی کو علماء محققین اور اہل لغت نے تسلیم کیا ہے۔

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ بچے کے والدین (نر بھیڑ اور مادہ بھیڑ) کو دیکھا جائے گا۔ اگر وہ دونوں جوان اور طاقت ور ہیں تو چھ مہینے کے بچے پر جَذَ ع کا اطلاق ہوگا (کیونکہ اس صورت میں بچہ بھی تندرست ہوگا) اور اگر اس کے ماں باپ نحیف وکمزور ہوں تو آٹھ مہینے کے بچے کو جَذَ ع کہیں گے۔

بعض ماہرین حیوانات کی رائے یہ ہے کہ اگر بچے کی کمر پر بال (اون) جم جائیں تو اس صورت میں اس کو جَذَ ع کہا جائے گا۔ بکریوں میں دو سال والے بچے کو جَذ ع کہتے ہیں۔ صحیح قول کے مطابق ایک سال والے کو بھی کہتے ہیں۔ امام جوہریؒ فرماتے ہیں کہ دو سال سے کم والے بچے کو جَذَ ع کہتے ہیں۔ اس کی جمع جذعَانَ او اِجذَ ع آتی ہے اور مؤنث جِذعَة اور اس کی جمع جذعاتٌ آتی ہے۔

بہر حال بکری کے اس بچہ کو جو دوسرے سال میں ہو اور بھیڑ یا دُنبے کے اس بچے کو جو تیسرے سال میں ہو اور اونٹ کے اس بچے کو جو پانچویں سال میں ہو جذ ع کہا جائے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اونٹ بکری بھیڑ وغیرہ کے بچوں کی ایک خاص عمر ہونے پر ان کے لئے جذ ع کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نوجوانی میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا (ایک دن) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے درانحالیکہ آپ کفار مکہ (کے فریب سے) بچ کر آرہے تھے۔ آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا اے لڑکے! تیرے پاس ہمیں پلانے کے لیے دودھ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں مالک نہیں ہوں۔ میں تو صرف نگہبان ہوں اور لیے میں آپ حضرات کو دودھ پلانے سے معذور ہوں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی ایسی بکری لاؤ جس کے ساتھ جفتی نہ کی گئی ہو۔ میں نے فوراً آپؐ کی خدمت میں ایسی بکری پیش کر دی تو آپؐ نے دودھ دوہنے کے ارادہ سے اس کی ٹانگیں باندھیں اور تھن پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ پھر آپؐ نے دُعا فرمائی۔ آپؐ کی دُعا کی برکت سے تھنوں میں دودھ جمع ہونے لگا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑا سا پیالہ لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جس میں آپؐ نے دودھ نکالا (سب سے پہلے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا۔ پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پھر (سب سے بعد) میں نے بچا ہوا دودھ پیا۔ پھر آپؐ نے تھنوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اپنی پہلی حالت پر ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ اپنی جگہ پر اکٹھے ہو گئے۔ (جیسے پہلے تھے ویسے ہی حالت ہوگئی۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کو دیکھ کر آپؐ کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا حضور مجھے بھی اس طریقہ کی کوئی چیز سکھلا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم تو سیکھے سکھلائے ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر سورتیں سیکھیں جن میں کوئی میرا شریک نہیں۔

اورحدی البعث میں ورقہ ابن نوفل[1] کا جملہ منقول ہے قال یالیتنی فیھا جذعاً یعنی کاش حضور اکرم ﷺ کے ظہور نبوت کے وقت میں جوان ہوتا اور آپؐ کی مدد کرتا۔

(ترکیب) جذعاً مندرجہ بالا جملہ میں حال کی بنا پر منصوب ہے۔ فیھا کے اندر جو ضمیر ہے وہ ذوالحال ہے۔ ترکیبی عبارت اس طریقہ پر ہوگی یالیتنی مستقر فیھا جذعا۔

بعض حضرات نے فیھا کے پہلے کانَ فعل محذوف بھی مانا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ کَانَ فعل ناقصہ ہے جو محذوف نہیں مانا جاتا۔ ہاں اگر کوئی لفظی قرینہ موجود ہو تو اس صورت میں محذوف ماننا جائز ہے۔ جیسے اِنْ خَیْرًا وَ مَخَیْرٌ۔ اس جملہ میں لفظ ان شرطیہ قرینہ بن رہا ہے کہ یہاں کوئی فعل محذوف ہے۔ کیونکہ ''ان'' شرطیہ فعل پر داخل ہوتا ہے اسم پر نہیں اور یہاں اسم پر داخل ہو رہا ہے تو معلوم ہوا کہ یہاں فعل محذوف ہے۔

''علی بن صالح فرماتے ہیں کہ عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے اور ہر ایک ان میں سے جَذَع کھانا پسند کرتا تھا (بکری کا بچہ وغیرہ)''

حدیث:

''ابوعمر ابن عبدالبر تمہید میں بطریق صحیح روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے حضور اکرم ﷺ سے شجرہ طوبیٰ کے بارے میں دریافت کیا (کیا ہوتا ہے) آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ملک شام میں ایک درخت ہوتا ہے جو کو جَوزَاء (آخروٹ کا درخت) کہتے ہیں (وہ اس کے مشابہ ہوتا ہے) پھر آپؐ نے درخت کی تمام حالت اس اعرابی کے سامنے بیان فرمادیں۔ پھر اعرابی نے شجرۂ طوبیٰ کی جڑ کے بارے میں سوال کیا (کہ وہ کتنی موٹی ہوتی ہے؟) آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نوجوان اونٹ پر سوار ہو کر اس درخت کے چاروں طرف چکر لگانا چاہو تو لگا نہیں سکتے وہ نوجوان اونٹ بھی تھک کر اپنا دم توڑ دے گا۔''

---

[1] ورقہ بن نوفل، ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے۔ اپنے زمانے میں توریت وانجیل کے بہت بڑے عالم تھے۔ سریانی زبان سے عربی زبان میں انجیل کر ترجمہ کرتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں بت پرستی سے بیزار ہو کر نصرانی بن گئے تھے اور ظہور نبوت کے وقت یہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے۔

یہ جملہ ورقہ بن نوفل نے اس وقت کہا تھا جب حضور اکرم ﷺ پر غار حرا میں سب سے پہلے وحی کا نزول ہوا تھا۔ دفعتہً وحی کا نزول اور فرشتہ کے انوار وتجلیات کا حضور اکرم ﷺ کی بشریت پر اچانک نزول اور بار نبوت کے بنا پر آپؐ گھبرا کر حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور غار حرا میں جو واقعہ پیش آیا تھا وہ آپؐ نے بیان کر کے فرمایا کہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ میری جان نہ نکل جائے (وحی کی عظمت اور جلال سے آپؐ کو یہ خیال ہوا کہ اگر وحی کی یہی شدت رہی تو عجیب نہیں کہ میری بشریت وحی کے اس ثقل کو برداشت نہ کر سکے یا بار نبوت سے مغلوب ہو کر فنا ہو جائے)۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے تمام واقعہ سن کر آپؐ کو تسلی دی اور آپؐ کو اپنے ہمراہ لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور کہا کہ اے میرے چچازاد بھائی اپنے بھتیجے کا حال خود ان کی زبان سے سنئے۔ ورقہ نے آپؐ سے مخاطب ہو کر کہا اے بھتیجے بتلاؤ کیا دیکھا آپؐ نے تمام واقعہ بیان فرمایا۔ ورقہ بن نوفل نے آپؐ کے تمام حالات سن کر کہا یہ وہی ناموس فرشتہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اُترتا تھا۔ کاش میں تمہارے زمانۂ پیغمبری میں قوی اور توانا ہوتا جبکہ تمہاری قوم تم کو وطن سے نکال دے گی یا کم ازکم زندہ ہی ہوتا۔ آپؐ نے بہت تعجب سے فرمایا کیا وہ مجھ کو نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا کہ ایک آپؐ پر ہی موقوف نہیں۔ جو شخص بھی پیغمبر ہو کر اللہ کا کلام اور اس کا پیام لے کر آیا۔ لوگ اس کے دشمن ہو گئے۔ اگر میں نے آپؐ کا وہ زمانہ پایا تو میں نہایت زور سے آپ کی مدد کروں گا۔ مگر کچھ دن گزرنے نہ پائے کہ ورقہ بن نوفل کا انتقال ہو گیا۔

سہیلی نے "التعـریف والاعلام" نامی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ شجرۂ طوبیٰ کی جڑ جنت میں حضور اکرم ﷺ کے محل مبارک میں ہوگی اور اس کی شاخیں تمام اہل جنت کے مکانوں میں ہوں گی۔ جس طریقہ سے آپ کی ذات پاک سے علم وایمان پوری دُنیا میں پھیلا۔ نیز سہیلی نے اپنی مذکورہ کتاب میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ شجرہ طوبیٰ شجرہ جوزاء (اخروٹ کا درخت) کے مشابہ ہے۔

اَلْجَرَادُ

(ٹڈیا) الجراد مشہور ومعروف پرندہ ہے۔ واحد کے لیے جَـرَادَۃٌ استعمال ہوتا ہے۔ جَـرَادَۃٌ کا اطلاق نر یا مادہ دونوں پر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں تا تانیث کے لیے نہیں ہے بلکہ وحدت کی ہے۔ جس طریقہ سے نَمْلَۃٌ (چیونٹی) اور حمامۃٌ (کبوتر) نر اور مادہ دونوں پر بولا جاتا ہے۔ جَـرَادَۃٌ اسم جنس ہے اور یہ جَرْدٌ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی چمک دار وبہترین اور بے کار وبوسیدہ دونوں کے آتے ہیں جیسے ثـوبٌ جَـرْدٌ (چمک دار کپڑا) یا (بوسیدہ بیکار کپڑا) اہل لغت کہتے ہیں کہ اسماء اجناس میں اشتقاق بہت کم ہوتا ہے۔ اَلْـجَـرَادُ (ٹڈیوں) کی دو قسمیں ہیں: (۱) بری (۲) بحری یہاں بیان بری (خشکی) ٹڈی کا ہوگا۔

قیامت کے دن جب مردے اپنی اپنی قبروں سے اُٹھائے جائیں گے اور نفسی نفسی کا عالم ہوگا اور انسان پریشانی ومصیبت کے عالم میں چاروں طرف پھیل جائیں گے۔ اس وقت کی حالت کو حق تعالیٰ نے جرادٌ سے تشبیہ دی ہے۔

ارشاد باری ہے

يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ.

"جس دن لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے تو وہ ایسے معلوم ہوں گے جیسے ٹڈیوں کا لشکر جرار چاروں طرف پھیلا ہوا ہو۔"

یعنی اس دن انسانوں کا سمندر ہوگا جو پورے خطۂ ارض پر پھیلا ہوگا۔ اسی حالت کو حق تعالیٰ نے دوسرے انداز میں یوں بیان فرمایا:

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ

"اس دن تمام انسان بچھے ہوئے بستروں کی طرح ہوں گے۔"

تطبیق ان دونوں آیتوں میں اس طرح ہو سکتی ہے کہ قبروں سے فوراً اُٹھنے کے بعد تو کـالـفـراش المبثوث ہوں گے۔ پھر اس کے بعد جب وہ میدان حشر میں جائیں گے تو کانھم جرادٌ منتشر کی حالت میں ہوں گے۔

نر جرادۃ کو ابو عوف کہتے ہیں اور مادہ جرادٌ کو ام عوف کہتے ہیں۔ ابو عطاء السندی نے مندرجہ ذیل شعر میں جرارہ (ٹڈی) کے لئے ام عوف کا لفظ استعمال کیا ہے کہتے ہیں ؎

ما صفوا تکنی اُمّ عوفٍ کانَ رِجْلَتَیْهَا منجلان

"ٹڈی کی مادہ کی کنیت ام عوف ہے گویا کہ اس کے دونوں پیر منجھے ہوتے ہیں۔"

ٹڈیاں مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔ بعض بڑی ہوتی ہیں اور بعض چھوٹی اور بعض سرخ رنگ کی ہوتی ہیں اور بعض زرد رنگ کی اور بعض سفید رنگ کی۔

مسلمۃ بن عبد الملک بن مروان "صاحب الرائے" بہادر اور جری آدمی تھے۔ ان کا لقب (جرار الصفراء) زرد رنگ کی ٹڈی تھا۔ کئی مرتبہ مقام ارمینیہ اور آذربائیجان کے گورنر بنائے گئے۔

انہوں نے اپنے بھائی سلیمان کے دور خلافت میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ ان کی وفات ۱۲۱ھ میں ہوئی۔

عملیات

سینہ کے درد سے نجات حاصل کرنے کے لیے:

(۱) مسلمہ بن عبدالملک بن مروان معہ اپنی فوج و لشکر کے جب مقام عموریہ میں داخل ہوئے تو ان کے سینہ میں درد شروع ہو گیا۔ جس کی بناء پر وہ لڑائی میں شریک نہ ہو سکے۔ اہل عموریہ نے مسلمانوں سے سوال کیا کہ تمہارے کمانڈر میدان کارزار میں کیوں تشریف نہیں لائے۔ مسلمانوں نے جواب دیا۔ ان کے سینے میں بہت سخت درد ہے وہ لڑائی میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اہل عموریہ نے مسلمانوں کو ایک لباس دیا کہ یہ اپنے امیر کو پہنا دینا بہت جلد سینے کے درد سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔ لباس کے پہنتے ہی مسلمہ بن عبدالملک کے سینہ کا درد فوراً ختم ہو گیا۔ مسلمانوں کا بہت تعجب ہوا کہ اس میں ایسی کون سی چیز ہے جس کی بناء پر درد فوراً جاتا رہا۔ مسلمانوں نے اس لباس کو ادھیڑنا شروع کیا تو اس میں سے ایک پرچہ ملا جس پر مندرجہ ذیل آیتیں لکھی ہوئی تھیں:

بِسْمِ اللّٰہ الرحمٰن الرَّحِیْم

ذلک تخفیف من ربکم ورحمة بسم اللّٰہ الرَّحمٰن الرحیم الئن خفف اللّٰہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا. بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم یرید اللّٰہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم واذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم الم ترالی ربک کیف مد الظل ولو شاء لجعله ساکنا بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم وله ما سکن فی اللیل والنهار وهو السمیع العلیم.

مسلمانوں نے ان عیسائیوں سے پوچھا کہ یہ آیتیں تمہیں کہاں سے ملی ہیں۔ یہ تو ہمارے آقا سرکار دوجہاں ﷺ پر نازل ہوئی ہیں۔ اہل عموریہ نے جواب دیا کہ یہ آیتیں آپ کے نبی ﷺ کی بعثت سے سات سو سال قبل گرجے میں ایک پتھر پر لکھی ہوئی ملی تھیں۔

(۲) حافظ ابن عساکر کہتے ہیں کہ سینے کے درد کے لیے مندرجہ ذیل آیتیں لکھ کر باندھنا بہت ہی مفید و مجرب ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم. كٓهٰيٰعٓصٓ ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زكريا اِذْ نَادٰى ربه نِدَاءً خَفِيًّا قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا كهيعص حم عسق كم لِلّٰه مِنْ نِعْمَةٍ فِىْ كُلِّ عَبْدٍ شَاكِرٍ وَّغَيْرِ شَاكِرٍ وَكَمْ لِلّٰه مِنْ نِعْمَةٍ فِىْ كُلِّ عِرْقٍ سَاكِنٍ وَّغَيْرِ سَاكِنٍ اِذْهَبْ اَيُّهَا الصُّدَاعُ بِعَزِّ عِزِّ اللّٰه وَبِنُوْرِ وَجْهِ اللّٰه وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِى اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَصَلَّى اللّٰه عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

(۳) اگر کسی شخص کے سر میں درد ہو تو مندرجہ ذیل حروف لکڑی کی تختی پر لکھ کر یکے بعد دیگرے لوہے کی میخ (کیل) سے ان حروف کو دباتا رہے اور یہ آیت پڑھتا رہے ولو شاء لجعله ساکنا وله ما سکن فی اللیل والنهار وهو السمیع العلیم.

اور وہ حروف یہ ہیں: ''اح ا ک ک ح ع ح ام ح'' ان شاءاللہ جلد درد ختم ہو جائے گا۔

الجرادُ (ٹڈی) کے مختلف نام ہوتے ہیں۔ مثلاً جب یہ پیدا ہوتی ہے تو اس کا نام الدبی ہوتا ہے اور جب کچھ بڑی ہو جاتی ہے اور اس کے پر نکل آتے ہیں تو اس کو **غوغاء** کہا جاتا ہے اور جب ٹڈی زرد رنگ کی ہو جائے اور مادہ ٹڈی کالے رنگ کی ہو جائے تو اس وقت اس پر **جرادۃ** کا اطلاق ہوگا۔

اس جانور کا انڈے دینے کا عجیب طریق ہوتا ہے۔ جب یہ انڈے دینے کا ارادہ کرتی ہے تو ایسی سخت اور بنجر زمین کا انتخاب کرتی ہے جہاں کسی انسان کا گزر نہ ہوا ہو۔ پھر اس زمین پر دم سے اپنے انڈے کی بقدر سوراخ کرتی ہے جس میں وہ انڈا دیتی ہے۔ نیز وہیں رکھے رکھے زمین کی گرمی سے بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔

جَرادۃُ (ٹڈی) کی چھ ٹانگیں ہوتی ہیں دو سینے میں، دو بیچ میں اور دو آخر میں۔

ٹڈی ان جانوروں میں سے ہے جو لشکر کی طرح ایک ساتھ پرواز کرتی ہے اور اپنے سردار کے تابع اور مطیع ہوتی ہیں۔ اگر ٹڈیوں کا سردار پرواز کرتا ہے تو یہ بھی اسی کے ساتھ پرواز کرتی ہیں اور اگر وہ کسی جگہ اُترتا ہے تو یہ بھی اسی کے ساتھ اُتر جاتی ہیں۔

امام دمیریؒ فرماتے ہیں کہ ٹڈی کا لعاب نباتات کے لیے زہر قاتل ہے۔ اگر کسی نباتات پر پڑ جاتا ہے تو اسے ہلاک کر کے چھوڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ جس کھیت یا جنگل میں پہنچ جاتی ہے اس کو برباد کر دیتی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کی ہلاکت کی دُعا مانگی ہے۔

الجراد کا حدیث نبوی میں ذکر:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت ایوب[1] علیہ السلام برہنہ غسل فرما رہے تھے تو آپ پر حق تعالیٰ نے سونے کی ٹڈیوں کی بارش فرمائی جس کو آپؑ اپنے دامن میں سمیٹنے لگے تو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے ایوب! کیا ہم نے تم کو ان سے بے نیاز نہیں کر دیا؟ حضرت ایوب نے عرض کی کہ جی ہاں! لیکن آپ کی برکت سے تو بے نیاز نہیں ہوں۔'' (بخاری شریف)

طبرانی و بیہقی نے ابو زہیر سے بواسطہ شعبہ یہ روایت نقل کی ہے کہ:

''آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم ٹڈیوں کو ہلاک مت کیا کرو (کیونکہ) یہ تو حق تعالیٰ کا لشکر (فوج) ہے۔''

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جو مندرجہ بالا حدیث میں عدم قتل کا حکم فرمایا ہے یہ اس صورت میں صحیح ہے جب

---

[1] حضرت ایوب علیہ السلام مشہور پیغمبر ہیں کسی بنا پر بطور آزمائش شدید بیماری میں مبتلا ہوئے جس پر بے مثال صبر کا مظاہرہ کیا تا آنکہ عوام میں شہرت ہی حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کی ہوگئی۔ قرآن مجید نے ان کا ایک واقعہ مختصر بیان کیا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی اہلیہ جو پورے شغف سے آپؑ کی تیمارداری میں مصروف تھیں کہ ایک بار انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طویل بیماری کی شکایت کی جس پر حضرت ایوب علیہ السلام نے ناراض ہو کر انہیں تنبیہاً مارنے کی قسم کھائی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک جانب حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم کا ایفا اور دوسری طرف ان کی بیوی کی مخلصانہ تیمارداری کا خیال کرتے ہوئے یہ صورت نکالی کہ تم سونٹوں کا مجموعہ لے لو اور انہیں اپنی بیوی کے مار دو تاکہ قسم بھی پوری ہو جائے اور بیوی کی دل شکنی بھی نہ ہو۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے لمبی بیماری کے بعد ایک مرتبہ صرف اتنی دُعا کی کہ اللہ میں بیمار ہوں اور آپ ارحم الرحمین ہیں۔ اس پر ایک چشمہ نمودار ہوا جس سے غسل کرنے اور پینے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ غسل کرنے اور پینے سے تمام ظاہری اور باطنی بیماریاں ختم ہو گئیں۔ قرآن مجید نے حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کی تعریف کی ہے۔ چنانچہ آپؑ نے شفایاب ہونے کے بعد بحکم خداوندی اپنی قسم کو پورا کیا۔

تک کہ ٹڈی کھیتی وغیرہ کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔اور اگر یہ نقصان کا سبب بنے تو ان کو مارنا جائز ہے۔ جند کے معنی لشکر کے ہیں اور اس کی جمع اجناد اور جنود آتی ہے اور ارواح کی حدیث میں **جنود مجندہ** کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی لشکر کے ہیں جیسے **الوف مؤلفة** اور **قناطیر، مقنطرة**۔

''ابن عمران کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے آکر ٹڈی بیٹھی جس کے پروں پر لکھا ہوا تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی فوج ہیں اور ہمارے ننانوے انڈے ہوتے ہیں اور اگر پورے سو ہو جائیں تو ہم پوری دُنیا کو چٹ کر جائیں۔(اس کو پڑھنے کے بعد آپؐ نے یہ دُعا مانگی) **اَللّٰھُمَّ اَھْلِکِ الْجَرَادَ وَاقْتُلْ کِبَارَھَا وَاَمِتْ صِغَارَھَا وَاَفْسِدْ بَیْضَھَا وَسُدَّ اَفْوَاھَھَا عَنْ مَزَارِعِ الْمُسْلِمِیْنَ**.

جب آپؐ دُعا سے فارغ ہوئے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس میں سے آپؐ کی دُعا کا بعض قبول کر لیا گیا ہے (یعنی آپؐ کی اس دُعا کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ نے قبول کر لیا ہے) یا اس میں سے کچھ دُعا قبول کر لی ہے۔''

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''کہ میں اور میرا بھائی محمد بن حنفیہ اور میرے چچا کے لڑکے عبداللہ اور قثم اور فضل کھانا کھا رہے تھے کہ (اچانک) دسترخوان پر ایک ٹڈی آکر بیٹھ گئی جس کو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے پکڑ لیا اور مجھ سے پوچھا کہ اس کے پروں پر کیا لکھا ہوا ہے؟ میں نے اس سلسلہ میں اپنے والد محترم علی کرم اللہ وجہہ سے رجوع کیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے اس سلسلہ میں معلومات کی تھیں تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے پروں پر ''**اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا رَبُّ الْجَرَادِ وَرازقھا اِنْ شِئْتُ بَعَثْتُھَا رِزْقًا لِقَومٍ وَّاِنْ شِئْتُ بَعَثْتُھَا بَلاءً عَلٰی قَوْمٍ** لکھا ہوا ہوتا ہے۔(ترجمہ) میں معبود برحق ہوں جس کا کوئی شریک نہیں ٹڈیوں کا پروردگار ہوں ان کو رزق عطا کرتا ہوں اور اگر چاہوں [مشیت خداوندی میں اگر کسی قوم کے لیے حق تعالیٰ کا فضل و کرم لکھا ہوا ہوتا ہے] تو اس کو اپنی رحمت بنا کر بھیج دیتا ہوں اور اگر کسی قوم کی تقدیر میں ابتلاء و آزمائش لکھی ہوتی ہے تو اس کو (ٹڈی) ابتلاء و آزمائش کا سبب بنا دیتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ آپؐ کا یہ ارشاد تو مخفی علوم میں سے ہے۔'' (تاریخ نیشاپوری بحوالہ الطبرانی)

''حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ٹڈیاں مفقود ہو گئیں۔جس سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بہت غم ہوا۔آپ نے ٹڈیوں کو تلاش کرنے کے لیے چاروں طرف آدمی دوڑا دیئے کسی کو شام کی طرف بھیجا، کسی کو عراق کی طرف اور کسی کو یمن کی جانب، جو یمن کی جانب ٹڈی تلاش کرنے گیا تھا اس نے تلاش کر کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دی جس کو دیکھ کر (آپ کا غم ہلکا ہوا) آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ایک ہزار مخلوق کو پیدا کیا ہے جس میں سے چھ سو دریا میں رہتی ہیں اور چار سو خشکی میں اور جب حق تعالیٰ مخلوق کو فنا کرنے کا ارادہ کرے گا تو سب سے پہلے ٹڈیاں فنا کی جائیں گی پھر اس کے بعد یکے بعد دیگرے دوسری مخلوق۔''

ابن عدی نے محمد بن عیسیٰ کے ترجمہ میں اور ترمذی نے نوادرات میں یہ بات ذکر کی ہے کہ تمام مخلوق میں سب سے پہلے ٹڈیوں کو ہلاک کیا جائے گا کیونکہ یہ ٹڈی اس مٹی سے پیدا کی گئی ہیں جو حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیدا کرنے کے بعد بچ گئی تھی۔

امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ مجھ سے حسان نے یہ بات بیان کی ہے کہ شیطان کی مثال کثرت تعداد میں اس جنگل کی سی ہے کہ جس

میں صرف ٹڈیاں ہی ٹڈیاں ہوں اور اگر وہاں کسی انسان کا گزر ہو جائے تو چاروں طرف کو اُڑنے لگیں (مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں شیاطین کافی تعداد میں موجود ہیں' اس بات کی تائید اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک شیطان پیدا ہوتا ہے۔ نیز آگے حسان فرماتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ شیاطین کو انسانوں پر مخفی نہ کرتے تو ہر جگہ شیطان ہی شیطان دُنیا میں نظر آتے۔

ابن میسرہ کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام اکثر ٹڈی کا گوشت اور پھلوں کا گودہ استعمال فرمایا کرتے تھے اور اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتے تھے کہ اے یحییٰ تو کس قدر خوش نصیب ہے کہ تو اکثر ٹڈی کا گوشت اور پھلوں کا گودا کھاتا ہے۔

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ ٹڈی میں مختلف جانوروں کی دس چیزیں پائی جاتی ہیں (۱) گھوڑے کا چہرہ ہونا (۲) ہاتھی کی آنکھ (۳) بیل کی گردن (۴) بارہ سنگا کے سینگ (۵) شیر کا سینہ (۶) بچھو کا پیٹ (۷) گدھ کے پر (۸) اونٹ کی ران (۹) شترمرغ کی ٹانگ (۱۰) سانپ کی دم ہوتی ہے۔

ٹڈی کے بارے میں قاضی محی الدین شہرزوری نے کتنا بہترین شعر کہا ہے ؎

لَهَا فَخِذَابكْرٍ وَ ساقَا نَعَامَةٍ وَ قَد مَتَا نَسْرٍ وَ جُرُ جُرُ ضيغم

حَبَتهَا اَفَاعِى الْاَرْضَ بَطْنَا وَ اَنعَمَتُ عَلَيْهَا جِيَادُ الْخَيلِ بِالراْسِ وَالْفَم

''ٹڈی کی رانیں بکری کی طرح ہیں اور اس کی پنڈلیاں شترمرغ کے انداز میں اور اس کے دونوں پیر گدھ کی طرح ہیں اور گلا شیر سے ملتا جلتا' حشرات الارض اس کا رزق ہیں اور بہترین گھوڑوں کے سر اور منہ جیسا بنا کر اس کی خوب صورتی میں اضافہ کر دیا۔''

قاضی محی الدین شہرزوری کا مندرجہ ذیل شعر بھی بہت عمدہ اور پسندیدہ ہے جس پر انہوں نے بارش میں اولے پڑنے کی حالت بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

وَ لَمَّا شَابَ رَأس الدَهرِ غَيظًا لَمَّا قَاسَاهُ مِن فَقْدِ الكرامِ

اَقَامَ يَمِيطُ عِندَ الشَيْبِ غَيْظًا وَ يَنْثُرُ مَا اَمَاط على الانام

''جب زمانے میں غیظ وغضب کی آگ بھڑک اُٹھی اور دُنیا شریفوں سے خالی ہوگئی تو بڑھاپے کو ازراہ غضب دور کرنے کے لیے تل گئے اور لوگوں کے اوپر وہ چیز برسائی گئی جو سفید سفید ہے۔''

۵۸۶ھ میں قاضی محی الدین شہرزوری کی وفات ہوئی۔ دمیریؒ فرماتے ہیں ٹڈی ماکول اللحم جانوروں میں سب سے زیادہ بیماری کی جڑ ہے۔

امام اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دیہات میں پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ کسان گیہوں کی کاشت کر رہا ہے اور گیہوں کی بالیں ہوا میں لہرا رہی ہیں۔ اچانک ٹڈی دل آیا تو یہ شخص ٹڈی کے آنے کی وجہ سے پریشان ہو گیا اور جب اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے تو اس نے یہ شعر پڑھنے شروع کر دیئے ؎

مَرَّ الْجَرَادُ عَلٰى زرعى فَقُلْتُ لَهٗ لَاتَاكُلَنَ وَلَا تَشْغِلُ يَا فَسَادِ

فَقَامَ مِنْهُمْ خَطِيْبَ فَوْقَ سُنْبلَةٍ اَنَا عَلٰى سَفْرٍ لَابُدَّ مِنْ زَادِ

''ٹڈیاں میرے کھیتوں میں پڑیں تو میں نے ان سے کہا کہ مت چاٹیو اور میرے لیے کوئی خرابی مت پیدا کیجیو' تو ایک خدشہ پر بیٹھے ہوئے ٹڈی کے ترجمان نے جواباً کہا کہ ہم سفر میں ہیں اور سفر میں توشہ ضروری ہے۔''

عملیات و وظائف

ٹڈی سے حفاظت کے لیے مندرجہ ذیل کلمات کو لکھ کر بانس کی نلکی میں بند کر کے کھیت یا انگور کے باغ میں دفن کرنے سے کھیتی وغیرہ ٹڈی کے ضرر سے محفوظ رہے گی۔ بہت مجرب ہے۔ کلمات یہ ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ. اَللّٰهُمَّ اَهْلِکْ صِغَارَ هُمْ وَاقْتُلْ كِبَارَهُمْ وَاَفْسِدْ بَيْضَهُمْ وَخُذْ بِاَفْوَاهِهِمْ عَنْ مَعَايِشِنَا وَاَرْزَاقِنَا اِنَّکَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ اِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّي عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَاسْتَجِبْ مِنَّا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

ٹڈی سے حفاظت اور اس کو بھگانے کے لیے یہ عمل بھی بہت مجرب ہے جس کو یحیٰی بن عبداللہ قرشی نے بارہا آزمایا ہے۔ علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ ایک بلند پایہ عالم نے بھی اس کے افادہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس وقت عالم کا نام میرے ذہن سے نکل گیا ہے۔ نیز ان کے علاوہ اور دیگر حضرات نے بھی اس عمل کو کیا اور مجرب پایا۔ وہ عمل یہ ہے:

اگر کسی شہر قریہ یا گاؤں میں ٹڈیوں کی کثرت ہو۔ شہر والے ان سے تنگ آ گئے ہوں تو چاہیے کہ چار ٹڈی پکڑیں اور چاروں کے پروں پر مندرجہ ذیل قرآن آیت لکھ کر جس سمت یا جس شہر کا نام لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے گا تمام کی تمام اسی سمت کی طرف چلی جائیں گی۔

پہلی ٹڈی کے پروں پر یہ آیت لکھے: **فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.**

دوسری ٹڈی کے پروں پر آیت لکھے: **وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ.**

تیسری کے پروں پر یہ لکھے: **ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ.**

چوتھی کے پروں پر یہ لکھے: **فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ.**

ٹڈی کا شرعی حکم

ٹڈی کا گوشت مباح ہے۔ اس پر تمام علماء کرام کا اجماع ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

''حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی جس میں ہم ٹڈی کا گوشت استعمال کرتے تھے۔''

مندرجہ بالا حدیث شریف کو ابوداؤد و بخاری اور حافظ ابونعیم نے نقل کیا ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ بھی ہمارے ساتھ ٹڈی کا گوشت تناول فرماتے تھے۔

''ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ ازواج نبی ﷺ آپؐ کی خدمت میں ٹڈی کا گوشت پیش کرتی تھیں۔''

''موطا میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ٹڈی کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کا گوشت پسند ہے۔''

''مریم بنت عمران علیہا السلام نے دُعا کی کہ مجھے کوئی ایسا گوشت کھلایئے جس میں خون نہ ہو۔ اس دُعا پر اللہ تعالیٰ نے ٹڈی ان کے لیے بھیجی۔ مریم علیہا السلام نے پھر دُعا کی کہ اے خدا اس مخلوق کو زندہ رکھ بغیر دودھ کے اور ان کا سفر ہو بغیر کسی شور وغل کے۔ میں نے پوچھا ابوالفضل شباع کے معنی کیا ہیں؟ تو آپؒ نے فرمایا آواز کرنا' شور وغل کرنا۔''

ماقبل میں یہ بات آچکی ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام ٹڈی کا گوشت اور پھلوں کا گودہ تناول فرمایا کرتے تھے۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک ٹڈی کا گوشت پاک ہے اور ان کا کھانا جائز ہے چاہے وہ ٹڈی اپنی موت مری ہو یا اس کو ذبح کیا گیا ہو۔ حتیٰ کہ چاہے کسی غیر مسلم نے ہی کیوں نہ شکار کیا ہو۔ ہر صورت ماکول اللحم ہے۔

نیز امام احمد بن حنبل کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر ٹھنڈک کی شدت سے وہ حلال ہوئی ہے تو اس صورت میں اس کا گوشت نہیں کھایا جائے گا اور مالک علیہ الرحمہ کیمذ ہب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ٹڈی کے سر کو جدا کر دیا گیا تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

نیز ٹڈی کی حلت اس حدیث شریف سے بھی ثابت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہمارے لیے دو میتہ (مچھلی اور ٹڈی) اور دو خون (جگر اور تلی) حلال کر دیئے گئے۔''

اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا اس پر بری شکار کے احکام مرتب ہوں گے یا بحری کے' یعنی یہ خشکی کا شکار ہے یا دریائی۔ بعض نے ٹڈی کو خشکی کا شکار مانا ہے اور بعض نے دریائی۔ جو لوگ دریائی شکار میں اس کا شمار کرتے ہیں تو وہ دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

''ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹڈیوں کے لیے بددُعا کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ اے اللہ! بڑی ٹڈیوں کو ہلاک و برباد کر دے اور چھوٹی ٹڈیوں کو ختم کر دے اور ان کی بھیڑ مٹا دے اور ان کا منہ بند کر دے تاکہ ہمارے ذریعہ معاش (کھیتی باڑی وغیرہ) کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ آپ دُعاؤں کے سننے والے ہیں۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ تعالیٰ کے لشکر کے بارے میں ان کی نسل ختم ہونے کی کیوں بددُعا فرما رہے ہیں؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ٹڈیاں سمندری مچھلیوں کی چھینک سے پیدا ہوتی ہیں۔''

مطلب اس ارشاد کا یہ ہوا کہ ٹڈیاں بحری شکار ہیں جنہیں بحالت احرام شکار کیا جا سکتا ہے۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج یا عمرہ کرنے کے لیے نکلے تو (راستہ میں) ہمیں ٹڈیوں کا ایک بہت بڑا لشکر ملا۔ ہم ان کو جوتوں اور کوڑوں سے مارنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا: ان کو پکڑ کر کھاؤ' یہ تو دریائی شکار ہے۔''

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ ٹڈی بری شکار میں سے ہے۔

اس لیے حالت احرام میں اگر کسی نے اس کو ہلاک کر دیا تو اس پر شرعی تاوان واجب ہوگا (معلوم ہوا کہ یہ بری شکار میں سے ہے۔ اگر بحری (دریائی) شکار میں سے ہوتا تو اس پر تاوان شرعی واجب نہ ہونا چاہیے تھا۔

ٹڈی کے بارے میں مذکورہ بالا مسلک بڑے بڑے فقہاء کا ہے۔ جس میں حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی اور حضرت ابن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے شامل ہیں۔

عبدری فرماتے ہیں کہ اسی قول کو بڑے بڑے اہل علم کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے کہ یہ خشکی کا شکار ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حالت احرام میں ٹڈی کا شکار کرنے سے ضمان واجب نہیں ہوتا کیونکہ یہ دریائی شکار ہے اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

''اور جو لوگ ٹڈی کو دریائی شکار مانتے ہیں وہ ابوالمہزم کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ٹڈیوں کا ایک بہت بڑا لشکر ملا ہم میں سے ایک شخص جو حالت احرام میں تھا۔ٹڈیوں کو کوڑوں سے مارنے لگا تو اس شخص کو تنبیہ کی گئی کہ حالت احرام میں شکار کرنا درست نہیں ہے۔'' (رواہ ابوداؤد، ترمذی وغیرہما)

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ دریائی شکار ہے۔

جمہور علماء مندرجہ بالا حدیث شریف کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں ایک راوی ابوالمہزم غیر ثقہ ہیں جن کی روایت نا قابل اعتماد ہے۔

اور جمہور کی دلیل یہ حدیث شریف ہے جس کو حضرت امام شافعیؒ نے بطریق صحیح یا حسن عبداللہ بن ابوعمار سے نقل کی ہے۔فرماتے ہیں کہ:

''میں اور معاذ بن جبل اور کعب ایک جماعت کے ساتھ جو حالت احرام میں تھی، بیت المقدس سے عمرہ کرنے کی غرض سے آرہے تھے۔ابھی ہم نے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ ٹڈیوں کا ایک عظیم الشان لشکر آتا ہوا دکھائی دیا تو حضرت کعب نے جو بہت بہادر قسم کے انسان تھے اس میں سے دو ٹڈی کو پکڑ کر ہلاک کر دیا اور یہ یاد نہ رہا کہ وہ حالت احرام میں ہیں، جب ان کو یاد دلایا گیا تو انہوں نے فوراً وہ ٹڈی پھینک دی۔ابوعمار فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کعب نے اپنا ٹڈی والا واقعہ بیان کیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام واقعہ سن کر فرمایا کہ اس جرم کی تلافی میں آپ نے کچھ صدقہ وغیرہ کر دیا یا نہیں؟ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں امیر المؤمنین! دو درہم خرچ کئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر فرمایا۔واہ واہ دو درہم تو سو ٹڈیوں کے مقابلہ میں بھی زیادہ ہیں تم تو صرف اتنا ہی صدقہ دیتے جتنا کہ تم نے جرم کیا ہے۔''

اور امام شافعیؒ نے فرمایا:

''حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے (ایک مسئلہ پوچھا) کہ اگر کوئی شخص احرام کی حالت میں ٹڈی کو ہلاک کر دے تو اس پر کیا واجب ہوگا؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ غلہ کی ایک مٹھی بھر کر خیرات کر دو۔''

اور ایک مٹھی میں تو آپ بہت ساری ٹڈیاں حاصل کر سکتے ہیں (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ) کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک مٹھی غلہ سے آپ ٹڈی خریدنا چاہیں تو بہت ساری ٹڈیاں حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا ٹڈی کی بھی قیمت لگائی جا سکتی ہے۔یعنی امام شافعیؒ کے نزدیک مندرجہ بالا حدیث کی وجہ سے ٹڈی مال متقوم ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے حالت احرام میں ٹڈی کو ہلاک کر دیا چاہے جان بوجھ کر یا بھول کر، تو ہر صورت میں ضمان واجب ہوگا اور اگر ٹڈیوں کا لشکر سد راہ بنا ہوا ہو اور روندے ہوئے چارۂ کار نہ ہو تو ہلاک کرنے کی صورت میں کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا۔

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی جگہ ٹڈیوں کی کثرت ہو تو اس میں خرید و فروخت جائز ہے۔

امام رافعی نے باب الربا میں ٹڈی کے بارے میں تین باتیں ذکر کی ہیں:

(۱) یہ گوشت والے جانوروں میں سے نہیں۔ (۲) گوشت والے خشکی کے جانوروں میں سے ہے۔

(۳) لحم والے دریائی جانوروں میں سے ہے۔

موفق ابن طاہر کا ایک قول ٹڈیوں کے بارے میں یہ ہے کہ اس کا دریائی جانوروں میں شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ مچھلی کے فضلہ سے پیدا ہوتی ہے۔

ضرب المثل

(۱) اہل عرب کہتے ہیں **تمرة خیر من جرادة و اطیب من جرادة**. ''ایک کھجور ٹڈی سے، بہتر ہے اور ٹڈی سے زیادہ لطیف ہے۔''
مطلب یہ کہ دونوں اگرچہ حقیر ہیں لیکن کھجور پھر بھی بہتر ہے۔

(۲) عرب کہتے ہیں: **وجاء القوم کالجراد المنتشر ای متفرقین**. ''آنے والے ٹڈی دل کی صورت میں آئے جبکہ وہ منتشر انداز میں آئے ہوں۔''

(۳) **و أجرد من الجراد وأغوی من غوغاء الجراد**. ''یعنی کہ فلاں ٹڈی سے زیادہ برہنہ یا ٹڈی سے زیادہ شور انگیز ہے۔''

(۴) **کالجراد لا یبقی ولا یذر**. ''وہ ٹڈی کے طریقہ پر سب چاٹ گیا'' یہ مثال اس وقت بولتے ہیں جب معاملہ سنگین ہو جائے اور کسی نے کسی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہو۔

(۵) **احمی من مجیر الجراد**. ''ٹڈیوں کو پناہ دینے والے سے بھی زیادہ کارآمد۔''

یہ مثال مدلج ابن سوید الطائی سے چلی ہے۔ کلبی نے لکھا ہے کہ مدلج ایک روز تنہا اپنے خیمہ میں پہنچا تو وہاں قبیلہ طے کے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان کے ہاتھوں میں برتن تھے۔ مدلج بولا کہ کیا معاملہ ہے؟ تو انہوں نے کہا ٹڈیاں تمہارے کھیتوں میں پڑ گئی ہیں اور ہم یہ برتن لے کر آئے ہیں تا کہ انہیں پکڑ لیں اور ان برتنوں میں لے جائیں۔ مدلج یہ سنتے ہی نیزہ بدست گھوڑے پر سوار ہوا اور بولا کہ اگر تم نے ٹڈیوں پر ہاتھ ڈالا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی میری پناہ میں آئے اور تم لوگ اسے پکڑو۔ اس کے بعد مدلج برابر کھیت کی حفاظت کرتا رہا تا آنکہ دھوپ تیز ہو گئی۔ اور ٹڈیاں اُڑ گئیں تو مدلج نے اپنی قوم والوں سے کہ اب جو چاہو کرو ٹڈیاں اب میری پناہ سے نکل چکی ہیں۔

احمیٰ من مجیر الجراد. سے مثال دینے کا مطلب یہ ہے کہ ٹڈیوں کو مدلج جیسا محافظ سے بھی زیادہ کارآمد محافظ مل گیا ہے۔

ٹڈی کے طبی خواص

رُک رُک کر پیشاب آنے والے مریض کو ٹڈی کی دُھونی دینا بہت مفید ہے۔

استسقاء (بار بار پیاس لگنا) والے مریض کے لیے مجرب نسخہ:

- اگر کوئی شخص استسقاء کا مریض ہو تو اس کو چاہیے کہ بارہ ٹڈیوں کے سر اور ہاتھ پیر لے کر اس میں درخت ریحان کی خشک چھال ملا کر پیئے۔ ان شاء اللہ بہت جلد اس مرض سے نجات حاصل ہو گی۔
- چوتھیا بخار کے لیے لمبی گردن والی ٹڈی کا تعویذ بنا کر پہننے سے چوتھے دن آنے والا بخار فوراً ختم ہو جائے گا۔

○ اگر کسی شخص کے چہرہ پر چھائیاں ہوں تو وہ ٹڈی کا انڈا اپنے چہرہ پر ملے' بہت جلد چھائیاں ختم ہو کر چہرہ صاف وشفاف ہو جائے گا۔

ٹڈی کی خواب میں تعبیر

ٹڈی کی خواب میں تعبیر اللہ تعالیٰ کے لشکر اور اس کے عذاب سے دی جاتی ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات میں سے ہے۔

اور چھوٹی ٹڈی کو خواب میں دیکھنا بد اخلاق و بد کردار سے سابقہ پڑنے کی طرف اشارہ ہے۔ اگر کسی شخص نے یہ دیکھا کہ اس نے ٹڈیوں کو کسی برتن یا مٹکے میں بھر لیا ہے تو اس کی تعبیر دی جائے گی کہ اس کو درہم و دنانیر حاصل ہوں گے۔

ایک شخص ابن سیرینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے خواب کی تعبیر پوچھی کہ میں نے رات کو یہ خواب دیکھا ہے کہ میں نے ٹڈیوں کو پکڑ کر مٹکے میں جمع کر رہا ہوں' تو ابن سیرین نے اس کی تعبیر یہ دی کہ تم کو مال و دولت حاصل ہوگا جس کی بدولت تم شادی کرو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اگر کسی شخص نے یہ دیکھا کہ اس پر سونے کی ٹڈیوں کی بارش ہوئی ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ حق تعالیٰ اس کے نقصان کی تلافی کرنا چاہتے ہیں۔ کبھی کبھی اس کی تعبیر سپاہیوں سے بھی دیتے ہیں جو اس جگہ آئیں گے اور ان کا نقصان ٹڈیوں کی تعداد کے لحاظ سے ہوگا۔ اگر کسی نے دیکھا کہ فوجی یا لشکری کسی جانی پہچانی زمین یا کسی جانے پہچانے گاؤں میں پھر رہے ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس جگہ ٹڈیوں کا لشکر آئے گا۔

الجراد البحری

دریائی ٹڈی۔ **الجراد البحری**۔ شریف کہتے ہیں کہ ایک جانور ہوتا ہے جس کا سر چوکور ہوتا ہے اور اس کے دونوں جانب مکڑی کی طرح لمبے لمبے دس ہاتھ ہوتے ہیں۔ یہ زیادہ تر مغربی علاقوں میں سمندر کے قریب پائی جاتی ہیں۔ لوگ عام طور پر ان کو بھون کر یا پکا کر کھاتے ہیں۔ یہ جانور ایک روٹی کے بقدر بڑا ہوتا ہے اور اس کے باریک باریک دو سرخ سینگ ہوتے ہیں اور اس کے قریب دو چمکتی ہوئی آنکھیں ہوتی ہیں۔ اگر اس کو تندور میں بھون کر کھائیں تو بہت لذیذ لگتی ہیں۔

طبی خواص

دریائی ٹڈی گرم اور خشک ہوتی ہے۔ اس کا گوشت جذام والے مریض کے لیے بہت مفید ہے۔

الجرارہ

الجرارۃ بچھو کی ایک قسم ہوتی ہے۔ زمین پر اپنی دم کو گھسیٹ کر چلتا ہے۔ مفصل بیان باب العین میں آئے گا۔

یہ انجذ ان درخت کے پتہ کے بقدر بڑا زرد رنگ کا چھوٹا بچھو ہوتا ہے اور کھائی (گڑھا) میں پیدا ہوتا ہے اور اکثر کہارات السکر میں پایا جاتا ہے۔

موسیٰ بن عبداللہ اسرائیلی کہتے ہیں کہ الجرارہ بچھو کی ایک قسم ہے جو ہلکے پھلکے جثہ کا ہوتا ہے اور اپنی دُم جسم پر نہیں رکھ سکتا۔ جس طریقہ سے دوسرا بچھو کر سکتا ہے۔ بلکہ اپنی دُم کو زمین پر گھسیٹ کر چلتا ہے۔ عام طور پر مشرقی ممالک میں پایا جاتا ہے۔

جاحظ کہتے ہیں کہ یہ اگر کسی کو ڈس لے تو اس کو ہلاک کر دے۔ نیز اس کے ڈسنے کی بنا پر اس کا گوشت سڑ جاتا ہے اور بدبو اُٹھنے لگتی ہے۔ کوئی اس کے پاس جانا بھی گوارا نہیں کرتا۔

بچھو کی یہ قسم گھاس اور اُگنے والی جگہ کو پسند کرتی ہے اور اس کا زہر گرم اور جلا دینے والا ہوتا ہے۔ ابن جمیع اپنی کتاب "الارشاد" میں لکھتے ہیں کہ الجرارہ بچھو کی ایک قسم ہے اور اس کا زہر گرم اور خشک ہے۔

اَلجُرُذُ

نر چوہا۔ اَلـجُـرَذُ (جیم پر ضمہ را پر فتحہ) ابن سیدہ کہتے ہیں کہ یہ خاکستری رنگ کا چوہا ہوتا ہے جو یربوع چوہے (جس کی اگلی ٹانگیں چھوٹی اور پچھلی ٹانگیں بڑی ہوتی ہیں) سے بڑا ہوتا ہے۔ اس کی دم کالی ہوتی ہے۔

جاحظ کہتے ہیں کہ اس کے اور عام چوہوں کے درمیان فرق صرف اتنا ہے کہ جتنا بھینس اور گائے۔ بختی اونٹ اور عربی اونٹ کے مابین ہوتا ہے۔ مقام انطاکیہ اور شہر خراسان کے چوہے نہایت ہی طاقت ور ہوتے ہیں۔ بلی بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

جاحظ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن جزر (چوہے) کو بلی سے لڑتے ہوئے دیکھا جو بہادری سے اس پر حملہ کر رہا تھا۔ اچانک اس نے بلی کی آنکھوں پر حملہ کر کے اس کی آنکھ پھوڑ دی۔ پھر وہاں سے بہت جلد غائب ہو گیا۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ اگر اس کو خصی کر دیا جائے تو یہ تمام چوہوں کو اپنا لقمہ بنا لے یعنی سب کو ہڑپ کر جائے۔ خصی ہونے کی حالت میں اس کے اندر غیرت وشجاعت بہت بڑھ جاتی ہے بخلاف دیگر حیوانات کے کہ ان کے اندر خصی ہونے کے بعد کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔

دمیریؒ فرماتے ہیں کہ الجُرُذُ کی جمع جُرذان آتی ہے جیسے صُرَدٌ کی جمع صُرْدان آتی ہے۔

ارض جـرذة ای ذات جـرذان ارضٌ (بہت چوہوں والی زمین) اس زمین کو کہا جاتا ہے جہاں پہ کثرت سے چوہے موجود ہوں۔ نیز الجُرُذُ کی کنیت ابوجوال' ابوالعدرج ہے۔ مفصل بیان ان شاءاللہ باب الفاء میں آئے گا۔

حدیث شریف میں جرذ کا ذکر:

"ابوداؤد' ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کسی ضرورت کے پیش نظر مقام بقیع خبخبہ (دونوں خا پر فتحہ ہے اور پہلی با ساکن ہے) جو مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ ہے تشریف لے جارہے تھے کہ جب ان کا گزر ایک ویرانہ سے ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جـرَذ (چوہا) سوراخ سے ایک ایک دینار نکال رہا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے سترہ دینار نکالے۔ پھر اس چوہے نے سوراخ میں سے ایک سبز رنگ کے کپڑے کا کنارہ نکالا۔

حضرت ضباعہ بن زبیر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت مقداد ان دنانیر کو لے کر بارگاہ رسالت میں پہنچے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تمام واقعہ بیان فرما کر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں ان کو آپ کی خدمت بابرکت میں بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ تم نے سوراخ سے اپنے ہاتھ سے تو نہیں نکالے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے' میں نے اپنے ہاتھ سے نہیں

نکالے۔اس کے بعد آقائے نامدار سرور کائنات حضور اکرم ﷺ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کو آپ ہی استعمال کرو حق تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے گا۔

ایک روایت میں آپؐ کے یہ الفاظ ہیں کہ آپؐ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ یہ رزق ہے جس کو حق تعالیٰ نے تمہارے لیے بھیجا ہے۔''

صحیح مسلم میں سعید ابن عروبہ نے حضرت سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی قیس کے کچھ لوگ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم قبیلۂ ربیعہ کے لوگ ہیں۔ (سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی گفتگو نقل کی) یہاں تک کہ ان لوگوں نے آپؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم کس برتن میں پانی پیا کریں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ چمڑے کے پیالوں میں، تو ان لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہماری بستی میں چوہوں کی بہت کثرت ہے جس کی بنا پر چمڑے کے پیالے محفوظ نہیں رہ سکتے۔آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ ان ہی کو استعمال کرو چاہے وہ ان کو کھا ہی کیوں نہ لیں۔اگرچہ چوہے ان کو کھالیں، یہ ارشاد مبارک آپؐ نے مکرر فرمایا۔''

لطیفہ

ایک عورت قیس ابن سعد بن عباد بن ولیم کے پاس آئی جو بردباری اور سخاوت میں مشہور تھا۔اس نے اپنا حال اس سے ذکر کیا کہ میرے گھر میں چوہے لکڑی کے سہارے چلتے ہیں (اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے گھر میں کھانے کے لیے اتنا بھی نہیں ہے کہ جس سے چوہے پیٹ بھر لیں۔لاغری کی وجہ سے وہ بھی عصاء کے سہارے چلتے ہیں) قیس ابن سعد ابن عبادہ بن ولیم نے اس عورت کو جواب دیا کہ میں ان کو ایسا کردوں گا کہ وہ اسود سانپ کی طرح کودنے لگیں گے (مطلب یہ تھا کہ میں اس قدر دوں گا جس سے تیرے گھر میں کشادگی آجائے گی اور چوہے بھی پیٹ بھر کر کھیلنے لگیں گے)۔اس کے بعد قیس نے اس کا گھر سامان خورد و نوش (کھانا چربی سالن وغیرہ) سے بھروا دیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ قیس بن سعد بن عبادہ بن ولیم کا لوگوں پر بہت سا قرضہ تھا۔اچانک یہ بیمار ہوا اور اس بیماری سے اچھا ہونے میں اس کو کچھ تاخیر ہوئی تو اس سے کہا گیا کہ لوگ صرف تمہارا قرضہ ادا کرنے کے لیے زندگی گزار رہے ہیں (اس جملہ سے مراد مقروضوں کی پریشان حالی کا ذکر کرنا مقصود تھا) تو یہ سن کر اس نے منادی کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ آواز لگائے کہ قیس بن سعد کا جس پر قرضہ ہو وہ اس سے بری ہے۔یہ سن کر لوگ خوشی میں اتنی تعداد میں آئے کہ جس سیڑھی یا زینے پر لوگ اس کے پاس جانے کے لیے چڑھتے تھے اس کو بھی گرا دیا۔

عروہ کہتے ہیں کہ قیس ابن سعد دُعا اس طریقہ سے مانگتے تھے کہ اے اللہ مجھ کو مال عطا فرما کیونکہ نیک اور اچھے کام بغیر مال کے نہیں ہوتے۔

عروہ کہتے ہیں کہ قیس بن سعد دُعا اس طریقہ سے مانگتے تھے کہ اے اللہ مجھے محبوبیت اور عزت عطا فرما۔کیونکہ بزرگی نیک کام کے بغیر نہیں ملتی اور نیک کام بغیر مال کے نہیں ہوتے۔اے اللہ! تھوڑی چیز مجھ کو اچھا نہیں کر سکتی اور نہ میں اس کو اچھا کر سکتا ہوں۔

یحییٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ قیس ابن سعد بن عبادہ جب فرض نمازوں سے فراغت حاصل کرتے تو کہتے اے اللہ! مجھے ایسا مال عطا فرما جس سے میں نیکیوں پر مدد حاصل کرسکوں۔کیونکہ نیکیاں بغیر مال کے اچھی نہیں ہوتیں۔

فائدہ: جوہری کہتے ہیں کہ فَعْلٌ فتح کے ساتھ فَعَلَ يَفْعَلُ کا مصدر ہے اور کسرہ کے ساتھ اسم ہے۔جیسے **وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ**

اُلْخَیْرَاتِ اس کی جمع فعال آتی ہے جسے قدح کی جمع قداحٌ اوربئر کی جمع بئار اور بِشرٌ کی جمع بَشَارٌ آتی ہے اور فَعَالَ فتح کے ساتھ کرم کے معنی میں ہے۔

ہدبہ کہتے ہیں ؎

ضَرُوْبًا بِلَحْیَیْهِ عَلٰی عظم زوده اِذَا الْقَوْمُ هشوّاللفعال تَقَنَّعَا

''وہ اپنے دونوں جبڑوں سے مضبوط ہڈیاں توڑتا ہے جب کہ قوم اس کے کرم وسخاوت سے فائدہ اُٹھاتی ہے۔''

اور ابن سیدہ نے کہا فعال فتح کے ساتھ اچھے کام کو کہتے ہیں۔ قیس بن سعد کی وفات ۶۰ھ میں ہوئی اور یہ بھی کہا گیا کہ ۵۹ھ میں ہوئی۔ واللہ اعلم

الجرذ کا شرعی حکم

اس کا شرعی حکم وطبی فوائد فار (چوہے) کی طرح ہیں۔ اس کا مفصل بیان ان شاء اللہ باب الفاء میں آئے گا۔

الجرذ کی خواب میں تعبیر

جرذ کو خواب میں دیکھنے سے فسق وفجور اور آلام ومصائب کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور بعض مرتبہ اس سے ذلت ورسوائی، بغض وحسد کی جانب بھی اشارہ ہوتا ہے اور بعض مرتبہ بداخلاق عورت سے بھی تعبیر دیتے ہیں اور اگر کسی شخص نے خواب میں اس کا گوشت کھاتے دیکھا تو اس کی تعبیر حرام مال سے دی جائے گی۔

بعض معبرین نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے اس کو خواب میں پکڑے ہوئے دیکھا یا گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو اس سے صاحب خواب کے منتقل ہونے کی جانب اشارہ ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم نے اس قوم پر سیل عرم بھیجا اور سیل عرم کا سبب جَرذ ہی تھے (ان چوہوں نے پل اور نالیوں میں بڑے بڑے سوراخ کردیئے تھے جس کی وجہ سے یہ پل کمزور ہو گئے تھے اور سیلاب کو نہ روک سکے) تو اس زمین سے تمام لوگ چلے گئے تھے۔

اور خواب میں اس کا گوشت کھانا غیبت اور فسق کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور اگر کسی نے خواب میں یہ دیکھا کہ اس نے چوہے یا چوہیا کا شکار کیا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ ایسی عورت کو پائے گا جو فساد کرنے والی ہو اور اس کے نر ومادہ کی تعبیر میں کوئی فرق نہیں۔

الجرجس

مچھروں کے بچے۔ الجرجس چھوٹے چھوٹے مچھروں کو کہتے ہیں۔ باب القاف میں ان شاء اللہ اس کا بیان آئے گا۔

اَلجَوارِس

الجوارس شہد کی مکھی کو کہتے ہیں۔ جب شہد کی مکھی ببول کے درخت کو کھالیتی ہیں تو اس وقت بولا جاتا ہے جَرَسَتِ النَحلُ الْعَرُفُطَ کہ شہد کی مکھی درخت ببول پر گنگناتی ہے۔ جَرَس اصل میں باریک آواز کرنا یا گنگنانے کو کہتے ہیں اور عَرفُط ضمہ کے ساتھ درخت ببول کا نام ہے۔ جس پر بدبودار گوند ہوتی ہے۔ اگر مکھی اس کو کھالیتی ہے تو اس کے شہد میں بھی اس کا اثر اُتر جاتا ہے۔

الجرو

کتے کا چھوٹا بچہ۔ الجرو (جیم پر تینوں اعراب ضمہ، فتح، کسرہ) کتے کے چھوٹے بچے کو کہتے ہیں۔ نیز تمام درندوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے ؎

و لو ولدت فقیرة جرو کلب لَسَبَّ بذالک الجرو الکلاب

''اور اگر کوئی حقیر عورت کتے کا پلہ جنے تو البتہ اس کی وجہ سے تمام کتے کے پلہ بدنام ہوں۔''

ابن سیدہ کہتے ہیں کہ الجرو ہر چیز کے چھوٹے حصے کو کہا جاتا ہے چاہے حیوانات میں سے ہو یا نہ ہو حتیٰ کہ حَنظَلُ (اندرائن) بطیخ (خربوزہ) اور قثاء (ککڑی) رُمان (انار) کے چھوٹے حصے کو بھی جرُد کہا جائے گا۔

حدیث شریف میں الجرو کا ذکر:

''حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ مغموم تھے تو میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ ﷺ آپ کیوں رنجیدہ ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیلؑ نے رات مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا لیکن وہ مجھ سے ملے نہیں۔ دیکھو! خدا کی قسم انہوں نے مجھ سے کبھی خلاف وعدہ نہیں کیا۔ میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اس دن اسی حالت میں رہے۔ پھر آپؐ کے دل میں خیال آیا کہ ہمارے خیمہ کے نیچے جرو کلب (کتے کا بچہ) ہے۔ آپؐ نے اس کے نکالنے کا حکم فرمایا تو اس کو نکال دیا گیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک میں پانی لیا اور اس کی جگہ کو دھویا۔ پھر جب شام ہوئی تو حضرت جبرائیلؑ سے ملاقات ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم نے گزشتہ رات مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا لیکن آپ نے ملاقات کیوں نہیں کی؟ حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا یارسول اللہ ﷺ گروہ ملائکہ ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔ بس رسول اللہ ﷺ نے اسی دن صبح کو کتوں کو مار دینے کا حکم فرما دیا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے چھوٹے[1] باغ کی نگرانی کرنے والے کتوں کو مارنے کا حکم دیا اور بڑے باغ کی نگرانی کرنے والے کتوں کے چھوڑنے کا حکم دیا۔'' (رواہ مسلم)

طبرانی نے مزید اضافہ کے ساتھ خولہ، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خادمہ سے روایت کیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

''ایک کتے کا بچہ گھر میں داخل ہوا اور وہ چارپائی کے نیچے گھس گیا اور وہیں مر گیا۔ اس کے بعد آنحضور ﷺ پر وحی کا آنا بند ہو گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے خولہ! رسول اللہ کے گھر میں کیا بات ہوگئی کہ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف نہیں لائے۔ تو کیا رسول اللہ ﷺ کے گھر میں کوئی نئی بات پیش آگئی جس کی بناء پر وہ تشریف نہیں لائے۔ پھر آپؐ مسجد میں تشریف لے گئے۔ خولہ فرماتی ہیں کہ میں کھڑی ہوئی اور میں نے گھر میں جھاڑو دینی شروع کی۔ چنانچہ جھاڑو دینے کے لیے چارپائی کے نیچے ارادہ کیا تو مجھے جھاڑو کے نیچے بھاری سی چیز محسوس ہوئی۔ میں نے اس کو نکالا تو کیا دیکھتی ہوں کہ کتے کا مردہ بچہ ہے۔ بس میں نے اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر دیوار کے پیچھے ڈال دیا۔ پس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپؐ

---

[1] یعنی حضور اکرم ﷺ نے چھوٹے چھوٹے باغات کی نگرانی کرنے والے کتوں کو مروا ڈالا کہ ان باغات کی نگرانی بغیر کتوں کے بھی ہو سکتی ہے اور بڑے بڑے باغات میں نگرانی کرنے والے کتوں کو چھوڑ دیا گیا۔ کیونکہ اس دور میں بڑے باغات کی نگرانی کتوں کے بغیر مشکل تھی۔

کی داڑھی کپکپارہی تھی۔ کیونکہ جب آپ پر وحی آتی تھی تو آپ پرلرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ چنانچہ آپ نے ارشادفرمایا کہ اے خولہ! مجھ کو کپڑا اڑھاؤ۔ پھر حق تعالیٰ نے سورۃ **والضحی والیل اذا سجی** نازل فرمائی۔"

ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث شریف کی اسناد سے دلیل نہیں دی جاسکتی (یعنی اس حدیث کی اسناد میں بعض ایسے راوی ہیں جو ناقابل اعتماد ہیں)۔

صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ سورۃ تو قرآن شریف کے ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی تھی۔ جب سلسلہ وحی کے منقطع ہونے کی بناء پر مشرکین نے کہنا شروع کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو تو اس کے رب نے چھوڑ دیا ہے تو اس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی تھی۔

بیہقی نے اپنی کتاب میں ۴۷ویں باب کے آخر میں معاذ بن جبل سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ:

"بنی اسرائیل میں ایک لاولد شخص تھا جو آوارہ اِدھر اُدھر پھرتا رہتا تھا۔ ایک دن اس آدمی نے بنی اسرائیل کے ایک ایسے لڑکے کو دیکھا جس نے زیور پہن رکھا تھا تو یہ شخص اس کو دھوکہ دے کر اپنے گھر لے آیا اور مار کر اپنی کھیتی میں ڈال دیا۔ اس کا صرف یہی مشغلہ تھا اور وہ ایسے ہی کرتا رہتا تھا۔ ایک دن وہ اسی طرح دو بھائیوں کو اپنے گھر میں لے آیا۔ جنہوں نے زیور پہن رکھا تھا مار کر ان کو بھی کھیتی میں ڈال دیا۔ اس کی بیوی جو انتہائی شریف تھی اس کو ہر چند سمجھاتی اور اس فعل بد سے باز رکھنے کی کوشش کرتی اور حق تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتی تو جب بھی وہ اس کو سمجھاتی اور کہتی کہ میں تجھ کو حق تعالیٰ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈراتی ہوں تو وہ شخص اس کے جواب میں یہ کہتا کہ حق تعالیٰ اگر مجھے پکڑتے تو مجھ پر عذاب بھیجتے اور اس وقت بھیجتے جب میں نے ایسا ایسا کیا تھا (یعنی جس دن میں نے پہلا قتل کیا تھا)۔ اس کی بیوی کہتی کہ حق تعالیٰ تجھ کو ڈھیل دے رہے ہیں اور ابھی تیرا پیمانہ ظلم لبریز نہیں ہوا۔ جس دن بھی تیرا ظلم انتہا کو پہنچ گیا' اسی دن اللہ تعالیٰ کا عذاب تجھے اپنی گرفت میں لے لے گا۔ جس سے کوئی بھی نہیں بچا سکتا۔

اس کے بعد ان دو لڑکوں کی تفتیش شروع ہوگئی جن کو اس نے ختم کر دیا تھا۔ ان کا باپ بیٹوں کی تلاش میں پھرتا رہا۔ کوئی سراغ نہ ملا تو یہ بنی اسرائیل کے موجودہ نبی کے پاس آیا اور ان کو اپنے لڑکوں کے مفقود ہونے کی اطلاع دی۔ ان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے سوال کیا کہ کیا وہ دونوں صرف تنہا تھے یا ان کے ساتھ کوئی اور بھی تھا تو بتلایا گیا کہ ایک کتے کا بچہ تھا جو واپس آگیا ہے۔ تو پیغمبر نے اسی کتے کے بچہ کو بلوایا اور اس کی آنکھوں کے سامنے انگوٹھی رکھ دی اور پھر اس کو چھوڑ کر فرمایا کہ سب سے پہلے جس گھر میں یہ داخل ہوگا وہیں آپ اپنے بیٹوں کو تلاش کریں۔

چنانچہ یہ کتے کا بچہ اسی گھر میں داخل ہوا جس میں ان کو قتل کیا گیا تھا۔ لوگوں نے اس کی تلاشی لینی شروع کر دی تو اس کھیتی میں ان دو لڑکوں کے علاوہ بہت سے نوجوان لڑکوں کی نعشیں ملیں۔ لوگ اس شخص کو پکڑ کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے اس کو سولی دینے کا حکم فرما دیا۔ جس وقت اس کو سولی پر لٹکا دیا گیا عین اسی وقت اس کی بیوی آگئی اور اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں اس دن کے لیے تجھ کو ڈراتی تھی اور کہتی تھی کہ حق تعالیٰ کی پکڑ سے بچ لیکن تو نے ایک نہیں سنی۔ آج تجھ کو بتاتی ہوں کہ تیرے ظلم کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور حق تعالیٰ نے تجھ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔"

امام دمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پلے کے بارے میں مزید تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ باب الکاف میں آئے گی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے قریب ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب قیامت قریب ہو تو لوگ طیالسہ[1] عیسائیوں کی ٹوپی کو لباس کو کثرت سے استعمال کریں گے۔ تجارت کی زیادتی ہوگی۔ مال کی فراوانی ہوگی۔ مال والا اپنے مال کی وجہ سے بڑا ہوگا (خواہ فی نفسہٖ بڑا ہو یا نہ ہو) برائیوں کی زیادتی اور عورتوں کی بہتات ہوگی۔ بچوں کی امارت ہوگی۔ بادشاہ ظلم کرے گا۔ ناپ تول میں کمی کی جائے گی۔ اپنی اولاد سے زیادہ کتے کے بچہ کو پالنا اور پرورش کرنا بہتر سمجھیں گے۔ نہ بڑوں کی عزت کی جائے گی اور نہ چھوٹوں پر رحم ہوگا۔ زنا کی اس قدر کثرت ہوگی کہ لوگ سرراہ عورت سے حرام کاری کریں گے۔ ان کے برگزیدہ لوگ اس زمانہ میں کہیں گے کہ کاش کہ تم راستے سے الگ ہٹ کر یہ کام کرتے اور وہ بھیڑوں کے لباس میں بھیڑیئے ہوں گے۔ اس زمانہ میں سب سے افضل وہ سمجھا جائے گا جو مداہنت[2] کرے گا۔''

مندرجہ بالا روایت کو طبرانی نے بھی المعجم الاوسط میں اسی طرح ذکر کیا ہے اور اس حدیث کی سند میں سیف بن مسکین جو راوی حدیث ہیں وہ ضعیف ہیں۔

الجریث

مار ماہی۔ الجریث (جیم پر کسرہ) یہ سانپ کے مشابہ ایک قسم کی مچھلی ہوتی ہے۔ غالباً اس کو بام بھی کہتے ہیں اس کی جمع جرائی اور الجرتی آتی ہے۔ فارسی میں اس کو مار ماہی کہتے ہیں۔ باب الہمزہ میں یہ بات آچکی ہے کہ اس کا دوسرا نام انکلیس ہے۔

جاحظ کہتے ہیں کہ یہ پانی کا سانپ ہوتا ہے جو نڈی کھاتا ہے۔

شرعی حکم

بغویؒ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کی آیت اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ کے تحت یہ حلال ہے۔ یہی قول ابوبکر، عمر ابن عباس، زید بن ثابت، ابوہریرہ رضوان اللہ علیہم کا قول ہے اور اسی قول کو قاضی شریح، حسن عطاء نے اختیار کیا ہے نیز امام مالکؒ و امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

دمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سانپوں سے مراد وہ سانپ ہیں جو صرف دریا میں رہتے ہیں۔ مگر وہ سانپ جو خشکی اور دریا دونوں میں رہتے ہیں ان کا کھانا ناجائز اور حرام ہے۔ کیونکہ وہ زہریلے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ مار ماہی حلال ہے یا حرام؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہود تو اس کو حرام کہتے ہیں لیکن ہم حرام نہیں کہتے۔

طبی خواص

مار ماہی کا زہر اگر مجنون یا پاگل گھوڑے کی ناک میں بطور دوا چڑھایا جائے تو اس کا دیوانہ پن ختم ہو جائے گا اور اس کا گوشت کھانے سے آواز عمدہ ہوتی ہے۔

جریث کے متعلق امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں جو باتیں بیان فرمائی ہیں وہ ان شاء اللہ تعالیٰ باب الصید میں ہم بیان کریں گے۔

---

[1] طیلسان کی جمع ہے اس ٹوپی کو کہتے ہیں جو نصاریٰ استعمال کرتے تھے اور جسے موجودہ دور میں ہیٹ کہتے ہیں۔

[2] مداہنت یعنی ناجائز اُمور کو دیکھ کر خاموشی اختیار کرنا۔

الجزور

(اونٹ) الجزور ۔ جوہریؒ کہتے ہیں کہ نر اور مادہ دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔اس کی جمع جُزُر آتی ہے۔ابن سیدہ کہتے ہیں جزور اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو ذبح کی جائے۔اس کی جمع جُزُرَ اور جزائر آتی ہے۔الجمع جزرات ہے۔جیسے طرق کی جمع الجمع طرقات ہے۔خرنق بنت ھقان کہتی ہیں ۔

لایبعدن قومی الذین هم سم العداة وآفة الجزر

''ہرگز ہرگز میری قوم دور نہ ہو جو دشمنوں کے لیے زہر اور اونٹوں کے لیے آفت ہیں (یا کثرت سے اونٹوں پر سواری کرتے ہیں یا پھر انہیں ذبح کر کے مہمان نوازی کرتے ہیں۔اس طرح گویا اونٹوں کے لیے وبال جان بنے ہوئے ہیں۔''

النازلون بکل معترکٍ والطیبون معاقد الازر

''ہر میدان جنگ میں اُترنے والے اور فطرت وخصائل میں نہایت پاکیزہ ہیں۔''

اور اسی سے ہے''مَجْزَرَۃٌ'' وہ جگہ جس میں ذبح کیا جاتا ہے (کمیلہ) دمیریؒ فرماتے ہیں۔ الجزور جس کے معنی اونٹ کے ہیں تو یہ الجزور من الابل سے ماخوذ ہے اور اگر الجزور من الضأن ہوگا تو یہ صرف الجذر سے ماخوذ مانا جائے گا۔جس کے معنی (قطع) کاٹنے کے ہیں اور صحیح مسلم میں عبدالرحمٰن بن شماسہ کی حدیث ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت فرمایا تھا کہ جب تم مجھ کو دفن کر دو تو تم میری قبر پر پانی چھڑکنا اور میری قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر اونٹنی ذبح کی جاتی ہے اور اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے مانوس ہو جاؤں اور غور کروں کہ اپنے رب کے فرستادہ (فرشتوں) کو کیا جواب دوں۔

اونٹنی کے ذبح کرنے اور اس کے گوشت کی تقسیم کی مثال اس وجہ سے دی جاتی ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ابتداء میں مکہ مکرمہ میں قصاب تھے تو آپ کو اونٹوں کو ذبح کرنے سے محبت ہوگئی اور آپ نے اس کی مثال دی اور آپ کا قصاب ہونا ابن قتیبہ نے معارف میں یقین کے ساتھ بیان کیا ہے اور ابن درید نے کتاب الوشاح میں اس کو نقل کیا ہے اور ابن جوزی نے تلقیح میں ایسا ہی لکھا ہے اور مزید کہا ہے کہ زبیر بن عوام اور عامر بن کریز یہ لوگ جزار (قصاب) تھے۔

توحیدی نے کتاب ''بصائر القدماء وسرائر الحکماء'' میں ہر اس شخص کی صنعت وحرفت کو ذکر کیا ہے جو قریش سے حاصل ہوئی ہیں۔ چنانچہ کہا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بزاز (کپڑا فروش) تھے۔نیز عثمان غنی رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ وعبدالرحمان بن عوف بھی بزاز تھے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ دلال (ایجنٹ) تھے۔فروخت کنندہ اور خریدار کے درمیان کوشش کرتے اور سعد بن ابی وقاص صلی اللہ علیہ وسلم تیر تراش تھے (تیر ساز تھے) ولید بن مغیرہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوالعاص اور ابوجہل کا بھائی لوہار تھے اور عقبہ بن معیط شراب فروش تھے اور ابوسفیان بن حرب زیتون وچمڑا بیچتے تھے۔عبداللہ بن جدعان غلاموں کی اور جانوروں کی تجارت کرتے تھے۔نصر ابن حارث سارنگی بجانے والے تھے۔حکم ابن ابی العاص بکروں کو خصی کرتے تھے۔ابن عمر ضحاک بن قیس اور ابن سیرینؒ بھی خصی کرنے والے تھے اور عاص بن وائل جانوروں کا علاج کرتے تھے۔خاص طور سے گھوڑے کے ڈاکٹر تھے۔اور آپ کے بیٹے عمرو بن العاص جزار تھے۔ایسے ہی امام ابوحنیفہؒ اور زبیر بن عوام درزی (خیاط) تھے اور عثمان بن طلحہؓ جن کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی چابی دی تھی، وہ اور قیس بن مخرمہ بھی درزی تھے۔مالک بن دینار کاغذ بنانے والے یا کاغذ بیچنے والے تھے یا کاتب تھے۔مہلب ابن ابی صفرہ مالی تھے۔قتیبہ بن مسلم جنہوں نے عجمی شہروں کو فتح کیا حمال

(یعنی ساربان، اونٹ کو چلانے والے) تھے اور سفیان بن عینیہ معلم تھے۔ ایسے ہی ضحاک بن مزاحم، عطاء بن ابی رباح، کمیت شاعر، حجاج بن یوسف ثقفی عبدالحمید بن یحییٰ، ابوعبداللہ القاسم بن سلام اور کسائی یہ سب کے سب معزز پیشہ سے وابستہ لوگ تھے۔

زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کے مذاہب

قبیلہ غسان اور ربیعہ، قضاعہ کے لوگ نصرانی تھے اور قبیلہ حمیر کنانہ، کندہ اور بنی الحرث بن کعب یہودی تھے اور بنوتمیم اور حاجب ابن زرارہ جنہوں نے اپنی کمان کسریٰ کے پاس رہن رکھی تھی یہ مجوسی تھے، کسریٰ سے کیے ہوئے اپنے عہد کو پورا کیا۔ تا آنکہ مشہور مثال ہے کہ اوفی من قوس حاجب، وہ حاجب کی کمان سے زیادہ وعدہ وفا کرنے والا ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں اس کو چھڑایا گیا اور وہ کمان آپؐ کو پیش کی گئی اور قریش میں زندقہ (بے دینی) پھیلی ہوئی تھی۔

امام دمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مندرجہ بالا کتاب میں زبیر بن عوام کے بارے میں جو خیاط ہونا ذکر کیا گیا اس میں اشکال ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ جزار (قصاب) تھے۔ ابن جوزی وغیرہ نے اسی کو ذکر کیا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ کیونکہ جس وقت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر تھے اور اونچے لوگوں میں شمار ہوتے تھے تو انہوں نے یہ نسبت اور چوپاؤں کے جزور سے تشبیہ دی تھی۔ اونٹنی کے ذبح کو اپنی موت کے ساتھ اور اس کے گوشت کی تقسیم کو اپنے احوال کی تقسیم کے ساتھ تشبیہ دی تھی اور آپ کا جملہ ترکہ جو آپ نے وفات کے وقت چھوڑا تھا وہ نو اَرْدَب سونا تھا (ایک ارْدَبْ چوبیس صاع کا ہوتا ہے)۔

ایک فقہی مسئلہ

ماقبل میں یہ بات آچکی ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنا چاہیے یا نہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں ہی قسم کی حدیث شریف مروی ہیں۔ اسی بناء پر ائمہ میں اختلاف ہو گیا۔ ایک گروہ تو اس بات کا قائل ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو نہ کرنا چاہیے۔ ان کی دلیل صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے کہ:

> ''حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مسئلہ پوچھا کہ بکری کا گوشت کھانے کے بعد ہم وضو کریں یا نہیں؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم مختار ہو چاہو تو وضو کر لو یا نہ کرو۔ ایسے ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹ کا گوشت کھانے اور وضو سے متعلق مسئلہ پوچھا گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کیا کرو۔''

احمد بن ابوداؤد وغیرہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

> ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو سے متعلق مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے کھانے کے بعد وضو کیا کرو۔ نیز ایسے ہی بکریوں کے گوشت کھانے کے بعد وضو سے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ وضو مت کیا کرو۔''

دمیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مندرجہ بالا دونوں حدیثیں امام نووی نے اپنی کتاب میں نقل کی ہیں اور دلیل کے اعتبار سے اتنی قائم و مکمل ہیں کہ ان کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکتا اور یہی مسلک ایک محقق علماء کی جماعت نے اختیار کیا ہے۔

بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

> ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کی حالت میں تھے تو اچانک عقبہ بن ابی معیط نے آپؐ کی کمر مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی (گندگی) کا بوجھ رکھ دیا جس کی بناء پر آپؐ سر سجدہ سے نہ اُٹھا سکے۔ اتنے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں اور آپ کی

کمر مبارک سے تمام گندگی کو اُتار پھینکا اوران لوگوں کے لیے بددُعا کی اور حضور اکرم ﷺ نے بھی ان لوگوں کے واسطے بددُعا فرمائی اور فرمایا کہ اے اللہ تعالیٰ قریش کی ایک جماعت کو اپنی پکڑ میں لے لے۔ اے اللہ ابوجہل بن ہشام اور عقبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ' عقبہ ابن ابی معیط' امیہ بن ابی خلف یا ابی بن خلف کو اپنی پکڑ میں لے لے۔''

راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان سب کو جن کا نام لے کر آپؐ نے بددُعا فرمائی تھی جنگ بدر کے دن مقتول پایا اور ان سب کو کنوئیں میں ڈال دیا گیا سوائے اُمیہ بن ابی خلف یا ابی بن خلف کے کہ اس کے قتل ہونے کے بعد کنوئیں میں ڈالنے کے لیے اس کو کھینچا گیا تو بھاری ہونے کی وجہ سے اس کے جوڑ علیحدہ ہو گئے۔

الجساسه

الجساسہ (جیم کے فتحہ کے ساتھ اور سین اول کی تشدید کے ساتھ) ابن سیدہ کہتے ہیں کہ یہ ایک دابہ (جانور) ہے جو جزیروں میں رہتا ہے۔ جزیروں کی تلاش وتفتیش کرتا رہتا ہے اور دجال اس کو لائے گا۔ ابوداؤد بحستانی نے بھی ایسا ہی کہا ہے کہ جساسہ نام اس وجہ سے رکھا گیا کہ یہ دجال کے لیے خبر پہنچانے کا کام کرے گا اور عبداللہ بن عمرو بن العاص سے منقول ہے کہ وہ دابۃ الارض ہے جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے اور وہ بحر قلزم کے جزیرہ میں رہتا ہے۔

حدیث شریف میں جساسہ کا ذکر

مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ نے فاطمہ بنت قیس سے روایت نقل کی ہے وہ کہتی ہیں کہ:

''نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو آپؐ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ میں نے تم کو کسی ترغیب یا ترہیب کے لیے جمع نہیں کیا۔ لیکن ایک بات جس کو تمیم داری نے مجھ سے کہا تھا اس کو بتانے کے لیے جمع کیا ہے۔ اس نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ ہم تیس اشخاص ایک کشتی میں سوار ہوئے کچھ تندرست اور کچھ کوڑھی تھے۔ بس سخت ہوا نے ان کو ایک جزیرے کی طرف چلنے پر مجبور کر دیا تو اچانک ان کے سامنے ایک جانور آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا میں جساسہ ہوں۔ انہوں نے کہا ہمیں کوئی بات بتلاؤ تو جساسہ نے کہا کہ اگر تمہارا ارادہ کوئی خبر سننے کا ہے تو اس عبادت خانہ (دیر) میں جاؤ۔ کیونکہ وہاں ایسا آدمی ملے گا جو تمہاری ملاقات کا مشتاق ہے۔ اس نے کہا ہم لوگ اس کے پاس گئے۔ پس اس نے ہم سے حدیث ذکر کی (یعنی بات بیان کی)۔

تمیم داری رضی اللہ عنہ

یہ تمیم رضی اللہ عنہ بن اوس بن خارجہ بن سوید ابورقیہ ہیں۔ ۹ھ میں اسلام لائے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اٹھارہ احادیث روایت کی ہیں اور امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں ان سے الدین النصیحۃ (دین خیر خواہی بھلائی ہے) والی حدیث بھی نقل کی ہے اور ان کے عظیم مناقب جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے جساسہ کا قصہ روایت کیا ہے اور آپ سے صحابہ کی ایک جماعت مثل ابن عباسؓ، انسؓ، ابوہریرہؓ وغیرہ نے اور تابعین کی ایک جماعت نے روایت کیا اور یہ مدینہ میں رہتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد بیت المقدس میں چلے گئے تھے۔

تمیم ابن اوس رضی اللہ عنہ تہجد گزار تھے۔ حافظ ابونعیم کہتے ہیں کہ یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کے سامنے قصہ گوئی کی اور

مسجد میں چراغ جلایا۔ ایسے ہی ابوداؤد طیالسی نے سعید خدریؓ سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے مسجد میں چراغ جلانے والے یہ پہلے شخص ہیں اور ان کی وفات ۴۰ھ میں ہوئی۔ ابن قبان وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ تمیم جن کا ذکر صحیح بخاری میں قصہ جام میں ہوا تو وہ نصرانی تھے۔

الجعار

الجَعَار (بروزن تطام) بجو کو کہتے ہیں۔ فارسی میں کفتار کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ عربی میں الضبع اور عرجا نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ بجو لومڑی کے مشابہ ہوتا ہے اور چلتے ہوئے کچھ لنگڑا کر چلتا ہے۔ مشہور ہے کہ بجو زیادہ تر قبرستانوں میں رہتا ہے اور وہاں مُردوں کے گوشت وغیرہ سے غذا حاصل کرتا ہے۔ بعض نے بیان کیا ہے کہ یہ زمین کھود کر سخت سے سخت مٹی میں بھی بل بنا کر مُردوں کے اعضاء نکال لاتا ہے۔ لوگ مثال میں بولتے ہیں کہ اعیث من جَعَارِ. فلاں شخص بجو سے بھی زیادہ فساد پھیلانے والا ہے۔ العیث کے معنی فساد کے ہیں۔ شاعر کہتا ہے ؎

فقلت لها عیثی جعاجری بلحم امری لم یشهد النوم ناظره

''میں نے محبوبہ سے کہا کہ میری پریشانیاں جعار سے بھی بڑھ گئیں اور میرے گوشت کو اس طرح نوچ لیا جیسا کہ بجو نوچ لیتا ہے اور سونے والی کی آنکھوں نے دیکھا تک نہیں۔''

بجو کے طبی خواص

بجو بھورے رنگ کا ہوتا ہے مگر اس کا گوشت سیاہی مائل اور بدمزہ بدبودار ہوتا ہے۔ بجو کے گوشت کا آب زن ہمراہ نمک اور روغن کے گنٹھیا کے لیے مجرب ہے اور استرخا اور عرق النساء اور ریاح غلیظ کو بھی نافع ہے۔ بجو کا گوشت معدہ کی سردی اور بلغمی وسوداوی بخار اور سردی میں ہونے والے دردوں کے لیے بھی مفید ہے۔ اس کا خون جنون کو دفع کرتا ہے اور پتہ تینوں خلطوں کو براہ راست باہر نکال دیتا ہے۔

شرعی حکم

بجو کو اکثر علماء نے حرام قرار دیا ہے کچھ حضرات نے اس کو حلال بھی کہا ہے۔

بجو کی خواب میں تعبیر

اگر کسی نے بجو کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر بری اور قبیح عورت سے کی جاتی ہے اور اگر کسی نے خواب میں بجو کا دودھ پیا تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اس کی بیوی اس سے غداری کرے گی اور خیانت کرے گی اور اگر کسی نے نر بجو کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ ذلیل وملعون دشمن ہے۔

اَلْجَعْدَةُ

بکری۔ الجعدة بکری کو کہتے ہیں۔ مفصل بیان باب الذال میں بھیڑیئے کی کنیت کے بیان میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اَلْجُعَلَ

گبریلا۔الجُعَلَ (صرو و رطب کے وزن پر) اس کی جمع جعلان (جیم کے کسرہ اور عین ساکن) آتی ہے۔لوگ اس کو ابوجعران کہتے ہی۔کیونکہ یہ خشک پاخانہ اکٹھا کر کے اس کو جمع کرتا ہے (جَعَر کے معنی پاخانہ کے آتے ہیں)۔

دمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک مشہور و معروف چھوٹا سا جانور ہوتا ہے چوپاؤں کی شرمگاہ میں کاٹ کر اُڑ جاتا ہے۔یہ کالے رنگ کے گبریلا سے جس کے پیٹ میں سرخ رنگ کی ڈوری ہوتی ہے اس سے بڑا ہوتا ہے۔نر گبریلا کے دو سینگ ہوتے ہیں اور یہ اکثر گائے بھینس کی باڑھ میں یا گوبر و لید کی جگہ پایا جاتا ہے۔غالباً اسی سے ہی یہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی خاصیت نجاست کو اکٹھا کر کے جمع کرنا ہے۔گلاب کی کوشبو سے یہ مرجاتا ہے۔اگر اس کو پھر لید یا گوبر میں ڈال دیا جائے تو زندہ ہو جاتا ہے۔

ابوالطیب اس کی حالت بیان کرتے ہوئے ایک شعر میں کہتے ہیں ؎

كما تضُر رياح الورد بالجعل

ترجمہ: ''جیسا کہ گبریلا کو گلاب کی خوشبو نقصان دیتی ہے۔''

اس کے دو پر ہوتے ہیں جو صرف اُڑنے کے وقت ہی ظاہر ہوتے ہیں اور چھ ہاتھ پیر ہوتے ہیں۔اور یہ اُلٹے پاؤں چلتا ہے۔ اُلٹے پاؤں چلنے کے باوجود بھی ٹھیک اپنے سوراخ میں پہنچ جاتا ہے اور جب یہ اپنے پر جھاڑتا ہے تو اسی وقت ہی اس کے پر ظاہر ہوتے ہیں اور یہ اُڑ جاتا ہے۔اگر کوئی شخص قضاء حاجت کے لیے جاتا ہے تو یہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لیتا ہے کیونکہ یہ پاخانہ کو پسند کرتا ہے اور یہی اس کی غذا ہے۔

حدیث شریف میں گبریلا کا ذکر:

''طبرانی اور ابن ابی الدنیا نے ''کتاب العقوبات'' میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا بنی آدم کے گناہ گبریلا کے اس کے سوراخ میں مار ڈالتے ہیں۔''

''حاکم نے ابوالاحوص سے انہوں نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے قرآن شریف کی آیت **ولو يؤاخذ الله الناس بما كسبوا ما ترك على ظَهْرِهَا من دآبةٍ و لكن يوخرهم الى اجلٍ مسمى.** پڑھ کر فرمایا کہ ہوسکتا ہے گبریلا کو بنی آدم کے گناہوں کی وجہ سے اس کے سوراخ میں عذاب دیا جاتا ہو۔''

حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے لیکن انہوں نے تخریج نہیں کی۔مجاہد نے حق تعالیٰ کے قول **وَيَلْعَنُهُمُ اللاعنون** کی تفسیر کے تحت کہا ہے کہ لاعنون سے مراد زمین کا جانور گبریلا اور پائخانہ کھانے والا ہے۔بارش کو گناہوں کی وجہ سے روک دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ لعنت ملامت کرتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

''آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے عیب اور آباء پر فخر کرنے کو دور کر دیا خواہ مومن پرہیزگار ہو یا بدبخت فاسق، تم آدم کی اولاد ہو اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔لوگوں کو اس قوم پر فخر کرنا چھوڑ دینا چاہیے جو کہ صرف جہنم کے کوئلہ میں سے ایک کوئلہ ہے یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس جُعَلَ گبریلا سے زیادہ ذلیل ہوگا جو اپنی ناک سے بدبو ہٹاتا

ہے۔"

اور ایک روایت میں ہے کہ:

"زیادہ ذلیل ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس جُعل (گبریلا) سے جو پائخانہ کو اپنی ناک سے ہٹاتا ہے۔"

ابوداؤد طیالسی کی مسند شعب الایمان میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"تم اپنے آباؤ اجداد پر فخر مت کرو جو جاہلیت میں مر چکے ہیں۔ پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب جُعَلُ (گبریلا) اپنی ناک سے لڑھکاتا ہے تو تمہارے ان آباء سے بہتر ہے جو جاہلیت میں مر چکے ہیں۔"

اور بزار نے اپنی مسند میں حضرت حذیفہؓ سے نقل کیا ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تمام آدمؑ کی اولاد ہو اور حضرت آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے۔ قوم کو اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنے سے بچنا چاہیے۔

یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ جعلان سے بھی زیادہ ذلیل ہوگا۔"

عامر بن مسعودؓ صحابی جُعَلُ کے لڑھکانے کو اس کے چھوٹے ہونے کی بناء پر لقب دیتے تھے اور یہ حدیث **الصوم فی الشتاء الغنیمة الباردة** کے راوی ہیں۔

اور ریاشی نے اصمعی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے پاس سے ایک اعرابی اپنے لڑکے کے بارے میں آواز لگاتا ہوا گزرا تو ہم نے اس سے کہا کہ اس کے کچھ اوصاف بیان کرو تو اس نے کہا کہ وہ گویا چھوٹا سا دینار ہے۔ ہم نے اس سے کہا کہ ہم نے نہیں دیکھا۔ پس مجھ کو دیر نہ گزری تھی کہ وہ ایک کالا بچہ اُٹھا کر لایا۔ گویا کہ وہ **جعل** (گبریلا) ہے جس کو اس کی گردن پر لادا گیا ہو۔ ہم نے اس سے کہا کہ اگر تو ہم سے اس کے بارے میں کہتا تو یقیناً ہم کچھ بتلا دیتے کیونکہ وہ پورے دن سے ہمارے قبضہ میں ہے۔

پھر اصمعیؒ نے یہ شعر پڑھا؎

زینھا اللّٰہ فی الفواد کما زیَّنَ فِی عین والد ولدہ

"اللہ تعالیٰ تمام دلوں میں اس کی محبت ایسی پیدا کر دے کہ جیسا باپ کی نظر میں بیٹے کی محبت جمی ہوئی ہے۔"

جعل (گبریلا) کا شرعی حکم

گندگی میں رہنے اور چاہنے کی وجہ سے اس (گبریلا) کا کھانا حرام ہے۔

کہاوتیں

اہل عرب کہتے ہیں کہ **الصق من جُعلِ**. فلاں شخص جعل سے زیادہ چپکنے والا ہے (یا قریب ہے) کیونکہ وہ انسان کے پائخانہ کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ شاعر کہتا ہے؎

اذا أتیت سلیمٰی شب، لی جعل ان الشقی الذی یغری بہ الجعل

"جب تو سلیمی کے پاس پہنچے تو اس کو بتانا کہ بدنصیب وہ شخص ہے جسے جعل دیکھ کر بھڑکے۔"

یہ مثال یا کہاوت ایسے شخص کے بارے میں بولی جاتی ہے جو کسی ایسے شخص سے چپکا رہتا ہو جو اس کو ناپسند کرتا ہے اور اس سے بھاگتا ہے۔

جعل (گبریلا) کے طبی خواص

گبریلا کو بغیر پکائے اور بغیر نمک ملائے سکھایا جائے اور بغیر کسی دوسری چیز کا اضافہ کئے ہوئے اس کو بچھو کے ڈسے ہوئے شخص کو پلایا جائے تو بہت فائدہ دے گا۔

گبریلا کی خواب میں تعبیر

گبریلا کی خواب میں تعبیر غصہ کرنے والے دشمن سے دی جاتی ہے۔ بسا اوقات یہ مسافر آدمی کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جو اپنے حرام مال کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کر رہا ہو۔ واللہ اعلم

الجعول

الجعول: یمنی لغت میں شتر مرغ کے بچے کو کہتے ہیں۔ اس کا بیان باب النون میں لفظ نعامہ کے بیان میں آئے گا۔ ان شاء اللہ

اَلْجَفُرَۃُ

(بکری کا بچہ) **الجَفرۃُ**: بکری کے اس چار ماہ کے بچے کو کہتے ہیں جس کا دودھ چھڑا دیا گیا ہو۔ نیز نر کے لیے **جفر** آتا ہے۔ **الجفرۃ** نام اس واسطے رکھا گیا ہے کہ **جَفَرَ** کے معنی بڑا ہونا یا کشادہ ہونے کے ہیں۔ چونکہ اس بچے کے پہلو کشادہ اور بڑے ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے اس کو **الجفرۃ** کہتے ہیں۔ اس کی جمع **اجفار** اور **جفار** آتی ہے۔

فائدہ: ابن قتیبہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ کتاب **الجفر**[1] میں امام جعفر بن محمد صادق نے اس علم کی تمام ضروری چیزیں آل بیت کے لیے لکھ دیں اور تمام وہ چیزیں جو قیامت تک ہوں گی اور اسی علم جفر کی طرف ابو العلاء معری نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے ؎

لَقد عجبوا لاھل البیت لما اتاھُم علمھم فی مسک جفر

''گھر والوں کے لیے بڑا تعجب کیا گیا جبکہ ان کے پاس یہ علم پہنچا کہ مشک جفر کیا چیز ہے۔''

و مراۃ المنجم و ھی صغریٰ ارقہ کل عامرۃ و قفر

''منجم کا آئینہ دار آنحالیکہ بہت چھوٹا سا ہے مگر اس کے باوجود وہ منجم کو ہر آباد و غیر آباد علاقوں کی خبریں بتا دیتا ہے۔''

اس شعر میں مسک کے معنی ٹکڑے کے ہیں۔ ابن تومرت[2] جو مہدی کے نام سے جانا جاتا ہے علم جفر ہی کے مطالعہ سے بام عروج پر پہنچا ہے۔ اس نے اس کتاب کے ذریعہ عبد المومن نامی شخص کے بارے میں کچھ علامات و آثار دیکھ کر ایک مدت تک اس کی تلاش میں رہا۔ یہاں تک کہ اس نے اس سے ملاقات کی اور اس کو اپنی صحبت میں رکھا۔ ابن تومرت، عبد المومن کا بہت اعزاز و اکرام کرتا تھا۔ جب اس کو دیکھتا یہ شعر پڑھتا ؎

---

[1] علم جفر اس علم کو کہتے ہیں جس میں اسرار حروف سے بحث کی جائے۔ مصباح اللغات۔ محمد عرفان سردھنوی۔

[2] ابن تومرت: اصلی نام محمد بن عبد اللہ ہے ابن تومرت کے نام سے مشہور ہے۔ ملک مراکش کے علاقہ سوس کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔

تکاملت فیک اوصاف خصصت بھا فکلنابک مسرور مغتبط

''تجھ میں خوبیاں بھرپور ہیں اور وہ تجھ ہی میں پائی جاتی ہیں تو ہم تجھ سے خوش بھی ہیں اور تجھ پر رشک بھی کرتے ہیں۔''

السن ضاحکة والکف مالحة والنفس واسعة والوجه منبسط

''تیرے دانت مسکرانے والے ہیں ہتھیلیاں سخاوت کرنے والی ہیں۔ دل دریا ہے اور تو ہنس مکھ ہے۔''

بربروں کے قبیلہ مسمودہ سے تعلق تھا مگر اس نے بعد میں دعویٰ کیا کہ میں حضرت علی ابن ابی طالبؓ کی اولاد سے ہوں اپنا سلسلۂ نسب حسنؓ ابن علیؓ ابن ابی طالب تک پہنچایا۔

۵۰۱ھ میں ابن تومرت اپنے وطن علاقہ سوس سے روانہ ہو کر ممالک مشرقیہ کی طرف گیا (حصول علم میں ۱۴ سال تک وطن سے باہر رہا۔ ابوبکر شاشی سے بغداد میں اصول فقہ و دیگر علوم دینیہ کی تحصیل کی۔ مبارک ابن عبدالجبار اور دوسرے بزرگوں سے حدیث پڑھی۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی حاضری کا شرف حاصل کیا۔ ایک روز جب کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ابن تومرت بھی موجود تھا، کسی نے عرض کیا کہ آپ کی کتابوں کو امیر المسلمین علی بن یوسف بن تاشفین فرمانروائے مراکش واندلس نے جلا ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت امام ممدوح نے فرمایا کہ اس کا ملک برباد ہو جائے گا۔ لوگوں کو پند ونصائح کرنے لگا۔ اسی عرصہ میں اس کے پاس ایک شخص عبدالمومن نامی جو بربری قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا آیا اور خاص الخاص تلامذہ اور مریدین کے زمرہ میں شامل ہو گیا۔ عبدالمومن اپنی فطری جذبات وخواہشات کا حامی، روشن خیالی کا دشمن ہے۔ چنانچہ ابن تومرت اپنے وطن کی طرف متوجہ ہوا۔ راستے میں اسکندریہ میں چندروز قیام کیا اور وہاں امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے باز نہ رہا۔ والیٔ اسکندریہ نے اپنے شہر سے نکلوا دیا۔

غرض ابن تومرت کی یہ صفت خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ وہ لوگوں کو نصیحت کرنے اور برائیوں سے روکنے میں مطلق باک نہ کرتا تھا۔ عابد وزاہد نہایت باخدا شخص تھا۔ ابن تومرت کے مذہبی عقیدے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اشاعرہ متکلمین اور امامیہ کا مجموعہ تھا۔ ابن تومرت کے بارے میں ابن خلکان لکھتا ہے کہ وہ ایک کامل متقی و پرہیزگار شخص تھا۔ نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کی پوشاک وغذا نہایت سادہ ہوتی تھی۔ وہ ہمیشہ خوش رہتا اور ریاضت ونفس کشی کی جانب مائل رہتا تھا۔ ابن تومرت نہایت فصاحت کے ساتھ عربی بولتا تھا۔ مراکشی زبان تو اس کی مادری زبان تھی۔ ۵۱۵ھ میں وہ اپنے وطن واپس آیا اور لوگوں کو پند ونصائح کرنے لگا۔ اسی عرصہ میں اس کے پاس ایک شخص عبدالمومن نامی جو ایک بربری قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا آیا اور خاص الخاص تلامذہ اور مریدین کے زمرہ میں شامل ہو گیا۔ عبدالمومن اپنی فطرت جذبات وخواہشات میں ابن تومرت سے پوری مشابہت رکھتا تھا' ابن تومرت کی جانب لوگ بڑی کثرت سے متوجہ ہونے لگے۔ امیر المسلمین کو دربار کے فقہاء نے مشورہ دیا کہ ابن تومرت کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن علی بن یوسف نے کہا کہ مجھ کو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اس کو قتل کروں۔ آخر فقہاء کے اصرار پر اس کو مراکش سے نکلوا دیا گیا۔ ابن تومرت نے اپنے رفیقوں کے ساتھ سلسلۂ کوہ اطلس کے ایک گاؤں میں قیام کیا اور وہاں بربری قبائل جوق در جوق آ کر اس کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ چندروز بعد ابن تومرت نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے مریدین کے طبقات مقرر کئے۔ طبقہ اول کے لوگوں کو مہاجرین اور طبقہ دوم کے لوگوں کو مومنین کا خطاب دیا۔ اسی طرح سات یا آٹھ طبقات قائم کیے۔ جب جمعیت بڑھ گئی تو عبدالمومن کو سپہ سالار بنا کر سلطنت مرابطین کے خلاف جنگی کارروائیاں شروع کیں۔ پہلے مقابلہ میں مومنین کی جماعت کو شکست ہوئی۔ مگر بعد میں انہوں نے مخالفت اور زور آزمائی کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ملک مراکش کا ایک معقول حصہ ابن تومرت کے قبضہ میں آ گیا۔ ابن تومرت نے ۵۱۷ھ سے جنگی کارروائیاں شروع کر دی تھیں۔ سات سال کی لڑائی کے بعد ۵۲۴ھ میں ابن تومرت نے وفات پائی اور مرنے سے پہلے عبدالمومن کو امیر المومنین کا خطاب دے کر اور اپنا ولی عہد اور جانشین مقرر کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ابن تومرت کی حکومت مرابطین کے مدمقابل اور طاقت ور بن چکی تھی۔

[1] عبدالمومن کے باپ کا نام علی تھا جو قبائل مسمودہ کے قبیلہ تومیہ کا ایک فرد تھا۔ عبدالمومن ۴۸۷ھ میں پیدا ہوا تھا اور ۵۳۷ھ میں جب کہ علی بن

دمیریؒ کہتے ہیں کہ یہ جو مشہور ہے کہ ابن تومرت نے عبدالمومن کو اپنا خلیفہ بنایا تھا یہ صحیح نہیں ہے صرف اتنا ہے کہ ابن تومرت کے اعزاز واکرام کی وجہ سے اس کے ساتھی اس کو ابن تومرت ہی جگہ سمجھتے تھے اور اس کو ابن تومرت کا درجہ دیتے تھے۔ عبدالمومن انتہائی چالاک دہشت پسند حکمراں تھا۔ چھوٹی چھوٹی لغزشوں پر مرواڈالتا تھا۔ اس کا انتقال ماہ جمادی الثانی ۵۵۸ھ میں ہوا اور اس کی کل مدت حکومت ۳۳ سال چند ماہ ہے۔

شرعی حکم

بکری کا بچہ حلال ہے۔ اگر کسی شخص نے حالت احرام میں چوہے کو ہلاک کر دیا تو اس کا فدیہ دیا جاسکتا ہے۔ اس کے طبی فوائد الخبیرات بکری کی طرح ہیں۔

(جلکی: جیم پر ضمہ ل پر ضمہ) ایک قسم کی مچھلی جو مار ماہی کے مشابہ ہوتی ہے خون قطعاً نہیں ہوتا۔ ہڈی بہت نرم ہوتی ہے۔ عورت اگر اس کو کھائے تو بہت جلد موٹی وطاقت ور ہو جائے گی۔ بہت بہترین غذا ہے۔

الجلالة

(نجاست کھانے والی گائے) **الجلالة** اس جانور کو کہتے ہیں جو نجاست وغلاظت میں رہتا ہو اور اسی کو کھاتا ہو۔ جَلَّ جَلا و جَلَّةَ مینگنی چننا۔ بولا جاتا ہے۔ جَلت الدابةُ الجَلَّة (جانور نے مینگنی چنی اسی سے **الجلالة** ہے۔ پلیدی کھانے والی گائے۔

حدیث شریف میں **الجلالة** کا ذکر:

ابوداؤد وغیرہ نے نافع کی حدیث جو انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **جلالة** (پلیدی کھانے والی گائے) کی سواری سے منع فرمایا۔''

حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے **جلالة** کے گوشت اور اس کے دودھ پینے سے منع فرمایا ہے اور اس بات سے منع فرمایا کہ اس پر نہ بوجھ لادا جائے اور نہ لوگ سوار ہوں یہاں تک کہ اس کو گھر پر رکھ کر ۴۰ دن تک چارہ نہ کھلائیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سقاوہ میں منہ لگا کر پینے سے اور پلیدی کھانے والے جانور کی سواری سے منع فرمایا ہے اور مجثمہ[1] سے بھی آپؐ نے منع فرمایا۔''

یوسف بن تاشقین کا انتقال ہوا' عبدالمومن کی حکومت پورے طور پر تمام ملک مراکش میں مسلم ہوگئی۔ ابن تومرت کی تعلیم کا خلاصہ اور لب لباب چونکہ خدائے تعالیٰ کی کامل توحید کو آشکارا کرنا تھا اور خدا کی کسی صفت کو اس کی ذات سے جدا یقین نہیں کرتا تھا۔ اس لیے تمام مریدین عام طور پر موحدین کے نام سے پکارے گئے۔ عبدالمومن کا انتقال جمادی الثانی ۵۵۸ھ کے آخری جمعہ کو ہوا۔ (از تاریخ الاسلام مصنفہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)

[1] مجثمہ وہ پرندہ ہے جس کو باندھ کر نشانہ لگایا جائے اور اس کی موت واقع ہو جائے۔

اَلُجَلَمُ

(شکاری پرندہ) الجلم: یہ ایک قسم کا شکاری پرندہ باز کے مشابہ مگر اس سے چھوٹا ہوتا ہے۔اس کا بیان باب الباء میں آئے گا۔

اَلُجَمَلُ

الجمل : ایک مشہور و معروف جانور ہے۔ قرآء کہتے ہیں کہ یہ ناقہ (اونٹنی) کا شوہر ہے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب جمل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اس شخص کو جاہل سمجھا جس نے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا تھا جس کو تمام جانتے ہیں۔ جمل کی جمع جمال' اجمال' جمائل اور جمالات آتی ہے۔

حق تعالیٰ نے کلام پاک میں ارشاد فرمایا کانھم جمالات صفر. اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ جمال کی جمع صحیح ہے جیسے رجال کی جمع رجالات آتی ہے۔

فائدہ:

معرکہ جمل کے دن جس اونٹ پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں۔اس کو یعلی بن امیہ نے چار سو درہم کا اور ایک قول کے مطابق دو سو درہم کا خریدا تھا۔ابن اثیر کہتے ہیں کہ مالک ابن حرث جو اشتر نخعی کے نام سے مشہور ہیں۔ جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زبردست سپہ سالار تھے۔عبداللہ ابن زبیر مقابلے کے لیے نکلے۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے اور نہایت بہادر' شجاع انسان تھے۔دونوں میں مقابلہ ہوا۔کبھی یہ ان کو شکست دے کر ان کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ جاتے تھے' کبھی یہ ان کو شکست دے کر بری طرح پچھاڑ دیتے تھے۔متعدد بار ایسا ہوتا رہا۔حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے زوردار آواز میں پکارا ؎

اُقۡتُلُوۡنِی وَ مَا لِکاً وَاقۡتُلُوۡا مَالِکاً مَعِی

''مجھے اور مالک کو قتل کر دو بلکہ ایک ہی ساتھ قتل کر دو۔''

مالک سے مراد اشتر نخعی ہیں۔ابن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے معرکہ جمل کے دن اس حال میں شام کی کہ نیزوں اور تلواروں سے زخمی ہو کر ۱۳۷ افراد ختم ہو چکے تھے اور فریقین میں سے کوئی بھی شکست قبول کرنے کو تیار نہ تھا ناقہ کی مہار یکے بعد دیگرے لوگ پکڑتے جاتے تھے اور شہید ہوتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ سینکڑوں آدمی ناقہ کی مہار پر شہید ہو گئے۔ میں نے ناقہ کی مہار سنبھالی۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کون ہے؟ میں نے جواب دیا عبداللہ ابن زبیر۔اتنے میں اشتر نخعی کا گزر ہوا۔میں نے اس پر حملہ کر دیا۔اس نے بھی جوابی طور پر مجھ پر بہت سخت وار کیا تو میں پکارنے لگا ؎

اُقۡتُلُوۡنِی وَ مَا لِکاً وَاقۡتُلُوۡا مَالِکاً مَعِی

''مجھے اور مالک کو قتل کر دو بلکہ ایک ہی ساتھ قتل کر دو۔''

اور میرے ہاتھ سے ناقہ کی مہار چھوٹ گئی۔اشتر نخعی نے مجھ کو اُٹھا کر ایک گڑھے میں پھینک دیا اور کہا کہ اگر تیرا رشتہ داری کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ہوتا تو تیرے بدن کا ایک ایک حصہ جدا کر دیتا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب دونوں طرف کے لوگ جمع ہو گئے تو آپس میں جنگ و جدال شروع ہو گیا اور مجھ سے ناقہ کی مہار گر

پڑی اور میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ ناقہ کی کونچیں کاٹ دو۔ اگر اس کو مار دیا تو لوگ منتشر ہو جائیں گے اور جنگ میں تخفیف ہو سکتی ہے۔ اتنے ایک تلوار سے ناقہ پر حملہ ہوا جس کی وجہ سے ناقہ زمین پر بیٹھ گئی۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس حملہ کی بناء پر ناقہ اتنی زور سے چلائی کہ اتنی بھیانک آواز میں نے زندگی میں کبھی نہیں سنی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو شہیدوں کے درمیان سے کجاوہ اُٹھانے کا حکم دیا۔ جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف فرما تھیں۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے ہودج میں اپنا ہاتھ داخل کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ جو بھی اس حرم رسول اللہ سے تعرض کرے حق تعالیٰ اس کو آگ میں جلائے تو محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمشیرہ محترمہ اس طرح کہیے کہ دُنیا کی آگ اسے جلادے۔ پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دنیا کی آگ سے کہہ دیا۔ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر میں شریک تھے اسی معرکہ میں شہید ہو گئے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ لڑائی شروع ہونے سے قبل ہی لوٹ گئے تھے۔ لیکن عمر بن جرموز نے ان کو وادی سباع میں حالت نوم میں شہید کر دیا اور ان کی تلوار لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس تلوار کو دیکھ کر فرمایا کہ اے ظالم یہ وہ تلوار ہے جس نے بارہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حفاظت کی ہے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ میں تشریف لائے اور اہل بصرہ سے بیعت لی اور عثمان ابن حنیف کو چھوڑ دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے سامان سفر تیار کیا گیا اور ان کے برادر محترم محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کو مکہ مکرمہ کی جانب روانہ کر دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بنفس نفیس کئی میل تک ان کے ساتھ چلے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اور ایک منزل آگے تک بھیجا۔ اس لڑائی میں اصحاب جمل آٹھ ہزار کی تعداد میں شہید کیے گئے اور ایک قول کے مطابق سترہ ہزار اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں سے تقریباً ایک ہزار افراد شہید ہوئے اور اس روز اونٹنی کی مہار پر تقریباً ستر ہاتھ کاٹے گئے۔ ان میں سب سے زیادہ معظم بنی ضبہ تھے۔ جب بھی کسی کا ہاتھ کٹ جاتا یک دوسرا شخص ناقہ کی مہار تھام لیتا۔ اسی سلسلہ میں ضبی نے مندرجہ ذیل اشعار کہے ہیں ۔

نحن بنی ضبة اصحاب الجمل ننازل الموت ازالموت نزل

''ہم قبیلہ بنوضبہ کے افراد ہیں اور اونٹ والے ہیں۔ ہم بھی موت کا مقابلہ کرتے ہیں جب کہ موت سامنے آتی ہے۔''

والموت احلی عندنا من العسل وکانواقد البسوه الدرع الی ان عقر

''اور موت ہمارے لیے شہد سے زیادہ عزیز ہے اور ہم وہ ہیں جنہوں نے زرہ پہن لی یہاں تک کہ قتل کر دیئے گئے۔''

لفظ بنی مدح و تخصیص کی بنا پر منصوب ہے۔ جنگ جمل بروز پنج شنبہ دس جمادی الاول یا جمادی الثانی ۳۶ھ میں واقع ہوئی۔ بعض نے دس کی بجائے پندرہ تاریخ بیان کی ہے۔ یہ لڑائی صبح سے شروع ہو کر عصر تک جاری رہی۔ کہتے ہیں کہ اشتر نخعی سے مقابلہ کے بعد حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی سلامتی کی خوش خبری سنانے والے کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دس ہزار درہم کا انعام دیا تھا۔

ابن خلکان وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جنگ کے بعد اشتر نخعی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اے اشتر تو وہی شخص ہے جس نے جنگ جمل میں میرے بھانجے کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا؟ تو اشتر نے یہ اشعار پڑھے ۔

اعائش لولا اننی کنت طاویا ثلاثا لالفیت ابن اختک هالکا

''اے عائشہؓ! اگر میں پلٹ جانے والا نہ ہوتا تو البتہ تم اپنے بھانجے کو لاش کی شکل میں پاتیں۔''

غداة ینادی والرماح تنوشه باخر صوت اقتلونی و مالکا

''صبح ہی صبح آواز لگتی اور نیزے گوشت میں پیوست ہوتے اور آواز یہ ہوتے کہ مجھے اور مالک کو قتل کردو۔''

فنجاه منی اکله و شبابه وخلوة جوف لم یکن متماسکا

''پس اس کو مجھ سے نجات مل گئی اس کی لاش کے کھانے سے بھی اور اس کی جوانی سے بھی اور جب کہ پیٹ خالی ہو تو کوئی چیز بھی نہیں تھامی جا سکتی۔''

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے سر میں اشتر نخعی کے مقابلہ میں اتنا شدید زخم لگا تھا کہ جب تک اس میں ایک شیشی بھر تیل نہ ڈالا جاتا تھا وہ بند نہیں ہوتا تھا اور حاکم نے قیس ابن ابی حازم کی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضوان اللہ عنہما کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تم میں سے بال والے اونٹ والی کون ہے؟ جو اس پر سوار ہو کر نکلے گی اور چشمہ حواب کے کتے اس کو بھونکیں گے۔''

حواب ایک چشمہ کا نام ہے جو بصرہ کے قریب واقع ہے اور ادیب الاذب سے ماخوذ ہے۔ اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کی پیشانی پر بال زیادہ ہوں۔ ابن وحیہ کہتے ہیں کہ مجھے ابن العربی پر تعجب ہے اور میں حیران ہوتا ہوں کہ اس نے اپنی کتاب ''العواصم والعواصم'' میں کس طرح اس حدیث شریف کا انکار کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ حالانکہ یہ حدیث مبارک طلوع شمس سے بھی زیادہ مشہور ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب بصرہ کی جانب خروج کیا اور حواب نامی چشمہ پر سے گزر ہوا تو کتے بھونکنے لگے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ مجھے لوٹاؤ مجھے واپس لے چلو کیونکہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تم میں سے کون سی عورت ہوگی جس کو دیکھ کر چشمہ حواب کے کتے بھونکیں گے۔ قیس ابن ابی حازم نے بھی اس حدیث کا انکار کیا اور شاعر کا یہ قول ہے ؎

شکاالی جملی طول السریٰ یا جملی لیس الی المشتکی
صبرا جمیلا فکلانا مبتلی

''میرے اونٹ کے متعلق بہت دیر تک چلنے کی شکایت کی گئی۔ لیکن اے اونٹ شکایت کا کوئی موقعہ نہیں ہے چونکہ ہم سب ہی مبتلا ہیں تو شکایت سے کیا فائدہ صبر ہی کرنا چاہیے۔''

اور جیسے عمرو بن کلثوم کا یہ شعر ہے ؎

الا لا یجهلن احدٌ علینا فنجهل فوق جهل الجاهلینا

''ہم سے کوئی جاہلانہ معاملہ نہ کرے اور اگر کرے گا تو ہم بھی اجڈ (جاہل) بن کر دکھائیں گے۔''

اور اسی طرح یہ دوسرا شعر ہے ؎

ولی فرس للحلم بالحلم ملجم ولی فرس للجهل بالجهل مسرج

''میرے پاس ایک حلم کا گھوڑا ہے جسے حلم کی باگ ڈالی ہے اور ایک میرے پاس جہالت کا گھوڑا ہے جس پر جہالت کی زین کسی گئی ہے۔''

(یعنی بردباروں کے ساتھ بردباری اختیار کرتا ہوں اور جاہلوں کے ساتھ جاہلوں کا سا برتاؤ کرتا ہوں)

فمن رام تقويمي فاني مقوم ومن رام تعويجي فاني معوج

''جو مجھے سیدھا رکھنا چاہے تو میں سیدھا رہتا ہوں اور اگر کوئی مجھے ٹیڑھا بنانا چاہے تو میں ٹیڑھا بن کر دکھاتا ہوں۔''

لقد عظم البعير بغير لب فلم يستغن بالعظم البعير

''جب اونٹ بڑھ گیا بغیر عقل کے تو اب اونٹ کی بڑائی سے بے نیازی نہیں برتی جاسکتی۔''

لسعت ذاتُ سم فی قمیصی فغادرت به اثرا والله يشفي من السم

''زہریلے جانور نے مجھے ڈسا اور اپنا برا اثر چھوڑ گیا خدا تعالیٰ ہی زہر سے اب شفا دے گا۔''

کست قیصرا ثوب الجمال وتبعا وکسریٰ وعارت وھی عاریة الجسم

''قیصر اور تبعہ اور کسریٰ ان سب کو شاہی لباس دیا گیا مگر انجام کار سب سے شاہی لباس اُتار دیا گیا پھر یہ برہنہ ہی رہ گئے۔''

جمل (اونٹ) کی کنیت ابوایوب اور ابوصفوان ہے۔

حدیث میں جمل (اونٹ) کا ذکر:

ام زرع کی حدیث ہے:

''میرا شوہر اونٹ کے گوشت کی طرح ہے جیسے کہ کسی بنجر پہاڑ کے اوپر خس وخاشاک کا انبار ہو۔''

سنن ابی داؤد میں مجاہد کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث منقول ہے:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ والے سال بطور ہدی اونٹ دیا۔ یہ اصل میں ابوجہل کا اونٹ تھا اس کے ناک میں چاندی کی نتھ پڑی ہوئی تھی۔ آپؐ اپنے اس عمل سے مشرکین کو مبتلاء رنج وغم کرنا چاہتے تھے۔''

ایک فقہی مسئلہ

خطابی نے لکھا ہے کہ اس سے ایک مسئلہ فقیہہ یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ ہدی میں نر اونٹ دینا جائز ہے۔ ابن عمر کی روایت ہے کہ وہ نر اونٹ کو بطور ہدی دینا مکروہ سمجھتے تھے۔ ان کا خیال ہے کہ صرف مادہ ہی دینا چاہیے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تھوڑی بہت چاندی کا استعمال سواریوں میں جائز ہے اور یہ جو ہے کہ آپؐ مشرکین کو غم واندوہ میں مبتلا کرنا چاہتے تھے تو یہ اس طرح کہ عام لوگوں کو معلوم تھا کہ یہ اونٹ ابوجہل کا ہے مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خرید لیا تھا۔ اب ابوجہل اور مشرکین کے لیے اس میں یہ تکلیف تھی کہ ابوجہل کا اونٹ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فداکاروں کے ہاتھوں مارا جاچکا تھا اور اس کا مال ومتاع مجاہدین کے حصہ میں لگ چکا تھا۔

ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ عرباض ابن ساریہ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک ایسی تقریر فرمائی جس سے ہماری آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور دلوں میں خوف خدا طاری ہوگیا تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر کافی ہے۔ اس کے علاوہ آپؐ کی ہمارے لئے کیا وصیت ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ میں تم کو دن کی طرح روشن رات پر چھوڑ کر جارہا ہوں۔ جو شخص اس سے انحراف کرے گا وہ ہلاکت میں مبتلا ہوگا اور جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا وہ میرے بعد بہت سے اختلافات دیکھے گا تو تم پر اس وقت اس چیز کی اتباع لازم ہے جو تم میری سنت میں دیکھو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت میں دیکھو۔ اس پر سختی سے عمل پیرا رہنا اور محدثات سے پرہیز

کرنا۔ ہرنئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور اطاعت کو لازم کرلو اگر چہ حبشی غلام ہو۔ اس لیے کہ مومن نکیل والے اونٹ کی مانند ہے۔ اگر اس کی نکیل کھینچی جائے تو اتباع کرتا ہے۔''

جمل الانف سے وہ اونٹ مراد ہے جس کے نکیل ڈال دی گئی ہو جس کی وجہ سے وہ اپنے ہانکنے والے سے روگردانی نہیں کرتا۔ نیز انیخ اس اونٹ کو بھی کہتے ہیں جو آسانی سے تابع ہو جائے۔ بعض روایتوں میں **کالجمل الآنف** یعنی ہمزہ کی مد کے ساتھ آیا ہے۔ یہ بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔ نیز ایک روایت میں **ان قید أنقاد** کے بعد ان الفاظ کی زیادتی ہے **اوان انیخ علی صخرة اناخ** (اگر اس کو پتھریلی زمین پر بٹھایا جائے تو بیٹھ جاتا ہے) **نواجذ** ان دانتوں کو کہتے ہیں جو داڑھوں کے قریب ہوتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سنت پر اس سختی سے عمل پیرا ہو جاؤ جس سختی سے پکڑنے کی غرض سے کسی چیز کو اپنے دانتوں سے دبایا جاتا ہے۔

ایک دوسری حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔''

اس حدیث میں نواجذ سے مراد ضواحک ہے۔ ضواحک بوقت ہنسی ظاہر ہونے والے دانتوں کو کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی ہنسی مسکراہٹ ہی تھی۔

امام احمد ابو داؤد اور نسائی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

''جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی نشست اختیار نہ کرے بلکہ پہلے زمین پر دونوں گھٹنے ٹیکے اور پھر اپنے دونوں ہاتھ۔''

خطابی کہتے ہیں کہ اس حدیث سے وائل بن حجر کی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے جس کو چار ائمہ نے ان سے نقل کیا ہے:

''راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب آپ سجدہ فرماتے تھے تو دست مبارک سے پہلے اپنے گھٹنوں کو زمین پر رکھتے تھے اور جب اُٹھتے تھے تو دست مبارک گھٹنوں سے پہلے اُٹھاتے تھے۔''

حضرت امام بخاریؒ، امام ترمذی اور نسائی وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضور اکرم ﷺ کی معیت میں ایک اونٹ پر سوار تھے۔ وہ اونٹ تھک گیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کی پشت پر لکڑی چبھوئی اور اس کے حق میں دُعا فرمائی۔ پھر آپ نے اس پر سوار ہونے کا حکم دیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس پر سوار ہو گئے اور سب سے آگے نکل گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ نے پوچھا کہ جابر تو نے اپنے اونٹ کو کیسے پایا؟ تو میں نے جواب دیا کہ حضور ﷺ آپ کی برکت نے اس کو ٹھیک کر دیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس کو میرے ہاتھ فروخت کرو گے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں شرما گیا اور میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔ لہٰذا میں نے عرض کیا کہ جی حضور! تو آپ اس کی قیمت میں اضافہ کرتے رہے اور یہ فرماتے رہے کہ اللہ تمہاری مغفرت کرے۔ یہاں تک کہ میں نے اس کو ایک اوقیہ سونے کے بدلے میں آپ کے ہاتھ فروخت کر دیا' اس شرط پر کہ میں مدینہ تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا۔ لہٰذا میرے مدینہ پہنچنے پر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کو قیمت دو اور کچھ مزید بھی دے دو۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اونٹ بھی مجھ کو واپس کر دیا۔''

اور ابن حبان کی کتاب میں حماد ابن سلمہ کی یہ حدیث مذکور ہے:

''حضرت ابو زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے لیلۃ البعیر

میں میرے لیے ۲۵ مرتبہ دُعائے مغفرت فرمائی۔''
بیع میں شرط کے جواز کے بارے میں فقہانے اسی پہلی حدیث شریف کو متدل بنایا ہے۔ نیز اس سلسلہ میں ائمہ فقہ کا جو اختلاف ہے کتب فقہ میں مفصل مذکور ہے۔
سہیلیؒ کہتے ہیں کہ اس خریدنے اور قیمت متعینہ سے زیادہ دینے اور اونٹ کو واپس کرنے کی مصلحت یہ ہے کہ آنحضور ﷺ یہ بتانا چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ کو زندہ فرما دیا ہے اور ان کی روح ان کو واپس عطا کر دی ہے۔ پس نبی کریم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خرید فرمایا۔
جس طرح اللہ تعالیٰ نے شہداء کی جان کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے اور انسان کی جان کو بھی خرید لیا ہے۔ پھر ان کو مزید ثواب عطا کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ.
''نیکی کرنے والوں کو اللہ نیکی کے ثواب کے علاوہ مزید اپنی رحمت سے اور بھی عطا کرتا ہے۔''
پھر اللہ رب العزت شہداء کی ارواح کو ان کو واپس کر دیتا ہے جو ان سے جنت کے بدلہ میں خریدے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے:
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○
''اور اے لوگو! اللہ کے راستے میں شہید ہونے والوں کو مردہ مت تصور کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور ان کو رزق پہنچایا جاتا ہے۔''
تو نبی کریم ﷺ نے اونٹ کو خرید کر اور قیمت میں اضافہ فرما کر اور پھر اونٹ کو واپس کر کے اس خبر کی اپنے عمل سے مثال دی۔
''نبی کریم ﷺ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے تو دیکھتے ہیں باغ میں ایک اونٹ ہے اور وہ اونٹ آپؐ کو دیکھ کر رونے لگا تو آپؐ نے اس کے کوہان پر دست شفقت پھیرا اور وہ چپ ہو گیا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے تو ایک انصاری جوان آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اس سے فرمایا کہ تم اس چوپائے کے بارے میں جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالک بنایا ہے خدا کا خوف نہیں کرتے۔ کیونکہ اس نے مجھ سے یہ شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور اس سے مسلسل کام لیتے ہو۔''
طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے:
حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم غزوہ ذات الرقاع میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلے' یہاں تک کہ جب ہم بحیرہ واقم میں پہنچے تو اچانک ایک اونٹ دوڑتا ہوا آنحضور ﷺ کی جانب بڑھا حتیٰ کہ آپؐ کے قریب آ کر بلبلانے لگا تو رسول اکرم ﷺ نے ہم سے کہا کہ یہ اونٹ اپنے مالک کے خلاف مجھ سے شکایت کر رہا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اس کا مالک اس سے بہت دنوں تک کھیتی کا کام لیتا رہا یہاں تک کہ بوڑھا بنا دیا اور اس کو لاغر کر دیا اور اس کی عمر کبرسنی کو پہنچ گئی تو اب اس کو ذبح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اے جابر! تم اس کے مالک کے پاس جاؤ اور اس کو بلا کر لاؤ۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا میں تو اس سے واقف نہیں ہوں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اونٹ تمہیں اس کا راستہ بتائے گا' تو اونٹ میرے آگے آگے تیزی سے چلنے لگا اور مجھے بنی خطمہ میں پہنچا دیا۔ میں نے مجلس میں موجود لوگوں سے معلوم کیا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ فلاں ابن فلاں کا ہے۔ تو میں اس کے پاس آیا اور کہا کہ حضور اکرم ﷺ کو جواب دو' تو وہ میرے ساتھ ہو

لیا اور حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا اونٹ یہ کہتا ہے کہ تم نے ایک مدت تک اس سے کھیتی کا کام لیا یہاں تک کہ اس کو بوڑھا کر دیا اور کمزور ونحیف بنا دیا اور یہ کبرسنی کو پہنچ گیا تو تم اس کو ذبح کرنا چاہتے ہو؟ اس پر اس نے آپؐ سے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے یہ اسی لیے ہے۔ تو آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا یہی صالح مملوک کی جزاء ہے۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے اس سے اس اونٹ کو خرید لیا۔ پھر آپؐ نے اس کو درختوں میں چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ طاقت ور ہو گیا اور طاقت کے باعث اس کا کوہان موٹا ہو گیا۔ جب مہاجرین اور انصار اپنے عطیات آنحضور ﷺ کو دیتے تو آپؐ اس میں سے کچھ حصہ اس اونٹ کے چارہ و پانی کے لیے محفوظ فرماتے۔ ایک زمانہ تک آپؐ کا یہی دستور رہا۔''

اونٹوں کے متعلق ایک عجیب حکایت

قشیریؒ نے اپنے رسالہ میں اور ابن جوزی نے مشیر الغرام الساکن میں احمد ابن عطاء رودباری کا یہ قصہ بیان کیا ہے:

''ابن عطاء کہتے ہیں ایک دن میں اونٹ پر سوار تھا کہ اچانک اونٹ کے پاؤں ریت میں دھنسنے لگے تو میں نے جل اللہ کہا۔ پھر اونٹ نے بھی جل اللہ کہا۔''

نیز انہی کا دوسرا واقعہ قشیریؒ نے کرامات اولیاء کے باب میں ذکر کیا ہے کہ مکہ کے راستے میں ایک شخص نے مجھ سے اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں نے اونٹوں کی قطار دیکھی جن پر بوجھ لدا ہوا تھا اور گردنیں دراز تھیں۔ میں نے کہا پاک ہے اللہ کی ذات جس نے ان کو طاقت بخشی۔ پھر میں اونٹوں کی جانب متوجہ ہوا تو ایک اونٹ نے کہا کہ جل اللہ کہو۔ میں نے جل اللہ کہہ دیا۔''

اگر اونٹ کو یا کسی جانور کو نظر لگ جائے

دمیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے بعض ماہر علماء متقدمین کی تحریروں میں پڑھا ہے کہ شہر خراسان میں ایک عائن (نظر بد والا) رہتا تھا۔ وہ ایک روز مجلس میں بیٹھا تھا تو اس کے سامنے سے اونٹوں کی ایک قطار گزری۔ عائن نے حاضرین مجلس سے دریافت کیا۔ بتاؤ کون سے اونٹ کا گوشت کھاؤ گے؟ انہوں نے ایک بہترین اونٹ کی جانب اشارہ کر دیا۔ عائن نے اس پر نظر ڈالی تو وہ اونٹ فوراً گر گیا۔ اونٹ کا مالک ہوشیار تھا۔ اس نے کہا کس نے میرے اونٹ کو نظر لگائی ہے؟

اس کو یہ دُعا پڑھ کر نظر بد زائل کر دینی چاہیے:

دعا

بِسْمِ اللّٰهِ عَظِيْمِ الشَّانِ شَدِيْدِ الْبُرْهَانِ مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ حَبَسَ حَابِسٌ مِنْ حَجَرٍ يَابِسٍ وَشِهَابٍ قَابِسٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ رَدَدْتُ عَيْنَ الْعَائِنِ عَلَيْهِ وَفِىْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَيْهِ وَفِىْ كَبِدِهٖ وَكَلِيَتِيهِ لَحْمٌ رَقِيْقٌ وَ عَظْمٌ دَقِيْقٌ فِيْمَا لَهُ يَلِيقُ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ.

اس دُعا کے پڑھنے کے چند ہی ساعت گزری تھیں کہ وہ اونٹ صحیح و سالم کھڑا ہو گیا گویا کہ اسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

ایک فقہی مسئلہ

عائن کی نظر بد سے اگر کوئی مر جائے اور وہ اس کا اقرار بھی کر لے تو بھی اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور دیت نہ کفارہ واجب ہوگا

کیونکہ عادتاً نظر بد موت کا سبب نہیں بنتی۔ عائن کو نظر بد سے متاثر ہونے والے کے لیے ان الفاظ سے برکت کی دُعا کرنی چاہیے:

اَللّٰهُمَّ بَارِکْ فِيْهِ وَلَا تَضُرُّهُ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ.

قاضی حسین نے بیان کیا کہ ایک نبی علیہ السلام نے اپنی اُمت کو بہت سمجھایا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی رات میں ایک ہزار افراد کو موت دے دی۔ صبح کو نبی نے اللہ تعالیٰ سے اس کی شکایت کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تم نے ان کی تعداد کو کثیر سمجھا تو کیوں حفاظت نہیں کی؟ انہوں نے کہا میں کس طرح حفاظت کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم یہ کہتے:

حَصَّنْتُكُمْ بِالْحَيِّ الْقَيُّوْمِ الَّذِیْ لَا يَمُوْتُ اَبَدًا وَدَفَعْتُ عَنْكُمُ السُّوْءَ بِلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ○

قاضی صاحب فرماتے ہیں ہر اس شخص کو جس کی جان محفوظ اور حالات پرسکون ہوں اپنے بارے میں یہی کہنا چاہیے۔ قاضی صاحب خود بھی جب اپنے شاگردوں کی تعداد بڑھتے ہوئے دیکھتے تو یہی عمل کرتے تھے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ نظر بد انسان کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ کیونکہ یہ بات قاضی حسین کے مسلک کے خلاف ہے۔

ایک کرامت

قشیری نے سعید ابن محمد بصری کا یہ قصہ بیان کیا ہے کہ میں نے بصرہ کے راستے میں ایک اعرابی کو اونٹ ہانکتے ہوئے دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے اونٹ کو مردہ اور سامان اور پالان کو زمین پر گرا ہوا دیکھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد میں پھر اس کی جانب متوجہ ہوا تو وہ اعرابی یہ کہہ رہا تھا اے مسبب الاسباب اور ہر شخص کی مراد پوری کرنے والے میری سواری مجھے لوٹا دے۔ اونٹ کچھ دیر بعد زندہ ہو گیا اور اس پر کجاوہ اور پالان وغیرہ رکھ دیا۔ مردہ کو زندہ کرنا کرامت ہے اگرچہ یہ امر عظیم ہے مگر ثابت ہے۔ قابل اعتماد اور محققین ائمہ اصول کا پسندیدہ مسلک یہی ہے۔ اس لیے کہ ہر وہ بات جو نبی سے بطور معجزہ ثابت ہو ولی کامل سے بطور کرامت ثابت ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ نبی کی طرح چیلنج نہ کرے۔ مردوں کو زندہ کرنے کی کرامت اولیاء کرام سے بے شمار ثابت ہے۔ ان شاء اللہ اسی کتاب میں بعض جگہ اس قسم کے چند واقعات آئیں گے۔

شیخ یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کسی ولی سے کرامت کا صدور، یہ افضلیت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ کرامت کا صدور اس وجہ سے بھی ہو جاتا ہے کہ یقین کامل پیدا ہو جائے اور ذات الٰہ کی معرفت کلی طور سے آشکارا ہو جائے۔ قطب العلوم و تاج العارفین ابو القاسم الجنید فرماتے ہیں: یقین نام ہے مشہد غیب کے متعلق ارتفاع شک کا اور اس علم کا جس کے بارے میں تغیر و تبدل کا امکان نہ ہو۔

یافعی کہتے ہیں کہ کرامت کا صدور اکثر و بیشتر محبین اور زاہدین سے ہوتا ہے اور عارفین سے بہت کمی کے ساتھ کیونکہ معرفت محبت سے افضل ہے۔ و ھذا ھوا المختار عندالمحققین. واللّٰہ اعلم

ایک عجیب حکایت

علامہ محمد ابن ظفر اپنی کتاب ''خیر البشر بخیر البشر'' میں لکھتے ہیں کہ اسکندریہ کے دروازے پر تانبے کے اونٹ کا مجسمہ بنا ہوا تھا جس پر عربی شکل کا ایک زرہ پوش سوار تھا۔ سر پر عمامہ اور پیروں میں جوتے بھی تانبے کے تھے۔ اسکندریہ میں اگر دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہوتو وہ باہمی تصفیہ کے لیے اس مجسمہ کے سامنے آتے اور مظلوم ظالم سے کہتا کہ اس گھوڑ سوار کے غائب ہونے سے قبل میرا حق دے دو۔ کیونکہ جس وقت یہ غائب ہو گا تجھ سے میرا حق پورا وصول کرے گا تو چاہے یا نہ چاہے۔ یہ مجسمہ حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ

کے مصر فتح کرنے تک باقی رہا پھر غائب ہو گیا۔
دمیریؒ کہتے ہیں کہ اس میں محمد عربی ﷺ کی بشارت کی جانب اشارہ ہے۔
جمل کا شرعی حکم اور طبی خواص ابل کے بیان میں گزر چکے ہیں۔

ضرب المثل اور کہاوتیں

اہل عرب کہتے ہیں **الجمل من جوفه يجتر** (اونٹ اپنے پیٹ سے نکال کر جگالی کرتا ہے)۔ یہ مثال اس شخص کے بارے میں دی جاتی ہے جو اپنے جمع شدہ مال سے تمتع کرلے۔
(۲) اہل عرب کہتے ہیں: **اخلف من بول الجمل**. فلاں اونٹ کی طرح پیچھے سے پیشاب کرتا ہے۔ **اخلف**، **خلف**. سے ماخوذ ہے جس کے معنی پیچھے کے آتے ہیں۔ یہ اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ اونٹ پیچھے کی جانب سے پیشاب کرتا ہے۔
نیز اس شخص کے بارے میں جو کسی امر مشکل میں پھنس گیا ہو اس کے بارے میں مثال دیتے ہیں **وقع القوم فی سلا جمل** (قوم جمل کی جھلی میں پھنس گئی) سلا وہ جھلی جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ اگر وہ پیٹ میں پھٹ جاتی تو بچہ اور ماں دونوں مرجاتے ہیں۔
جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں **اعز من الابلق العفرق** کہ فلاں کام غیر ممکن چیز سے بھی زیادہ سخت ہے محال ہے۔
اسی طرح اہل عرب کہتے ہیں **الثمر فی البير وعلى ظهر الجمل**۔
اس کی یہ اصل ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص کسی نتیجہ پر پہنچ جاتا تھا یا اس کو کسی کام میں کامیابی حاصل ہو جاتی تھی تو مدینہ کے پہاڑوں پر چڑھ کر مندرجہ بالا جملہ پکارتا تھا۔ یعنی جو شخص بذریعہ اونٹنی کنوئیں کے پانی سے سیراب کرے تو وہ اپنے سیراب ہونے کا پھل بہت جلد حاصل کرلے گا۔ اور اسی ہم معنی شاعر کا قول ہے ۔

اذا انت لم تزرع و ابصرت حاصدا ندمت على التفريط فی زمن الزرع

''تم کھیتی پر تو محنت کرتے نہیں اور کاٹنے کی تمنائیں بلند رکھتے ہو۔ تو یقیناً تم کو اپنی ان کوتاہیوں پر نادم ہونا پڑے گا جو کھیتی کے لیے مناسب دنوں میں تم کرتے رہے۔''

تسالنی ام الوليد جملا يمشی رويدا ويكون اولا

''ام ولید مجھ سے اونٹ مانگتی ہے۔ یہ ہلکی رفتار چلنے کے باوجود سب سے آگے رہتا ہے۔''

جمل کی خواب میں تعبیر

جمل کی خواب میں تعبیر عام طور پر حج سے دی جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ عربی اونٹ کی خواب میں تعبیر حج ہے اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بلدِ الاية.

''بختی اونٹ سے عجمی شخص مراد ہوتا ہے۔''
اگر کسی شخص نے خواب میں یہ دیکھا کہ اس پر اونٹ حملہ آور ہوا۔ اس کی تعبیر یہ دی جائے گی کہ صاحب خواب کی بے وقوف سے لڑائی ہوگی۔ اگر اونٹ کی مہار پکڑ کر مانگتا ہوا دیکھے تو کسی گمراہ شخص کو راہ راست پر لانے کی جانب اشارہ ہے۔ خواب میں اونٹ کے سر کو کھانے سے مراد کسی سردار کی غیبت ہے۔ کثیر تعداد میں عربی اونٹ دیکھنے کا مطلب ہے کہ صاحب خواب عرب قوم کا سردار ہوگا اور دو

اونٹوں کولڑتے ہوئے دیکھنااس سے مراددوبادشاہوں میں جنگ وجدال واقع ہوگا۔
اگرکسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ اونٹ کی نکیل پکڑکراس کوکھینچے لیے جارہاہےتواس کی یہ تعبیر دی جائے گی کہ وہ اپنے دشمن پر غلبہ حاصل کرلے گا۔اونٹ کی تعبیر جاہل قوم سے بھی دی جاتی ہے۔اگراپنے آپ کواونٹ پر سے گزرتے ہوئے دیکھےتوفقروفاقہ میں مبتلا ہونے کی طرف اشارہ ہے۔اگرخواب میں اونٹ کسی کے لات ماردےتو یہ بیمار ہونے کی علامت ہے۔اونٹوں کی قطار دیکھنے سے بارش مراد ہے کیونکہ بارش کے قطرات یکے بعد دیگرے آتے ہیں۔اوراونٹ جس طریقے سے بوجھ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں اسی طرح بادل بھی پانی کولے کرچلتے ہیں۔اگر یہ دیکھا کہ وہ اونٹ بن گیاتو یہ شخص دوسرے کے بوجھ کو برداشت کرلے گا۔
بختی اونٹ پرسفرکی تعبیر طویل سفر سے دی جائے گی۔اگرکسی شخص نے دیکھا کہ وہ بختی اونٹ پرسفرکررہاہےتواس کی یہ تعبیر دی جائے گی کہ وہ بلامقصد طویل سفرکرے گا۔کبھی اونٹ سے مرادگھراورکشتی ہوتی ہے کیونکہ اونٹ خشکی کی کشتی ہے۔
جمل کی تعبیر موت سے بھی دی جاتی ہے کیونکہ یہ دوست احباب کولے کر دوردراز کا سفرکرتا ہے۔اورزوجہ سے بھی اس کی تعبیر دی جاتی ہے۔اورحسدوکینہ اورانتقام بھی مراد ہوتا ہے۔کبھی صابر شخص کی جانب بھی اشارہ ہوتا ہےاورکبھی ان کاموں میں تاخیر کی جانب اشارہ ہوتا ہے جس کوانسان جلدی کرنے کا متمنی ہوتا ہے۔جمل کوخواب میں دیکھنے سے خوب صورتی بھی مراد ہوتی ہے کہ جمل کے معنی خوبصورت کے ہیں اورکبھی سانپ بھی مراد ہوتے ہیں۔کیونکہ اونٹ سانپ کی کھال سے پیدا کیا گیا ہے۔اگراونٹ کا مالک اپنے اونٹ کو خواب میں دیکھےتو یہ اس کے لیے انتہائی نفع بخش اورسودمند ہونے کی علامت ہے۔
ابن المقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اونٹ کی تعبیر غریب الوطن مسافریا بحری وبری علاقوں میں تجارت کرنے والے فرد سے بھی دی جاتی ہے۔کبھی عجمی وغرباءلوگ بھی مراد ہوتے ہیں۔نیزکبھی کبھی ہلاکت مال اورقید سے بھی اس کی تعبیر دے دی جاتی ہے۔

جَمَلُ[1] الْبَحْر

(مچھلی) یہ اونٹ کے مشابہ ہوتی ہے جس کی لمبائی تین ہاتھ کے بقدر ہے۔ابوعبیدہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے اس کے کھانے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

جَمَلُ الْمَاءِ

(ایک قسم کا پرندہ) جمل الماء۔ایک قسم کے پرندے کوکہتے ہیں جس کی چونچ لمبی ہوتی ہے۔اس کا نام حوصل بھی ہے۔مفصل بیان باب الحاء میں آئے گا۔ان شاءاللہ تعالیٰ۔

جَمَلُ الْیَھُوْد

(گرگٹ) جمل الیھود۔گرگٹ کوکہتے ہیں۔اس کا بیان بھی باب الحاء میں آئے گا۔ان شاءاللہ تعالیٰ۔

---

[1] الجمل البحر: وہیل مچھلی کی ایک قسم۔

اَلْجَمَعْلِيْلَةُ

(بجو) اَلْجَمَعْلِيْلَة (جیم ومیم پر فتح) بجو کو کہتے ہیں۔ باب الصاد میں تفصیل آئے گی۔ ان شاءاللہ۔

جميل وجميل

جمیل وجمیل ۔چھوٹے سے پرندے کو کہتے ہیں۔اس کی جمع جملان بروزن کعبان آتی ہے۔سیبویہ کہتے ہیں کہ یہ بلبل پرندہ ہوتا ہے۔

الجنبر

مقعد کے وزن پر۔سرخاب کے بچے کو کہتے ہیں۔

الجندب

الجندب (دال پر تینوں اعراب) یہ ٹڈی کی ایک قسم ہوتی ہے۔بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ جندب نر ٹڈی کو کہتے ہیں۔اس کی جمع جنادب آتی ہے۔

سیبویہ کہتے ہیں کہ نون اس کے اندر زائد ہے۔ جاحظ کہتے ہیں یہ اپنے بازو سے زمین کھودتی ہے اور سخت گرمی کی حالت میں اس میں پناہ لیتی ہے۔

حدیث شریف میں جندب کا ذکر:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے دعوت دے کر بھیجا ہے اس کی مثال ہے جیسا کہ کسی نے آگ روشن کی ہو اور اس میں پتنگے اُڑ کر گرتے ہوں۔''

(رواه مسلم والترمذی کلاهما عن قتيبة بن سعيد عن المغيرة بن عبدالرحمن عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم)

وفی حديث ابن مسعود كان يصلی الظهر والجنادب ينفزن من الرمضاء ای تشب من شدة حرارة الارض.

''ابومسعود ظہر کی نماز پڑھتے تھے تو پتھریلی زمین کی تپش کی بناء پر پتنگے اُڑ اُڑ کران پر گرتے۔''

اَلْجُنْدُعُ

(کالی ٹڈی) الجندء۔امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں یہ چھوٹی ٹڈی ہوتی ہے۔ابن سیدہ فرماتے ہیں کہ جندع بروزن قنفذ چھوٹی ٹڈی کو کہتے ہیں۔جس کے لمبے لمبے سینگ ہوتے ہیں اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

اَلْجِنُّ

(ہوائی مخلوق) [1] اَلْجِنُّ۔ یہ انسانوں کے برخلاف ایک ہوائی مخلوق ہے۔ حق تعالیٰ نے اس کو مختلف شکل وہیئت اختیار کرنے کی قدرت عطا فرمائی ہے اور مشکل سے مشکل کام کا انجام دینے کی طاقت عطا کی ہے (اس کا واحد جنی آتا ہے) جن (ن) جنونا اس کے معنی آتے ہیں۔ دیوانہ ہونا یا پاگل ہونا' پوشیدہ ہونا۔ جن بھی نظروں سے پوشیدہ' اوجھل رہتا ہے۔ اس لیے اس کا نام جن رکھ دیا۔

حدیث شریف میں جن کا تذکرہ

طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ ثعلبہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے:

''آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جن کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جن کے پر ہوتے ہیں اور وہ اس کے سہارے اُڑتے ہیں۔ دوسرے سانپ کی قسم ہے اور تیسرے اِدھر اُدھر پھرتے ہیں (یعنی کوچ کرتے ہیں)۔''

ابن درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ:

''نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حق تعالیٰ نے جِنّ کی تین قسمیں پیدا کی ہیں۔ ایک قسم سانپ' بچھو اور حشرات الارض کی شکل میں دوسری ہوا کی طرح جو فضا میں رہتے ہیں اور تیسری قسم انسانوں کی طرح ہے۔ یہ حساب کتاب کے بھی مکلف ہیں۔''

ان کا مفصل بیان باب الخاء میں خشاش کے بیان میں آئے گا۔

اور انسانوں کو بھی حق تعالیٰ نے تین قسم پر پیدا کیا۔ ایک قسم چوپائے کی طرح ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

ان ھم الا کالانعام بل ھم اضل سبیلا. وقال تعالیٰ لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم آذان لا یسمعون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغافلون.

ایک قسم وہ ہے جن کے اجسام انسانوں کی طرح ہیں اور ان کی روح شیطان کی طرح ہیں اور ایک قسم وہ ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سایہ میں ہوں گے۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ جس طرح انسانوں کی جانب مبعوث کیے گئے ہیں' اسی طرح جنات کی جانب بھی بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ کلام ربانی اس پر شاہد ہے۔

---

[1] عربی لغت میں ہر اس چیز کو جن کے نام سے پکارا جاتا ہے جو نظر نہ آسکے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک مقرب مخلوق فرشتہ بھی انسانوں کو نظر نہیں آتے۔ اس لیے عربی لغت میں فرشتوں کو بھی جن کہتے ہیں۔ اور اسی طرح جنت بھی انسانوں کی نظر سے پوشیدہ ہے اس لیے عربی لغت میں بہشت کا نام جنت ہے۔ لیکن اصطلاح کے اعتبار سے جن وہ جاندار ہیں جن کا جسم آگ اور ہوا کو مرکب ہے اور مادہ کی لطافت کی وجہ سے یہ مخلوق اس چیز پر قادر ہے کہ کوئی بھی شکل اختیار کر لے۔ یہ مخلوق وہم اور خیال کی قوت سے لطیف اور ثقیل جسم ترتیب دے کر مختلف خوفناک اور خوب صورت سے خوب صورت شکل میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے جو مخلوق انسانوں وغیرہ کو ستاتی ہے اور اللہ کی نافرمان ہے اسے شیطان اور جو نیک اور غیر مضر ہیں ان کو جن کہتے ہیں۔ اور چونکہ ان میں برائی بھلائی کو سمجھنا وغیرہ اور کھانا پینا' عورتوں کی طلب اور دوسری حیوانی خصلتیں پائی جاتی ہیں۔ اس لیے یہ خلق بھی شرعاً احکام الٰہی کی مکلف ہے۔

خداوند کریم کا ارشاد ہے:

وَاُوحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْآن لا نُذْرُکُمْ بِہٖ وَمن بلغ .

اور ومن بلغ میں جنات بھی شامل ہیں۔دوسری آیت شریفہ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذَا صَرَفْنَا اِلَیْکَ نَفَرًا مِنَ الْجِنّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰن الایة.

وَقَالَ تَعَالٰی تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا.

وقال عزوجل. وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ وَقَالَ تَعَالٰی وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَافَّةً لِلنَّاسِ ○

جوہریؒ کہتے ہیں کہ جن وانس کے لیے ناس بھی آتا ہے۔ایک جگہ حق تعالیٰ نے جن وانس کو خطاب کرتے ہوئے ثقلان کا لفظ استعمال کیا ہے۔فرماتے ہیں سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّھَا الثَّقَلانِ فَبِاَیِّ آلآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ جن وانس کو ثقلان اس وجہ سے کہتے ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے بوجھل ہیں۔ وَقال تعالٰی وَلِمَن خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَان. اسی وجہ سے بعض علماء نے کہا ہے:

جنات میں بھی ایک جماعت مقربین بارگاہ اور نیک لوگوں کی ہوگی جو جنت میں جائے گی۔جس طریقہ سے انسانوں میں ایسی جماعتیں ہیں (مطلب اس کا یہ ہے) جس طریقہ سے انسانوں میں دو گروہ مومنین وقانتین اور کفار ومشرکین ہیں اس طریقہ سے جنات میں دو گروہ ہیں ایک مومنین کا دوسرا مشرکین کا۔انسانوں میں سے بھی مومن نیکوکار جنت میں جائیں گے اور اپنے اعمال صالحہ کا بدلہ پائیں گے۔جنات میں سے مومنین کا طبقہ بھی جنت میں جائے گا۔

گروہ جنات میں مومنین کا طبقہ جنت میں جائے گا یا نہیں؟ اس سلسلے میں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ مومنین کا طبقہ جنت میں بھی جائے گا اور انسانوں کی طرح ثواب پائے گا لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام لیث یہ دونوں حضرات کہتے ہیں کہ ان کی جنت تو صرف یہ ہے کہ نار جہنم سے محفوظ رکھا جائے گا۔کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَیُجِرْکُمْ مِنْ عَذَابِ الیم وَقَال تَعَالٰی فمن یومن بربه فلا یخاف بَخْسًا و لا رھقا.

جمہور علماء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ مومنین کو عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا۔رہی بات کہ جنات جنت میں جائیں گے یا نہیں؟ اس سلسلے میں قرآن حکیم میں وضاحت ہے۔دوسرا جواب یہ دیا ہے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے ثواب کو ان پر مخفی رکھا ہو۔بعض علماء یہ کہتے ہیں جنات جنت میں داخل ہونے کے بعد انسانوں کے ساتھ نہیں رہیں گے بلکہ ایک گوشہ جنت میں رہیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مخلوق کی چار قسمیں ہیں: ایک مخلوق وہ ہے کہ جو تمام جنت میں جائے گی یعنی ملائکہ۔دوسری وہ مخلوق ہے جو تمام جہنم میں جائے گی یعنی شیاطین۔اور ایک مخلوق ایسی ہے جس کے بعض افراد جنتی ہیں بعض جہنمی، یعنی انسان اور جن، نیز ملائکہ جن وانسان کی طرح جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز نہیں ہوں گے۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مومن جنات کے متعلق سوال کیا گیا کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یا نہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا جنت میں داخل تو ہوں گے مگر انسانوں کی طرح جنت کی نعمتوں سے محظوظ نہیں ہوں گے بلکہ تسبیح وتقدیس ہی میں ان کو لطف اور لذت محسوس ہوگی۔"

آپؐ کی بعثت کے عموم پر بہت سی احادیث ہیں۔مثلاً امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے جامع ترین کلام عطا کیا گیا ہے اور تمام لوگوں کی جانب مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔''
حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے کہ میں ہر کالے اور گورے کی جانب مبعوث کیا گیا ہوں۔
علامہ محمد بن ظفر کی کتاب ''خیر البشر بخیر البشر'' میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مذکور ہے:
''راوی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا جو شخص تم میں سے لیلۃ الجن میں میرے ہمراہ چلنا چاہے وہ چلے۔ میں آپؐ کے ہمراہ چل دیا۔ ہم مکہ میں ایک بلند مقام پر پہنچے۔ وہاں پر آپؐ نے میرے لیے خط کھینچ کر ایک دائرہ بنا دیا۔ پھر آپؐ تشریف لے گئے اور کھڑے ہو کر آپؐ قرآن کریم کی تلاوت فرمانے لگے اور آپؐ کے پاس ایک جم غفیر جمع ہو گیا۔ اور آپؐ اور میرے درمیان وہ آڑ بن گئے حتیٰ کہ آپؐ کی آواز بھی بند ہو گئی۔ پھر وہ منتشر ہو کر چلنے لگے۔ جس طرح بادل چلتے وقت ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ سب کے چلے جانے کے بعد صرف ایک جماعت باقی رہ گئی۔ پھر آپ جناب ﷺ تشریف لائے اور فرمایا جنات کی جماعت کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ فلاں جگہ ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہڈی اور لید لاؤ۔ آپؐ نے ان کو ہڈی اور لید دے کر ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص ہڈی اور لید سے استنجا نہ کرے۔''
اسی کتاب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ابن حرث سے یہ روایت منقول ہے کہ:
''ہم ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ شام کے وقت ایک منزل پر ٹھہرے پس جب آنحضور ﷺ کے قریب پہنچا تو میں نے ایک شور اور جھگڑے کی آواز سنی۔ ایسی آواز اس سے قبل میں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ میں آپؐ کا انتظار کرنے لگا۔ یہاں تک کہ آپؐ تشریف لے آئے اور تبسم فرماتے ہوئے بولے: مسلمان جن اور مشرکین جن میرے پاس اپنا مقدمہ لے کر آئے تھے اور اپنے مسکن کے بارے میں فیصلہ چاہتے تھے۔ میں نے مسلم جنات کو حلس میں اور مشرکین جنات کو غور میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔''
حلس بلند اور اچھے مقام کو کہتے ہیں اور غور پست اور بے کار زمین کو کہتے ہیں۔
اسی کتاب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ذیل کی حدیث بھی مذکور ہے:
''آنحضور ﷺ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ عکاظ نامی بازار کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ شیاطین آسمان پر پہنچ کر خبریں نہیں لا سکتے تھے۔ جب شیاطین اپنی جماعت میں پہنچے تو ان سے ان کے ساتھیوں نے پوچھا کہ آپ آسمانی خبریں کیوں نہیں لاتے؟ بولے کہ مضبوط رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی ہیں اور ہم پر شدید انگارے پھینکے جاتے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عظیم واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے اس کا سراغ لگانا چاہیے۔ یہ سراغ لگانے کے لیے نکلے تو رسول اکرم ﷺ کی پارٹی سے ان کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ اس وقت آنحضور ﷺ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ انہوں نے اس عجیب وغریب کلام کو سن کر یقین کر لیا کہ یہی کلام ہمارے اور آسمان کے درمیان حائل ہو گیا ہے اور اپنی قوم کو آ کر بتایا کہ ہم ایک عجیب کلام سن کر آئے ہیں۔ آنحضور ﷺ کا جنات سے یہ پہلا سابقہ تھا۔ اس سے پہلے آپؐ نے انہیں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بس بطور وحی کچھ چیزیں جنات کے بارے میں آپؐ تک پہنچائی گئی تھیں۔''
صحیح مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث منقول ہے:
''بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک رات نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ رات میں ہم نے آپؐ کو غائب پایا تو ہم نے تمام وادیوں

اور گھاٹیوں میں تلاش کرنے کے باوجود نہ پا کر یوں سوچنے لگے کہ آپؐ غائب ہو گئے یا کہیں رحلت کر گئے۔ ہم تمام رات انتہائی پریشان رہے۔ صبح کے وقت اچانک آپؐ تشریف لائے حراء کی جانب سے۔ ہم نے آپؐ سے عرض کیا اے اللہ کے نبی ہم نے رات آپؐ کو غائب پایا اور تلاش کے باوجود بھی آپؐ نہیں ملے جس کی وجہ سے ہم رات بھر نہایت پریشان رہے۔ ارشاد ہوا مجھے جن بلانے آیا تھا میں نے اس کے ساتھ جا کر ان کو قرآن کریم سنایا۔ اس کے بعد آپؐ ہمیں لے کر چلے اور آپؐ نے ان کے نشان وغیرہ ہم کو دکھائے۔ اسی رات میں جنات نے آپؐ سے اپنی غذا کے متعلق سوال کیا تھا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ جس ہڈی پر اللہ کا نام لیا گیا ہو وہ ہڈی استعمال کرو وہ تمہارے لیے گوشت سے بہتر ہے۔ اور مینگنیاں تمہارے چوپاؤں کے واسطے چارہ ہیں۔ پھر آپؐ نے ہم سے ارشاد فرمایا کہ ان چیزوں سے استنجامت کرو کیونکہ یہ تمہارے بھائیوں کی غذا ہے۔''

طبرانی نے بسند حسن حضرت زبیر ابن العوام رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے:

''راوی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہمیں مسجد نبوی میں فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ سلام پھیرنے کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا: رات کو وفد جن سے ملاقات کے لیے میرے ہمراہ کون چلے گا؟ سب لوگ خاموش رہے اور کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آپؐ نے یہی کلمات تین مرتبہ فرمائے۔ اس کے بعد آپؐ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے لے کر چل دیئے اور میں آپؐ کے ہمراہ چلنے لگا یہاں تک کہ ہم مدینہ کے تمام پہاڑوں سے دور نکل گئے اور ایک چٹیل اور کشادہ میدان میں پہنچ گئے تو اچانک مجھے نیزوں کے مانند لمبے لمبے لوگ نظر آئے۔ جب میں نے ان کو دیکھا تو مجھ پر سخت کپکپی طاری ہو گئی۔ یہاں تک کہ کپکپاہٹ کے باعث میرے قدم ڈگمگانے لگے۔ پھر جب ہم ان کے قریب پہنچے تو آپؐ نے اپنے پائے مبارک کے انگوٹھے سے میرے واسطے خط کھینچ کر ایک دائرہ بنا کر مجھے اس میں بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ اس میں بیٹھنے کے بعد جتنی چیزیں مجھے نظر آ رہی تھیں سب آنکھوں سے اوجھل ہو گئیں اور آپؐ وہاں سے تشریف لے گئے اور ان کے پاس جا کر آپؐ نے باآواز بلند قرآن حکیم کی تلاوت فرمائی یہاں تک کہ صبح نمودار ہو گئی۔ اس کے بعد آپؐ تشریف لائے اور مجھے لے کر روانہ ہو گئے اور فرمایا کہ مجھ سے قریب ہو کر چلو۔ میں آپؐ کے ہمراہ چلنے لگا تو تھوڑی دور چلنے کے بعد آپؐ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ذرا غور سے دیکھئے کیا ان میں سے کچھ نظر آ رہا ہے؟ میں متوجہ ہوا اور دیکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تو بہت بڑی جماعت نظر آ رہی ہے۔ آپؐ نے سر مبارک کا رُخ زمین کی جانب فرمایا تو آپؐ کو ہڈی اور لید نظر آئی۔ آپؐ نے وہ دونوں چیزیں ان کی جانب پھینک کر مجھے مخاطب کیا اور فرمایا کہ جنات کا وفد کھڑا ہوا ہے اور مجھ سے اپنی غذا کے متعلق معلومات کر رہے ہیں۔ لہٰذا میں نے ہڈی اور لید کو ان کی غذا قرار دے دیا۔''

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس حدیث کی روشنی میں ہڈی اور لید سے استنجا کرنا' ناجائز ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے:

''محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مجھے اپنے ساتھ چلنے کا حکم فرمایا کہ پندرہ افراد پر مشتمل ایک پارٹی جو جنات ہوں گے۔ آج شب مجھ سے ملاقات کرنے والی ہے۔ مجھے ان پر قرآن کریم کی تلاوت کرنا یا کلام ربانی پیش کرنا ہے۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اس مقام کی جانب چل دیا جہاں آپؐ تشریف لے جا رہے تھے۔ آپؐ نے

ایک خط کھینچ کر مجھے اس میں بٹھادیا اور فرمایا کہ اس سے باہر نہ نکلنا۔ میں رات اسی میں رہا۔ آپ ﷺ صبح کے وقت دست مبارک میں ہڈی لید وغیرہ لیے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا کہ جب تم استنجا کیا کرو تو ان چیزوں میں سے کسی بھی چیز سے استنجامت کیا کرو۔ جب دن نکل گیا تو میں نے سوچا کہ مجھے بھی دیکھنا چاہیے کہ جہاں نبی کریم ﷺ تشریف لے گئے۔ چنانچہ میں نے وہ مقام جا کر دیکھا تو اتنی بڑی جگہ تھی جس میں ستر اونٹ بیٹھ جائیں۔''

شافعیؒ و بیہقی نے یہ روایت بیان کی ہے کہ:

''ایک انصاری عشاء کی نماز کے لیے گھر سے نکلے تو ان کو جن نے اغواء کر لیا اور کئی سال تک غائب رکھا۔ اسی دوران ان کی بیوی نے شادی کر لی۔ پھر وہ مدینہ تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اس سلسلے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ مجھے جن پکڑ کر لے گئے تھے اور میں ایک زمانہ تک ان کے پاس رہا۔ اس کے بعد مومن جن نے جہاد کیا اور ان میں بہت سے حضرات کے ساتھ مجھے بھی قید کر لیا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ مسلمان شخص ہے اس کو قید کرنا مناسب نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے اختیار دیا چاہے میں ان کے پاس قیام کروں یا اپنے اہل وعیال کے پاس چلا جاؤں۔ میں نے گھر آنے کو اختیار کر لیا تو وہ مجھے مدینہ لے آئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے کھانے کے بارے میں دریافت کیا تو ان انصاری نے کہا کہ وہ لوبیا کھاتے ہیں اور وہ چیزیں جن میں خدا کا نام نہیں لیا جاتا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے پینے کے بارے میں پوچھا تو بتایا تلچھٹ اور بعضوں نے کہا ہے الجدف کہ یہ ایک گھاس ہے جو کھائی جاتی ہے اور یہ بھی کہا کہ جدف' ہر اس برتن کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز کھانے پینے کی موجود ہو لیکن اسے ڈھکا نہ گیا ہو۔''

ماقبل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ثقلین (جن وانس) کی جانب مبعوث کئے گئے ہیں۔ اس پر بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ جنات کی طرف بھیجے گئے ہیں تو شریعت مطہرہ کے جملہ احکام بھی جنات پر لازم ہوتے اور وہ ان احکام کو معلوم کرنے کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ حالانکہ صرف دو مرتبہ مکہ میں آنا منقول ہے۔ جبکہ ان کے آنے کے بعد دین کے بہت سے احکام میں تغیر وتبدل ہوا ہے۔

علامہ دمیری فرماتے ہیں کہ اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ روایت کے عدم سے جنات کا نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ جنات کا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا اور آپ ﷺ کا کلام سماعت کرنا اس طرح بھی ممکن ہے کہ صحابہ کرام ان کو نہ دیکھ سکیں اور حضور اکرم ﷺ ان کو دیکھتے ہوں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے جن کے سلسلہ میں کلام پاک میں فرمایا ہے کہ جنات تم کو دیکھتے ہیں۔ حالانکہ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی مخصوص طاقت کے ذریعے دیکھ لیتے ہوں۔ جن سے صحابہ کرام کو نہیں نوازا گیا ہو۔

علاوہ ازیں بعض صحابہ کرام نے بھی جنات کو دیکھا ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس جن شیطان کو دیکھا جو زکوٰۃ چرانے آیا تھا۔ یہ روایت بخاری شریف میں منقول ہے۔

بخاری و مسلم و نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

''حضور ﷺ نے فرمایا ایک سرکش جن نے گزشتہ شب میری نماز میں گڑبڑ ڈالنے کی کوشش کی۔ میں نے اسے دبوچ لیا اور چاہتا تھا کہ ستون سے اسے باندھ دوں لیکن مجھے حضرت سلیمان پیغمبر علیہ السلام کی دُعا یاد آ گئی کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے

عرض کیا تھا کہ مجھے ایسی ایک وسیع حکمرانی عطا فرما جو کسی کو میرے بعد میسر نہ ہو۔"

"نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ میں جن رہتے ہیں اور وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔"

نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"جن وانس میں سے اگر کوئی موذن کی آواز سنے گا تو وہ اس کے لیے قیامت میں گواہی دیں گے۔"

امام مسلم نے سالم بن عبداللہ بن جعدہ کی حدیث نقل کی ہے (صحاح ستہ میں اس کے علاوہ ان سے اور کوئی حدیث مروی نہیں ہے)۔

"عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دُنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ شیطان نہ لگا ہوا ہو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ کے ساتھ بھی؟ آپؐ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی، مگر حق تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور مجھے محفوظ رکھا اور وہ مجھے خیر کے علاوہ کسی چیز کا حکم نہیں دے سکتا۔"

حدیث شریف میں جو فَـاَسْـلَمَ آیا ہے میم پر ضمہ وفتحہ دونوں پڑھے گئے ہیں۔ خطابی نے رفع کو صحیح قرار دیا ہے اور قاضی عیاض اور نووی نے فتحہ کو ترجیح دی ہے۔ قاضی صاحب کا مسلک ہی پسندیدہ ہے۔ محققین علماء کا اجماع ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کے مکروفریب سے محفوظ ہیں۔

مندرجہ بالا حدیث کا مطلب لوگوں کو نفس کے فتنہ اور وسوسہ اور اس کے گمراہی کی طرف لے جانے سے تنبیہ مقصود ہے۔ نیز اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ تمام پیغمبر علیہم السلام کبائر سے محفوظ ہیں۔ لیکن صغائر کے بارے میں اختلاف ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ البتہ صحیح مسلک یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام صغائر و کبائر دونوں سے مبرّا ہیں۔

وجود جن اور شیطان کے متعلق بے شمار احادیث موجود ہیں۔ نیز اہل عرب کے اشعار اور واقعات سے بھی اس کی شہادت ملتی ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں گفتگو کرنا بدیہی چیز سے روگردانی کے مترادف ہے۔

پھر دوسری بات یہ کہ عقل سلیم کے منافی نہیں ہے اور شعور واحساس کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا یہ شریعت محمدی کے مکلّف ہیں۔

حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ جب لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کر لی تو یہ دل برداشتہ ہو کر شام کی جانب کوچ کر گئے اور حوران میں جا کر مقیم ہو گئے ۱۵ھ میں حوران میں غسل خانہ میں انتقال کر گئے۔ اہل شہر کو ان کے انتقال کی اطلاع جب ملی جب لوگوں نے ایک کنوئیں میں سے یہ آواز سنی ؎

نحن قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادة

"ہم نے خزرج قبیلہ کے سردار سعد ابن عبادہ کو مار ڈالا۔"

فرميناه بسهمين ولم نخط فؤاده

"اور ان پر دو رسے تیر چلائے جو ٹھیک ان کے دل پر لگے اور نشانہ خطا نہ گیا۔"

اشعار کو سننے کے بعد لوگوں نے تحقیق کی تو واقعی اس روز ان کا انتقال ہوا تھا۔ لیکن صحیح مسلم شریف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سعد ابن عبادہ غزوہ بدر میں شہید ہوئے تھے۔

حافظ فتح الدین بن سید الناس کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ شہداء بدر میں سے نہیں تھے۔ طبرانی نے بھی محمد ابن سیرین اور قتادہؒ

سے یہی مسلک نقل کیا ہے۔

حجاج بن علاط سلمی جو نصر بن حجاج کے والد ہیں ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

هل من سبيل الى خمير فاشربها ام من سبيل الى نصر بن حجاج

''کیا شراب پینے کا کوئی راستہ ہے یا نصر بن حجاج کی طرف کوئی راستہ ہے؟''

نیز حجاج بن علاط سلمی سے یہ واقعہ منقول ہے کہ:

''چند سواروں کے ہمراہ مکہ کے ارادہ سے نکلے اور راستہ میں ایک غیر مانوس اور ہیبت ناک مقام پر رات ہوگئی۔ اہل قافلہ نے کہا کہ یہیں پر قیام کر لیجئے اور اپنے اور ساتھیوں کے لیے امان طلب کر لیجئے۔ ساتھیوں کے مشورہ کے مطابق وہ پورے قافلے کے اردگرد گھومنے لگے اور یہ شعر پڑھنے لگے ؎

أُعِيْذُ نفسی و أُعِيْذُ صحبی مِنْ كُلِّ جنی بهذا النَّقَبِ
حَتّٰی اَعُوْذُ سَالِماً وَ رَكْبِیُ

''میں اپنے لئے اور اپنے ساتھیوں کے لیے ان جنات سے پناہ مانگتا ہوں جو اس وادی میں ہیں تاکہ میں اور میرے ساتھی بسلامت گزر جائیں۔''

اچانک انہوں نے یہ آیت کریمہ سنی:

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ . آلاية

مکہ پہنچ کر انہوں نے کفار قریش کو اس کی اطلاع دی۔ کفار کہنے لگے۔ ابوالکلاب معلوم ہوتا ہے تو نے مذہب تبدیل کر دیا ہے کیونکہ جو تو بتا رہا ہے اس کے بارے میں محمد (ﷺ) یہ کہتا ہے کہ یہ آیت مجھ پر نازل کی گئی۔ انہوں نے جواب دیا کہ واللہ میں نے ان تمام ساتھیوں سے سنا ہے۔ اس کے بعد وہ مشرف باسلام ہو گئے اور مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی جو ان کے نام سے مشہور ہے۔

ابن سعد اور طبرانی اور حافظ ابوموسیٰ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں عمرو بن جابر نامی ایک جن تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے قول کی دلیل میں صفوان ابن معطل السلمی کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ شام کی جانب جا رہے تھے۔ اچانک انہیں ایک تڑپتا ہوا سانپ نظر آیا جو فوراً ہی مر گیا۔ لہٰذا ایک شخص نے ایک کپڑا لے کر اس میں مردہ سانپ کو لپیٹا اور زمین میں ایک گڑھا کھود کر اس کو دفن کر دیا۔ مکہ پہنچ کر مسجد حرام میں یہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے تو اچانک ان کے پاس ایک شخص آیا اور معلوم کیا کہ عمرو بن جابر کو کس نے دفن کیا ہے؟ کہا ہمیں تو معلوم نہیں۔ پھر اس نے سوال کیا کہ سانپ کو کس نے دفن کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان صاحب نے۔ اس پر اس اجنبی شخص نے دعائیہ کلمات کہتے ہوئے عرض کیا کہ عمرو بن جابر ان نو جنات میں سے آخری شخص تھے جنہوں نے آنحضور ﷺ سے قرآن کریم سنا تھا۔ اس واقعہ کو حاکم نے بھی مستدرک میں صفوان کے حالات کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے بیان کیا ہے کہ ایک سانپ جو شدت پیاس کے باعث تڑپ رہا تھا ایک تابعی کے خیمہ میں آیا۔ انہوں نے اس کو پانی پلایا۔ اس کے بعد وہ سانپ مر گیا۔ انہوں نے اس کو دفن کر دیا۔ رات میں کسی نے ان کے پاس آ کر سلام کیا اور شکریہ ادا کرتے ہوئے بولا کہ جس سانپ کو آپ نے دفن کیا ہے وہ ذویعہ نامی ایک نیک اور صالح جن تھا۔

امیر المومنین عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جنگل میں تشریف لے جا رہے تھے۔ انہیں ایک مردہ سانپ ملا۔ آپ نے اس کو کفنا کر دفن کر

دیا۔ اچانک ایک آواز آئی کہ سرق تجھے یاد ہے کہ نبی کریم ﷺ تیرے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ایک جنگل میں تیری موت واقع ہو گی اور ایک صالح اور نیک آدمی تجھ کو دفن کرے گا۔ عمرو بن عبدالعزیز یہ سن کر بولے تم کون ہو؟ وہ بولا میں ان جنات میں سے ہوں جنھوں نے آنحضرت ﷺ سے قرآن کریم سنا تھا۔ اپنے ساتھیوں میں سے صرف ہم دو زندہ تھے میں اور سرق اور یہ بھی مر گیا۔

کتاب ''خیر البشر لخیر البشر'' میں عبید کلاب نے ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک گروہ حج کے ارادے سے نکلا اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ ہم نے راستہ میں سفید سانپوں کو بل کھاتے ہوئے دیکھا جس سے مشک کی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو چلنے کا حکم دیا اور اپنے بارے میں خیال کیا کہ اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا کہ جب تک مجھ پر یہ راز منکشف نہ ہو جائے۔ تھوڑی دیر میں سانپ مر گیا اور میں نے راستہ سے علیحدہ ہو کر ایک طرف اس کو دفنا دیا۔ عشاء کے وقت اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔

راوی کہتے ہیں کہ ہم بیٹھے ہی تھے کہ اچانک چار عورتیں مغرب کی طرف سے آئیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ عمرو کو کس نے دفن کیا؟ میں نے کہا کہ کون عمرو؟ اس نے کہا سانپ کو کس نے دفن کیا؟ میں نے اس عورت سے کہا کہ میں نے دفن کیا ہے۔ عورت بولی خدا کی قسم تم نے صائم وقائم بالا یمان کو دفن کیا جو اللہ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان رکھتا تھا اور تمہارے نبی کریم ﷺ پر بھی یقین رکھتا تھا۔ جن کے بارے میں بعثت سے چار سو سال قبل آسمان پر سنا تھا۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا اور حج سے فراغت کے بعد اس واقعہ کو ہم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا وہ عورت سچ کہتی تھی کہ میں نے یہ بات سرور کائنات ﷺ سے سنی تھی۔

اسی کتاب میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اچانک ایک شخص آیا اور اس نے بارگاہ خلافت میں عرض کیا یا امیر المومنین! کیا میں آپ کو ایک عجیب وغریب واقعہ نہ سناؤں؟ آپ نے فرمایا ضرور سنایئے۔ اس نے کہا میں جنگل میں جا رہا تھا تو میں نے دو سانپوں کو باہم لڑتے ہوئے دیکھا۔ پہلے ایک دوسرے کی جانب بڑھے پھر علیحدہ ہو گئے۔ جب میں اس جگہ کے قریب پہنچا جہاں وہ آپس میں دست وگریباں تھے' اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایسے سانپ ہیں جو میں نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ نیز ایک سانپ پتلا زرد رنگ کا تھا اور اس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ میں نے خیال کیا کہ یہ خوشبو میرے لیے بڑی کارآمد ہو گی اس میں سے کچھ اپنے عمامہ میں رکھ لی اور پھر سانپ کو دفنا دیا۔

راوی فرماتے ہیں کہ میں نے کفن دفن کے بعد چلنے کا ارادہ کیا تھا کہ غیب سے آواز آئی کہ یہ دونوں سانپ جنات تھے۔ ان میں سے جو شہید ہوا یہ وہ جن ہے جس نے نبی کریم ﷺ سے قرآن شریف سنا تھا۔

اسی کتاب میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ فاطمہ بنت نعمانی نجار یہ کہتی ہیں ایک جن مجھ پر عاشق تھا۔ جب وہ میرے پاس آتا تو فوراً میرے پاس اندر گھر میں آ جاتا تھا۔ ایک دن وہ آکر دیوار پر کھڑا ہو گیا۔ میں نے کہا آج تم اندر کیوں نہیں آئے؟ اس نے جواب دیا کہ آج ایک پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں جو زنا کو حرام کہتے ہیں۔ روی البیھقی فی دلائلہ عن الحسن:

''عمار ابن یاسر کہتے ہیں کہ میں نے آنحضور ﷺ کے ساتھ انسانوں اور جنات دونوں سے جہاد کیا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ جنات سے جہاد کب ہوا؟ تو بولے کہ آنحضور ﷺ نے مجھے ایک کنوئیں سے پانی لینے کے لیے بھیجا تھا۔ وہاں مجھے شیطان اپنی اصلی شکل میں نظر آیا وہ مجھ سے اُلجھ گیا تو میں نے اسے پچھاڑ دیا۔ میرے پاس ایک چھڑی تھی یا پتھر میں نے اس

کواس کی ناک ٹھونس دیا۔ میں ابھی واپس بھی نہ پہنچا تھا کہ آنحضور ﷺ نے ساتھیوں کواس واقعہ کی اطلاع بھی دے دی۔ جب میں لوٹا تو احباب اس بارے میں مجھ سے پوچھنے لگے جس پر میں نے انہیں اس واقعہ کی تفصیل سنائی۔ اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جن کو شیطان کے تحفظ کی اطلاع آنحضور ﷺ سے پہنچی ہے۔''

بخاری کی حدیث میں بھی اسی مضمون کی جانب اشارہ ہے جوانہوں نے ابراہیم نخعی سے نقل کی ہے۔ علقمہ رضی اللہ عنہ جس وقت ملک شام پہنچے تو انہوں نے مسجد میں جا کر اپنے لیے دُعا مانگی کہ یا اللہ مجھ کو بہترین وصالح ہم نشین عطا فرما۔ چنانچہ انہیں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی صحبت مل گئی۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کہاں رہتے ہو؟ جواب دیا کوفہ میں۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کیا کوفہ میں وہ شخص نہیں ہے جس کے پاس ایسے راز ظاہر ہوئے ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا یعنی حذیفہ رضی اللہ عنہ! میں نے کہا جی ہاں۔ پھر انہوں نے سوال کیا کیا تم میں وہ شخص نہیں ہے جس کو حق تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے شیطان سے پناہ دی یعنی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر سوال کیا' کیا تم میں وہ شخص نہیں ہے جو سفر میں آپؐ کی مسواک اور تکیہ لے کر چلتے، میں نے کہا کیوں نہیں وہ بھی موجود ہیں۔

کتاب رباعیات میں قاضی ابو یعلی اور ابو بکر عبداللہ بن حسنی مصیصی سے نقل کیا ہے۔

''میں طرطوس گیا تو مجھے اطلاع دی گئی کہ یہاں کوئی عورت ہے جس کو نہوس کہا جاتا ہے۔ جس نے ان جنات کو دیکھا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وفد لے کر آئے تھے۔ میں یہ سن کر اس کے پاس گیا تو میں نے دیکھا ایک عورت چت لیٹی ہوئی ہے۔ میں نے اس سے سوال کیا' تو نے ان میں سے کسی جن کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا ہاں مجھ سے سمج نے جس کا نام نبی کریم ﷺ نے عبداللہ رکھا تھا' بیان کیا ہے کہ میں نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کو پیدا فرمانے سے پہلے کس چیز پر مستوی تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا نور کی ایک چمکتی دمکتی ہوئی مچھلی پر۔ عورت نے کہا کہ میں نے سمج سے یہ بھی سنا ہے وہ کہتا تھا کہ آپؐ یوں فرمایا کرتے تھے جس مریض کے پاس سورۂ یٰسین شریف کی قرأت کی جائے اس کی روح بآسانی نکل جائے گی اور اس سے قبر کی سختی ہٹالی جائے گی اور میدان محشر میں خوش رہے گا۔''

اس سے بھی زیادہ عجیب واقعہ یہ ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے:

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ جنگلات میں' اچانک ایک معمر شخص نمودار ہوئے جو اپنی لاٹھی کے سہارے چل رہے تھے۔ اسے دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے میاں چال اور آواز سے جن معلوم ہوتے ہیں۔ وہ فوراً بولا جی ہاں! اس کا جواب سماعت فرما کر آپؐ نے اس سے دریافت کیا تم کون سے جن ہو؟ اس نے کہا میرا نام ہامہ بن ہیم بن اقیس ابن ابلیس ہے۔ آپؐ نے فرمایا تیرے اور شیطان کے درمیان تو صرف دو پشتوں کا فاصلہ ہے۔ اس نے جواب دیا جی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا تمہاری عمر کتنی ہے؟ جواب دیا دُنیا کا اکثر زمانہ میں نے دیکھ لیا۔ جس رات قابیل نے ہابیل کو قتل کیا میری عمر چند سال کی تھی میں ٹیلے سے چھلانگ لگا رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا اور لوگوں کو بھڑکا رہا تھا۔

آپؐ نے فرمایا یہ تو بہت برا عمل تھا۔ اس نے کہا اے اللہ کے پیارے نبی تجھ پر درود وسلام نازل ہو۔ غصہ نہ کیجئے کیونکہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور میں نے ان کے دست مبارک پر اللہ سے توبہ کر لی تھی اور میں نے ان کو دعوت کے کام میں تعاون دیا تھا اور انہیں راضی کر لیا تھا۔ پھر وہ اتنا رویا کہ اس کی وجہ سے ہم بھی رونے

لگے اور آپؑ سے عرض کیا کہ واللہ میں بہت شرمندہ ہوں اور اس بات سے کہ میں کافر رہوں۔ اللہ کی امان طلب کرتا ہوں اور میں حضرت ہود علیہ السلام سے ملاقات کر کے ان کے ہاتھ پر ایمان لایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی میری ملاقات ہوئی ہے اور جس وقت آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا تو میں آپ کے ساتھ تھا اور حضرت یوسف علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کنوئیں میں ڈالا گیا تھا میں آپ کے ساتھ تھا اور ان سے پہلے کنوئیں میں پہنچ گیا تھا اور حضرت شعیب علیہ السلام سے بھی میری ملاقات ہوئی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی' حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے بھی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جب تو حضرت محمد ﷺ سے ملاقات کرے تو آپؐ کی خدمت بابرکت میں میرا سلام عرض کر دینا۔ لہٰذا میں ان کا پیغام آپؐ کو پہنچاتا ہوں اور آپؐ کے دست مبارک پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہوں۔ آپؐ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ تجھ پر بھی اور عیسیٰ علیہ السلام پر سلامتی نازل کرے تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مجھے تورات سکھائی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل اور آپؐ مجھے قرآن کریم سکھا دیجئے۔ آپؐ نے اس کو قرآن حکیم سکھا دیا۔''

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے اس کو قرآن کریم کی صرف دس سورتیں سکھائی تھیں اور آپؐ نے دُنیا سے تشریف لے جاتے وقت تک بھی ہمیں اس کی موت کی اطلاع نہیں دی اور نہ ہم نے ان کو دیکھا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ زندہ ہے یا انتقال کر گیا۔

امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک روز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے کوئی نئی بات سناؤ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ گویا ہوئے کہ مجھ سے ابوخزیم بن قاتک اسدی نے اپنا قصہ بیان کیا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں ایک روز ان کا اونٹ غائب ہو گیا۔ لہٰذا وہ اس کی تلاش میں چلتے چلتے ابرق غراف میں پہنچ گئے (ابرق غراف ایک وادی کا نام' جس میں جن رہا کرتے تھے)۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے اپنی سواری کے پاؤں باندھ دیئے اور اس وادی کے ایک ٹیلے پر سر رکھ کر لیٹ گئے اور یہ الفاظ کہنے لگے:

اعوذ بعظیم هذا لمکان (میں اس کی عظیم شخصیت سے پناہ مانگتا ہوں) اچانک ایک آواز دینے والے نے ان کو آواز دے کر کہا ؎

وَیُحکَ عَذَّ باللّٰه ذی الجلال   مُنزِلُ الحرامِ و الحلال

''تیرے لئے ہلاکت ہو تم اللہ ذوالجلال کی پناہ میں آجاؤ'' ''جو حلال اور حرام کے بارے میں احکام نازل کرنے والا ہے۔''

ووحِّد اللّٰه و لا تبال   ما هول ذالجنی من الاهوال

''خدائے واحد کی توحید کا اعلان کر اور پھر کسی طرح اندیشہ نہ کر جنات کے شر و فتن سے بھی بے فکر ہو۔''

میں نے اس سے کہا ؎

یٰاَیّهَا الدّاعِی فَمَا تَخَیَّلُ   أرُشدٌ عِندک ام تَضلِیلٌ

''اے پکارنے والے تیرا کیا خیال ہے۔ کیا تیرے پاس دعوت خیر ہے یا تو شر کی جانب بلاتا ہے۔''

اس نے میرے جواب میں کہا ؎

هٰذا رسول اللّٰه ذوالخیرات   جَاءَ بیاسین و حامِیماتِ

''یہ آنحضور ﷺ ہیں بھلائیوں والے جن پر یٰسین نازل ہوئی اور بہت سی سورتیں جن کے شروع میں حم ہے۔''

وَ سُوَرٌ بعد مُفَصَّلاتٍ یَدْعُوْ اِلَی الْجَنَّةِ وَ النَّجاة

''اور لمبی اور مختصر دونوں قسم کی سورتیں یہ لوگوں کو جنت اور نجات کی جانب بلاتے ہیں۔''

یامر بالصَّلٰوةِ وَ بِالصَّوْمِ وَ یُزجِرُ النَّاس عَنِ الْهَنَاتِ

''روزے اور نماز کا حکم دیتے ہیں اور لوگوں کو برائیوں سے روکتے ہیں۔''

کہتے ہیں کہ میں نے آواز دینے والے سے دریافت کیا تم کون ہو؟ جواب دیا میں مالک ابن مالک ہوں۔ مجھے نبی کریم ﷺ نے نجد کے جنات کے پاس بھیجا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر کوئی میرے اس اونٹ کا محافظ ہوتا تو میں آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام سے سرفراز ہوتا۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ اگر آپ حلقہ اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں تو ان شاء اللہ میں تمہارے اونٹ کو بحفاظت تمہارے گھر پہنچا دوں گا۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے اپنی سواری کو مدینہ منورہ کی جانب روانہ کیا اور جمعہ کے روز وہاں پہنچ کر مسجد نبویؐ میں حاضر ہوا۔ دیکھا تو آپؐ خطبہ دے رہے ہیں۔ میں نے اپنی سواری کو مسجد کے دروازے پر بٹھا دیا اتنے میں آپؐ خطبہ سے فارغ ہو گئے تو ابوذر رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ نبی کریم ﷺ آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ کے اسلام کی اطلاع آنحضور ﷺ کو مل چکی ہے۔ آپ مسجد میں آیئے اور لوگوں کے ہمراہ نماز ادا کر لیجئے۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے غسل کیا اور مسجد میں نماز ادا کی۔ اس کے بعد رسالت مآب ﷺ نے مجھے بلایا اور ارشاد فرمایا کہ جس بوڑھے کو تم نے ان کا ضامن بنایا تھا کیا اس نے اونٹ تمہارے گھر پہنچا دیا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ فرمائے۔ آپؐ کا ارشاد ہوا کہ ہاں اللہ اس پر رحم فرمائے۔

اور مسند الدارمی میں شعبی کہتے ہیں کہ:

''عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک صحابی نے جن سے ملاقات کی اور آپس میں دونوں کا ٹکراؤ ہو گیا۔ صحابی نے جن کو پچھاڑ دیا۔ بس صحابی نے جن سے کہا تم تو بہت دُبلے پتلے ہو۔ کیا سب جنات ایسے ہی ہوتے ہی؟ اس جن نے کہا کہ ایسی بات نہیں ہے آپ دوبارہ کشتی کر کے دیکھئے۔ اگر دوسری مرتبہ بھی آپ نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں آپ کو نفع بخش بات بتاؤں گا۔ چنانچہ وہ زیر ہو گیا تو جن نے کہا کہ شاید تم آیت الکرسی الله لا اله الا هو الحی القیوم پڑھ رہے تھے۔ اگر تم اس کو گھر میں پڑھو گے تو شیطان اس میں داخل نہیں ہوگا اور نکلتے وقت اس کی آواز گدھے کی آواز ہوگی۔ پھر تمام رات وہ گھر میں نہ آسکے گا۔''

دارمی کہتے ہیں کہ الضئیل (باریک) اور الشخیت (دبلے) کو کہتے ہیں۔ ضلیع عمدہ پسلیوں والا طاقت ور اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جحج کے معنی گدھے کا گوز کرنا ہے۔

اس کا مفصل بیان باب الغین میں غول کے بیان میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ایک فقهی مسئلہ: اگر کسی مقام پر چالیس مرد مجتمع ہو گئے چاہے جنات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے یا دونوں ہوں تو جمعہ کا انعقاد صحیح ہوگا۔

شیخ ابوالحسن محمد ابن حسین اپنی کتاب "مناقب شافعیؒ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ربیعؒ نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے سنا کہ اگر کسی صاحب عدل وشہادت نے کہا کہ میں نے جنات کو دیکھا ہے تو اس کی شہادت نا قابل اعتبار قرار دے دی جائے گی۔ حق تعالیٰ کے اس قول کی مخالفت کرنے کی بناپر: اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ. صرف انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں اور وہ ان کو اصلی حالت میں دیکھ سکتے ہیں۔

دمیریؒ کہتے ہیں: امام شافعیؒ کا قول محمول ہوگا۔ جنات کی اصل ہیئت دیکھنے پر یعنی اگر ان کو اصلی حالت میں دیکھنے کا دعویٰ کرے تو اس صورت میں اس کی شہادت ساقط قرار دی جائے گی.. عام طور پر ان کو اصلی حالت میں نہیں دیکھ سکتے۔

علمی بحث

دمیریؒ کہتے ہیں کہ تمام جنات ابلیس کی اولاد ۔ ذریت ہیں۔ فرشتوں کی نسل وجنس میں سے نہیں ہیں کیونکہ فرشتوں میں رشتہ ازدواج قائم نہیں ہوتا اس لیے کہ ان میں مؤنث ومذکر نہیں ہیں۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ جناتِ ایک جنس ہے اور ابلیس بھی اسی جنس میں سے ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابلیس وشیطان کی اولاد جنات ہیں۔ کیونکہ کلام پاک میں اس کی صراحت موجود ہے کہ جنات میں سے جس نے بھی نافرمانی اور روگردانی کی اس کو شیطان کہا جانے لگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے شیطان کی نسل پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس پر نظر غضب ڈالی جس سے آگ کی چنگاریاں اُڑنے لگیں تو ان چنگاریوں سے ابلیس کی زوجہ کو پیدا کیا۔

ابن خلکان اپنی کتاب ترجمۃ الشعبی میں یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ شعبی ایک دن بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک مزدور بوجھ اُٹھانے والا جس کے پاس ایک بڑا مٹکا تھا میرے پاس آیا اور اس نے مٹکے کو اپنے سامنے رکھ کر پوچھا کہ شعبی تم ہو؟ میں نے کہا کیا بات ہے؟ اس نے کہا مجھے ابلیس کے متعلق بتلاؤ اور اس کی اہلیہ تھی یا نہیں؟ شعبی کہتے ہیں کہ مجھے اس سلسلہ میں کوئی علم نہیں ہے۔ صرف اتنا علم ہے کہ حق تعالیٰ نے کلام پاک میں اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِىْ فرمایا اور ذریت بغیر عورت کے نہیں ہوسکتی۔ وہ یہ سن کر اپنا مٹکا اُٹھا کر چلا گیا۔

مروی ہے کہ حق تعالیٰ نے ابلیس سے کہا تھا کہ جس قدر حضرت آدم علیہ السلام کی آل واولاد پیدا کروں گا اسی کے بقدر تیری اولاد پیدا کروں گا۔ چنانچہ جب بھی بنی آدم پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایک شیطان ضرور پیدا کیا جاتا ہے۔ حدیث شریف سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ شیطان میں مذکر بھی ہیں اور مؤنث بھی جس سے توالد وتناسل کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور حق تعالیٰ نے ابلیس کے دائیں ران میں ذکر اور بائیں ران میں فرج پیدا کی۔ جب وہ وطی کرتا ہے تو دس انڈے پیدا ہوتے ہیں اور ہر انڈے میں سے ستر شیطان پیدا ہوتے ہیں۔

مجاہد کہتے ہیں کہ ابلیس کی آل واولاد کی کئی قسمیں ہیں: ایک قسم ولہان ہے' ان کے سپرد طہارت وصلوٰۃ میں رخنہ ڈالنا ہے اور ایک قسم حفان ہے' یہ جنگلوں میں رہتی ہے۔ ایک قسم مرہ ہے' اور اسی سے ابلیس کی کنیت بھی ہے اور ایک قسم زلبنور ہے۔ یہ بازاروں میں رہتے ہیں جو لغو باتوں اور جھوٹی قسموں پر ملمع سازی کرتے رہتے ہیں۔

شیطان میں سے ایک جماعت ثبر کے نام سے موسوم ہے جو آلام ومصائب والی جماعت ہے اور ایک قسم ابیض ہے جو انبیاء علیہم السلام کو بہکانے کی کوشش کرتے تھے اور ایک قسم اعور ہے جو زانی جماعت ہے۔ مرد کے عضو مخصوص کے سوراخ میں پھونک مارتے ہیں اور

عورت کو عاجز کر دیتے ہیں۔ ایک جماعت واسم ہے۔ یہ وہ جماعت ہے کہ جب مرد گھر میں داخل ہوتا ہے تو یہ بھی اسی کے ساتھ داخل ہو جاتے ہیں۔ اگر داخل ہونے والے شخص نے سلام نہیں کیا اور حق تعالیٰ کا نام نہیں لیا تو یہ اس کے ساتھ گھر میں داخل ہو جاتا ہے اور اہل بیت کے مابین شر و فساد پھیلاتا ہے۔

اگر کسی شخص نے کھانے پر بسم اللہ نہیں پڑھی تو یہ اس کے ساتھ کھانے لگتا ہے۔ اگر کوئی شخص گھر میں بغیر سلام کیے داخل ہوا اور اس نے گھر میں مکروہ شئے دیکھی تو اسے چاہیے کہ وہ یہ الفاظ کہے **داسم داسم اعوذ باللہ منہ**۔ ایک قسم مطوس ہے' جو جھوٹی افواہ پھیلاتا ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔

ایک جماعت کا نام اقنص ہے ان کی ماں طرطبہ ہوتی ہے۔ نقاش نے کہا ہے کہ ان کو حیض بھی آتا ہے اور ان کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ یہ تیس انڈے دیتی ہیں' دس مشرق میں دس مغرب میں اور دس وسط ارض میں اور ہر انڈے سے ایک شیطانی جنس پیدا ہوتی ہے جو غیلاب' اقارب' جان اور دیگر اسماء مختلفہ کے نام سے معروف ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی دیگر قسمیں ہیں جو تمام بنی آدم کی دشمن ہیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

افتتخذونہ وذریتہ اولیاء من دونی وھم لکم عدو الخ.

امام نووی فرماتے ہیں کہ ابلیس کی کنیت ابومرہ ہے۔ علماء کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ ابلیس کا گروہ ملائکہ میں سے ہے یا نہیں؟ اور اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ اس کا نام عربی ہے یا عجمی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ' **ابن مسعود** رضی اللہ عنہ' **ابن میسب** رضی اللہ عنہ' **قتادہ** رضی اللہ عنہ' ابن جریرؒ زجاج اور ابن الانباری کہتے ہیں کہ یہ ملائکہ کے ایک گروہ جس کو جن کہتے ہیں اس میں سے ہے اور اس کا نام عبرانی زبان میں عزازیل ہے اور عربی میں حرث ہے اور یہ فرشتوں کا سردار' دُنیا میں سب سے بڑا زمین کا بادشاہ تھا۔ ملائکہ میں سب سے زیادہ عبادت گزار' عالم تھا۔ آسمان و زمین کے مابین اس کا کوئی ہمسر نہیں تھا جس کی وجہ سے اس کے اندر عجب پیدا ہو گیا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگا۔ اسی کبر کی وجہ سے راندہ درگاہ ہوا اور حق تعالیٰ نے اس کو شیطان رجیم کہہ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملعون قرار دے دیا۔ **نعوذ باللہ من خذلا نہ ومقتہ ونسألہ العافیۃ والسلامۃ فی الدین والدنیا والاخرۃ.**

علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ معصیت کی راہ ترک کر کے صراط مستقیم پر گامزن ہو جائے گا۔ لیکن اگر کسی کے اندر کبر ہو تو اس سے قطعاً اُمید نہیں کی جاسکتی کہ وہ سدھر جائے گا۔

ابلیس کا گروہ ملائکہ میں سے ہونے کی دلیل حق تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے **کان من الجن** یعنی شیطان ملائکہ کے اس گروہ میں سے ہے جس کو جن کہا جاتا ہے۔

سعید ابن جبیرؒ' حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ ابلیس کا گروہ ملائکہ میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اصل جن ہے۔ جس طریقہ سے حضرت آدمؑ اصل انسان تھے۔ عبدالرحمٰن بن زید' شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ ابلیس ملائکہ کی جنس سے نہیں ہے۔ اس صورت میں قرآن شریف کی (**فسجد الملائکۃ کلھم اِلَّآ اِبْلِیْسُ**) میں استثناء منقطع ہے۔ شہر ابن حوشب نے مزید کہا کہ ابلیس ان جنات میں سے ہے جنہوں نے ملائکہ میں سب سے زیادہ کامیابی حاصل کی۔

علماء لغت و تفسیر کہتے ہیں کہ ابلیس اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوس و دور ہو گیا ہے۔ کیونکہ ابلیس کے معنی مایوس کے آتے ہیں۔ لیکن صحیح وہی ہے جس کو امام نووی اور ان کے علاوہ دیگر ائمہ نے کہا ہے کہ وہ ملائکہ کی جنس ہے اور یہ اس کا عجمی نام ہے۔ اس صورت میں قرآن شریف کی آیت میں استثناء متصل ہوگا۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے صرف ملائکہ ہی کو سجدہ کا حکم دیا تھا۔ پھر حق تعالیٰ

استثناء فرماتے ہیں کہ سب نے سجدہ کرلیا۔ لیکن ابلیس نے سجدہ نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہے۔

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ ابلیس ابوالجن ہے۔ جس طریقہ سے حضرت آدمؑ ابوالبشر ہیں اور استثناء غیر جنس میں کلام عرب میں شائع زائع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مالھم بہ من علم الا اتباع الظن. اس آیت میں استثناء غیر جنس سے ہے۔

دمیریؒ کہتے ہیں کہ صحیح مسلک وہی ہے جو ماقبل میں امام نوویؒ کا گزر چکا ہے۔ محمد بن کعب القرظی سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ جنات مومنین ہیں، شیطان کفار ہیں۔

وہب ابن منبہ سے سوال کیا گیا کہ جنات کیا چیز ہیں کیا وہ کھاتے، پیتے اور نکاح وغیرہ کرتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ بھی ایک جنس ہے۔ ان میں اصل جن تو صرف ہوا ہیں جو نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں اور نہ ان سے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ ایک قسم وہ ہے جو کھاتے پیتے اور نکاح بھی کرتے ہیں۔ ان کا مفصل ذکر عن قریب آئے گا۔ ان شاءاللہ۔

فائدہ

قرآنی کہتے ہیں کہ ابلیس کی تکفیر پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ واقعہ پیش آنے کی بناء پر۔ رہی یہ بات کہ کفر کا سبب کیا ہے؟ ظاہر بات ہے سجدہ نہ کرنا کفر کا سبب نہیں ہوسکتا۔ ورنہ تو ہر وہ شخص جس کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، سجدہ نہ کرنے کی بناء پر کافر ہو جاتا۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے اور نہ حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کرنے کی بناء پر کافر ہوا۔ کیونکہ پھر تو ہر حاسد کو کافر ہونا چاہیے۔ حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے اور معصیت و فسق، ابلیس کے کافر ہونے کی بنیاد نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ہر عاصی و فاسق کافر نہیں ہوتا۔ فقہاء متاخرین کی ایک جماعت پر ابلیس کے کافر ہونے کی علت مشتبہ ہوگئی۔

دمیریؒ کہتے ہیں ممکن ہے ابلیس کے کفر کا سبب یہ ہو کہ اس نے حق تعالیٰ کی جانب ظلم کی نسبت کی اور یہ بات اس کے کلام سے مستفاد ہوئی کہ اَنَا خَیْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَارٍ وَ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْن. اس آیت شریفہ کا مطلب وہی ہے، جس کو مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ابلیس نے کہا حق تعالیٰ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور جس کی فطرت علو ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا جس کی فطرت پستی ہے، تو بلند چیز پست چیز کے سامنے کیسے جھک سکتی ہے۔ (نعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) شاید یہی کفر کی وجہ ہو۔

علماء کا اجماع ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی جانب ظلم کی نسبت کی وہ ایمان کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ ابلیس سے قبل کوئی کافر تھا یا نہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ کوئی نہیں تھا۔ یہی وہ پہلا شخص ہے جو کافر ہوا۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ ابلیس سے پہلے بھی ایک کفار کی قوم تھی اور یہ وہی جن کی جماعت تھی جو زمین میں رہتی تھی جس کے بارے میں فرشتوں نے آدمؑ کی پیدائش کے وقت اشارہ کیا تھا:

قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ.

اس سلسلہ میں بھی اختلاف ہے کہ ابلیس لعین و مردود جہل کی بنا پر ہوا ہے یا عناد کی وجہ سے۔ اس بارے میں اہل سنت والجماعت کے دو قول ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ عالم باللہ تھا اور جو لوگ جہل کو قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کافر ہونے کے وقت اس کا علم سلب کرلیا گیا تھا۔ اور جو لوگ عناد کو سبب بناتے ہیں، ان کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ علم کے ہوتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے کہ حق تعالیٰ کا حکم واجب التعمیل ہے، پھر سجدہ نہ کرنا عناد نہیں تو اور کیا ہے۔

ابن عطیہ کہتے ہیں کہ کفر کے ہوتے ہوئے علم کا باقی رہ جانا مستبعد ہے۔
بیہقی نے اسماء حسنیٰ کی شرح کے بیان میں (باب قولهٗ تعالیٰ وما کانوا لیومنو! کے آخر میں) یہ روایت نقل کی ہے:
''عمر بن ذر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر حق تعالیٰ چاہتے کہ میری نافرمانی کوئی نہ کرے تو ابلیس کو پیدا نہ فرماتے۔''
اور حق تعالیٰ نے اس کو قرآن شریف کی کافی آیتوں میں بیان فرمایا ہے۔
ایک آیت یہ ہے:
ما انتم علیه بفاتنین الا من هو صال الجحیم.
پھر عمر بن عبدالعزیز نے یہ روایت بیان فرمائی:
''حضور اکرم ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر! اگر حق تعالیٰ چاہتے کہ کوئی دُنیا میں نافرمانی نہ کرے تو ابلیس کو پیدا نہ فرماتے۔''
ایک صاحب نے حسن سے پوچھا اے ابوسعید ابلیس سوتا بھی ہے یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا: اگر ابلیس سو جائے تو ہمیں راحت مل جائے اور مومن کو اس سے چھٹکارا نہیں ہے سوائے خداوند تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کے۔
دو اصبر کے بیان سے قبل احیاء میں مذکور ہے کہ جو شخص ایک سیکنڈ کے لیے بھی حضرت حق جل مجدہ کے ذکر و یاد سے غافل ہوا تو شیطان اس کا ہم نشین ہو جائے گا۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:
وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْن.
حدیث شریف میں بھی اس کی جانب اشارہ ہے:
''حق تعالیٰ بے کار نوجوانوں کو (جو ذکر اللہ سے غافل ہوں) پسند نہیں کرتے۔''
کیونکہ نوجوان شخص جب دین و مذہب سے غافل ہوگا تو شیطان اس کے دل میں گھر بنا لے گا اور انڈے، بچے دینا شروع کر دے گا جس کی بناء پر شیطان کے توالد و تناسل کا سلسلہ بہت تیزی کے ساتھ جاری ہو جاتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چونکہ شیطان کی فطرت میں نار ہے اور نار جب سوکھی گھاس دیکھتی ہے تو اور بھی تیزی سے آگ پکڑ لیتی ہے۔ اسی طرح نوجوان کے اندر شہوت شیطان کے لیے خشک گھاس کی طرح ہے۔
حسین حلاج نے اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تو حق باتوں میں اپنا وقت صرف نہیں کرے گا تو تیرا وقت میری بے کار باتوں میں صرف ہوگا۔
محقق علماء اس آیت شریفہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا میں دو باتوں کا حق تعالیٰ نے حکم دیا جس سے مخلوق خداوندی غافل ہے۔ کسی نے ان سے معلوم کیا کہ وہ دو باتیں کیا ہیں؟ جواب دیا گیا (۱) ایک تو وہ تمہارا دشمن ہے (۲) دوسرے تم اس کو اپنا دشمن سمجھو۔ کسی نے عرض کیا کہ ہم لوگ شیطان کو کیسے دشمن سمجھیں اور کس طریقہ سے اس سے محفوظ رہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کو سات قلعوں میں محفوظ کر دیا ہے: پہلا قلعہ معرفت ہے جو سونے کا ہے۔ اس کے بعد چاندی کا قلعہ ہے، یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اس کے بعد زمرد کی چہار دیواری ہے۔ یہ صدق و اخلاص ہے۔ سب سے آخر میں موتیوں کا حصار ہے یہ ادب نفس ہے۔

مومن ان تمام قلعوں اور حصاروں کے اندر ہے۔ اور ابلیس باہر کتے کی طرح بھونکتا وچیختا ہے جس کی مومن کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ ان محفوظ قلعوں اور چار دیواری کے اندر ہے۔ پس مومن کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ کسی بھی صورت میں ادب نفس کو ترک نہ کرے اور نہ اس کو حقیر وذلیل سمجھے۔ کیونکہ جس نے ادب نفس کو ترک کر دیا یا اس کو ذلیل وحقیر سمجھا تو وہ شرمندگی سے ضرور دوچار ہوگا۔ ابلیس لعین کی یہ کوشش ہمیشہ رہتی ہے کہ وہ ان مضبوط ومحفوظ قلعوں وحصاروں کے اندر داخل ہوکر مومن کے ایمان پر ڈاکہ ڈالے اور اس کو کفر کی طرف لوٹا دے۔ نعوذ باللہ منہ۔

ماقبل میں جو آیت شریفہ کے متعلق ذکر کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس میں دو باتوں کا حکم فرمایا ہے' اس سلسلے میں امام دمیریؒ فرماتے ہیں کہ دو باتوں کا تعین کرنا امر مشکل ہے۔ بعض حضرات اس آیت شریفہ میں ایک ہی فریضہ کے قائل ہیں کہ حق تعالیٰ نے **فاتخذوہ عدوا** فرمایا۔ یعنی بصیغہ امر خطاب کیا اور امر تقاضا کرتا ہے وجوب کا' بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ امام یافعیؒ سے دریافت کیا کہ اس آیت میں دوسرا فریضہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ مندرجہ بالا آیت میں حق تعالیٰ نے دو باتوں کا حکم فرمایا ہے ایک علم سے متعلق ہے اور دوسری عمل سے۔ علم کا مطلب یہ ہے کہ اس کو دشمن سمجھو اور عمل کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ دشمنوں جیسا سلوک کرو۔

اور ماقبل میں جو قلعوں یا حصاروں کا ذکر ہوا کہ مومن ان کے اندر محفوظ ہو جاتا ہے اور ابلیس کی وہاں تک رسائی نہیں ہو پاتی تو بعض دفعہ ابلیس ان میں سے بعض قلعوں پر قابض ہو جاتا ہے جس کی بناء پر انسان فسق وفجور میں ملوث ہو جاتا ہے اور جہنم کا مستحق قرار دے دیا جاتا ہے اور ابلیس بعض مومن کو فسق پر بھی آمادہ کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ البتہ بعض کے ایمان میں کمزوری پیدا کر دیتا ہے لیکن ان سب کا دارومدار ایمان پر ہے۔ جس کا ایمان جس درجہ قوی ہوگا اتنا ہی وہ شیطان سے محفوظ رہے گا۔ اگر کسی شخص کے اندر معرفت وایمان ضعیف ہے تو ابلیس کی رسائی اُس قلعہ تک ممکن ہے اور وہ اس پر قابض ہوکر گمراہ کرسکتا ہے۔ لیکن معرفت وایمان کا قلعہ بقیہ قلعوں یا حصاروں کی طرح نہیں ہے بلکہ ان میں حسب مراتب فرق ہے۔ چنانچہ صدق اخلاص کا قلعہ یہ امر ونہی کی طرح نہیں ہے۔ اسی طرح باقی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایمان کا قلعہ مضبوط وباقی ہے تو شیطان یا ابلیس اس پر غلبہ حاصل نہیں کرسکتا۔ کلام پاک میں ارشاد ہے:

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. (پ۱۴: ع۱۸)

''یقیناً اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔''

کیونکہ یہ حضرات عبودیت کاملہ سے متصف ہیں' ایسے لوگوں کے لیے دوسری جگہ کلام پاک میں ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ (پارہ۹: سورۃ الانفال)

''بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جائیں تو وہ (آیتیں) ان کے ایمان کو زیادہ (مضبوط) کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔''

اور ان قلعوں میں بعض نہایت ہی اہم ہیں۔ اگر ان میں سے ایک پر بھی شیطان مسلط ہو جائے تو وہی کفر کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ایمان' چونکہ یہ سب سے زیادہ اہم ہے اگر اس میں کمزوری یا ضعف پیدا ہوتا ہے اور ابلیس اپنا تسلط جما لیتا ہے تو پھر اس کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک. نسأل اللہ الکریم الھدی والسلامة من الزیغ والردی. (یعنی خداوند

تعالیٰ ہم کو گمراہی سے بچائے) اور جان لیجئے کہ سب سے زیادہ ضروری معرفت باللہ ہے۔ استاذ کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ ضروری النظر باللہ ہے۔ اور ابن فورک وامام الحرمین فرماتے ہیں کہ پہلی ضرورت جو عوام الناس پر عائد ہوتی ہے القصد الی النظر ہے۔

دمیریؒ کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ہم نے مفصل بحث اپنی کتاب ''جوہر الفرید فی علم التوحید'' کے ساتویں جز میں بیان کر دی ہے۔

علماء کا اس بات پر اختلاف ہے کہ جنات میں بھی انبیاء و رسل کا سلسلہ جاری تھا یا نہیں؟ یعنی جنات میں بھی کوئی پیغمبر ہوا ہے یا نہیں۔

ضحاک کہتے کہ جنات میں سے بھی پیغمبر ہوئے ہیں اور استدلال میں قرآن شریف کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ. (سورۃ الانعام:۱۳۰)

''اے جماعت جنات اور انسانوں کی کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے۔''

لیکن محقق علماء فرماتے ہیں کہ جنات میں سے کسی جن کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ رسول و نبی تو صرف انسانوں میں بھیجے گئے ہیں۔ جنات میں (نذیر) ڈرانے والے آئے ہیں جن کو پیغمبر کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ رہا اس آیت کا مطلب جس کو ضحاک نے اپنے قول کے لیے بطور استدلال پیش کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آیت میں منکم سے مراد احد الفریقین ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا قول ہے:

یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ.

منذر ابن سعید بلوطی کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنات میں سے جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی وہ سب پیغمبر تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جنات امم سابقہ میں بھی شریعت کے احکام کے مکلف تھے جس طریقہ سے اس اُمت میں مکلف ہیں۔ حق تعالیٰ کے اس قول کی روشنی میں:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ کَانُوْا خٰسِرِیْنَ. (پ۲۶، ع۲، سورۃ الاحقاف)

''یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قول پورا ہو کر رہا جو ان سے پہلے جن اور انسان گزرے ہیں بے شک یہ خسارے میں رہے۔''

اور

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ.

''اور میں نے جن اور انسان کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔''

بعضوں نے کہا ہے کہ ان آیتوں میں مراد فریقین کے مومنین ہیں کہ حق تعالیٰ نے اہل اطاعت کو نہیں پیدا کیا مگر صرف عبادت کے لیے اور بدبختوں کو صرف بدبختی کے لیے اور عام مطلب لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی عبادت کا حکم دیتا ہوں اور اپنی طرف بلاتا ہوں تا کہ وہ ایک خدا کی عبادت کریں۔ اگر کوئی اس آیت پر یہ اعتراض کرے کہ اس آیت میں جنات و انسان کو ہی کیوں خاص کیا گیا مخلوق اور بھی ہیں۔ مثلاً ملائکہ کو ذکر کیوں نہیں کیا؟ وہ بھی حق تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں' تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں گناہ گار نافرمان زیادہ ہوتے ہیں۔ بخلاف ملائکہ کے کہ وہ معصوم من الاثم ہوتے ہیں جیسا کہ اس سے قبل گزر چکا۔

اس آیت میں دوسرا اعتراض یہ ہوسکتا ہے کہ جب انسان اشرف المخلوقات ہے تو اس آیت میں جن کو کیوں مقدم لایا گیا' انسان کا ذکر پہلے لانا چاہیے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ انسان نون خفیفہ کی وجہ سے اخف ہے اور لفظ جن اثقل ہے۔ تو متکلم کے نشاط وراحت کے لیے اثقل کو اخف پر مقدم کر دیا گیا۔

جزئی مسائل

شیخ عمادالدین بن یونس رحمۃ اللہ علیہ جنات سے اختلاف جنس ہونے کی بناء پر نکاح کو منع فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کسی انسان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی جنیہ سے نکاح کرے۔ اللہ تعالیٰ کے قول کی بنا پر ''وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا'' اور اللہ تعالیٰ کا قول ''وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً''۔ مودۃ سے مراد جماع ہے اور رحمت سے مراد بچہ ہے اور فقہاء حنابلہ کی ایک جماعت بھی جن سے نکاح کی قائل نہیں ہے اور فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ جنات سے نکاح جائز نہیں ہے۔ اختلاف جنس کی وجہ سے۔ اور قنیہ میں ہے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ دو شاہد کی موجودگی میں جائز ہے۔ حسن وقتادہ نے مکروہ کہا ہے اور استدلال میں یہ حدیث پیش کی ہے:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن سے نکاح کرنے کو منع فرمایا ہے۔''

زید سے مروی ہے وہ دُعا مانگتے تھے یا اللہ مجھے جنیہ مرحمت فرمادے جس سے میں شادی کروں۔

''ابن عدی' نعیم بن سالم بن قنبر مولی ابن ابی طالب کے حالات میں طحاوی سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے یونس بن عبدالاعلیٰ نے بیان کیا کہ نعیم بن سالم ہمارے پاس تشریف لائے انہیں میں نے یہ کہتے سنا کہ میں ''جن'' عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلقیس کے والدین میں سے کوئی ایک جن تھا۔''

شیخ نجم الدین قمولی کہتے ہیں کہ انسان کے کسی جن عورت سے نکاح کو حرام کہنا اس میں اشکال ہے۔ کیونکہ حرام جس طریقہ سے انسان کے لیے ہے۔ اسی طریقہ سے جن کے واسطے بھی ہونا چاہیے۔ لیکن مجھے ایک شیخ صالح دین دار شخص نے بتایا کہ ان سے کسی جنیہ نے شادی کی ہے۔

دمیریؒ کہتے ہیں: میں نے اہل علم میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے یکے بعد دیگرے جنات میں سے چار عورتوں سے شادی کی تھی۔

لیکن اس سلسلہ میں طلاق ولعان' ایلاء اور عدت ونفقہ وکسوہ اور ان چار عورتوں کے علاوہ دیگر چار عورتوں سے نکاح کرنے کے سلسلہ میں مسائل پر غور کرنا پڑے گا اور ہر صورت میں اشکال ہوگا جو سمجھ دار پر مخفی نہیں ہے۔

شیخ الاسلام شمس الدین ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ فتح الدین یعمری کی تحریر میں دیکھا' وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے عثمان مقاتلی نے بیان کیا' میں نے ابوالفتح قشیری کو کہتے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے شیخ عزالدین بن عبدالسلام کو کہتے سنا کہ ابن عربی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو بتایا گیا وہ جھوٹے تھے اور انہوں نے بیان کیا کہ ایک دن ہم نکاح جن کے بارے میں مذاکرہ کر رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ جن روح لطیف ہے اور انسان جسم کثیف ہے تو لہٰذا یہ دونوں کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟ پھر وہ ایک مدت تک ہم سے غائب رہے اور پھر اس حال میں ہمارے پاس آئے کہ ان کے سر میں زخم تھا تو ان سے اس سلسلہ میں معلوم کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ میں نے ایک جن

عورت سے شادی کی پھر کسی بات پر تنازعہ پیدا ہوگیا جس کی بنا پر اس نے مجھے زخمی کر دیا۔ شیخ ذہبی اس کے بعد کہتے ہیں کہ مجھے ابن عربی سے یہ توقع نہیں ہے۔ انہوں نے عمداً ایسا جھوٹ بولا۔ کیونکہ یہ تو خرافات میں سے ہے۔

مسئلہ: ابو عبیدہ نے کتاب الاموال میں اور بیہقی نے زہری سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

''نبی اکرم ﷺ نے ذبائح جن سے منع فرمایا ہے۔''

ذبائح جن کا مطلب یہ ہے کہ جاہلیت میں اگر کوئی شخص مکان وغیرہ خریدتا تو اس کے لیے ایک پرندہ ذبح کرتا اور اپنے گمان میں یہ خیال کرتا تھا کہ یہ گھر جنات سے محفوظ ہوگیا۔ لہٰذا حضور اکرم ﷺ نے اس کو منع فرمایا اور اس کو لغو قرار دیا۔

شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے پاس بغداد کا ایک شخص آیا اور اس نے شیخ کے سامنے اپنا واقعہ بیان کیا کہ میری ایک نوجوان لڑکی کو مکان کی چھت پر سے کوئی اُٹھا کر لے گیا۔ آپ کوئی ترکیب بتایئے کہ میری لڑکی واپس آجائے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی نے اس شخص سے کہا کہ تم فلاں قبرستان میں جاؤ اور بسم اللہ علی نیۃ عبدالقادر پڑھ کر اپنے گرد حصار کھینچ کر بیٹھ جاؤ۔ عشاء کے بعد جنات کی جماعت مختلف شکلوں وصورتوں میں تمہارے سامنے سے گزرے گی۔ تم ان کو دیکھ کر گھبرانا مت۔ پھر اس کے بعد جنات کا بادشاہ آئے گا وہ تم سے دریافت کرے گا کہ کیا ضرورت پیش آئی' کیوں آئے؟ تو اس سے تمام واقعہ کہہ دینا اور بتا دینا کہ مجھے عبدالقادر جیلانی نے بھیجا ہے۔ وہ شخص کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اور جنات کے بعد جنات کی مختلف جماعت مختلف صورتوں میں میرے سامنے آنی شروع ہوگئیں اور وہ اس دائرہ سے باہر ہی رہتی تھیں جس میں میں بیٹھا ہوا تھا۔ سب سے اُخیر میں جنات کا بادشاہ آیا وہ گھوڑے پر سوار تھا اور جنات کی جماعت اس کے اردگرد کھڑی تھی۔ وہ حصار کے مقابل کھڑا ہوگیا اور اس نے مجھ سے کہا اے انسان! کیا بات ہے؟ میں نے جواب دیا کہ مجھے آپ کے پاس شیخ عبدالقادر جیلانی نے بھیجا ہے۔

شیخ کا نام سن کر وہ اپنے گھوڑے سے اُتر کر حصار کے باہر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھی بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔ پھر اس نے پوچھا کیا واقعہ پیش آیا؟ میں نے ان سے اپنی لڑکی کا واقعہ بیان کر دیا۔ چنانچہ اس نے یہ واقعہ سن کر اپنے ایک ساتھی سے جو اس کے قریب ہی کھڑا تھا حکم دیا کہ اس شخص کو پکڑ کر حاضر کرو' جس نے یہ گستاخی کی ہے۔ چنانچہ وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ میری لڑکی بھی تھی۔ بادشاہ نے اس جن سے سوال کیا کہ تو نے قطب عالم شیخ عبدالقادر جیلانی کے علاقے میں ایسی حرکت کیوں کی؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس سے محبت ہوگئی تھی اس بناء پر میں اس کو اپنے ساتھ لے آیا۔ یہ سنتے ہی بادشاہ نے اس کی گردن مارنے کا حکم فرمادیا۔ چنانچہ فوراً اس کی گردن اُڑادی گئی اور میری لڑکی مجھے واپس کر دی۔ میں نے کہا کہ میں نے شیخ عبدالقادر کے حکم واطاعت کی ایسی مثال نہیں دیکھی۔ وہ بولا ہاں شیخ عبدالقادر اپنے مکان ہی سے جنوں کو دیکھتے رہتے ہیں خواہ جن کسی بھی خطہ میں ہوں اس لیے جنات آپ سے گھبراتے ہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت جب کسی کو مرتبہ قطبیت سے نوازتا ہے تو جن وانسان کو اس کے تابع بنا دیتا ہے۔

ابوالقاسم جنید کا بیان ہے کہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک روز ایک گاؤں سے میرا گزر ہوا میں تن تنہا ایک پہاڑ کے قریب پناہ گزین ہوا۔ آدھی رات کے قریب کسی نے آواز دی لَا تَدُوْرُ الْقُلُوْبُ فِي الْغُيُوْبِ حَتّٰى تَذُوْبَ النُّفُوْسُ مِنْ مَخَافَةِ الْمَحْبُوْبِ. یعنی بن دیکھی باتوں میں دل گردش نہیں کرتے جب تک کہ محبوب کے جاتے رہنے سے خوف سے جانیں نہ پگھل جائیں۔

میں یہ سن کر بہت متعجب ہوا اور سوال کیا کہ جن بول رہا ہے یا انسان؟ جواب ملا میں جن ہوں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہوں اور میرے ساتھ دیگر احباب بھی ہیں۔ میں نے کہا ان لوگوں کے پاس بھی آپ جیسا بلیغ کلام ہے۔ جواب دیا اس سے بھی بہتر ہے۔ دوسرے نے کہا مستقل غور وفکر اور انہماک سے بدن کی سستی ختم ہو جاتی ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ میں دل ہی دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں کی باتیں کتنی بہترین ہیں اتنے میں تیسرے نے آواز لگائی کہ جو شخص تاریکی سے مانوس ہوا اُس کے لیے اگلے دن نشانات کھولے جائیں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر بے ہوش ہو گیا اور جب مجھے افاقہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ میرے سینے پر نرگس ہے۔ اس کو سونگھ کر میری دہشت ختم ہوئی اور مجھے سکون ہوا۔ میں نے ان سے نصیحت کی تمنا ظاہر کی، تو انہوں نے نصیحت کرتے ہوئے کہا۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے منع فرماتا ہے کہ اس کے ذکر کرنے سے عار محسوس کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ذکر سے متقین کے قلوب کو مانوس رکھتا ہے جو شخص اس کے علاوہ کے متعلق سوچے وہ غیر مقصود چیز کی سعی کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو بھی اور ہم کو بھی توفیق خیر عنایت فرمائے (آمین) یہ کہہ کر وہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے اور میں ان کے کلام کی ٹھنڈک آج تک اپنے دل میں پاتا ہوں۔

شیخ یافعیؒ کی کتاب ''کفایۃ المعتقد وفکایہ المتقد'' میں شیخ سری کا یہ قصہ منقول ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک عرصہ سے میں اپنے دوست کی تلاش میں سرگرداں تھا اسی دوران میرا گزر ایک پہاڑ پر ہوا تو میں نے ایک جماعت دیکھی جس میں اندھے، لونجے اور دیگر مریض شامل تھے۔ میں نے ان سے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ یہاں ایک شخص ہے جو سال میں ایک مرتبہ باہر آتا ہے لوگ ان سے دُعا کراتے ہیں اور شفایاب ہوتے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ میں وہیں ٹھہر گیا جب وہ آیا تو لوگوں نے اس سے دُعا کی درخواست کی۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کے لیے دُعا کرنی شروع کی اور وہ اچھے ہوتے چلے گئے۔ جب وہ وہاں سے جانے لگا تو میں ان کے پیچھے پیچھے ہولیا اور ان کو جا چمٹا اور کہنے لگا کہ میں ایک باطنی بیماری میں مبتلا ہوں مجھ کو اس کی دوا بتلا دیجئے۔ اس بزرگ نے جواب دیا کہ اے سری میرے پاس سے چلا جا۔ وہ یعنی اللہ تعالیٰ بہت زیادہ غیرت مند ہے۔ خبردار ایسا نہ ہو کہ وہ تجھ کو اپنے غیر سے ملتا ہوا دیکھ لے اور تو اس کی نظروں سے گر جائے۔ یہ کہہ کر وہ بزرگ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔

امام محمد ابن ابی بکر کی کتاب ''التوحید'' میں جنید کے حوالے سے یہ قصہ مذکور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے شیخ سری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا تھا کہ انسان ہیبت اور اُنسیت میں اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اگر اس کو تلوار سے قتل کر دیا جائے تو بھی اس کو احساس نہیں ہوتا۔

راوی کہتے ہیں کہ یہ بات میرے دل میں کھٹکتی رہی کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے یہاں تک کہ میرا شک یقین میں بدل گیا۔

راوی اس کی تشریح بتاتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ہیبت وانس قبض اور بسط سے اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اور قبض اور بسط خوف اور رجاء سے بڑھی ہوئی ہے۔ ہیبت کے لیے غیبت ضروری ہے لہٰذا ہر ہائب غائب ہے یہاں تک کہ اگر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تو بھی وہ اپنی غیبت سے آزاد نہیں ہوگا جب تک اس کی ہیبت ختم نہ ہو جائے اور انس کا تقاضہ صحو (بیدار مغزی اور افاقہ) ہے۔ علماء کرام انس اور ہیبت کے مراتب کا فرق بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا انس کا درجہ ادنی یہ ہے کہ اگر اس کو آگ میں ڈال دیا جائے تو بھی انس مکدر نہ ہو۔ کیونکہ اس کی نظر فقط مقصود پر ہوتی ہے۔ اس کا مطمح نظر صرف اس کا محبوب حقیقی ہوتا ہے۔

شیخ سری کے قول **يبلغ العبد من الهيبة و الانس الى حدلو ضرب وجهه بالسيف لم يشعر به** میں اسی جانب اشارہ ہے۔ کیونکہ انس منجانب اللہ سرور سے پیدا ہوتا ہے۔ اور جس شخص کو اللہ سے انس پیدا ہو جائے اس کو جمیع اشیا سے توحش ہونے لگتی ہے۔ لہٰذا ہر ایک چیز سے منہ موڑ کر خدا کے لیے جیتا ہے۔ نہ وہ خدا کے علاوہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ اس کے علاوہ کسی کے لیے کوئی کام انجام دیتا ہے۔ وہ صرف کونین میں اسی کی اطاعت وموافقت کرتا ہے اور اس کی نظر صرف اس پر پڑتی ہے اور اس کی آنکھیں صرف اس کے کاموں اور خلقی کارناموں کا مشاہدہ کرتی ہیں۔ کیونکہ عارف صنعت کو صانع سے پہچانتا ہے، صانع کو صنعت سے نہیں پہچانتا۔ اسی لیے وہ اس کے

کارناموں کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا۔اور یہی توحید کا اعلیٰ مقام ہے۔

واضح رہے کہ انسان جب تک کہ اشغال خلائق سے ترک تعلق کر کے باریکیوں کی حقیقت تک نہ پہنچ جائے اس طریق پر کہ باریکیوں سے مطلع ہوتا چلا جائے۔اس کو انس باللہ کی حلاوت حاصل نہیں ہوتی۔نیز اگرچہ انس اور ہیبت کی حالت ظاہر ہے مگر پھر بھی اہل حقیقت نے ان کو بندہ کے تغیر کی وجہ سے ناقص قرار دیا ہے۔کیونکہ اہل توحید کے احوال کی ہیئت تغیر سے محفوظ ہے اور ان کا کمال محویت فی اللہ میں ہے نہ ان کے لیے ہیبت کوئی چیز‘ نہ انس‘ نہ علم اور نہ احساس اور اس مقام سے بلندی رحمت خداوندی اور فیض اسی کا رہین منت ہے۔خدا کی شان ہے کہ جس کو وہ چاہے اپنے بندوں میں سے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دے۔

شیخ سری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ابو والد نامی ایک شخص کے ساتھ ایک سال تک رہا۔لیکن میں نے ان سے کوئی مسئلہ دریافت نہیں کیا۔ایک دن میں نے ان سے سوال کیا کہ معرفت کا اعلیٰ ترین واعظم مرتبہ کون سا ہے؟ انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ معرفت کا اعلیٰ وارفع مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب سمجھنے لگو اور تمہارے ظاہر و باطن میں سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام اشیاء کی حقیقت معدوم ہو جائے۔پھر میں نے ان سے سوال کیا کہ یہ حالت و کیفیت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟ جواب دیا کہ تمہارے تقویٰ اور اشتغال باللہ سے تم کو یہ مقام حاصل ہو سکتا ہے۔شیخ سری فرماتے ہیں کہ ان کا یہ کلام ہی اس معاملہ میں میرے انتفاع کا ذریعہ ہے۔علامہ دمیریؒ بیان فرماتے ہیں شیخ سری علیہ الرحمہ نے ۶ رمضان المبارک ۲۵۳ھ کو وفات پائی۔

جن کی عادتیں

جس گھر میں اترج موجود ہو اس میں جنات داخل نہیں ہوتے۔امام ابوالحسن علی بن حسن ابن حسن ابن محمد خلعی شافعی سے مروی ہے (یہ قاضی الجن کے نام سے مشہور تھے‘ قراقہ میں ان کا مزار ہے۔لوگوں کا خیال ہے کہ ان کے مزار پر مانگی ہوئی دُعا مقبول ہوتی ہے) انہوں نے بتایا کہ جن میرے پاس آ کر پڑھتے ہیں۔ایک روز انہوں نے آنے میں دیر کی اور بعد میں آئے تو ان سے اس تاخیر کے متعلق سوال کیا۔جنات نے جواب دیا کہ گھر میں اترج تھا اور ہم اترج والے گھر میں داخل نہیں ہوتے۔

حافظ ابو طاہر سلفی کا بیان ہے کہ جب خلعی نے یہ بات سنی تو اس دُعا پر مجلس ختم کر دی:

اَللّٰھُمَّ مَا مَنَنْتَ بِهٖ فَتَمِّمْهُ وَمَا اَنْعَمْتَ بِهٖ فَلَا تَسْلُبْهُ وَمَا سَتَرْتَهٗ فَلَا تَهْتِكْهُ وَمَا عَلِمْتَهٗ فَاغْفِرْهُ.

قاضی ابو طاہر سلفی ۴۴۸ھ ماہ شوال میں اس دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔علامہ دمیریؒ کہتے ہیں کہ جن‘ کی اسی خصلت کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھنے والے مومن کی مثال اترج سے دی ہے۔کیونکہ شیطان مومن کے قلب سے جو قرآن کریم تلاوت کرتا ہے ایسے ہی بھاگتا ہے جیسے کہ اس مکان میں سے جن بھاگتا ہے جس میں اترج موجود ہو۔چنانچہ اس کے ذریعہ مثال دینا مناسب ہے بخلاف تمام پھلوں کے:

> ”مستدرک میں صحابہ کے حالات میں امام احمد بن حنبل نے یہ روایت نقل کی ہے کہ مسلم بن صبیح کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ کے پاس ایک نابینا بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ان کو اترج کاٹ کاٹ کر شہد سے کھلا رہی تھیں۔آپ نے فرمایا کہ یہ ابن مکتومؓ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب نازل فرمایا تھا۔“

(ملاحظہ ہو سورہ عبس وتولی الایہ) آل محمدؐ (اہل بیت یعنی ازواج مطہرات) برابر ان (ابن ام مکتوم) کی اسی طرح خاطر کیا

کرتی ہیں۔''

معجم طبرانی میں حبیب بن عبداللہ نے ابی کبشہ سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے جدامجد سے روایت کی ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ کو سرخ کبوتر اور اترج کا دیکھنا بھلا معلوم ہوتا تھا۔''

ان شاء اللہ اس کا مفصل ذکر باب الفاء میں حدیث سلیمان بن موسیٰ کے تحت آئے گا۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''جن ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں آزاد گھوڑے ہوں۔''

جنات کی خواب میں تعبیر

جنات کو خواب میں دیکھنا اس کی تعبیر چالاک شخص سے دی جاتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ چالاکی ومکر وفریب کیا تھا۔ جس شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ کسی جن کے ساتھ کام کر رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کا چالاک وحلیہ باز سے جھگڑا ہوگا۔ اگر کسی شخص نے خواب میں جن کو قرآن شریف پڑھاتے دیکھا تو اس کو جاہ وعزت ودولت وغیرہ دستیاب ہوگی۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ.

کبھی جن کی تعبیر چور ڈکیت سے بھی دی جاتی ہے۔ اگر کسی شخص نے یہ دیکھا کہ اس کے گھر میں جن داخل ہوا سو اس کو چاہیے کہ وہ چور سے اپنی حفاظت کا انتظام کرے اور خواب میں پاگل شخص کو دیکھنا' اس کی مختلف تعبیریں دی جاتی ہیں۔ اگر یہ دیکھا کہ وہ خود پاگل ہو گیا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ صاحب خواب مال دار وغنی ہوگا۔ جیسا کہ شاعر کے قول ؎

جن له الدهر فنال الغنى یاویحه ان عقل الدهر

''زمانے نے اس کو مجنون کر دیا جس کے نتیجے میں اسے دولت نصیب ہوئی۔ اگر زمانہ کسی کو عقل دیتا ہے تو یہ برا ہے اچھا نہیں۔''

بعض حضرات کہتے ہیں کہ مجنون کی خواب میں تعبیر سود خوار سے بھی دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی روشنی میں:

اَلَّذِیْنَ یَاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس.

''جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنا دے لپٹ کر (یعنی حیران ومدہوش)۔''

کبھی جنت کے دخول کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے قول کی بناء پر:

اطلعت على الجنة فرأيت اكثر اهلها البله و المجانين.

اگر کسی عورت نے دیکھا کہ وہ پاگل ہوگئی ہے اور اس نے تعویذات کے ذریعہ اپنا علاج کروالیا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ حاملہ ہوگی اور اس کے حمل میں جو بچہ ہوگا وہ چالاک ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جِنَّانُ الْبُیُوْتِ

جنان البیوت (جیم پر کسرہ نون مشدد وہ مفتوحہ) گھریلو سانپ۔ جنان' جان کی جمع ہے۔ چھوٹے' ہلکے سانپ۔

حدیث شریف میں جان کا ذکر:

بخاری و مسلم وابوداؤد نے ابولبابہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ:

''آنحضور ﷺ نے گھریلو سانپ کو مارنے سے منع فرمایا ہے علاوہ ان سانپوں کے جن کی دم کٹی ہوئی ہو اور جس کے اوپری حصہ پر سفید لکیریں ہوں۔ کیونکہ یہ دونوں قسم کے سانپ قوت بینائی کو ختم کر دیتے ہیں اور حمل کو ساقط کر دیتے ہیں۔''

ابتر: چھوٹی دم والا سانپ۔ **طفتیان**: جس کی پشت پر دو سفید لکیریں ہوں۔

نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ یہ زرد رنگ کا سانپ ہوتا ہے۔ دم کٹی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر اس کی طرف حاملہ عورت دیکھ لے تو حمل ساقط ہو جاتا ہے۔

کتاب الحشرات میں ابن خالویہ لکھتے ہیں کہ میں نے ابن عرفہ کو یہ کہتے سنا کہ جان اس سانپ کو کہتے ہیں جو چلتے وقت سر اُٹھا کر چلے۔

رفعن بالليل اذا اسدفا اعناق جنان و هامارجفا

''رات کے اوقات میں جب اندھیریاں پھیل گئیں تو سانپوں نے اپنی گردنیں بلند کیں۔''

الجند بادستر[1]

(ایک آبی جانور) یہ کتے کے مشابہ ایک آبی جانور ہے۔ صرف شہر قفجاق میں ہی پایا جاتا ہے۔ اس کو قندر اور سمور بھی کہتے ہیں۔ مزید تفصیل باب القاف میں آئے گی۔ لیکن اجمالی تصور کچھ اس طرح ہے کہ یہ لومڑی کی طرح سیاہی مائل سرخ ہوتا ہے۔ ہاتھ بالکل نہیں ہوتے البتہ ٹانگیں ہوتی ہیں۔ دم طویل ہوتی ہے۔ سر انسانوں کے مانند اور چہرہ گول ہوتا ہے۔ ہاتھ نہ ہونے کی بناء پر سینہ کے بل چلتا ہے۔ تاہم یہ محسوس ہوتا ہے کہ عام چوپاؤں کی مانند چاروں پیروں سے چل رہا ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس کے چار خصیہ ہوتے ہیں دو پوشیدہ اور دو ظاہری خصیے طبی اعتبار سے بہت کارآمد اور مفید ہوتے ہیں۔ عام طور پر شکاری صرف انہیں ہی حاصل کرنے کے لیے اس کا شکار کرتے ہیں۔ جب اس کو محسوس ہو جاتا ہے کہ شکاری اسے اپنے جال میں پھنسانے کے لیے کوشاں و سرگرداں ہے تو یہ فرار کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن جب اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ شکاری نے اس کو گھیر لیا ہے اور اب فرار مشکل ہے اور اب صیاد کے پھندے کے علاوہ کوئی صورت نہیں ہے تو یہ اپنے دونوں ظاہری خصیوں کو اپنے منہ میں کاٹ کر ان کی طرف پھینک دیتا ہے اور اپنی جان بچا لیتا ہے۔ کیونکہ شکاری کو صرف اس کے دو ظاہری خصیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر شکاری کی نگاہ اس کے کٹے ہوئے خصیتین پر نہیں پڑتی تو یہ اُلٹا لیٹ جاتا ہے یہاں تک کہ اس کو یقین آ جاتا ہے کہ کاٹ کر پھینک دیئے ہیں تو شکاری اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ اپنے دو ظاہری کٹے ہوئے خصیوں کی جگہ پوشیدہ خصیوں کو لے آتا ہے۔ کٹے ہوئے خصیہ کا اندرونی حصہ خون کی طرح یا شہد کی مانند ہوتا ہے۔ اگر اس کو خشک کر لیا جائے تو اس کے اندر سے بہت عمدہ خوشبو آتی ہے۔ یہ آبی جانور پانی میں داخل ہو کر سانس کو روک لیتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد نکل آتا ہے۔ اس کے اندر اتنی قوت ہوتی ہے کہ یہ پانی کے اندر بھی زندگی گزار سکتا ہے اور خشکی پر بھی لیکن عموماً پانی میں رہتا ہے۔ مچھلی اور کیکڑا اس کی غذا ہے۔

---

[1] جند بادستر: اود بلاؤ (CASTOR SACS)۔

طبی خواص

اس کے خصیتین بہت ہی نفع بخش اور سود مند ہیں۔ شیر کے کاٹنے سے بدن انسانی میں جو جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں اس کو ختم کرنے کے لیے ان خصیتین کا استعمال مفید ہے۔ دیگر امراض کے لیے بھی بہت مفید ہے۔ مثلاً اعضاء باردہ کو حرارت بخشتا ہے۔ رطوبت کو خشک کرتا ہے۔ غرض تمام بیماریوں کے لیے اکسیر ہے۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انسانی اعضاء کے لیے کسی بھی حالت میں نقصان دہ نہیں ہے۔ بچھو کے ڈسنے کی جگہ اگر اس کو ملا جائے تو اس کو بہت فائدہ ہوگا۔ جس شخص کو مرگی کا مرض لاحق ہو اس کو تیل میں ملا کر سر پر مالش کرنا مفید ہے۔

اگر کسی شخص پر فالج کا حملہ ہو یا اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ گئے ہوں تو ان مرضوں میں اس کا استعمال بلاشبہ بہت مفید ہوگا۔ ہر قسم کے زہر کے لیے تریاق ہے۔ افیون سے پیدا شدہ تمام امراض کو ختم کرتا ہے۔ نیز بلغم جیسا بھی ہو اس کو ختم کرتا ہے۔

اس کی کھال موٹے بالوں والی ہوتی ہے جس سے پوستین بنائی جاتی ہے۔ مشائخ اس کو استعمال کرتے ہیں اس کا گوشت بھی فالج زدہ کے لیے اور اصحاب الرطوبت کے لئے نافع ہے۔

الجنین

(نامکمل بچے، رحم مادر میں رہنے والے بچے) مذبوحہ جانور کے بطن سے جو بچہ نکلے اس کو جنین کہتے ہیں۔

جنین کا شرعی حکم

مذبوحہ جانور کے بطن سے نکلنے والا بچہ اگر مردہ ہے تو باجماع صحابہ حلال وطیب ہے۔ اور اس کا کھانا جائز ہے۔ جیسا کہ امام الماوردی نے اس مسئلہ کو حاوی میں نقل کیا ہے اور اسی مسلک کو فقہاء کی ایک جماعت مثلاً مالک، اوزاعی، ثوری، ابو یوسف، محمد، اسحاق اور امام احمد وغیرہ نے اختیار کیا ہے، صرف امام ابوحنیفہؒ اس مسئلہ پر منفرد ہیں، وہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں اور کلام پاک کی اس آیت سے استدلال فرماتے ہیں: **حرمت علیکم المیتة والدم.** نیز یہ حدیث شریف بھی استدلال میں پیش کرتے ہیں: **احلت لنا میتتان ودمان. السمک والجراد والکبد والطحال** کہ اس حدیث میں صرف دو میتة حلال کیے گئے ہیں مچھلی اور ٹڈی، لہٰذا یہ تیسرا میتة اپنی طرف سے کیوں حلال کرتے ہیں۔

جمہور علماء کی دلیل قرآن شریف کی یہ آیت ہے: **احلت لکم بهیمة الانعام.** حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **بهیمة الانعام** ان بچوں کو کہتے ہیں جو رحم مادر میں مردہ پائے جاتے ہیں، ان کی ماؤں کی حلت کے سبب اس کا کھانا حلال ہے۔ مزید تفصیل باب الباء میں گزر چکی ہے۔

جمہور علماء کی دوسری دلیل مندرجہ ذیل حدیث شریف ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''آپؐ نے ارشاد فرمایا: جنین کی پاکیزگی کی حلت اس کی ماں کی پاکیزگی وحلت کے سبب ہے۔''

یعنی جنین کی حلت اپنی ماں کے تابع ہے اور اس کے قائم مقام ہے۔ اگر کوئی اس پر اعتراض کرے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء تشبیہ بیان کرنا ہے اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے، ذکاة الجنین ذکاة ام کے مشابہ ہے۔ کیونکہ ذکاة جنین مقدم ہے، ذکاة ام پر، اگر آپؐ کا

منشاء نیابت ذکاۃ بیان کرنا ہوتا تو آپؐ ذکاۃ ام کو مقدم فرماتے ذکاۃ جنین پر۔
المادری نے اس اشکال کے تین جواب دیئے ہیں:

(۱) فرماتے ہیں کہ لفظ جنین کا اطلاق صرف اس وقت ہوتا ہے جب تک بچہ رحم مادر میں موجود ہے اس سے جدا ہونے کے بعد یہ نام ختم ہو کر اس کا نام ولد ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: **واذ انتم اجنة فی بطون امهاتكم** اور رحم مادر میں ہوتے ہوئے بچہ پر قدرت نہیں ہوتی۔ تو معلوم ہوا کہ مندرجہ بالا حدیث شریف میں آپؐ کا مقصد نیابت بیان کرنا ہے نہ کہ تشبیہ۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر آپؐ کا مقصد تشبیہ بیان کرنا ہے تو ام اور غیر ام سب برابر ہیں۔ ام کے ساتھ تشبیہ خاص کرنا اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ آپؐ کا مقصد تشبیہ بیان کرنا ہوتا تو آپؐ لفظ ذکاۃ ام کو نصب دیتے اور کاف تشبیہ کو محذوف کرتے۔ حالانکہ یہ حدیث دو طرح پر نقل کی ہوئی ہے۔ دونوں میں بجائے نصب کے رفع ہے۔ یہ اس کی کھلی علامت ہے کہ آپؐ کے پیش نظر نیابت ہے تشبیہ نہیں اور اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ ایک روایت میں ذکاۃ ام منصوب بھی استعمال ہوا ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ بچے کا ذبح اس کی ماں کا ذبح ہو جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس روایت میں نصب آیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اگر ہم اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تو "باء" کے حذف کی بناء پر یہ منصوب ہوگی کاف تشبیہ کے بناء پر نہیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ جنین کا ذبحہ ماں کے ذبحہ ہونے سے ہے اور اگر دونوں احتمال موجود ہیں تو پھر دونوں ہی کو ملحوظ رکھا جائے۔ جس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اگر بچہ مرا ہوا پیدا ہو تو مرفوع روایت سے کام لے کر نیابت کے پہلو کو ترجیح دی جائے اور اگر بچہ زندہ پیدا ہو تو پھر نصب والی روایت کو قوی قرار دے کر تشبیہ کا مفہوم لیا جائے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اونٹ، گائے، بکری ذبح کرتے ہیں اور ان کے پیٹ میں بچے ہوتے ہیں ان کو پھینک دیں یا کھالیں؟

"آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری طبیعت چاہے تو ان کو کھالو کیونکہ جنین کی حلت اس کی ماں کی حلت کے تابع ہے۔"

شیخ ابو محمد جنین کی حلت پر عقلی دلیل پیش فرماتے ہیں کہ اگر جنین کو ماں کے تابع ہو کر حلال تسلیم نہیں کرتے تو ظہور حمل کے بعد ماں کو ذبح کرنا حلال نہ ہونا چاہیے۔ جیسا کہ حاملہ عورت کو نہ قصاص میں قتل کیا جا سکتا ہے اور نہ حد جاری کر سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ جنین ماں کے تابع ہو کر حلال ہوگا اور اس کا کھانا جائز ہوگا۔

جنین کی تین صورتیں ہیں ایک تو وہ جو مکمل ہو چکا ہو جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا۔ دوسرا صرف خون کا لوتھڑا ہو۔ یہ غیر ماکول ہے کیونکہ خون حرام ہے۔ تیسرے گوشت کا ٹکڑا ہو جس کی ابھی صورت ظاہر نہیں ہوئی۔ تو اس کے حلال میں اقوال کے مختلف ہونے کی بناء پر دو صورتیں ہیں:

(۱) اگر اس کے اندر روح ڈال دی گئی ہو تو حلال ہے ورنہ نہیں۔ یہ دیکھنا کہ جنین کے اندر روح پھونک دی گئی ہے یا نہیں؟ اس کا ادراک بہت مشکل ہے۔ اگر جنین زندہ پایا گیا تو وہ بغیر ذبح کئے کھانا جائز نہیں ہے۔ اگر بچے کا ابھی سر ہی نمودار ہوا کہ ماں کو ذبح کر دیا گیا تو قاضی اور بغوی کہتے ہیں کہ بغیر ذبح کے حلال نہیں ہوگا۔ قفال کہتے ہیں بغیر ذبح کے بھی کھانا جائز ہے۔ کیونکہ بچے کے بعض حصے کا ولادت کے وقت نکلنا ایسا ہی ہے کہ وہ ابھی ظاہر ہی نہ ہوا ہو۔ روضہ میں ہے کہ قفال کا قول زیادہ صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ابن خلکان اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ امام صائن الدین ابوبکر قرطبی اکثر ان شعروں کو پڑھا کرتے تھے ۔

جری قلم القضاء بما یکون فسیان التحرک و السکون

''تقدیر کا قلم چل پڑا اس مضمون سے متعلق جو بہر حال پیش آ کر رہے گا (اور جب کہ ایسا ہے تو پھر حرکت وسکون برابر ہیں (یعنی ہم جدوجہد کریں یا نہ کریں نتیجہ بایقین تقدیر ہی کے تابع ہوتا ہے)۔''

جنون منک ان تسعی لرزق و یرزق فی غشاوته الجنین

''یہ تمہاری حماقت ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ حصول رزق محنت اور کوشش پر موقوف ہے حالانکہ دیکھو تو سہی خدا تعالیٰ رحم مادر میں موجود حمل کو بھی رزق پہنچا رہا تھا درانحالیکہ اس جنین کی کوئی کوشش نہ تھی۔''

جهبر

بروزن جعفر ریچھنی [1] کو کہتے ہیں۔ حیرت انگیز وصف یہ ہے کہ جب ریچھنی کے ولادت کا وقت قریب آتا ہے تو یہ بنات نعش صغریٰ کی جانب رُخ کر لیتی ہے جس کی بنا پر ولادت میں آسانی ہو جاتی ہے اور جب یہ بچے جن دیتی ہے تو وہ ایک گوشت کا ٹکڑا ہوتے ہیں اور وہ چیونٹی سے حفاظت کی غرض سے اپنے بچوں کو ادھر ادھر اُٹھائے پھرتی ہے۔ پھر بعض مرتبہ چیونٹی کے خوف کی وجہ سے اپنے بچوں کو بھی بھول جاتی ہے جن کو بجو دودھ پلا کر پالتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بے وقوفی میں ضرب الامثال بن گئی۔

اہل عرب کہتے ہیں کہ احمق من جهبر. فلاں ریچھنی سے بھی زیادہ بے وقوف ہے۔

الجواد

الجواد ۔ تیز رفتار عمدہ گھوڑے کو کہتے ہیں۔ جواد کے معنی عمدہ کے آتے ہیں۔ کیونکہ یہ چلنے میں تیز رفتار ہوتا ہے اس لیے اس کو جواد کہتے ہیں شاعر کہتا ہے۔

نعمة جواد لایباع جنینها

''ایک ایسی عمدہ نسل کا گھوڑا کہ جس کی خوبی نسل کی بناء پر اس کا بچہ فروخت نہیں کیا جا سکتا۔''

٭ اس کی جمع جود و جیاد آتی ہے جیسے ثوب وثیاب اور اجیاد مکہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے چونکہ وہ گھوڑوں کی جگہ ہے اس بناء پر اس نام سے موسوم ہے اور اس کا دوسرا نام قعقان ہے۔

حدیث شریف میں جواد کا ذکر:

جعفر غریانی اپنی کتاب فضل الذکر میں سہل بن سعد ساعدی سے روایت کرتے ہیں کہ:

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں بعد نماز فجر سے بیٹھ کر طلوع شمس تک ذکر اللہ کرتا ہوں۔ **مجھے یہ عمل راہ خدا میں عمدہ** ترین گھوڑوں پر سفر کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔''

نسائی، حاکم، ابن سنی، بخاری نے سعد بن ابی بکر وقاص سے یہ حدیث نقل کی ہے:

---

[1] جهبر: محیط المحیط میں جہبر کے معنی شیرنی کے بیان کیے گئے ہیں۔

''ایک شخص نماز پڑھنے آیا تو حضور اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ اس شخص نے پہلی صف میں پہنچ کر یہ دُعا مانگی: اے اللہ! جو تو اپنے نیک بندے کو دیتا ہے اس میں سے بہتر مجھے عطا فرما۔ آپؐ نے بعد فراغت نماز فرمایا کہ یہ دُعا کس نے مانگی؟ اس شخص نے عرض کیا میں نے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب تمہارے بہترین عمدہ گھوڑے مار دیئے جائیں اور تم راہ خدا میں شہید ہو جاؤ (مطلب یہ ہے کہ جہاد کے بعد ہی تم بہتر درجہ کے حق دار ہو گے)۔''

سنن ابن ماجہ میں عمرو بن عبسہ کی یہ حدیث منقول ہے:

''وہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ کون سا جہاد افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا جس میں مجاہد کا خون بہا دیا جائے اور اس کی سواری ہلاک کر دی جائے۔''

ابن ظفر کی کتاب النصائح میں عمر بن الخطاب کی باندی سے یہ روایت منقول ہے (جس کو نبی کریم ﷺ اے زائدہ! تو تو خوش قسمت ہے کہہ کر پکارتے تھے) وہ فرماتی ہیں کہ:

خازن جنت سے ملاقات

''ایک روز میں آنحضور ﷺ کی خدمت میں گئی اور عرض کیا میں اپنے گھر والوں کی خاطر آٹا گوندکر ایندھن لینے گئی۔ اس دوران میں نے ایک خوب صورت چہرے والا اور عمدہ لباس والا گھوڑ سوار دیکھا۔ اس سے قبل میں نے اتنا خوب صورت شخص نہیں دیکھا تھا اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی خوشبودار میرے پاس آیا۔ اس نے مجھے سلام کیا اور مزاج پرسی کی۔ میں نے جواب دیا کہ ٹھیک ٹھاک ہوں۔ پھر اس نے آپؐ کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے عرض کیا بحمد للہ بخیر ہیں اور خدائے تعالیٰ کے عذاب سے لوگوں کو ڈراتے ہیں۔ اس سوار نے کہا کہ اے زائدہ! جب تو محمد ﷺ کے پاس جائے تو میرا سلام کہنا اور یہ خوش خبری دینا کہ رضوان خازن جنت نے آپؐ کو سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ آپؐ کی بعثت سے جتنی خوشی مجھے ہوئی ہے کسی کو نہیں ہوئی۔ حق تعالیٰ نے آپؐ کی اُمت کو تین گروہوں میں تقسیم فرما دیا ہے۔ ایک گروہ بغیر حساب و کتاب کے جنت میں جائے گا اور دوسرا گروہ معمولی حساب کتاب کے بعد جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ اور تیسرے گروہ کے بارے میں آپؐ شفاعت کریں گے، جس کے نتیجے میں وہ جنت میں جائے گا۔ پھر وہ رُخصت ہونے لگے اور میں اپنا لکڑیوں کا گٹھڑ اُٹھانے لگی تو مجھے وہ بہت بھاری محسوس ہوا تو انہوں نے مجھے دیکھ کر کہا کیا بہت زیادہ بوجھ محسوس ہو رہا ہے؟ میں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کافی بوجھ ہے پھر انہوں نے سرخ شاخ سے جوان کے ہاتھ میں تھی گٹھڑ کو ٹٹولا اور پھر اس کو اُٹھا کر ایک پتھر پر جو پاس ہی پڑا تھا رکھ دیا اور اس پتھر کو حکم دیا کہ اے پتھر! اس بوجھ کو اُٹھا کر لے چل۔

چنانچہ پتھر میرے آگے آگے اس بوجھ کو اُٹھا کر لایا۔ یہاں تک کہ میں آپؐ کے پاس آ گئی۔ یہ واقعہ خازن جنت رضوان کی بشارت سن کر آپؐ نے سجدہ شکر ادا کیا اور حق تعالیٰ کی تعریف و توصیف بیان فرمائی۔

حمد و ثناء سے فراغت کے بعد آپؐ نے صحابہ سے فرمایا چلو اس پتھر کا معائنہ کریں اور اس کو دیکھیں۔''

اسی مفہوم کی وہ حدیث پاک بھی ہے جس کو عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا:

فرمایا کہ ایک یمنی شخص کعب احبار کے پاس آیا اور کہا کہ فلاں یہودی عالم نے مجھے آپ کے پاس ایک خط دے کر بھیجا ہے تو کعب نے اس سے خط لے لیا۔ اس یمنی شخص نے کعب سے کہا کہ یہودی عالم نے آپ سے یہ بھی سوال کیا ہے کہ کیا ہم میں

کوئی ایسا شخص نہیں تھا جس کی تم اطاعت کرتے؟ اورتم نے کیوں اپنا آبائی دین ترک کر کے محمد (ﷺ) کا دین اختیار کرلیا؟ تو کعب نے اس شخص کو جواب دیا کہ کیا مجھے اپنے آبائی دین کی طرف لوٹانا چاہتے ہو؟ تو اس نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر فرمایا جب تم اس کے پاس جاؤ تو کہنا کہ کعب تم سے پوچھتا ہے اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا کو خشک کر دیا تھا اور اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے موسیٰ ابن عمران علیہ السلام کو تختی دی تھی کیا ان کلمات میں یہ مضمون موجود نہ تھا کہ محمد ﷺ کی اُمت میں تین گروہ ہوں گے' ایک بغیر حساب کے جنت میں جائے گا' دوسرے سے معمولی حساب لیا جائے گا اور جنت میں بھیج دیا جائے گا اور تیسرا گروہ محمد رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے بعد جنت میں جائے گا۔ جب تم یہ سوال کرو گے تو وہ اثبات میں جواب دے گا۔ اس سے کہنا کہ کعب نے کہا ہے کہ مجھے ان تین گروہوں میں سے کسی ایک میں کرا دیجئے۔''

واقعہ: محمد ابن ظفر اپنی کتاب ''خیر البشر'' میں ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ایک بادشاہ کا خواب اور اس کی عجیب تعبیر

بادشاہ مرثد ابن عبد کلال جنگ سے کامیاب ہو کر واپس ہوئے تو اس فتح وظفر پر عرب کے شرفاء' شعراء وعلماء ان کو مبارک باد دینے کے لیے وفد کی شکل میں گئے۔ بادشاہ کو بہت خوشی ہوئی اور اس وفد کو اعزاز و اکرام وانعامات سے نوازا۔ یہاں تک کہ ان سے حجاب بھی دور کر دیا گیا۔ اسی خوشی کی حالت میں ایک روز اس کو ڈراؤنا خواب دکھائی دیا جس کی وجہ سے وہ بہت گھبرایا اور خوف زدہ ہو کر نیند سے بیدار ہوا۔ جب نیند سے بیدار ہوا تو خواب بھول گیا جس کا اس کو بہت افسوس ہوا۔ دل میں گھبراہٹ پیدا ہوگئی اور جنگ کی کامیابی کی خوشی غم میں بدل گئی۔ پریشانی کا یہ عالم تھا کہ آنے والے وفد سے بھی کنارہ کشی اختیار کرلی۔ جس کا وفد پر اچھا اثر نہیں پڑا اور عرب کے شرفاء اس بے التفاتی پر کبیدہ خاطر ہوئے۔ بادشاہ نے کاہنوں کو جمع کرلیا اور ان سے علیحدہ علیحدہ تنہائی میں دریافت کیا کہ میں نے جو خواب دیکھا ہے اس کو بیان کرو۔ سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ کاہنوں کے اظہار لاعلمی کرنے پر اس کو بہت رنج وملال ہوا۔ اور اس کی راتوں کی نیند اُڑ گئی۔ بادشاہ کی والدہ جو کاہنہ تھی اس نے بادشاہ سے کہا: اے بادشاہ سلامت حق تعالیٰ تم کو ایسے امور کی انجام دہی سے باز رکھے جو مستحق لعنت ہوں' کاہنہ عورتوں کو بلا کر ان سے بھی دریافت کر لیجئے۔ ان کے تابع شیاطین بہت زیادہ زیرک وسمجھ دار ہوتے ہیں۔ ممکن ہے وہ آپ کے درد دل کی دوا بتا دیں۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنی والدہ کے کہنے کے مطابق کاہنہ عورتوں کو بھی جمع کیا اور ان سے بھی وہی سوال دریافت کیا جو کاہن مردوں سے کیا تھا۔ انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا تو بادشاہ مایوس ہو گیا۔

اس کے بعد ایک دن بادشاہ شکار کھیلنے نکلا اور شکار میں اتنا مشغول ہوا کہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا اور تنہا رہ گیا۔ جب جنگل میں اس کو شدت کی گرمی نے جھلسانا شروع کیا اور اس نے گھر واپس آنے کا ارادہ کیا تو اچانک ایک بڑھیا نے بادشاہ کو خوش آمدید کہا اور ہر قسم کی راحت وسہولت کا یقین دلایا۔ بادشاہ اپنے عمدہ گھوڑے سے اُتر کر گھر میں پہنچا اور جھلسا دینے والی گرمی سے اس کو قدرے افاقہ ہوا تو وہ سو گیا۔ بیدار ہونے کے بعد اس نے اپنے سامنے ایک خوب صورت دوشیزہ کو دیکھا جو حسن وجمال میں یکتائے روزگار تھی۔ دوشیزہ نے آداب شاہی بجالانے کے بعد عرض کیا کہ عالی جاہ! دن بھر کی سیر وتفریح کی وجہ سے شاید آپ بھوکے ہوں گے کچھ ماحضر نوش فرمالیجئے۔ اجنبی دوشیزہ سے یہ بے تکلفانہ بات سن کر بادشاہ کے دل میں اضطراب بڑھا اور خوف محسوس کرنے لگا۔ لڑکی نے تسلی دیتے ہوئے عرض کیا بادشاہ سلامت آپ پر اور آپ کے جد امجد پر پوری دُنیا قربان ہو آپ سے ہم کو بہت فیض پہنچا ہے یہ کہہ کر لڑکی نے ماحضر بادشاہ کی

خدمت میں پیش کر دیا۔ جو ثرید اور سوکھے گوشت کے ٹکڑے اور کھجور وغیرہ کے ستو پر مشتمل تھا اور خود مکھیاں اُڑانے کھڑی ہوگئی۔ یہاں تک کہ بادشاہ کھانے سے فارغ ہوگیا۔

اس کے بعد بادشاہ کی خدمت میں لڑکی نے بہترین قسم کا دودھ پیش کیا۔ بادشاہ نے حسب خواہش دودھ پیا اور لڑکی کے بارے میں غور وفکر کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس دوشیزہ کا حسن اس کے دل میں گھر کر گیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میرا نام عفیرا ہے۔ بادشاہ نے کہا اے عفیرا! تو نے جو بادشاہ کہا ہے اس سے مراد کون سا بادشاہ ہے؟ لڑکی نے جواب دیا میری مراد مرشد ابن عبدکلال ہیں جو میرے سامنے رونق افروز ہیں اور جس نے ایک پیچیدہ مسئلہ میں کاہنوں کو مدعو کیا تھا اور کاہن اس کو حل کرنے میں ناکام ثابت ہوئے۔

بادشاہ نے دریافت کیا کہ کیا تم اس پیچیدہ مسئلہ کو جانتی ہو؟ لڑکی نے اثبات میں جواب دیا کہ وہ ایک خواب ہے۔ بادشاہ نے لڑکی کو مخاطب کر کے کہا کہ تم نے سچ کہا۔ خواب بتایئے میں نے کیا دیکھا تھا؟ لڑکی نے بادشاہ کا خواب من وعن نقل کر دیا کہ آپ نے یہ خواب دیکھا تھا کہ تیز آندھی چل رہی ہے اور ہوا کے بگولے ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور قریب میں نہر جاری ہے وہاں کوئی کھڑا ہوا گھنٹی کی آواز کی شکل میں کہہ رہا ہے کہ نہر کے قریب گھاٹ میں آجاؤ تو جس شخص نے نہر سے پانی پی لیا تو وہ سیراب ہوگیا اور جس نے انکار کر دیا وہ اس میں غرق ہوگیا۔

بادشاہ نے یہ سن کر کہا کہ یہی میرا خواب ہے اور میں نے ایسا ہی دیکھا تھا اے عفیرا! اب اس کی تعبیر بتاؤ۔ اس لڑکی نے اس خواب کی تعبیر بتانی شروع کی کہ **الاعاصیر الزوابع** (ہوا کے بگولے) سے مراد یمن کے بادشاہ ہیں **النھر** (نہر) سے مراد علم ہے اور **الداعی** (بلانے والے) سے مراد پیغمبر علیہ السلام ہیں اور **الجارع** (نہر سے پانی پینے والے) سے مراد نیک لوگ ہیں اور **الکارع** (انکار کرنے والے سے مراد) جھگڑالو دشمن ہیں۔

یہ سن کر بادشاہ نے عفیرا سے دریافت کیا کہ یہ پیغمبر امن وسلامتی پھیلائیں گے یا جنگ وجدال برپا کریں گے؟ عفیرا نے جواب دیا کہ خدا کی قسم وہ پیغمبر امن وسلامتی کا پیغام لائیں گے اور دُنیا سے جنگ وجدال، جھگڑے فساد ختم کریں گے اور باندیوں کو آزاد کریں گے۔

بادشاہ نے پوچھا، وہ انسان کو کس چیز کی طرف بلائیں گے؟ عفیرا نے کہا: نماز، روزہ کی دعوت دیں گے، صلہ رحمی کی تلقین کریں گے، بت شکنی کا حکم دیں گے اور تیروں کے ذریعہ پانسہ پھینکنے کو لغو قرار دیں گے۔ بادشاہ نے پھر پوچھا کہ وہ کس قوم سے پیدا ہوں گے؟ عفیرا نے کہا کہ مضر بن نزار کی قوم سے پیدا ہوں گے اور اس قبیلہ کی شہرت اسی کے وجود گرامی سے ہوگی۔ اور خاندانی روایات کو روشن کرنے کا باعث بنیں گے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ جب ان کی قوم حملہ آور ہوگی تو کون ان کے مددگار ہوں گے؟ عفیرا نے جواب دیا کہ ان کے مددگار پرندے ہوں گے اور مبارک نفوس جہاد کریں گے اور ان کے ذریعہ سے کفر کے حلقوں میں کھلبلی مچ جائے گی اور اس پیغمبر کے حلقہ کی بھرپور مدد کی جائے گی۔

عفیرا کے یہ جوابات سن کر بادشاہ اس سے اپنے نکاح کے بارے میں سوچنے لگا تو عفیرا نے کہا کہ میں آپ سے نکاح کرنے کے لیے تیار نہیں اس لیے کہ میرا تابع غیور ہونا چاہیے اور میرے معاملے میں انتہائی صبر کی ضرورت ہے جو کوئی مجھ سے محبت کرے گا وہ ہلاک ہوجائے گا۔

یہ سن کر بادشاہ کھڑا ہوگیا اور اپنی سواری کی طرف چلا اور سوار ہوکر اپنے محل میں آگیا اور وہاں سے عفیرا کے لیے سو اونٹ ہدایا اور تحائف سے لدے بھرے بجھوا دیئے۔

بخت نصر کا واقعہ بھی ایسا ہے کہ خواب دیکھ کر بھول گیا تھا جس میں پیغمبر اعظم سرور کائنات ﷺ کی بعثت مبارکہ کی اطلاع دی گئی تھی۔ بخت نصر نے اس وقت خواب دیکھا تھا جب اس نے بیت المقدس پر حملہ کر کے بنی اسرائیل کے بہت سے افراد کو گرفتار کر لیا تھا اور ان گرفتار شدگان میں سے ایک ہزار بچوں کو اپنی نگرانی میں رکھا تھا جن میں حضرت دانیال علیہ السلام بھی تھے۔

بخت نصر خواب دیکھ کر بھول گیا۔ اس سلسلہ میں اس نے کاہن اور منجم حضرات کی طرف رجوع کیا اور ان کو جمع کر کے ان سے اپنا خواب دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا ہم صرف خواب کی تعبیر بتا سکتے ہیں جب کہ آپ ہم سے اپنا خواب بیان کریں۔ بخت نصر نے کہا کہ میں خواب بھول چکا ہوں۔ اگر تم نے مجھ کو میرا خواب یاد نہ دلایا تو میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری موت تمہارے سروں پر ناچے گی۔ بخت نصر کی اس دھمکی سے تمام کاہن و ساحر خوف زدہ ہو گئے اور اس کے پاس سے گھبرائے ہوئے واپس آئے۔ پھر انہی میں سے ایک نے جا کر بخت نصر کو یہ اطلاع دی کہ ہمارے علم کے مطابق اگر کوئی شخص تمہارا خواب بیان کر سکتا ہے تو وہ صرف اسرائیلی لڑکا دانیال ہے وہی آپ کا خواب بیان کر سکتا ہے۔

بخت نصر نے حضرت دانیال علیہ السلام کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور ان سے اپنا خواب دریافت کیا۔ حضرت دانیال علیہ السلام نے پوچھا کہ اے بادشاہ! آپ مجھے صرف تین دن کی مہلت دیجئے کیونکہ میں اپنے مالک حقیقی سے دریافت کر کے بتا سکتا ہوں۔ بخت نصر نے حضرت دانیال علیہ السلام کو مہلت دے دی۔ حضرت دانیال علیہ السلام نماز و دُعا میں مشغول ہو گئے۔ حق تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے بخت نصر کا خواب اور اس کی تعبیر بتا دی۔ حضرت دانیال علیہ السلام بخت نصر کی خدمت میں آئے اور فرمایا کہ آپ نے یہ خواب دیکھا ہے کہ ایک پتھر کی مورتی ہے اور اس کے ہاتھ پیر مٹی سے بنے ہوئے ہیں اور ران پیتل کی ہے اور اس کا پیٹ چاندی اور سینہ سونے کا ہے اور مورتی کی گردن و سر لوہے کا بنا ہوا ہے۔ اے بادشاہ! آپ نے اس مورتی و تصویر کو دیکھ کر بہت تعجب کیا۔ بخت نصر نے کہا کہ تم نے صحیح کہا۔ پھر حضرت دانیال علیہ السلام نے کہا کہ اس تصویر (مورتی) پر آسمان سے پتھر برسے اور وہ ریزہ ریزہ ہو گئی۔ اور اس کے بعد وہ پتھر اتنا بڑا ہو گیا کہ پوری دُنیا میں پھیل گیا ہے۔ حضرت دانیال علیہ السلام نے کہا کہ اے بادشاہ! یہ وہ خواب ہے جس کو آپ بھول گئے تھے۔ بخت نصر نے کہا کہ اس کی تعبیر کیا ہے؟

حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ پتھر کی مورتی جس کو آپ نے خواب میں دیکھا ہے یہ دُنیا کے بادشاہ ہیں۔ بعض بادشاہ انتہائی طاقت و قوت والے ہیں اور بعض کمزور۔ بس اس بت کے ہاتھ پیر جو مٹی کے بنے ہوئے تھے یہ کمزور بادشاہ ہیں اور جو پیتل کا حصہ تھا تو اس سے کچھ طاقت ور بادشاہ کی جانب اشارہ تھا اور سونا چاندی کا جو حصہ بنا ہوا تھا تو اس سے طاقت ور باعزت بادشاہ مراد ہیں۔

پھر اس بت پر جو پتھر آ کر گرا اس سے مراد پیغمبر آخر الزمان ﷺ ہیں جو تمام دُنیا کو بھلائی کی دعوت دیں گے جس کے نتیجے میں آپ کے لائے ہوئے دین سے تمام دُنیا روشن ہو جائے گی اور دُنیا کا اقتدار اعلیٰ آپ ہی کی جانب منتقل ہو جائے گا اور رہتی دُنیا تک آپ ہی کی لائی ہوئی شریعت پر لوگ عمل پیرا ہوں گے۔

یہ باتیں سن کر بخت نصر کو بہت تعجب ہوا اور حضرت دانیال علیہ السلام کی قدر و منزلت اس کے دل میں بہت بڑھ گئی اور آپ کو اپنے خاص الخاص افراد میں شامل کر لیا۔

مورخ ابن خلکان، ابن قریہ کی سوانح میں تحریر فرماتے ہیں (جن کا اصلی نام ایوب بن زید بن قریہ تھا اور اعرابی ہونے کے باوجود مقرب بارگاہ حجاج تھا) کہ حجاج نے ابن قریہ کو عبدالرحمٰن بن اشعث بن قندی کے پاس بھیجا۔ جس وقت عبدالرحمٰن بن اشعث نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کے مقابلہ میں خروج کیا تھا اور اس کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کر رہا تھا۔

چنانچہ ابن قریہ اس کے پاس پہنچا اور اس نے کہا کہ تم خلیفہ عبدالملک بن مروان کے خلاف تقریر کرو اور اس کی خلافت تسلیم نہ کرو اور حجاج کو قید کرلو۔ ورنہ میں تمہاری گردن اُڑا دوں گا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن ابن اشعث نے ابن قریہ کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا اور اس کا ہمنوا بن گیا۔
جب عبدالرحمٰن بن اشعث حجاج سے مقابلہ کرتا ہوا لڑائی میں مارا گیا تو ابن قریہ کو حجاج کے پاس پکڑ کر لایا گیا تو حجاج نے اس سے چند سوالات کیے جن کا ابن قریہ نے مختصر انداز میں یہ جوابات دیئے کہ اہالیان عراق حق و باطل کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ اہل حجاز فتنہ وفساد میں سبقت کرتے ہیں اور اس میں بہت ماہر ہیں۔ اہل شام اپنے حکمرانوں کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہیں اور اہل مصر طاقت کے غلام ہیں۔ یمن کے لوگ مطیع وفرمانبردار ہوتے ہیں اور سرزمین ہند کے دریا موتی ہیں اور اس کے پہاڑ یاقوت ہیں اور ہندوستان کے شجر عود ہیں اور اس کے پتے عطر ہیں۔ ملک یمن خلاصہ عرب ہے اور اصیل النسل ہے اور مکہ معظمہ کے اشخاص جید علماء ہیں اور وہاں کی عورتیں بہترین لباس والی ہیں اور مدینہ علم کا منبع ہے۔ بصرہ کی سردی وگرمی میں شدت ہے اس کا پانی نمکین ہے۔ اس کی لڑائی صلح ہے۔ کوفہ دریا کی گرمی کی بناء پر مشہور ہے اور ٹھنڈک کی بناء پر بدنام ہے اور ملک شام حماۃ اور کنتہ کے مابین دروازہ ہے۔
حجاج نے ابن قریہ سے سوال کیا کہ حماۃ اور کنتہ سے کیا مراد ہے؟ اس نے کہا کہ بصرہ اور کوفہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے حریف ہیں اور ان کے درمیان دجلہ اور فرات دو دریا بہہ رہے ہیں جو خیر کی علامت ہیں۔ ابن قریہ نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ہر اعلیٰ وعمدہ شے کے مقابلہ میں بے کار اور گھٹیا شئے ہے۔ شجاعت کے مقابلہ میں بزدلی ہے۔ حلم کے مقابلہ میں ہفوات ہے۔ حجاج نے کہا کہ اہل عرب کہتے ہیں کہ ہر شئے کے لیے آفت وزوال ہے۔ ابن قریہ نے کہا کہ اہل عرب صحیح کہتے ہیں۔ بردباری کی آفت غضب ہے۔ عقل کی آفت عجب ہے۔ شجاعت کی بغاوت ہے اور مال کی آفت' سوء تدبیر ہے۔ اور باکمال کی آفت قحط الرجال ہے۔ اور شریف لوگوں کی آفت کمین لوگوں کا پڑوس ہے۔ علم کی آفت بھول جانا ہے۔ سخاوت کی آفت بدل وخرچ کرنا ہے۔ اس کے بعد حجاج نے ابن قریہ سے دریافت کیا کہ حجاج کی مصیبت وآفت کیا ہے؟ ابن قریہ نے جواب دیا' اس شخص کے لیے کوئی آفت ومصیبت نہیں ہے جس کا حسب ونصب عمدہ ہو اور جس کی اولاد بھی عمدۃ النسل ہو۔ حجاج نے کہا کہ اب تیرا پیمانۂ شقاوت لبریز ہو گیا اور تیرا انفاق ظاہر ہو گیا۔ چنانچہ فوراً اس کی گردن اُڑا دینے کا حکم دیا۔ جب حجاج نے اس کو مقتول دیکھا تو اپنے اس فعل پر سخت نادم وپریشان ہوا۔
علامہ دمیریؒ کہتے ہیں کہ ابن قریہ ۸۴ھ میں قتل کیا گیا ہے اور اس کا مفصل واقعہ ''غایت الادب فی کلام حکماء العرب'' میں مرقوم ہے۔

ابتلاء الاخیار بالنسا الاشرار کے مصنف نے ایک عمدہ گھوڑا ابومسلم خراسانی کی خدمت میں پیش کیا۔ ابومسلم نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ گھوڑا کس کام میں آتا ہے؟ انہوں نے کہا جہاد فی سبیل اللہ میں۔ ابومسلم نے کہا نہیں۔ ساتھیوں نے عرض کیا کہ پھر دشمنوں کو تلاش کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اس پر بھی ابومسلم نے انکار کیا تو ساتھیوں نے عرض کیا کہ پھر آپ ہی بتلایئے کہ کس کام میں آتا ہے؟ جواب دیا کہ فاحشہ عورت اور برے پڑوسی سے بھاگنے کے کام آتا ہے۔
مصنف فرماتے ہیں کہ گھوڑوں میں بہترین وصف کے گھوڑے صافنات ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے بھی یہی وصف بیان فرمایا:
قال اللّٰہ تعالیٰ اذ عرض علیه بالعشی الصافنات الجیاد.
مفسرین اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ایک ہزار گھوڑوں کو صرف نماز کے فوت ہو جانے کے سبب سے ذبح کر دیا تھا۔ جس کے عوض حق تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس سے بھی بہترین بدلہ عطا فرمایا تھا۔ یعنی ہوا کو آپؑ کے تابع کر دیا تھا جو صبح وشام میں آپ کو ایک ماہ کا سفر طے کرا دیتی تھی۔

''ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اور ابودھما رضی اللہ عنہ جو کثرت سے بیت اللہ جایا کرتے تھے فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک بدوی آیا اور اس نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو چند باتوں کی تعلیم دی جس میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اگر کسی شئے کو حق تعالیٰ سے ڈر کر چھوڑ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس سے بہتر شئے عطا فرمائے گا۔''

نعمانی نے اس حدیث شریف کی تخریج کی ہے اور ابوالدہما کا اصلی نام قرفہ بن بہیس ہے۔ بخاری کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی حدیث ان سے روایت کی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑے کو قربت وثواب حاصل کرنے کی وجہ سے ذبح کیا تھا۔

ثعلبیؒ کہتے ہیں کہ گھوڑے کا گوشت حلال ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی نماز کے فوت ہونے کی تلافی میں اپنا باغ صدقہ کر دیا تھا جبکہ وہ ایک پرندہ کے دیکھنے میں مشغول ہو گئے تھے جس کی بناء پر نماز میں تاخیر ہوگئی تھی۔

الصافنات ان گھوڑوں کو کہتے ہیں جو تین ٹانگوں پر کھڑے رہیں اور چوتھے پاؤں کا کھر صرف زمین پر لگا رہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے ؂

الف الصفون فلا یزال کانه مما یقوم علی الثلاث کسیر

''بہترین قسم کے گھوڑے بندھے ہوئے ہیں اور وہ اپنے تین پاؤں پر مسلسل کھڑے رہتے ہیں جو ان کے بہترین نسل سے ہونے کی علامت ہے۔''

اہل عرب خیل (گھوڑے) کو اس کی شرافت ونجابت کی بناء پر خیر سے بھی پکارتے ہیں۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جن کو عام طور پر لوگ زید الخیل کے نام سے پکارتے تھے زید الخیر کہا۔ زید رضی اللہ عنہ جب گھوڑے پر سوار ہوتے تو ان کے دونوں پیر زمین کی طرف لٹکے ہوئے ہوتے تھے۔ یہ زید بن مہلہل بن زید طائی ہیں۔ ان کے پاس گھوڑوں کی کثرت تھی۔ ہر قسم کے گھوڑے ان کے پاس تھے۔ مثلاً ہطال' کمیت' ورد' کامل' لاحق' دموک وغیرہ۔

زید بن مہلہل رضی اللہ عنہ قبیلہ طے کے ساتھ بارگاہ رسالت میں ۹ھ میں آ کر مشرف باسلام ہوئے تھے۔ آپؐ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ دو خصلتیں تم میں ایسی ہیں کہ جس کی بناء پر اللہ اور اس کا رسول تم سے محبت کرتا ہے' ایک حیاء اور دوسرے حلم۔ زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہر قسم کی ستائش وخوبی اللہ کے لیے ہے جس نے مجھ کو ایسی چیز عطا فرمائی جس کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول محبت فرماتے ہیں۔ ایک موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ اے زید الخیر تم کو بخار ہلاک کرے گا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ گھر واپس آئے تو انہیں بخار چڑھا اور اسی حالت میں انتقال کر گئے۔

مسحًا بالسوق والاعناق کی تفسیر میں ابن عباس اور زہری فرماتے ہیں کہ **مسحًا بالسوق** کے معنی یہاں تلوار سے گردن اور ٹخنے کاٹنے کے نہیں ہیں بلکہ محبت واعزاز کی وجہ سے ہاتھ پھیرنا مراد ہے۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کے ٹخنوں اور گردنوں پر محبت وتکریم کی وجہ سے ہاتھ پھیرا۔

بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد غسل الماء یعنی نہلانا ہے۔

ثعلبی کہتے ہیں کہ مسح بالسوق والاعناق کرنا یہ علامت تھی اس بات کی کہ یہ گھوڑے جہاد کے لیے خاص ہیں۔ اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں میں سے صرف سو گھوڑے باقی بچے تھے جن سے آج تک کی نسل چلی آتی ہے۔

مصنف حیاۃ الحیوان اس قول کی تردید فرماتے ہیں کہ یہ محال ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ کل بیس گھوڑے تھے جن کو شیطان دریا سے نکال لایا تھا اور ان کے پر بھی تھے۔ واللہ اعلم

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے بارے میں دُعا مانگی کہ مجھ کو ایسی بادشاہت عطا کر جو کسی کو نہ دی گئی ہو۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان مجھ کو منفرد و ممتاز مقام عطا فرما کہ میرا معجزہ ہو جائے۔ مفصل بیان باب العین میں آئے گا۔

نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دُعائیں مانگیں کہ مجھے ایسا حکم جو آپ کے حکم سے ملتا ہو اور ایسی حکومت جو میرے بعد کسی کو نہ ملے اور یہ کہ جو شخص اس مسجد (بیت المقدس) میں داخل ہو اور اس کی غرض سوائے نماز کے اور کوئی نہ ہو تو وہ گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو جائے جیسا کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اول کی دو دُعائیں تو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائیں اور تیسری دُعا کے بارے میں مجھ کو اُمید ہے کہ وہ بھی قبول ہوگئی ہوگی۔''

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ ایک پیغمبر دُعا کر رہا ہے اور دوسرا پیغمبر قبول ہونے کی اُمید کر رہا ہے' پھر کیوں نہ مقبول ہوئی ہوگی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے چھ سو کرسیاں بچھائی جاتی تھیں جس پر آپ جلوہ افروز ہو کر فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے۔ جن وانس کے عظماء وشرفاء حسب مراتب آپ کے پہلو میں تشریف فرما ہوتے۔ انسان کا رُتبہ جنات سے بڑھا ہوا ہوتا۔ یعنی سب سے پہلے اشراف انسان کا گروہ ہوتا وہ آپ کے متصل بیٹھ جاتا۔ پھر اشراف جن کی جماعت آتی' وہ اس کے متصل بیٹھ جاتی۔ پرندے آکر ان سب پر سایہ فگن ہو جاتے۔ ہوائیں چلتیں جن کی سرعت رفتار کے بارے میں قرآن شریف ناطق ہے غدوها شهر و رواحها شهر (کہ صبح کے وقت وہ ایک مہینہ کی مسافت طے کرتی اور شام کے وقت بھی)۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کی فرمائش کے مطابق حق تعالیٰ نے بادشاہت عطا کی تو آپ نے ایسی کرسی بنوانے کا فیصلہ کیا۔ جس پر آپ جلوہ افروز ہو کر جن وانس و چرند و پرند کے خصومات کا فیصلہ فرمائیں اور جس کو دیکھ کر باطل پرست اور جھوٹی گواہی دینے والے خوف زدہ اور مبہوت ہو جائیں۔ اور صرف حق بات کی گواہی دیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے حکم فرمایا کہ کرسی کو ہاتھی کے دانت سے بنوایا جائے جو موتی' یاقوت اور زمرد سے مرصع ہو۔ اس کرسی کے چاروں طرف سونے کے چار کھجور کے درخت لگائے جائیں جن کی شاخ سرخ قیمتی پتھر کی اور سبز زمرد کی ہو۔ دو درخت پر سونے کے مور کی تصویر بنائی جائے اور دو کھجور کے درخت پر سونے کے دو گدھ بنائے جائیں جو ایک دوسرے کے مقابل ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور سونے کے دو شیر آپ کی کرسی کے پہلو میں رکھے گئے جن کے سروں پر سبز زمرد کے ستون نصب کئے گئے اور کھجور کے درختوں پر سونے کی انگور کی بیل لٹکائی گئی' جس کے خوشے یاقوت کے تھے اور جس نے کھجور کو اور کرسی کو اپنے سایہ میں لے لیا۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کرسی پر جلوہ افروز ہونے کا ارادہ فرماتے اور کرسی کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے تو کرسی چکی کی طرح بہت گھومنے لگتی اور پرندے اپنے اپنے پروں کو پھیلانے لگتے۔ شیر اپنے ہاتھوں کو دراز کرتے اور اپنی دم کو زمین پر رکھتے۔ جب سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کرسی پر بیٹھ جاتے تو سونے کے دو گدھ جو کھجور کے درخت پر بنائے گئے تھے' وہ تاج اُٹھا کر حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر پر رکھ دیتے۔ پھر کرسی چکر کاٹنے لگتی۔ اس کے ساتھ گدھ' مور اور شیر بھی گھومنے لگتے۔ پھر آپؑ تورات کی تلاوت فرماتے اور اس کے بعد فیصلہ فرماتے۔ آپ کے دائیں جانب ایک ہزار سونے کی کرسی بچھی ہوتی تھی جس پر بنی اسرائیل کے شرفاء وعلماء تشریف فرما ہوتے اور بائیں جانب بھی ایک ہزار چاندی کی کرسی رکھی ہوئی تھی جس پر جنات کے عظماء وشرفاء بیٹھتے۔ ان سب پر

پرندے اپنے پروں سے سایہ فگن ہوتے۔ پھر لوگ اپنا اپنا مقدمہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش کرتے۔ آپ گواہ طلب کرتے۔ جس وقت گواہ حضرت کی خدمت میں گواہی دینے کی غرض سے آتے تو چکی کی طرح کرسی گھومتی اور شیر اپنے ہاتھوں کو پھیلاتے اور دم کو زمین پر مارتے اور مور و گدھ اپنے پروں کو پھیلاتے ان سب حرکات وسکنات کی وجہ سے شاہد کے دل میں گھبراہٹ پیدا ہو جاتی جس کی بناء پر وہ سچ ہی کہتا اور جھوٹ بولنے کی ہمت نہ ہوتی۔

جس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات ہوئی اور بخت نصر نے بیت المقدس کو فتح کیا تو وہ کرسی کو اُٹھا کر شہر انطاکیہ لے آیا اور اس نے اس پر بیٹھنے کا ارادہ کیا لیکن اس پر قادر نہ ہوا۔ بخت نصر کے بعد یہ کرسی بیت المقدس میں لائی گئی۔ کوئی بھی بادشاہ اس پر بیٹھنے پر قادر نہ ہو سکا۔ اور پھر اس کرسی کا پتہ نہیں چلا کہاں چلی گئی۔ بخت نصر کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ ان چار بادشاہوں میں سے تھا جنہوں نے اپنا پرچم پوری دُنیا میں لہرایا۔ غبی کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔

ایک عبرت آموز وحیرت ناک واقعہ نمبرا

مؤرخین اور اصحاب سیر نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے عہد میں ایک اسحاق نامی شخص تھا۔ اس کی چچا زاد بہن حسن اور خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھی۔ یہ اپنی چچا زاد بہن پر عاشق ہو گیا اور اس سے شادی کر لی۔ چندروز کے بعد اس لڑکی کا انتقال ہو گیا اور اس پر جدائی بہت شاق گزری۔ یہ اس کی قبر سے جا کر چمٹ گیا اور رونے لگا۔ ایک مدت تک ایسا ہی کرتا رہا۔ ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ادھر سے گزر ہوا تو آپؑ نے کہا کہ اے اسحاق کیوں رو رہا ہے؟ اس نے کہا یا روح اللہ یہ میری بیوی کی قبر ہے مجھے اس سے بہت محبت تھی اس کے فراق نے مجھے ہلاک کر رکھا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا ارادہ ہے کہ میں اس کو اللہ کے حکم سے زندہ کر دوں۔ اس نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام قبر کے پاس آئے اور کہا قم یا صاحب هذا القبر باذن الله (اللہ کے حکم سے زندہ ہو جا) چنانچہ قبر شق ہوئی اور اس میں سے ایک حبشی غلام جس کی آنکھ ناک اور منہ سے آگ نکل رہی تھی لا الہ الا اللہ عیسیٰ روح اللہ و کلمته و عبده و رسوله کہتا ہوا نکلا۔ اسحاق نے کہا یا نبی اللہ میری بیوی کی قبر یہ نہیں ہے بلکہ فلاں جگہ ہے اس نے دوسری قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس حبشی سے کہا کہ واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ مردہ ہو کر گر پڑا۔

پھر آپؑ دوسری قبر پر آئے اور کہا کہ اے صاحب قبر اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا۔ چنانچہ ایک عورت اپنے بدن سے مٹی جھاڑتی ہوئی نکلی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ یہی تمہاری زوجہ ہے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ اس کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ چنانچہ وہ اس کو اپنے ساتھ لے آیا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرے فراق میں مستقل جاگتا رہا اب میں چاہتا ہوں کہ تھوڑی دیر آرام کر لوں۔ وہ اس لڑکی کی ران پر سر رکھ کر سو گیا۔ سونے کے دوران اس لڑکی کے پاس ابن الملک گزرا جو حسن و جمال میں یکتائے روزگار تھا۔ لڑکی اس کو دیکھتے ہی عاشق ہو گئی۔ جب اس شخص نے لڑکی کو دیکھا تو وہ بھی اس پر فریفتہ ہو گیا۔ لڑکی نے اس سے کہا کہ مجھ کو اپنے ساتھ لے چلے۔ اس نے اپنے گھوڑے پر سوار کر لیا اور اس کو اپنے ساتھ لے گیا۔ ادھر جب اسحاق بیدار ہوا تو اپنی بیوی کو نہ پا کر بہت پریشان ہوا اور اس کی طلب وتلاش میں نکل پڑا اور گھوڑے کے آثار قدم دیکھ کر ان کے پیچھے چلتا رہا۔ ایک مقام پر پہنچ کر ان کو پکڑ لیا۔ اور ابن الملک سے کہا کہ میری بیوی میرے حوالے کر دو۔ کیونکہ زوجہ ہونے کے ساتھ ساتھ یہ میری چچا زاد بھی ہے۔ لڑکی نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ میں ابن الملک کی باندی ہوں۔ اسحاق نے نہایت تاکید کے ساتھ کہا کہ تو میری بیوی اور میرے چچا کی

لڑکی ہے۔لڑکی نے جواب دیا میں تجھ کونہیں پہچانتی۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ میں ابن الملک کی جاریہ ہوں۔ابن الملک نے اسحاق سے مخاطب ہوکر کہا کہ تو میری باندی سے کیوں جھگڑتا ہے؟

اس پر اسحاق نے جواب دیا کہ یہ تیری باندی نہیں ہے میری بیوی ہے جس کو روح اللہ نے اللہ کے حکم سے زندہ کیا ہے۔ان کی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور کہا کہ اے اسحاق! یہ تیری بیوی وہی ہے جس کو میں نے زندہ کیا تھا۔ اسحاق نے جواب دیا کہ ہاں اے اللہ کے نبی یہ وہی ہے۔اس کی بیوی نے کہا یا روح اللہ یہ جھوٹ بول رہا ہے میں اس کی بیوی ہرگز ہرگز نہیں ہوں بلکہ ابن الملک کی جاریہ ہوں۔اور ابن الملک نے بھی اس کی تائید کی کہ میری باندی ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لڑکی سے کہا کہ کیا میں نے تجھ کو زندہ نہیں کیا تھا؟ اس نے اس بات سے بھی انکار کیا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ جو میں نے تجھے دیا اس کو واپس کر دے۔ یہ سنتے ہی وہ لڑکی مردہ ہوکر گر پڑی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جو شخص ارادہ کرے کہ میں اس شخص کو دیکھوں جو کفر کی حالت میں مرا ہو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کر کے ایمان کی حالت میں اُٹھایا ہو تو وہ اس حبشی کو دیکھ لے اور جو اس کو دیکھنا چاہے جو بحالت ایمان پر مرا ہو پھر اس کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا ہو۔ پھر اس کو کفر کی حالت میں اُٹھالیا ہو تو وہ اس لڑکی کو دیکھ لے۔اس کے بعد اسحاق نے حق تعالیٰ کو حاضر وناظر کر کے عہد کیا کہ وہ کبھی شادی نہ کرے گا۔

وهذه الحكاية اعظم عبرة لاولى الالباب. نسأل الله تعالى السلامة وحسن الخاتمه بجاه محمد و آله.

واقعہ نمبر۲

ایک روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر تشریف لے گئے وہاں آپ نے گرجا (چرچ) دیکھا جس میں ایک راہب عبادت کر رہا تھا۔ کثرت عبادت ومجاہدہ سے اس کا بدن لاغر ونحیف ہوگیا تھا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو سلام کرنے کے بعد پوچھا کہ تم اس چرچ میں کتنے دنوں سے ہو؟ اس راہب نے جواب دیا کہ مجھے یہاں پر ستر سال ہوگئے ہیں۔اور میرے دل میں ایک چیز کی تمنا ہے لیکن وہ پوری نہیں ہوتی۔اگر آپ میرے لیے دُعا فرمائیں تو ممکن ہے کہ میری دیرینہ خواہش پایہ تک پہنچ جائے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس راہب سے دریافت کیا کہ کس چیز کی خواہش ہے؟ اس راہب نے جواب دیا کہ میری عرصہ سے تمنا ہے کہ حق تعالیٰ تعالیٰ مجھ کو ایک ذرہ اپنی خالص محبت عطا فرمادے۔آپ نے فرمایا کہ میں دُعا کروں گا۔ چنانچہ آپ نے رات کو دُعا فرمائی۔فوراً وحی نازل ہوئی کہ اے عیسیٰ ہم نے تیری دُعا قبول کرلی۔

چندروز کے بعد آپ کا گزر اسی جگہ سے ہوا۔دیکھتے کیا ہیں کہ چرچ کھنڈر میں تبدیل ہو چکا ہے اور وہ زمین جس پر عبادت خانہ تھا وہ شق ہوگئی ہے۔آپ اس زمین میں اُترے دیکھا تو وہی عابد کھڑا ہے اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور منہ کھلا ہوا تھا۔آپ نے سلام کیا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔غیب سے آواز آئی کہ اے عیسیٰ اس نے ہم سے ایک ذرہ کے بقدر خالص محبت کا مطالبہ کیا تھا ہم کو معلوم تھا کہ یہ اس کا تحمل نہیں کرسکتا۔لیکن آپ کی شفاعت ودُعا کی وجہ سے ہم نے اس کو خالص محبت کے ذرے کا ستر ہزارواں حصہ دیا۔ جب یہ اس حالت میں ہے جس کو آپ دیکھ رہے ہیں اگر ہم اس سے زیادہ دیتے تو کیا حال ہوتا۔

دمیریؒ کہتے ہیں کہ خواص کی محبت کا ظہور ان ہی واقعات سے ہوتا ہے۔فنافی اللہ کے واسطے محبت سب سے پہلی سیڑھی ہے اور یہی وہ گھاٹی ہے جس کے ذریعہ انسان محویت کی منزل تک پہنچتا ہے۔اگرچہ محققین کے اقوال اس سلسلے میں مختلف ہیں کہ ہر شخص نے اپنے ذوق کے مطابق بیان کیا ہے۔اس مقام پر مختلف اقوال وعبادات نقل کر کے اس پر تنقید وتبصرہ کرنا نامناسب ہے اور نہ اس کی گنجائش ہے۔اس

سلسلہ میں ہم نے اپنی کتاب ''جوہرالفرید'' کے آٹھویں جز میں مفصل بحث کی ہے تاہم مختصر انداز میں اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین اس سے محظوظ ہوسکیں۔

محبت کی تعریف

ہر حال میں محبوب کی خواہش کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا' اس کو محبت کہتے ہیں۔ راحت وسرور ہو یا رنج وغم' نفع ہو یا نقصان ہر صورت میں اپنی خواہش کو ختم کر کے محبوب کی خواہش کا غلام ہو جانا' اسی کا نام محبت ہے۔ اسی مفہوم کو شاعر اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے ؎

وقف الھویٰ بی حیث انت فلیس لی   متأخر عنه و لا متقدم

''محبت نے مجھے جما کر کھڑا کر دیا جہاں پر کہ تو ہے۔ اب میں اس جگہ سے نہ آگے بڑھ سکتا ہوں اور نہ پیچھے ہٹ سکتا ہوں''

اجد الملامة فی ھواک لذیذة   حبالذکرک فلیلمنی اللوم

''مجھے تیرے عشق میں ملامت بھی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ یہ تیرے تذکرے کو محبوب رکھنے کی بنا پر۔ لہٰذا ملامت کرنے والے اب چاہے جتنی ملامت کریں۔''

اشبھت اعدائی فصرت أحبھم   اذا کان حظی منک حظی معھم

''رقیب میرے دشمن بن گئے تو میں جواباً ان کا دوست بن گیا جب کہ مجھے کوئی فائدہ تجھ سے پہنچ رہا ہو اور وہ بھی تجھ سے نفع اندوز ہو رہے ہوں۔''

فاھنتنی فاھنت نفسی صاغرًا   مامن یھون علیک ممن یکرم

''تو نے مجھے حقیر جانا' میں نے بھی پھر خود کو حقیر گردان لیا۔ اس لیے کہ جب تو کسی کو حقیر سمجھے تو وہ معزز کیسے ہوسکتا ہے۔''

دمیریؒ کہتے ہیں کہ غیرت اوصاف محبت سے ہے۔ غیرت کے ہوتے ہوئے عشق کو راز میں رکھنا ممکن نہیں۔ لہٰذا جس کی زبان اس مضمون کو بیان کرنے میں دراز ہو اور سربستہ رازوں کو کھولنے پر مصر ہو تو اسے محبت کا ذائقہ نصیب نہیں وہ صرف اپنے دل کی آسودگی کی خاطر چرچے کر رہا ہے۔ اگر اسے حقیقی محبت کا ذائقہ نصیب ہوتا تو تفصیل اور تشریح کا محتاج نہ ہوتا۔ اس لیے کہ عشق صادق لفظوں سے نمایاں نہیں کیا جاسکتا وہ تو اداؤں سے پکڑا جاسکتا ہے۔ اور اس کو کوئی بھی نہیں سمجھ پاتا۔ بغیر محبوب کے' چونکہ ؎

تشیر فادری ما تقول بطرفھا   و اطرق طرفی عند ذاک فَتَفْھَمُ

''محبوبہ مجھے اشارہ دیتی ہے تو میں اس کے گوشہ چشم کے اشاروں کو فوراً سمجھ لیتا ہوں اور جواباً میں اپنی آنکھ بند کرتا ہوں تو میرا یہ جواب محبوبہ کے لیے قابل فہم ہوتا ہے۔''

تکلم منا فی الوجوه عیوننا   فنحن سکوت و الھوی یتکلم

''ہم دونوں جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ہماری زبان خاموش اور آنکھیں مصروف گفتگو ہوتی ہیں گویا کہ ہم چپ اور محبت مصروف گفتار۔''

رہی محبت عوام کی وہ احسانات کی پیداوار ہے اور دوست کی راہ پر چلنے سے محفوظ ہوتی ہے اور دوست کی متعین کردہ منزل کی جانب بڑھنے سے نشوونما پاتی ہے۔ یہ محبت وساوس کی جڑیں کاٹ دیتی ہے۔ اس میں محبوب کی خدمت خوش گوار ہوتی ہے اور انسان کو مصائب پر

صبر کا سلیقہ نصیب ہوتا ہے۔عوام اسے ہی ایمان کی معراج قرار دیتے ہیں۔پس صوفیاء کے نزدیک بندے سے جو کچھ بھی سرزد ہوتا ہے وہ اس کی بندگی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں لگا رہے۔اس کا منظور نظر فقط خدا ہو۔اس سلسلہ میں وہ نہ نشان منزل کا طلب گار ہو اور نہ اسے معبود حقیقی کی معرفت کے لیے دلائل کی ضرورت ہو۔گویا کہ اپنے حواس کو معطل کر کے مظاہرہ عبدیت کرتا ہوا بارگاہ الٰہی میں دائماً حاضر باش ہو۔

ایک ولی اللہ کی کرامت

حضرت ابراہیم خواصؒ سفر کر رہے تھے۔دوران سفر ان کو پیاس محسوس ہوئی۔چاروں طرف نگاہ ڈالی دور دور تک پانی کا نام ونشان نہ تھا۔پیاس کی شدت کا جب غلبہ ہوا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے تھوڑی دیر گزری تھی کہ انہیں اپنے چہرے پر کچھ ٹھنڈک محسوس ہوئی۔آنکھ کھول کر دیکھا تو ایک خوب صورت نوجوان عمدہ گھوڑے پر سوار ہے۔سبز رنگ کا لباس زیب تن کیے اور زرد رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے پانی کا پیالہ لیے ہوئے کھڑا ہے۔اس نے مجھ کو پانی پیش کیا اور مجھ سے کہا کہ میرے گھوڑے پر سوار ہو جا۔چنانچہ میں ان کے پیچھے بیٹھ گیا۔اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ کہاں کا قصد ہے؟ میں نے عرض کیا مدینہ جانے کا ارادہ ہے۔اس نے کہا یہی مدینہ ہے تشریف لے جائیے اور جناب رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں جا کر عرض کرنا کہ رضوان خازن جنت نے آپ کو سلام عرض کیا ہے۔

وهذه كرامة عظيمة' ذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم.

الجواف

الجواف (ضمہ کے ساتھ) یہ مچھلی کی ایک قسم ہے۔مالک بن دینار فرماتے ہیں: **اكلت رغيفا وراس جوافة وفعلى الدنيا العفاء.**

الجوذر

الجوذر (ذال کے ضمہ وفتحہ کے ساتھ) جنگلی گائے کا بچہ۔شاعر کہتا ہے ؎

ان من يدخل الكنيسة يوما يلق فيها جاذرًا و ظباء

''جو گرجا گھر روزانہ جاتا رہے گا تو ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ اسے وہاں حسین ہرنیاں اور دیدہ زیب جنگلی گائیں ملیں گی۔''

اسی مفہوم کو علی بن اسحاق زاہی نے بہتر طریقہ پر اس شعر میں ادا کیا ہے ؎

وبيض بالحاظ العيون كانما هززن سيوفًا و استللن خناجرًا

''اور وہ گوری چٹیاں خوف ناک آنکھوں والیاں گویا ایسی ہیں کہ انہوں نے اپنی نگاہوں کی تلواریں سونت رکھی ہیں اور اپنی آنکھوں کے خنجر سنبھال رکھے ہیں۔''

تصديق لىٰ يومًا بمنعرج اللوىٰ فغادرن قلبى بالتصبر غادرًا

''اچانک ایک دن میرے سامنے ٹیلہ پر نمایاں ہوئیں تو میرے دل پر ڈاکہ ڈالا اور میری متاع صبر لے اُڑیں۔''

سفرن بدورًا وانتقين اهلةً و مسن غصونا والتفتن جاذرًا

''جب سامنے آئیں تو محسوس ہوتا تھا کہ چودھویں کا چاند ہیں اور جب نظروں سے غائب ہوئیں تو یوں لگتا تھا گویا کہ پہلے دن کا چاند ہیں۔''

واطلعن فی الاجیاد بالدر انجما جعلن لحبات القلوب خرائرا

''عمدہ قسم کے گھوڑوں کے ساتھ رونما ہوئیں جیسے کہ ستاروں میں موتی اور انہوں نے اپنی محبتوں کے پھر پرے سویدائے قلب میں اُڑا دیئے۔''

الريح تعصف و الاغصان تعتنق والمزن بكية والزهر مغتبق

''ہوائیں چلتی ہیں تو شاخیں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو جاتی ہیں، بادل رو پڑتے ہیں اور کلیاں چٹک جاتی ہیں۔''

کانما الليل جفنٌ والبروق له عين من الشمس تبدو ثم تنطلق

''گویا کہ رات اس کا غلاف چشم ہے اور نگاہوں کی چمک سورج کی شعاعیں ہیں کبھی نمایاں اور کبھی غائب۔''

تبدت فهذالبدر من خجل بها و حقک مثلی فی دجی الليل حائر

''محبوبہ سامنے آئی تو چودھویں کا چاند بھی شرما گیا۔ بخدا میں تو اندھیروں میں ہی بھٹک رہا تھا۔''

وماست فشق الغصن غيظًا جيوبه الست ترى اوراقه تتناثر

''وہ مجھ سے ملی تو غضب ناک ہو کر میرا گریبان پھاڑ ڈالا تو کیا تو نہیں دیکھ رہی ہے کہ غیض وغضب کی چنگاریاں بکھر گئیں۔''

وفاحت فالقی العود فی النار جسمه كذا نقلت عنه الحديث المجامر

''اس کی خوشبو پھیلی گویا کہ عود کی لکڑیاں آگ میں ڈال دی گئیں اور پھر یہ داستان عالم آشکارا ہو گئی۔''

وقالت فغادر الدر واصفر لونه كذلک مازالت تغار الضرائر

''اور جب بولی تو موتی گہرائی میں چلے گئے لیکن ان کا رنگ سامنے آ گیا۔ اسی طرح سوتنیں ایک دوسرے پر ہمیشہ غیرت کرتی ہیں۔''

بادر اذا حاجةً فی وقتها عرضت فللحوائج اوقات وساعات

''جب ضرورت پیش آئے تو اسے پیش کرو، چونکہ ضرورتوں کے اوقات اور متعین گھڑیاں ہوتی ہیں۔''

ان امكنت فرصة فانهض لها عجلا ولا توخر فللتاخير آفات

''اگر موقع ہاتھ آ جائے تو فوراً اس سے فائدہ اُٹھاؤ۔ تاخیر کی صورت میں بہت سے نقصانات درپیش ہوتے ہیں۔''

اماترى الغيث كلما ضحكت كمائم الزهر فی الرياض بكی

''کیا بادلوں کو نہیں دیکھا کہ جب وہ ہنستے ہیں تو غنچے باغوں کے اندر رو پڑتے ہیں۔''

كالحب يبكی لديه عاشقه و كلما فاض دمعه ضحكا

''جیسا کہ عاشق سوزش عشق میں روتا ہے اور جب اس کے آنسو گر پڑتے ہیں تو عشق اس پر ہنستا ہے۔''

لحی اللّٰہ امرا اولاک سرا فبحت بہ وفض اللّٰہ فاہ

''خدا تعالیٰ تجھے اور نعمتوں سے سرفراز کرے چونکہ تو نے شاعر کی سرگرمیوں کو باقی رکھا۔''

لا انک بالذی استودعت منہ انعم من الزجاج بما و عاہ

''کیا تو وہ نہیں ہے جس نے ساغر کو لبریز کیا اور پھر چھلکنے لگا۔''

ینم بسر مستوعیہ سرا کما فم الظلام بسر نار

''راز کو راز رکھنے کی جدوجہد کی جیسا کہ تاریکیاں آگ کو لپٹوں سے ڈھانپ لیتی ہے۔''

انم من النصول علی مشیب ومن صافی الزجاج علی عقار

''تیروں سے زیادہ کارگر اور خالص شراب کے پیالوں سے زمین کے حق میں بڑھ کر جوادوسخی۔''

علی ابن اسحاق شاعر کا انتقال ۳۶۰ھ میں ہوا۔

الجوزل

الجوزل (جیم کے ضمہ کے ساتھ) کبوتری کے بچہ کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع جوازل آتی ہے۔ مفصل بیان قطا کے بیان میں آئے گا۔ شاعر کہتا ہے ؎

یاابنۃ عمی لا احب الجوزلاء ولا احب قرصک المفلفلاء

''اے میرے چچا کی لڑکی! میں کبوتر کے بچے کو پسند نہیں کرتا اور اسی طریقہ پر تیرے خالی خولی نازکو۔''

وانما احب ظبیا اعبلا و ربماسی الشاب جوزلاء

''میں پسند کرتا ہوں چوکڑی بھرنے والے ہرن کو اور کبھی کبھی جوان کا نام بھی جوزل رکھ دیا جاتا ہے۔''

جیال

جیال بجو کو کہتے ہیں۔ اس کا بیان باب الصاد میں آئے گا۔ اہل عرب کہتے ہیں کہ ''انبش من جیال'' کہ فلاں بجو سے بھی زیادہ چور ہے۔ کیونکہ بجو قبر میں مردہ کا کفن وغیرہ نکال لیتا ہے۔

الوجرادۃ

یہ ایک پرندہ ہے جس کو اہل عراق باذبخان کے نام سے جانتے ہیں اور اہل شام بصیر کہتے ہیں۔ اس کا گوشت بواسیر والے مریض کے لیے مفید ہے۔

باب الحاء

حائمه

حائم:[1] کالے رنگ کے کوے کو کہتے ہیں۔مرقش کہتا ہے ؎

ولقد غدوت و کنت لا اغدو علی واق[2] و حائم[3]

''میں صبح ہی صبح چلا حالانکہ میں اس وقت چلنے کا عادی نہیں تھا اور حیران و پریشان انداز میں گھومتا رہا۔''

فاذالاشائم کالایا من والایامن کا الاشائم

''تو میں نے عجیب منظر دیکھا' بدنصیب خوش نصیب نظر آئے اور خوش قسمت بدنصیب دکھائی دیئے۔''

و کذلک لاخیر و لا شر علی احد بدائم

''اس سے میں یہ سمجھا کہ خیر اور شر دائمی چیزیں نہیں ہیں (اس لیے آدمی کو برے حالات میں متاثر اور اچھے احوال میں مغرور نہ ہونا چاہیے۔''

ان شعروں پر مزید تفصیل باب الواؤ میں آئے گی۔اس صفت کے کوے کا نام غراب البین بھی ہے جس کا بیان الغین میں آئے گا۔

الحاریة

چتکبرہ سانپ کی ایک قسم۔اس کا بیان باب الہمزہ میں گزر چکا ہے۔

الحباب

(سانپ) الحباب: سانپ کو کہتے ہیں جوہری کہتے ہیں کہ اصل میں الحباب شیطان کا نام ہے۔چونکہ سانپ کو بھی شیطان کہا جاتا ہے۔اس لیے اس کا نام الحباب رکھ دیا۔

حدیث شریف میں حباب کا ذکر:

''سعید بن میتب بیان فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ایک انصاری کا نام تبدیل فرمایا کیونکہ اس کا نام الحباب تھا وجہ یہ بیان فرمائی کہ حباب شیطان کا نام ہے۔''

---

[1] غالباً یہ نقل کی غلطی ہے اور اصل لفظ الحاتم ہے جس کا مطلب ہے کالا کوا۔

[2] الواق: ایک پرندہ۔

[3] الحائم: کوا، بڑے شیطان کا پرندہ۔ محیط المحیط میں یہی لفظ حاتم میں دیئے گئے ہیں۔

نیز ابوداؤد نے باب تغیر اسم القبیح کے ذیل میں تحریر کیا ہے کہ آپؐ نے عاص، عزیز، عتلہ، شیطان، حکم، غراب، شہاب اور حباب وغیرہ کے ناموں کو تبدیل فرمایا اور جن اشخاص کا آپؐ نے نام تبدیل فرمایا ان میں عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول ہیں جن کا نام حباب تھا۔ آپؐ نے عبداللہ نام تجویز کیا اور ان کے والد ابوحباب کی کنیت سے پکارے جانے لگے۔

الحبتر

الحبتر: لومڑی کو کہتے ہیں۔ باب التاء میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔

الحبث

الحبث: سانپ کو کہتے ہیں۔ یہ ڈسنے میں بہت ماہر ہوتا ہے اور اس کا زہر بہت مہلک ہوتا ہے۔ اس کا مفصل بیان اسی باب کے آخر میں آئے گا۔

حباحب

حباحب بروزن بداہد۔ مکھی کی طرح ایک جانور ہے جس کے دو پر ہوتے ہیں اور رات میں چمکتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگ کی چنگاری ہے۔ اہل عرب اس کو کہاوتوں میں استعمال کرتے ہیں۔ کہتے ہیں: اضعف من نار الحباحب کہ فلاں چیز اس روشنی سے بھی کمزور ہے جو جگنو کے پروں میں ہوتی ہے۔ اس لیے اہل عرب نے اس کو ضرب المثل بنالیا۔

جوہری کہتے ہیں کہ حباحب نا قابل انتفاع آگ ہے۔ جگنو کے لیے اس کا استعمال بطور استعارہ کرتے ہیں۔ حباحب کا دوسرا نام قطرب بھی ہے۔ جیسا کہ ابن بیطار وغیرہ نے تحریر کیا ہے۔ صحاح میں اس کی تشریح موجود ہے۔ قطرب کا کھانا حرام ہے کیونکہ یہ حشرات الارض میں سے ہے۔

اَلحُبارىٰ

الحباریٰ: (حَاء پر ضمہ بآء پر فتحہ) یہ ایک مشہور و معروف پرندہ ہے جس کو سرخاب کہتے ہیں حباریٰ اسم جنس ہے اس کا اطلاق مذکر و مونث پر یکساں ہوتا ہے۔ نیز جمع و واحد کے لیے یہی لفظ آتا ہے۔ قیاسی طور پر اس کی جمع حباریات بھی ہو سکتی ہے۔

جوہری کہتے ہیں کہ نحوی اعتبار سے حباریٰ میں الف نہ تانیث کا ہے اور نہ الحاق کا، چونکہ کلمہ کی اساس اسم پر رکھی گئی ہے اس لیے کلمہ کا جز بن گیا۔ جوہری کے نزدیک حباریٰ معرفہ و نکرہ دونوں حالتوں میں غیر منصرف ہے۔

دمیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جوہری کا یہ کہنا کہ اس میں الف نہ تانیث کا ہے نہ الحاق کا یہ ان کی سخت بھول ہے۔ درحقیقت الف تانیث کے لیے ہے جیسے سمانی میں۔ اور اگر اس کا الف تانیث کے لیے نہ ہوتا تو یہ منصرف پڑھا جاتا۔

اہل مصر حباری کو جرج کہتے ہیں۔ یہ اڑنے میں بہت تیز ہوتا ہے اور سنگلاخ علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے پر اکھاڑ لینے سے یا خود گر جانے سے اس کی خوب صورتی کم ہو جاتی ہے اور اسی صدمہ و غم کی وجہ سے مر جاتا ہے۔ سرخاب کی گردن طویل اور رنگ دل کش ہوتا

ہے۔اس کے پیٹ میں ایک قیمتی موتی ہوتا ہے اگر وہ خارج ہو جاتا ہے تو وہ اپنے تمام پروں کو اُکھاڑ دیتا ہے اور یہی اس کی ہلاکت کا سبب ہے۔شاعر کہتا ہے ۔

وهم ترکوک اسلح من حباری رَئت صقرا و اشرد من نعام

''اور انہوں نے تجھ کو چھوڑ دیا حباریٰ سے بھی زیادہ پریشان حال کہ ایک جانب تو وہ دیکھ رہا ہے کہ شکرہ اس پر حملہ آور ہے اور دوسری جانب وہ گھبرایا ہوا شتر مرغ ہے۔''

دمیریؒ کہتے ہیں کہ اس کی خاصیت یہ ہے کہ یہ شکار کرتا ہے خود شکار نہیں ہوتا۔

حدیث شریف میں حباری کا تذکرہ:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کسی مرد سے یہ کہتے سنا کہ ظالم نہیں ہلاک ہوتا مگر اپنے آپ سے۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید کی اور کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے سرخاب بنی آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا ہے۔''(بیہقی)

یعنی جب زمین پر کثرت سے گناہ ہونے لگتے ہیں تو حق تعالیٰ بارش کو روک لیتے ہیں جس کی وجہ سے غلہ کم مقدار میں پیدا ہوتا ہے اور یہ حیوانات کی موت کا سبب بن جاتا ہے۔شاعر کہتا ہے ۔

یسقط الطیر حیث یلتقط الحبة و تغشی منازل اکرماء

''پرندہ وہیں گرتا ہے جہاں اسے دانہ نظر آتا ہے اور پھر وہ چھپالیتا ہے شریف لوگوں کے مقام کو۔''

سرخاب پرندوں میں سب سے زیادہ حیلہ باز ہوتا ہے اور طرح طرح کے مکروفریب کر کے رزق حاصل کرتا ہے۔لیکن اس کے باوجود بھی جب اس کی موت آتی ہے تو بھوک کی وجہ سے آتی ہے۔سرخاب کے بچے کو لیل ونہار بولتے ہیں۔جیسا کہ شاعر نے اپنے کلام میں کہا ہے ۔

ونهارا[1] رَأَیتُ منتصف اللیل ولیلا رَأَیتُ ربط النهار

''اور میں نے آدھی رات میں دن دیکھا اور دن کے ٹھیک حصہ میں رات دکھائی دی۔''

سرخاب کا شرعی حکم

سرخاب کا کھانا جائز ہے۔کیونکہ یہ حلال وطیب ہے۔

ابوداؤد،ترمذی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام یزید بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

''ان کے دادا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سرخاب کا گوشت تناول فرمایا ہے۔'' رواہ الترمذی

اور ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

ضرب المثل

اہل عرب کہتے ہیں کہ ''اکمد من الحباری '' فلاں شخص حباری (سرخاب) سے زیادہ غمگین وملول ہے۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

---

[1] یہاں لیل ونہار کے الفاظ ذو معنی ہیں۔

فرمایا کرتے تھے کہ ہر جانور اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے حتیٰ کہ سرخاب بھی جس کی حماقت ضرب المثل ہے۔ یعنی حماقت و بے قوفی کے باوجود دوسروں کی طرح اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے۔

اہل عرب خوف و رنج کے وقت کہتے ہیں "**اصلح من الحباری** " حباریٰ سے زیادہ بزدل۔ اور امن کے وقت کہتے ہیں "**اصلح من الدجاج** " نیز یہ مثال بھی دیتے ہیں "**الحباریٰ خالة الکروان**[1] " کہ سرخاب کروان کی خالہ ہے۔

اور یہ بھی کہتے ہیں "**اکثر ابهام و من ابهام القطاة** " کہ سرخاب اور کونج سے بھی زیادہ پست قامت۔

سرخاب کے طبی خواص

سرخاب کا گوشت معتدل و متوسط ہوتا ہے۔ نہ تو مرغ کی طرح زود ہضم اور نہ بطخ کی طرح دیر ہضم۔ اس کی تاثیر گرم و تر ہے۔ جس ریح کے لیے مفید ہے۔ لیکن وجع مفاصل وجع قولنج کے لیے نقصان دہ ہے۔ نیز بلغم بھی بناتا ہے۔ دار چینی، زیتون، سرکہ ملانے سے اس کا ضرر ختم ہو جاتا ہے۔ جن کا مزاج سرد ہوان کے لیے اس کا استعمال مفید ہے۔ خصوصاً سردیوں میں یا ٹھنڈے علاقہ میں اس کا گوشت کھانا نفع بخش ہے۔

قزوینیؒ فرماتے ہیں کہ سرخاب کے پوٹہ میں ایک چھوٹا سا پتھر ہوتا ہے۔ اگر کسی کو کثرت احتلام کی شکایت ہو تو اس پتھر کو اپنے پاس رکھنے سے یہ شکایت دور ہو جائے گی۔ اسہال والا مریض اپنے پاس رکھے تو اس کی بیماری بھی ختم ہو جائے گی۔ اگر یہ پتھر اس شخص کے قلب پر لٹکا دیا جائے جس کو نیند زیادہ آتی ہے تو اس کی نیند کم ہو جائے گی۔

حکیم ارسطاطالیس نے لکھا ہے کہ سرخاب کا بیضہ جس میں مذکر کے جراثیم موجود ہوں بالوں پر لگالیا جائے تو بالوں کو سیاہ کر دیتا ہے جس کا ایک سال تک رنگ زائل نہیں ہوسکتا۔ اگر اس بیضہ میں مونث کے جراثیم موجود ہو تو یہ سیاہ نہیں کرتا۔ نیز اس کا علم کہ اس کے اندر مذکر کے جراثیم موجود ہیں یا مونث کے؟ تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سوئی کے ذریعہ سے دھاگہ انڈے میں داخل کر کے دیکھ لیا جائے۔ اگر دھاگہ کالا ہو گیا تو سمجھ لیجئے اس کے اندر مذکر کے جراثیم ہیں ورنہ نہیں۔

سرخاب کی خواب میں تعبیر سخی مرد سے دی جاتی ہے۔

الحبرج

الحبرج: نر سرخاب کو کہتے ہیں اور بچے کو یحبور کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یحبور ایک بحری پرندہ ہوتا ہے۔

الحبرکی

الحبرکی: چیچڑی کو کہتے ہیں۔ خنساء شاعرہ کہتی ہے ۔

فلست بمرضع ثدیی حبرکی ابوہ من بنی جشم بن بکر

میں دودھ نہیں پلاؤں گی چیچڑی کو دارنحالیکہ اس کا باپ قبیلہ بنو جشم ابن بکر سے ہے۔"

---

[1] الکروان: THE SLONE CURLEA۔

مونث کے لیے الجرکات آتا ہے۔ابوعمر کہتے ہیں کہ الحمر کی میں الف تانیث کے لیے ہے جس کی بناء پر غیر منصرف پڑھا جائے گا۔
چھوٹے ہاتھ والے شخص کو بھی حمر کی سے تشبیہ دیتے ہیں۔

حبلق

حبلق: بکری کے بچہ کو کہتے ہیں۔بعضوں نے نحیف ولاغر بدن والی بکریاں بھی مراد لی ہیں۔

حُبَیْشٌ

حُبَیْشٌ جوہری کہتے ہیں کہ یہ بلبل کی مانند ایک پرندہ ہوتا ہے۔

الحجر

الحجر : گھوڑی کو کہتے ہیں۔چونکہ یہ لفظ مونث کے لیے خاص ہے اس وجہ سے تاء تانیث کا الحاق نہیں کیا گیا۔اس کی جمع احجار وحجور آتی ہے۔افزائش نسل کے لیے جو گھوڑی ہوتی ہے اس کو احجار الخیل کہتے ہیں۔

الحجر کا حدیث شریف میں تذکرہ:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ:

''محمد عربی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گھوڑوں اور خچروں میں کوئی زکوۃ نہیں ہے۔''

مندرجہ بالا حدیث شریف میں حجر کا لفظ تاء تانیث کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ تاء کا الحاق ہوسکتا ہے۔
لیکن مستدرک میں ابوزرعہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ گھوڑیوں کے لیے فرس کا لفظ استعمال فرماتے تھے۔

حجر کے طبی فوائد وشرعی حکم گھوڑے کی مانند ہیں۔اس کا مفصل بیان باب الخلاء میں آئے گا۔ان شاءاللہ

حجرۃ کی خواب میں تعبیر

نیک وشریف عورت سے دی جاتی ہے۔جس شخص نے یہ دیکھا کہ وہ گھوڑی پر سوار ہے۔اس کی تعبیر یہ دی جائے گی کہ وہ کسی نیک وشریف عورت کے ساتھ شادی کرے گا اور اگر اس گھوڑی پر زین ولگام لگا ہوا ہو تو اس کی تعبیر یہ دی جائے گی کہ جس کی عصمت محفوظ نہ ہو یا ایسے امر میں ملوث ہوگی جو اس سے غیر متعلق ہوگا۔سفید گھوڑی کو خواب میں دیکھنا اعلیٰ حسب نسب والی عورت سے کنایہ ہے۔سرخ رنگ کی گھوڑی سے خوبصورت حسین وجمیل عورت مراد ہے اور پیلے رنگ کی گھوڑی سے مریضہ عورت مراد ہوتی ہے اور کالے رنگ کی گھوڑی مالدار عورت پر دلالت کرتی ہے۔اور سبز رنگ کی گھوڑی بھی مال ودولت والی عورت پر دلالت کرتی ہے۔کبھی گھوڑی کی تعبیر موسم وسال سے بھی دی جاتی ہے۔چنانچہ موٹی وفربہ گھوڑی کو دیکھنا سرسبز وشادابی کی طرف اشارہ ہے۔دبلی ولاغر گھوڑی کو دیکھنا قحط سالی کی جانب اشارہ ہے۔واللہ اعلم

الحجروف

(جانور کی ایک قسم) الحجروف :ابن سعید کہتے ہیں کہ یہ ایک جانور ہوتا ہے جس کی ٹانگیں طویل ہوتی ہیں اور جسامت میں چیونٹی سے بڑا ہوتا ہے۔

الحجل

(نر چکور) الحجل: حاء پر فتحہ۔ حَجلةٌ واحد ہے۔اس کی جمع حجلیٰ آتی ہے' فعلیٰ کے وزن پر۔دولفظوں کی جمع آتی ہے' ایک حجلةٌ کی دوسرے ظربیٰ کی کہ حجلیٰ وظربان آتی ہے۔ظربان اس کیڑے کو کہتے ہیں جو ہوا میں اُڑتا ہے۔تفصیل باب الظاء میں آئے گی۔ان شاءاللہ تعالیٰ

حجل' کبوتر کے برابر اور قطاء کے مانند ایک پرندہ ہوتا ہے جس کی چونچ سرخ ہوتی ہے۔اس کو دجاج البر بھی کہتے ہیں۔اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

(۱) نجدی (۲) تہامی

نجدی سبز رنگ کا ہوتا ہے اور سرخ ٹانگیں ہوتی ہیں اور تہامی میں سبز وسفید دونوں رنگ ہوتے ہیں۔ان کے بچے پروں سمیت معرض وجود میں آتے ہیں۔اس کی خاص صفت یہ ہے کہ جب حاملہ ہونے کا ارادہ کرتی ہے تو مٹی میں لیٹ جاتی ہے جس کی بناء پر وہ حاملہ ہو جاتی ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ اپنے نر کی آواز سن کر حاملہ ہو جاتی ہے۔جس وقت یہ انڈے دے کر فارغ ہو جاتی ہے تو نر انڈوں کو علیحدہ نر جانور سیتا ہے اور مونث انڈوں کو مادہ سیتی ہے اور بچوں کی پرورش بھی اسی انداز پر کرتے ہیں۔

توحیدی فرماتے ہیں کہ ان کی عمر ۲۰ سال کی ہوتی ہے۔نیز یہ جانور گھونسلے بھی علیحدہ علیحدہ بناتے ہیں۔نر کے واسطے علیحدہ اور مادہ کے واسطے علیحدہ۔اس کی عادت یہ ہے کہ یہ جانور اپنے ہم مثل جانوروں کے گھونسلوں میں جا کر ان کے بیضہ سیتا ہے۔جب بچے پیدا ہو کر اُڑنے کے قابل ہو جاتے ہیں تو پھر وہی اصلی ماں کی طرف عود کر آتے ہیں۔یہ جانور اُڑنے میں تیز ہوتا ہے۔انسان بھی اس کا ادراک نہیں کرسکتا حتیٰ کہ گوپھن (جس سے پتھر یا کنکر پھینکے جاتے ہیں) سے بھی نکل جاتا ہے۔نر جانور مادہ کے سلسلہ میں انتہائی غیور ہوتا ہے۔چنانچہ دو نر اگر جمع ہو جاتے ہیں تو مادہ کے حصول کے لیے جنگ کرتے ہیں۔غالب مغلوب کو قتل کر دیتا ہے۔یہ جانور اپنے ہم مثل کی آواز سے دھوکہ دیتا ہے اس لیے شکاری اس کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں تا کہ اس کی آواز سے دوسرے کا شکار کرسکیں۔جب اس جانور کے پاس انڈے ختم ہو جاتے ہیں تو دوسرے جانوروں کے گھونسلوں میں جا کر ان کے انڈے چرا کر ان کو سیتا ہے۔

ابونصر کا ایک واقعہ

کتاب النشوان وتاریخ ابن نجار میں ابونصر محمد ابن مروان جعدی کا یہ واقعہ منقول ہے کہ یہ ایک کردی کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے سجے ہوئے تھے جس میں دو چکور بھنے ہوئے تھے۔کردی چکور کو ہاتھ میں اُٹھا کر ہنسنے لگا۔ابونصر محمد ابن مروان نے ہنسی کا سبب دریافت کیا۔اس نے جواب دیا کہ میں عنفوان شباب میں چوری کیا کرتا تھا۔ایک دن میں نے اپنا نشانہ ایک تاجر کو

بنایا اوراس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو وہ گریہ وزاری کرنے لگا۔ چنانچہ مجھے رحم آ گیا اور میں اس کے قتل سے باز رہا۔ لیکن ابھی میں نے اس کو اپنے قبضہ سے آزاد نہیں کیا تھا تو جب اس نے دیکھا کہ میں اس کے قتل پر آمادہ ہی ہوں (حالانکہ یہ اس کا خیال تھا) تو وہ اچانک ان دو چکوروں کی جانب متوجہ ہوا جو پہاڑ پر موجود تھے اور ان سے کہا کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ شخص مجھ کو ظلماً قتل کر رہا ہے۔ یہ بات سن کر میں نے اسے قتل کر دیا۔ تو اب اس چکور کو دیکھ کر مجھے اس تاجر کی حماقت پر ہنسی آ گئی۔ ابن مروان نے یہ واقعہ سن کر کہا کہ خدا کی قسم! تیرے خلاف راہزنی کے معاملہ میں ہم گواہ ہیں۔ چنانچہ اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا۔

چکور کا شرعی حکم

اس کا کھانا بالا جماع جائز ہے۔

باب النون میں نحام کے ضمن میں یہ حدیث آئے گی کہ ایک پرندہ بھنا ہوا جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت بابرکت میں پیش کیا گیا وہ حجل تھا جس کو نحام بھی کہتے ہیں۔ نیز آپؐ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان جو مہر نبوت تھی وہ حجلہ کے انڈے کے بقدر تھی۔

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں واقدی کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب صحابہ کرامؓ آپؐ کی وفات کے بارے میں ریب وشک کرنے لگے۔ کوئی کہتا کہ آپؐ دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں۔ کوئی انکار کرتا تو اسماء بنت عمیس نے اپنا ہاتھ آپؐ کے کتفین مبارکین کے درمیان ڈالا اور کہا کہ آپؐ دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں۔ کیونکہ آپؐ کی مہر نبوت اُٹھا لی گئی ہے جس کی وجہ سے آپؐ کی وفات کا علم ہوا۔ اسماء بنت عمیس، جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ ان کی وفات کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی فرمائی جس سے محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح فرمایا۔ اس وقت محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ چھوٹے تھے اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی پرورش کی۔ محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پروردہ کہلاتے ہیں۔

مستدرک میں ہے کہ دُنیا میں جتنے بھی انبیاء کرام تشریف لائے سب کی علامت نبوت داہنے ہاتھ پر تھی سوائے آپؐ کے کہ آپؐ کی مہر نبوت دونوں شانوں کے درمیان تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل عراق سے مخاطب ہو کر فرمایا کرتے تھے: احمقو بظاہر تو تم انسان معلوم ہوتے ہو لیکن تمہارے پاس عقل نام کی کوئی چیز نہیں اور بسا اوقات یہ شعر بھی پڑھتے تھے ؎

وانت الذی حببت کل قصیرۃ　　الی فلا تدرک نداک القصائر

''اور تو ہی وہ شخص ہے جو ہر گناہ کو پسند کرتا ہے اور میرے ساتھ ہر زیادتی کا روادار ہے۔''

عنیت قصیرات الحجال و لم ارد　　قصار الخطا شر النساء البحاتر

''میرا مطلب برائیاں ہیں جو تم میرے ساتھ کر رہے ہو نہ کہ وہ برائیاں جو عورتوں میں پائی جاتی ہیں۔''

مہر نبوت کے بارے میں مفصل بیان باب الکاف میں لفظ ''الکرکی'' کے ضمن میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

ضرب الامثال

رسول اللہ ﷺ اس کو مثال میں بیان فرماتے تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَدْعُوْا قُرَیْشًا وَقَدْ جَعَلُوْا طَعَامِی طَعَامَ الْحَجَل.

ازہری فرماتے ہیں کہ آپؐ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ قریش میری دعوت کو قبول نہیں کرتے اور بہت کم لوگ حلقہ اسلام میں

داخل ہورہے ہیں۔

ابوالقاسم اصبہانی نے کتاب الترغیب والترہیب میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا جس کی نماز درست ہوگی تو اس کے تمام اعمال درست ہوں گے اور جس کی نماز ناقص و بے کار ہوگی اس کے تمام اعمال بے کار ہوجائیں گے۔ نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ نماز میں کاندھوں کو ملا کر کھڑے ہوا کرو۔ کیونکہ شیطان صفوں میں داخل ہوجاتا ہے جس طرح حجل (چکور) داخل ہوجاتی ہے اور داہنی صف بائیں صف سے بہتر ہے۔''

چکور کے طبی خواص

چکور کا گوشت معتدل' خوش ذائقہ وزود ہضم ہوتا ہے۔ اس کا گوشت قدرے گرم ہے لیکن خوف وگھبراہٹ کو دفع کرتا ہے۔ چکور کے پتہ کو آنکھوں میں بطور سرمہ استعمال کرنا آنکھوں کے دھندلے پن کے لیے مفید ہے۔ اس کے پتہ کو ہر ماہ ایک مرتبہ ناک میں ڈالنے سے ذہن میں تیزی پیدا ہوتی ہے اور نسیان کی شکایت رفع ہوجاتی ہے۔ قوت بینائی میں اضافہ کرتا ہے۔

مختار ابن عبدون کہتے ہیں کہ چکور کا بیضہ' بیضہ مرغ سے زیادہ لذیز ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے معتدل غذا بنتی ہے۔ معتدل مزاج کے موافق ہوجاتا ہے۔ مرغ کے بیضہ کے مقابلہ میں زود ہضم ہوتا ہے۔ سب سے خوش ذائقہ وہ انڈا ہوتا ہے جس کو جوش مارتے ہوئے پانی میں چھوڑ دیا جائے اور اس میں تھوڑا سا سرکہ ملا دیا جائے۔ بھنا ہوا بیضہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ مثانہ میں پتھری پیدا کرتا ہے اور قولنج کی بیماری پیدا کرتا ہے۔ ابلا ہوا بیضہ بھنے ہوئے کے مقابلے میں زود ہضم ومفید ہوتا ہے۔

چکور کے بیضہ کو زیرہ یا نمک یا جنگلی پیاز کے عرق میں ملا کر استعمال کرنے سے آنتوں کو مروڑ اور پیٹ کے تمام دردوں کو ختم کردیتا ہے۔

چکور کی خواب میں تعبیر

چکور کی خواب میں تعبیر عام طور پر مرد عورت سے دی جاتی ہے۔ کبھی اس سے مراد اولاد کی محبت ہوتی ہے۔

اَلحِدَاۃ

(چیل) اَلحِدَاۃُ: (حاء پر کسرہ) چیل کو کہتے ہیں۔ یہ جانوروں میں رذیل جانور ہوتا ہے۔ اس کی کنیت ابوالخطاف وابوالصلت ہے۔ اگر اس کو حاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے۔ اس صورت میں اس کے معنی دوسروالی کدال کے ہوں گے۔ حدیث شریف میں یہ لفظ حدیا بروزن ثریا اور حدایاۃ بغیر ہمزہ کے استعمال ہوا ہے۔ نیز بعض روایتوں میں ہمزہ کے ساتھ حُدَیْئَۃٌ آیا ہے۔ گویا کہ یہ حداۃ کی تصغیر ہے۔ حدیث میں ہے کہ چتکبرے یہ سانپ کو اور چیل کو ہلاک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں الحدائۃ کی تاء کو واؤ سے بدل دیا۔ جیسے افعی میں ہوا۔ اصمعی کہتے ہیں حِداۃ کی جمع حِدَا ہے۔ قتیبہ فرماتے ہیں کہ حِدَان بھی آتی ہے۔ جوہری کہتے ہیں کہ یہ عِنَبَۃٌ کی طرح ہے کہ اس کی جمع عِنَب انگور کو کہتے ہیں اور عنبۃ انگور کے دانہ کو بولتے ہیں۔ دمیریؒ کہتے ہیں کہ جمع بنانے کا یہ طریقہ نادر ہے۔ عام طور پر اس قاعدہ کی رو سے جمع بناتے ہیں جیسے قِرَدٌ سے جمع قِرَدَۃٌ اور خَیَلٌ سے جمع خَیَلَۃٌ صرف واحد کے لیے یہ لفظ مستعمل ہوتے ہیں جیسے عنبۃ' القولۃ' الطیبۃ' الخیرۃ' الطیرۃ وغیرہ۔

چیل عام طور پر دو بیضہ دیتی ہے۔ بسا اوقات تین انڈے بھی دے دیتی ہے۔ بیضہ سینے کی معیاد صرف بیس دن ہے۔ اس کے بعد بیضہ میں سے بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔ چیل کا رنگ کالا یا خاکستری ہوتا ہے۔ چیل پرندہ کا شکار نہیں کرتی بلکہ اس کو اُچک لیتی ہے۔ نیز یہ جانور بہت کمی کے ساتھ اُڑتا ہے۔ اس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اپنے پڑوسی کی بہت رعایت رکھتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس کا پڑوسی ہلاک ہو جائے تو اس کے بچوں سے دشمنی نہیں کرتی بلکہ ان کی پرورش کرتی ہے۔

چیل کا ایک عجیب واقعہ نمبر ۱

اخبار و آثار کے راویوں نے یہ لکھا ہے کہ یہ پرندہ سلیمان ابن داؤد علیہ السلام کے شکاری پرندوں میں تھا اور اس جانور کے مادہ کی عجیب و غریب صفت یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ جفتی کے وقت چلاتی ہے۔ جس کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نر جانور نے ایک دفعہ ایک مادہ کے ساتھ جفتی کی جس سے بچہ پیدا ہوا لیکن اس نے اپنے بچے کا انکار کر دیا۔ ماں نے اس مقدمہ کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی عدالت میں پیش کیا کہ اس بچہ کے والد نے میری ساتھ جفتی کی جس کی وجہ سے یہ معرض وجود میں آیا لیکن وہ اس کا انکار کرتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے نر جانور کو بلایا اور معاملہ کی صورت حال دریافت فرمائی۔ اس نے کہا اے اللہ کے رسول یہ جنگلوں میں پھرتی ہے دیگر جانوروں سے پرہیز نہیں کرتی۔ معلوم نہیں یہ بچہ میرا ہے یا کسی اور کا۔ آپ نے بچہ کو غور سے دیکھا تو اس میں والد کی شبیہہ پائی۔ آپ نے حکم فرمایا کہ یہ بچہ اس کا ہے اور آپ نے بچہ اس کے ساتھ کر دیا۔ پھر مادہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس وقت تیرا شوہر جفتی کرے گا تو اپنے اوپر قدرت مت دینا تا آنکہ دوسرے پرندوں کو گواہ نہ بنالو۔ تو اسی وقت سے اس کی یہ عادت ہوگئی کہ جب نر چیل مادہ کے ساتھ جفتی کرتا ہے تو وہ مادہ چیختی ہے اور کہتی ہے کہ اے پرندو! تم گواہ رہو یہ میرے ساتھ جفتی کر رہا ہے اور چیخنے کے وقت قرآن شریف کی آیت کا یہ ٹکڑا بھی کہتی ہے: **کل شیء ھالک الا وجھہ**۔ اس کی عادت یہ ہے کہ بائیں طرف سے شکار کرتی ہے۔ داہنی جانب سے نہیں۔ قزوینی فرماتے ہیں یہاں تک کہ بعض آدمی کہتے ہیں کہ چیل ایک جانب سے دیکھتی نہیں۔ یہی تو وجہ ہے کہ اس کا حملہ ہمیشہ ایک جانب سے ہوتا ہے۔

قزوینی کہتے ہیں کہ چیل ایک سال نر رہتی ہے اور ایک سال مادہ۔

حدیث شریف میں حداۃ (چیل) کا ذکر:

واقعہ نمبر ۲

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک اعرابیہ جو ازواج مطہرات کی خدمت میں رہتی تھی وہ اکثر و بیشتر یہ شعر پڑھا کرتی تھی ؎

ویوم الوشاح من اعاجیب ربنا   علی انہ من ظلمۃ الکفر نجانی

''وہ دن بھی عجیب و غریب تھا جس دن کہ ہار کھو گیا۔ یہ وہی دن تھا جب میرے خدا نے مجھ کو کفر کے اندھیروں سے ایمان کی روشنی تک پہنچایا۔''

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے دریافت کیا کہ شعر کا مطلب کیا ہے؟ اس اعرابی عورت نے جواب دیا کہ ایک دن میں اپنے خاندان کی ایک دلہن دیکھنے گئی تو وہ نہانے کے لیے غسل خانے میں داخل ہوئی اور اپنے زیورات اُتار کر رکھ دیئے۔ اچانک چیل آئی اور ان کی سرخی کو دیکھ کر اُٹھا لے گئی۔ اہل خانہ نے جب ان کو غائب پایا تو مجھ پر شک وشبہ کرنے لگے اور میرے پورے جسم کی حتیٰ کہ شرمگاہ کی بھی تلاشی لی۔ تو میں نے حق تعالیٰ سے اپنی برأت کی دُعا کی۔ اچانک وہ چیل آئی اور وہ سب کے سامنے اس کو ڈال گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھا کر یہ دُعا مانگی کہ یا غیاث المستغیثین ابھی فارغ بھی نہیں ہوئی تھی کہ چیل آئی اوران کو ڈال گئی۔ ام المؤمنین اگر آپ اس وقت میری حالت دیکھتیں تو خلاصی ورہائی کی درخواست ضرور کرتیں۔ میں نے اس واقعہ کو شعر میں نظم کر دیا ہے اوراس کو پڑھ کر رب کریم کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔''

واقعہ نمبر۳

حافظ نسفی نے اپنی کتاب ''فضائل الاعمال'' میں یہ واقعہ تحریر کیا ہے کہ عاصم ابن ابی النجود فرماتے ہیں کہ مجھ کو ایک دن فقر وفاقہ وتنگدستی سے دوچار ہونا پڑا۔ میں نے اپنی مصیبت کو اپنے بعض دوستوں سے بیان کیا اوران سے امداد کا طالب ہوا۔ ان دوستوں نے بے توجہی کا ثبوت دیا۔ جس کا مجھے بہت ملال ہوا اور مصمم ارادہ کیا کہ کسی بندے کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا۔ لہٰذا میں صحرا میں نکل گیا اور وہاں صلوٰۃ الحاجت پڑھی۔ پھر سجدہ میں جا کر نہایت تضرع وانکساری کے ساتھ یہ دُعا پڑھی:

یا مسبب الاسباب یا مفتح الابواب یا سامع الاصوات یا مجیب الدعوات یا قاضی الحاجات اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عمن سواک.

ابھی میں نے اپنا سر نہیں اُٹھایا تھا کہ کسی شے کے گرنے کی آواز محسوس ہوئی۔ سر اُٹھایا تو دیکھا کہ چیل نے سرخ تھیلی ڈال دی ہے۔ میں نے اس تھیلی کو اُٹھا کر دیکھا تو اس میں اسی دینار اور روئی میں لپٹا ہوا قیمتی پتھر ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے قیمتی پتھر ایک کثیر رقم کے عوض بیچ دیا اور دنانیر بحفاظت رکھ لیے، جس سے میں نے دوسرا سامان خریدا اوراس پر رب کریم کا بہت شکریہ ادا کیا۔

واقعہ نمبر۴

قشیری نے اپنے رسالہ باب کرامات الاولیاء کے آخر میں شبل مروزی کا واقعہ لکھا ہے۔ ایک دن انہوں نے نصف درہم کا گوشت خریدا۔ راستہ میں اس کو چیل نے اُچک لیا۔ آپ سیدھے مسجد میں پہنچے اور نماز کے بعد دُعا مانگی۔ پھر آپ گھر تشریف لائے تو بیوی نے آپ کی خدمت میں گوشت پیش کیا۔ آپ نے تعجب سے دریافت کیا کہ گوشت کہاں سے آیا؟ بیوی نے عرض کیا کہ دو چیل آپس میں اس گوشت کی بنا پر تنازعہ کر رہی تھیں ان سے گر گیا۔ اس پر شبل نے کہا کہ تمام حمد وستائش اس پروردگار کے لیے ہے جو اپنے بندے شبل کو نہیں بھولا اگرچہ شبل نے ذکر اللہ میں تغافل کیا اور حق تعالیٰ کو بھول گیا۔

اس طرح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ گوشت لے رہے تھے، اچانک چیل آئی اور گوشت کو اُچک کر لے گئی۔ سعد بن ابی وقاص نے اس کے واسطے بددُعا فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہڈی چیل کے گلے میں اٹک گئی اوراس نے وہیں دم توڑ دیا۔

شیخ جیلانی کی کرامت

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز مریدین کو پند ونصائح فرما رہے تھے۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ آپ کی مجلس پر سے ایک چیل چلاتی ہوئی گزری۔ حاضرین کو اس کے چیخنے پر تشویش وتعجب ہوا۔ شیخ نے ہوا کو حکم دیا کہ اس چیل کی گردن اُڑا دی جائے۔ چنانچہ فوراً اس کا سر ایک طرف اور جسم دوسری جانب گر پڑا۔ اس کے بعد آپ اپنی جگہ سے اُٹھے اور چیل کے سر وجسم کو اپنے ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی۔ پھر وہ چیل زندہ ہو کر اُڑ گئی۔ اور حاضرین نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

چیل کا شرعی حکم

چیل کا گوشت کھانا حرام ہے۔ کیونکہ یہ ان پانچ محرمات میں سے ہے جن کے بارے میں شریعت نے قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ باب الفاء میں لفظ فار کے بیان میں اس کی تفصیل آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پانچ ایسے بدترین جانور ہیں جنہیں مقامات حل وحرم دونوں میں مارا جائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ احرام کی حالت میں کوئی ان پانچ جانوروں کو مار دے تو اس پر کفارہ وغیرہ کچھ نہیں آئے گا۔ ان میں سے ایک چیل دوسرا چتکبرا کوا' تیسرا بچھو' چوتھا چوہا اور پانچواں پاگل کتا ہے۔'' (یعنی پانچوں جانوروں کو مارنے میں کہیں بھی کوئی کفارہ نہیں) (رواہ البخاری ومسلم)

دمیریؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا مقصدان پانچ سے یہ ہے کہ ہر موذی جانور کو قبل الاذی ہلاک کردینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس طرح ان جانوروں کو قتل کردینے کی صورت میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ مثلاً چیتا' بھیڑیا' باز' بھڑ' مچھر' کھٹمل' پسو' مکھی اور چیونٹی وغیرہ۔

رافعیؒ کہتے ہیں کہ موذی جانوروں میں سانپ' بھیڑیا' شیر' گدھ اور عقاب بھی شامل ہیں۔ ان جانوروں کو محرم کے لیے قتل کرنا مستحب ہے۔ مفصل بیان باب الصاد میں صید کے بیان میں آئے گا۔

ضرب الامثال

اہل عرب جب کسی کو چوکنا اور ہوشیار کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں حِدَاۃٌ حِدَاۃٌ وَرَاء ک بندقۃ (اے چیل! اے چیل! تیرے پیچھے بندوق کی گولی ہے)۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس مثال سے مراد کسی کو آنے والے خطرات سے چوکنا کرنے کے لیے اہل عرب بولتے ہیں یا جب کسی کو چوکنا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ بندقہ سے مراد بندوق کی گولی ہے۔

چیل کے طبی خواص

چیل کے پتہ کو سایہ میں سکھا کر شیشہ کے برتن میں بھگو کر کسی بھی زہریلے جانور کے ڈسنے کی جگہ ایک قطرہ ٹپکانے سے اس کے زہریلے اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر اسی پتہ کا سرمہ بنا کا آنکھ میں لگائیں۔ اگر داہنی طرف کسی چیز نے کاٹا ہو تو تین سلائی بائیں آنکھ میں اور بائیں طرف کاٹا ہو تو تین سلائی داہنی آنکھ میں لگانے سے ان شاء اللہ شفاء ہوگی۔

چیل کے پتہ کو باریک پیس کر سانپوں کے بل میں چھڑکنے سے تمام سانپ مرجائیں گے۔ ضیق النفس کے مریض کے لیے چیل کے خون کو معمولی سے مشک یا عرق گلاب میں ملا کر استعمال کرنا بہت مفید ہے۔ جس گھر میں چیل کا پتہ لٹکا دیا جائے اس گھر میں سانپ بچھو وغیرہ داخل نہیں ہو سکتے۔

چیل کی خواب میں تعبیر

چیل کو خواب میں دیکھنا جنگ وجدال کی علامت ہے۔ چونکہ اہل عرب اس کو کہاوت میں بیان کرتے ہیں کہ حداۃ حداۃ وراء ک بندقۃ اس کہاوت کا پس منظر یہ بتاتے ہیں کہ حداۃ اور بندقہ دو قبیلوں کے نام تھے۔ ایک موقع پر حداۃ قبیلہ نے بندقہ پر حملہ کر کے اس کو شکست دی اور دوسری مرتبہ بندقہ نے اس کو زیر کر دیا۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ حداۃ چیل کو اور بندقہ شکاری کو کہتے ہیں۔ اور کبھی چیل کو خواب میں دیکھنے سے فاسق شخص یا زانیہ عورت کی

طرف اشارہ ہوتا ہے اور چیلوں کی جماعت دیکھنا چوروں' ڈکیتوں پر دلالت کرتا ہے۔
ابن الدقاق تحریر فرماتے ہیں چیل سے کبھی ظالم بادشاہ کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص نے خواب میں یہ دیکھا کہ اس نے چیل کو پکڑ لیا تو اس کی تعبیر یہ دی جائے گی کہ صاحب خواب کے لڑکا پیدا ہوگا جو بالغ ہونے سے قبل بادشاہ ہو جائے گا۔ اگر اس شخص کے ہاتھ سے چیل اُڑ گئی تو اس کی تعبیر یہ دی جائے گی کہ پیدا ہونے والا بچہ انتقال کر جائے گا۔
ارطامیدرس فرماتے ہیں کہ کبھی چور اور اچکے کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

الحذف

الحذف: (بھیڑ کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں۔ نماز کے بارے میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:
لا يتخللكم الشياطين كانها حذف وفي رواية كا ولا دالحذف.
آپؐ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! اولا دحذف سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے جواب دیا بھیڑ کے بچے۔

اَلْحُرُّ

(اصیل گھوڑا) اَلْحُرُّ: اس کے متعدد معنی آتے ہیں۔ اصیل گھوڑا' کبوتر کا بچہ' نر قمری' ہرن کا بچہ' سانپ کا بچہ' شکرہ باز' ابن سیدہ کہتے ہیں کہ الحر سیاہ وسفید داغ والا چھوٹا سا جانور ہوتا ہے۔ اس کی دم چھوٹی ہوتی ہے' مونڈھے اور سر بڑا ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سبزہ میں جا کر شکار کرتا ہے۔ واللہ اعلم

اَلْحَرْبَاء

(گرگٹ) الحرباء: گرگٹ کی کنیت ابوخجارب' ابوالزندیق' ابوقادم ہے۔ اس کو جمل الیہود بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ پچھلے صفحات سے معلوم ہو چکا ہے۔ امام قزوینیؒ عجائب المخلوقات میں رقم طراز ہیں کہ گرگٹ پیدائشی طور پر بطی السیر واقع ہوا ہے اور چونکہ زندہ رہنے کے لیے ہر جاندار کے لیے رزق کا حصول واستعمال لابدی ہے تو بدیع العجائب نے اس کو انوکھے انداز پر پیدا فرمایا تاکہ بغیر حرکت ومقصد کے اپنا رزق وقوت حاصل کر سکے۔ چنانچہ خالق کائنات نے اس کی بھوں میں یہ قوت ودیعت کر رکھی ہے کہ گرگٹ بغیر مشقت وتکلیف کے اپنی آنکھیں چاروں طرف گھما پھرا سکتا ہے۔ جس درخت پر ہوتا ہے اسی کا رنگ بدل لیتا ہے کہ دیکھنے والا ادراک نہیں کر سکتا کہ اس درخت پر کوئی جانور ہے اور دونوں کا رنگ یکساں ہو جاتا ہے۔ شکلیں اور رنگ تبدیل کرنے میں ضرب المثل ہے۔
چنانچہ جب یہ خطرہ محسوس کرتا ہے تو مختلف رنگ وشکلیں اختیار کر لیتا ہے۔ اس تغیر وتبدل کو دیکھ کر ہلاک کرنے والا شخص خوفزدہ ہو جاتا ہے اور جب اس کو بھوک لگتی ہے تو شکار کے قریب جا کر برق رفتاری سے اس کو اُچک لیتا ہے۔ پھر رنگ تبدیل کر کے درخت پر آ جاتا ہے۔ دیکھنے والا محسوس کرتا ہے کہ درخت کا جز ہے۔ زبان بھی اس کی طویل ہوتی ہے۔ کم از کم تین بالشت دوری پر واقع شئے کا شکار کر لیتا ہے۔ گرگٹ باعتبار جثہ چھپکلی سے بڑا ہوتا ہے۔ سورج کے ساتھ گردش کرتا رہتا ہے اور اس کی حرارت سے رنگ بدلتا ہے۔ یہ مختلف رنگ اختیار کرتا ہے۔ لال' پیلا' سبز وغیرہ وغیرہ۔ مونث گرگٹ کو ام حبین کہتے ہیں۔ اس کی جمع حرابی اور حرباء آتی ہے۔

ایک شخص کا اپنے برادرزادہ سے جھگڑا ہوا۔ مقدمہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پہنچا۔ اس شخص نے اپنے بھتیجے کے خلاف یکے بعد دیگرے دلیلوں کی بوچھاڑ کردی۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو مخاطب ہوکر کہا کہ تم اس شعر کے مصداق ہو گئے جیسا کہ شاعر نے کہا ؎

انی اتیح له حرباء تنضبة لا یرسل الساق الاممسکا ساقا

''میں اس کے سامنے اس گرگٹ کی طرح آتا ہوں جو درخت کی شاخوں پر مسلسل رنگ بدلتا رہتا ہے۔''

(گویا کہ یہ شخص بھی ایک دلیل کے ختم ہونے سے پہلے دوسری دلیل قائم کرتا جیسا کہ گرگٹ مسلسل اپنے رنگ بدلتا ہے) اس شعر میں ساق سے شاخ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک دلیل ختم نہیں ہوتی کہ دوسری دلیل شروع کر دیتے ہو گرگٹ کے رنگ بدلنے کی طرح۔

دمیریؒ فرماتے ہیں کہ اس کا دوسرا نام حرباء الظہیرۃ ہے۔ گرگٹ ابتداء میں چھپکلی کی مانند خاکستری رنگ کا ہوتا ہے بڑا ہونے کے بعد یہ رنگ زائل ہو جاتا ہے۔ گرگٹ ہمیشہ سورج کی طلب وجستجو میں رہتا ہے۔ چنانچہ طلوع آفتاب کے ساتھ ہی یہ بھی اسی کے نقش قدم پر مصروف ہو جاتا ہے اور اس کو غور سے دیکھتا رہتا ہے۔ استواء شمس تک تو گرگٹ کسی بلند شئے یا درخت پر چڑھ کر سورج کو دیکھتا ہے لیکن جب سورج اس کے اوپر آجاتا ہے اور اس کو دکھائی نہیں دیتا تو یہ پاگل ہو جاتا ہے اور اس کی طلب وجستجو میں رہتا ہے۔ پھر مغرب کی طرف رُخ کر کے غروب الشمس تک دیکھتا رہتا ہے اور غروب الشمس کے بعد یہ جانور طلب معاش میں نکل جاتا ہے۔

ماہرین حیوانات وطبعیات نے اس کو مجوسی کہا ہے اور اس کی زبان جو تین بالشت لمبی ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے یہ دور ہی سے شکار کر لیتا ہے اس کے حلق میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ مادہ گرگٹ کو ام حبین کہتے ہیں اس کا مفصل بیان باب کے آخر میں آئے گا۔

ابونجم شاعر نے اپنے بعض اشعار میں اس کو شقی کے نام سے موسوم کیا ہے حالانکہ کسی بھی لغت میں اس کا نام شقی نہیں ہے۔ صرف اس وجہ سے کہ یہ استقبال شمس کرتا ہے۔ گرگٹ چالاک جانور ہوتا ہے۔ سورج کی حرارت سے اپنا رنگ بدلنے کے ساتھ ساتھ مارنے والے کے قبضہ میں نہیں آتا اور دفعتاً دوسری شاخ پہ پہنچ جاتا ہے۔ گرگٹ بچھڑے کی سر کی طرح چھوٹی مچھلی کے مشابہ ہوتا ہے اور چھپکلی کے مانند اس کی چار ٹانگیں ہوتی ہیں۔ شیخ جمال الدین ابن ہشام فرماتے ہیں کہ گرگٹ اونٹ کے کوہان کی طرح ہوتا ہے اور مختلف رنگ بدلتا ہے۔ جس درخت پر رہتا ہے اسی جیسا رنگ تبدیل کر لیتا ہے اس کی کنیت ابوقرہ ہے اور جب مکھی وغیرہ قریب آتی ہے تو اس کو اُچک لیتا ہے اور اس سے پہلے قزوینیؒ کی طرف سے اس کا ذکر آچکا ہے۔

گرگٹ کا شرعی حکم

اس کا کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ چھپکلی کی اقسام میں سے ہے۔ جاحظ وجوہری فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ ام حبین کا مذکر ہے اور ام حبین کا کھانا جائز ہے اس لیے اس کا کھانا بھی حلال ہونا چاہیے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ گرگٹ کو چھپکلی کی نوع کی بناء پر حرام نہیں کیا گیا بلکہ بذات خود اس کے اندر حرمت کی علت موجود ہے۔ اس کا شمار زہریلے جانوروں میں سے ہوتا ہے۔

مثالیں

اہل عرب اس شخص کے لیے یہ مثال دیتے ہیں جو ایک حالت پر نہ رہے۔ قالوا فلان یتلون تلون الحرباء (فلاں شخص بار بار اس طرح رنگ بدلتا ہے جیسا کہ گرگٹ)۔

اس طرح اہل عرب کہتے ہیں کہ فلان اجود من عین الحرباء فلاں گرگٹ کی آنکھ سے زیادہ سخی ہے واحزم من الحرباء اور گرگٹ سے زیادہ محتاط ہے۔حزم کے معنی احتیاط کے اور اقدام سے قبل غور وفکر کرنے کے لیے آتے ہیں۔

طبی خواص

آنکھوں کی پلکوں کے بال اُکھاڑ کر بالوں کی جڑ میں گرگٹ کا خون لگانے سے بال نہیں اُگتے۔اگر کسی شخص کی بینائی کمزور ہو اور آنکھ میں دھندلا پن ہو تو اس کا پتہ آنکھ میں بطور سرمہ استعمال کرنے سے بینائی میں قوت اور دھندلا پن ختم ہو جاتا ہے۔اگر کسی کے سر میں پھوڑے پھنسیاں ہوں تو اس کی چربی کو لوہے کے برتن میں گرم کر کے خون اور پانی بقدر چربی ملا کر پھوڑے پھنسیوں پر لگانے سے ان شاء اللہ پہلی مرتبہ میں ہی لگانے سے صاف ہو جائیں گی۔

گرگٹ کی خواب میں تعبیر

خواب میں گرگٹ سے مراد ایسا زیرک حکمران ہوتا ہے جس کو معزول کرنا ممکن نہ ہو۔کیونکہ گرگٹ کی عادت یہ ہے کہ وہ سورج کے ساتھ رہتا ہے اس سے جدا نہیں ہوتا۔کبھی گرگٹ سے بادشاہ کی خدمت مراد ہوتی ہے اور بسا اوقات فتنہ فی الدین کی جانب بھی اشارہ ہوتا ہے اور کبھی مجوسی عورت مراد ہوتی ہے اور کبھی جنگ کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور میت پر نوحہ خوانی بھی مراد ہوتی ہے۔

اَلحِرُذُوْن

(گوہ کے مانند ایک جانور) الحرذون: (حاء پر کسرہ) بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حرذون مذکر گوہ ہے۔کیونکہ گوہ کی طرح اس کے بھی دو ذکر ہوتے ہیں۔یہ زہریلا ہوتا ہے۔مقفل و بند عمارتوں میں عموماً پایا جاتا ہے۔انسانوں کی طرح اس کے ہاتھ ہوتے ہیں۔لیکن اس کی کھال میں برص نہیں ہوتا ہے جس طریقہ سے چھپکلی کی کھال میں ہوتا ہے۔

دمیریؒ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ جانور گوہ نہیں ہے بلکہ گوہ کی مانند ایک جانور ہے۔

حرذون کا شرعی حکم

اس کا کھانا حرام ہے کیونکہ یہ زہریلے جانوروں میں سے ہے۔

طبی خواص

ارسطو تحریر فرماتا ہے کہ اگر کوئی حرذون کی چربی کو جسم پر مل کر مگر مچھ سے مقابلہ کرے تو مگر مچھ بھی اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔جنگلی گدھا اس کی چربی کی بو سونگھ کر قریب نہیں آتا۔اگر اس کی کھال کو جلا کر اپنے جسم پر مالش کرے تو چوٹ کا درد بالکل محسوس نہیں ہوگا۔حتیٰ کہ بدن یا جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں تب بھی احساس نہ ہوگا۔چور اور رہزن ایسا کرتے ہیں چنانچہ انہیں مار پیٹ کا احساس نہیں ہوتا۔یہ جانور بچھو کو قتل کر دیتا ہے۔اس کی چربی کو چوتھیا بخار والے شخص کے گلے میں کالے کپڑے میں لپیٹ کر ڈالنے سے بخار ختم ہو جاتا ہے۔

خواب میں تعبیر

اس جانور کو خواب میں دیکھنے سے طمع و حرص کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔کبھی بھول و نسیان کی جانب بھی اشارہ ہوتا ہے۔

الحرشاف یا الحرشوف

الحرشاف یا الحرشوف: دبلی و پتلی ٹڈیاں۔اس کا واحد **خرشافة** ہے۔یہ ٹڈی کثیر الاکل ہوتی ہے۔
''خولہ بنت ثعلبہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر کے سلسلے میں پیغمبر اسلام ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا کہ میرے شوہر نے مجھ کو **انت کظھر أمی** کہا ہے'تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:
قد سمع اللّٰہ قول التی تجادلک فی زوجھا وتشتکی الی اللّٰہ.
نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنے شوہر سے کہنا ایک غلام آزاد کر کے کفارہ ادا کر دو۔بیوی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔تو آپؐ نے فرمایا کہ دو مہینے کے مسلسل روزے رکھ لے۔انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ وہ اس کی بھی طاقت نہیں رکھتے کیونکہ وہ تو لاغر ٹڈی کی طرح دبلے پتلے ہیں اور ان کی بینائی بھی ختم ہو چکی ہے۔''
اس حدیث میں لاغر ٹڈی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

الحرقوص

(چیت کوریا پسو) **الحرقوص** (حاء اور قاف پر ضمہ) ایک لغت میں صاد کی جگہ سین بھی استعمال ہوا ہے چھوٹے پسو کی طرح ہوتا ہے۔اس کے جسم پر سرخ اور زرد داغ ہوتے ہیں۔رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے۔کبھی کبھی اس کے پر اُگ آتے ہیں۔شاعر کہتا ہے ؎

مالقی البیض من الحرقوص   یدخل تحت الحلق المرصوص

''حرقوص کو سفیدی قطعاً لاحق نہیں ہوتی اور اس کے گلے کے نیچے صرف ایک دھاری ہوتی ہے۔''

من ماردلص من اللصوص   بمھر لاغال و لا رخیص

''یہ چوروں میں سے ایک بڑا سرکش چور ہے اور نہ اس کو حاصل کیا جا سکتا ہے کسی بھاری قیمت پر اور نہ سستے داموں پر۔''
بعض لوگ کہتے ہیں کہ حرقوص بندر کی طرح ایک جانور ہوتا ہے اور اپنے قول کی تائید میں یہ مصرعہ پیش کرتے ہیں ؎

مثل الحراقیص علی حمار   ''جیسا کہ بندر ہوں گدھوں کے اوپر''

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ربیع الابرار میں مرقوم ہے کہ حرقوص پسو سے قدرے بڑا جانور ہوتا ہے۔پسو سے سخت کاٹتا ہے۔عورت کی شرمگاہ میں کاٹنے کو پسند کرتا ہے۔جس طرح چیونٹی سخت زمین کو پسند کرتی ہے اور چیونٹی کی طرح اس کے بھی دو پر اُگ آتے ہیں۔بعض کی رائے یہ ہے کہ حرقوص پسو کا ہی دوسرا نام ہے۔اس کے قائل اپنے قول کی تائید میں طرماح شاعر کا یہ شعر پیش کرتے ہیں ؎

وَ لَوْ اَنَّ حَرْقُوْصًا عَلٰی ظَهْرِ قُمْلَةٍ   یکر عَلٰی صَفِی تَمِیْم تَوَلَّتُ

''اگر حرقوص ایک جوں کی پشت پر سوار ہو کر قبیلہ تمیم کے صف بستہ لوگوں پر حملہ آور ہو تو مقابلہ سے بھاگ جائیں گے۔''
حرقوص کو نہیک بھی کہتے ہیں۔ایک اعرابیہ نے کہا ہے ؎

یا ایھا الحرقوص مھلا مھلا   أإبلا اعطیتنی ام نحلا

''اے حرقوص ٹھہر! ٹھہر! کیا تو نے اونٹ دیا ہے یا شہد کی مکھی؟''

ام انت شئی لاتبالی الجهلا

''یا تو ایک ایسی چیز ہے جسے کار جہالت کی کوئی پرواہ نہیں۔''

ابن سیدہ نے کہا ہے کہ حرقوص ایک حرام جانور ہے۔ اس کے بھڑ کی طرح ایک ڈنک ہوتا ہے۔ جس سے چابک کی نوک کی مانند سخت ڈستا ہے۔ اسی وجہ سے لمن ضرب باطراف السياط (جس کی کوڑے سے پٹائی کی جائے) یہ مثال اس شخص کے لئے بولتے ہیں جس کو حرقوص نے ڈس لیا۔

فائدہ

حرقوص سعدی تمیمی چھڑی والے جنہوں نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا' نبی کریم ﷺ کو مال غنیمت تقسیم کرتے وقت جس نے کہا تھا انصاف فرمائیے' اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارا برا ہو' اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو پھر کون انصاف کرے گا۔ اگر میں عدل نہ کرتا تو تم خائب و خاسر ہو جاتے۔ یعنی ایک مرتبہ اس نے ایک زمین کے بارے میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف مقدمہ دائر کیا تھا تو آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اس کا حق ادا کرنے کا حکم فرمایا تھا۔

ابن اثیر فرماتے ہیں کہ حرقوص ابن زہیر سعدی کو کہتے تھے۔ طبری نے اپنی کتاب میں یہی ذکر کیا ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ ہرمزان فارسی مرتد ہو گیا تھا اور بغاوت پر اُتر آیا تھا۔ اکراد[1] بھی اس کے ساتھ ہو گئے تھے اس طرح اس کے پاس ایک بھاری جمعیت ہو گئی تھی۔ چنانچہ عتبہ بن غزوان نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ آپ نے اس کے مقابلہ کا حکم صادر فرمایا اور حرقوص کو مسلمانوں کی مدد کی خاطر روانہ کیا تھا۔ حرقوص اور ہرمزان کے درمیان معرکہ ہوا اور ہرمزان پسپا ہو گیا اور حرقوص سوق اہواز کو فتح کر کے اس پر قابض ہو گیا۔ اس جنگ میں حرقوص نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ حرقوص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک زندہ رہا اور آپ کے ساتھ جنگ صفین میں بھی حاضر رہا۔ پھر یہ خوارج میں شامل ہو گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سخت دشمن ہو گیا تھا۔ ۳۷ھ میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خوارج کا مقابلہ ہوا اس میں یہ مارا گیا۔

شرعی حکم

حرقوص حشرات میں سے ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

اَلْحَرِیْشُ

الحریش: چت کوریا سانپ کی ایک قسم ہے كذا قاله الجوهری۔ جوہری کے بعد کے بعض لغویین کہتے ہیں کہ حریش ایک دابہ ہے جس کے شیر جیسے پنجے ہوتے ہیں اور پیشانی پر ایک سینگ ہوتا ہے۔ اس جانور کو کرکدن بھی کہتے ہیں۔ ابوحیان توحیدی کا بیان ہے کہ حریش بکری کے برابر ایک چوپایہ ہوتا ہے جو طاقت اور انتہائی تیز رفتاری پر قدرت کے باوجود بے حد سست رہتا ہے اور اس کے بیچ سر میں ایک سخت اور سیدھا سینگ ہوتا ہے اس کے ذریعے یہ تمام جانوروں کو مارتا ہے اور غلبہ حاصل کرتا ہے اور اس کو شکار کرنے کے لیے

---

[1] ایشیاء کی ایک قوم کا نام ہے۔

تدبیر یہ کی جاتی ہے کہ اس کے سامنے ایک کنواری لڑکی پیش کی جاتی ہے یا بچی۔ جس وقت یہ اسے دیکھتا ہے تو دوڑ کر اس کا دودھ پینے کے لیے آتا ہے۔ یہ ایک فطری خواہش ہے جو اس میں اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہے۔ حالانکہ بعض اوقات اس لڑکی کے دودھ وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ مگر یہ خالی چوسنے سے بھی ایک نشہ محسوس کرتا ہے۔ ٹھیک اسی وقت شکاری اس پر حملہ آور ہوتا ہے اور اسے مضبوط رسوں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ بس اس کے شکار کی یہی تدبیر ہے۔

شرعی حکم

حریش سانپ کی اقسام میں سے ہو یا حیوان مذکورہ کی قسم میں سے ہو بہر صورت اس کا کھانا حرام ہے کیونکہ شریعت نے ہر ذی ناب درندہ کو کھانے سے منع کیا ہے۔

طبی خواص

مبتلائے خناق[1] اگر اس کا خون پی لے تو فوراً فائدہ ہوتا ہے۔ مریض قولنج کے لیے اس کا گوشت مفید ہوتا ہے۔ خوں بار رگ پر اگر اس کی پستان لگا دی جائے تو خون بند ہو جاتا ہے۔

اَلْحَسْبَان

الحسبان: ٹڈی کو کہتے ہیں۔ اس کا واحد حسبانة آتا ہے۔

اَلْحَسَاسُ

الحساس: چھوٹی مچھلیوں کو کہتے ہیں۔

اَلْحَسَلُ

الحسل: گوہ کا بچہ۔ اس کی جمع احسال وحسول وحسلان اور حسلة آتی ہے۔ جب گوہ کا بچہ انڈے سے خارج ہوتا ہے اس وقت اس نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسی لیے گوہ کی کنیت ابوحسل ہے۔

شرعی حکم

یہ بھی (ضب) گوہ کے تابع ہے۔

کہاوتیں

اہل عرب کہتے ہیں کہ تجھے حسل کی عمر حاصل نہیں ہوسکتی یعنی دائمی حیات۔ کیونکہ اس کی عمر بہت طویل ہوتی ہے۔

چنانچہ عجاج کہتا ہے ؎

---

[1] الخناق: ایک بیماری ہے جس میں سانس لینا دشوار ہوتا ہے۔

انک لو عمرت عمر الحسل اوعمر نوح زمن الفطحل

''اگر تجھے ایسی عمر مل جائے جیسا کہ گوہ کے بچہ کی ہوتی ہے یا اتنی دراز جیسا کہ نوح علیہ السلام کی تھی۔''

والصخر مبتل کطین الوجل کنت رھین ھرم و قتل

''اور پتھر پانی ٹپکانے لگیں جیسا کہ کیچڑ تو پھر تو بڑھاپے کی گرفت میں ہوگا اور موت کا شکار۔''

فطحل بروزن ہربز' پیدائش انسان سے قبل کا زمانہ جس وقت پتھر نرم تھے۔

اَلْحَسِیْل

الحسیل: گھریلو گائے کا بچہ بچھڑا۔ واحد اور جمع کے لیے یہی لفظ مستعمل ہے۔ اس کا مونث حسیلۃ آتا ہے۔ کذا قالہ الجوھری۔

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ جوہری کا یہ خیال محض وہم ہے۔ درست بات یہ ہے کہ جمع کے لیے لفظ حسیل اور واحد کے لیے حسیلۃ مستعمل ہے۔ کیونکہ اہل عرب سے یہی مسموع ہے۔ کفایتہ المتحفظ میں مرقوم ہے کہ واحد کے لیے حسیلۃ اور جمع کے لیے حسائل کا استعمال ہوتا ہے۔

حَسُّوْن

(خوش آواز پرندہ) (نیل کنٹھ) حَسُّون: ایک پرندہ جو مختلف رنگوں سرخ' پیلا' سفید' سیاہ نیلگوں اور سبز رنگ کا ہوتا ہے۔ اندلسی اس کو ابوالحسن کہتے ہیں اور مصری لوگ ابوز قابتہ اور کبھی زاء کو سین سے بدل کر ابوسقایۃ کہتے ہیں۔ اس میں تعلیم قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ مثلاً یہ سیکھ لیتا ہے کہ دور کے آدمی کے ہاتھ سے کوئی چیز لے کر اپنے مالک کے پاس لے آتا ہے۔ اس کا بھی وہی حکم ہے جو عام چڑیوں کا ہے۔ مفصل بیان ان شاء اللہ باب العین میں آئے گا۔

الحشرات

(زمین پر رینگنے والے جانور) الحشرات: وہ چھوٹے جانور جو زمین پر رینگتے ہیں۔ اس کا واحد حشرۃ آتا ہے۔ ابن ابی اشعث ان تمام جانوروں کو ارضی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ جانور زمین سے جدا نہیں ہوتے اور نہ ہوا اور پانی میں جاتے ہیں۔ یہ اپنے بلوں اور زمین کے اندر پناہ لیتے ہیں۔ نہ ان کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے نہ خوشبو سونگھنے کی۔ ان میں سانپ' چوہے' یربوع' گوہ' گرگٹ' سیہی' بچھو' گبریلا' چھپکلی' چیونٹی' کیڑے اور دیگر اقسام وغیرہ شامل ہیں۔ ان جانوروں میں سے جن کا ذکر ابھی نہیں گزرا ہے ان شاء اللہ آگے ان کا ذکر آئے گا۔

فائدہ: مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول ویلعنھم اللاعنون سے مراد حشرات اور بہائم ہیں۔ کیونکہ علماء سوء اور صاحب کتمان علم کے گناہوں کے سبب یہ قحط میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ تمام جانور علماء سوء کے لے بددعا کرتے ہیں اور لعنت بھیجتے ہیں۔

اس آیت کے متعلق یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ غیر ذوی العقول کے لیے ذوی العقول کی جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ غیر ذوی العقول کے فعل کی اسناد کی گئی ہے اس لیے ایسا کیا گیا ہے جیسا کہ سورۂ یوسف میں **رأیتھم لی ساجدین** فرمایا گیا۔ حالانکہ قاعدہ کے مطابق ساجدات ہونا چاہیے۔

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا: **وقالوا لجلودھم لم شھدتم علینا** حالانکہ یہ خلاف قاعدہ ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **لاعنون** سے جن وانس کے ماسوا تمام مخلوقات مراد ہیں۔بعض کے نزدیک ماسوا ملائکہ کے تمام مخلوقات مراد ہیں۔

شرعی حکم

امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور داؤد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ان کا کھانا حرام ہے۔نیز ان کی بیع بھی درست نہیں۔امام مالکؒ ان کی حلت کے قائل ہیں اور دلیل میں قرآن کریم کی یہ آیت پیش فرماتے ہیں:

قُلْ لَا اَجِدُ فِیْ مَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً.

''آپؐ فرمادیجئے کہ مجھ پر جو احکام بذریعہ وحی اُتارے گئے ہیں ان میں کسی ماکول چیز کی حرمت میں نے نہیں پائی الا یہ کہ وہ ماکول مردار ہو۔''

نیز اس حدیث سے بھی امام مالکؒ استدلال فرماتے ہیں:

''قلب بن ثعلبہ بن ربیعہ تمیمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا اور حشرات الارض کے بارے میں تحریم کی کوئی بات نہیں سنی۔'' (رواہ ابوداؤد)

تلب (تا مفتوحہ اور لام مکسورہ کے بعد باء ہے) شعبہ نے اس کو ثاء سے پڑھا ہے اور کبھی ثاء اور تاء کے بین بین پڑھا ہے۔تلب کی کنیت ابوالملقام ہے۔ان کے بیٹے ملقام نے ان سے یہ روایت نقل کی ہے:

''تلب رضی اللہ عنہ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے لیے دُعاء مغفرت فرمایئے۔ آپؐ نے تین مرتبہ یہ کلمات فرمائے: **اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ للقلب وارحمه ثلاثا**۔''

امام شافعیؒ اور دیگر اصحاب نے اللہ تعالیٰ کے قول **ویحرم علیھم الخبائث** سے استدلال کیا ہے اور اہل عرب حشرات کو خبائث میں شمار کرتے ہیں۔نیز یہ حدیث بھی ان کا استدلال ہے:

''پانچ جانور خبیث ہیں حل اور حرم (دونوں جگہ) اور ہر جگہ ان کو مارا جاسکتا ہے' کوا' چیل' بچھو' چوہا اور باؤلا کتا۔''
(رواہ بخاری ومسلم)

دوسری حدیث ام شریک کی ہے:

''نبی کریم نے گبریلوں کو مارنے کا حکم دیا ہے۔'' شیخین نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

امام مالکؒ نے اپنے مسلک کی تائید میں قرآن کریم کی آیت **قل لا أجدُ فی ما اوحی الخ** کو پیش فرمایا ہے۔امام شافعیؒ اور دیگر علماء اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کو تم کھاتے ہو اور حلال سمجھتے ہو ان میں سے کسی کے متعلق حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ الوسیط میں رقم طراز ہیں کہ حشرات میں سے صرف گوہ کا کھانا جائز ہے اور اسی حکم میں یربوع اور ابن عدس اور ام

حبین سیبی وغیرہ کورکھا ہے۔ان کے بارے میں واضح تفصیل ان کے مقامات پران شاءاللہ آئے گی۔

الحشو والحاشیة

الحشو والحاشیة: اونٹ کے بالکل چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں۔اسی طرح انسان کے بچوں کو بھی حشو اور حاشیہ کہتے ہیں۔

الحصان

(گھوڑا) **الحصان** (حاء پر کسرہ ہے) اس کی وجہ تسمیہ لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ اس کا نطفہ محفوظ ہوتا ہے عمدہ گھوڑی کے علاوہ کسی اور سے جفتی نہیں کرتا اس لیے اس کو حصان کہتے ہیں۔

حدیث شریف میں حصان کا ذکر:

''براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک صاحب سورۂ کہف پڑھ رہے تھے اور ان کے قریب ہی گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ اچانک ایک بادل سایہ فگن ہوا اور آہستہ آہستہ ان صاحب سے قریب ہونے لگا۔اس منظر کو دیکھ کر گھوڑا بدک گیا۔صبح کو ان صاحب نے یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپؐ نے فرمایا کہ تلاوت قرآن پر جو سکون قلبی نصیب ہوتا ہے اسی نے بادل کی شکل اختیار کر لی تھی۔ یہ صاحب جو تلاوت کر رہے تھے' حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تھے۔''

قصہ بنی اسرائیل

کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ فرعون بحر قلزم میں داخل ہونے سے گھبرا رہا تھا اور ادہم گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے قافلہ میں کوئی گھوڑی نہیں تھی۔اس لیے حضرت جبرائیلؑ ہامان کی شکل میں جفتی کی خواہش مند گھوڑی پر سوار ہو کر رونما ہوئے اور گھوڑی کو لے کر دریا میں کود گئے۔فرعون کا گھوڑا بھی حضرت جبرائیل کی گھوڑی کے پیچھے دریا میں کود پڑا اور حضرت میکائیلؑ اس لشکر کو پیچھے سے سمندر کی جانب دھکیل رہے تھے۔ چنانچہ جب وہ سب کے سب دریا میں داخل ہو گئے اور حضرت جبرائیل نکل گئے تو دریا اپنی حالت سابقہ پر آ گیا اور پورے لشکر کو غرقاب کر دیا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ سات لاکھ ستر ہزار افراد تھے۔عمرو ابن میمون چھ لاکھ کا قول بیان کرتے ہیں اور بعض حضرات نے چھ لاکھ ۲۰ ہزار کی تعداد بیان کی ہے۔اس عدد میں ۲۰ سال اور ۶۰ سال کی عمر کے افراد شمار نہیں کیے۔(اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہمراہ مصر میں داخل ہونے والوں کی تعداد ۷۲ ہزار مرد اور عورتیں تھیں۔) جب موسیٰ علیہ السلام نے چلنے کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو میدان تیہہ میں ڈال دیا۔لہٰذا وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ اس صورت حال کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے عمر رسیدہ افراد سے تحقیقات کی۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کے وقت اپنے برادران سے یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ وہ مجھے چھوڑ کر مصر سے نہیں جائیں گے اس وجہ سے ہمارا راستہ مسدود کر دیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ اعلان فرمایا کہ جو شخص حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے بارے میں علم رکھتا ہو اور مجھے نہ بتائے تو اس سے اللہ تعالیٰ باز پرس کرے گا اور جو شخص نہیں جانتا وہ میری آواز نہ سنے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دو شخصوں کے سامنے سے گزرے انہوں نے آپ کی آواز

نہیں سنی۔ پھر ایک بوڑھی عورت نے سنا جو بنی اسرائیل میں سے تھی۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اگر میں تمہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے متعلق بتادوں تو کیا تم میری درخواست کو پورا کرو گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ خدائے پاک کے حکم کے بغیر میں اس کا وعدہ نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی درخواست کی منظوری کا حکم دے دیا۔ بڑھیا نے کہا پہلی شرط جو دُنیا سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ میں بوڑھی ہوں۔ چلنے پر قادر نہیں ہوں۔ لہٰذا تم مجھے اس شہر سے اُٹھا کر باہر کرو گے۔ دوسری شرط جو آخرت کے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ آپ جنت کے کسی بھی درجہ میں تب تک داخل نہیں ہوں گے جب تک میں آپ کے ساتھ نہ چلوں۔ حضرت موسیٰ نے اس کو منظور فرما لیا۔ اس کے بعد بڑھیا نے بتایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر دریائے نیل کے درمیان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام سے پانی کو ہٹا دیا۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی دُعا فرمائی کہ طلوع فجر کو اس وقت تک کے لیے موقوف کر دیا جائے جب تک کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ سے فراغت نہ ہو۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس جگہ کو کھودا اور وہ صندوق نکالا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا جسم محفوظ تھا۔ اس کو اپنے ساتھ لاکر شام میں دفن فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا راستہ کھول دیا اور وہ وہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ چل دیئے اور حضرت ہارون علیہ السلام ان کے آگے تھے۔

ادھر فرعون تیاری میں مصروف تھا۔ اس نے اپنی قوم کو جمع کر کے حکم دیا کہ مرغ کے بولنے کے بعد ان کے تعاقب کے لیے نکلا جائے۔ عمر بن میمون فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس رات مرغ بولا ہی نہیں۔ فرعون بنی اسرائیل کے تعاقب میں کروڑوں کی فوج لے کر نکلا تھا۔ اس کے مقدمۃ الجیش کی قیادت ہامان کرر ہا تھا۔ اس کے لشکر میں ستر ہزار گھوڑ سوار تھے۔

شیخ التفسیر علامہ محمد بن جریر طبریؒ فرماتے ہیں کہ فرعون کے لشکر میں ایک لاکھ گھوڑے تھے اور سات ہزار گھوڑ سوار اور اس کے آگے ایک لاکھ تیر اندازوں کا دستہ اور ایک لاکھ نیزہ بازوں کا دستہ ایک لاکھ عمود والوں کا دستہ تھا اور دریا کا پانی جوش مار رہا تھا۔ جس وقت فرعون بنی اسرائیل کے قریب پہنچا تو سورج روشن ہو چکا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی یہ دیکھ کر گھبرا گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ اپنا عصاء سمندر پر مارو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر عصاء مارا تو سمندر میں بارہ راستے بن گئے۔ ہر خاندان کے لیے ایک مستقل راستہ اور ہر راستے کے درمیان پانی پہاڑ کی طرح حائل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ہوا اور سورج کے ذریعہ دریا کی زمین کو خشک کر دیا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کا ہر خاندان ایک ایک راستہ سے سمندر میں داخل ہو گیا۔ چونکہ ہر راستہ کے درمیان پانی اس طرح حائل ہو گیا تھا کہ ایک خاندان دوسرے کو نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ اس لیے ہر خاندان گھبرانے لگا کہ ہمارے دوسرے بھائی مارے گئے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر حق تعالیٰ نے پانی کو پھٹ جانے کا حکم دیا۔ تو پانی میں سے کھڑکیاں بن گئیں اور ہر خاندان کو دوسرا خاندان نظر آنے لگا اور ایک دوسرے کی آواز سننے لگے اس طرح سے بنی اسرائیل صحیح وسالم سمندر پار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا ہے:

فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ.

''ہم نے تمہیں نجات دی اور فرعونیوں کو غرق کر دیا اس حال میں کہ تم ان کو غرق ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔''

بنی اسرائیل کے سمندر پار کرنے کے بعد جب فرعون سمندر کے قریب پہنچا اور اس کو منتشر پایا تو اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ دیکھو میرے خوف سے دریا کس طرح پھٹ گیا اور میں نے ان غلاموں کو پالیا جو بھاگ آئے تھے۔ تم لوگ دریا میں داخل ہو جاؤ۔ اس کی قوم دریا میں داخل ہونے سے گھبرا رہی تھی، کہنے لگی آپ رب ہیں تو پہلے آپ داخل ہو جائیں جس طرح موسیٰ علیہ السلام داخل ہو گئے۔ فرعون گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے لشکر میں کوئی گھوڑی نہیں تھی۔ لہٰذا جبرائیلؑ جفتی کی خواہش مند گھوڑی پر سوار ہو کر اس کے لشکر کے آگے آئے

اور دریا میں داخل ہو گئے جب فرعون کے گھوڑے نے اس کی بو سونگھی تو اس گھوڑی کے پیچھے دریا میں کود پڑا اور فرعون بے بس ولاچار ہو گیا۔ اس کو جبرائیل کی گھوڑی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کے گھوڑے کے پیچھے ہی پورا لشکر دریا میں کود پڑا اور پیچھے حضرت میکائیلؑ گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر والوں کو یہ کہہ کر کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ ہو جاؤ سب کو دریا میں دھکیل رہے تھے۔ یہاں تک کہ تمام کا تمام لشکر سمندر میں داخل ہو گیا اور حضرت جبرائیلؑ ان سب سے پہلے سمندر سے نکل گئے تو اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا کہ فرعون کو غرق کر دو۔ چنانچہ دریا پہلے کی طرح مل گیا اور سب کو غرقاب کر دیا۔ دریا کے دونوں کناروں کے درمیان کی مسافت چار فرسخ تھی۔ کنارے سے ہی بنی اسرائیل فرعون کی غرقابی کا منظر دیکھ رہے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ. اس سمندر کا نام بحر قلزم ہے۔ یہ بحر فارس کا ایک کنارہ ہے۔

قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ سمندر ہے جو مصر کے قریب ہے اور اس کو اساف کہتے ہیں۔ یہ بات مسلم ہے کہ فرعون کفر پر مرا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کے برخلاف کہا ہے۔ علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ ان کی بات قابل توجہ نہیں ہے۔

عبدالملک بن مروان کا قصہ

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ عبدالملک بن مروان نے جب مصعب ابن زبیر سے مقابلہ کے لیے خروج کا ارادہ کیا تو اس کی بیوی عاتکہ بنت یزید بن معاویہؓ نے اس بات کا اصرار کیا کہ وہ خود مقابلہ کے لیے نہ جائیں بلکہ کسی کو نائب بنا کر بھیج دیں اور اس نے اس بارے میں خوب ملامت کی۔ لیکن جب مروان نے اپنی بیوی کی بات نہیں مانی تو وہ رونے لگی اور اس کے قریب کے سب لوگ بھی اس کی عظمت کے باعث رونے لگے تو عبدالملک ابن مروان نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ کثیر (نام شاعر) کو خدا غارت کرے کہ جب وہ یہ شعر کہہ رہا تھا تو گویا وہ اس موقف کو دیکھ چکا تھا ؎

اذا ما اراد الغزو لم یثن همه   حصان علیها نظم ذریزینها

''جب کوئی جنگ کا ارادہ کرے اور اس کی ہمت اس میں نہ ہو اور گھوڑوں کا انتظام جنگ کے لیے نہ کیا گیا ہو تو اسے جنگ سے کنارہ کشی کرنی چاہیے۔''

نَهَتْهُ فَلَمَّا لَم تَرَالنَّهْیَ عَاقِبَةٌ   بکت فبکی مما شجاها قطینها

ترجمہ: ''اس کو روکا جب اس نے دیکھا کہ میری بات نہیں مانتا وہ رو پڑی اور اس کے ساتھ کے سب رو پڑے۔''

اور اگر بے انتظامی کے باوجود جنگ میں کود ے گا تو پھر اس جنگ کا انجام اسے زمانہ دراز تک رُلاتا رہے گا۔''

اس کے بعد عبدالملک نے اپنی بیوی کو قسم دی کہ وہ اپنے اصرار سے باز آ جائے اور مقابلہ کے لیے نکل پڑا۔ اس واقعہ کو خلکان نے عمدہ اور دلچسپ ترین واقعات میں شمار کیا ہے۔ جس طرح مامون الرشید کے اس واقعہ کو بہترین گردانتا ہے۔

مامون کا واقعہ

مامون جب پہلی رات کو بوران بنت حسن بن سہل کے پاس شب باشی کے لیے گیا تو اس کے لیے سونے سے بنی ہوئی چٹائی بچھائی گئی اور اس کے اوپر کثیر تعداد میں موتی بکھیر دیئے۔ مامون نے جب مختلف قسم کے موتی چٹائی پر بکھرے دیکھے تو کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ ابونواس کو قتل کرے۔ گویا اس نے اس حالت کا مشاہدہ کر کے وہ شعر کہا ہے جس میں شراب کے مٹکے کی تشبیہ بیان کی ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

کان کبری و صغری من فواقعها حصباء در علی ارض من الذھب

''کبریٰ اور صغریٰ گویا کہ وہ سنگریزے ہیں جو سونے کی زمین پر ڈال دیئے گئے ہیں۔''

یہ شعر ابونواس کی جانب بطور عیب منسوب کیا گیا ہے اور اس نے اس کے بارے میں بایں طور معذرت کی ہے کہ اس بیت میں لفظ من کو زائد قرار دیا ہے اور یہ بات ابوالحسن اخفش نحوی کے نزدیک جائز ہے کہ ضرورت کے باعث کسی کلام میں کسی لفظ کی زیادتی کی جاسکتی ہے۔ اور مثال میں اللہ تعالیٰ کے قول من جبال فیھا من برد کو پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ اصل میں یہ عبارت من جبال فیھا برد ہے۔

اَلْحَصُوْرُ

الحصور: اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے پیشاب کا سوراخ تنگ ہو۔ نیز اس مرد کو بھی کہتے ہیں جو عورت کے قریب نہیں جاتا۔

فائدہ: صاغانی نے عباب میں ذکر کیا ہے کہ مجھ سے میرے والد نے (اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے) مجھ سے ۵۹۰ سال قبل کی یہ بات معلوم کی اور میں اس وقت جوانی کی منزلیں طے کر رہا تھا اور عیش و عشرت کی زندگی گزار رہا تھا' والد محترم اکثر مجھے فائدہ مند باتیں اور نادر معلومات سے واقف کراتے رہتے تھے۔ وہ بہت ہی شریف الطبع شخص تھے۔ چنانچہ والد محترم نے اہل عرب کے اس قول کا مطلب پوچھا **قد اثر حصیر الحصیر فی حصیر الحصیر** (ترجیح دی حصیر کو حصیر میں) میں نے عرض کیا مجھے نہیں معلوم' تو آپ نے فرمایا کہ پہلے حصیر سے بادیہ (صحرا) مراد ہے اور دوسرے سے قید اور تیسرے سے پہلو اور چوتھے سے بادشاہ مراد ہے۔ یعنی بادشاہت کو چھوڑ کر صحرا نوردی اختیار کی اور نرم و گداز گدوں کو چھوڑ کر جیل کی زندگی کو ترجیح دی۔ مطلب یہ ہے کہ بڑی چیز کو چھوڑ کر چھوٹی چیزوں کے پیچھے پڑ گیا۔

حَضَاجِرُ

حضاجر: بجو کو کہتے ہیں۔ مذکر مؤنث دونوں کے لیے ایک ہی لفظ مستعمل ہے۔ اس کے پیٹ کی کشادگی کے باعث اس کو حضاجر کہتے ہیں۔ یہ لفظ معرفہ ہے شاعر نے اسی طرح استعمال کیا ہے ؎

ھلا غضبت لرجل جارک اذتنبذہ حضاجر

''تم کو اس وقت غصہ کیوں نہیں آیا اپنے پڑوسی کے اس طرز پر جبکہ وہ پھینک رہا تھا بجو کو تمہاری طرف۔''

ایک نحوی بحث

ابن سیدہ نے اس شعر کو اسی طرح پڑھا ہے اور جوہری نے معمولی سے تغیر کے ساتھ **ھلا غضبت لجار بیتک** پڑھا ہے۔ سیرانی کا خیال ہے کہ بجو کے لیے حضاجر لفظ جمع مبالغہ کے واسطے استعمال کیا ہے اور سیبویہ کہتا ہے کہ ہم نے اہل عرب کو **قَطَب. حضجور وَ اُوْطَبَ حضاجر** کہتے ہوئے سنا ہے۔ اس لیے یہ لفظ معرفہ اور نکرہ دونوں صورتوں میں غیر منصرف رہتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ اسم علم اور منقول عن الجمع ہے۔ علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہی وجہ زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

اَلْحَضَبُ

(اژدہا) بعض لوگوں کے نزدیک چھوٹے اور سفید سانپ کا نام اَلْحَضَبَ ہے۔

الحفان

الحفان: چوپاؤں کے بچوں کو کہتے ہیں۔ واحد کے لیے حَفَانَۃٌ آتا ہے۔ مذکر اور مؤنث کے لیے صرف ایک لفظ مستعمل ہے۔ کبھی صرف اونٹ کے بچوں کو بھی حفان کہتے ہیں۔

الحفص

الحفص: شیر کے بچے کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے بہادر شخص کو بھی حفص سے پکار لیتے ہیں۔

الحقم

الحقم: کبوتر جیسا ایک پرندہ ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ کبوتر ہی کو حقم بھی کہتے ہیں۔

الحلزون

الحلزون: ان کیڑوں کو کہتے ہیں جو سمندر اور دریاؤں کے کناروں پر واقع چھوٹی چھوٹی نالیوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ کیڑے غذا کی تلاش میں اپنا آدھا بدن باہر نکال کر دائیں اور بائیں غذا تلاش کرتے ہیں۔ اگر نرم مٹی اور رطوبت پاتے ہیں تو اس میں آ کر غذا حاصل کرتے ہیں اور اگر خشکی اور سختی دیکھتے ہیں تو باہر نہیں آتے بلکہ اپنے جسم کے مطابق اپنے رہنے کی جگہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جیسے جیسے ان کا حجم بڑھتا رہتا ہے اور ان کا مکان بھی اس کے مطابق بڑھتا رہتا ہے۔

حلزون کا شرعی حکم

یہ اپنے اندر پائے جانے والے خبث کے باعث حرام ہے۔ نیز آنحضور ﷺ نے سیپ کے استعمال سے روکا ہے اور یہ بھی از قبیل سیپ ہی ہے۔ ان میں سے بعض کو اَلدُّنَیْلَسُ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے متعلق باب الدال میں بحث کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

الحلكة والحلكاء والحكاء والحلكى

(حا پر ضمہ، فتحہ، کسرہ تینوں پڑھ سکتے ہیں) چھپکلی کے مشابہ ایک جانور ہوتا ہے جو ریت میں گھسٹ گھسٹ کر چلتا ہے۔

الحلم

الحلم: چیچڑی کو کہتے ہیں۔ واحد کے لیے حِلْمَۃٌ آتا ہے۔ جوہری کہتا ہے کہ جوں کی مانند ہوتا ہے۔ نیز حلم اس کیڑے کو بھی کہتے ہیں جو بکری کی کھال کے اوپر اور اندر پیدا ہو جاتا ہے اور کھال وہاں سے کمزور بنا دیتا ہے۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں حلم الادیم۔ کیڑا چمڑے کو کھا گیا نیز ولید بن عقبہ بن ابومعیط کا شعر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے ؎

فَاِنَّکَ وَالْکِتَابُ اِلٰی عَلِی کَدَابِغَۃٍ وَ قَدْ حَلِمَ الادیمَ

''تو اور کتاب ایسا بن گیا جیسا کہ چیچڑی چمڑے کو لپٹ کر رہ جاتی ہے (یعنی ہمیشہ مطالعہ میں لگا رہتا ہے)۔''

ابن سکیت کہتا ہے کہ حلم سے مراد دیمک ہے۔

حلم (چیچڑی) کا حدیث میں ذکر:

''حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی سواری کے کان سے چیچڑی چھڑانے سے منع فرماتے تھے۔''

ابوداؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ، سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام کو نماز پڑھائی تو اپنے جوتے اُتار کر بائیں جانب رکھ دیئے جب لوگوں نے آپؐ کا یہ عمل دیکھا تو سب نے اپنے جوتے اُتار دیئے۔ جب نماز مکمل ہو گئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے جوتے کیوں اُتار دیئے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جب ہم نے آپؐ کو نعلین مبارک اُتارتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی اپنے جوتے اُتار دیئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تو اپنے نعلین اس لیے اُتارے کہ حضرت جبرائیلؑ نے آکر یہ بتایا تھا کہ نعلین میں چیچڑی کا خون لگا ہوا ہے۔''

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ ''دم'' سے مراد اس حدیث میں معمولی دم ہے جو معاف ہے لیکن اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتوں کی نجاست سے بچنے کی خاطر اُتار دیئے تھے۔

فقھی مسئلہ: علماء نے ہر اس خون کو جو معمولی ہو اور بہتا نہ ہو معمولی قرار دیا ہے کتے اور خنزیر کے خون کے علاوہ، کیونکہ یہ دونوں جانور نجس العین ہیں۔ جو خون گوشت اور ہڈیوں پر لگا رہ جاتا ہے وہ پاک ہے، عموم بلویٰ کے تحت۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اس مسئلہ سے تعرض کیا ہے۔

ابواسحاق ثعلبی مفسر نے صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت سے اس بات کو نقل فرمایا ہے کہ اس خون میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

امام احمدؒ وغیرہ نے مزید صراحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ گوشت اور ہڈی پر لگا ہوا خون کا رنگ اگرچہ گوشت پر غالب آ جائے تو بھی معاف ہے۔

ابواسحاق نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے اور اس آیت سے استدلال کیا ہے: اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَۃً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا کہ اس آیت میں دم مسفوح کے کھانے سے روکا گیا ہے اور دم مسفوح اس خون کو کہتے ہیں جو بہنے والا ہو۔

اصمعی فرماتے ہیں کہ چیچڑی جب بالکل چھوٹی ہوتی ہے تو اس کو قمقامته کہتے ہیں۔ اس کے بعد حمناقة اور اس کے بعد قراد، پھر بالکل مکمل ہو جانے کے بعد حلم کہا جاتا ہے۔ ابوعلی فارسی نے یہ شعر کہا ہے ؎

و ما ذکر فاِن یکبر فانثنٰی شدید الازم لیس له ضروس

''اور نصیحت نہ پکڑی حالانکہ دانتوں میں دبا رکھا ہے گوشت کا سخت ٹکڑا اس حال میں داڑھ کا نام ونشان نہیں۔''

اکثر علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ضَرُسٌ کی جمع اضراسٌ آنی چاہیے۔ تمام دانت مؤنث مستعمل ہوتے ہیں سوائے اضراس اور انیاب کے۔

شرعی حکم

خبث کی وجہ سے حرام ہے۔

مزید تفصیل ان شاء اللہ باب القاف میں قراد کے تحت آئے گی۔

الامثال

اہل عرب کہتے ہیں قردان فما بال الحلم (جب دو چیچڑیاں ہوں تو پھر تحمل کیسے برتا جا سکتا ہے)۔

اور عربوں کا یہ مقولہ استنت الفصال حتی القرعی بھی اسی کے معنی میں ہے۔ یعنی ''اونٹ کے بچہ بھی جوان ہو گیا تا آنکہ چیچڑیاں بھی۔'' مطلب یہ ہے کہ کمزور اور چھوٹے بھی مقابلہ پر آ گئے۔

الحمَارُ الاھلیُّ

(گھریلو گدھا) الحمار الاھلی گدھے کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع حمیرُ حُمر اور اَحمرۃ آتی ہے۔ اس کی تصغیر حُمیر آتی ہے۔ تو یہ ابن حمیر صاحب لیلٰی کا نام اسی سے ہے۔ گدھے کی کنیت ابوزیاد اور ابوصابر آتی ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

زِیَادٌ لَسْتُ ادری من اَبُوْہ ولٰکِنَّ الحِمَّار اَبوزِیَادٌ

''زیادہ کے متعلق میں یہ نہیں جانتا کہ اس کا باپ کون ہے لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ گدھا ابوزیاد ہے۔''

گدھی کو بہت سے لوگ ام محمود اور ام تولب، ام جحش، ام وہب بھی کہتے ہیں علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ کوئی حیوان ایسا نہیں جو اپنے غیر جنس حیوان پر جفتی کرتا ہو۔ صرف گدھا اور گھوڑا ایسے جانور ہیں جو ایک دوسرے پر جفتی کرتے ہیں۔ گدھا تیس ماہ کی عمر میں قابل جفتی ہوتا ہے۔ گدھے اور گھوڑی کے باہم جفتی کرنے سے ایک ایسی نوع پیدا ہوتی ہے جو بہت زیادہ بوجھ اُٹھانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جس کو ہندوپاک میں خچر کہتے ہیں۔ گدھے کی ایک عجیب خاصیت یہ ہے کہ جب وہ شیر کی بو سونگھ لیتا ہے تو شدت خوف کے باعث نہایت پریشان ہو جاتا ہے اور بھاگنے لگتا ہے۔ گدھے کی اسی خاصیت کی وجہ سے حبیب بن اوس طائی نے عبدالصمد بن معدل کی ہجو کرتے ہوئے یہ شعر کہا ہے ؎

اقدمت ویحک مِنْ ھجوی عَلٰی خَطَرٍ وَالحمِیْرُ بقدِم من خوفٍ علی الاسد

''تیرا برا ہو کیا تو آ گئی اور میرے دل پر حملہ آور ہوئی۔ کیونکہ گدھا شیر پر اس وقت حملہ آور ہوتا ہے جب کہ وہ شیر سے خوف کھا رہا ہو۔''

گدھے کی تعریف اور مذمت میں لوگوں کی مختلف رائیں اور اقوال ہیں۔ چنانچہ خالد بن صفوان اور فضل بن عیسٰی الرقاشی گدھے کی سواری کو ترکی گھوڑوں کی سواری پر ترجیح دیتے تھے۔ خالد ابن صفوان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ایک مرتبہ بصرہ میں گدھے پر سوار ہو

کر جار ہے تھے کہ راستہ میں بصرہ کے چند شرفاء سے ملاقات ہوگئی۔ان شرفاء نے ان کو گدھے پر سوار دیکھ کر کہا کہ اے ابن صفوان یہ کیا ہے؟ ابن صفوان نے جواب دیا کہ یہ ایک پالتو گدھا ہے جو سستی نسل کا ہونے کے باوجود میری بار برداری کے کام آتا ہے اور کبھی کبھی میں اس پر سوار ہو کر عقبہ (دشوار گزار گھاٹیوں) سے بھی گزرتا ہوں۔ یہ بیمار کم پڑتا ہے۔ نیز اس کا علاج کم خرچ ہو جاتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ مجھے اس بات سے روکتا ہے کہ میں کہیں ظالم اور مفسد نہ ہو جاؤں۔

اسی طرح جب فضل بن عیسیٰ سے گدھے کی سواری کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ آپ گدھے پر کیوں سواری کرتے ہیں؟ تو فضل نے جواب دیا کہ گدھا سب سے ارزاں اور سب سے محنتی اور کارآمد جانور ہے۔

اتفاق سے فضل کی یہ تمام باتیں ایک اعرابی سن رہا تھا تو اس نے فضل بن عیسیٰ کو جواب دیا کہ گدھے کی سواری بدترین سواری ہے اور اس کی سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ نہ اس پر سوار ہو کر دشمن سے لڑا جا سکتا ہے اور نہ اس کو عورت کے مہر میں دیا جا سکتا ہے۔ نیز اس کی آواز نہایت مکروہ ہوتی ہے۔

عربی میں دستور ہے کہ جب کسی کی برائی یا ہجو کرنا مقصود ہوتا ہے تو وہ اس کو گدھے سے منسوب کرتے ہیں۔ عرب لوگ گدھے کا نام بھی اپنی زبان سے ادا کرنا پسند نہیں کرتے بلکہ ضرورتاً اس کی کنیت سے ذکر کرتے ہیں اور اگر کبھی اس کے نام کی اشد ضرورت ہو جاتی ہے تو بھی نام لینے سے احتراز کرتے ہیں اور کہتے ہیں ''الطویل الاذنین'' بڑے کانوں والا۔ اہل عرب کے نزدیک یہ آداب محفل کے خلاف ہے کہ اہل مروۃ (شرفاء کی مجلس) میں گدھے کا ذکر آئے۔ اس لیے وہ گدھے کی سواری میں عار محسوس کرتے ہیں۔

علامہ دمیریؒ جوہری کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ ''مروءۃ'' کا ترجمہ انسانیت ہے اور ابن فارس کے نزدیک ''مروءۃ'' کا مطلب رجولیت (مردانگی) ہے۔ بعض لوگوں نے صاحب مروءۃ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ شخص جو اپنے نفس کو بری باتوں سے بچائے اور بعض لوگوں کا بیان ہے کہ صاحب مروءۃ وہ شخص ہے جو اپنے زمانے اور اپنے ملک کے لوگوں کی چال چلے اور ان کی خوبیوں کو اختیار کرے۔ دارمی کے نزدیک مروءۃ کا اعتبار پیشہ کے لحاظ سے ہوتا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک مروءۃ آداب دین سے متعلق ہے۔ مثلاً محفل میں چلا کر بولنا یا سائل کو جھڑکنا' باوجود استطاعت کے کوئی نیک کام نہ کرنا یا کثرت سے ہنسنا اور قہقہہ لگانا وغیرہ۔

حدیث شریف میں حمار کا تذکرہ:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص امام سے پہلے سجدے سے سر اُٹھائے' ڈر ہے کہ خداوند تعالیٰ کہیں اسے گدھے کی شکل میں منتقل نہ کر دیں یا اس کا سر گدھے کے سر کی طرح ہو جائے۔'' (متفق علیه)

اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر اور اس کے جسم کو گدھے کا جسم بنا دیں گے۔ (واللہ اعلم) بہر حال اس حدیث میں مسخ کے جواز اور وقوع کی دلیل ہے (اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے) اور ایسا جب ہی ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا غصہ بہت بڑھ جائے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَاللّٰهِ مَنْ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ.

''کیا تمہیں خدا تعالیٰ کے اس سے بڑے عذاب کی اطلاع نہ دوں کہ جس پر خدا تعالیٰ کی لعنت اور غضب ہوا تو ان کو بندروں اور خنزیروں کی شکل میں مسخ کر دیا اور یہی معاملہ ان لوگوں سے کیا جو شیطان کی پرستش کرتے ہیں۔''

مذکورہ بالا حدیث بصراحت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کے اندر رکوع وسجدہ ودیگر ارکان کو امام سے پہلے ادا کرنا حرام ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''آنحضور ﷺ نے فرمایا جب تم گدھے کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو شیطان سے' کیونکہ گدھا شیطان کو دیکھ کر چلاتا ہے اور جب مرغ کی اذان سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کرو۔ کیونکہ مرغ فرشتہ کو دیکھ کر بولتا ہے۔''

(مرغ کا بیان ان شاء اللہ باب الدال میں آئے گا)

ایک عجیب حکایت

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ظفر کی کتاب النصائح میں دیکھا ہے کہ انہوں نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا کہ میں اندلس کے ایک سرحدی علاقہ میں گیا وہاں میری قرطبہ کے ایک نوجوان عالم فقیہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نوجوان عالم نے مجھ کو اپنی باتوں اور علمی تذکروں سے متاثر کرلیا۔ میں نے ایک دن ان کے سامنے یہ دُعا مانگی: **یا من قال واسئالو اللّٰہ من فضلہ** . ''اے وہ ذات پاک جس نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کیا کرو''۔

اس دُعا کو سن کر اس نوجوان عالم نے کہا کہ اگر آپ فرمائیں تو میں آپ کو اس آیت کے متعلق ایک عجیب قصہ سناؤں۔ میں نے جواب دیا کہ ضرور سنائیے۔ چنانچہ وہ بیان کرنے لگے کہ ہمارے بزرگوں کے حوالے سے یہ قصہ منقول ہے کہ ہمارے یہاں طلیطلہ کے دو راہب جو اپنے شہر میں بہت قابل قدر سمجھے جاتے تھے وہ تشریف لائے۔ وہ عربی زبان سے واقف تھے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے قرآن پاک اور فقہ کے ماہر تھے الغرض بزرگوں میں سے کسی نے ان کو اپنے یہاں ٹھہرالیا اور خوب خاطر مدارات کیں حالانکہ شہر کے لوگ ان کے متعلق کافی بدگمان تھے۔

وہ دونوں بوڑھے تھے چنانچہ کچھ عرصہ بعد ان میں سے ایک کا انتقال ہوگیا۔ مگر دوسرا سالہا سال ہمارے یہاں رہا۔ اتفاقاً ایک دفعہ وہ بھی بیمار پڑگیا۔ ایک دن میں نے اس سے پوچھا کہ تم دونوں کیوں مسلمان ہوگئے تھے اس کو میرا یہ پوچھنا بہت ناگوار معلوم ہوا۔ لیکن میں اس کے ساتھ بہت اخلاق سے پیش آیا اور پھر وہی سوال کیا۔ تو اس نے بیان کیا کہ اہل قرآن یعنی مسلمانوں کا ایک قیدی ایک کلیسا کی خدمت کیا کرتا تھا اور ہم دونوں اس کلیسا کی خانقاہ میں رہتے تھے۔ ہم نے اس قیدی کو اپنی خدمت کے لیے مانگ لیا وہ ہمارے پاس مدتوں رہا۔ اس طرح ہم نے اس سے عربی سیکھی اور چونکہ وہ تلاوت قرآن پاک کثرت سے کیا کرتا تھا اس لیے ہم کو بھی کافی آیتیں یاد ہو گئیں۔ ایک دن اس قیدی نے یہ آیت پڑھی **والسلوا اللّٰہ من فضلہ** پس میں نے اپنے ساتھی سے کہا جو مجھ سے زیادہ صائب اسرائے اور عقلمند تھا کہ تم نے سنا کہ یہ آیت کس چیز کی دعوت دے رہی ہے تو میرے ساتھی نے مجھے جھڑک دیا پھر ایک دن اس قیدی نے اس نے یہ آیت: **وَقَالَ رَبُّكُمُ ادعونی اَسْتَجِبْ لَكُمْ**. ''اور فرمایا تمہارے رب نے کہ مجھ سے دُعا مانگو میں قبول کروں گا'' تلاوت کی۔ میں نے یہ آیت سن کر پھر اپنے ساتھی سے کہا یہ آیت پہلی آیت سے بھی زیادہ بلیغ ہے۔ اس پر میرے ساتھی نے کہا کہ ہاں جو کچھ مسلمان کہتے ہیں وہی مجھ کو ٹھیک معلوم ہوتا ہے یعنی حضرت مسیح علیہ السلام نے جس نبی کی بشارت دی تھی وہ مسلمانوں ہی کے نبی ہیں۔

اس کے بعد ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ہم دونوں کھانا کھا رہے تھے اور وہ مسلمان قیدی کھڑا ہوا ہم کو شراب پلا رہا تھا کہ اچانک میرے منہ میں لقمہ اَٹک گیا۔ میں نے قیدی کے ہاتھ سے پیالہ لے لیا اور مزید شراب پینے سے انکار کردیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا یا رب! محمد (ﷺ) کہ آپ کا یہ فرمان ہے: **واسئلوا اللّٰہ من فضلہ** اور'' **ادعونی اَسْتَجِبْ لکم** '' اگر یہ نبی جن کے ذریعہ آپ کے یہ فرمان پہنچے ہیں برحق ہیں تو آپ مجھ کو پانی پلا دیں۔

بس یہ کہتے ہی اس خانقاہ کا ایک پتھر پھٹا اور اس میں سے پانی بہنے لگا۔ چنانچہ میں جلدی سے اُٹھ کر اس پتھر کے پاس پہنچا اور خوب

سیر ہو کر پانی پیا۔ جب میں پانی پی چکا تو پانی آنا بند ہو گیا۔ میرے پیچھے وہ مسلمان قیدی کھڑا ہوا یہ قصہ دیکھ رہا تھا اس وجہ سے اس کے دل میں اسلام کی طرف سے شک پیدا ہو گیا جب کہ میرے دل میں اسلام کے لیے رغبت اور یقین پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ میں نے یہ واقعہ اپنے ساتھی سے بیان کیا۔ اس کے بعد میں اور میرا ساتھی دونوں مسلمان ہو گئے۔ اگلے دن صبح کو وہ مسلمان قیدی ہمارے پاس آیا اور ہم سے اپنا مذہب اسلام چھوڑ کر عیسائی ہونے کی رغبت ظاہر کی۔ ہم دونوں نے اس کو جھڑک دیا اور اپنی خدمت سے علیحدہ کر دیا۔ مگر وہ عیسائی ہوئے بغیر نہ رہا اور کہیں جا کر مرتد ہو گیا۔

ہم دونوں اپنے معاملے میں پریشان تھے کہ کس طرح کہیں جا کر خلوص سے ہدایت حاصل کریں اور دین اسلام کو مضبوطی سے دلوں میں جما لیں۔ آخر کار میرے ساتھی نے جو مجھ سے زیادہ سمجھ دار تھا سوچ کر کہا کہ ہم کو انہی دعاؤں کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہیے۔ چنانچہ ہم نے اس خلجان سے نجات پانے کے لیے انہی دو آیتوں کو پڑھ پڑھ کر دعا مانگی اور دوپہر کے وقت سو گئے۔ میں نے خواب دیکھا کہ تین نورانی چہرے والے اشخاص ہماری خانقاہ میں داخل ہوئے اور ان تصویروں کی طرف جو خانقاہ میں رکھی ہوئی تھیں اشارہ کیا۔ اشارہ کرتے ہی وہ تصویریں محو ہو گئیں۔ پھر انہوں نے ایک تخت لا کر وہاں بچھا دیا۔ اس کے بعد انہی جیسی ایک اور جماعت جن کے چہروں اور سر سے نور ٹپک رہا تھا خانقاہ میں داخل ہوئیں۔ اس جماعت میں ایک صاحب اتنے حسین تھے کہ میں نے صورت شکل میں ان سے زیادہ حسین اور خوب صورت کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس تخت پر جلوہ افروز ہو گئے۔ میں ان کے سامنے آیا اور عرض کیا کہ کیا آپ سید المسیح ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں مسیح نہیں ہوں بلکہ ان کا بھائی احمد ﷺ ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ مسلمان ہو جاؤ۔ چنانچہ میں مسلمان ہو گیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں اور آپ ﷺ کی اُمت کے ملک میں جانا چاہتے ہیں۔ اس کی کیا سبیل ہو گی؟

آپ ﷺ نے یہ سن کر ایک شخص سے جو آپ ﷺ کے سامنے کھڑا تھا فرمایا: ''تم ان کے بادشاہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ ان دونوں مسلمانوں کو اس شہر میں جس میں کہ یہ جانا پسند کریں عزت و احترام کے ساتھ پہنچانے کا انتظام کرے اور اس قیدی کو جو مرتد ہو گیا ہے اس کو بلا کر تاکید کریں کہ وہ اپنے دین پر لوٹ آئے۔ اگر وہ انکار کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔''

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اپنے ساتھی کو جگا کر پورا خواب بیان کیا اور اس سے پوچھا کہ اب ہم کو کیا کرنا چاہیے؟ تو میرے ساتھی نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کشائش اور آسانی فرما دی ہے۔ کیا تو نے ان تصویروں کو نہیں دیکھا کہ ان کا کیا حال ہوا؟ میں نے جو نظر گھما کر تصویروں کی طرف دیکھا تو وہ واقعی محو ہو گئی تھیں۔ اس سے میرے ایمان میں اور ترقی ہو گئی۔

اس کے بعد میرے ساتھی نے کہا کہ چلو بادشاہ کے پاس چلتے ہیں۔ چنانچہ ہم بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ نے حسب دستور ہم کو تعظیم و تکریم کے ساتھ بٹھایا اور ہمارے آنے کا مقصد نہ سمجھ سکا۔ میرے ساتھی نے بادشاہ سے کہا کہ ہمارے اس مرتد قیدی (خدمت گار) کے بارے میں جو حکم آپ کو دیا گیا ہے اس کی تعمیل فرمائیے۔ یہ سنتے ہی بادشاہ کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور وہ کانپنے لگا۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو اس نے مرتد قیدی کو بلایا اور پوچھا کہ تو مسلمان ہے یا عیسائی؟ قیدی نے جواب دیا کہ میں عیسائی ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ تو اپنے پہلے دین پر لوٹ جا کیونکہ ہم کو ایسے شخص کی ضرورت نہیں ہے جو اپنے دین پر قائم نہ رہ سکے۔ قیدی نے جواب دیا کہ میں ہرگز مسلمان نہیں ہوں گا۔ یہ سن کر بادشاہ نے تلوار سے اس کی گردن اُڑا دی۔

پھر اس نے ہماری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جو شخص میرے اور تمہارے خواب میں آیا تھا وہ شیطان تھا لیکن تم کیا چاہتے ہو؟ ہم نے

کہا کہ ہم مسلمانوں کے ملک جانا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھا میں اس کا انتظام کردوں گا۔ مگر تم لوگوں سے یہ کہنا کہ ہم بیت المقدس جارہے ہیں۔ ہم نے کہا بہت اچھا ہم ایسا ہی کہیں گے۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہم لوگ آپ کے شہر میں آگئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب تم رات میں کتے کا بھونکنا اور گدھے کا چلانا سنو تو اللہ کی پناہ طلب کرو شیطان مردود سے۔ کیونکہ کتا اور گدھا ان بلاؤں کو دیکھ کر بولتے ہیں جنہیں انسان نہیں دیکھ پاتے اور جب رات کا وقت ہو جائے تو پھر گھروں میں سے بھی کم نکلو کیونکہ رات میں تکلیف دہ جانور اور کیڑے نکل آتے ہیں۔'' (رواہ النسائی والحاکم)

سنن ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قوم کسی ایسی مجلس سے اُٹھتی ہے جس میں ذکر خداوندی نہ ہو تو اس قوم کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی قوم مردار گدھے سے اُٹھے اور اس پر حسرت وندامت طاری ہو (یعنی ایسی مجلس کی شرکت جس میں ذکر خدا نہ ہو شریک ہونے والوں کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے موجب حسرت رہے گی)۔'' (الحاکم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدترین گدھا وہ ہے جو سیاہ رنگ کا اور کوتاہ قد کا ہو۔'' (تاریخ نیشاپور۔ کامل ابن عدی)

تعشیر حمار

جوہری کہتے ہیں کہ تعشیر حمار سے مراد گدھے کی وہ دس آوازیں ہیں جو وہ دم گھونٹ گھونٹ کر نکالتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں کا دستور تھا کہ جب کبھی وہ ایسے شہر میں داخل ہوتے جہاں کوئی وباء پھیلی ہوئی ہوتی تو وہ اس شہر میں داخل ہونے سے پہلے دس مرتبہ گدھے کی طرح ہنچوں ہنچوں کی آواز نکالتے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ ایسا کرنے سے وہ اس وباء سے محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ اسی بارے میں کسی شاعر کا کہنا ہے ؎

لَعُمْرِیْ لَئِنْ عَشَرْتُ مِنْ خِیْفَةِ الرَّدٰی نِهَاقَ حِمَارٍ اَنَّنِیْ لَجَزُوْعٌ

''قسم ہے اپنی جان کی اگر میں موت کے ڈر سے دس مرتبہ گدھے کی آواز نکالوں تو بے شک میری جانب سے یہ انتہائی بے صبری کا اظہار ہوگا۔''

دوسری حکایت

مسروق کا بیان ہے کہ کسی گاؤں میں ایک شخص کے یہاں تین جانور پلے ہوئے تھے یعنی گدھا، کتا اور مرغا۔ مرغا اس کو صبح کی نماز کے لیے جگاتا۔ کتا اس کے گھر کا پہرہ دیتا اور گدھے پر وہ پانی اور اپنا ڈیرہ وغیرہ لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا۔ ایک دن ایک لومڑی آئی اور اس کے مرغ کو پکڑ کر لقمہ بنا گئی۔ گھر والوں کو مرغ کے مرجانے سے کافی رنج وغم ہوا۔ مگر مرد چونکہ ایک نیک شخص تھا اس لیے اس نے کہا کہ اس میں بھی اللہ کی کوئی بہتری ہوگی۔ اس کے بعد ایک دن بھیڑیا آیا اور اس نے گدھے کا پیٹ چیر دیا جس سے وہ مرگیا۔ مگر مرد نے پھر بھی یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں بھی ہمارے لیے کوئی بہتری ہوگی۔ اس کے بعد کچھ دن بعد کتا بھی بیمار ہو کر مر گیا۔ مرد نے پھر بھی وہی الفاظ کہے۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ صبح کو جب وہ سو کر اُٹھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے آس پاس کے سبھی پڑوس والے گرفتار کر لئے گئے ہیں۔

ان کی گرفتاری کی وجہ یہ تھی کہ ان کے یہاں جو جانور پلے ہوئے تھے ان کی آوازوں سے حاکم وقت کو تکلیف ہوتی تھی۔ لہٰذا اس مردِ صالح کے ان تینوں جانوروں کے مرنے میں اللہ تعالیٰ کی یہ مصلحت تھی کہ وہ گرفتار نہ ہو سکے۔ اس واقعہ سے یہ بات واضح ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کے رموز کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل پر راضی ہوتا ہے۔

تیسری حکایت: بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ابو سبرۃ النخعی سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص یمن سے آرہا تھا۔ راستہ میں اس کا گدھا مرگیا تو اس نے وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی اور یہ دُعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی جِئْتُ مُجَاهِدًا فِیْ سَبِیْلِکَ وابتغاء مرضاتک وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّکَ تُحْیِی الْمَوْتٰی وَتَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُورِ لا تَجْعَلْ لِاَحَدٍ عَلَیَّ الْیَوْمَ مِنَّةً اَسْئَالُکَ اَنْ تَبْعَثَ لِیْ حِمَارِیْ.

''یا اللہ میں تیری راہ میں جہاد کرنے آیا تھا اور اس سے میرا منشاء آپ کی خوشنودی حاصل کرنا تھی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے اور اہل قبور کو ایک دن زندہ کر کے اُٹھائے گا آج تو مجھے کسی کا احسان مند نہ کرنا۔ لہٰذا میں تجھ سے دُعا کرتا ہوں کہ تو میرے گدھے کو زندہ فرما دے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمالی اور اس کا گدھا کان ہلاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

بیہقی کہتے ہیں کہ اس قصہ کے اسناد صحیح ہیں۔ علامہ دمیریؒ کہتے ہیں کہ مردوں کا زندہ کرنا صاحب شریعت کے لیے ایک معجزہ ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اُمت محمدیہ میں ایسے نفوس قدسیہ بھی موجود ہیں کہ جن کی دُعاؤں سے مردہ بھی زندہ ہو جاتے ہیں۔

شعبی کہتے ہیں کہ میں نے اس گدھے کو بازار میں بکتے ہوئے دیکھا ہے۔ لوگوں نے اس کے مالک سے کہا کہ کیا تو ایسے گدھے کو بیچنے کا ارادہ کر رہا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تیری خاطر زندہ کر دیا تھا۔ مالک نے جواب دیا کہ اگر اس کو فروخت نہ کروں تو کیا کروں۔ اس پر ایک شخص نے تین اشعار کہے جن میں سے ایک شعر مجھے یاد ہے اور وہ یہ ہے ؎

وَ مِنَّا الَّذِیْ اَحْیَا الْاِلٰهُ حِمَارَهٗ   وَ قَدْ مَاتَ مِنْهُ کُل عَضْوٍ مَفْصَلٍ

ترجمہ: ''اور ہم میں سے کچھ ایسے بھی (افراد) ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے ان کے گدھے میں ایسی جان ڈال دی جیسا کہ ایک نبی کے گدھے میں ڈال دی گئی تھی۔ حالانکہ اس گدھے کے ایک ایک عضو اور جوڑ سے جان نکل گئی تھی۔''

اس گدھے والے کا نام نباتۃ بن یزید النخعی تھا۔

اللہ تعالیٰ کلام پاک میں فرماتے ہیں: وَ اِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی. ''اے میرے رب مجھ کر دکھلا دیجئے کہ آپ مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں'' اس آیت شریفہ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں جو بغرض افادہ ذیل میں درج ہیں:

(۱) حسن، قتادہ اور عطاء خراسانی، ضحاک اور ابن جریج رحمہم اللہ کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال کا سبب یہ ہے کہ آپ کا گزر ایک مردہ جانور پر ہوا (بقول ابن جریج وہ ایک گدھے کی لاش تھی جو دریا کے کنارے پڑی ہوئی تھی اور بقول عطاء وہ دریا بحر طبریہ تھا) اور لاش کو خشکی وتری کے جانوروں نے آپس میں بانٹ رکھا تھا۔ جب دریا موج مارتا تو مچھلیاں اور دوسرے دریائی جانور اس کو کھاتے اور جب دریا سمٹ جاتا تو خشکی کے درندے اس سے شکم سیر ہوتے۔ پرندوں کے کھانے سے جو بچ جاتا وہ ہوا میں اُڑ جاتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کیفیت دیکھ کر تعجب ہوا اور عرض کیا: اے میرے رب! میں جانتا ہوں کہ آپ اس لاش کے تمام اجزاء کو خشکی کے درندوں، پانی کے جانوروں اور پرندوں کے پوٹوں سے نکال کر پھر جمع فرما دیں گے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ

آپ کیسے زندہ فرمادیں گے۔اس طرح میرا علم عین الیقین میں بدل جائے گا کیونکہ مثل مشہور ہے:''شنیدہ کے بود مانند دیدہ''یعنی خبر سے مشاہدہ اور معائنہ جیسا یقین حاصل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خواہش پر اظہار ناپسندیدگی فرمایا اور کہا کہ کیا تم مجھ پر ایمان نہیں رکھتے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کیوں نہیں، بے شک میں آپ پر یقین اور ایمان رکھتا ہوں۔مگر یہ خواہش صرف اس لیے ہے کہ میرا دل مطمئن ہو جائے اور میرا یقین عین الیقین میں بدل جائے۔

بعض شعراء عرب نے اسی مفہوم کو بڑے اچھے انداز میں ان شعروں میں بیان کیا ہے ۔

لَئِنْ كَلَّمْتُ بِالتَّفْرِيْقِ قَلْبِیْ فَاَنْتَ بِخَاطِرِیْ اَبَدًا مُقِيْمٌ

''اگر میرے دل میں تجھ سے جدائی کا کوئی خیال بھی آئے (تو اس سے کیا ہوتا ہے کیونکہ) تو تو ہمیشہ سے میرے دل میں مقیم ہے۔''

وَلٰكِنَّ لِلْعَيَانِ لَطِيْفُ مَعْنًى لَهٗ سَأَلَ الْمُعَايَنَةَ الْكَلِيْمُ

''لیکن آنکھیں تیرے دل میں رہنے کے باوجود دیدار کا مطالبہ ایسے ہی کرتی ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر آواز خدا سننے کے بعد خدا تعالیٰ سے رویت کی درخواست کی تھی۔''

(۲) بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال کا سبب یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے مناظرہ کے وقت یہ دلیل پیش کی تھی کہ''ربی الذی یحیی ویمیت''یعنی میرا رب وہ ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے تو نمرود نے جواب دیا کہ میں بھی موت اور حیات پر قدرت رکھتا ہوں۔اور اس کے ثبوت میں اس نے قید خانہ سے دو شخصوں کو بلا کر ایک کو رہا کر دیا اور ایک کو ہلاک کر دیا اور کہنے لگا کہ دیکھو میں نے ایک کو مار دیا ہے اور دوسرے کو زندگی دے دی۔اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب تو جسد مردہ کو زندگی بخشتا ہے اور تو نے تو زندہ کو زندہ چھوڑ دیا اور کہہ دیا کہ میں نے زندگی دے دی۔نمرود نے یہ سن کر کہا کیا آپ نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ تو اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام لاجواب ہو گئے۔اور دوسری حجت طلوع آفتاب کی پیش کر کے اس کو خاموش کر دیا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ احیاء موتی کا منظر مجھے دکھا دیا جائے اور جب اللہ تعالیٰ نے اس پر سوال کیا کہ کیا تجھ کو مجھ پر ایمان نہیں ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ بے شک میں ایمان رکھتا ہوں مگر میں اس لیے دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ میرا دل میری دلیل کی مضبوطی پر مطمئن ہو جائے اور جب پھر بھی نمرود مجھ سے یہ سوال کرے گا تو میں جواب میں کہہ سکوں کہ ہاں میں نے اپنی آنکھوں سے احیاء موتی کا منظر دیکھا ہے۔

حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنالیا تو ملک الموت نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ میں حضرت ابراہیم کو جا کر یہ خوشخبری سنا آؤں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اجازت دے دی تو ملک الموت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔مگر اس وقت حضرت خلیل اللہ گھر پر موجود نہ تھے اس لیے ملک الموت آپ کے انتظار میں وہیں بیٹھ گئے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ انتہائی غیور تھے لہٰذا جب آپ گھر تشریف لائے اور ایک غیر شخص کو وہاں موجود پایا تو آپ اس کو پکڑنے کے لیے دوڑے اور پوچھا تو کون ہے اور کس کی اجازت سے گھر میں داخل ہوا ہے؟ ملک الموت نے جواب دیا کہ مجھ کو اس گھر کے مالک نے اجازت دی ہے۔اس جواب سے آپ نے پہچان لیا کہ یہ کوئی فرشتہ ہے اور فرمانے لگے کہ یہ سچ ہے۔

اس کے بعد فرشتہ نے عرض کیا کہ میں ملک الموت ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کو یہ خوشخبری سنانے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل بنالیا ہے۔ ملک الموت سے یہ خوشخبری سن کر آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور پوچھا کہ اس کی نشانی کیا ہے؟ ملک الموت نے جواب دیا کہ اس کی نشانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمالی ہے اور آپ کے کہنے سے مردہ کو زندہ فرمادیں گے۔ اس پر ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ ''رب ارنی کیف تحیی الموتی'' کا سوال کیا۔

بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل فرمائی ہے:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ مبتلائے شک ہو سکتے ہیں جب کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ اے اللہ مجھے دکھا دیجئے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے؟ اس پر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم کیا تمہیں ہمارے زندہ کرنے پر یقین نہیں ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ کیوں نہیں یقین تو بھرپور ہے لیکن میں اپنے دلی اطمینان کے لیے چاہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ لوط پیغمبر پر رحم فرمائے جب انہوں نے حالات کی شدت سے گھبرا کر ایک مضبوط سہارے کی تمنا کی تھی اور میں بھی اگر اتنے زمانے قید خانے میں گزارتا جتنی لمبی مدت یوسف علیہ السلام رہے تو البتہ شاہی فرستادہ کی دعوت کو بلا تامل قبول کر لیتا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ''نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّکِّ مِنْ اِبْرَاهِیْم'' کے بارے میں مزنی کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بارے میں شک کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے بلکہ شک سے مراد اس بارے میں یہ شک تھا کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ سے مردے کو زندہ کرنے کی دعا مانگیں تو وہ قبول بھی کریں گے یا نہیں!

خطابی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں آپؐ کا اپنی ذات خاص پر شک کا اعتراف ہے نہ کہ ابراہیم علیہ السلام پر۔ لیکن دونوں کی جانب سے نفی شک کرنا بھی مقصود ہے۔ یعنی آپؐ کا مطلب یہ ہے کہ جب میں اللہ تعالیٰ کی احیاء موتی کی قدرت پر شک نہیں کرتا ہوں تو ابراہیم علیہ السلام تو شک نہ کرنے میں مجھ سے اول نمبر پر تھے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محض از راہ تواضع و کسر نفسی کے فرمایا اور یہی کسر نفسی آپؐ کے قول میں کارفرما ہے جو آپؐ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا تھا۔

اس حدیث شریف سے آپؐ یہ خبر دینا چاہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سوال بوجہ شک نہیں تھا بلکہ زیادتی فی الیقین حاصل کرنے کی غرض سے اس کی ضرورت پیش آئی۔ کیونکہ جو معرفت اور طمانیت مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے وہ استدلال سے نہیں ہوتی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو کچھ مسلمان کہنے لگے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا مگر ہمارے نبی نے شک نہیں کیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضعاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت کو بیان کرنے کے لیے یہ قول فرمایا۔ اس آیت کے متعلق مزید مضمون ان شاء اللہ باب الطاء میں لفظ طیر کے ضمن میں آئے گا۔

فائدہ: اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ کَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمْ یَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ وَلِنَجْعَلَکَ. (الایۃ)

''یا تم کو اس طرح کا قصہ معلوم ہے جیسے ایک شخص تھا کہ ایک بستی پر ایسی حالت میں اس کا گزر ہوا کہ اس بستی کے مکانات مع اپنی چھتوں کے گر گئے تھے۔ کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو کیسے آباد کریں گے؟ اس کے ویران ہونے کے بعد سو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو سو برس تک مردہ رکھا۔ پھر اس کو زندہ کر کے اُٹھایا اور پوچھا کہ تو کتنی مدت تک اس حالت میں رہا۔ اس شخص

نے جواب دیا کہ ایک دن رہا ہوں گا یا ایک دن سے بھی کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تو سو برس رہا ہے۔ تو اپنے کھانے پینے کی چیز دیکھ لے کہ نہیں سڑی گلی اور اپنے گدھے کی طرف نظر کرتا کہ ہم تجھ کو نظیر لوگوں کے لیے بنا دیں۔''

اس آیت کا عطف ماقبل والی آیت پر ہے۔ مفسرین اور اہل سیر کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ مار یعنی گزرنے والا شخص جو اس آیت میں مذکور ہے کون تھا؟ وہب ابن منبہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت ارمیاء بن حلقیا علیہ السلام تھے جن کا تعلق ہارون کے خاندان سے تھا۔ لیکن عکرمہ' قتادہ اور ضحاک کے نزدیک یہ حضرت عزیر بن شرخیاء علیہ السلام تھے۔

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ زیادہ صحیح قول عکرمہ اور قتادہ وغیرہ کا ہی ہے۔ لیکن مجاہد کا کہنا ہے کہ کوئی کافر شخص تھا جو کہ بعثت قیامت کے دن دوبارہ اُٹھائے جانے پر) میں شک کیا کرتا تھا۔ اسی طرح بستی کے بارے میں بھی ان لوگوں کا اختلاف ہے کہ یہ کون سی بستی تھی جس پر کوئی گزرنے والا گزرا تھا۔ چنانچہ وہب' قتادہ' عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس بستی سے مراد بیت المقدس ہے۔ جب کہ ضحاک اس سے مراد ارض مقدس لیتے ہیں۔ لیکن کلبی نے اس مراد دیر سابر آباد لیا ہے سدی نے کہا کہ وہ بستی ''سلمایاذ'' ہے اور بعض نے دیر ہرقل کہا ہے۔ اور بعض لوگوں کے قول کے مطابق یہ وہ بستی تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہلاک کیا جو اپنے گھروں سے نکلے تھے جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور کچھ نے اس سے مراد قریہ عنب لیا ہے جو بیت المقدس سے دو فرسخ کے فاصلہ پر واقع تھی اور اس وقت ویران تھی۔ جن لوگوں نے گزرنے والا حضرت ارمیاء علیہ السلام کو مانا ہے اور قریہ سے مراد بیت المقدس لیا ہے اور اس بستی کے ''خاویة علی عروشها'' ہونے کا سبب وہ بتلاتے ہیں جو محمد ابن اسحٰق صاحب السیر ۃ نے ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاء علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے بادشاہ ناشیہ بن انوص کی جانب مبعوث فرمایا تھا تا کہ وہ اس کی اصلاح فرمائیں اور اللہ کے احکام ان تک پہنچائیں۔

آپ بنی اسرائیل پر بطور منتظم بھیجے گئے تھے تا کہ ان کو بادشاہ وقت کی اور بادشاہ کو نبی وقت کی اطاعت کی ترغیب دیتے رہیں۔ لہٰذا آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف جو احکام پہنچتے آپ اس کو بتلا دیتے اور حکومت میں مناسب مشورہ اور ہدایت فرماتے۔ لیکن جب بنی اسرائیل بدعات میں ملوث ہو گئے اور کثرت سے گناہ کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاء علیہ السلام پر وحی بھیجی اور حکم دیا کہ وہ جا کر بنی اسرائیل کو سمجھائیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جن نعمتوں اور انعامات سے نوازا ہے وہ ان کو یاد دلائیں۔ چنانچہ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ایک مؤثر تقریر ان کے سامنے فرمائی جس کو اللہ تعالیٰ نے بطور الہام آپ کے دل میں اُتار دیا تھا۔ اس تقریر میں اطاعت کرنے پر ثواب اور گناہوں پر عذاب کا وعدہ اور وعید تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان تھا کہ میں اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم گناہوں سے باز نہیں آؤ گے تو میں تم کو ایسی سخت مصیبت میں مبتلا کروں گا کہ بڑے بڑے حکماء بھی اس پر حیران اور پریشان ہو جائیں گے اور تم پر ایک جابر و ظالم شخص کو مسلط کر دوں گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی رحم نہ ہو گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاء علیہ السلام کو بذریعہ اطلاع دی کہ میں یافث میں رہنے والے اسرائیلوں کو ہلاک کرنے والا ہوں (یافث سے مراد اہل بابل ہیں اور یہ لوگ یافث ابن نوح کی اولاد میں سے ہیں)۔ حضرت ارمیاء نے جب یہ فرمان خداوندی سنا تو رونے اور چلانے لگے اور اپنے کپڑے پھاڑ کر سر پر خاک ڈالنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حالت دیکھ کر حضرت ارمیاء علیہ السلام سے بذریعہ وحی معلوم کیا کہ کیا تم کو میری بات گراں گزری ہے؟ حضرت ارمیاء نے جواب میں کہا کہ اے میرے رب! بے شک یہ حکم میرے اوپر شاق گزرا۔ اے میرے رب! بنی اسرائیل کو عذاب میں مبتلا کرنے سے پہلے مجھے موت دے دے کیونکہ مجھ کو ان کی تباہی پسند نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاء علیہ السلام پر پھر وحی بھیجی اور مطلع کیا کہ اپنی عزت کی قسم! میں بنی اسرائیل کو اس وقت ہلاک نہیں کروں گا جب تک کہ تم خود مجھ سے ان کی ہلاک کی استدعا نہ کرو۔

حضرت ارمیاء یہ سن کر بہت مسرور ہوئے اور کہنے لگے اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی برحق بنا کر بھیجا' میں کبھی بھی اسرائیل کی ہلاکت پر رضا مند نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد آپ بادشاہ وقت کے پاس جو ایک صالح مرد تھا تشریف لے گئے اور اس کو یہ خوشخبری سنائی۔ بادشاہ بھی اس بشارت سے خوش ہوا اور کہنے لگا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہلاک کرے تو یہ ہمارے گناہوں کی سزا ہے اور اگر معاف کرے تو یہ اس کی رحمت ہے۔

اس کے بعد تین سال گزر گئے مگر بنی اسرائیل کی اصلاح نہ ہوئی اور ان کی نافرمانیاں بڑھتی گئیں۔ بادشاہ وقت نے بار بار اس کی کوشش کی کہ بنی اسرائیل توبہ کرلیں مگر چونکہ ان کی ہلاکت کا وقت قریب آرہا تھا اس لیے انہوں نے بادشاہ کی ایک نہ سنی بلکہ مزید گناہوں میں ملوث ہوگئے۔ اس عرصہ میں وحی آنا بھی کم ہوگیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر شاہ بابل کو مسلط کرنے کا حکم فرمادیا۔ چنانچہ بخت نصر نے ساٹھ لاکھ فوج سے بیت المقدس پر حملہ کردیا۔ جب بادشاہ کو خبر ہوئی تو اس نے حضرت ارمیاء علیہ السلام سے کہا کہ آپ کا وہ دعویٰ کہاں گیا جو آپ نے مجھ سے کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے بنی اسرائیل کو ہلاک نہ کرنے کا وعدہ کرلیا ہے۔ مجھے تو وعدہ خلافی ہوتی نظر آرہی ہے۔ حضرت ارمیاء علیہ السلام نے جواب دیا کہ میرا رب ہرگز وعدہ خلاف نہیں ہوسکتا۔ مجھے اس کے وعدے کی سچائی پر پورا یقین ہے۔ جب بخت نصر کے حملہ کا وقت قریب آگیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کسی اسرائیلی مرد کی صورت میں حضرت ارمیاء علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ آپ نے اس سے پوچھا تو کون ہے اور کس لیے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک اسرائیلی ہوں اور آپ سے اپنے اہل خاندان کے بارے میں فتویٰ لینے آیا ہوں۔ میں ان کے ساتھ نہایت نرمی اور اکرام سے پیش آتا ہوں مگر وہ مجھ سے غلط برتاؤ کرتے ہیں اور میری نیکی کا بدلہ بدی سے دیتے ہیں۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ تم ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتے رہو۔ کیونکہ اسی میں تیری بھلائی ہے۔ یہ سن کر فرشتہ چلا گیا۔

کچھ عرصہ بعد وہ فرشتہ اسی اسرائیلی مرد کی صورت میں آپ کے پاس پھر حاضر ہوا اور وہی شکایت کی۔ آپ نے سوال کیا تو کون ہے؟ فرشتہ نے جواب دیا کہ میں وہی ہوں اور ایک مرتبہ آپ کے پاس پہلے بھی آچکا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا ابھی تک ان لوگوں نے تیرے ساتھ اخلاق کا برتاؤ نہیں کیا؟ فرشتے نے جواب دیا کہ نہیں! تو آپ نے اس کو وہی نصیحت فرمائی۔ اور کچھ دنوں کے بعد بخت نصر نے بیت المقدس کا محاصرہ کرلیا۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل پریشان ہوگئے۔ اور بادشاہ پھر حضرت ارمیاء علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایفائے عہد کا سوال کیا۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ میرا رب وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ یہ سن کر بادشاہ واپس چلا گیا۔

جب بادشاہ واپس چلا گیا تو وہ فرشتہ پھر تیسری بار حاضر ہوا۔ اس وقت آپ بیت المقدس کی دیوار پر بیٹھے ہوئے نصرت الٰہی کے انتظار میں ہنس رہے تھے اور خوشیاں منا رہے تھے۔ فرشتہ کو دیکھ کر آپ نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں وہی اسرائیلی ہوں اور اس سے پہلے بھی دو مرتبہ آپ کے پاس آچکا ہوں۔ میں نے اب تک تو اپنے اہل خاندان کی بدسلوکیاں برداشت کیں مگر اب برداشت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ آج میں نے ان کو ایسی حرکات کرتے دیکھا ہے جو حکم خدا کے بالکل خلاف ہیں۔ یہ حرکات دیکھ کر مجھے ان پر بے حد غصہ آیا اس لیے میں آپ کے پاس آیا ہوں اور میں اس ذات کے واسطہ سے جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے' آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ ان کی ہلاکت کی دُعا کر دیجئے۔ چنانچہ حضرت ارمیاء علیہ السلام نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھالیا اور کہا کہ اے مالک ارض وسماء اگر یہ لوگ حق اور صواب پر ہوں تو ان کو زندہ رکھ اور اگر وہ تیری مرضی کے خلاف کام کر رہے ہوں تو تو ان کو ہلاک کردے۔

یہ دُعا ختم ہی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس پر آسمان سے بجلی گرائی جس سے بیت المقدس کے آس پاس کے مکانات منہدم

ہو گئے اور بیت المقدس کے سات دروازے زمین میں دھنس گئے۔ حضرت ارمیاء علیہ السلام نے جب یہ منظر دیکھا تو اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے رب العزت تیرا وعدہ جو تو نے مجھ سے کیا تھا کہاں گیا؟ تو آسمان سے ندا آئی کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ ہوا ہے وہ آپ ہی کے فتویٰ اور دعا کی وجہ سے ہوا ہے۔ اب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ میری ہی بددُعا کی وجہ سے ہوا اور یہ کہ وہ سائل جو بار بار میرے پاس آتا تھا وہ انسان نہیں بلکہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ تھا۔ اس کے بعد حضرت ارمیاء علیہ السلام اس بستی سے فرار ہو گئے اور جنگلی جانوروں کے ساتھ بودوباش اختیار کر لی۔

اس کے بعد بخت نصر بیت المقدس میں داخل ہو گیا اور ملک شام کو نیست ونابود کر کے بنی اسرائیل کو قتل کر ڈالا اور بیت المقدس کو اُجاڑ ڈالا اور اپنے لشکر کو حکم دیا کہ ہر ایک سپاہی اپنی اپنی ڈھال میں مٹی بھر کر بیت المقدس پر ڈال دیں۔ چنانچہ انہوں نے حکم کی تعمیل کے طور پر بیت المقدس کو مٹی سے آنٹ دیا۔ پھر بخت نصر نے حکم دیا کہ بیت المقدس کے دوسرے شہروں میں جس قدر آدمی (بچے، بوڑھے جوان) ہوں ان کو اکٹھا کر کے لاؤ۔ چنانچہ چھوٹے بڑے تمام لوگ اکٹھا کر کے اس کے سامنے پیش کر دیئے گئے۔ بخت نصر نے ان میں سے ستر ہزار لڑکے منتخب کر کے اپنے مددگار بادشاہوں میں جو اس کے ساتھ تھے تقسیم کر دیئے۔ ہر ایک کے حصہ میں چار چار غلام آئے۔ ان غلاموں میں حضرت دانیال علیہ السلام اور حانیا بھی تھے۔ باقی ماندہ قیدیوں کو بخت نصر نے تین حصے کیے ایک حصہ کو قتل کروا دیا اور دوسرے حصے کو غلام بنالیا اور تیسرے حصہ کو ملک شام میں آباد کر دیا۔ یہ پہلا حادثہ تھا جو بنی اسرائیل پر ان کے گناہوں کے سبب سے نازل ہوا۔

جب بخت نصر اسرائیلی قیدیوں کو لے کر بابل واپس چلا گیا تو حضرت ارمیاء علیہ السلام اپنے گدھے پر سوار ہو کر چلے اور ایک مشکیزہ انگور کے عرق کا اور ایک انجیر کی ٹوکری اپنے ساتھ لے لی۔ جب آپ شہر ایلیاء میں پہنچے تو آپ نے اس کے ویرانہ کو دیکھ کر فرمایا: **انی یحیی هذه الله بعد موتها.** ''یعنی اللہ تعالیٰ اس بستی کو اس کی ویرانی کے بعد کیسے زندہ کرے گا۔''

پھر آپ اپنے گدھے کو ایک نئی رسی سے باندھ کر لیٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نیند طاری فرما دی۔ آپ سو برس تک برابر سوتے رہے۔ اسی عرصہ میں آپ کا گدھا بھی مر گیا۔ مگر آپ کے انجیر اور انگور کا پانی جوں کا توں تر وتازہ رکھے رہے۔ ان میں کسی قسم کی سڑن یا بدبو وغیرہ پیدا نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام آنے جانے والوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔ لہٰذا اس سو سال کے عرصہ میں کوئی بھی آپ کو نہ دیکھ سکا اور پرندوں درندوں وغیرہ کو گدھے کا گوشت کھانے سے روک دیا تھا۔ جب آپ کو سوتے ہوئے ستر برس گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ملک فارس کے ایک بادشاہ جس کا نام نوشک تھا۔ بیت المقدس کو آباد کرنے کے لیے بھیج دیا۔ چنانچہ نوشک ایک ہزار منتظم لے کر آیا۔ ہر منتظم کے زیر نگرانی ایک ایک ہزار مسلمان تھے۔ چنانچہ تعمیر شروع ہوگئی اور تیس سال کے عرصے میں یہ شہر بالکل آباد ہو گیا اور اسی عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے بخت نصر کو مچھر کے ذریعہ ہلاک کر دیا جو اس کی ناک میں گھس کر اس کے دماغ میں سرایت کر گیا تھا۔ بنی اسرائیل جو اس کی قید میں تھے تعداد میں کافی ہو گئے تھے۔ اس لیے اس کی موت کے بعد وہ پھر سے اپنے وطن واپس آ گئے اور ان کی حالت پہلے سے بہتر ہوگئی۔ جب سو برس پورے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاء علیہ السلام کی سب سے پہلے آنکھیں کھولیں اور باقی جسم کو بے حس رکھا۔ اس کے بعد باقی جسم میں بھی جان ڈال دی۔

حضرت ارمیاء نے اپنے گدھے پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ اس کے تمام اعضاء گل سڑ گئے ہیں اور کھوکھلی ہڈیوں پر سفیدی چھا گئی ہے۔ پھر آسمان سے ایک ندا آئی کہ اے کھوکھلی ہڈیو! اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک جگہ جمع ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ ہڈیاں جمع ہو گئیں۔ دوسری آواز پر ان ہڈیوں پر گوشت و پوست چڑھ گیا اور تیسری آواز پر اس کے جسم میں روح پڑ گئی اور گدھا زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور بولنے لگا۔ حضرت ارمیاء علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حیات جاوید عطا فرمائی۔ جنگلوں اور ویرانوں میں جو لوگوں کو نظر آتے ہیں وہ آپ ہی ہیں۔

جن لوگوں نے اس قصہ کو حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے ان کا بیان یہ ہے کہ بخت نصر بیت المقدس کو ویران کر کے اور بنی اسرائیل کو قید کر کے بابل لے گیا تو ان قیدیوں میں حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت دانیال علیہ السلام بھی تھے۔ پھر جب کبھی حضرت عزیر علیہ السلام کو بخت نصر کے ملک بابل کی قید سے نجات ملی تو آپ اپنے گدھے پر سوار ہو کر وہاں سے چل دیئے اور دیر ہرقل میں دریائے دجلہ کے کنارے پر قیام فرمایا۔ آپ سواری سے اُتر کر بستی کے چاروں طرف گھومے مگر کوئی شخص نظر نہ پڑا۔ درخت پھلوں سے لدے پڑے تھے۔ آپ نے پھل کھائے اور انگوروں کو نچوڑ کر ان کا عرق پیا اور سفر کے لیے بھی کچھ پھل توڑ کر رکھ لیے اور ایک مشکیزہ میں انگور کا عرق بھر لیا۔ جب بستی کی ویرانی کا خیال آیا تو بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ نکلا: ''انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا'' یہ الفاظ آپ کی زبان سے بطور تعجب نکلے تھے۔ شک کے طور پر نہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام سے ابعد ہے کہ وہ بعث کے معاملہ میں شک وشبہ کریں۔

یہ کہہ کر آپ لیٹ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کر دی۔ جس سے آپ سو برس تک سوتے رہے۔ اس کے بعد ان کے ساتھ بھی وہی واقعات ہوئے جو حضرت ارمیاء علیہ السلام کے حالات میں بیان ہو چکے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو سو برس کے بعد زندہ فرمایا تو آپ اپنے گدھے پر سوار ہو کر بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ وہاں پہنچے اور اپنے محلّہ میں گئے تو کسی نے آپ کو نہیں پہچانا اور نہ ان کو آپ کے گھر کا پتہ معلوم تھا۔ آخر آپ اندازے سے کام لیتے ہوئے اپنے گھر کے دروازے پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ وہاں پر ایک اندھی اور لنگڑی بڑھیا جس کی عمر ۱۲۰ سال کے لگ بھگ تھی، دروازے پر بیٹھی ہوئی تھی وہ آپ کے گھر کی لونڈی تھی اور جس وقت آپ گھر سے نکلے تھے اس وقت اس کی عمر ۲۰ سال تھی۔ اور اس زمانہ میں وہ آپ سے بہت مانوس تھی۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ بڑھیا کیا یہ عزیر کا مکان ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ ہاں یہ انہی کا مکان ہے اور یہ کہہ کر رونے لگی اور کہنے لگی کہ کتنے عرصہ سے میں نے کسی کی زبان سے عزیر کا نام نہیں سنا۔ آپ نے فرمایا کہ میں عزیر ہی ہوں۔ یہ سن کر بڑھیا بولی کہ سبحان اللہ! ان کو مفقود ہوئے سو برس گزر گئے اور جب سے اب تک ہم نے ان کی کوئی خیر خبر نہیں سنی۔ آپ نے فرمایا کہ بڑھیا میں ہی عزیر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سو برس مردہ رکھ کر دوبارہ زندہ کیا ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ عزیر علیہ السلام تو مستجاب الدعوات تھے۔ بیمار کے لیے دُعا کرتے تو وہ اچھا ہو جاتا اگر کسی مصیبت زدہ کے لیے دُعا کرتے تو اس کی مصیبت دور ہو جاتی۔

لہٰذا اگر آپ حقیقت میں عزیر ہی ہیں تو میرے لیے دُعا فرمائیے کہ میری آنکھوں کی بینائی واپس آ جائے تاکہ میں آپ کو پہچان سکوں۔ چنانچہ آپ نے کچھ پڑھ کر اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو اللہ کے حکم سے اس کی آنکھوں میں روشنی آ گئی اور پھر آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ اللہ کے حکم سے کھڑی ہو جا۔ یہ کہتے ہی اس کی ٹانگیں ٹھیک ہو گئیں اور وہ بغیر کسی عذر کے کھڑی ہو گئی۔ جب اس نے آپ کو نظر بھر کر دیکھا تو بے ساختہ کہہ اُٹھی کہ میں اس بات کی شہادت دیتی ہوں کہ آپ عزیر ہی ہیں۔ اس کے بعد وہ بنی اسرائیل کی مجالس میں گئی۔ وہاں آپ کے ایک معمر صاحبزادے اور پوتے اور دیگر رشتہ دار موجود تھے۔ اس نے پکار کر کہا کہ حضرت عزیر آ گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ تمہارے پاس بھیج دیا ہے۔

لیکن ان لوگوں کو اس بات کا یقین نہیں آیا اور وہ لوگ اس کو جھٹلانے لگے تو اس نے کہا میں تمہاری وہی اپاہج اور اندھی لونڈی ہوں۔ حضرت عزیر کی دُعا سے ابھی ابھی ٹھیک ہو کر تمہارے پاس آئی ہوں۔ عزیر تو مر چکے تھے مگر سو برس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو پھر زندہ کر دیا۔ یہ سن کر وہ سب لوگ بڑھیا کے ساتھ گھر پہنچے۔ آپ کے صاحبزادے نے آپ سے عرض کیا کہ میرے باپ کی ایک شناخت یہ ہے کہ ان کے دونوں شانوں کے درمیان ہلالی شکل کا ایک سیاہ تل تھا۔ چنانچہ حضرت عزیر نے اپنے شانوں کو کھول کر وہ سیاہ تل سب کو دکھایا جس

سے سب کو یقین آ گیا کہ آپ عزیر ہی ہیں اور سب لوگ خوشی میں جھوم اُٹھے۔

سعدی اور کلبی کی روایت میں ہے کہ جب حضرت عزیر علیہ السلام اپنی بستی میں پہنچے تو دیکھا کہ ان لوگوں کے پاس کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس سے شرعی احکام معلوم ہو سکیں۔ کیونکہ بخت نصر نے توریت کے تمام نسخے جلا دیئے تھے۔ آپ ایسی حالت دیکھ کر رونے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ایک برتن میں پانی لے کر آیا اور وہ پانی اس نے حضرت عزیر علیہ السلام کو پلا دیا۔ پانی پیتے ہی توریت آپ کے سینہ میں اُترتی چلی گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور آپ بنی اسرائیل کے پاس آئے اور کہا کہ میں عزیر ہوں۔ مگر کسی نے آپ کے اس دعویٰ کی تصدیق نہیں کی۔ آپ نے دوبارہ فرمایا کہ میں عزیر ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس اس لیے بھیجا ہے تاکہ میں تم کو از سر نو توریت سکھلا دوں۔ لوگوں نے اس پر کہا کہ اگر یہ بات ہے تو آپ ہم کو توریت لکھوا دیجئے۔ چنانچہ آپ نے اپنے حافظہ سے توریت لکھوا دی۔ پھر وہ لوگ کہنے لگے کہ جب سے توریت مفقود ہو گئی تھی تب اب تک اللہ تعالیٰ نے توریت کو کسی کے قلب میں القاء نہیں کیا۔ لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں (نعوذ باللہ) آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک اور برتر ہے کہ اس کے بیوی اور بیٹے ہوں۔

جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو عارضی موت دی تھی۔ اس وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ پھر آپ کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندگی دی تو آپ کی عمر اس وقت ۱۴۰ سال ہو چکی تھی۔ آپ کے بیٹے اور پوتے جو اس وقت موجود تھے وہ بوڑھے ہو چکے تھے مگر آپ جوان تھے۔ آپ کی داڑھی اور مونچھیں کالی تھیں۔ (بس پاک ہے وہ ذات جو ہر چیز پر قادر ہے)

فائدہ: ابن خلکان اور دوسرے مورخین نے ذکر کیا ہے کہ روم کے شاہ قیصر نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ میرے سفیروں نے جو آپ کے پاس سے لوٹ کر آئے ہیں مجھے بتایا ہے کہ آپ کے یہاں ایک درخت ہے کہ جب وہ زمین سے نکلنا شروع ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے گدھے کے دو کان ہوں جب وہ نکل کر ذرا پھلتا ہے تو اس پر بور آتا ہے جو مروارید کے دانے جیسا ہوتا ہے اور جب کچھ اور پھلتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سبز زمرد اور زبرجد لگے ہوئے ہیں۔ پھر جب اس کے پھولوں پر سرخی آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یاقوت سرخ کے دانے لٹکے ہوئے ہوں اور جب وہ پک جاتا ہے تو کھانے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک عمدہ قسم کا فالودہ کھا لیا ہو۔ اور جب وہ خشک ہو جاتا ہے تو مقیم کے لیے ذخیرہ کا اور مسافر کے لیے زادراہ کا کام دیتا ہے۔ اگر میرے سفراء کی یہ اطلاع صحیح ہے تو میرے گمان میں یہ کوئی جنتی [1] درخت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خط کے جواب میں شاہ روم کو لکھا کہ آپ کے سفراء نے آپ کو صحیح اطلاع دی ہے۔ بے شک ہمارے یہاں ایسا درخت موجود ہے اور یہ وہی درخت ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت حضرت مریم کے لیے اُگایا تھا۔ اخیر میں آپ نے تحریر فرمایا کہ اے قیصر اللہ سے ڈرو اور اس کو چھوڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود مت بنا۔ اس کے بعد یہ آیت نقل کی:

اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ.

''تحقیق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدمؑ کی سی ہے پیدا کیا اس کو مٹی سے پھر اس کو کہا ہو جا پس وہ ہو گیا' سچی بات تیرے رب ہی کی ہے لہٰذا تو شک کرنے والوں میں سے مت ہو۔''

---

[1] بظاہر کھجور کا درخت مراد ہے۔ (ج)

قیصر کا تذکرہ

قیصر کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ افریقی لفظ ہے اس کے معنیٰ "چیر کر نکالنا" ہیں۔ مورخین نے قیصر کہنے کہ وجہ یہ بیان کی ہے کہ قیصر کی ماں کا انتقال دردزہ میں ہو گیا تھا تو اس کو یعنی قیصر کو فوراً اس کی ماں کا پیٹ چیر کر نکالا گیا تھا لہٰذا اس کا لقب قیصر پڑ گیا تھا۔ قیصر اپنے ہم عصر بادشاہوں میں یہ کہہ کر فخر کرتا تھا کہ میں تمہاری طرح فرج سے نہیں نکلا۔ قیصر کا نام اغطش تھا۔ اسی کے عہد سلطنت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ بعد میں یہ لقب (قیصر) روم کے ہر بادشاہ کو دیا جانے لگا۔ جس طرح ملک ترک کا لقب خاقان اور ملک فارس کا کسریٰ ملک شام کا ہرقل اور ملک قبط کا فرعون اور ملک حبشہ کا لقب نجاشی ہے اور ملک فرعانہ کا انشید اور ملک مصر کا اسلام میں سلطان لقب ہے۔

ابن خلکان کہتے ہیں کہ یہاں ایک نکتہ قابل غور ہے کہ اہل عرب رومیوں کو جو بنو اصفر کہتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ لکھتے ہیں کہ قدیم زمانے میں ایک دفعہ روم میں آگ لگ گئی تھی اور اس آگ میں تمام شاہی خاندان کے لوگ جل گئے تھے' بجز ایک عورت کے۔ لہٰذا رعایا میں سے ہر شخص کو حکومت کا شوق پیدا ہو گیا اور نوبت جنگ و جدال تک پہنچنے والی تھی کہ آپس میں یہ فیصلہ ہوا کہ صبح کو جو شخص سب سے پہلے شہر میں داخل ہو گا اس کو بادشاہ بنا دیا جائے گا۔ چنانچہ اس کام کے لیے ایک مجلس بلائی گئی اور وہ شہر کے دروازے پر پہلے شخص کی آمد کے انتظار میں بیٹھ گئی۔ اتفاقاً یمن کی طرف سے ایک شخص آ رہا تھا اور اس کے ہمراہ ایک حبشی غلام تھا۔ یہ دونوں روم سے آ رہے تھے۔ اتفاق سے غلام اپنے آقا کو چھوڑ کر اس سے پہلے شہر کے دروازے پر پہنچ گیا۔ شہر کے دروازے میں داخل ہوتے ہی اہل مجلس نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور کہنے لگے کہ تمہارے مقدر نے کیسا پلٹا کھایا۔ چنانچہ اس غلام کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ اور تنہا بچنے والی شہزادی سے اس کی شادی کر دی۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا رنگ کالے اور گورے نطفوں کے اختلاط کی وجہ سے "زرد" تھا تو اس کا نام اصفر رکھ دیا گیا۔ اس لیے ان سے جو نسل چلی وہ سب بنی اصفر کہلانے لگی۔ کچھ عرصہ بعد اس بادشاہ کا آقا بھی وہاں پہنچ گیا اور کہنے لگا کہ یہ میرا وہی بھگوڑا غلام ہے اور اس کے بعد حکومت پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس غلام بادشاہ نے اس کو اپنا آقا تسلیم کر لیا اور کچھ رقم دے کر بعد میں اسے راضی کر لیا۔

ابن ظفر کی کتاب النصائح میں لکھا ہے کہ جب خلیفہ ہارون الرشید طوس پہنچا اور اس کے مرض میں شدت پیدا ہو گئی تو اس نے ایک طبیب کو جو طوس کا رہنے والا تھا اور فارسی النسل تھا طلب فرمایا اور حکم دیا کہ اس کا قارورہ طبیب کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے کہ کچھ تندرست اور مریض لوگوں کے قارورے بھی اس کے ساتھ رکھے ہوئے ہوں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ طبیب نے ان سب شیشیوں میں سے خلیفہ کے قارورہ کی شیشی پہچان کر نکال لی اور اس کو دیکھ کر کہا کہ اس قارورے والے مریض سے کہہ دیا جائے کہ وہ اپنی آخری وصیت کر دے۔ کیونکہ اس مریض کے قویٰ بالکل کمزور ہو گئے ہیں اور بدن ڈھل چکا ہے۔ اس کے بعد خلیفہ کے حکم سے طبیب کو رخصت کر دیا گیا۔ طبیب کی اس پیش گوئی کے بعد ہارون الرشید اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو گئے اور مایوسی میں اشعار پڑھنے لگے ؎

اِنَّ الطَّبِیْبَ بِطِبِّهٖ وَ دَوَائِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُ دِفَاعَ نَحْبٍ قَدْ اَتٰی

"حکیم اپنی تمام تجربہ کاری اور بہترین دواؤں کے ہوتے ہوئے بھی آئی ہوئی موت کو دفع نہیں کر سکتا۔"

مَا لِلطَّبِیْبِ یَمُوْتُ بِالدَّاءِ الَّذِی قَدْ کَانَ یُبْرِیُٔ مِثْلَهٗ فِیْ مَا مَضٰی

"طبیب اس بیماری میں (عموماً) مرتا ہے جس کے علاج میں اس کی شہرت ہو اور وہ سینکڑوں مریضوں کو اس بیماری سے اچھا کر چکا ہو۔"

پھر ہارون الرشید کو اطلاع ملی کہ لوگوں نے اس کی موت کی خبر اُڑا دی ہے تو اس نے ایک گدھا طلب کیا اور حکم دیا کہ مجھے اس گدھے پر سوار کرایا جائے۔ چنانچہ اس کو گدھے پر سوار کرا دیا گیا لیکن جیسے ہی ہارون گدھے پر سوار ہوا اُس کی ٹانگوں میں استرخا پیدا ہو گیا تو اس نے حکم دیا کہ مجھے گدھے سے اُتار لیا جائے۔ چنانچہ اس کو فوراً اُتار لیا گیا۔ پھر ہارون نے اپنے کفن کے لیے کپڑا طلب کر کے من پسند کفن منتخب کیا۔ پھر اپنے بستر کے سامنے ہی قبر کھودنے کا حکم دیا۔ جب قبر کھد گئی تو اس نے اس میں جھانک کر دیکھا اور قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی:

مَا اَغْنٰی عَنِّی مَالِیَه هَلَکَ عَنِّی سُلْطَانِیه. (پ:۲۹)

''میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا' میری سلطنت مجھ سے جاتی رہی۔''

پھر اسی دن اس کا انتقال ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ

منصور حلاج کا واقعہ

تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے کہ حلاج کے بعض صاحبوں کا کہنا ہے کہ منصور حلاج کو جس دن قتل کیا گیا اسی دن ان کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک گدھے پر چڑھے ہوئے نہروان کی سڑک پر جا رہے ہیں۔ انہوں نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم لوگوں کا گمان ہے کہ میں مضروب اور مقتول ہوں۔

منصور حلاج کے قتل کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ مقتدر باللہ کے وزیر حامد ابن عباس کی مجلس میں ان کی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکلا جو بظاہر خلاف شرع تھا۔ اس پر قضاۃ اور علماء نے ان کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔ خلیفہ مقتدر نے شہر کوتوال محمد بن عبدالصمد کو حلاج کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ کوتوال نے اس ڈر سے کہ کہیں لوگ ہنگامہ کر کے اس کو چھڑا نہ لیں آپ کو رات کے وقت گرفتار کیا۔ لیکن جب آپ کو منگل کے دن بتاریخ ۲۴ ذیقعدہ ۳۰۹ھ میں باب الطاق میں لے جایا گیا تو ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ سب سے پہلے جلاد نے ایک ہزار کوڑے لگائے۔ لیکن آپ نے اُف تک نہ کی۔ پھر آپ کے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹے اس پر بھی آپ خاموش رہے۔ اس کے بعد آپ کا سر تن سے جدا کر دیا گیا اور آپ کی لاش جلا کر اس کی راکھ دریائے دجلہ میں بہا دی گئی اور آپ کا سر شہر بغداد کی دیوار پر نصب کر دیا گیا اور پھر اس کو شہر کی ہر گلی کوچے میں گھمایا گیا۔

آپ کے رفقاء اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دیتے کہ آپ چالیس دن بعد واپس آجائیں گے۔ اتفاقاً اسی سال دریائے دجلہ میں زبردست طغیانی آئی جس کو کچھ لوگوں نے اسی بات سے منسوب کیا کہ طغیانی آپ کی راکھ کی وجہ سے آئی ہے جو کہ آپ کو جلانے کے بعد دریا میں بہا دی گئی تھی۔ آپ کے بعض معتقدین کا یہ دعویٰ تھا کہ آپ کو قتل کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کے کسی دشمن کو ان کی صورت میں منتقل کر دیا اور وہی اس وقت قتل ہوا اور آپ بچ گئے۔ جب منصور کو قتل گاہ کی جانب لے جانے لگے تو آپ یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

طَلَبْتُ المستقر بِکُلِّ اَرْضٍ فَلَمْ اَرلٰی بِاَرْضٍ مُسْتَقَرًّا

''میں نے زمین کے ہر گوشے پر سکون کی تلاش کی لیکن کہیں بھی سکون نصیب نہیں ہوا۔''

اَطَعْتُ مُطَامِعِی فَاسْتَبْعَدُتَنِی وَ لَوْ اِنِّی قَنَعْتُ لَکُنْتُ حُرًّا

''اور مبتلا لالچ ہو گیا تو لالچ میرا حاکم بن گیا کاش کہ میں قناعت اختیار کرتا تو بدستور آزاد رہتا۔''

کچھ لوگوں نے کہا کہ منصور حلاج قتل کے وقت یہ اشعار پڑھ رہے تھے ؎

لَمْ اُسْلِمِ النَّفْسَ لِلْاَسْقَامِ تَتْلَفُهَا اِلَّا لِعِلْمِیْ بِاَنَّ الْمَوْتَ یَشْفِیْهَا

''میں اپنے آپ کو ایسی بیماریوں کے سپرد نہیں کر سکتا جو ہلاکت خیز ہیں' مگر یہ کہ میرے علم کے مطابق میرے لئے موت ہی میں شفاء ہے۔''

وَ نَظْرَةٌ مِنْکَ یَا سُوْءَ لِیْ وَ یَا اَمَلِیْ اَشْهٰی اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا وَ مَا فِیْهَا

''اور اے وہ ذات جو میری حاجت روا ہے اور جس سے کہ میری اُمیدیں وابستہ ہیں' تیری ایک نظر مجھ کو دُنیا ومافیہا سے زیادہ مرغوب ہے۔''

نَفْسُ الْمُحِبِّ عَلَی الْاٰلَامِ صَابِرَةٌ لَعَلَّ مُتَلَفِیْهَا یَوْمًا یُدَاوِیْهَا

''عاشق کی جان (تو) تکالیف پر صبر کرنے والی ہے' اس اُمید پر کہ شاید اس کا تلف کرنے والا ایک دن اس کا معالج بن جائے۔''

منصور شیخ جنید بغدادی کی صحبت میں رہے اور ان کا شبلی اور دیگر مشائخ صوفیا سے بھی تعلق رہا ہے۔ شیخ الامام عزالدین بن عبدالسلام مقدسی نے مفاتیح الکنوز میں لکھا ہے کہ جب منصور کو دار پر چڑھانے کے لیے لائے اور آپ نے تختہ اور میخوں کو دیکھا تو آپ قہقہہ لگا کر خوب ہنسے۔ پھر جب مجمع پر نگاہ ڈالی تو دیکھا شبلی موجود ہیں۔ آپ نے شبلی سے پوچھا اے ابا بکر! کیا آپ کے پاس جائے نماز ہے۔ شبلی نے جواب دیا کہ ہاں ہے۔ تو آپ نے کہا کہ جائے نماز بچھائیں۔ چنانچہ شبلی نے جائے نماز بچھادی۔ منصور نے آکر اس پر دو رکعت نماز پڑھی۔ پہلی رکعت میں الحمد شریف اور یہ آیت وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ. الایة اور دوسری رکعت میں الحمد شریف کے بعد یہ آیت پڑھی: کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ. الایة اس کے بعد ایک طویل وظیفہ پڑھا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ابوالحرث سیاف نے آکر ایک طمانچہ اتنے زور سے مارا کہ اس سے آپ کی ناک اور چہرہ دونوں شدید زخمی ہو گئے۔ یہ دیکھ کر شبلی پر وجد سا طاری ہو گیا اور اس نے اپنے کپڑے پھاڑ دیئے اور خوب چیخنے چلانے لگے۔ ابوالحسن واسطی اور دیگر مشہور مشائخ پر غشی طاری ہو گئی۔ قتل ہونے سے پہلے حلاج نے کہا کہ تمہارے لے میرا خون مباح ہو گیا ہے لہٰذا مجھے قتل کر ڈالو۔ آج مسلمانوں کے لیے میرے قتل سے اہم کوئی اور کام نہیں اور میرا قتل حدود اللہ کے قیام اور شریعت کے مطابق ہے۔ جو شخص حد سے تجاوز کرتا ہے اس پر حد جاری ہونی چاہیے۔

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ منصور کے بارے میں لوگوں کے درمیان سخت اختلاف ہے۔ کوئی ان کو صاحب عظمت اور کوئی کافر قرار دیتا ہے۔

حجۃ الاسلام امام قطب الدین نے اپنی کتاب مشکوٰۃ الانوار ومصفاۃ الاسرار میں منصور کے متعلق ایک طویل فصل لکھی ہے اور منصور کے اقوال ''اَنَا الْحَق'' اور ''وَمَافِی الْجُبَّةِ اِلَّا اللّٰه'' کی تاویل کر کے ان سے اچھے معانی مراد لیے ہیں اور فرمایا ہے کہ منصور کا یہ قول فرط محبت اور شدت وجد کے باعث صادر ہوئے ہیں اور ان کے اقوال کی مثال شاعر کے اس شعر کی سی ہے ؎

اَنَا مَنْ اَهْوٰی وَ مَنْ اَهْوٰی اَنَا فَاِذَا اَبْصَرْتَهٗ اَبْصَرْتَنَا

''میں وہ ہوں جس کو میں چاہتا ہوں اور جس کو میں چاہتا ہوں۔ وہ میں ہی ہوں۔ اے مخاطب اگر تو نے اس کو یعنی میرے محبوب کو دیکھ لیا تو گویا تو نے مجھ کو ہی دیکھ لیا (مطلب یہ کہ میں محبوب کی محبت میں اس قدر محو ہو گیا ہوں کہ گویا ہم دونوں ایک جان دو قالب بن گئے ہیں)۔''

حجۃ الاسلام امام قطب الدین کی بیان کردہ توجیہات منصور کی مدح اور برأت کے لیے کافی ہیں۔ نیز امام شریح سے جب منصور حلاج کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا کیونکہ وہ مخفی الحال شخص تھے۔ یہ جواب بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دیا تھا جب کہ آپ سے پوچھا گیا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کو ان کے خون سے پاک وصاف رکھا تو ہم اپنی زبانوں کو ان کے بارے میں کلام کرنے سے کیوں نہ پاک وصاف رکھیں۔

علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اتنی بحث خوف خدا رکھنے والے شخص کے لیے کسی کو کافر قرار دینے سے روکنے کے لیے کافی ہے۔ کسی ایسے قول کی بنیاد پر جو تاویل کا احتمال رکھتا ہو اور چونکہ اسلام سے خارج کرنا بہت اہم مسئلہ ہے اس لیے اس میں جلد بازی کوئی جاہل ہی کر سکتا ہے۔

شیخ العارفین قطب الزمان عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے منصور کی برأت کرتے ہوئے فرمایا کہ حلاج کو ہلاک کر دیا گیا اور کسی نے اس کی دست گیری نہیں کی۔ اگر میں حلاج کے زمانے میں ہوتا تو ضرور اس کا ساتھ دیتا۔ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اور امام غزالیؒ کا گزشتہ قول حلاج کے بارے میں ادنیٰ بصیرت اور فہم رکھنے والوں کے لیے کافی ہے۔

حلاج کی وجہ تسمیہ

منصور کا لقب حلاج اس وجہ سے پڑ گیا کہ ایک دن وہ کسی نداف (رائی دھننے والا' دھنیہ) کی دکان پر بیٹھے ہوئے اس سے کوئی کام کرنے کے لیے کہہ رہے تھے۔ نداف نے ان سے کہا کہ میں روئی دھننے میں مصروف ہوں' مجھے فرصت نہیں۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ تم میرا کام کر دو میں تمہارا کام (روئی دھننا) کر دوں گا۔ چنانچہ وہ راضی ہو گیا اور منصور کے کام سے چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو دیکھا کہ جتنی روئی اس کے یہاں موجود تھی وہ سب دھنکی ہوئی رکھی ہے حالانکہ وہ اتنی زیادہ تھی کہ اگر دس آدمی مل کر اس کو کئی دن تک دھونکتے تو بھی کچھ باقی رہ جاتی۔ اس دن سے لوگ آپ کو منصور کو حلاج کہنے لگے۔ حلاج کے معنی بھی نداف کے ہیں۔ بعض لوگوں نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ آپ تصوف کے اسرار اور صوفیاء کے نکات بیان کرتے تھے۔ اس لیے آپ کو حلاج کہنے لگے۔ منصور ملک فارس کے شہر بیضاء کا باشندہ تھا اور اصل نام حسین بن منصور تھا۔ واللہ اعلم

محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا قصہ

ابن خلکان اور دیگر مؤرخین لکھتے ہیں کہ محمد ابن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے عہد خلافت میں مصر کا والی مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ مصر میں آپ کا داخلہ ۳۷ھ میں ہوا اور اس وقت تک وہاں رہے جب تک کہ امیر معاویہ نے حضرت عمرو ابن العاص کو شامی لشکر کا سپہ سالار بنا کر مصر نہ بھیجا۔ اس لشکر کے ساتھ معاویہ بن حدیج (حدیج کو اکثر علماء نے حدیج بالحاء پڑھا ہے۔ اگرچہ ابن خلکان کی تاریخ کے بعض نسخوں میں خدیج بالخاء بھی آیا ہے لیکن اس کو غلط قرار دیا گیا ہے) اور ان کے رفقاء بھی تھے۔ طرفین میں جنگ شروع ہوئی اور آخر کار محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور بھاگ کر ایک مجنونہ کے گھر میں چھپ گئے۔ کچھ ہی دیر میں معاویہ بن حدیج اور اس کے ساتھی اس مجنونہ کے پاس پہنچے۔ تو اس نے معاویہ بن حدیج سے پوچھا کہ کیا تم میرے بھائی کو قتل کرنا چاہتے ہو؟ کیونکہ اس وقت اس کا ایک بھائی قید میں پڑا ہوا تھا۔ معاویہ نے جواب دیا کہ ہم تیرے بھائی کو قتل نہیں کریں گے۔ اس پر اس مجنونہ نے کہا کہ میرے گھر میں محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ یہ سن کر معاویہ بن حدیج نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ ان کو گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ وہ گھر میں گھس گئے اور محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو رسیوں سے جکڑ کر گھسیٹتے ہوئے معاویہ بن حدیج کے سامنے لائے۔ محمد ابن ابی

بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا واسطہ دے کر اس سے اپنی جان بخشی کی درخواست کی۔ معاویہ بن حدیج نے جواب دیا تو وہ شخص ہے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں میرے خاندان کے اسی آدمیوں کو تہ تیغ کیا تھا۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں تجھ کو چھوڑ دوں۔ خدا کی قسم میں تجھ کو ہرگز معاف نہیں کروں گا۔ چنانچہ ماہ صفر ۳۸ھ میں ان کو قتل کر دیا گیا اور معاویہ بن حدیج نے یہ حکم جاری کر دیا کہ ان کی لاش کو راستوں پر گھسیٹا جائے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے سے گزارا جائے۔ کیونکہ وہ ان کے قتل کو ناپسند کرتے تھے۔ اس کے بعد ان کی لاش کو مردہ گدھے کے جسم کے ساتھ جلا دیا گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کی لاش کو نہیں بلکہ انہیں زندہ ہی گدھے کے مردہ جسم کے ساتھ رکھ کر جلا دیا گیا تھا۔

محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے اس طرح قتل ہونے کا سبب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ بددُعا تھی جو آپ نے جنگ جمل کے دن محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے لیے کی تھی۔ جنگ جمل میں جب محمد ابن بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہودج میں ہاتھ ڈالا تو آپ نے غصہ میں فرمایا کہ ''یہ کون ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم سے تعرض کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں جلا دے۔ آپ کو اس وقت معلوم نہیں تھا کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ چنانچہ جب محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے میری بہن! یہ مت کہو بلکہ یہ کہو کہ دُنیا کی آگ سے' تب آپ نے فرمایا ''دُنیا کی آگ سے''۔ چنانچہ بددُعا کا ظہور اس وقت ہوا (یہ واقعہ تفصیل سے باب الجیم میں لفظ جمل کے ضمن میں گزر چکا ہے)۔ محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو جہاں قتل کیا گیا تھا وہیں دفن کر دیا گیا۔ ایک سال کے بعد آپ کے غلام نے آپ کی قبر کو کھودا تو اس میں سے صرف سر اور کھوپڑی کے اور کچھ نہ نکلا۔ اس نے اس کھوپڑی کو مسجد کے مینارہ کے نیچے دفن کر دیا۔

کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے بھائی محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں بھیجا تھا مگر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان کا معاملہ معاویہ بن حدیج کے ہاتھ میں ہے۔ جب آپ کو قتل کر دیا گیا اور آپ کا غلام کرتہ لے کر مدینہ منورہ آپ کے گھر پہنچا تو تمام مرد اور عورتیں جمع ہوگئیں۔ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان نے ایک مینڈھا بھنوا کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ آپ کے بھائی محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو بھی اسی طرح بھونا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے اخیر عمر تک کبھی بھنا ہوا گوشت تناول نہیں فرمایا۔ اور ہندہ بنت شمر حضرمیہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نائلہ زوجہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ معاویہ بن حدیج کے پاؤں چوم رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ مجھ کو تمہارے ذریعہ سے انتقام ملا۔

جب اسماء بنت عمیس (محمد ابن ابی بکر کی والدہ) کو آپ کے قتل کا حال معلوم ہوا تو غصہ کی وجہ سے ان کی چھاتیوں سے خون ٹپکنے لگا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی آپ کے مرنے کا شدید صدمہ ہوا اور فرمایا کہ میں نے محمد ابن ابی بکر کی پرورش کی تھی اور میں اس کو اپنا بیٹا اور بھتیجا سمجھتا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ کی بیوی اسماء بنت عمیس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا تھا اس وجہ سے محمد ابن ابی بکر آپ کی پرورش میں رہے تھے۔

سفیان ثوری کا واقعہ

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفیان ثوری نے ہمیں رات کے کھانے پر مدعو کیا اور ہمارے سامنے کھجور اور گرم دودھ رکھا۔ ابھی ہم نے آدھا ہی کھانا کھایا تھا کہ سفیان نے کہا اُٹھو دو رکعت نماز شکرانہ ادا کر لیں۔ اس وقت کھانے پر ابن وکیع بھی موجود تھی۔ انہوں نے کہا اگر آپ ہمارے سامنے لوزینہ (بادام کا حلوہ) رکھتے تو پھر تو آپ ہمیں نماز تراویح پڑھنے کے لیے کہتے۔ ابن وکیع کی

یہ بات سن کر سفیان ہنسنے لگے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ خلیفہ مہدی کے پاس تشریف لے گئے اور آپ نے ان کو معمولی طرز سے سلام کیا۔ یعنی خلیفہ کے لیے جو سلام مخصوص تھا وہ نہیں کیا۔ مہدی غصہ سے ان سے مخاطب ہوا اور کہا کہ اے سفیان تم ہم سے بچ کر اِدھر اُدھر بھاگے پھرتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ اگر ہم تمہارے ساتھ کوئی برائی کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے حالانکہ ہم اسی وقت ایسا کر کے تم کو دکھا سکتے ہیں۔ کیا تم کو ڈر نہیں ہے کہ ہم اسی وقت تیری ذلت وخواری کا حکم دے سکتے ہیں۔ حضرت سفیان نے جواب دیا کہ اگر آپ میرے لیے ابھی اسی وقت کوئی حکم دے سکتے ہیں تو وہ بادشاہ عالم وقادر جوحق وباطل میں فرق کر سکتا ہے وہ آپ کے لیے بھی کوئی حکم دے سکتا ہے۔ (ربیع) وزیر مہدی نے یہ سن کر کہا کہ امیر المؤمنین آپ اس جاہل کے منہ کیوں لگ رہے ہیں آپ مجھ کو اجازت دیں تو میں ابھی اس کی گردن اُڑا دوں۔

مہدی نے وزیر کو ڈانٹا اور کہا خاموش رہو۔ سفیان اور اس کے ہم مشرب تو چاہتے ہی ہیں کہ ہم آپ کو قتل کر کے شقی بن جائیں اور ان کو ہمارے ذریعہ سے شہادت حاصل ہو۔ اور یہ کہہ کر وزیر سے کہا کہ ان کے نام کوفہ کا عہدہ قضاء کا پروانہ لکھ دو اور اس میں یہ بھی اضافہ کر دو کہ ان کے فیصلہ پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وزیر نے پروانہ لکھ کر سفیان ثوریؒ کے ہاتھ میں دے دیا۔ آپ یہ پروانہ لے کر وہاں سے رُخصت ہوئے اور آ کر دریائے دجلہ میں ڈال دیا اور بغداد سے فرار ہو گئے۔ بعد میں مہدی نے آپ کو ہر چند تلاش کیا مگر آپ کو کچھ پتہ نہ چل سکا۔ ۱۶۱ھ میں بحالت روپوشی بصرہ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ ائمہ مجتہدین میں سے ایک بڑے ثقہ دین دار پرہیز گار شخص تھے۔ لوگوں کا آپ کے اوصاف پر اجماع ہے۔

امام العلام ماوردی وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سفیان ثوری نے خلاف عادت کچھ زیادہ کھانا کھا لیا تو آپ نے فرمایا کہ جب گدھے کو چارہ زیادہ دیا جاتا ہے تو اس سے کام بھی زیادہ لیا جاتا ہے۔ یہ کہہ کر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکایت

کتاب ابتلاء الاخیار میں مذکور ہے کہ ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابلیس سے ملاقات ہوئی۔ وہ لعین پانچ گدھوں کو جن پر بوجھ لدا ہوا تھا ہانکے لیے جا رہا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا لادے لیے جا رہا ہے؟ ابلیس نے جواب دیا یہ مال تجارت ہے اس کے لیے خریداروں کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ پھر آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا کیا مال تیرے پاس ہے؟ ابلیس نے اس مال کی تفصیل جو ان پانچ گدھوں پر لدا ہوا تھا بتلائی کہ:

(۱) اس میں ظلم ہے اس کو میں سلاطین کو فروخت کروں گا۔ (۲) اس میں کبر (اپنے آپ کو بڑا سمجھنا) ہے اس کو سوداگر اور جوہری خریدیں گے۔ (۳) اس میں حسد بھرا ہوا ہے اس کے خریدار علماء ہیں۔ (۴) اس میں خیانت بھری ہوئی ہے جس کو میں تاجروں کے کارندوں کو فروخت کروں گا۔ (۵) اس میں مکر وفریب ہے اس کو میں عورتوں کو فروخت کروں گا۔

عورتوں کی مکاری کے قصے

جعفر صادق محمد الباقر سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک دین دار شخص تھا جس کا معاملہ اللہ کے ساتھ اچھا تھا اور اس کی ایک عورت تھی جو نہایت خوبصورت تھی اس دین دار شخص کو اس پر کسی وجہ سے بدگمانی ہو گئی تھی۔ چنانچہ جب کبھی یہ دین دار شخص باہر جاتا تو گھر کا

دروازہ باہر سے مقفل کر کے جاتا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ کسی جوان مرد سے اس کی بیوی کی آنکھ لڑ گئی چونکہ دونوں خوبصورت اور نوجوان تھے اس لیے وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے مگر باہمی معاملات کی بظاہر کوئی صورت نہ تھی۔ عورت نے یہ کیا کہ اس نے کسی ذریعہ سے باہر کے تالے کی ایک کنجی بنوالی اور نوجوان کو بھجوادی اور نوجوان کا اس عورت کے پاس اس کے شوہر کی عدم موجودگی میں آنا جانا شروع ہوگیا۔ رات اور دن میں جب کبھی اس کو موقع ملتا وہ دروازے کا قفل کھول کر اس کے پاس آجاتا اور اس سے ہم صحبت رہتا۔ عورت کے شوہر کو اس آمدورفت کی عرصہ دراز تک خبر نہ ہوئی اور یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کا شوہر چونکہ ایک عابد وزاہد شخص تھا تو اس کو خود بخود احساس ہوا کہ اس کی عورت اس سے کچھ کنارہ کشی اختیار کرنے لگی ہے چنانچہ اس نے اس خدشہ سے عورت کو مطلع کر دیا اور کہا کہ مجھے اسی وقت اطمینان ہوسکتا ہے جب کہ تو اپنی عفت وعصمت پر حلف اُٹھالے گی۔ عورت اس پر راضی ہوگئی اور کہنے لگی کہ جب آپ کا جی چاہے مجھ سے حلف لے لیجئے۔

جس شہر کا یہ واقعہ ہے اس شہر کے باہر ایک پہاڑ تھا اور اس کے قریب ایک نہر بہتی تھی وہاں جا کر بنی اسرائیل قسم اور حلف اُٹھایا کرتے تھے اور جو شخص وہاں پر جھوٹی قسم یا حلف اُٹھاتا فوراً ہلاک ہوجاتا۔ میاں بیوی کے درمیان حلف کی بات چیت کے بعد اس کا آشنا اس کے پاس آیا تو اس نے اس سے اپنے شوہر کی بدگمانی اور پہاڑ پر چل کر قسم کھانے کا قصہ سنایا۔ یہ سن کر وہ نوجوان پریشان ہوگیا کہ اب کیا کیا جائے۔ عورت نے اس کو تسلی دی اور کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں ایسی ترکیب کروں گی کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ فلاں دن فلاں وقت میں اپنے شوہر کے ساتھ قسم کھانے کے لیے اس پہاڑ پر جاؤں گی۔ لہٰذا تم بھی بھیس بدل کر اور سواری کا ایک گدھا لے کر شہر کے باہر پھاٹک پر کھڑے ہوجاؤ اور جب تم ہم دونوں میاں بیوی کو آتا دیکھو تو گدھے کو لے کر ہمارے قریب آجانا۔ میں تمہارے گدھے پر پہاڑ تک جانے کے لیے سوار ہونے کا ارادہ کروں تو جلدی سے مجھے اُٹھا کر گدھے پر سوار کر دینا۔ پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ جب حلف اُٹھانے کا دن آیا تو اس دین دار شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ چلو اس پہاڑ پر چلیں تا کہ تم وعدے کے بموجب حلف اُٹھا کر مجھے مطمئن کرسکو۔

یہ سن کر وہ جلدی سے کپڑے بدلے بغیر چلنے کے لیے تیار ہوگئی اور کہنے لگی کہ میں پیدل پہاڑ پر نہیں جاسکتی۔ شوہر نے کہا چلو شہر کے پھاٹک پر کوئی گدھے والا کھڑا ہوگا اس کا گدھا کرایہ پر لے لیں گے۔ چنانچہ دونوں گھر سے چل دیئے۔ جب شہر کے دروازے پر پہنچے تو عورت کا آشنا گدھا لیے ہوئے وہاں موجود تھا۔ اس کو دیکھتے ہی عورت نے آواز دی کہ او گدھے والے ہم تجھ کو نصف درہم دیں گے کیا تو ہمیں اس پہاڑ تک پہنچادے گا؟ وہ بولا جی ہاں پہنچادوں گا اور جلدی سے گدھا لے کر آیا اور عورت کو اپنے ہاتھوں کا سہارا دے کر گدھے پر بٹھا دیا اور روانہ ہوگئے۔ آگے آگے گدھا جارہا تھا اور پیچھے پیچھے عورت کا شوہر اور وہ مصنوعی گدھے والا چل رہا تھا۔ جب پہاڑ آگیا اور گدھے سے اُترنے کا وقت آیا تو عورت نے اس بہروپیہ کو آواز دی کہ گدھا پکڑے اور مجھ کو اُتار دے۔ وہ آنے بھی نہ پایا تھا کہ عورت خود بخود گدھے سے گر پڑی اور اس طرح گری کہ اس کی شرم گاہ بہروپیہ کے سامنے کھل گئی۔ عورت اس کو بناوٹی گالیاں دینے لگی تو یہ بہروپیہ بولا کہ بیوی صاحبہ میرا اس میں قصور نہیں ہے اور اس کو پکڑ کر زمین سے اُٹھا کر کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد وہ پہاڑ پر چڑھے اور جب اس جگہ پر پہنچے جہاں قسم کھائی جاتی تھی تو عورت نے اپنے ہاتھ سے پہاڑ کو پکڑ لیا اور شوہر کی طرف مخاطب ہو کر قسم کھا کر کہنے لگی کہ جب سے تمہارا اور میرا ساتھ ہوا ہے تب سے آج تک مجھے سوائے آپ کے اور اس گدھے والے کے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ دیکھا ہے۔

چونکہ یہ قسم ظاہر میں سچی تھی کہ سوائے اس کے شوہر اور اس بہروپیہ کے کسی تیسرے شخص نے نہ اس کو چھوا تھا اور نہ اس سے قربت کی تھی اس لیے وہ پہاڑ زور زور سے ہلنے لگا اور زمین میں دھنس گیا اور بنی اسرائیل اس کو بھول گئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وان کان مکرھم لتزول منه الجبال.** ''اگر چہ ان کفار و مشرکین کی سازشیں ایسی تھیں جن سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جاتے''۔

ایسا ہی ایک واقعہ وہب بن منبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد نبوت میں ایک شخص شمشون اسرائیلی تھے جو روم کے کسی شہر کے تھے اور بوجہ رشد و ہدایت کے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو عطا ہوئی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں میں سے ہو گئے تھے۔ شمشون کے خاندان کے لوگ بت پرست تھے اور شہر میں رہتے تھے۔ انہوں نے بستی سے دور ایک مکان میں سکونت اختیار کر لی اور موقع بموقع آپ شہر والوں سے جہاد کر کے ان کو قید کر لیتے اور مال غنیمت حاصل کرتے۔ بعض اوقات آپ بغیر کچھ کھائے پیئے کئی کئی دن تک قتال کرتے اور جب کبھی آپ کو پیاس لگتی تو آپ کے لیے پتھروں سے پانی نکلنے لگتا اور آپ خوب سیر ہو کر پی لیتے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو قوت بطش (گرفت) اعلیٰ پیمانے پر عطا ہوئی تھی۔ اس لیے اہل شہر ان سے پریشان تھے اور ان کا کچھ نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک دن آپس میں مشورہ کیا کہ ان سے کس طرح نمٹا جائے۔ اہل مشورہ میں سے کسی نے کہا کہ جب تک ہم ان کی اہلیہ سے ساز باز نہیں کریں گے تب تک ان پر قابو پانا مشکل ہے۔ چنانچہ ان لوگوں میں سے کچھ لوگ حضرت شمشون کی بیوی کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ اگر تم اپنے شوہر کو بندھوا دو گی تو ہم تم کو اتنا مال انعام میں دیں گے۔ چنانچہ یہ عورت مال کی طمع میں اپنے شوہر سے غداری کرنے پر رضامند ہو گئی اور ان سے وعدہ کر لیا کہ میں ضرور تمہاری مدد کروں گی۔ ان لوگوں نے عورت کو خوب مضبوط رسیاں دے دیں اور کہا کہ جب شمشون سو جائیں تو یہ رسیاں آپ کے پاؤں میں ڈال کر گردن سے جکڑ دینا۔ اس طرح وہ عورت کو خوب سمجھا کر واپس چلے گئے۔

رات کو جب حضرت شمشون گھر تشریف لائے اور سونے کے لیے لیٹ گئے اور خوب غافل ہو گئے تو عورت نے آپ کے شانوں میں رسیاں ڈال کر آپ کے ہاتھ گردن سے جکڑ کر خوب مضبوط باندھ دیئے اور صبح کے انتظار میں لیٹ گئی۔ لیکن جب آپ نیند سے بیدار ہوئے اور آپ نے ہاتھ پھیلائے تو وہ رسیاں ٹوٹ گئیں اور آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور بیوی سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ بیوی مکارہ نے جواب دیا کہ یہ میں نے آپ کی قوت آزمانے کے لیے کیا تھا کہ دیکھوں آپ کتنے طاقت ور ہیں۔ اس کے بعد اس عورت نے خفیہ طور سے شہر والوں کو کہلا بھیجا کہ میں نے اس کو رسیوں سے باندھ دیا تھا مگر اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا کیونکہ وہ بھی ان کی طاقت کے سامنے موم بن گئیں۔

یہ سن کر شہر والوں نے اس کے پاس لوہے کا طوق اور زنجیر بھجوا دی اور کہا کہ جب وہ سو جائیں تو یہ ان کی گردن میں ڈال دینا۔ چنانچہ رات کو عورت نے ایسا ہی کیا مگر جب حضرت شمشون بیدار ہوئے تو یہ طوق اور زنجیر بھی آپ کے گلے سے ٹوٹ کر نکل گئی۔ آپ نے عورت سے پھر وہی سوال کیا تو اس نے پھر وہی جواب دیا اور کہنے لگی کہ دُنیا میں کوئی ایسی چیز بھی ہے جس سے تم مغلوب ہو جاؤ۔ آپ نے فرمایا کہ صرف اللہ تعالیٰ مجھ کو مغلوب کر سکتا ہے اور اگر وہ چاہے تو ایک اور چیز بھی مجھے مغلوب کر سکتی ہے۔ عورت نے پوچھا کہ وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ چیز میں تجھ کو نہیں بتلا سکتا۔ لیکن یہ مکار اور غدار عورت ان کو بہکاتی اور پھسلاتی رہی اور وہ ترکیب معلوم کرتی رہی اصرار کرتی رہی۔ حضرت شمشون کے بال بہت لمبے اور گھنے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میری والدہ میرے لیے ایک بہت ڈر کی چیز چھوڑ گئی ہیں

اور وہ میرے یہ سر کے بال ہیں اگر کوئی مجھے ان سے باندھ دے گا تو میں مجبور ہو جاؤں گا۔ کیونکہ ان پر میرا بس نہیں چلتا۔

عورت یہ معلوم کر کے دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی اور جب آپ رات کو سو گئے تو اس نے چپکے سے اُٹھ کر آپ کے بالوں سے آپ کو باندھ دیا اور شہر والوں کو اطلاع دے دی۔ چنانچہ شہر والے آئے اور حضرت شمشون کو پکڑ کر لے گئے اور آپ کے کان و ناک کاٹ دیئے اور آنکھیں نکلوا کر شہر کے وسط میں لوگوں کے تماشہ کے لیے کھڑا کر دیا۔ اس شہر میں جگہ جگہ ستون کھڑے تھے جن پر بیٹھ کر لوگ ان کا تماشہ بنا رہے تھے۔ بادشاہ بھی تماشہ دیکھنے کے لیے محل سے نکلا اور ایک مینارہ پر شہر کے دیگر عمائدین شہر کے ساتھ بیٹھ گیا۔ چنانچہ جب آپ کا مثلہ کیا جانے لگا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی کہ یا اللہ تو مجھ کو ان پر مسلط فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول فرمالی اور پھر صحیح وسالم فرما کر حکم دیا کہ شہر کا وہ مینارہ جس پر بادشاہ اور دیگر لوگ بیٹھے ہوئے تماشہ دیکھ رہے ہیں اس کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا جس سے وہ سب لوگ ہلاک ہو گئے اور آپ کی غدار بیوی پر اللہ تعالیٰ نے بجلی گرادی جس وہ بد بخت جل کر خاکستر ہو گئی۔

علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتاب ''نزہتہ الابصار فی اخبار ملوک الامصار'' (اس کتاب کے مصنف کا نام علامہ دمیریؒ کو معلوم نہ ہو سکا) جو ایک عظیم تصنیف ہے اس میں لکھا ہے کہ کسی بادشاہ نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ وہ ایک کم رفتار گدھے کو ہانکنے لیے جا رہا تھا اور بار بار اس کو ڈانٹ ڈپٹ کر کے ہانکتا۔ بادشاہ نے یہ دیکھ کر لڑکے سے کہا کہ اے لڑکے اس گدھے سے نرمی کا معاملہ کر۔ لڑکے نے جواب دیا اگر میں ڈانٹ ڈپٹ نہ کروں تو یہ راستہ دیر میں طے کرے گا۔ تو اس کو بھوک زیادہ لگے گی اور بوجھ زیادہ دیر تک اس پر لدا رہے گا اور اگر جلدی پہنچ جائے گا تو بوجھ سے جلدی چھٹکارا مل جائے گا اور چارہ بھی دیر تک کھائے گا۔ بادشاہ کو لڑکے کا یہ جواب بہت پسند آیا اور اس کو ایک ہزار درہم انعام میں دیا۔ لڑکے نے انعام لے کر کہا کہ یہ رزق میرے لیے اللہ کی طرف سے مقدر ہو چکا تھا اور میں پہلے اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں پھر آپ کا مشکور ہوں۔

اس جواب سے بادشاہ کے دل پر اور اثر ہوا اور کہنے لگا آج سے ہم نے تیرا نام اپنے دوستوں میں لکھ لیا۔ لڑکے نے جواب دیا کہ یہ میرے لیے باعث فخر بھی ہے اور باعث پریشانی بھی۔ بادشاہ نے یہ سن کر کہا کہ لڑکے مجھے کچھ نصیحت کرو۔ کیونکہ تم مجھے عقل مند معلوم ہوتے ہو۔

''لڑکے نے کہا کہ جب اپنے آپ کو صحیح وسالم دیکھیں تو ہلاکت کا خیال کریں اور جب آپ خوش و مسرور ہوں تو مصیبت کو یاد کیا کریں اور جب امن وامان سے آپ کا دل مطمئن ہو تو خوف کی طرف دھیان دیں اور کب کوئی کام پورا ہو جائے تو موت کو یاد کریں اور اگر آپ کو اپنے نفس سے محبت ہے تو اس کو برائی میں مبتلا نہ ہونے دو۔''

بادشاہ لڑکے کی اس حکیمانہ گفتگو سے بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تو کمسن نہ ہوتا تو میں ضرور تجھ کو اپنا وزیر بنا لیتا۔ اس پر لڑکے نے جواب دیا: ''بزرگی بعقل است نہ بسال'' بادشاہ نے پوچھا' کیا تجھ میں وزارت کی صلاحیت ہے؟ لڑکے نے جواب دیا برائی اور بھلائی کا اندازہ تجربے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ کسی انسان کی صلاحیت یا عدم صلاحیت اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کو آزمانہ لیا جائے۔ یہ سن کر بادشاہ نے اس کو اپنا وزیر مقرر کر دیا اور اس کو اس منصب کی انجام دہی میں صاحب الرائے اور صحیح فیصلوں کا حامل پایا۔

ایک بوڑھے کی حکایت

اسی کتاب میں چند مزاحیہ حکایات بھی موجود ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

خلیفہ ہارون الرشید ایک مرتبہ شکار کرنے کے لیے نکلے۔ فضل بن ربیع آپ کے ہمراہ تھے۔ اتفاقاً ایک شکار کا تعاقب کرتے ہوئے خلیفہ اپنے آدمیوں سے بچھڑ گئے۔ خلیفہ اور وزیر دونوں گھوڑوں پر جا رہے تھے کہ سامنے سے ایک بوڑھا گدھے پر سوار آتا ہوا نظر آیا۔ اس کی آنکھوں میں رطوبت (میل) بھری ہوئی تھی۔ خلیفہ نے اس کو دیکھ کر فضل کی طرف آنکھ کا اشارہ کیا۔ جب وہ بوڑھا بالکل قریب آ گیا تو فضل نے اس سے پوچھا کہ بڑے میاں کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں اپنے باغ میں جا رہا ہوں۔ فضل نے اس سے کہا کہ بڑے میاں تم کہو تو میں تمہارے لیے کوئی دوا بتلا دوں جس سے کہ تمہاری آنکھ سے پانی بہنا بند ہو جائے۔ بڑے میاں نے کہا کہ مجھے ایسی دوا کی سخت ضرورت ہے۔ فضل نے کہا کہ اچھا آپ ایک کام کریں ہوا کی تو لکڑیاں لیں اور کماۃ یعنی سماروغ کی پتیاں (یعنی سانپ کی چھتری) لیں پھر ان سب چیزوں کو اخروٹ کے چھلکے میں رکھ کر اس کا سرمہ آنکھ میں لگائیں اس سے آپ کی آنکھوں کی رطوبت جاتی رہے گی۔ یہ سن کر بڑے میاں نے اپنے گدھے کی زین کو دیوار سے ٹیک لگا کر اور اپنے سرین اُبھار کر بہت زور سے گوز (ریح خارج کی) مارا اور کہا کہ یہ آپ کی دوا کا انعام ہے۔ اگر دوا سے ہم کو آرام ہو گیا تو اور انعام دے کر آپ کو خوش کر دیں گے۔ خلیفہ یہ سن کر مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

ایک درزی کی حکایت

ایک درزی کسی امیر کے یہاں قبا کے لیے کپڑا ناپنے آیا۔ چنانچہ جب وہ کپڑا کاٹ رہا تھا تو امیر سامنے بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا جس کی وجہ سے اس کو کپڑا چرانے کا موقعہ نہیں ملا۔ کافی دیر تک درزی کپڑا کاٹنے میں لگا رہا لیکن امیر سامنے ہی بیٹھا رہا۔ آخر تنگ آ کر درزی نے ایک زوردار گوز مارا جس سے امیر ہنسی میں لوٹ پوٹ ہو گیا اور درزی نے جلدی سے حسب منشاء کپڑا کاٹ کر چھپالیا۔ امیر کی جب ہنسی رُکی تو اس نے درزی سے کہا کہ ایک دفعہ پھر ایسا ہی کیجئے۔ درزی نے جواب دیا اب نہیں کیونکہ اگر اب میں ایسا کروں گا تو آپ کی قباء تنگ ہو جائے گی۔

ذوالنون بن موسیٰ کی حکایت

کتاب ''نشوان المحاضرۃ'' میں ذوالنون بن موسیٰ کی یہ حکایت مذکور ہے کہ میں کم عمر تھا اور اتفاق سے خلیفہ معتضد باللہ ہواز کی سڑک کے موڑ پر موجود تھے۔ ایک دن میں قصبہ سانطف سے نکل کر عکر مکرم میں جانا چاہتا تھا اور میرے ساتھ دو گدھے تھے ایک پر میں سوار تھا اور دوسرے پر خربوزے لدے ہوئے تھے۔ میں خلیفہ کے لشکر کے پاس سے گزرا مجھ کو معلوم نہیں تھا کہ یہ لشکر کس کا ہے؟ اسی لشکر میں سے ایک سپاہی نے آ کر تین خربوزے گدھے کے بورے میں سے نکال لیے۔ میں نے اس ڈر سے کہ یہ شمار میں کم ہو جائیں گے اور مالک مجھ پر چوری کا الزام لگا دے گا' رونا اور چلانا شروع کر دیا۔ گدھا اور میں سڑک کے درمیان سے گزر رہے تھے کہ اچانک میرے سامنے گھوڑ سواروں کی ایک جماعت آ گئی جس کے آگے آگے ایک شخص چل رہا تھا۔ وہ شخص مجھ کو روتا ہوا دیکھ کر ٹھہر گیا اور پوچھنے لگا کہ لڑکے کیوں رو رہے ہو؟ میں نے اس سے رونے کا سبب بیان کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے فوراً لشکر والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ جس نے یہ حرکت کی ہے اس کو فوراً میرے پاس لاؤ۔

یہ سنتے ہی چند سپاہیوں نے اس سپاہی کو پکڑ کر اس کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اس سپاہی کو دیکھ کر اس نے مجھ سے پوچھا کیا یہ وہی شخص

ہے جس نے تیرے خربوزے نکالے ہیں؟ میں نے جواب دیا جی ہاں یہی ہے۔ میرا جواب سن کر اس نے اس سپاہی کو کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ اس کو کوڑے لگائے جارہے تھے اور میں گدھے پر بیٹھا ہوا اس کو دیکھ رہا تھا اور وہ شخص اس سپاہی سے کہہ رہا تھا کہ کتے کیا تیرے پاس ان خربوزوں کے دام نہیں تھے جن سے تو ان کو خرید لیتا۔ کیا یہ تیرے باپ کا مال تھا جو تو نے اُچک لیا' کیا ان خربوزوں کے مالک نے ان کو محنت کر کے پیدا نہیں کیا؟ کیا ان کے مالک نے سرکاری محصول یعنی لگان ادا نہیں کیا تھا؟ جب سو کوڑے سپاہی کو لگ چکے تو اس کو چھوڑ دیا گیا اور اس کے بعد اس شخص نے مجھے ان خربوزوں کے ہرجانے کے طور پر چار دینار دیئے اور روانہ ہو گیا۔ اس کے پیچھے لشکر مجھے گالیاں دیتے ہوئے گزرنے لگا کہ اس کی وجہ سے اس سپاہی کو سو کوڑے لگے۔ میں نے اس لشکر میں ایک صاحب سے پوچھا کہ یہ میرا فریادرس کون تھا؟ اس نے جواب دیا یہ خلیفہ معتضد باللہ تھے۔

ایک بچہ کی حکایت

ابن الجوزی کی کتاب الاذکیا میں جاحظ سے روایت منقول ہے کہ ثمامہ بن اشرس نے بیان کیا کہ میں اپنے ایک دوست کی عیادت کے لیے اس کے گھر گیا اور اپنا گدھا دروازہ پر چھوڑ کر اندر داخل ہو گیا۔ میرے ساتھ کوئی خادم نہیں تھا جو باہر گدھے کی حفاظت کرتا۔ جب میں اپنے دوست کی عیادت سے فارغ ہونے کے بعد گھر سے نکلا تو دیکھا کہ میرے گدھے پر ایک بچہ بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم کیسے گدھے پر سوار ہوئے؟ بچہ نے جواب دیا کہ میں اس وجہ سے سوار ہو گیا کہ یہ کہیں بھاگ نہ جائے اور آپ کو پریشانی ہو۔ میں نے کہا کہ میرے نزدیک اس کا چلے جانا یہاں کھڑا رہنے سے زیادہ بہتر تھا۔ یہ سن کر بچہ بولا کہ اگر آپ کو ایسا خیال ہے تو اس گدھے کو مجھے ہبہ فرما دیجئے اور سمجھ لیجئے کہ کھو یا گیا اور میرے شکریہ کے مستحق ہو جایئے۔ ثمامہ کہتے ہیں کہ بچے نے مجھے لاجواب کر دیا اور میری سمجھ میں نہ آیا کہ بچہ کو کیا جواب دوں۔

ابن خاقان کی حکایت

بچہ کی ذہانت سے متعلق ایک قصہ یہ ہے کہ جو ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ معتصم باللہ گھوڑے پر سوار ہو کر خاقان کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ اس وقت فتح بن خاقان بالکل بچہ تھا۔ معتصم نے اس سے پوچھا کہ بتا امیر المؤمنین کا گھر اچھا ہے یا تیرے باپ (خاقان) کا؟ فتح نے جواب دیا کہ جب امیر المؤمنین میرے باپ کے گھر میں ہوں تو میرے باپ کا گھر بہتر ہے ورنہ امیر المؤمنین کا۔ اس کے بعد معتصم نے اس کو انگشتری کا نگینہ دکھلا کر پوچھا کہ اس سے بہتر تو نے کوئی چیز دیکھی ہے؟ فتح نے جواب دیا کہ جی دیکھی ہے وہ' وہ انگلی ہے جس میں کہ یہ انگشتری ہے۔

ایک جوان کی حکایت

ابن الجوزی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفہ منصور کے پاس ایک نوجوان لڑکا حاضر ہوا۔ خلیفہ نے اس سے اس کے باپ کی وفات کے بارے میں سوال کیا۔ لڑکے نے جواب دیا کہ ان کا فلاں دن انتقال ہو گیا رحمۃ اللہ علیہ' اور فلاں دن سے بیمار ہوئے تھے رحمۃ اللہ علیہ۔ اور انہوں نے اتنی عمر پائی رحمۃ اللہ علیہ۔ اس نوجوان کے بار بار رحمۃ اللہ علیہ کہنے سے ربیع چڑ گیا اور نوجوان کو ڈانٹ کر کہا کہ تم کو شرم نہیں آتی امیر المؤمنین کے سامنے بار بار رحمۃ اللہ علیہ' رحمۃ اللہ علیہ کہتے جارہے ہو۔ لڑکے نے جواب دیا کہ میں آپ کی ڈانٹ ڈپٹ کا برا نہیں مانوں گا کیونکہ آپ والدین کے لطف و کرم سے نا آشنا ہیں۔ یہ سن کر خلیفہ منصور اتنا ہنسا کہ پہلے کبھی ان کو اتنا ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا تھا اور اس ہنسی کی وجہ یہ تھی کہ ربیع کا باپ نامعلوم تھا اور ربیع بہت چھوٹی عمر میں زمین پر پڑا ہوا ملا تھا۔ چونکہ ربیع اس وقت بالکل بچہ تھا اور اچھی

طرح بول بھی نہ پاتا تھا اس لیے اس کے ماں باپ کا کچھ پتہ نہ تھا اس لیے نوجوان نے اس پر یہ طنز کیا تھا۔

حاکم عبیدی کی حکایت

تاریخ ابن خلکان حاکم عبیدی کے حالات کے تذکرے میں لکھا ہے کہ حاکم کے پاس ایک طاقتور گدھا تھا جس کو اشہب (سفید مائل بہ سیاہی) کہا جاتا تھا۔ حاکم نے اس کا نام قمر رکھا تھا۔ حاکم اسی پر سوار ہو کر نکلتا تھا اور ہمیشہ تنہا سوار ہوتا تھا۔ ایک رات دوشنبہ کے دن ۱۷ شوال ۱۱ ۴ ھ کو شہر (مصر) میں گشت کے لیے نکلا اور تمام رات گھومتا رہا اور صبح کے وقت شرق حلوان کی طرف چل دیا اور ساتھ میں دو سوار جو رات بھر اس کے ساتھ گشت کرتے رہے ان کو اس نے واپس کر دیا۔ یہ دونوں سوار واپس آ گئے۔ اس کے بعد لوگ حاکم کے لوٹنے کا انتظار کرتے رہے۔ جب وہ واپس نہیں آیا تو تلاش و جستجو کی گئی اور شوال کے اخیر تک تلاش کیا مگر اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ پھر ۲ ذیقعدہ کو ایک بڑی جماعت اس کو تلاش کرنے نکلی اور تلاش کرتے کرتے وہ غلام ایک پہاڑ پر پہنچے تو دیکھا کہ پہاڑ کی چوٹی پر اس کا گدھا پڑا ہوا ہے اور تلوار سے اس کے اگلے پاؤں کٹے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ خون کے نشانات دیکھتے ہوئے آگے بڑھے۔ یہ خون کے نشانات شرق حلوان میں ایک حوض تک ظاہر ہوئے۔ پس ان میں سے ایک غلام اس حوض میں اُترا تو اس میں سے سات عدد بٹن جو خلیفہ حاکم لگایا کرتے تھے خون لگے ہوئے ملے لیکن خلیفہ کی لاش کا کچھ پتہ نہ چل سکا اور ان بٹنوں سے یقین ہو گیا کہ خلیفہ قتل ہو چکے ہیں۔ اس وقت بعض احمقوں کا خیال تھا کہ خلیفہ زندہ ہیں اور وہ ضرور کبھی نہ کبھی ظاہر ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ خلیفہ کے قتل میں اس کی بہن کا ہاتھ تھا۔

حاکم سخی بھی تھا اور سفاک بھی، اس کی عادت عجیب قسم کی تھی روز عوام پر ایک نیا حکم نافذ کرتا اور لوگوں کو اس کی پابندی پر مجبور کرتا۔ چنانچہ ۳۹۰ھ میں اس نے ایک حکم جاری کیا کہ مسجدوں کی دیواروں اور بازاروں اور تمام شہروں میں صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کی جائے۔ پھر دو سال کے بعد اس حکم کو کالعدم کر کے یہ حکم نافذ کیا کہ جو شخص بھی صحابہ کرام کو گالیاں دے اور ان کی شان میں گستاخی کرے اس کو قتل کر دیا جائے۔ ایک مرتبہ کتوں کو مارنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ گلی کوچوں اور بازاروں میں جہاں بھی کتا نظر آتا اس کو مار دیا جاتا۔ پھر اس نے یکے بعد دیگرے مختلف حکم نافذ کیے جو ذیل میں مذکور ہیں:

(۱) جو کی شراب اور بدمزہ گوشت پر مکمل پابندی (۲) کشمش کی فروخت پر قطعاً ممانعت اور ملک میں جتنی کشمش بھی موجود تھی سب کو اکٹھا کر کے جلوا دیا اور اس کے جلوانے پر پانچ سو دینار خرچ ہوئے (۳) انگور کی فروخت پر مکمل پابندی (۴) یہودیوں اور عیسائیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اور مسلمانوں کے لباس میں امتیاز رکھیں (۵) یہود و نصاریٰ کے لیے الگ الگ حمام بنوائے۔ نیز یہ حکم دیا کہ وہ اپنی کشتیاں علیحدہ بنوائیں اور مسلمانوں کی کشتیوں پر سوار نہ ہوں (۶) کسی مسلمان کو بطور خدمت گار نہ رکھیں اور نہ کسی مسلمان مکاری (کرایہ پر گدھا چلانے والے) کے گدھے پر سوار ہوں (۷) ۴۰۸ھ کو قمامہ اور مصر کے تمام گرجوں کو منہدم کرا دیا اور ان کا تمام ساز و سامان مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ان گرجوں کی تعمیر نو اور واپسی سامان کا حکم جاری کر دیا (۸) منجموں کو شہر بدر کر دیا اور علم نجوم کے بارے میں گفتگو کرنے کی ممانعت کر دی۔ نیز گویوں (گانے بجانے والوں) کو جلاوطن کر دیا (۹) عورتوں کی رات اور دن کے وقت سڑکوں پر نکلنے کی ممانعت کر دی (۱۰) موچیوں کو حکم دیا کہ وہ عورتوں کے لیے خف یعنی موزے نہ بنائیں۔

ایک اور حکایت

رسالہ قشیری کے باب ''کرامۃ الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ ابو حاتم بجستانی نے ابو نصر سراج سے اور ابو نصر نے حسین ابن احمد رازی سے اور انہوں نے ابو سلیمان خواص سے سنا کہ وہ ایک مرتبہ گدھے پر سوار ہو کر جا رہے تھے اور گدھے کو مکھیاں پریشان کر رہی تھیں جس کی وجہ سے وہ بار بار اپنے سر کو جھٹکتا تھا۔ میں اس کی اس حرکت پر اس کو بار بار لکڑی سے مار دیتا تھا۔ جب کافی دیر ہو گئی اور میں گدھے کو مارتا رہا تو

گدھے نے میری طرف منہ کر کے کہا کہ مجھ کو (بلاقصور) مارے جا رہے ہو تیرے سر پر بھی اسی طرح مار پڑے گی۔ حسین کہتے ہیں کہ میں نے خواص سے پوچھا کہ اے ابوسلیمان کیا واقعی گدھے نے تم سے گفتگو کی تھی؟ تو انہوں نے اس کا جواب اثبات میں دیا اور کہا کہ میں نے گدھے کی بات اس طرح سنی تھی جس طرح کہ تم میری بات سن رہے ہو۔

تذنیب

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: تمام انبیاء کرام علیہم السلام گدھے پر سواری کرتے تھے اور صوف (اون) کے کپڑے پہنتے تھے۔ اور خود اپنے ہاتھوں سے بکریوں کا دودھ دوہتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک گدھا تھا جس کا نام عفیر (بضم العین مہملہ) تھا۔ بعض لوگوں نے عفیر کو غفیر (غین سے) بھی پڑھا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے اور یہ گدھا آپ کو مقوقس شاہ مصر نے ہدیہ میں پیش کیا تھا اور ایک دوسرا گدھا آپ کا یعفور نامی تھا جو آپ کو فردہ بن عمرو جزامی نے ہدیہ میں پیش کیا تھا۔ عفیر اور یعفور دونوں عفرہ سے مشتق ہیں جس کے معنی ہیں خاکی رنگ۔

سہیلی کہتے ہیں کہ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اس دن یعفور نے اپنے آپ کو ایک کنوئیں میں گرا کر ہلاک کر لیا تھا۔

ابن عساکر نے اپنی تاریخ کی کتاب میں ابومنصور کی سند سے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ نے خیبر فتح کیا تو ایک سیاہ گدھا آپ کے ہاتھ آیا۔ آپ نے اس گدھے سے گفتگو فرمائی اور پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ گدھے نے جواب دیا کہ میرا نام یزید بن شہاب ہے۔ میرے دادا کی نسل سے ساٹھ گدھے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے اور ان پر نبی کے علاوہ اور کوئی سوار نہیں ہوا۔ اب اس نسل سے سوائے میرے اور کوئی باقی نہیں رہا اور نہ سوائے آپ کے کوئی نبی رہا۔ مجھے یہ اُمید تھی کہ آپ مجھ پر سوار ہوں گے۔ آپ سے پہلے میں ایک یہودی کے پاس تھا جب وہ میری پشت پر سوار ہوتا تو میں قصداً اس کو لے کر گر پڑتا تھا۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو یعفور ہے اور اس سے پوچھا کہ کیا تجھ کو مادہ کی خواہش ہوتی ہے؟ گدھے نے جواب دیا کہ نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس گدھے پر سوار ہوا کرتے تھے اور جب کسی صحابی کو آپ طلب فرماتے تو اس گدھے کو بھیج دیتے۔ چنانچہ یہ گدھا جاتا اور مطلوب صحابی کا دروازہ اپنے سر سے کھٹکھٹاتا۔ جب گھر والا باہر نکل آتا تو گدھا ان کو اشارہ کر دیتا جس سے وہ سمجھ جاتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو طلب فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ آپ کے پاس حاضر ہو جاتے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو اس گدھے نے ابوالہیثم بن تیہان کے کنوئیں میں گر کر آپ کے غم میں خودکشی کر لی اور وہ کنواں اس کی قبر بن گیا۔ علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے اور اس کا متن اور اسناد نہایت ضعیف ہیں۔ چنانچہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میرے اس تبصرے کے بغیر اس کو ذکر کرے۔ حالانکہ سہیلی نے اپنی کتاب **التعریف والاعلام فی الکلام** میں اللہ تعالیٰ کے قول: **وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً** کی تفسیر کرتے ہوئے اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

کامل ابن عدی احمد بن بشیر کے حالات میں اور بیہقی کی "شعب الایمان" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص اپنی خانقاہ میں عبادت کیا کرتا تھا' جب بارش ہوئی اور زمین سبزہ زار ہو گئی تو اس نے اپنے گدھے کو چرتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگا کہ اے اللہ! اگر تیرا گدھا ہوتا تو میں ضرور اس کو اپنے گدھے کے ساتھ چراتا۔ اس کی یہ بات بنی اسرائیل کے کسی نبی کو پہنچی تو نبی نے اس کے حق میں بددعا کرنے کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب وحی فرمائی اور فرمایا کہ ہم اپنے بندوں کو ان کی عقلوں کے مطابق جزا اور بدلہ دیتے ہیں۔"

یہ حدیث ابونعیم کی کتاب الحلیہ میں زید بن اسلم کے حالات میں بھی اسی طرح منقول ہے۔

ابن ابی شیبہ اپنی کتاب میں اور امام احمد سلیمان بن مغیرہ سے ثابت کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! اگر آپ اپنی حاجت روائی کی غرض سے کوئی گدھا لے لیتے تو کیا اچھا ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایسی چیز سے بچتا ہوں جو مجھے اللہ کے ذکر سے غافل کردے۔

گدھے کا شرعی حکم

اکثر علماء کے نزدیک اس کا کھانا حرام ہے۔ اگرچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں رُخصت منقول ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ پندرہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس کا مکروہ ہونا منقول ہے۔ ابن عبدالبر نے اس کی حرمت پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ غالب بن ابجر سے روایت منقول ہے:

> ''ایک سال ہم مصیبت میں گرفتار ہو گئے تو ہم نے آپؐ سے اس کی شکایت کی۔ پس میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس سوائے گدھے کے اور کچھ بھی بچوں کو کھلانے کے لیے نہیں ہے اور آپؐ نے گدھے کا گوشت حرام قرار دے دیا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اپنے بچوں کو پالتو گدھے کھلا سکتے ہو۔ میں نے تو ان گدھوں کے استعمال سے روکا ہے جو بار برداری کے کام میں آتے ہیں۔''

غالب ابن ابجر سے اس کے علاوہ اور کوئی روایت منقول نہیں۔

> ''نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے گدھا کا گوشت کھانے سے اور اجازت دی ہے گھوڑوں کا گوشت کھانے کی۔''

غالب ابن ابجر کی روایت کو تمام حافظین حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے اور اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ حالت اضطرار (یعنی انتہائی مجبوری میں) پر محمول ہوگی۔ نیز یہ اتفاقی امر ہے اس میں عموم نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی حجت ہے۔ علماء کرام کا اس کی حرمت کی علت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس کی علت اہل عرب کے طبائع میں گدھے کے متعلق پائی جانے والی کراہت کو قرار دیا ہے اور بعض نے نص کو۔ مگر دویانی نے دونوں کا ذکر کیا ہے۔ حافظ منذری نے فرمایا ہے کہ گدھے کے گوشت کی حرمت بھی دو مرتبہ منسوخ ہوئی ہے اور قبلہ بھی دو بار منسوخ ہوا ہے۔ اسی طرح نکاح متعہ بھی دو مرتبہ منسوخ ہوا ہے۔

گدھی کے دودھ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ عطاء اور طاؤس وزہریؒ نے اس میں رُخصت دی ہے۔ اصح قول یہ ہے کہ اس کا دودھ حرام ہے کیونکہ دودھ کا حکم گوشت کے تابع ہوتا ہے۔ نیز بلاضرورت گدھے کو اور اسی طرح حرام جانور کو مارنا بالاتفاق حرام ہے۔

بخاری شریف میں یہ حدیث مذکور ہے:

> ''نبی کریم ﷺ کا گزر ایک ایسے گدھے پر ہوا جس کے چہرے کو داغا گیا تھا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے یہ کیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دور فرمادے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ رحمت سے دور کرے اس کو جس نے داغا ہے۔''

ضرب الامثال

اہل عرب کہتے ہیں عَشَّرَ تَعْشِیْرُ الْحِمَارِ. جوہری کہتے ہیں کہ تعشیر حمار کا مطلب وہ آواز ہے جو گدھا گلا گھونٹ کر نکالتا

ہے۔اور اہل عرب یہ مثال اس وقت دیتے ہیں جب کوئی کسی بلا کے خوف سے گدھے کی آواز نکالے کہ جیسا کہ پیچھے بیان ہوا ہے۔
قرآن کریم میں علماء یہود کے بارے میں فرمایا گیا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا.

''جن کو تورات دی گئی اور انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا تو ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ چار پایہ براو کتابے چند۔''
نیز حدیث میں بھی گدھے سے مثال دی گئی ہے:
''قیامت کے دن ایک آدمی لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو اس کے پیٹ کے اندرونی اعضاء اس طرح چکر کھائیں گے کہ جیسا کہ گدھا چکر کھاتا ہے۔اہل جہنم اس سے پوچھیں گے تمہارا ایسا کیا جرم تھا جس کی اتنی خوف ناک سزا دی گئی تو وہ کہے گا کہ میں لوگوں کو نیک کام کی تلقین کرتا تھا مگر خود نہیں کرتا تھا اور برائی سے روکتا تھا مگر خود نہیں بچتا تھا۔(یعنی یہ شخص واعظ بے عمل تھا)۔''
اہل عرب بہت نکاح کرنے والے کو کہتے ہیں: **هُمْ يَتَهَارَجُوْنَ كَهَارِجِ الْحُمُرِ.** نیز کہتے ہیں: **يُهَرِّجُهَا لَيْلَةً جَمِيْعًا۔**
حافظ ابونعیم ابوالزہریہ سے نقل کرتے ہیں:
''لوگ فتنہ یاجوج ماجوج کے بعد دس سال بڑے راحت و آرام سے گزاریں گے۔یہاں تک کہ ایک انار اور ایک خوشہ انگور کو اُٹھانے کے لیے دو دو آدمی درکار ہوں گے۔اس حالت میں دس سال گزر جائیں گے۔پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک خوشبودار ہوا بھیجیں گے جو ہر مومن اور مومنہ پر موت طاری کر دے گی۔پھر اس کے بعد لوگ ایسی گڑ بڑ کی زندگی بسر کریں گے کہ جیسا کہ گدھا چراگاہ میں جدھر منہ اُٹھاتا ہے چل دیتا ہے اور پھر اسی بے نظم زندگی کے اوقات میں قیامت آجائے گی۔''
کسی غیر پسندیدہ کام پر اگر کوئی قوم تعاون کرتی ہے تو اس کی مثال دیتے ہوئے اہل عرب کہتے ہیں: **بَالَ الْحِمَارُ فَاسْتَبَالَ اَحْمِرَةَ** ای حملهن علی البول یعنی ایک گدھے کے دیکھا دیکھی دوسرے گدھے بھی پیشاب کرتے ہیں۔یہ مثال اس وقت دی جاتی ہے جب کہ لوگ از راہ عصبیت حق اور ناحق کو دیکھے بغیر کسی کی مدد کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔
اہل عرب یہ بھی کہتے ہیں۔اتخذ فلان حمارا الحاجات.یعنی فلاں شخص ضرورتوں کے گدھے پر سوار ہو گیا۔یعنی ذلت آمیز مصروفیات میں لگ گیا۔نیز یہ بھی مثال دیتے ہیں: ترکته جوف حمار. یہ مثال اس وقت دیتے ہیں جب کسی چیز میں بھلائی کا نام ونشان نہ ہو اور یہ بھی کہتے ہیں: اصبر من حمار کہ فلاں شخص گدھے سے بھی زیادہ صابر ہے ؎

غدونا غدوة سحرًا بليل عشاء بعد ما انتصف النهار

''ہم صبح ہی صبح چلے (اور) برابر چلتے رہے یہاں تک کہ دن آدھا ہو گیا۔''

قَصَدْنَاهَا حِمَارًا ذَا قُرُوْنٍ اَكَلْنَا اللَّحْمَ وَ انْفَلَتَ الْحِمَارُ

''پھر ہم نے ایک سینگ والے گدھے کا ارادہ کیا اس کا گوشت تو کھا لیا اور گدھا اپنی جان سے گیا۔''
شاعر کا مطلب ہے کہ کُل کا کُل گدھا کھا لیا کچھ بھی باقی نہ چھوڑا اور ''ذو قرن'' کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عمر پکی تھی بچہ نہیں تھا۔

چنانچہ دوسرا شاعر کہتا ہے ؂

وَ مَا یُقِیْمُ بدار الذُّل یَعْرِفُهَا اِلَّا اِلْاِذْلان عِیر الحی وَ الْوَتَدُ

''ایسی جگہ جہاں ذلت ہی ذلت ہو وہاں کوئی نہیں ٹھہرتا اور ذلت کی جگہ پر دو ہی چیزیں ٹھہرتی ہیں ایک گدھا دوسری میخیں۔''

هَذَا عَلَی الْخَسْفِ مَرْبُوْط بِرَمَّتِهِ وَ ذَا یُشَجُ فَلا یرثی لَهُ اَحَدٌ

''اور گدھا تو پاؤں میں رسی ڈال کر باندھ دیا جاتا ہے اور میخوں کو نیچے اُتارنے کے لیے ان کے سر کو ٹھوکا جاتا ہے مگر اس ظلم پر کوئی دو آنسو بھی نہیں گراتا۔''

طبی خواص

اگر کوئی شخص گدھے کے کان کا میل شراب یا کسی اور چیز میں ملا کر پی لے تو اس کو ایسی بے ہوشی کی نیند آئے گی کہ اسے کسی چیز کی خبر نہ رہے گی۔ جس وقت گدھا جفتی کرتا ہے اس وقت اگر اس کی دم کا بال اکھاڑ کر اپنی ران میں باندھ لے تو اس سے قوت باہ تیز تر ہو جاتی ہے۔ گدھے کی دم میں اگر پتھر باندھ دیا جائے یا اس کے سرین پر تیل مل دیا جائے تو وہ چیخنا چلانا بند کر دیتا ہے

امام رازیؒ اور صاحب حاوی فرماتے ہیں کہ اگر گدھے کے گوشت کو ابال کر اس میں کزاز (ٹیٹنس) کے مریض کو بٹھا دیا جائے تو اس کو بے حد فائدہ ہوگا۔ اور اگر اس کے کھر کی انگوٹھی بنا کر مصروع (مرگی والے) مریض کو پہنا دی جائے تو اس کی مرگی ختم ہو جائے گی۔ گھوڑے اور گدھے کی لید کو جلا کر یا بغیر جلائے سرکہ میں ملا کر لگائی جائے تو سیلان خون کو فوراً بند کر دے گی۔ گدھے کی پیشانی کی کھال کو اگر بچوں کے گلے میں ڈالا جائے تو بچوں کی گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے۔ اور ان کا سوتے ہوئے ڈرنا بند ہو جاتا ہے اور اگر اس کی لید میں سرکہ ڈال کر سونگھ لیا جائے تو نکسیر کے لیے فائدہ مند ہے۔

صاحب الفلاحہ نے لکھا ہے کہ بچھو کے ڈسے ہوئے کو گدھے پر سوار کرا کر پیٹھ کی جانب اس کا چہرہ کیا جائے تو اس کی تکلیف گدھے میں منتقل ہو جائے گی اور سوار ٹھیک ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی کے بچھو نے کاٹ لیا تو وہ گدھے کے پاس آ کر اس کے کان میں کہہ دے کہ میرے فلاں جگہ بچھو نے کاٹ لیا ہے تو بھی اس کی تکلیف گدھے میں منتقل ہو جائے گی اور وہ ٹھیک ہو جائے گا مگر پہلا عمل یعنی دُم کی طرف منہ کر کے بیٹھنا زیادہ مجرب ہے۔ گدھے کی ہڈی کا گودا تیل میں ملا کر سر پر ملنے سے بال لمبے اور کالے ہو جاتے ہیں۔ گدھے کا جگر بھون کر اور سرکہ میں ملا کر اگر نہار منہ کھائیں تو مرگی کے لیے تیر بہدف ہے۔ نیز تندرست اگر اس کو کھالے تو مرگی سے محفوظ رہے گا۔ ذکر پر گدھی کا دودھ ملنا قوت باہ کے لیے مفید ہے۔ گدھے کے چیخنے سے کتے کو تکلیف ہوتی ہے اور بسا اوقات کتا شدت تکلیف کی وجہ سے رونے لگتا ہے۔

خواب میں گدھے کی تعبیر

خواب میں گدھے کا نظر آنا خوش بختی اور کامیابی کی دلیل ہے اور بعض دفعہ اس کو خواب میں دیکھنا غلام یا ولد یا مال کے حصول کی دلیل ہے اور کبھی سفر اور علم کی جانب بھی اشارہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ اور کبھی معیشت پر دال ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ وَلِنَجْعَلَکَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ. اور کبھی اس کی تعبیر یہودی عالم سے دی

جاتی ہےاور بسا اوقات مصائب اور پریشانی سے نجات کی جانب بھی اشارہ ہوتا ہے یا کسی بڑے مرتبے پر پہنچنے کی علامت ہوتا ہےاور کبھی اللہ تعالیٰ کے قول: والخیل والبغال والحمیر لتر کبوھا وزینة. کی روشنی میں اس پر سوار ہونے سے زینت مال یا ولد سے بھی تعبیر دیتے ہیں۔

گدھے پر سواری کی تعبیر معبرین غموں سے چھٹکارا بھی دیتے ہیں خواب میں گدھے کی موت یا کمزوری کی تعبیر مالک کے فقر وفاقہ سے دی جاتی ہے اور بعض معبرین گدھے کی موت کی تعبیر مالک کی موت بتاتے ہیں۔گدھے کی پیٹھ سے خواب میں گر جانا یا خواب میں اس کو بیچنا کی تعبیر غریبی اور مفلسی ہے۔خواب میں گدھے کو ذبح کر کے کھانا معاش میں فراخی کی جانب اشارہ ہےاور دوسرے کے لیے ذبح کرنا معاشی حالت کی تباہی کی علامت ہے۔اگر کوئی شخص خواب میں اپنے گدھے کی دم بہت طویل دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اس کا مال ودولت مدت دراز تک قائم رہے گا اور اضافہ جاہ کا سبب بنے گا اور اگر کوئی شخص خواب میں زین سمیت گدھے کو دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے لڑکا پیدا ہوگا یا عزت حاصل ہوگی۔اگر کوئی شخص خواب میں گدھے پر سوار ہونے کو ناپسند کرے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو وہ چیز ملے گی جس کا وہ اہل نہیں ہے۔نیز کبھی فربہ ونحیف دونوں گدھوں کی تعبیر کثرت مال سے دیتے ہیں۔

اور خواب میں گدھی کو دیکھنے کی تعبیر ذی حسب ونسب خوب صورت اور معیشت میں معین ومددگار عورت ہے۔اگر کوئی شخص خواب میں گدھی پر سوار ہو اور دیکھے کہ پیچھے اس کا بچہ بھی آ رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ کسی بچے والی عورت سے شادی کرے گا۔خواب میں گدھے کا چلانا شر پر دلیل ہے۔کیونکہ قرآن شریف میں ہے: اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ. ''سب سے ناپسندیدہ اور مکروہ آواز گدھے کی ہے۔'' یا کسی وباء کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔کیونکہ گدھے کی آواز شیطان کے دیکھنے پر دال ہوتی ہے۔کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ گدھے کی آواز سنو تو تعوذ پڑھو۔اگر کوئی شخص لدے ہوئے گدھے کو اپنے گھر میں داخل ہوتا ہوا دیکھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بوجھ کے بقدر اس کو خیر سے نوازیں گے۔

گدھی کے دودھ کو خواب میں دیکھنا سرسبزی اور شادابی کی علامت ہے۔کبھی خواب میں گدھی کا دودھ پینے کی تعبیر پینے والے کی بیماری سے دی جاتی ہے۔جو شخص خواب میں اس کا گوشت کھائے تو اس کو مال حاصل ہوگا۔اگر خواب میں عورت نے گدھا دیکھا تو اس سے مراد اس کا شوہر ہے۔چنانچہ اگر عورت یہ دیکھے کہ اس کا گدھا مر گیا تو اس کا شوہر اس کو طلاق دے دے گا یا اس کا انتقال ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص خواب میں گدھے سے کشتی لڑے تو اس سے بعض اقارب کی موت کی جانب اشارہ ہے۔

جو شخص خواب میں یہ دیکھے کہ اس کا گدھا گھوڑا ہو گیا ہے تو اس کو بادشاہ کی جانب سے مال حاصل ہوگا۔اور اگر یہ دیکھے کہ اس کا گدھا خچر بن گیا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو سفر سے مال حاصل ہوگا اور اگر کوئی خواب میں اپنے گدھے پر سوار ہو جائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کو بے پناہ مال ودولت حاصل ہوگا۔خواب میں گدھے کے کھر دیکھنا قوت فی المال اور قوت فی التصریف کی علامت ہےاور خف کو دیکھنے کی تعبیر بھی یہی ہے۔نیز اگر کوئی شخص گدھے کے کھروں کی یا کسی بھی چوپائے کے کھروں کی آواز سنے اور ان کو نہ دیکھے تو اس سے بارش کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔کبھی کبھی گدھے کی تعبیر جاہل شخص سے دی جاتی ہےاور کبھی ولد الزنا سے بھی اس کی تعبیر دیتے ہیں۔

اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ آسمان سے گدھے نے اُتر کر اپنا ذکر اس کی سرین میں داخل کر دیا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو بے پناہ مال حاصل ہوگا۔بالخصوص اگر خواب دیکھنے والا بادشاہ ہو اور گدھے کا رنگ سرخی مائل بہ سیاہ ہو۔واللہ اعلم

اَلْحِمَارُ الْوَحْشِیُ

(الفراء۔ گورخر۔ جنگلی گدھا) اس کو حمار وحش بھی کہتے ہیں۔ گورخر انتہائی غیرت مند ہوتا ہے۔ اسی لیے ہر وقت اپنی مونث (مادہ) کی مدافعت کرتا رہتا ہے۔ نیز اس کا ایک معاملہ یہ ہے کہ جب اس کی مادہ کوئی مذکر بچہ جنتی ہے تو وہ بالکل خون کا لوتھڑا سا ہوتا ہے۔ چنانچہ مادہ بچہ سے بھاگنا چاہتی ہے لیکن نر اس کو بھاگنے نہیں دیتا اور اس کی تدبیر یہ کرتا ہے کہ وہ اپنی مادہ (یعنی بچہ کی ماں) کی ٹانگ توڑ دیتا ہے تو کہ وہ کہیں جا نہ سکے اور بچہ کو برابر دودھ پلاتی رہے۔ تو گویا کہ بچہ کے تحفظ کا ذریعہ صرف نر بنا۔ اس مضمون کو حریری نے مقامات کے تیرہویں مقامہ کے اشعار میں بیان کیا ہے ؎

یَا یارازِقُ النُّعَابِ فِیْ عَشِّہٖ وَ جَابرَ الْعَظْمِ الْکَثِیْرِ الْمَھِیْضِ

''اے وہ پاک ذات جو چوزے کو بھی اس کے گھونسلہ میں روزی پہنچاتا ہے اور ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑ دیتا ہے۔''

اتـح لَنَا اَللّٰھُمَّ مِنْ عِرْضِہٖ مِنْ دَنَسِ الذَّم نَقِی رَحِیْضِ

''ہمیں بے آبروئی سے بچا اور کسی کو ایسا موقع نہ دے جو ہماری عزت سے کھیلے۔''

گورخر کے بارے میں لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کی عمر ۲۰۰ سال یا اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ مؤرخ ابن خلکان نے یزید بن زیاد کے حالات زندگی میں بیان کیا ہے کہ ایک لشکری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم جرود میں پہنچے وہاں ہم کو بہت سے جنگلی گدھے شکار میں ہاتھ آئے۔ ان میں سے ہم نے ایک گدھے کو ذبح کر کے پکنے کے لیے چڑھا دیا۔ اور خوب پکایا مگر وہ گلا نہیں۔ پھر ہم نے اس کے نیچے آگ زیادہ کر دی اور پورے ایک دن تک اس کو پکایا مگر پھر بھی وہ نہیں گلا' تو ہم میں سے ایک سپاہی اُٹھا اور اس گدھے کی سری کو الٹ پلٹ کرنے لگا۔ اچانک ان کی نگاہ اس کے کان پر پڑی تو کیا دیکھا کہ اس کے کان پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ اس نے اسے پڑھا تو معلوم ہوا کہ اس کے کان پر ''بہرام گور'' لکھا ہوا ہے اور یہ نام کوفی رسم الخط میں لکھا ہوا ہے۔ ابن خلکان کہتے ہیں کہ لوگ اس سری کو میرے پاس لائے میں نے بھی یہ نام صاف طور سے اس کے کان پر لکھا ہوا دیکھا۔

بہرام گور رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے بہت عرصہ قبل ملک فارس کا ایک بادشاہ گزرا ہے جس کو گورخر کے شکار کا بہت شوق تھا اور اسی وجہ سے اس کا لقب ''گور'' پڑا۔ اس کا قاعدہ تھا کہ جب کبھی وہ کوئی جانور شکار کرتا تو اس پر اپنا نام لکھ کر چھوڑ دیتا۔ یہ علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے کہ اس کے کان پر بہرام گور کا نام کندہ کرنے سے قبل اس گورخر کی عمر کتنی تھی مگر اس کے ذبح ہونے کے وقت کے اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ دو سو برس سے زائد زندہ رہا۔

جرود دمشق کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے۔ اس شہر کے جنگلوں میں گورخر بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اس شہر میں ایک پہاڑ ہے جس کو جبل المدخن کہتے تھے (یعنی جوالا مکھی) اس سے دھواں نکلتا رہتا تھا۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ گورخر ۸۰۰ برس سے بھی زیادہ زندہ رہتا ہے اور اس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ ان میں زیادہ دراز عمر اور خوبصورت اخدری (اخدر) کی جانب منسوب ہے۔ جو کسری اردشیر کا ایک گدھا سانڈ تھا جو بھاگ کر جنگلی جانوروں میں چلا گیا تھا۔ اس سے جنگل میں جو نسل چلی اس کو اخدری کہتے ہیں۔

جاحظ کہتے ہیں کہ جنگلی گدھوں کی عمریں گھریلو گدھوں سے زیادہ ہوتی ہیں۔ مگر ہمارے علم میں گھریلو گدھوں میں ابوسیارہ کے گدھے سے کسی گدھے کی عمر زیادہ نہیں ہوئی۔ ابوسیارہ کا نام عمیلہ بن خالد عدوانی تھا۔ ان کے پاس ایک کالا گدھا تھا جس کو انہوں نے چالیس

سال تک مزدلفہ سے منیٰ تک کرائے پر چلایا۔ اپنے بارے میں وہ یہ اشعار پڑھا کرتا تھا ؎

لَا هُم مالِیْ فِی الْحِمَارِ الْاَسْوَدِ اَصْبَحْتُ بَیْنَ الْعَالَمِیْنَ اَحْسَدُ

''وہی (یعنی گدھا) صرف میرا مال نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ بھی میرے پاس دولتیں ہیں جن کی بناء پر لوگ مجھ سے حسد کرنے لگے۔''

هلا يكاد ذو الحمار الجلعد فق اباسيارة المحسد

''کاش تیرے پاس ایسا گدھا ہوتا جو تجھے حاسدوں کے حسد سے بچاتا۔''

من شر كل حاسد اذا حسد و من اذاة النافثات فی العقد

''اب تو صرف یہی دُعا کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حاسدوں کے حسد سے بچائے اور ان جادوگرنیوں سے بھی جو پھونک پھونک کر گرہوں پر دم کرتی ہیں۔''

ابوسیارۃ کے بارے میں کسی شاعر کے یہ شعر ہیں ؎

خلوا الطريق عن ابی سياره و عن مواليه بنی فزاره

حتی بجيز سالما حماره

''ابوسیارہ اور اس کے رشتہ داروں کے لیے راستہ چھوڑ دو تا کہ اس کا گدھا سلامتی کے ساتھ قبلہ کی جانب پہنچ جائے۔''

مستقبل القبلة يدعو جاره فقد اجار اللّٰه من اجاره

''اہل قبلہ اس کے لیے دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو جو اس کو پناہ دے اپنی پناہ میں رکھے۔''

ابن ابی شیبہ اور ابن عبدالبر نے ابوفاطمہ لیثی سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ:

''ہم آنحضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے دریافت کیا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے صحت کون چاہتا ہے؟ تو ہم میں سے آگے بڑھ بڑھ کر ہر ایک بولا کہ میں یارسول اللہ! میں یارسول اللہ! تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم گمشدہ گدھا بننا چاہتے ہو؟ ہم نے جواب دیا کہ ایسا تو نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر تم مصیبت سے کیوں بھاگتے ہو؟ اور آپؐ نے پھر قسم کھا کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کبھی کسی مومن کو مبتلاء مصیبت کرتا ہے تو اس سے ناراض ہو کر نہیں بلکہ یہ خدا تعالیٰ کا اس بندۂ مومن پر احسان ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند کرنا چاہتے تھے۔ مگر اس کے پاس کوئی نیک عمل نہیں تھا تو مبتلاء مصیبت کر دیتے ہیں تو یہی مصیبتیں اس کی ترقیات کا موجب بن جاتی ہیں۔''

بیہقی نے شعب الایمان میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے بعض اہل ادب سے حمر ضالۃ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس سے گورخر مراد ہے۔ ابن اثیر نے ذکر کیا ہے کہ احمد عسکری نے آپ کے قول: اتحبون ان تكونوا كالحمر الضالة میں ضالة کے بجائے صالة (بالصاد) پڑھا ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ نیز گورخر کو شدت صوت اور قوت و دانائی جسم کی بنا پر صال اور صلصال بھی کہا جاتا ہے۔

شرعی حکم

احادیث صحیحہ کی روشنی میں بالاتفاق اس کا کھانا جائز ہے۔ صحیحین میں یہ حدیث منقول ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انا لم نردہ علیک الا انا حرم.

''آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے احرام کی بنا پر گورخر کو چھوڑ دیا۔''

(تو اگر احرام میں نہ ہوتے تو یقیناً استعمال فرماتے)

امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر پالتو گدھا آبادی سے نکل کر جنگلوں میں مقیم ہو جائے تو پھر اس کا کھانا حرام ہے اور ایسے ہی اگر وحشی جانور آبادیوں میں آجائے اور مستقل رہنے لگے تو اس کا کھانا حرام نہیں رہے گا۔ اس قول کا حاصل وحشت کا ہونا اور وحشت کا نہ ہونا اور مطرف سے یہ روایت منقول ہے: اَنَّهٗ قَالَ اِذَا اَنَسَ وَاعتَلَفَ صَارَ كَالْاَهْلِیْ. مطرف نے کہا کہ ''اگر یہ انسانوں سے مانوس نہ ہو جائے اور پالتو جانوروں کا چارہ استعمال کرنے لگے تو پھر اس کا حکم پالتو جانوروں سا ہے۔'' مگر تمام اہل علم مطرف کے اس قول کو قابل قبول نہیں سمجھتے۔ گدھے اور گورخر کے ملاپ سے پیدا ہونے والا بچہ حرام ہے۔ کیونکہ بچہ کھانے کے معاملہ میں اپنے ابوین میں سے بہتر کے تابع ہوتا ہے تا آنکہ ہم ابوین میں سے ایک کو ایسا فرض کر لیں جس کا گوشت استعمال نہیں ہو سکتا۔ تو بچہ نجاست کے معاملہ میں ابوین میں سے بدتر کے تابع ہوگا۔ نتیجتاً اگر وہ کسی چیز میں منہ ڈال دے گا تو اس برتن کا دھونا واجب ہوگا اور اس کے تمام اعضاء درندے کے حکم میں ہوں گے جبکہ بچہ کتے اور بھیڑیئے کے ملاپ سے پیدا ہوا ہو۔

یہی مسئلہ نکاح کے سلسلہ میں بھی ہے' تو اگر کوئی لڑکی پیدا ہوئی اور اس کا باپ آسمانی دین پر ایمان رکھتا تھا یا اس کے برعکس صورت ہو تو اس لڑکی سے نکاح جائز نہ ہوگا۔ لیکن اس اصول کو جزیہ کے مسائل میں چھوڑ دیا گیا ہے۔ جزیہ اس پر بھی لاگو کیا جائے گا' جس بچہ کی پیدائش کتابی اور کافرہ کے ملاپ سے ہوئی ہے۔ نیز اس اصول کو دیت کے مسائل میں بھی چھوڑ دیا گیا ہے اور اس بچہ کو جو ایسی صورت میں پیدا ہوا ہے اس جانب میں لگایا جائے گا جس پر دیت زیادہ ملتی ہو۔

صحیح قول یہی ہے اگر چہ بعضوں نے بچہ کو ملحق کیا ہے اس جانب میں جس پر دیت کم آتی ہو۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ ہر حال میں باپ کے تابع ہوگا۔ یہ جملہ اقوال رافعی نے نقل کئے ہیں اور مسئلہ حج میں اس بچہ کو والدین میں سے اس کے تابع کیا ہے جس پر احکام شرعیہ بقوت نافذ کئے گئے۔ نتیجتاً اگر ایک ایسے بچہ کو مار دیا جو ہرن اور بکری کے ملاپ سے پیدا ہوا تھا تو اس پر جزاء واجب کی گئی ہے۔ لیکن ذبح کے مسئلہ میں اس کے بالکل خلاف کیا گیا۔ چنانچہ اگر پالتو اور غیر پالتو کے ملاپ سے کوئی بچہ پیدا ہوا ہے تو اس کے لیے شرعی ذبح ضروری نہیں قرار دیا گیا۔ اور اگر ایسی صورت میں بچہ پیدا ہوا کہ ملاپ گائے اور بھینسہ کا تھا تو پھر قیل وقال کی گئی ہے اور مسئلہ دین میں بچہ کو ابوین میں سے اس کے تابع کیا گیا جو دین کے اعتبار سے اچھا تھا۔ مثلاً ماں باپ میں سے کوئی ایک استقرار حمل کے وقت مسلمان تھا تو اگر چہ پیدائش کے وقت وہ کافر ہو گئے ہوں تاہم استقرار حمل میں مسلمان ماں باپ کے تابع کرتے ہوئے بچہ کو مسلمان ہی کہا گیا اور اگر باپ نے اس بچہ کے بلوغ سے پہلے اسلام قبول کر لیا تو بچہ کو بھی مسلمان کہا جائے گا۔ لیکن غلامی اور آزادی کے معاملہ میں بچہ ماں کے تابع ہے جب تک یہ ماں کے پیٹ میں ہے اور نسب کے سلسلہ میں ہر حال میں بچہ باپ ہی کا تابع سمجھا جائے گا۔ چونکہ نسب میں آباؤ اجداد کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ ننھیالی رشتوں کا۔ اس کلیہ سے صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دختری اولاد مستثنٰی ہے۔ چونکہ آپ کی دختری اولاد آپؐ ہی کی طرف منسوب ہو کر سادات میں شمار ہو گی' اپنے آباؤ اجداد کی طرف منسوب نہیں ہو گی۔ گویا کہ یہ مسئلہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور حرامی بچہ کا نسب کسی سے ثابت نہیں کریں گے۔ لیکن اگر کسی کے باپ نے انکار کر دیا کہ یہ میرا نہیں ہے تو اگر چہ اس کی شکل حرامی بچہ کی سی کیوں نہ ہو تاہم فقہاء اس پر ولد الزنا کے احکام جاری نہیں کرتے۔

مسئلہ تابعیت قربانی وعقیقہ کے سلسلہ میں زیر بحث نہیں آیا مگر اس میں احتیاط یہی ہے کہ جس کی عمر زیادہ ہو گی اسی کا لحاظ کریں گے۔

اسی لیے اگر بچہ پیدا ہوا بھیڑ اور بھیڑنی کے ملاپ سے تو قربانی میں اس کے کافی ہونے کے لیے ضروری ہوگا کہ تیسرے سال میں وہ داخل ہو جائے۔ چونکہ ہم ابوین میں سے زیادہ عمر والے کا اعتبار کر رہے ہیں اور یہاں وہ بھیڑ ہے نہ کہ بھیڑنی۔ نیز فقہاء نے اس تابعیت کو سود کے مسائل میں بھی لانے کی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ یہ دیکھنا ہے کہ دو گوشت ایک دوسرے کے عوض اگر فروخت ہو رہے ہیں تو کمی بیشی ملحوظ رہے گی یا نہیں' اہم مسئلہ ہے ورنہ تو سود بن جانے کا خطرہ ہے۔

ہمارا خیال تو یہ ہے کہ احتیاط کے پیش نظر برابر برابر فروخت کیے جائیں کم اور زیادہ نہیں۔ کیونکہ مسائل سود بڑی احتیاط کے طالب ہیں۔ نیز مسائل شرکت وکالت اور قرض دینے لینے کے سلسلے میں بھی تابعیت کے اُصول کو سامنے نہیں رکھا گیا۔ غالباً اسی وجہ سے کہ یہ مسائل بہت کم پیش آتے ہیں جبکہ فقہاء انہی صورتوں سے بحث کرتے ہیں جو بکثرت پیش آتی رہتی ہیں اور لوگوں کو ان کے احکام جاننے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

ضرب الامثال

اہل عرب کہتے ہیں: اَكْـفَـرُ مِـنْ حِـمَـارٍ. ''فلاں حمار سے زیادہ کافر ہے۔'' عرب اس مثال کو اس وقت کہتے ہیں جب وہ کسی کو شدید کفر سے منسوب کرتے ہیں اس کی اصل یہ ہے کہ قوم عاد میں ایک شخص جس کو حمار ابن مویلع یا حمار ابن مالک بن نصر الازدی کہتے تھے یہ شخص مسلمان تھے اور اس کی ملکیت میں ایک وادی تھی جس کی لمبائی ایک یوم کی مسافت کے برابر اور چوڑائی چار فرسخ تھی۔ یہ وادی عرب میں تمام وادیوں سے سرسبز اور شاداب تھی اور اس میں ہر قسم کے پھلوں کے درخت تھے۔

ایک دن اس کے لڑکے شکار کھیلنے اس وادی میں گئے تو اتفاقاً ان پر وہاں آسمانی بجلی گر گئی اور وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے اس پر وہ کم بخت کافر ہو گیا اور کہنے لگا کہ جس نے میری اولاد کے ساتھ ایسا کیا اس کی میں (نعوذ باللہ) عبادت نہیں کروں گا اور پھر اس نے اپنی قوم کو بھی کفر کی دعوت دی اور قوم کے جس فرد نے بھی اس کی دعوت کو قبول نہ کیا اس کو اس نے قتل کر دیا۔ اس جرم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس کو ہلاک اور اس کی وادی کو ویران اور تباہ و برباد کر دیا۔ تبھی سے یہ مثل بن گئی۔

چنانچہ عرب کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

اَلَمْ تَرَ اَنَّ حَارِثَه بْنَ بَدَرٍ يُصَلِّيْ وَ هُوَ اَكْفَرُ مِنْ حِمَارٍ

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حارث بن بدر نماز پڑھتا ہے حالانکہ وہ حمار نامی شخص سے زیادہ کافر ہے۔''

گورخر کے طبی خواص

ابن وحشیہ اور ابن سویدی لکھتے ہیں کہ گورخر کی آنکھوں کو دیکھنے سے آنکھیں صحت مند رہتی ہیں اور آنکھوں سے پانی بہنے کے لیے مفید ہیں۔ اس کے پتہ کا سرمہ استعمال کرنے سے بینائی میں اضافہ اور آنکھوں کی بے نوری جاتی رہتی ہے۔ نیز آنکھیں نزول ماء (موتیا بند) سے محفوظ رہتی ہیں اور اس کا گوشت کھانا وجع مفاصل (گنٹھیا) کے مریض کے لیے مفید ہے۔ نیز اس کا گوشت نقرس (پیر کی انگلیوں کا درد) میں بھی فائدہ مند ہے۔ برص کا مریض اگر اس کی چربی کی مالش کرے تو ٹھیک ہو جائے گا۔ گورخر کا پتہ بال گرنے کی بیماری میں مالش کے طور پر استعمال کریں تو بہت فائدہ مند ہے اور اگر بستر پر پیشاب کرنے والا مریض اس کے پتہ کو کھالے تو اس کو اس سے نجات مل جائے گی۔ اس کا گودا چنبیلی کے تیل میں ملا کر سفید داغ والا مالش کرے تو سفید داغ ختم ہو جائیں گے۔

گورخر کی خواب میں تعبیر

گورخر کا خواب میں دیکھنا عورت یا لڑکے کی جانب اشارہ ہوتا ہے اور خواب میں گورخر پر سواری کرنا معصیت پر دلالت کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص خواب میں یہ دیکھے کہ وہ گورخر پر سوار ہو کر گر پڑا ہے تو اسے معصیت کے تاوان سے ڈرنا چاہیے اور اگر کوئی شخص خواب میں گورخر کا کچھ گوشت حاصل کرلے یا گورخر کا مالک بن جائے تو اس کو مال و دولت وعزت ملے گی اور جو شخص خواب میں گورخر کا دودھ پی لے تو اس کو دین کی سوجھ بوجھ عطا ہوگی۔ خواب میں اگر گورخر بدک کر بھاگ جائے تو نقصان اور شر کی جانب اشارہ ہے۔ اور اگر خواب میں گورخر مانوس ہو جائے تو نفع اور خیر کی دلیل ہے۔

حَمَارُ قبان

(ایک چھوٹا سا دابہ) امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ قبان' فعلان کے وزن پر ہے۔ قَبَّ یَقُب سے ماخوذ ہے اور معرفہ اور نکرہ دونوں حالت میں یہ غیر منصرف ہے۔ جوہری کہتے ہیں کہ حمار قبان ایک چھوٹا سا دابہ ہوتا ہے اور قبان فعلان کے وزن پر قب سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ اہل عرب اس کو غیر منصرب پڑھتے ہیں اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ معرفہ ہے اور اگر یہ فعال کے وزن پر قبن سے ماخوذ ہوتا تو اہل عرب اس کو منصرف پڑھتے۔ حالانکہ وہ اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں رایت قطیعا من حمر قبان۔ ''میں نے حمار قبان کی ایک ٹکڑی دیکھی۔'' شاعر نے بھی اس کو غیر منصرف پڑھا ہے ؎

یا عجبا لقد رأیت عجبا حَمارُ قُبَّان یَسُوْقُ اَرْنَبَا

''میں ایک حیرت انگیز معاملہ دیکھا کہ ایک حمار قبان خرگوش کو ہانک رہا ہے۔''

خاطبَهَا یَمْنَعُهَا اَنْ تَذْهَبَا فَقَالَتْ اَرْدِفْنِیْ فقَالَ مَرْحَبًا

''اس نے خرگوش سے کہا کہ تم کہیں میری اجازت کے بغیر نہیں جاسکتے۔ اس پر خرگوش بولا کہ پھر تم مجھے اپنے ساتھ سوار کرلو تو جواباً حمار قبان نے کہا کہ ٹھیک ہے۔''

ابن مالک اور دیگر صرفیین فرماتے ہیں کہ ہر وہ اسم جس کے آخر میں الف کے بعد نون اور الف اور فاء کلمہ کے درمیان کوئی حرف مشدد ہو تو اس میں نون کے اصلی ہونے اور زائد ہونے دونوں کا احتمال رہتا ہے اور مثال میں حسان' دکان تبان اور ربان وغیرہ کو پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اگر حسان جو حُسنٌ سے ماخوذ مانا جائے تو اس صورت میں ایک سین زائد ہوگا اور اگر اس کو حِسنٌ سے ماخوذ مانا جائے تو اس کا نون زائد مع الالف ہوگا اور اس کا وزن پہلی صورت میں ''فعال'' اور دوسری صورت میں **فعلان** ہوگا اور پہلی صورت میں منصرف اور دوسری صورت میں الف' نون زائد ہوگا نون زائدتان کی وجہ سے غیر منصرف پڑھا جائے گا۔

اسی طرح تُبان جو تُبٌ (نقصان) سے ماخوذ مانا جائے تو اس میں الف نون زائد ہوگا اور یہ غیر منصرف پڑھا جائے گا اور اگر اس کو تَبَنٌ سے ماخوذ مانا جائے تو اس میں نون اصلی ہوگا۔ اور آگے فرماتے ہیں کہ جب آپ یہ قاعدہ سمجھ چکے تو اب سمجھئے کہ قبان قبٌ سے بھی ماخوذ ہوسکتا ہے۔ قبٌ کے معنی ''پتلے پیٹ والا'' اور اَقَبَ کے معنی بھی پتلے پیٹ والا کے آتے ہیں۔ اور جوہریؒ نے اسی قول کو لیا ہے۔ کہا جاتا ہے ''اَلْخَیلُ الْقُب'' یعنی پتلے پیٹ والے گھوڑے۔ جاحظ نے عورتوں کی تعریف میں یہ شعر کہا ہے اور اس میں بھی قبٌ کے یہی معنی لیے ہیں ؎

يَمْشِيْنَ مَشْىَ قَطَا الْبَطَاحِ تَاوُّدًا قُبَّ الْبُطُوْن رواجج الاكفال

''وہ اس طریقے پر چلتی ہیں جیسا کہ ستے (پتلے) ہوئے پیٹ والے گھوڑے چلتے ہیں' حرکت دیتے ہوئے اپنے سرین کو۔''

لہٰذا ممکن ہے کہ حمار قبان چھریرے ہٹ پیٹ کا ہونے کی وجہ سے قب سے ماخوذ ہو کیونکہ یہ دینار کے بقدر گول سا جانور ہوتا ہے اور اس کا پیٹ چھریرا ہوتا ہے۔ یہ نرم زمین میں پیدا ہوتا ہے اور اس کی پیٹھ اُبھری ہوئی ہوتی ہے۔ نیز اس کی کمر بھی پتلی ہوتی ہے۔ جب یہ چلتا ہے تو اس کی ٹانگوں اور سر کے علاوہ اور کوئی چیز نظر نہیں آتا۔ الا یہ کہ اس کو پلٹ دیا جائے۔ کیونکہ اس کی پیشانی کے سامنے ایک گول سی ردک (آڑ) ہوتی ہے۔ یہ گبریلے سے کچھ کم کالا ہوتا ہے اور اس سے چھوٹا بھی ہوتا ہے۔ اس کے چھ پیر ہوتے ہیں اور یہ کھاری اور ریتلی زمین مین رہنا پسند کرتا ہے۔ نیز قبان' یقبن سے بھی ماخوذ ہوسکتا ہے۔ قبن' یقبن کے معنی ''تیز چلنے'' کے ہیں۔ صاحب مفردات لکھتے ہیں کہ یہ وہ جانور ہے جس کو ہد یہ کہتے ہیں۔ اس جانور کے بہت سارے پیر ہوتے ہیں۔ اور اگر اس کو چھودیا جائے تو یہ کنڈلی مار لیتا ہے۔ اور حمار قبان کی ایک قسم وہ ہے جو چھریرے پیٹ کی ہوتی ہے لیکن کنڈلی نہیں مارتی اور لوگ اس کو ابوشحیمہ بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی نرم زمین کو پسند کرتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ کوئی الگ قسم نہیں بلکہ چھوٹے حمار قبان ہی ہیں۔ اہل یمن حمار قبان اس جانور کو کہتے ہیں جو ٹڈی سے بڑا اور فراش کی قسم سے ہوتا ہے۔ حالانکہ اشتقاق اس کی گنجائش نہیں رکھتا۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا اشتقاق قبن المتاع سے ہو تو اس وقت یہ منصرف ہوگا کیونکہ اس میں نون اصلی ہوگا۔ قبان اسی چیز کو کہتے ہیں جس سے وزن کیا جائے اور صحیح بات یہ ہے کہ قبان قب سے ماخوذ ہے۔ اسی وجہ سے اہل عرب اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں۔

شرعی حکم

یہ جانور اپنے اندر پائے جانے والے خبث کی وجہ سے حرام ہے۔

طبی خواص

حمار قبان کا جھوٹا پانی پینے سے عسر بول اور یرقان کی بیماری زائل ہوجاتی ہے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ حمار قبان کو کسی کپڑے میں لپیٹ کر تیسرے دن چڑھنے والے بخار کے مریض کے گلے میں ڈال دیا جائے تو بخار کو جڑ سے ختم کردیتا ہے۔

حمار قبان کی خواب میں تعبیر

خواب میں حمار قبان کا نظر آنا ارادہ کی پستی اور کمین لوگوں سے اختلاط اور ان کے غلبہ پر دلالت کرتا ہے۔

اَلْحَمَام

(کبوتر) بقول جوہری اہل عرب حمام ان تمام پرندوں کو کہتے ہیں جن کے گلے میں قدرتی طور پر کنٹھی ہو مثلاً فاختہ' قمری' ساق حر (قمری کا نر) قطاء (ٹیڑی) ورشان (قمری کی ایک قسم) وغیرہ اور لفظ حمام کا اطلاق نر اور مادہ دونوں پر ہوتا ہے اور اس پر ''تاء'' داخل کر کے جو حمامۃ استعمال کیا جاتا ہے وہ جنس کے لیے ہے تانیث کے لیے داخل نہیں کی گئی۔ لیکن جوہری کے علاوہ علماء کا خیال ہے کہ حمام کا اطلاق صرف نر پر ہوتا ہے اور واحد کے لیے حمامۃ آتا ہے۔ حمید بن ثور ہلالی نے اس شعر سے استدلال کیا ہے ؎

وَ مَا هَاجَ هٰذَا الشَّوْقَ اِلَّا حَمَامَةٌ دَعَتْ سَاقَ حَر برهةً فترَنَّمَا

''میرے اس شوق کونہیں بھڑکایا مگر قمری نے اس سے چھوڑ دیا شاخ کو ہلتے ہوئے۔ پس دونوں گانے میں مصروف ہو گئے۔''

مذکورہ شعر میں حمامہ سے مراد قمری ہے اور اصمعی نے قول نابغہ میں یہ شعر کہا ہے ۔

وَاحْكُمْ كَحُكْمِ فَتَاة الْحَى اِذَا نظرت اِلٰى حَمَامٍ شراعٍ وارِدَ المشد

''اور حکم دیتا ہوں جیسا کہ قبیلہ کی نوجوان لڑکی نے حکم دیا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ کبوتر گھاٹ پر اُتر رہے ہیں پانی پینے کے لیے۔''

قَالَتْ اَلاَ لَيْتَمَا هٰذَا الحمام لَنَا اِلٰى حَمامتنا او نِصْفُه فَقَدْ

''تو وہ بولی کہ دیکھو تو سہی یہ کبوتر ہیں جو ہمارے کبوتروں میں آملے ہیں۔''

فَحَسِبُوْهُ فالقوه كَمَا زَعَمَتْ تِسْعًا وَ تِسْعِيْنَ لَمْ يَنْقُصْ وَ لَمْ يَزِدْ[1]

''انہوں نے ان سب کبوتروں کو شمار کیا تو ننانوے ہوئے نہ ایک کم نہ زائد۔''

یہ شہر یمامہ کی زرقہ نامی لڑکی تھی جس نے تنگ پہاڑیوں میں قطا جانور کو دیکھ کر کہا تھا کہ کاش یہ جانور ہمارے قبضہ میں ہوتا اور کہا تھا کہ اگر اس کو پکڑ لیا جائے تو ہمارے جانور پورے سو ہو جائیں۔ اس لڑکی کے کہنے پر اس جانور کا پیچھا کیا گیا مگر جب ان کو گنا گیا تو وہ ٦٦ نکلے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ اس لڑکی نے اس جانور کو تین دن کی مسافت کے فاصلہ سے دیکھ لیا تھا اور اس کو دیکھ کر اس نے قطاء کے نام سے اس کا نام لیا تھا حالانکہ وہ کبوتر تھے۔

اموی کہتے ہیں کہ وہ پالتو کبوتر جو گھروں میں رہتے ہیں حمام کا اطلاق صرف انہی پر ہوتا ہے اور اپنے قول کی تائید میں عجاج کا شعر پیش کرتے ہیں ۔

اِنِّى وَ رَبِّ البلد المحرم وَالْقَاطِنَات عند زمزم
قواطنا مكة من ورق الحمم

''بخدا اور رب خانہ کعبہ کی قسم اور ان کبوتروں کی قسم جو زمزم کے اردگرد جمع رہتے ہیں اور جنہوں نے اس کو اپنی کثرت کی وجہ سے چھپا رکھا ہے۔''

مذکورہ شعر میں شاعر نے حمام ہی مراد لیا ہے۔ حمامتہ کی جمع حمائم اور حمامات آتی ہے اور کبھی کبھی مفرد پر بھی حمام کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ شاعر کے اس شعر میں ۔

وَ ذَكَرَنِى الصِّبَا بَعْدَ التَّنَائى حَمَامَةُ اِيْكَة تَدْعُوْ حَمَامًا

''مجھے بچپن یاد دلا دیا حالانکہ میں لڑکپن سے بہت دور ہو چکا تھا' ٹیلہ کے اس کبوتر نے جو دوسرے کبوتر کو بلا رہا تھا۔''

ابوحاتم نے کتاب الطیر الکبیر میں اصمعی سے نقل کیا ہے کہ یمام سے مراد خشکی کا کبوتر ہے۔ اس کا واحد یمامۃ آتا ہے اور اس کی کئی

---

[1] ان اشعار کے لیے کتاب الاغانی ملاحظہ فرمائیں جہاں یہ اشعار قدرے مختلف ذکر کیے گئے ہیں حالانکہ آخری مصرعہ حذف ہو جانے سے مفہوم واضح نہیں ہے۔ آخری مصرعے کا مفہوم یہ ہے کہ اس طرح سو کا عدد مکمل ہو جائے گا جس میں ہمارا کبوتر بھی شامل ہوگا۔

قسمیں ہیں اور ہمارے نزدیک یمام اور حمام میں فرق یہ ہے کہ حمام کی پشت کے متصل دم کے نیچے سفیدی ہوتی ہے اور یمامہ کی دم کے نیچے سفیدی نہیں ہوتی اور نووی نے تحریر نامی کتاب میں اصمعی سے نقل کیا ہے کہ جس جانور کے دائر میں دائرہ (کنٹھی) ہو وہ حمام ہے اور دائرہ سے مراد وہ سرخی یا سیاہی کی دھاری ہے جو ان کی گردن کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔ اور کسائی کہتے ہیں کہ حمام سے مراد خشکی کا کبوتر ہے اور یمام سے وہ کبوتر مراد ہیں جو گھروں میں رہتے ہیں یعنی پالتو کبوتر۔ لیکن درست بات وہی ہے جو اصمعی سے نقل کی گئی ہے۔

ازہری نے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ حمام وہ ہے جو بغیر سانس لئے پانی پئے اور بغیر فصل کے آواز بلند کرے۔ ابن سیدہ کہتے ہیں کہ یہ کبوتر کی خاصیت نہیں بلکہ تمام پرندوں کے لے شرب کے بجائے ''عب'' (بغیر سانس لیے پانی پینا) ہی استعمال ہوتا ہے۔ رافعی اور اشبہ کہتے ہیں کہ بغیر ''ھدر'' (بغیر فصل کے آواز بلند کرنا) کے بجائے صرف ''عب'' سے بھی حمام کی تعریف کی جا سکتی ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے عیون المسائل میں فرمایا ہے کہ جو جانور پانی پینے میں سانس نہ لے بلکہ لگا تار پیتا رہے وہ حمام ہے اور وہ پرندہ جو قطرہ قطرہ پانی پئے جیسے مرغی تو وہ حمام کے اطلاق سے خارج ہے۔ صاحب کتاب کہتے ہیں کہ رافعی کے قول میں اشکال ہے۔ کیونکہ عب ہدر کو مستلزم نہیں ہے جیسا کہ اس شعر میں ہے ؎

عَلٰی حُوَیُضِی نَغُرُمکبٌ　اِذَا فَتَرَتْ فَترَةً یَعِبُّ　وَحُمَرَاتُ شُرُبِھِنَّ عِبٌّ

''میں نے اپنے حوض کے کنارے کبوتروں کی غڑغوں سنی اور یہ دیکھا کہ وہ پانی پی رہے ہیں ایک ہی سانس میں۔''

اس شعر میں نغر کو عب سے موصوف کیا گیا ہے باوجودیکہ یہ ھدر نہیں کرتا۔ کیونکہ اگر وہ ھدر کرتا تو حمام میں شامل ہوتا۔ نغر ایک قسم کی چڑیا کا نام ہے اس کا ذکر ان شاء اللہ باب النون میں آئے گا۔

علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس طویل بحث کے سمجھانے کے بعد اب میں آپ کے سامنے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اہل لغت کا یہ قول پیش کرتا ہوں کہ حمام کا اطلاق ان پرندوں پر بھی ہوتا ہے جو گھروں میں رہتے ہیں اور وہیں بچہ پیدا کرتے ہیں جیسے جنگلی کبوتر۔ اور اسی طرح قمری اور ساق حر پر بھی۔ نیز فاختہ، دیسی قطاء، ورش، کوا اور وحشی پرندوں وغیرہ پر بھی۔ ان میں سے ہر پرندے کا بیان ان سے متعلق باب میں آئے گا۔ اس وقت گفتگو گھر میں رہنے والے حمام سے متعلق ہوگی۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) بری　(۲) اھلی

بری: وہ ہے جو برج وغیرہ میں رہتا ہے اس میں بہت تیزی ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کو بری کہا جاتا ہے۔

اھلی: اس کی کئی قسمیں ہیں اور مختلف شکلوں میں پایا جاتا ہے مثلاً رواعب، امراعیش، عداد سداد، مضرب، قلاب وغیرہ اس کی اقسام ہیں۔ جس طرح گھوڑوں میں عتاق، برذون وغیرہ مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ جاحظ کہتے ہیں کہ قعیع کبوتر لوگوں کی صقلاب نسل کے مشابہ ہوتا ہے اور اس کا رنگ بالکل سفید ہوتا ہے (صقلاب قسطنطنیہ کے بسنے والی ایک قوم تھی جو بعد میں یورپ میں پھیل گئی)۔

حدیث میں حمام کا ذکر:

ابوداؤد، طبرانی، ابن ماجہ اور ابن حبان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کبوتر کے پیچھے پھرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ شیطان، شیطانہ کے پیچھے پھر رہا ہے، اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ شیطان، شیطان کے پیچھے جا رہا ہے۔''

بیہقی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے اس حدیث کا مصداق کبوتر بازوں کو قرار دیا ہے کیونکہ اکثر یہ کبوتر باز، کبوتر اڑانے، پکڑنے وغیرہ

کے چکر میں مکانوں کی چھتوں وغیرہ پر چڑھ جاتے ہیں جس سے پڑوسیوں کے گھروں کی بے پردگی ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ اس پر مفصل بحث شرعی احکام کے بیان میں آئے گی۔ نیز بیہقی نے اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''میں عمر بن عبدالعزیز کے یہاں پہنچا تو وہ اُڑانے والے کبوتروں کو ذبح کرنے اور پر قینچ کبوتروں کو چھوڑنے کے لئے فرما رہے تھے۔''

ابن قانع اور طبرانی نے حبیب ابن عبداللہ بن ابی کبشہ سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے یہ روایت نقل کی ہے:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اترج اور سُرخ کبوتر کا دیکھنا بھلا معلوم ہوتا تھا۔''

اور حاکم نے تاریخ ''نیشاپور'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے:

''آپ کو سبزی، اترج (نارنجی سنترہ) اور سرخ کبوتر کی طرف دیکھنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔''

ابن قانع اور حافظ ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ ہلال بن العلاء اور بعض دوسرے حضرات حدیث میں مذکورہ حمام احمر سے مراد سیب لیتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر سرخ کبوتروں کی پسندیدگی کا قصہ حدیث سے ثابت نہیں ہو سکے گا۔ لیکن حافظ ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ حمام احمر سے مراد سیب ہیں یہ تفسیر کسی اور سے سننے میں نہیں آئی سوائے ہلال کے، اور بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے کاشانۂ مبارک میں سرخ کبوتر تھے جنہیں ''وردان'' کہا جاتا ہے۔ ابن سنجا کی کتاب ''**عمل الیوم واللیلة**'' میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی یہ روایت منقول ہے:

''حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے گھر میں وحشت محسوس ہوتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ کبوتر کا جوڑا پال لو جب وہ بولا کرے (غڑغوں کرے) تو تم ٹھیک اس وقت ذکر اللہ شروع کر دیا کرو۔''

اس حدیث کو حافظ ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ ابن عدی نے اپنی کتاب ''کامل'' میں میمون بن موسیٰ کے ترجمہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل کے گھبرانے کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ کبوتر پال لو، ان سے اُنس بھی ہوگا، ان کے بچے بھی ہوں گے اور یہ اپنی غڑغوں سے تمہیں نماز کے لیے بھی جگائیں گے، یا ایک مرغا پال لو اس سے بھی دل بہلے گا اور وہ اپنی بانگ سے تمہیں نماز کے لیے بیدار کرے گا۔''

محمد بن طحان بن میمون بن مہران نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صاحب نے دل اچاٹ رہنے کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ کبوتر پال لو۔''

اس حدیث کو طبرانی نے نقل کیا ہے مگر اس میں راوی صلت بن الجراح ہے جو کہ غیر معروف ہے۔ باقی رای صحیحین کے رجال ہیں۔

کامل ابن عدی میں سہل بن قریر کے حالات میں محمد بن المنکدر سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث منقول ہے:

''کعبہ نے خدا تعالیٰ سے شکایت کی کہ میری زیارت کو آنے جانے والوں کی تعداد بہت کم ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرمایا کہ میں ایک ایسی قوم کو بھیج رہا ہوں جو تجھ سے ایسا شغف رکھیں گے جیسا کہ کبوتروں کو اپنے بچوں سے لگاؤ ہوتا ہے۔''

سنن ابوداؤد اور نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سند کے ساتھ مذکور ہے:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرب قیامت میں ایسے اشخاص ہوں گے جو اپنے سر اور داڑھیوں کو ایسا خضاب لگائیں گے جیسے کبوتر کے پوٹے میں سیاہی ہوتی ہے۔ یہ اشخاص جنت کی ہوا تک نہیں پائیں گے۔ (چونکہ انہوں نے ہیئت میں تغیر کیا

اور بالوں کی سفیدی جسے وقار کہا گیا ہے اسے بدلنے کی کوشش کی۔''

کبوتر کی خاص عادتیں

کبوتر کی خاص عادت یہ ہے کہ اگر اس کو ایک ہزار میل کے فاصلہ سے بھی چھوڑ دیا جائے تو یہ اُڑ کر اپنے گھر پہنچ جاتا ہے۔ نیز دور دراز ملکوں سے خبریں لاتا اور لے جاتا ہے۔ ان نامہ بر کبوتروں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو ایک دن میں تین تین ہزار فرسخ کا فاصلہ طے کر لیتے ہیں اور یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر کبھی کسی کا پالتو کبوتر کہیں اور کسی وجہ سے پکڑا گیا اور تین تین سال یا اس سے بھی زیادہ مدت تک اپنے گھر سے غائب رہا مگر باوجود اس طویل غیر حاضری کے وہ اپنے گھر کو نہیں بھولتا اور اپنی ثبات عقل، قوت حافظہ اور کشش گھر پر برابر برقائم رہتا ہے اور جب کبھی اس کو موقع ملتا ہے اُڑ کر اپنے گھر آ جاتا ہے۔

شکار کرنے والے پرندے اس کی گھات میں رہتے ہیں مگر جس قدر یہ باز سے ڈرتا ہے اتنا کسی دوسرے پرندے سے نہیں ڈرتا حالانکہ اس کی پرواز باز سے کافی تیز ہوتی ہے۔ لیکن باز کا خوف اس قدر ہوتا ہے کہ اس کو دیکھتے ہی اس کے بازو ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور اس طرح مرعوب ہو جاتا ہے جیسے گدھا شیر کے سامنے، بکری بھیڑیئے کے سامنے اور چوہا بلی کے سامنے بے حس و حرکت ہو جاتا ہے۔

کبوتر کی طبیعت میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ جو کہ ابن قتیبہ نے ''عیون الاخبار'' میں ثنی بن ظہور سے نقل کی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے مرد اور عورت میں کوئی ایسی خصلت نہیں دیکھی جو کبوتروں میں نہ ہو۔ چنانچہ میں نے کبوتری کو دیکھا کہ وہ اپنے جوڑے کے نر کے علاوہ کسی دوسرے نر کو جفتی کی قدرت نہیں دیتی اور نہ ہی نر کسی دوسری کبوتری کی طرف مائل ہوتا ہے۔ البتہ اگر جوڑے میں سے کوئی ایک مر جائے یا بچھڑ جائے تو بات دوسری ہے اور میں نے ایک خاص بات یہ دیکھی کہ جب کبوتر اپنی مادہ سے جفتی کا ارادہ کرتا ہے تو کبوتری فوراً بن سنور جاتی ہے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبوتری اپنے نر کے ہوتے ہوئے بھی کسی دوسرے نر کو اپنے پر جفتی کی قدرت دے دیتی ہے لیکن ایسا معاملہ نادر الوقوع ہوتا ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں۔ اور بعض دفعہ کبوتر پر چڑھ کر جفتی کرتی ہے۔ مگر کہتے ہیں کہ اس جفتی سے انڈے تو پیدا ہوتے ہیں مگر ان انڈوں سے بچے نہیں نکلتے۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ نر نر پر اور مادہ مادہ پر چڑھ جاتے ہیں اور ایک حیرت انگیز بات جو کبوتر اور انسان کے علاوہ اور جاندار میں نہیں پائی جاتی وہ یہ ہے کہ کبوتر انسان کی طرح جفتی سے پہلے بوسہ لیتا ہے۔ اس کے علاوہ جفتی کی خواہش نہ ہونے پر بھی یہ آپس میں بوسہ بازی کرتے رہتے ہیں۔ کبوتر چھ ماہ تک جفتی کرتا ہے اور کبوتری چودہ دن حاملہ رہتی ہے۔ پہلے اور دوسرے انڈے کے درمیان ایک دن اور ایک رات کا فصل ہوتا ہے۔ ایک انڈے سے نر اور ایک سے مادہ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ دن کے کچھ حصہ میں نر انڈوں پر بیٹھتا ہے اور باقی حصہ میں مادہ انڈوں کو سیتی ہے اور انڈے دینے کے بعد اگر کبوتری اپنے خانہ میں نہیں جاتی تو کبوتر مار مار کر اس کو خانہ میں لے جاتا ہے اور مستقل اس کے پیچھے پیچھے پھرتا رہتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے کبوتر کو یہ صلاحیت بھی عطا فرمائی ہے کہ جب بچہ نکل آتا ہے تو کبوتر شور مٹی (کھاری مٹی) چبا کر ان کو کھلاتا ہے تاکہ ان کے کھانے کا راستہ صاف ہو جائے۔ ''پس پاک ہے وہ ذات جو لطیف و دانا ہے جس نے ہر جاندار کو اس کے مناسب و ضروری ہدایت دی ہے۔''

ارسطو نے کبوتر کی عمر کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ عام طور پر کبوتر کی عمر آٹھ سال ہوتی ہے۔

قرآن پاک کی اس آیت وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَایَشَاءُ وَیَخْتَارُ. ''تحقیق تیرا رب جسے چاہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہے منتخب کرتا ہے۔'' کی تفسیر میں ثعلبی وغیرہ نے وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چوپاؤں میں سے بکری اور پرندوں میں سے کبوتر کو اختیار کیا ہے۔

مسترشد باللہ کا واقعہ

کتب تواریخ میں مذکور ہے کہ امیر المؤمنین مسترشد باللہ بن مستظہر باللہ نے موت سے کچھ دن قبل یہ خواب دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ایک گنڈے دار کبوتری ہے۔ پس ایک آنے والے نے خواب میں ہی کہا کہ تمہاری نجات اسی میں ہے۔ جب صبح ہوئی تو خلیفہ نے یہ خواب امام بن سکینہ سے بیان کیا۔ امام بن سکینہ نے امیر المؤمنین سے پوچھا کہ آپ خود اس کی کیا تعبیر لیتے ہیں؟ امیر المؤمنین نے فرمایا کہ میں نے تو اس کی تعبیر ابوتمام کے اس شعر سے لی ہے ؎

هُنَّ الْحَمَامُ فَاِنْ كَسَرْتَ عِيَافَةً مِنْ هَائِهِنَّ فَاِنَّهُنَّ حِمَام

''یہ حمام (کبوتر) ہیں اگر فال لینے کی غرض سے ان کی ''ح'' کو کسرہ دے دے تو حمام یعنی موت ہو جائیں۔''

خلیفہ نے یہ شعر پڑھ کر کہا کہ میری نجات میری موت میں چھپی ہوئی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور تھوڑے دنوں کے بعد ۵۲۹ھ میں خلیفہ مسترشد باللہ قتل کر دیئے گئے۔ ان کی خلافت تیرہ سال آٹھ ماہ اور چند دن رہی۔

بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے کہ ابن سیرین کے پاس ایک شخص آیا اور بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک کبوتر نے ایک موتی نگل لیا اور پھر وہ موتی اس کے پیٹ سے بڑا ہو کر نکلا۔ اس کے بعد ایک دوسرا کبوتر دیکھا اس نے بھی ایک موتی نگل لیا مگر اس کے پیٹ سے وہ موتی چھوٹا ہو کر نکلا۔ پھر اس کے بعد ایک اور کبوتر دیکھا اس نے بھی موتی نگل لیا اور پھر وہ موتی اس کے پیٹ سے نکلا اس حال میں کہ وہ اسی طرح تھا جس طرح کہ پہلے تھا۔ امام ابن سیرین نے اس خواب کی تعبیر یہ دی کہ وہ موتی جو پیٹ سے بڑا ہو کر نکلا اس سے مراد امام حسن بصریؒ ہیں۔ حسن بصری حدیث سنیں گے اور اپنی زبان سے اس میں جدت پیدا کریں گے اور اپنے مواعظ کے ذریعے اس میں تسلسل پیدا کر دیں گے۔ یعنی کسی بات کو سن کر اسے اپنی منطق سے عمدہ بنا لیتے ہیں اور پھر اس میں اپنی نصائح شامل کر لیتے ہیں اور دوسرا موتی جوں کا توں اس سے مراد قتادہ ہیں جو حدیث کے بہترین حافظ ہیں اور عظیم حافظہ کے مالک ہیں اور تیسرا موتی جو چھوٹا ہو کر نکلا اس سے مراد خود ابن سیرین ہیں کیونکہ وہ حدیث کو سنتا ہے، مگر اس کو مختصر کر دیتا ہے۔ یعنی جو بات سنتے ہیں اس کو کم کر کے بیان کر دیتے ہیں۔

ابن خلکان نے محمد ابن سیرینؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس خواب کی تعبیر پوچھنے آیا اور بیان کیا کہ میں نے خواب میں پڑوسی کی کبوتری پکڑی اور اس کے بازو توڑ دیئے۔ یہ سن کر ابن سیرین کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ آگے بیان کر۔ پھر اس شخص نے کہا کہ اس کے بعد ایک سیاہ کوا آیا اور میرے مکان کی پشت پر بیٹھ گیا اور پھر اس کوے نے مکان میں نقب (پاڑ) لگائی اور اس میں گھس گیا۔ علامہ ابن سیرینؒ نے پورا خواب سن کر فرمایا کہ کس قدر جلد تیرے رب نے تجھ کو تنبیہ فرما دی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اپنے پڑوسی کی بیوی کے پاس ناجائز طور پر آتا جاتا ہے اور وہ کالا کوا ایک حبشی غلام ہے جو تیری بیوی کے ساتھ ناجائز تعلق رکھتا ہے۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ ابن سیرینؒ بزاز تھے اور خادم النبی ﷺ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور آپ کسی قرض کی وجہ سے جو آپ کے ذمہ تھا، قید کر دیئے گئے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو معلوم ہے کہ کس وجہ سے میں نے یہ قید کاٹی۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا وجہ تھی؟ آپ نے فرمایا کہ میں ایک مفلس شخص کو چالیس سال تک ''اے مفلس'' کہہ کر پکارتا رہا۔

امام ابن سیرینؒ مشہور تابعین میں سے ہیں۔ آپ کو خواب کی تعبیر دینے کی مہارت تھی۔ روایت ہے کہ ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ اس وقت صبح کا ناشتہ کر رہے تھے۔ اس عورت نے اپنا خواب بیان کیا اور کہا کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ چاند ثریا میں داخل

ہو گیا اور ایک پکارنے والے نے میرے پیچھے سے پکار کر کہا کہ ابن سیرین کے پاس جا کر ان سے یہ خواب بیان کر۔ یہ سنتے ہی آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپ اپنا پیٹ پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ آپ کی بہن نے آپ سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میرے خیال میں اس عورت کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ میں سات دن میں مر جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سات دن کے بعد ۱۱۰ھ میں امام حسن بصریؒ کی وفات کے سو دن بعد آپ کی بھی وفات ہو گئی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

بیہقی کی کتاب ''شعب الایمان'' میں حضرت سفیان ثوری سے روایت ہے کہ آپؒ نے فرمایا کہ کبوتر بازی قوم لوط کا شغل تھا۔ اور امام نخعی کا قول ہے کہ کبوتر بازی (یعنی جو شرط پر کبوتر اُڑائے اور ہار جیت پر کچھ معاوضہ لے یا دے) موت تب تک نہیں آئے گی جب تک کہ وہ فقر و فاقہ کی تکلیف نہ جھیل لے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کو ضرور زندگی میں شدید مفلسی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

بزاز نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا اور جنگلی کبوتر کا ایک جوڑا آ کر غار کے منہ پر بیٹھ گیا اور یہ وہ واقعہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے وقت غار ثور میں آنحضور ﷺ کی مشرکین سے حفاظت فرمائی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور کفار جو کہ آپؐ کی تلاش میں غار تک پہنچ گئے تھے مگر مکڑی کے جالے اور کبوتروں کو دیکھ کر ناکام واپس آ گئے۔ حرم بیت اللہ شریف کے تمام کبوتر اسی غار ثور کے جوڑے کی نسل سے ہیں۔ ابن وہب نے نقل کیا ہے کہ فتح مکہ کے دن کبوتروں نے آپؐ پر سایہ کر لیا تھا۔ تو آپؐ نے اُن کے لیے دُعائے برکت فرمائی تھی۔ طبرانی نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

''آنحضور ﷺ یہ آیت بکثرت تلاوت فرماتے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''جو خدا تعالیٰ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے پریشانی میں خلاصی کی شکل پیدا فرما دیتے ہیں اور اسے وہاں سے رزق دیں گے جہاں سے اسے رزق ملنے کا تصور تک نہیں ہوگا اور جو خدا پر بھروسہ کرے گا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہیں۔'' آپؐ اس آیت کو بار بار تلاوت فرما رہے تھے۔ یہاں تک کہ مجھے سنتے سنتے اونگھ آ گئی۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ ابوذر! اس وقت کیا کرو گے جب تمہیں مدینہ سے نکال دیا جائے گا؟ میں نے عرض کیا کہ میں حرم میں چلا جاؤں گا اور وہاں ایسا گوشہ نشین ہو جاؤں گا جیسا کہ وہاں کے کبوتر۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر مکہ سے بھی نکالے گئے تو میں نے عرض کیا کہ فلسطین اور بیت المقدس کی راہ لوں گا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ جب وہاں سے بھی نکالے جاؤ گے تو میں نے عرض کیا کہ اگر یہ صورتحال برابر چلتی رہی تو پھر میں مقابلہ کے لیے تلوار اُٹھاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ابوذر! اس سے اچھی ایک بات میں بتاؤں! تم تلوار کبھی نہ اُٹھانا امیر وقت کی اطاعت میں لگے رہنا' اگر چہ حبشی غلام ہی تمہارا امیر بن جائے۔''

بخاری شریف میں اس پوری روایت کا ایک ٹکڑا آیا ہے اور ابن ماجہ میں اس روایت کا صرف ابتدائی حصہ ہے۔

تاریخ میں مذکور ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کو کبوتر اور کبوتر بازی کا شوق تھا۔ چنانچہ ان کے سامنے کسی نے نذرانے میں کبوتر پیش کئے تو اس وقت خلیفہ کے پاس قاضی ابوالبختری بھی بیٹھے تھے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث بیان کی:

''آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ بازی (یعنی ہار جیت) صرف جانوروں میں ہے۔ جس کے خف (گدی) جافر (سم) یا جناح (بازو) ہوں یعنی گھوڑے' اونٹ اور کبوتر وغیرہ میں بازی جائز ہے اور جانوروں میں نہیں۔''

قاضی ابوالبختری نے اس حدیث میں ہارون الرشید کو خوش کرنے کے لیے او جناح اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ اس پر ہارون الرشید نے ابوالبختری کو کافی انعام دیا اور جب ابوالبختری چلا گیا تو ہارون الرشید نے کہا کہ بخدا میں جانتا ہوں کہ اس ظالم نے کبوتر کا تذکرہ کر کے آنحضور ﷺ پر جھوٹ باندھا ہے۔ اور پھر فوراً حکم دیا کہ ان کبوتروں کو ذبح کر دیا جائے۔ کسی نے پوچھا کہ ان کبوتروں کا کیا قصور تھا' جو

ذبح کرادیئے گئے؟ تو خلیفہ ہارون الرشید نے کہا کہ انہی کی وجہ سے آپ پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔
چنانچہ ابوالبختری کے اس جھوٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء نے ان کی روایت کردہ تمام احادیث کو ترک کردیا۔ ابوالبختری مدینہ کے قاضی تھے۔ اس عہدہ پر ان کا تقرر بکار بن عبداللہ الزبیری کے بعد ہوا تھا۔ پھر امام یوسف کی وفات کے بعد ان کو شہر بغداد کا قاضی بنادیا گیا تھا۔ بختری' بخترۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی تکبر اور غرور کے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے ابوالبختری کو ابوالبحتری (یعنی خاء کی جگہ حاء) لکھ دیا ہے' حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اصل بات یہ ہے ابوالبحتری (حاء سے) ایک مشہور شاعر گزرا ہے۔ قاضی ابوالبختری کی وفات مامون الرشید کے دور خلافت میں ۲۰۰ھ میں ہوئی۔
ابن ابی خثیمہ اور شیخ تقی الدین قشیری افتراح میں لکھتے ہیں کہ کبوتر کی حدیث وضع کرنے والا ابوالبختری نہیں بلکہ غیاث ابن ابراہیم تھا۔ اور انہوں نے یہ حدیث خلیفہ مہدی کے لیے وضع کی تھی۔
ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ ابوالبختری کا اصل نام وہب بن وہب تھا۔ یعنی تین پشت تک برابر ایک ہی نام چلتا رہا۔ علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہی ترکیب اسماء دوسرے معنوں میں بھی پائی جاتی ہے' مثلاً شاہان فارس میں بہرام بن بہرام بن بہرام' تابعین میں حسن بن حسن بن حسن اور غسان میں اس کی مثال حرث الاصغر بن الحرث الاعرج بن الحرث الاکبر اور متاخرین میں اس کی مثال الغزالی محمد بن محمد بن جو کہ امام غزالیؒ کا نام تھا۔

شیخ ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمہ کا خواب

شیخ عارف باللہ ابوالحسن شاذلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں آنحضور ﷺ کی زیارت کی۔ اس حال میں کہ آپؐ حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام سے امام غزالی کے بارے میں مفاخرت کررہے ہیں اور آپ فرمارہے ہیں کہ کیا آپ دونوں صاحبان کی اُمت میں ان جیسا (امام غزالیؒ کی طرف اشارہ کرکے) عالم ہوا ہے؟ اس کا جواب آپ دونوں صاحبان نے نفی میں دیا۔
شیخ الامام عارف باللہ استاذ رکن الشریعت والحقیقت ابوالعباس المرسی نے امام غزالی کا ذکر فرماتے ہوئے آپ کے لیے صدیقیت عظمیٰ کی شہادت دی ہے۔ شیخ جمال الدین الاسنوی نے اپنی کتاب ''المہمات'' میں امام غزالیؒ کی بڑے اچھے الفاظ میں تعریف فرمائی ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

> ''آپ ہر موجود کے لیے قطب الوجود وخلاصہ اہل الایمان وبطریف کے روح رواں تھے جو ان کو رضائے رحمٰن تک پہنچاتی تھی۔ آپ کے وسیلہ سے ہر صدیق' اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرسکتا تھا۔ آپ سے وہی شخص بغض رکھ سکتا ہے جو کہ ملحد یا زندیق ہو۔ آپ اپنے زمانے کے مشاہیر میں منفرد تھے اور کوئی شخص آپ کے ہم سر نہیں تھا۔''

حجۃ الاسلام زین الدین محمد الغزالی بغداد میں مدرسہ نظامیہ کے طلباء کو درس دیا کرتے تھے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد یہ سلسلہ ختم کرکے شام چلے گئے اور دمشق کے بزاویۃ الجامع (جامع مسجد) میں قیام فرمایا۔ پھر بیت المقدس چلے گئے۔ اس کے بعد مصر کا قصد کرکے اسکندریہ میں عرصہ تک مقیم رہے۔ اس کے بعد آپ اپنے وطن طوس پہنچ گئے۔ طوس سے پھر نیشاپور پہنچے اور وہاں کے مدرسہ نظامیہ میں درس کا سلسلہ جاری کردیا۔ پھر تدریس چھوڑ کر دوبارہ طوس آگئے اور صوفیاء کے لیے ایک خانقاہ قائم فرمائی اور اس میں آپ کا وقت تلاوت کلام پاک' وظائف الخیرات اور صحبت صالحین اور عبادت میں صرف ہوتا اور ایک طرح سے آپ نے خود کو ان چیزوں کے لیے وقف کردیا اور دُنیا سے مکمل کنارہ کشی اختیار کرلی۔

آپ کو علم دین میں تبحر حاصل تھا۔ آپ کی تصانیف وتالیف کردہ کتابیں بہت مفید ہیں۔ خصوصاً احیا علوم الدین سے کوئی طالب آخرت بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ آپ کی وفات جمادی الآخر ۵۰۵ھ میں بمقام طوس واقع ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ شرف الدین بن عنین ایک مرتبہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں حاضر تھے کہ اچانک ایک کبوتری آپ کے پاس آ کر گری اور اس کبوتری کا پیچھا کوئی درندہ پرندکر رہا تھا۔ لیکن جب یہ کبوتری گر گئی تو وہ پرندہ واپس ہو گیا۔ لیکن اس پرندہ کے خوف سے کبوتری اُڑ نہ سکی اور نہ اس میں اُڑنے کی ہمت وطاقت تھی۔ جب امام صاحب درس سے فارغ ہوئے تو آپ اس کبوتری کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور اس پر ترس کھانے لگے۔ پھر آپ نے اس کو ہاتھ میں اُٹھا لیا اور اس پر ابن عنین نے فی البدیہہ چند اشعار کہے جن میں سے تین اشعار یہ ہیں ؎

مِنْ نباء الْوَرْقَاع ان مجلسکم　　حَـرَمٌ وَاَنَّکَ مَلْجَاءَ لِلْخَائِفُ

''کبوتری کا واقعہ یہ ہے کہ تمہاری مجلس اس کے لیے حرم ثابت ہوئی اور تم خود خوف زدہ چیزوں کے لیے جائے پناہ ثابت ہوئے۔''

وَ فَدَتْ عَلَیْکَ وَ قَدْ تُدَانِیْ حَتْفَهَا　　فَحَبُوْتِهَا بِبَقَائِهَا الْمُسْتَانِفِ

''یہ کبوتری آپ کے پاس (بطور پناہ گزین) حاضر ہوئی۔ درآنحالیکہ اس کی موت قریب آ گئی تھی لہٰذا آپ کے ہاتھ میں لینے سے نئے سرے سے زندگی ملی۔''

وَ لَوْ اَنَّهَا تُحِیِیْ بِمَالٍ لانْثَنَتْ　　مِنْ رَاحَتَیْکَ مِنَائِلِ مُتَضَاعِفِ

''اگر تو بجائے زندگی کے مال کا تحفہ دیتا تو البتہ وہ لوٹتی اور تیرے دونوں ہاتھوں سے دوگنا عطیہ لیتے ہوئے۔''

اشرف بن عنین اور حاکم دمشق ملک معظم عیسیٰ بن ملک عادل ابوبکر بن ایوب کے درمیان دوستانہ تعلقات تھے اور ان دونوں کے درمیان بہت سے ایسے معاملات ہوتے رہتے تھے جو ملک معظم کے حسن سلوک پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابن عنین کو تیز بخار ہو گیا تو اس نے ملک معظم کو یہ عبارت لکھ کر بھیجی:

اُنظر اِلَیَّ بِعَیْنِ مَوْلَی لَمْ یَزَلْ. یُوْلِیُ النِّدیٰ وَتَلافِ قبل تَلافی
اَنَا کَالَّذِیْ احْتَاجَ مَا یَحْتَاجه. فَاُغْنِمْ ثَنَائِی وَالثَّوَاب الوافِی

''یعنی آپ مجھے اس آنکھ سے دیکھیں جس سے آقا اپنے غلام کو دیکھتا ہے۔ اس لیے مجھے اپنی سخاوت کی بارشوں سے تر کیجئے۔ اس سے پہلے کہ میں ہلاک ہو جاؤں۔ دیکھئے آپ بھی محتاج ہیں اور میں بھی محتاج ہوں۔ مگر دونوں کی ضرورتوں میں فرق ہے۔ آپ تعریف کے محتاج ہیں اور میں اس تعریف کے بدلہ کی ضرورت رکھتا ہوں۔''

یہ پیغام پہنچتے ہی ملک معظم بنفس نفیس ابن عنین کی عیادت کو تشریف لائے اور ان کو تین سو دینار عطا فرمائے اور کہا کہ یہ تو صلہ ہے اور عائد یعنی عیادت کرنے والا یا بار بار عطا کرنے والا میں ہوں۔ ملک کے اس قول: هٰذه الصِّلَةُ وَاَنَا الْعَائِدُ کی کئی تاویلیں کی گئی ہیں۔ کیونکہ اسم موصول صلہ اور ضمیر عائد کو چاہتا ہے۔ پس صلہ یہاں وہ مال ہے جو اس کو ملا اور عائد دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ میں لوٹوں گا دوبارہ تیرے پاس (بار بار) صلہ لے کر پس تو خوش ہو جا اور دوسرے یہ کہ عَادَ یَعُوْدُ عَیَادَةً سے مشتق ہو۔

ملک معظم نہایت عاقل وفاضل، بہادر اور حنفی المذہب تھے۔ ان کو فن ادب سے خاص دلچسپی تھی۔ یہاں تک کہ آپ نے یہ اعلان کرا دیا کہ جو شخص زمخشری کی کتاب ''مفصل'' کو مکمل حفظ کر لے گا۔ اس کو سو دینار انعام دیئے جائیں گے اور ایک قیمتی جوڑا عنایت کیا جائے

گا۔ چنانچہ اس لالچ میں بہت سے لوگوں نے اس کتاب کو حفظ کر لیا۔ ملک معظم نے ۶۲۴ھ میں وفات پائی اور امام رازی علیہ الرحمہ نے ۶۰۶ھ میں عیدالفطر کے دن وفات پائی۔

فائدہ: بعض حکماء کا قول ہے کہ ہر انسان اپنے ہم شکل کی طرف راغب ہوتا ہے جس طرح ہر پرندہ اپنے ہم جنس کی طرف راغب ہوتا ہے۔ یعنی ہر انسان معہ اپنی شکل کے ایسا ہے جیسا کہ ہر پرندہ معہ اپنی جنس کے' مطلب یہ کہ انسانوں میں جو امتیاز باعتبار شکل ہوتا ہے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ پرندوں میں جنس کا اختلاف ہوتا ہے۔ مالک بن دینارؒ فرمایا کرتے تھے کہ دس شخصوں میں دو آدمی ایسے ضرور ہوں گے کہ اگر ایک میں کوئی وصف ہوگا تو دوسرے میں وہ نہیں ہوگا کیونکہ لوگوں کی شکلوں میں وہ اختلاف موجود ہے جو پرندوں میں جنس سے ہوتا ہے۔ اگر پرندوں کی دو نوع میں طیران (اڑان) میں اتفاق ہو بھی جاتا ہے تو ان دونوں میں کوئی نہ کوئی مناسبت ضرور ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک دن کبوتر کو کوے کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا تو آپ کو ان کی یکجائی پر بہت تعجب ہوا۔ کیونکہ وہ تو مختلف الاشکال تھے۔ لیکن وہ چلے تو لنگڑاتے ہوئے چلے۔

یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ ان کی یکجائی کی وجہ یہ (لنگڑاپن) ہے۔ ہر انسان کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے ہم شکل سے مانوس ہوتا ہے۔ اگر بالفرض دو شخص جن میں کسی قسم کی مناسبت نہ ہو اور وہ کچھ دیر کے لیے ساتھ بیٹھ جائیں تو لازمی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؎

وَ قَائِلٌ کَیْفَ تَفَرَّقْتُمَا　　فَقُلْتُ قَوْلاً فِیْهِ اِنْصَافٌ

''کسی کہنے والے نے دریافت کیا کہ تم دونوں ایک دوسرے سے کیسے جدا ہو گئے' تو میں نے کہا کہ میں ایک پتہ کی بات بتاتا ہوں۔''

لَمْ یَکُ مِنْ شَکْلِیْ ففارقته　　وَ النَّاسُ اَشْکَالٌ وَ آلافٌ

''جدائی کی وجہ یہ ہے کہ یہ میرے ہم شکل نہیں تھے۔ لوگ مختلف شکلوں کے ہوتے ہیں اور وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔''

امام احمد نے زهد میں یزید بن میسرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم اللہ کی محبت میں کبوتر کی طرح مست ہونے کی استطاعت رکھتے ہو تو ضرور ایسا کرو۔

کہا جاتا ہے کہ کبوتر سے زیادہ بیوقوف یا مست کوئی دوسرا حیوان نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ اس کے بچے اس کے گھونسلے سے پکڑ کر ذبح کر دیئے جاتے ہیں مگر پھر بھی وہ اسی جگہ آکر انڈے دے دیتا ہے اور وہیں بچہ نکالتا ہے۔

شرعی حکم

کبوتر بالاتفاق حلال ہے۔ کیونکہ یہ طیبات میں سے ہے اور اس وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں کبوتر کے قتل کرنے پر بکری کا ضمان واجب کیا ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔ چونکہ کبوتر اور انسان دونوں گھر دوست ہوتے ہیں اور انسان دوست بھی' یہ تو ایک وجہ ہوئی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ (اور یہی وجہ زیادہ قوی ہے) کہ ہمیں معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبوتر اور انسان میں کیا مشابہت پائی۔ البتہ ہمیں حکم کبوتر کے مارنے کی صورت میں مکمل جزا کا دیا۔ پس ہم تو اسی حکم پر عمل کریں گے اور اگر ہم یہ کہیں کہ مسئلہ عمل کرنے کا ہے نہ کہ علت کو دریافت کرنے کا' تو پھر بکری جزا میں آنی چاہیے جیسا کہ آپؐ کا حکم ہے اور اگر بنیاد کبوتر اور انسان کے درمیان مشابہت کو قرار دی جائے تو قیمت واجب ہونی چاہیے۔

امام نوویؒ نے ''روضہ'' میں اس مسئلہ کو خارج کر دیا ہے۔ یہ گمان کرتے ہوئے کہ اس سلسلہ میں اختلاف لفظی ہے اور اس اختلاف کا

کوئی نتیجہ نہیں۔ کبوتر اور ہر اس جانور کے انڈے جس کا شکار محرم کے لیے حرام ہو حرام ہے۔ چنانچہ اگر محرم کسی ایسے جانور کے انڈے ضائع کر دے تو اس پر ضمان واجب ہوگا۔ ہمارا اور امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔ البتہ مزنی اور بعض اصحاب داؤد کا مسلک یہ ہے کہ انڈوں میں کوئی ضمان نہیں۔ امام مالکؒ یہ فرماتے ہیں کہ انڈے کا ضمان جانور کی قیمت کا دسواں حصہ ہے۔

ابن المنذر فرماتے ہیں کہ حمام کے انڈے کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ اور عطاء یہ فرماتے ہیں کہ دو انڈوں کا ضمان ایک درہم ہے۔ زہریؒ اور امام شافعیؒ اور ابوثور فرماتے ہیں کہ انڈے میں جانور کی قیمت واجب ہے۔ بیض النعام کے عنوان سے عنقریب اس کی تفصیل آئے گی۔ اور اس کے شکار کا حکم یہ ہے کہ اگر کبوتروں کے ساتھ کوئی خاص علاقہ کا کبوتر شریک ہو گیا تو اس کبوتر کا شکار صرف اس علاقہ میں جائز ہوگا اور اگر برج میں رہنے والے کبوتروں کے ساتھ کسی دوسرے علاقے کے کبوتر بھی شریک ہو گئے تو اب اس کے شکار کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں دو قول ہیں۔ اصح قول جواز کا ہے۔ برج کے کبوتر کی بیع کا حکم حوض میں مچھلی کی بیع کے مانند ہے۔ مچھلی کا بیان ان شاء اللہ باب السین میں آئے گا۔ اگر کوئی کبوتر فروخت کر دے اس حال میں کہ وہ اُڑ رہا ہو اس بنیاد پر کہ اس کی عادت لوٹ کر واپس آنے کی ہے تو اس مسئلہ میں بھی دو رائیں ہیں۔ ان میں اصح رائے امام شافعیؒ کی جواز کی رائے ہے۔ اور وہ اس کو اس غلام پر قیاس کرتے ہیں جس کو آقا کسی کام کے لیے کہیں بھیج دے۔ جمہور علماء اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں جیسا کہ مراوزہ سے منقول ہے اور علماء عراق حمام کی ہر نوع کو ایک مستقل جنس شمار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک کبوتر ایک جنس ہے قمری ایک الگ جنس اور فاختہ بھی ایک جنس ہے۔ انڈوں اور بچوں کے لیے کبوتر پالنا اسی طرح انسیت یا پیغام رسانی کے لیے کبوتر پالنا کسی کراہت کے بغیر جائز ہے۔

کبوتروں سے کھیلنا اور ان کو اڑانا اور مقابلہ بازی کرانا بعض اس کو بغیر کسی کراہت کے جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ جنگ وغیرہ میں پیغام رسانی کے لیے اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن اصح بات یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے بوجہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے جو گزشتہ صفحات پر گزری ہے جس میں فرمایا گیا ہے: شيطان يتبع شيطانة۔ ابن حبان اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ کبوتر باز کو شیطان کا اطلاق بہت سی جگہ پر ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔ کبوتر پر شیطان کا اطلاق صرف اس وجہ سے ہے کہ یہ موجب گمراہی بن رہا ہے۔ محض کبوتر سے کھیلنے کی بنیاد پر کسی شخص کو مردود الشہادت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ مردود الشہادت ہو جائے گا۔ اگر اس کھیل کو جوئے وغیرہ کے مانند بنا لیں تو بالاتفاق ایسے شخص کی شہادت ناقابل قبول ہو جائے گی۔

مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا قصہ

ابو محمد رامہرمزی نے اپنی کتاب المحدث الفاصل بين الراوي والواعي میں مصعب زبیری سے نقل کیا ہے کہ میں نے مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم دونوں اس شان کو یعنی حدیث کو پسند کرتے ہو اور طلب کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا جی ہاں تو انس نے فرمایا کہ اگر تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہیں فائدہ پہنچے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے لوگوں کو نفع پہنچائیں تو حدیث کی روایت تو کم کرو البتہ اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔

کہتے ہیں کہ ابن مالک ایک مرتبہ چھت سے نیچے اُتر رہے تھے اس حال میں کہ ان کے ہاتھ میں ایک کبوتر تھا جس کو وہ چھپانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن لوگوں نے کبوتر کو دیکھ لیا اور جب مالک کے علم میں یہ بات آ گئی کہ لوگوں نے کبوتر کو دیکھ لیا ہے تو کہنے لگے کہ ادب اللہ کا ادب ہے نہ کہ والدین کا' اور بھلائی اللہ تعالیٰ کی ہے نہ کہ والدین کی' نیز انہی سے منقول ہے کہ یحییٰ ابن مالک ابن انسؒ آتے

جاتے رہتے تھے لیکن ہمارے ساتھ اپنے والد کے پاس نہیں بیٹھتے تھے۔ پس ایک دن ان کے والد نے ان کو دیکھا اور اپنے پاس بلالیا اور فرمایا کہ مجھے یہ طریقہ بہت پسند ہے جو وراثت میں نہیں ملتا۔ پھر فرمایا کہ کسی نے اپنے والد کا مقام نہیں سنبھالا سوائے عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے۔ عبدالرحمٰن اپنے زمانے میں سب سے افضل انسان تھے اور ان کے والد اپنے زمانہ میں اور ان کے والد اپنے زمانہ میں۔

امام بخاریؒ نے مناسک میں فرمایا ہے کہ ہم سے علی ابن عبداللہ نے بیان کیا اور علی کہتے ہیں کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا اور سفیان کہتے ہیں کہ ہم سے عبدالرحمٰن ابن قاسم نے بیان کیا جو اپنے زمانہ کے افضل ترین انسان تھے اور انہوں نے اپنے والد سے سنا جو اپنے زمانہ کے افضل ترین انسان تھے وہ کہتے ہیں کہ:

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دونوں ہاتھوں سے خوشبو ملی ہے۔''

عبدالرحمٰن بن قاسم کی جلالت شان، آپ کی امامت، تقویٰ زہد اور کثرت علم پر تمام لوگ متفق ہیں، آپ کی پیدائش حضرت عائشہؓ کی زندگی میں ہوئی اور ۱۲۶ھ میں انتقال فرمایا۔

امیر المؤمنین منصور کا واقعہ

روایت ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ منصور عباسی نے حضرت عبدالرحمٰن سے کہا کہ مجھے آپ کچھ نصیحت فرمائیں تو آپ نے فرمایا کہ عمر بن عبدالعزیز نے بوقت وفات گیارہ لڑکے چھوڑے اور ترکہ میں سترہ دینار، جن میں سے پانچ دینار کا کپڑا کفن کے لیے خریدا گیا اور دو دینار سے قبر کے لیے زمین خریدی گئی اور جو دینار باقی بچے وہ لڑکوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ ہر ایک لڑکے کے حصے میں انیس درہم آئے۔ جب ہشام بن عبدالملک کا انتقال ہوا تو اس نے بھی گیارہ لڑکے ہی چھوڑے اور ہر لڑکے کو باپ کے ترکہ میں سے دس دس لاکھ درہم ملے۔ میں نے اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اولاد میں سے ایک کو دیکھا کہ اس نے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سو گھوڑے بھیجے جب کہ ہشام کی اولاد میں سے ایک کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ کوئی تعجب خیز نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کافی ہو گئے اور ان کو غنی کر دیا۔ اور ہشام نے اس کے برخلاف اپنے بیٹوں کو دُنیا کے سپرد کر دیا تھا لہٰذا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فقیر بنا دیا۔

فقہی مسائل

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ کبوتر کی بیٹ اور ماکول وغیر ماکول چوپاؤں کی لید و گوبر وغیرہ کی بیع باطل ہے اور اس سے حاصل ہونے والی قیمت حرام ہے۔ یہ مذہب شوافع کا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ گوبر وغیرہ کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ ہر زمانہ میں ہر جگہ کے لوگ بغیر کسی انکار کے اس کی بیع پر متفق ہیں۔ نیز اس وجہ سے بھی اس کی بیع جائز ہے کہ اس سے انتفاع جائز ہے لہٰذا دیگر تمام اشیاء کی طرح اس کی بیع بھی جائز ہونی چاہیے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ اپنے مسلک کو مدلل کرنے کے لیے یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر کوئی چیز حرام فرما دیتا ہے تو اس کی ثمن کو حرام فرماتا ہے۔''

یہ حدیث تمام اشیاء کو عام ہے سوائے ان چیزوں کے جو کسی دلیل کی بناء پر اس حدیث کے حکم سے خارج ہو گئی جیسے گدھا وغیرہ۔ امام شافعیؒ دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ نجس العین ہے لہٰذا عذرہ (پاخانہ) کی طرح اس کی بیع بھی جائز نہیں۔ کیونکہ باوجود انتفاع کے

عذرہ (پاخانہ) کی بیع کے عدم جواز پر سب لوگ متفق ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ گوبر وغیرہ کی بیع جاہل اور رذیل قسم کے لوگ کرتے ہیں اور ان کا فعل اسلام میں حجت نہیں بن سکتا۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس سے انتفاع کی وجہ سے یہ دیگر اشیاء کے مثل ہو گیا تو ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ گوبر نجس ہے اور دیگر اشیاء سے انتفاع جائز ہے۔

الامثال

اہل عرب امن وامان کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں: ''**ا امن من حمام الحرم**'' یعنی کیا حرم کے کبوتر سے زیادہ مامون ہے اور کسی سے محبت کے لیے بولتے ہیں: ''اَالفُ مِنْ حَمَامِ مَكَّةَ'' مکہ کے کبوتروں سے زیادہ محبت کرنے والا۔'' اور کسی کی بری خصلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''اَتَقَلَّدَهَا طَوْقَ الْحَمَامَةَ'' یعنی اس نے بری عادت کو اس طرح اپنے اندر پیوست کر لیا ہے کہ اب وہ اس سے جدا نہیں ہو گی۔ جس طرح حمامۃ (کبوتر) کے گلہ سے اس کا دائرہ زائل نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال قرآن پاک میں بھی ہے:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِیْ عُنُقِهٖ. (الآیۃ)

''یعنی ہر انسان کا نامہ اعمال اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے گا جو قطعاً جدا نہیں ہو گا۔''

زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ آگے اس آیت میں ''حسیبا'' کیوں فرمایا گیا تو اس کا میں یہ جواب دوں گا کہ انسان اس وقت بمنزلہ شاہد وامین کے ہو گا کیونکہ یہ امور ایسے ہیں کہ عموماً لوگوں کو سونپے جاتے ہیں۔ تو گویا آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اپنے نفس کے لیے سب سے بہترین حساب کرنے والا خود ہی نفس ہے۔ حضرت حسن بصریؒ جب اس آیت کو پڑھتے تو فرماتے کہ اے ابن آدم اپنے نفس کے ساتھ انصاف کر' اللہ تعالیٰ تجھ کو تیرے نفس کا حساب لینے والا بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول: **سَيُطَوَّقُوْنَ مَابَخِلُوا بِهٖ يَومَ الْقِيَامَةَ.** یعنی ان کے اعمال ان پر اس طرح چپکا دیئے جائیں گے جس طرح طوق گردن میں۔ نیز کہا جاتا ہے **طوق فلان عمله طوق الحمامة.** یعنی اس کے اعمال کی جزا ضروری ہے۔

امام احمد نے زہد میں مطرف سے یہ مثال نقل کی ہے: ''**قَالَ اِذَا نَامِتُ فَلا تَحْسَبُوْنِیْ لَكِنْ يَجْتَمِعُ النَّاسُ فَاطَوَّقَهُمْ طَوْقَ لُحَمَامَةَ**'' کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے کسی حیثیت میں نہ رکھنا بلکہ لوگوں کو جمع کرنا تو میں انہیں ایسا لپٹ جاؤں گا جیسا کہ طوق (دائرہ) کبوتر کی گردن میں۔

انہی معنی میں سفیان کے لیے عبداللہ بن جحش کے یہ شعر ہیں ؎

اَبْلَغْ اَبَاسُفْيَانَ عَنْ اَمْرِ عَوَاقِبِهٖ نَدَامَةٌ

''ابوسفیان کو بتاؤ کہ اس کے معاملات کا انجام ندامت ہے۔''

دَارِ ابْنِ عَمِّکَ بِعْتَهَا تَقْضِیْ بِهَا عَنْکَ الْغَرَامَةَ

''تیرے چچا کے بیٹے کا مکان میں نے فروخت کر دیا جس سے قرض خواہوں کا قرضہ اُتارا جائے گا۔''

وَ حَلِيْفُكُمْ بِاللّٰهِ رَبُّ النَّاسِ مُجْتَهِدُ الْقَسَامَهِ

''اور تمہارا واقعی مددگار خدا ہے جو لوگوں کا رب ہے اور جو وارثین میں تقسیم کا ذمہ دار ہے۔''

اِذْهَبْ بِهَا اِذْهَبَا بِهَا طَوَّقْتَهَا طَوْق الْحَمَامَةِ

''یہ فیصلہ گھر کی فروختگی کا میں نے ایسے قطعی انداز میں کر دیا جیسا کہ کبوتر کے گردن کا طوق، یعنی اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔''

امام ابوعبدالرحمٰن سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ یہ مثال نبی کریم ﷺ کے اس قول سے لی گئی ہے:

''جس کسی نے کسی کی ایک بالشت برابر زمین بھی ہڑپ کر لی تو قیامت کے دن اس کی گردن میں ساتوں زمین طوق کی طرح ڈال دی جائیں گی۔''

(۱) شاعر کا قول طوق الحمامة اس وجہ سے ہے کہ اس کا طوق (دائرہ، کنٹھی) کبھی اس کے گلے میں سے نہیں نکلتا جس طرح کہ کوئی انسان کوئی ہار پہن لے۔ اس شعر میں جو اشارات کی حلاوت اور استعارات کی ملاحت ہے وہ بہت کم کلام میں ملتی ہے۔ شاعر کا قول طوق الحمامة میں ان لوگوں کا شمار ہے جو آپؐ کے قول: طوقه من سبع ارضين کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ طاقتہ سے ماخوذ ہے طوق سے نہیں۔

خطابی نے بھی اپنے ایک قول میں اس تاویل کو اختیار کیا ہے باوجودیکہ بخاری میں ہے خسف به الى سبع ارضين اور مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت منقول ہے کہ:

''جس نے ایک بالشت برابر زمین کی ہڑپ کی تو اس کے گلے میں ساتوں زمین ہنسلی کی طرح پہنا دی جائیں گی۔''

اسی طرح عرب کہتے ہیں: اخرق من حمامة. یعنی بہت زیادہ کمزور یا کبوتر سے بھی زیادہ کمزور۔ یہ مثال اس لیے دی جاتی ہے کہ کبوتر اپنے گھونسلہ کو مضبوط نہیں بناتا۔ بسا اوقات یہ درخت کی ایسی شاخ پر گھونسلہ بناتا ہے جہاں سے ہوا سے گر کر اس کے انڈے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اسی کے ہم مثل شاعر عبید بن الابرص کے یہ شعر ہیں ؎

عَيوا بِـاَمْـرِهِمْ كَمَا عَيِيَتْ بِبَيْضَتِهَا الْحَمَامَةْ

''وہ اپنے کاموں میں ایسے عاجز رہ گئے جیسا کہ کبوتر اپنے انڈوں کی حفاظت میں رہ جاتا ہے۔''

جَـعَلَتْ لَهَا عُوْدَيْنِ مِنْ بِشَمٍ وَ آخَرُ مِنْ ثَمَامَةٍ

''چونکہ کبوتر چند تنکوں سے اپنا گھونسلہ بناتا ہے اور وہ تنکے بھی بہت کمزور ہوتے ہیں۔''

حمام کے طبی خواص

اگر کسی شخص کے اعضاء شل ہو جائیں (یا لقوہ، فالج) کا اثر ہو جائے تو ایسے شخص کو کسی ایسی جگہ جہاں کبوتر رہتے ہوں یا کبوتر کے قریب رہنا مفید ہے۔ یہ کبوتر کی عجیب وغریب خاصیت ہے۔ اس کے علاوہ ایسے شخص کے لیے اس کا خون اور گوشت بھی فائدہ مند ہے۔ کبوتر کا گرم خون بطور سرمہ استعمال کرنا آنکھوں میں پائے جانے والے زخم اور دھند لکے کو دور کرتا ہے۔ بالخصوص کبوتر کا خون حجاب دماغ سے آنے والی نکسیر کو بند کر دیتا ہے۔ کبوتر کے خون کو زیتون میں ملا کر جلے ہوئے زخموں پر لگانے سے بہت جلد آرام ہو جاتا ہے اور کبوتر کی بیٹ گرم ہوتی ہے بالخصوص جنگلی کبوتر کی۔ اس کی بیٹ کی ایک عجیب تاثیر یہ ہے کہ اگر اس کو پانی میں گھول کر عسر بول کا مریض اس پانی میں بیٹھ جائے تو بہت ہی صحت بخش ہے۔

عسر بول کے لیے یہ عمل

بہت آزمودہ اور مجرب ہے۔ کسی پاک وصاف برتن پر مندرجہ ذیل آیات لکھ کر اور پانی سے دھو کر مریض کو پلائیں تو ان شاءاللہ فوراً پیشاب

ہوگا۔

ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذلک لمن یشاء وما قدروالله حق قدره والارض جمیعا قبضته یوم القیمة والسموات مطویات بیمینه سبحانه وتعالیٰ عما یشرکون. رمص نفع وشفوا بفضل الله عزوجل.

''اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتے' شرک کے علاوہ جس کے چاہیں گناہ معاف کردیں اور انسانوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت نہیں پہچانی۔ حالانکہ زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان لپٹے ہوئے کاغذ کی طرح اس کے داہنے ہاتھ میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی شان شرک سے بہت بلند وبالا ہے۔''

اگر کبوتر کی بیٹ سرکہ میں ملا کر اس شخص کے پیٹ پر لیپ کردیا جائے جو درد استسقاء میں مبتلا ہو تو ان شاءاللہ اس کو فوراً فائدہ ہوگا۔ اور اگر سرخ کبوتر کی بیٹ دو درہم کے بقدر لے کر تین درہم دارچینی میں ملا کر کسی چیز (پانی وغیرہ) کے ساتھ پی لی جائے تو پتھری والے مریض کے لیے نفع بخش ہے۔ کبوتر کا گوشت بہترین ہوتا ہے اور تولید منی وخون میں اعانت کرتا ہے۔ اگر زندہ کبوتر کا پیٹ چاک کر کے گرم گرم بچھو کے کاٹے پر (جس جگہ بچھو نے کاٹا ہے) رکھ دیا جائے تو یقینی فائدہ ہوگا ان شاءاللہ۔ کبوتر کی بیٹ کی دھونی اگر کسی دردزہ میں مبتلا عورت کو دی جائے تو ولادت میں جلدی اور آسانی ہوجائے گی۔

تعبیر

خواب میں کبوتر امین قاصد سچے دوست اور باوفا محبوب کی شکل میں آتا ہے۔ کبھی خواب میں کبوتر کا دیکھنا نوحہ پر بھی دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے

صَبٌّ یَنُوْحُ اِذَا الْحَمَام یَنُوْحُ.

''جب کبوتر نوحہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ عشق بھی مصروف بکا ہوتا ہے۔''

کبھی خواب میں کبوتری کا نظر آنا عربی النسل' بابرکت' خوبصورت عورت پر دلالت کرتا ہے جو کہ اپنے شوہر کے بدل کی خواہاں نہ ہو۔ اور اگر کسی مریض کے سر پر بیٹھا ہوا دکھائی دے تو یہ مریض کی موت کی طرف اشارہ ہے۔ اور اگر کسی نے بروج حمام (یعنی وہ جگہ یا گنبد جہاں کبوتر رہتے ہیں) کو دیکھا تو عورتوں اور بچوں اور لڑکوں پر دلالت کرتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص خواب میں یہ دیکھے کہ وہ کبوتروں کو دانہ ڈال رہا ہے اور ان کو بلا رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ دیکھنے والا قوم کی قیادت کرے گا۔ نیز اگر کوئی شخص خواب میں کبوتر اور کوے کو ایک جگہ جمع کرلے یا ان کو ایک جگہ دیکھے تو اس کی تعبیر بھی قوم کی قیادت سے دیتے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو خواب میں اپنے غیر جنس کے ساتھ جمع ہو تو اس سے قیادت مراد ہوتی ہے اور خاص طور سے کوؤں کے سلسلہ میں یہ وجہ ہے کہ کوؤں کا شمار فاسقین میں سے ہے۔ کبوتر کی غڑغوں (یعنی کبوتر کی آواز) خواب میں سننا اس بات پر دال ہے کہ وہ کوئی کلام باطل ہے یعنی اس کی یہ غڑغوں کسی غلط بات کی طرف کنایہ ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص خواب میں کبوتری کی غڑغوں سنے تو اس سے مراد عورت ہے جو اپنے شوہر سے جھگڑتی ہے۔

اور اگر کوئی شخص خواب میں یہ دیکھے کہ کبوتر اس کے پاس آکر کھڑا ہوگیا ہے تو اس سے مراد خط ہے جو عن قریب دیکھنے والے کو موصول ہوگا۔ اور اگر کوئی خواب میں یہ دیکھے کہ اس کی کبوتری اُڑ گئی اور وہ لوٹ کر نہ آئی تو دیکھنے والا یا تو اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا یا اس کی بیوی کا انتقال ہوجائے گا۔ اور اگر کوئی شخص خواب میں اپنی کبوتری کے پر کاٹ دے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ اپنی بیوی کو باہر نکلنے یا بچہ جننے یا حاملہ ہونے سے روکے گا۔ اور اگر کوئی یہ خواب دیکھے کہ کبوتر اس کو راستہ دکھا رہا ہے تو دیکھنے والے کے پاس عن قریب دور دراز

مقام سے کوئی خیر (بھلائی) کی خبر آئے گی۔اور کبوتر کو خواب میں دیکھنا دوستی اور شرکت والے کے لیے خیر کی علامت ہے۔

جاماسب کا قول ہے کہ جو شخص خواب میں کبوتر کا شکار کرے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ دیکھنے والے کو اس کے دشمنوں سے مال ودولت ملے گی۔اور اگر کوئی شخص خواب میں کبوتری کی آنکھ میں نقص دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی بیوی کے دین اور اخلاق میں کمی ہے۔

ابن المقری کہتے ہیں کہ خواب میں ایسے جانور کو دیکھنا جو کبوتر کی شکل میں ہو تو اس سے مراد شریف النسب شریف القدر ہوتا ہے' کبھی کبھی خواب میں کبوتر کا آنا کھیل کود' مسرت اور دشمن پر غلبہ کی دلالت کرتا ہے۔اور کبھی اس سے مراد پاک دامن' راز دار اور بچوں پر مہربان بیوی ہوتی ہے اور کبھی اس سے مراد بہت اولاد والی عورت یا کثیر النسل مرد جو اہل بیت پر مہربان ہو۔

اَلْحُمَّد

(قطاط کے بچے) اہل عرب اس پرندے سے ایک مثال بیان کرتے ہیں:

حَمْدُ قَطَاةٍ يُسَمَّىٰ الارنب انْ يَصِدَهَا.

یہ مثال اہل عرب اس وقت بولتے ہیں کہ جب کوئی ضعیف شخص کسی قوی سے لڑنے کا ارادہ کرے۔میدانی نے کہا ہے کہ میں نے کسی بھی کتاب میں اس کا ذکر نہیں دیکھا۔

اَلْحُمَّرَ

(ایک پرندہ) اَلْحُمَّرَ (حاء پر پیش اور میم مشدد) یہ عصفور یعنی گوریا کی قسم میں سے ایک چڑیا ہے۔ابوالمہوش شاعر کہتا ہے ؎

قَدْ كُنْتُ اَحْسِبُكُمْ اَسْوَدَ حَمِيَّةٍ　　فَاِذَا لَصَافٌ تبيض فِيْهِ الْحُمَّر

''میں نے انہیں سیاہ کوئلہ سمجھ رکھا تھا' لیکن دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ تو گورے چٹے ہیں اور ان سے انڈے نکلتے ہیں سرخ رنگ کے۔''

لصاف ایک پہاڑ کا نام ہے اور حمر کا واحد حمرۃ آتا ہے۔راجز نے یہ شعر کہا ہے ؎

و حمرات شُربهنَّ عِبٌّ　　اِذَا غَفَلَتْ غَفْلَةً تَعِبُ

''اور سرخ رنگ کی شراب پینا جب کہ غافل کرے تو پھر پینا ایک عیب ہے۔''

کبھی اس کو میم کی تخفیف کے ساتھ حُمَرَة بھی پڑھتے ہیں۔

ابن لسان کا واقعہ

ابن لسان الحمرہ عرب کا مشہور خطیب گزرا ہے۔اس کا تعلق بنی تمیم اللات بن ثعلبہ سے تھا اور اپنے زمانے کے بڑے علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔فصاحت اور درازی عمر کی وجہ سے لوگ ان کا نام بطور ضرب المثل استعمال کرنے لگے تھے۔ان کا اصلی نام ورقاء بن الاشعر تھا اور کنیت ابو کلاب تھی۔ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے ان سے کچھ سوالات کیے جن کے انہوں نے بالکل صحیح صحیح جواب دیئے۔اس پر امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا کہ تم نے علم کس ذریعہ سے حاصل کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ بکثرت سوال کرنے والی زبان اور عاقل قلب سے مجھ کو یہ علم حاصل ہوا اور پھر کہا کہ امیر المؤمنین علم کے لیے آفت اضاعت اور استجاعت ہے۔

چنانچہ علم کی آفت نسیان ہے اور اس کی اضاعت یہ ہے کہ کسی نااہل کے سامنے بیان کیا جائے اور اس کی نکد (نقص) یہ ہے کہ اس میں کذب یعنی جھوٹ کی آمیزش کی جائے اور اس کی استجاعت (بھوک) یہ ہے کہ طالب علم کبھی علم سے سیر نہیں ہوتا۔

شرعی حکم

حمر کا کھانا بالاتفاق جائز ہے۔ کیونکہ یہ عصافیر کی ایک نوع ہے۔ عبادی نے کہا ہے کہ بعض علماء نے اس کو حرام کہا ہے کیونکہ یہ نہاش ہے۔ لیکن یہ قول شاذ و مردود ہے۔

حدیث شریف میں حمر کا ذکر:

ابوداؤد طیالسی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ اتنے میں ایک صاحب گھونسلہ لیے ہوئے آئے اور اس میں سے انہوں نے حمرہ جانور کا انڈا نکالا تو اچانک حمرہ جانور بھی آیا اور آپؐ اور صحابہ کرام کے سروں پر منڈلانے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس پرندے کو کس نے تکلیف پہنچائی ہے؟ آپؐ کے سوال پر وہ صاحب بولے یا رسول اللہ! میں نے اس کے انڈے نکال لیے ہیں اور حاکم کی روایت کے بموجب بچے نکال لیے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس کر دو' واپس کر دو' اس پر رحم کر کے۔''

اور ترمذی اور ابن ماجہ میں عامر دارمی سے ایک روایت ہے کہ:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کی ایک جماعت ایک گھونسلہ لے کر آئی۔ انہوں نے ایک پرندہ کے بچے کو پکڑ رکھا تھا۔ وہ پرندہ آپؐ پر آ کر منڈلانے لگا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کس نے اس کے بچہ کو پکڑ لیا ہے؟ تو ان صحابی نے عرض کیا کہ میں نے۔ پس آپؐ نے حکم دیا: چھوڑ دو' تو چھوڑ دیا گیا۔''

کتاب الجنائز کے شروع میں ابوداؤد نے عامر دارمی کی جو روایت نقل کی ہے وہ روایت ان شاء اللہ باب الفاء میں فرخ کی بحث میں آئے گی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو انڈے اور بچہ لوٹانے کا جو حکم فرمایا تھا اس کی دو حکمتیں ہو سکتی ہیں' اول یہ کہ صحابہ کرام حالت احرام میں ہوں۔ دوسری یہ کہ اس پرندے نے جب آپؐ سے فریاد کی اور آپؐ کو اس پر رحم آ گیا تو اس صورت میں ان کا چھوڑنا لازمی تھا۔

الامثال

کسی کی طول عمری کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں: اَعْمَرُ مِنْ لِسَانِ الْحُمَرَةِ (وہ لسان حمرہ سے بھی زیادہ لمبی عمر والا ہے)۔ اور کسی کے عالی نسب کے بیان میں کہتے ہیں: اَنْسَبُ مِنْ ابن لِسان الْحُمَرَةِ (وہ ابن لسان حمرہ سے زیادہ نسب والا ہے)۔ ابن لسان الحمرہ عرب کا ایک اونچے خاندان کا فرد تھا اور نہایت متکبر تھا۔

اَلْحُمْسَةُ

اَلْحُمْسَةُ: سمندر کا ایک جانور۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ حمسہ مینڈک کو کہتے ہیں۔ حمسۃٌ کی جمع حَمَسٌ آتی ہے۔

اَلْحِمَاط

اَلْحِمَاط وَالْحُمُوط۔ سبزی کا کیڑا۔

اَلْحُمَک

اَلْحُمَکَ: ہرقسم کے جانوروں کے چھوٹے بچوں کو کہا جاتا ہے۔ ''جوں'' کے معنی میں کثیرالاستعمال ہے۔ قطاء اور شترمرغ کے بچوں کو بھی کہا جاتا ہے۔ نیز صغار ناس کے لیے بھی حمک کا استعمال ہوتا ہے جیسا کہ راجز کے اس قول میں لا تعذلینی برذالاتِ الحُمُکِ یعنی ''اے محبوبہ! تو مجھ کو ملامت نہ کر اور مجھے مت کہہ کہ میں ذلیل لوگوں میں سے ہوں۔''

اَلْحَمَل

الحمل: بکری کا چھ ماہ کا بچہ۔ بعض نے حمل سے مراد دُنبہ لیا ہے۔ اس کی جمع حملان و احمال آتی ہے۔

حدیث شریف میں حمل کا ذکر:

ابن ماجہ نے ابو یزید انصاری سے یہ روایت نقل کی ہے:

''رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کے مکان کے قریب سے گزرے تو آپؐ نے وہاں گوشت بھننے کی خوشبو محسوس کی۔ آپؐ نے فرمایا یہ کس کے گھر میں ذبح ہوا ہے؟ اس پر ایک انصاری باہر نکل کر آئے اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ذبح کیا ہے اپنے بچوں کے لیے۔ آپؐ نے فرمایا یہ قربانی جائز نہیں ہوئی' دوبارہ کرو (چونکہ ان صاحب نے عیدالضحیٰ کے دن یہ قربانی نماز عید سے پہلے ادا کر دی تھی اور یہ مسئلہ ہے کہ شہری حضرات نماز عید سے پہلے قربانی نہیں کر سکتے اور دیہاتیوں کو اجازت ہے) اس پر وہ صاحب بولے کہ یا رسول اللہ! اب میرے پاس بجز بھیڑ کے بچے کے علاوہ کوئی جانور نہیں ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اسی بچہ کی قربانی کرو اور یہ صرف تمہارے لیے اجازت ہے (یعنی اتنی کم عمر بچہ کی قربانی) تمہارے بعد اور کسی کے لیے اجازت نہیں۔''

ایک حکایت

ابو طالب مکی نے اپنی کتاب ''قوت القلوب'' کی پچیسویں فصل کے شروع میں اپنے دوستوں کی حکایت نقل کی ہے کہ ہمارے پاس ایک فقیر آیا تو ہم نے ایک پڑوسی سے بکری کا بچہ جو بھنا ہوا تھا خریدا اور اس فقیر کو اپنے ساتھ کھانے پر مدعو کیا۔ کھانا شروع ہوا اور جب ان بزرگ نے بھنے ہوئے بکری کے بچہ کا ایک لقمہ اپنے منہ میں رکھا تو فوراً اگل دیا اور کہنے لگے کہ آپ لوگ کھائیے میں نہیں کھاؤں گا۔ اس لیے کہ مجھے ایک حادثہ پیش آ گیا اس لیے میں نہیں کھاؤں گا۔ ہم نے کہا آپ کے بغیر ہم بھی نہیں کھا سکتے' تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نہیں کھاؤں گا اور یہ کہہ کر چلے گئے۔ بالآخر ہم بھی کھانے سے رُک گئے اور آپس میں بات چیت کرنے لگے کہ آخر کس وجہ سے ان بزرگ نے گوشت نہیں کھایا۔ پھر مشورہ کے بعد طے ہوا کہ اس پڑوسی کو جس سے یہ بھنا ہوا گوشت لیا تھا بلا کر دریافت کریں شاید کوئی بات معلوم

ہو جائے۔ کیونکہ ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے جوان بزرگ نے اس کو نہیں کھایا۔

پس ہم نے اس پڑوسی کو بلایا اور پوچھا کہ بتا یہ گوشت کس چیز کا تھا لیکن اس نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ آخر کار ہم لوگوں نے سختی سے کام لیا اور کافی دیر بعد اس نے کہا کہ یہ مردہ بکری کا بچہ تھا اور میں نے روپوں کے لالچ میں اس کو بھون کر آپ کو فروخت کر دیا۔

راوی کہتے ہیں کہ ہم کو یہ معلوم ہو گیا تو ہم نے وہ بھنا ہوا گوشت کتوں کو کھلا دیا اور پھر ان بزرگ کی تلاش میں نکلے اور ان سے مل کر دریافت کیا کہ آخر آپ کو کیا عارضہ پیش آ گیا تھا جس کی وجہ سے آپ نے گوشت نہیں کھایا۔ انہوں نے فرمایا کہ تقریباً بیس سال ہو گئے مجھے گوشت سے بالکل رغبت نہیں ہے (یعنی اس بیس سال کے عرصہ میں شاذ و نادر ہی گوشت کھایا حالانکہ اکثر گوشت میرے سامنے ہوتا تھا لیکن کھانے کو طبیعت نہ چاہتی تھی) لیکن آج جب آپ نے یہ بھنا ہوا گوشت میرے سامنے رکھا تو میرا دل اس کو کھانے کے لیے بے انتہاء چاہا حالانکہ گوشت کی اتنی شدید خواہش پہلے کبھی نہیں تھی۔ اس لیے فوراً میرے دل میں یہ خیال آیا کہ ہو نہ ہو اس گوشت میں کوئی قباحت ہے لہٰذا میں نے کھانے سے انکار کر دیا۔

ایک عجیب حکایت

معجم ابن قانع اور طبرانی نے کرم بن سائب انصاری کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ وہ (ابن سائب) فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ مدینہ منورہ جا رہا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم ﷺ کا چرچا شروع ہوا تھا (یعنی نبوت کا ابتدائی دور) راستہ میں جب رات ہو گئی تو ہم شب باشی کی غرض سے ایک چرواہے کے پاس ٹھہر گئے۔ جب رات کا نصف حصہ گزر گیا تو بھیڑیا آیا اور ریوڑ میں سے ایک بکری کا بچہ اُٹھا کر لے گیا تو چرواہا جلدی سے اُٹھا اور پکار کر کہا: ''یا حامر الوادی اوذی جارک'' یعنی اے اس میدان کے جنوں کے سردار! اپنے پڑوسی کی خبر لے۔

پس اس کے یہ کہتے ہی ایک آواز سنائی دی کہ کسی نے کہا: ''یا سرحان ارسلہ'' یعنی اے بھیڑیئے اسے چھوڑ دے اس کے بعد وہ بچہ دوڑتا ہوا واپس آ گیا اور بکریوں کے گلہ میں مل گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی:

وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا.

''اور ہیں کچھ مرد انسانوں میں جو پناہ مانگتے ہیں جنوں کے مردوں کی پس انہوں نے بڑھا دی ان کی شیخی۔''

یعنی بعض انسان بعض جنوں سے پناہ طلب کرتے تھے۔ پس جنوں نے جب یہ عمل دیکھا تو وہ (اکڑ گئے) شیخی کرنے لگے۔ یہ حکایت میزان میں اسحاق ابن حرث کے حالات میں مذکور ہے۔ نیز یہ روایت ضعیف ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا قصہ

قاضی عیاض کی کتاب الشفاء میں لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں مبتلا ہونے کا سبب یہ تھا کہ ایک دن باپ اور بیٹا دونوں ایک دستر خوان پر بیٹھے ہوئے حلوان (حمل) کا بھنا ہوا گوشت کھا رہے تھے اور آپ کے مکان سے ملا ہوا ایک یتیم بچہ کا مکان تھا۔ جب اس کو بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو پہنچی تو اس کا دل بھی اس بھنے ہوئے گوشت کے لیے چاہنے لگا مگر ناداری اور غربت کی وجہ سے وہ رونے لگا اور ساتھ ہی اس کی بڑھیا دادی بھی رونے لگی۔ لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام اس واقعہ سے بالکل لاعلم رہے۔ لہٰذا حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند یوسف علیہ السلام کے فراق میں مبتلا کر دیئے گئے۔ اور آپ ان کے فراق میں اس قدر روئے کہ روتے روتے آپ کی آنکھیں سفید ہو گئیں۔

پھر جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے یہ قاعدہ مقرر کر لیا کہ کھانا کھانے سے پہلے چھت پر چڑھ کر یہ آواز

لگوایا کرتے تھے کہ جو کوئی بھوکا ہو یعقوب کے گھر آ کر کھانا کھا لے اور جو روزہ سے ہو وہ روزہ افطار کر لے۔

اس روایت کے بارے میں علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ میں اس روایت کو درست نہیں سمجھتا اور میں حیرت زدہ ہوں کہ قاضی عیاض جیسے شخص نے اس واقعہ کو اپنی کتاب میں کیسے جگہ دی۔ حالانکہ یہ وہ معاملہ ذیلہ ہے جس سے حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت ضروری ہے۔ اور اس نے اس واقعہ کو اپنی کتاب میں صرف اس لیے نقل کیا ہے تا کہ میں آگاہ کر دوں کہ اس واقعہ کو میں درست نہیں مانتا۔ اگر چہ طبرانی نے اپنی کتاب ''معجم الاوسط والصغیر'' میں حضرت انسؓ کی طویل روایت بیان کی ہے جس میں یہ بھی شامل ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام جب کھانا کھانے کا قصد فرماتے تو آواز لگاتے کہ جو شخص کھانا کھانا چاہے وہ میرے ساتھ کھا لے اور جب آپ روزہ رکھتے تو افطار کے وقت اعلان فرماتے کہ جو شخص روزہ دار ہو میرے ساتھ آ کر افطار کرے۔ اس روایت کو طبرانی نے اپنے شیخ محمد بن حمد الباہلی البصری سے نقل کیا ہے جو کہ نہایت ضعیف راوی ہیں۔ بیہقی نے بھی ''شعب الایمان'' میں اسی طرح اس روایت کو بائیسویں باب میں نقل کیا ہے۔

واحدی نے سورۂ یوسف کی اس آیت کی تفسیر ''انی لا جدریح یوسف'' (تحقیق کہ میں پاتا ہوں خوشبو یوسفؑ کی) میں لکھا ہے کہ بادصبا نے اللہ رب العزت سے اجازت طلب کی کہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس خوش خبری پہنچنے سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو پہنچا دوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بادصبا کو اجازت مرحمت فرما دی اور پھر بادصبا نے اس قدر دراز مقام سے آپ کے فرزند کی خوشبو آپ کے دماغ میں پہنچا دی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر غمگین شخص بادصبا سے راحت وسکون محسوس کرتا ہے۔ یہ ہوا جانب شرق سے چلتی ہے۔

اَیَا جَبَلَیْ نَعْمَانَ بِاللّٰہِ خَلِیَّا نَسِیْمُ الصَّبَا یَسْرِیْ اِلٰی نَسِیْمِھَا

''اے نعمان کے پہاڑ اللہ کے واسطے تمہیں نسیم سحری کے جھونکے آتے ہیں اور صبح کی تازہ ہوا کے جھونکے غمزدہ افراد کے غموں کو دور کر دیتے ہیں۔''

فَاِنَّ الصَّبَارِیْحَ اِذَا مَاتَنَسَّمْتَ عَلٰی نَفْسِ مَھْمُوْمٍ تَحَلَّتْ ھُمُوْمُھَا

''کیونکہ جب نسیم سحری کے جھونکے آتے ہیں تو غمزدہ لوگوں کے غموں کو دور کرتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔''

اَلْحُمْنَانُ

الحمنان: چھوٹی چیچڑیاں۔ اس کا واحد حُمْنَانَۃٌ اور حَمْنَۃٌ آتا ہے۔

اَلْحَمُوْلَۃ

الحمولة: امام جوہریؒ کہتے ہیں کہ حاء کے فتح کے ساتھ ہے۔ اس اونٹ کو کہتے ہیں جس سے بار برداری کا کام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ لفظ ہر اس جانور کے لیے استعمال ہوتا ہے جس سے بار برداری کا کام لیا جائے جیسے گدھا وغیرہ' چاہے ان پر سامان لدا ہو یا نہ ہو۔

فائدہ: بقاعدہ صرف جب فعول پر ''ہ'' داخل ہوتی ہے تو وہ مفعول بہ کے معنی دینے لگتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول: وَ مِنَ الْاَنْعَامِ

حَمُولَةً وَّ فَرُشًا (اور جانوروں میں سے بعض بار برداری کا کام کرتے ہیں جب کہ بعض سواریوں کے کام آتے ہیں۔

''فرش'' کا بیان ان شاءاللہ باب الفاء میں آئے گا۔

اَلْحَمِيقُ

الحمیق : ابن سیدہ کا کہنا ہے کہ یہ ایک پرندہ ہے جو قطاء اور ٹڈیوں وغیرہ کا شکار کرتا ہے اور میں نے بعض اہل علم سے سنا ہے کہ الحمیق باز کو کہتے ہیں اور تاریخ مکہ میں مذکور ابوالولید کے اس قول سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ عطاء سے ابن جریج نے معلوم کیا کہ کیا حالت احرام میں عقاب کو قتل کر سکتا ہوں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ پھر پوچھا کیا صقر اور حمیق کو بھی قتل کر سکتا ہوں کیونکہ یہ دونوں مسلمانوں کے کبوتروں کو پکڑ تے ہیں۔ تو عطاء نے جواب دیا کہ ہاں ان کو بھی قتل کر سکتے ہیں اور مکھی مچھر اور بھیڑیئے کو بھی قتل کر سکتے ہیں کیونکہ یہ انسان کے دشمن ہیں۔

حُمِيْل حُرُ

حمیل حُر: (حاء پر ضمہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں) ایک پرندہ کا نام ہے۔

اَلْحَنَشُ

الحنش : (حاء اور نون پر فتحہ) سانپ کو کہتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ چت کوریا سانپ کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع احناش آتی ہے۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ''احناش'' تمام دواب الارض مثلاً گوہ، قنفذ اور یربوع وغیرہ کے لیے وضع کیا گیا تھا۔ مگر اس کو بعد میں صرف سانپ کے لیے خاص کر دیا گیا۔ ذوالرمہ نے یہ شعر کہا ہے ؎

وَكَمْ حَنَشٍ ذعَفَ الْلعَابَ كَاَنَّهُ عَلَى الشِرْكِ الْعَادِئُ نِصْفُ عِصَامٍ

ترجمہ: ''اور بہت سے کیڑے مکوڑے ایسے ہیں خصوصاً سانپ جو انسان کی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔''

حنش ایک آدمی کا نام بھی تھا۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ حنش اژدہا ہے یا اس سے بھی بڑے سانپ کو کہتے ہیں۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ سب سے کالے سانپ کو کہتے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ پرند اور ہوام میں سے جو چیز شکار کی جائے اس کو حنش کہتے ہیں۔ اور کتاب العین میں لکھا ہے کہ حنش سے چھپکلی اور ہر وہ جانور مراد ہے جس کا سر سانپ کے سر کے مشابہ ہو۔

حدیث میں حنش کا ذکر:

قتل دجال کے سلسلہ کی حدیث میں ہے:

''آپؐ نے فرمایا کہ وہ دور ایسا ہوگا کہ اس میں کینہ پروری، کینہ دوزی سب کا خاتمہ ہو جائے گا اور زہریلے جانوروں کا زہر ختم ہو جائے گا یہاں تک کہ بچہ اژدہے کے منہ میں ہاتھ ڈال دے گا مگر اژدہا اس کو نہیں ڈسے گا۔''

سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی میں خزیمہ بن جزء کی یہ حدیث منقول ہے:

''عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ ﷺ زمینی جانوروں میں سے لومڑی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ کوئی ایسا بھی ہے جو لومڑی کھاتا ہو؟ پھر میں نے پوچھا کہ کیا بھیڑیا حلال ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا کوئی بھلا آدمی بھیڑیا بھی کھاتا ہے؟'' (گویا کہ دونوں جانوروں کی حرمت کا اشارۃً اعلان کیا)

اَلْحَنْطَبُ

(ٹڈی) الحنطب: ٹڈی کو کہتے ہیں۔ لیکن خلیل نے کہا ہے کہ حناطب بچھو کو کہتے ہیں۔ حضرت حمزہ اصفہانی نے فرمایا کہ حنطب جنگلی بلا اور لومڑی کے درمیان پیدا ہونے والے جانور کو کہتے ہیں اور دلیل میں حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار پڑھے ؎

اَبُوکَ اَبُوکَ وَ اَنْتَ اِبْنُہٗ فَبِئْسَ الْبَنِیْ وَ بِئْسَ الْاَبُ

''تیرا باپ تیرا باپ اور تو اس کا بیٹا ہے باپ بھی بدتر اور بیٹا بھی برا۔''

وَ اُمُّکَ سَوْدَاءُ نَوْبِیَّۃٌ کَاَنَّ اَنَامِلُھَا الْحَنْظَبُ

''اور تیری ماں کالی کلوٹی حبشیہ ہے جس کی انگلیاں ٹڈی کے مشابہ ہیں۔''

یَبِیْتُ اَبُوکَ لَھَا سَافِدًا کَمَا سَفَدَ الْھِرَّۃُ الثَّعْلَبُ

''تیرا باپ تیری ماں سے اس طرح جفتی کرتا ہے جیسا کہ بلا لومڑی کے ساتھ۔''

اور طباخی نے سیاہ کتے کی تعریف میں یہ شعر کہے ہیں ؎

اعددت للذئب و لیل الحارس مصدرا اتلع مثل الفارس

''میں نے کتا پالا ہے بھیڑیئے سے بچاؤ کے لیے اور رات کو پہرہ دینے کے لیے یہ کتا شہ سوار سے بھی زیادہ بہادر ہے۔''

یستقبل الریح بانف خانس فی مثل جلد الحنظباء انیابس

''اور اس کے ناک کے نتھنوں سے ایسی خشک ہوا نکلتی ہے جیسا کہ ٹڈی کی خشک چمڑی سے۔''

اَلْحِوَارُ

اَلحوارُ: اونٹنی کا بچہ جب تک اپنی ماں کے ساتھ رہے اس وقت تک حوار اور ماں سے جدا ہونے کے بعد فصیل کہلاتا ہے۔ تین تک کے لیے اس کی جمع احورۃ اور تین سے زائد کے لیے حیران اور حوران آتی ہے اور ابن ہشام وغیرہ نے خالد بن نجیح کے حوالہ سے عبداللہ ابن انیس کے سفر میں ذکر کیا ہے (یہ سفر ۳ھ ماہ محرم میں ہوا تھا) کہ اس نے اس سلسلہ میں پانچ اشعار کہے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے ؎

تَرَکْتُ اِبْنَ ثَوْرٍ کَالْحِوَارِ وَ حَوْلَہٗ نَوَائِحُ تُفْرِیْ کُلَّ جیب مُقَدَّدٍ

''میں نے ابن ثور کو چھوڑ دیا ایسا بے چین جیسا کہ اونٹنی کا بچہ اپنی ماں سے جدائی میں تڑپتا ہے۔ اب اس کے اردگرد رونے والیاں ہیں جو شدت غم سے پھاڑ رہی ہیں اپنے گریبان۔'' اشعار خمسہ کی تفصیل عنقریب انشاء اللہ باب العین میں آئے گی۔

الامثال

اہل عرب کہتے ہیں یَایسار کُل لَحْمَ الحِوَارِ وَاشْرِب لَبَنَ العشار و اِیَّاکَ وَبَنَاتَ الاحرار. اونٹ کے بچہ کا گوشت کھاؤ اور گابھن اونٹنی کا دودھ پیو اور آزاد لڑکیوں سے خود کو بچاؤ۔ اس کے پس منظر میں ایک قصہ ہے۔ شاعر نے کہا ہے ؎

وَ اِنِّیْ لاَخْشٰی اِنْ خَطَبْتُ اِلَیْهِمْ　　عَلَیْکَ الَّذِیْ لاَقٰی یَسَارَ الْکَوَاعِبَ

''میں تو انہیں پیغام دیتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں کہ کہیں ان سے وہ پریشانیاں نہ اُٹھانی پڑیں جوان جیسوں سے اُٹھائی جاتی ہیں۔''

اہل عرب بے فائدہ چیز کے لیے بولتے ہیں امسخ من لحم الحوار۔ شاعر کہتا ہے ؎

وَ قَدْ عَلِمَ الْغُنُرُ وَ الطَّارِقُوْنَ　　بِاَنَّکَ لِلضَّیْفِ جُوْع وَقِرِ

''مہمانوں کو تیرے بارے میں اس کا یقین ہوگیا کہ تیرے مہمان بھوکے تڑپتے ہیں۔''

مَسِیخٌ مَلِیخٌ کَلَحْمِ الْحِوَارِ　　فَلا اَنْتَ حُلْوٌ وَ لا اَنْتَ مُرٌّ

''تو ایسا ہی ہے جیسا کہ اونٹ کے بچہ کا سڑا ہوا گوشت نہ تو اب میٹھا ہی ہے اور نہ کڑوا۔''

مسیخ اور ملیخ بے ذائقہ گوشت کو کہتے ہیں۔

بعض موقعوں پر اہل عرب یہ مثال دیتے ہیں: کَسُوْرِ الْعَبْدِ مِنْ لَحْمِ الْحِوَارِ. یہ مثال اس وقت بولتے ہیں جب کسی چیز میں سے کچھ بھی حاصل نہ ہو۔ اس کہاوت کا پس منظر یہ ہے کہ ایک غلام نے اونٹنی کا بچہ ذبح کیا اور سب کا سب خود کھا گیا اور اپنے مالک کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ تب ہی سے اہل عرب نے اس چیز کے لیے جو تمام کی تمام فوت ہو جائے یہ مثال بنالی۔

اَلْحُوْتُ

(مچھلی) اَلْحُوْتُ: اس کی جمع احوات، حوتۃ اور حیتان آتی ہے۔ اس کا مفصل بیان لفظ ''سمک'' کے تحت آئے گا۔ کیونکہ سمک بھی عربی میں مچھلی کو کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اذ تاتیھم حیتانھم یوم سبتھم الایۃ** (جب کہ ان کا سبت، ہفتہ کا دن) ہوتا تھا تو ان کی مچھلیاں ان کے پاس بکثرت آتی تھیں اور جس دن سبت (ہفتہ کا دن) نہیں ہوتا تھا تو اس طرح نہیں آتی تھیں۔ اس کے متعلق کہ مچھلیوں کو یہ علم کیسے ہو جاتا تھا کہ آج سبت کا دن ہے اور وہ شکار ہونے سے محفوظ رہیں گی۔ اسی سلسلہ میں علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف توجیہات کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ از قسم بادل کوئی چیز ایسی بھیج دیتے ہوں جس سے مچھلیوں کو ہفتہ کے دن کا علم ہو جاتا ہو۔

(۲) یا شہد کی مکھیوں کی طرح اللہ تعالیٰ ان کی طرف بھی الہام کرتا ہو۔

(۳) یا ان کو یوم السبت (ہفتہ کا دن) کا علم اس طرح ہو جاتا ہو جیسا کہ دواب الارض کو جمعہ کے دن وقوع قیامت کا علم ہو جاتا ہے جس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ہوتی ہے:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایسا جانور نہیں جس کا کہ جمعہ کے دن دل گھبرایا ہوا نہ رہتا ہو اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں آج قیامت قائم نہ ہو جائے (کیونکہ احادیث شریفہ سے ثابت ہے کہ قیامت جمعہ کے دن ہوگی۔''

(۴) یا حرم کعبہ کے کبوتروں کی طرح ان کو بھی سبت کے دن سلامتی کا شعور ہو جاتا تھا۔ کیونکہ حرم کے کبوتر بھی حجاج کے اتنے بڑے مجمع میں آزادی کے ساتھ پھرتے ہیں اور باوجود طبعی تنفر کے نہیں بھاگتے۔ اس لیے بہت ممکن ہے کہ ہفتہ کے دن مچھلیوں کو بھی اسی طرح کا شعور ہو جاتا ہو۔

اس سلسلہ میں بعض اصحاب تاریخ نے لکھا ہے کہ ہفتہ کے دن مچھلیاں کثیر تعداد میں اتنی قریب ہو جاتی تھیں کہ ان کو ہاتھ سے پکڑا جا سکتا تھا۔ لیکن یوم احد ہوتے ہی تمام غائب ہو جاتی تھیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ اکثر غائب ہو جاتی تھیں اور بہت کم رہ جاتی تھیں۔

علامہ دمیریؒ کہتے ہیں کہ ہم کو باسناد صحیح حضرت سعید بن جبیر سے پہنچی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اُتارا تو اس وقت زمین پر گدھ اور سمندر میں مچھلی کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ گدھ رات کے وقت مچھلی کے پاس آ کر رہا کرتا تھا۔ جب گدھ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا تو مچھلی کے پاس آ کر کہا کہ آج زمین پر ایسی چیز اُتری ہے جو اپنے پیروں سے چلتا ہے اور ہاتھوں سے پکڑتا ہے۔ یہ سن کر مچھلی نے کہا اگر تو سچا ہے تو دریا کے اندر مجھ کو اس سے نجات ملنے والی نہیں اور خشکی میں تجھ کو اس سے خلاصی ملے گی۔

الامثال

شاعر کہتا ہے ؎

كَالْحُوْتِ لَا يُلْهِيْهِ شَئٌ يُلْهِمُهٗ　　يَصْبَحُ ظَمَانَ وَ فِیْ الْبَحْرِ فَمُهٗ

''مچھلی کی طرح پر کہ جسے کوئی چیز غافل نہیں کرتی۔ عجیب معاملہ ہے کہ سمندر میں رہتی ہے اور پھر بھی پیاسی۔''

یہ مثال اس شخص کے لیے استعمال کی جاتی ہے جس کے پاس مال و دولت ہو۔ مگر اعلیٰ درجہ کا بخیل (کنجوس) ہو اور اپنی دولت سے کوئی فائدہ نہ اُٹھاتا ہو۔

حدیث شریف میں مچھلی کا ذکر:

طبرانی نے اپنی معجم الاوسط میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس اُمت کے علماء دو قسم کے ہوں گے ایک وہ عالم ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا اور اس نے اس کو لوگوں میں تقسیم کیا اور اس کے عوض میں اس نے نہ تو کسی قسم کا معاوضہ طلب کیا اور نہ علم فروشی کو ذریعہ بنایا۔ لہٰذا یہی وہ عالم ہے جس کے لیے آسمان کے پرند' پانی کی مچھلیاں' زمین پر چلنے والے جانور اور کراماً کاتبین دعائے رحمت کرتے ہیں۔ یہ عالم اللہ تعالیٰ کی جناب میں عوام کے سردار کی حیثیت سے پہنچے گا اور یہ رسولوں اور انبیاء کی رفاقت میں رہے گا۔ دوسرا وہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں اس کو علم دیا مگر اس نے اس علم کو اللہ کے بندوں پر خرچ کرنے میں بخل کیا اور اس کے عوض میں اس نے دُنیا کمائی اور معمولی قیمت لے کر مسائل بدلتا رہا۔ یہ عالم قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے منہ میں آتشیں لگام ہوگا اور ایک پکارنے والا پکار پکار کر حاضرین کے روبرو کہے گا کہ یہ فلاں شخص ابن فلاں ہے' اس کو اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں علم دیا تھا مگر اس نے اس علم کی اشاعت میں بخل سے کام لیا اور اگر اشاعت بھی کی تو معاوضہ لے کر کی' یہ عالم جب تک حساب و کتاب سے فراغت نہ ہوگی عذاب میں مبتلا رہے گا۔'' (العیاذ باللہ)

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ

مچھلی کی سعادت کے لیے یہ امر کافی ہے کہ وہ اللہ کے نبی کا مسکن بنی۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں

پہنچا دیا تو مچھلی کو آگاہ فرما دیا کہ میں یونس کو تیرے لیے رزق نہیں بنا رہا ہوں بلکہ تیرے بطن کو یونس کی پناہ گاہ اور قید بنا رہا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کچھ مدت کے بعد حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے بطن سے نکال لیا تھا۔ مچھلی کے بطن میں حضرت یونس علیہ السلام کتنی مدت رہے اس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ مقاتل ابن حیان تین یوم فرماتے ہیں اور عطاء سات یوم اور ضحاک بیس یوم کا قول کرتے ہیں جب کہ سدی وکلبی اور مقاتل ابن سلیمان چالیس یوم کا قول کرتے ہیں اور شعبیؒ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے صبح کو نگلا تھا اور شام کو نکال دیا تھا۔

قرآن پاک کی اس آیت میں وَاَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِنْ يَقْطِيْنَ (اور اُگا دیا ہم نے اس پر ایک درخت بیل دار) یقطین سے مراد کدو کا درخت ہے اور اس پر جملہ مفسرین کا اجماع ہے۔ ہر وہ درخت جو زمین پر پھیلتا اور لمبا ہو جاتا ہو اور اس میں تنا نہ ہو وہ ''یقطین'' کہلاتا ہے۔ چنانچہ ککڑی، کھیرہ، خربوزہ اور تربوز کے درخت (بیلیں) بھی اس میں شامل ہیں۔

فائدہ: امام الحرمین سے کسی شخص نے پوچھا کہ کیا باری تعالیٰ کسی جہت میں ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے۔ اس پر ان صاحب نے پوچھا کہ اس کی کیا دلیل ہے؟ فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ''**لَا تُفَضِّلُوْنِيْ عَلٰى يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى**''۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھے ترجیح نہ دینا یونس بن متی پر (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ قول حضرت یونس علیہ السلام کو بے حیثیت ثابت کرنے کے لیے نہیں ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یونس علیہ السلام پر خود کو ترجیح دی ہے بلکہ معاملہ ایسا ہے کہ یہود نے حضرت یونس علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا الزام عائد کر کے انہیں رسوا کیا تا آنکہ آپ سوسائٹی میں العیاذ باللہ بے حیثیت ہو گئے کیونکہ یہ سب یہود کی حماقت کا نتیجہ ہے ورنہ تو حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے معزز نبی ہیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ مجھے ترجیح نہ دینا یونس ابن متی پر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور کسر نفسی سے کہہ رہے ہیں کہ یونس مجھ سے زیادہ فضیلت والے ہیں اور مقرب الی اللہ ہیں نہ کہ نعوذ باللہ وہ بے حیثیت ہیں۔ پھر سوال کیا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے تو امام الحرمین نے فرمایا کہ تب تک نہیں بتاؤں گا جب تک کہ میرا یہ مہمان ایک ہزار دینار حاصل کر کے اپنا قرض نہ چکا دے۔ چنانچہ اس کام کے لیے دو شخص تیار ہو گئے اور انہوں نے آپ کے مہمان کو ایک ہزار دینار ادا کر دیئے۔ تب آپ نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام جب دریا میں کود پڑے تو آپ کو ایک مچھلی نے نگل لیا اور تہ دریا میں پہنچ کر آپ پر تین قسم کی تاریکیاں چھا گئیں (ایک دریا کی تہہ کی تاریکی، دوسری شکم ماہی اور تیسری رات کی) اس پر آپ نے اللہ تعالیٰ کو ندا دی اور دُعا کی:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ○

''اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک اور برتر ہے اپنی جان پر ظلم کرنے والا میں خود ہی ہوں نہ کہ تو۔''

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں جب رف رف پر سوار ہو کر اس مقام پر پہنچے جہاں پر قلموں کے چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں اور آپؐ نے وہاں اپنے رب سے راز و نیاز کی باتیں کیں تو اس حالت میں ہونے کے باوجود ''یونس ابن متی کو سمندر کی گہرائیوں میں جو قرب خداوندی نصیب تھا وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں نہیں تھا۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بمقابلہ حضرت یونس قریب تر نہیں تھے۔ (ان شاء اللہ باب النون میں ملک روم کے اس خط کا جس میں حضرت معاویہؓ سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ کون سی قبر ہے جو اپنے مردے کو لیے ہوئے چلتی تھی۔ اس کا جواب حضرت ابن عباسؓ کی جانب سے نقل کیا جائے گا)

حاکم نے مستدرک میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے:

''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ دوران سفر ایک منزل پر ہمارا قیام ہوا۔ اس لق ودق وادی میں کسی شخص کی

آواز سنائی دی کہ وہ کہہ رہا ہے کہ "یا اللہ! مجھ کو بھی محمد (ﷺ) کی اُمت مرحومہ میں شامل کر دے۔" حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس آدمی کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ ایک شخص جس کا قد تین سو ہاتھ لمبا تھا' بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کون صاحب ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا خادم انس ابن مالک ہوں۔ ان بزرگ نے پوچھا کہ محمد ﷺ کہاں ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ یہیں قریب میں ہیں اور آپ کی دعا سن رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ آپ جا کر محمد ﷺ سے کہہ دیں کہ آپ کے بھائی الیاس آپ کو سلام کہہ رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے ان کا یہ پیغام نبی کریم ﷺ کا پہنچا دیا۔ پھر حضور اکرم ﷺ ان کے پاس گئے اور بغل گیر ہوئے اور بیٹھ کر آپس میں باتیں کرتے رہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام کہنے لگے کہ یا رسول اللہ میں سال بھر میں صرف ایک بار کھانا کھاتا ہوں اور آج میرے افطار کا دن ہے' آپ بھی میرے ساتھ شریک ہو جائیے۔ اتنے میں آسمان سے ایک دستر خوان اترا جس میں روٹی' مچھلی اور کرفس (ساگ پات) وغیرہ تھے۔ آپ دونوں نے کھایا اور مجھے بھی کھلایا پھر دونوں نے عصر کی نماز پڑھی' پھر نبی کریم ﷺ چل دیئے۔ میں نے دیکھا کہ الیاس علیہ السلام ایک بادل پر سوار ہو کر بجانب آسمان پرواز کر رہے ہیں۔"

حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے مگر شیخ الاسلام علامہ شمس الدین ذہبی نے "میزان" میں لکھا ہے کہ حاکم کو اس جیسی حدیث کو صحیح کہتے ہوئے اللہ سے شرم نہ آئی۔ چنانچہ شیخ الاسلام نے اپنی کتاب تلخیص المستدرک میں حاکم کے اس قول کے اخیر میں "ہذا صحیح" (یہ صحیح ہے) کے بعد لکھ دیا ہے کہ میری رائے میں یہ حدیث موضوع ہے اور جس شخص نے اس حدیث کو وضع کیا ہے اللہ اس کا برا کرے اور یہ گمان نہیں تھا کہ حاکم اس کو صحیح قرار دینے کی جہالت کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعوت

قشیری نے نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ایک دن حیوانات کی دعوت کروں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے درخواست منظور فرما کر اجازت مرحمت فرما دی۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعوت کا سامان جمع کرنا شروع کر دیا اور اس کام میں آپ کو ایک عرصہ لگ گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سمندر سے صرف ایک مچھلی دعوت کھانے کے لیے بھیجی۔ اس مچھلی نے وہ تمام سامان جو آپ نے ایک عرصہ دراز تک اکٹھا کیا تھا صرف ایک ہی دفعہ میں کھالیا اور جب اس کا پیٹ نہ بھرا تو اس مچھلی نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے اور کھانے کو مانگا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ میرے پاس اب کچھ نہیں ہے جو تجھ کو اور کھانے کے لیے دوں۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مچھلی سے سوال کیا کہ کیا تو روز اتنا ہی کھاتی ہے؟ تو مچھلی نے جواب دیا کہ میری روزانہ کی خوراک اس سے تین گنا ہے لیکن آج اللہ تعالیٰ مجھے اس کے علاوہ اور کچھ کھانے کو نہیں دیں گے۔ لہٰذا آپ کو دعوت نہیں کرنی چاہیے تھی اور میں آپ کی ضیافت کی وجہ سے آج بھوکی رہوں گی۔

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ اس حکایت میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور اس کی بادشاہی کی عظمت اور اس کے وسعت خزائن کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جیسا جلیل القدر بادشاہ اور پیغمبر باوجود اپنی وسعت جہاں داری اور عظیم سلطنت کے اللہ تعالیٰ کی کثیر تعداد مخلوق میں سے صرف ایک مچھلی کا پیٹ بھی نہ بھر سکے۔ "فسبحان المتکفل بارزاق خلقه" (پس پاک ہے وہ ذات جو اپنی بے شمار مخلوق کے رزق کی حفاظت کرتا ہے)

یہاں ایک بات اور قابل توجہ ہے کہ کھانے اور پینے سے شکم سیر اور آسودہ ہونا یہ دانہ اور پانی کا فعل نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ایک عادت ہے کہ بندہ کھانے سے شکم سیر اور پینے سے آسودہ ہو جاتا ہے۔ اہل حق کا مذہب یہی ہے اور جو لوگ اس کے خلاف

عقیدہ رکھتے ہیں وہ ناقابل التفات ہے۔ مچھلی کا شرعی حکم طبی فوائد اور خواب میں تعبیر یہ سب چیزیں باب السین میں لفظ سمک کے تحت آئیں گی۔

حُوتُ الحَیضِ

(مچھلی کی ایک قسم) حُوتُ الْحَیضِ: ابن زہر کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے سنا ہے جس نے اس مچھلی کو دیکھا ہے کہ حوت الحیض سمندر میں ایک بڑی مچھلی ہوتی ہے اور یہ بڑی سے بڑی کشتی کو سمندر میں چلنے سے روک دیتی ہے۔ پس جب کبھی اہل سفینہ گرفتار مصیبت ہو جاتے ہیں تو اس کی طرف حیض کے خون میں آلودہ کپڑے کا ٹکڑا پھینک دیتے ہیں تو یہ ان کپڑوں کے ٹکڑوں سے بھاگ جاتی ہے اور کشتی کے قریب نہیں آتی۔ چنانچہ حیض اس سے بچنے کا سامان ہے جو کشتی والے ہر وقت کشتی میں رکھتے ہیں۔ اس مچھلی کا نام فاطوس ہے اور مچھلی اس کشتی کے نزدیک نہیں آتی جس میں حائضہ عورت سوار ہو۔ باب الفاء میں اس کا مفصل ذکر آئے گا۔

حوت الحیض کا شرعی حکم

اس مچھلی کا حکم بھی اور دیگر مچھلیوں کی طرح ہے اور مچھلی کے خون کے بارے میں دو رائے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ بھی تمام خونوں کی طرح ناپاک ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مچھلی کا خون پاک ہے۔ کیونکہ یہ خون خشک ہونے کے بعد سفید ہو جاتا ہے برخلاف دیگر خونوں کے کہ وہ خشک ہونے کے بعد کالے ہو جاتے ہیں۔ قرطبی نے بعض حنفیہ سے اس طرح نقل کیا ہے۔

حوت الحیض کے طبی فوائد

امام رازیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس مچھلی کے پتہ کو گیہوں کے دانہ کے بقدر اگر کسی مرگی والے شخص کی ناک میں پھونک دیا جائے (چڑھا دیا جائے) تو اس کو مرگی سے چھٹکارہ مل جائے گا اور یہ نسخہ انتہائی مجرب ہے۔ نیز یہ بھی مجرب ہے کہ اس مچھلی کی کلیجی (جگر) کو سکھا کر پیسنے کے بعد اگر بہتے ہوئے خون پر چھڑک دیا جائے یا زخم پر رکھ دیں تو فوراً بہنا بند ہو جائے گا اور زخم خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو بھر جائے گا۔ اور اگر اس کی پشت کا گوشت لے کر چبالیا جائے تو قوت باہ میں بہت اضافہ ہوتا ہے۔

تتمہ

خواب میں حیض سے مراد نکاح حرام ہے۔ پس جو یہ خواب دیکھے کہ وہ حائض ہے تو وہ حرام کا ارتکاب کرے گا اور اگر عورت اپنے آپ کو خواب میں حائضہ دیکھے تو معاملہ مخفی ہے اور اگر وہ خواب میں غسل کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی پریشانی دور ہو جائے گی۔ اگر ایسی عورت جس کے حیض کا سلسلہ منقطع نہ ہوا ہو وہ خواب میں یہ دیکھے کہ اس کو دم استحاضہ آ رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عورت کے گناہ کثیر ہیں۔ یہ عورت توبہ کرنے کے بعد اس پر برقرار نہیں رہتی (اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے) مرد اگر خواب میں اپنے آپ کو حائض دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ جھوٹا ہے اور اگر اپنی عورت کو حائضہ دیکھے تو اس کا معاملہ پوشیدہ ہے۔ (واللہ اعلم)

حوت موسیٰ و یوشع علیہم الصلوٰۃ والسلام

(حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مچھلی) ابو حامد اندلسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شہر سبتہ کے قریب اس نسل کی ایک مچھلی دیکھی ہے جس کا کچھ حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام نے کھایا تھا اور نصف حصہ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرما دیا تھا اور وہ سمندر میں داخل ہو گئی تھی اور سرنگ بناتی ہوئی چلی تھی۔ اس مچھلی کی نسل دریا میں اب تک موجود ہے۔ اس مچھلی کی چوڑائی ایک بالشت

اور لمبائی ایک گز ہوتی ہے اور اس کے ایک آنکھ اور آدھا سر ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس کو اس جانب سے دیکھتا ہے تو مردہ سمجھ کر نہیں اُٹھاتا جب کہ وہ صحیح اور زندہ ہوتی ہے۔ لوگ اس مچھلی کو تبرک سمجھ کر دور دراز کے مقامات پر ہدیۃً لے جاتے ہیں۔ ابن عطیہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس مچھلی کو اسی طرح دیکھا ہے۔ جیسا کہ ابو حامد اندلسیؒ کا بیان ہے۔

اس مچھلی کے متعلق امام بخاریؒ نے جو روایت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مچھلی اس وجہ سے زندہ ہوگئی تھی کہ اس جگہ پر عین الحیات یعنی آب حیات کا چشمہ موجود تھا اور اس کا پانی اس مچھلی سے مس ہوگیا تھا کیونکہ اس پانی کی یہ خاصیت تھی کہ جو مردہ اس پانی سے مس ہوجاتا وہ زندہ ہوجاتا۔

کلبی کہتے ہیں کہ حضرت یوشع علیہ السلام نے آب حیات سے وضو فرمایا تھا اور وضو کا بچا ہوا پانی آپ نے مچھلی پر چھڑک دیا تھا جو کہ توشہ دان میں تلی ہوئی رکھی تھی اس سے وہ مچھلی زندہ ہو کر دم مارنے لگی۔ لیکن اس کی دم پانی پر نہیں بلکہ خشکی پر پڑ رہی تھی حالانکہ پانی جاری تھا لیکن وہ جب بھی دم مارتی تو پانی خشک ہوجاتا۔

بعض مفسرین نے اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب توجیہہ کی ہے جس جگہ سے یہ مچھلی گزری تھی وہاں خشک راستہ بن گیا اور موسیٰ علیہ السلام مچھلی کے پیچھے چلے یہاں تک کہ اس راستہ پر چل کر ایک جزیرے تک پہنچ گئے اور اس جزیرے پر آپ نے حضرت خضر علیہ السلام کو پایا اور آپ نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ قطرہ آب جس سے مچھلی زندہ ہوگئی تھی ایک متوضی کے چہرے کا بچا ہوا پانی تھا اور چونکہ عبادات میں اللہ تعالیٰ نے تاثیرات بھی رکھی ہیں لہٰذا اس کے ذریعہ سے ایک مردہ مچھلی زندہ ہوگئی۔ قاعدہ ہے کہ نیک عمل سے قلب زندہ ہوجاتا ہے اور وضو بھی ایک عمل ہے۔ اس لیے اس نیک عمل کی تاثیر سے مچھلی کے زندہ ہونے کے ساتھ ساتھ (حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے رفیق حضرت یوشع علیہ السلام جو مبتلائے مشقت اور پریشان تھے) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام کو بھی اپنے مقصد کی طرف راہنمائی ہوگئی اور وہ اپنی منزل کا راستہ پانے میں کامیاب ہوگئے۔ اسی طرح جوارح اور اعضاء انسانی بھی خوف وحیرت سے دوچار رہتے ہیں لیکن جونہی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قلب میں جان پڑتی ہے تو جملہ اعضاء میں امن اور سکون پیدا ہوجاتا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کی طلب وجستجو میں محنت شاقہ اُٹھائی اور آخر ایک دن (اس مچھلی کے زندہ ہونے کے ساتھ ساتھ) آپ نے ان کو پالیا۔ اسی طرح ہر طالب دین اور دُنیا کے لیے مناسب یہ ہے کہ کوشش کرتا رہے اور محنت شاقہ اور کوشش سے جان نہ بچائے۔ اس لیے کہ مسلسل کوشش اور محنت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کامیاب ہوگیا تو غنیمت ملے گی اور اگر قتل ہوگیا تو شہادت ملے گی جیسا کہ حسین حلاج وغیرہ کے ساتھ ہوچکا جس کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں ہے۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مچھلی کی گزرگاہ سے پانی ہٹ گیا تھا اور ایک طاقچہ سا بن گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اس مچھلی کے پیچھے پیچھے چلے تو خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی۔''

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جتنی دیر تک مچھلی چلی تھی وہاں کا پانی جامد ہوگیا تھا اور خشک راستہ بن گیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب بھوک کا احساس ہوا تو انہوں نے حضرت یوشع علیہ السلام سے فرمایا: اٰتِنَا غَدَاءَ نَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا. (آلایة)

''ہمارے پاس ہمارا ناشتہ لاؤ' اس میں تو بڑی تھکن محسوس ہو رہی ہے''۔

ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ جوہری اپنے وعظ میں فرمایا کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے چالیس

یوم تک سفر کیا۔ لیکن آپ کو کھانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ لیکن جب ایک بشر کی تلاش میں چلے تو ایک دن ہی بھوک لگنے لگی اس میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ یہ دونوں طالب علم تھے اور طالب علم کی شان یہ ہے کہ وہ ہر مشقت کو برداشت کرے اور نہ سردی کی پرواہ کرے نہ گرمی کی' نہ بھوک کا احساس ہو اور نہ ذلت کا۔ کیونکہ مطلوب کی قدر و قیمت اس کا طالب ہی جانتا ہے اور جو شخص مطلوب کی قدر و قیمت سے واقف ہو جائے اس کے لیے تمام مصائب اور جدوجہد آسان ہو جاتی ہیں اور اصول بھی یہی ہے کہ مطلوب جس قدر اہمیت کا حامل ہو اسی کے بقدر طلب و جستجو درکار ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک قصہ طویل مقاتل کی روایت سے ان شاء اللہ باب الصاد میں ''صرد'' کے بیان میں آئے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مچھلی کی حیات ''مجمع البحرین'' (یعنی جہاں پر دو دریا ملتے ہیں) پر ہوئی تھی۔ ان سمندروں کے تعین میں بھی مفسرین کا اختلاف ہے۔ چنانچہ قتادہ کی رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ بحر فارس اور بحر روم کے جانب شرق میں پیش آیا جہاں پر کہ یہ دونوں دریا ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ بحر اردن اور بحر قلزم کا واقعہ ہے اور بعض کے نزدیک دو بحروں سے مراد بحر مغرب اور بحر زقاق ہے' مجمع البحر (دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ) پر حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کی ملاقات میں یہ حکمت تھی کہ یہ دونوں علم کے سمندر ہیں' ایک علم ظاہری یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام علم شریعت کے سمندر ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام علوم باطنی' علوم حقیقت و اسرار ملکوت کے سمندر ہیں۔ چنانچہ ان دو علمی دریاؤں کے دو آبی دریاؤں کے پاس ملنے میں مناسبت پیدا ہوگئی۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجودیکہ حضرت خضر علیہ السلام سے مرتبہ میں بڑے تھے' مگر آپ کو (حضرت خضر علیہ السلام کو) اس وقت تک نہ پا سکے جب تک کہ ماسوائے خضر علیہ السلام سے کنارہ کشی نہ کر لی۔ یہی حال اس بندے کا ہے جو طالب حق ہو مگر اپنے مولیٰ کا قرب اور اس کی محبت تب تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ غیر اللہ سے تجرد یعنی تنہائی اور کنارہ کشی اختیار نہ کرے۔ چنانچہ شیخ شبلی فرماتے ہیں:

اِنْفَرِدْ بِاللّٰهِ حَتّٰی تَكُوْنَ مُجَرَّدًا عَنِ الْاَغْيَارِ وَتَكُوْنَ وَاحِدَ الْلِّوَاحِدِ فَرْدًا لِلْفَرْدِ.

''اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی تنہائی اختیار کرو جس سے کہ اغیار سے تنہائی ہو جائے اور واحد یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے واحد اور فرد (صفت الٰہی) کے لیے فرد ہو جائے (یعنی جیسے اللہ تعالیٰ واحد اور یکتا ہے اسی طرح انسان کو بھی اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر واحد اور یکتا ہو جانا چاہیے)۔''

امام تاج الدین سکندری فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے موجودہ وقت میں آئندہ کے لیے مجرد ہو گیا یعنی اس نے آج کا کام کل پر چھوڑ دیا اور اس نصیحت پر کاربند نہ ہوا کہ ''کار امروز بفردا نگذار'' تو وہ اپنے مقصود کو بالکل ہی کھو بیٹھا اور جس نے کل کا کام آج ہی کر لیا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے ؎

لَا كُنْتُ اِنْ كُنْتُ اَدْرِىْ كَيْفَ الطَّرِيْقُ اِلَيْكَا

''میں جان کر بھی اس سے انجان ہو گیا کہ تیری طرف جانے کا راستہ کون سا ہے۔''

اَفْنَيْتَنِىْ عَنْ جَمِيْعِىْ فَكُنْتُ سَلَمَ يَدَيْكَا

''تو نے میرا دلی سکون برباد کر دیا۔ اب میں تیرے ہاتھ میں مقید ہو کر رہ گیا ہوں۔''

حضرت شیخ جنید سے کسی نے پوچھا کہ بندہ منفرد اور متمیز کب ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جس وقت وہ اپنے جوارح یعنی اعضاء کو جملہ مخالفات سے لازمی طور پر روک لیتا ہے اور اپنی خواہشات کی تمام حرکات کو فنا کر دیتا ہے تو وہ اپنے رب کی بارگاہ میں ممتاز ہو جاتا ہے

اوراس طرح اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور چیز کی تمیز اور پہچان نہیں رہتی۔ کسی شاعر نے اسی مفہوم کو کیا خوب انداز میں بیان کیا ہے ؎

وَ عَنْ فَنَائِیُ فَنٰی فَنَائِیُ وَ فِیُ فَنَائِیُ وَ جَدُتُ اَنُتَا

''میں تو فنا ہو گیا اور میرے ساتھ میرا نام اور میری ذات دونوں ختم ہو گئے مگر بعد فنا میں نے تجھے پالیا۔''

فِیُ مَحُوَاسِمِیُ وَ رَسُمِ جِسُمِیُ سَأَلُتَ عَنِّیُ فَقُلُتُ اَنُتَا

''اور جب میں نے اپنے بارے میں سوال کیا تو جواب تیرے ہی متعلق ملا۔''

اَشَارَ سِرِّی اِلَیُکَ حَتّٰی فَنٰی فَنَائِیُ وَ دُمُتَ اَنُتَا

''میرا راز یعنی عشق ہمیشہ تیری طرف اشارہ کرتا رہا یعنی میرا مطلوب اور محبوب ہمیشہ تو ہی رہا حتی کہ میں معدوم (فنا) ہو گیا لیکن تو باقی رہا۔''

اَنُتَ حَیَاتِیُ وَ سِرُّ قَلُبِیُ فَحَیُثُ مَا کُنُتُ کُنُتَ اَنُتَا

''تو ہی میری زندگانی اور تو ہی میرے دل کا راز ہے۔لہٰذا جہاں کہیں میں ہوتا ہوں وہاں تو بھی ہوتا ہے۔''

حضرت خضر علیہ السلام کا نام

حضرت خضر علیہ السلام کے نام کے سلسلہ میں شدید اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض حضرات آپ کا اسم گرامی ''بلیا بن ملکان بن قانع بن شالح بن ارفحشذ بن سام بن نوح علیہ السلام'' بتاتے ہیں اور یہ قول وہب بن منبہ کا ہے۔ بعض علماء آپ کا نام ''ایلیا بن غامیل بن شالحین بن ارما بن علقمان بن عیصو بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام'' بتاتے ہیں۔ لیکن ثعلبی کا قول اس سلسلہ میں یہ ہے کہ آپ کا اسم گرامی ''ارمیا بن حلقیا من سبط ہارون علیہ السلام'' ہے۔ اور آپ کا تعلق حضرت ہارون علیہ السلام کے خاندان سے ہے۔

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ صحیح نام وہی ہے جس کو عام اہل سیر نے نقل کیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسا کہ علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کا اسم گرامی ''بلیا بن ملکان'' ہے۔

جس طرح آپ کے اسم گرامی میں اختلاف ہے اسی طرح آپ کے نسب میں بھی اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ آپ بنی اسرائیل کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ آپ شہزادگان میں سے تھے اور آپ کی کنیت ابوالعباس تھی۔

سہیلی فرماتے ہیں کہ آپ کے والد ماجد بادشاہ تھے اور آپ کی والدہ کا نام ''اَلْھَا'' تھا اور انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو ایک غار میں جنا تھا۔ وہاں ایک دیہاتی کے ریوڑ کی ایک بکری روزانہ آپ کو دودھ پلاتی تھی کیونکہ آپ کی والدہ نے آپ کی پیدائش کے بعد غار میں تنہا چھوڑ دیا تھا۔ پھر جب اس دیہاتی کو معلوم ہوا تو وہ آپ کو اُٹھا کر گھر لے آیا اور آپ کی پرورش کی۔ جب آپ جوان ہو گئے تو بادشاہ یعنی آپ کے والد کو حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل شدہ صحیفوں کو نقل کرانے کے لیے کاتب کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ بہت سے اہل علم اور اہل قلم بطور اُمیدوار بادشاہ کے پاس گئے۔ ان میں حضرت خضر علیہ السلام بھی تھے۔ بادشاہ آپ سے قطعاً ناواقف تھا۔ بادشاہ کو اور نہ کسی دوسرے کو یہ معلوم تھا کہ آپ بادشاہ کے صاحبزادے ہیں لیکن بادشاہ کو حضرت خضر کی تحریر سب سے زیادہ پسند آئی اور بادشاہ نے آپ کو کاتب کے عہدہ پر مقرر کرنے سے پہلے آپ کے حسب و نسب کی تحقیق کا حکم دیا۔ جب بادشاہ پر آپ کی پیدائش کا راز کھلا اور معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام اُس کے ہی فرزند ہیں تو بادشاہ بہت خوش ہوا اور آپ کو سینہ سے لگا لیا۔ پھر آپ کو رعایا کے امور کا والی مقرر کر دیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد آپ وہاں سے نکل کر بھاگ گئے اور صحرا نوردی اختیار کر لی اور ایک عرصہ تک ملکوں ملکوں پھرتے رہے

اور گھومتے گھومتے آپ اتفاقاً آب حیات [1] کے چشمہ پر پہنچ گئے اور اس کا پانی پی لیا۔ اس طرح آپ نے حیات جاودانی حاصل کر لی۔ چنانچہ آپ اب تک زندہ ہیں اور تا خروج دجال زندہ رہیں گے۔ آپ وہی بزرگ ہیں جن کو دجال بوٹیاں ن کاٹ کر مار ڈالے گا اور اللہ جل شانہٗ کے حکم سے آپ پھر زندہ ہو جائیں گے۔ باب السین میں لفظ سعادت کے تحت ان شاء اللہ صاحب ابتلاء الاخیار کا یہ بیان نقل کریں گے کہ حضرت خضر علیہ السلام ذوالقرنین کے خالہ زاد بھائی تھے۔ آپ کو خضر کا لقب کیوں ملا اس سلسلہ میں بھی علماء کے کئی اقوال ہیں۔ لیکن اکثر علماء اور مؤرخین کا یہ قول ہے کہ آپ کو خضر اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ جس زمین پر آپ تشریف فرما ہوتے وہ سرسبز ہو جاتی تھی اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ جب آپ نماز پڑھتے تو آپ کے اردگرد ہریالی (سبزہ) پیدا ہو جاتی تھی۔ علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ پہلا قول صحیح ہے۔

آپ کی حیات جاودانی کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ چنانچہ امام محی الدین نوویؒ اور جمہور علماء کے نزدیک آپ اب تک زندہ اور موجود ہیں۔ تمام علماء اور صوفیاء اور اہل معرفت اسی کے قائل ہیں۔ علماء کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات اور سوال اور مقامات مقدسہ میں آپ کی موجودگی کی روایتیں اور اقوال بے شمار اور بہت زیادہ مشہور ہیں۔ شیخ ابوعمرو بن صلاح فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام عام علماء اور صلحاء کے ساتھ رہتے ہیں اور حیات ہیں۔ اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔ البتہ بعض محدثین کا آپ کی حیات کے بارے میں انکار ہے۔

ابن المنادی کا یہ قول ہے کہ کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں ہے کہ آپ حیات ہیں اور حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔ امام ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کی صدی ختم ہونے سے پہلے ہی آپ کی وفات ہو گئی۔ امام محمد بن اسمٰعیل بخاری سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ یہ کیسے ممکن ہے جبکہ آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''یعنی جو اس وقت سطح زمین پر موجود ہے وہ دوسری صدی کے شروع کے وقت باقی نہیں رہے گا۔''

صحیح اور راجح قول یہی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام حیات ہیں۔ چنانچہ بعض محدثین کا قول ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے وقت حضرت خضر علیہ السلام آپؐ کے پاس موجود تھے اور جب آپؐ کو غسل دیا جا رہا تھا تو آپ نے اہل بیت سے تعزیت فرمائی تھی۔ ابن عبدالبر جو فن حدیث کے امام ہیں ان کی کتاب تمہید میں ہے کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا جا رہا تھا اور کفن پہنایا جا رہا تھا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کسی کہنے والے کو یہ کہتے سنا:

''اے گھر والو! تم پر خدا کی طرف سے سلامتی ہو، ہر فنا ہونے والے کا خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی جانشین ہے اور ہر ضائع شدہ چیز کا وہی معاوضہ دیتا ہے اور مصیبت و غم کی تلافی صرف وہی کر سکتا ہے لہٰذا تم صبر کرو اور صبر سے اجر حاصل کرو۔''

اس کے بعد آپ نے اہل بیت کو دُعائیں دیں۔ حاضرین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے آواز سنی مگر کہنے والے دکھائی نہ دیئے تو تمام صحابہ کرام اور اہل بیت سمجھ گئے کہ یہ آواز حضرت خضر علیہ السلام کی تھی۔

سہیلیؒ لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خضر سے مراد ارمیاء علیہ السلام ہیں (جن کا تذکرہ گزر چکا)۔ لیکن امام ابن جریر الطبری

---

[1] آب حیات کے متعلق بہت سے فرضی قصے مشہور ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور یہ قرآن وسنت کی قطعی نصوص کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کل نفس ذائقة الموت (ہر ذی روح موت کا ذائقہ چکھے گی) پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی پانی کے پینے سے موت واقع نہ ہو۔

نے اس کو غلط کہا ہے اور اس کے بطلان پر بہت سے دلائل پیش کئے جن کا ذکر طوالت سے خالی نہیں اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ آپ حضرت الیاس علیہ السلام کے ساتھی یسع ہیں اور اس سلسلہ میں سب سے عجیب قول نقاش کا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کے بیٹے ہیں۔

اب رہا آپ کی نبوت کا معاملہ تو اس سلسلہ میں بھی اختلاف ہے۔ چنانچہ قشیری اور دیگر اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی نہیں بلکہ ولی ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ آپ نبی ہیں اور نووی نے اس دوسرے قول کو ترجیح دی ہے لیکن ماوردی نے اپنی تفسیر میں تین قول لکھے ہیں: اول یہ کہ آپ نبی ہیں' دوم یہ کہ آپ ولی ہیں اور سوئم یہ کہ آپ ملائکہ میں سے ہیں لیکن ماوردی کا یہ تیسرا قول انوکھا اور باطل ہے۔

ماوردی کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت میں علماء کا اختلاف ہے۔ کوئی آپ کو نبی اور کوئی ولی بتاتا ہے۔ لیکن اکثر کا قول یہ ہے کہ آپ نبی ہیں اور قرآن پاک کی اس آیت سے دلیل دیتے ہیں: **وما فعلته عن امری** (میں نے یہ کام از خود نہیں کیا) لہٰذا اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ آپ نبی ہیں اور جو کچھ آپ نے کیا وہ بذریعہ وحی الٰہی کیا۔ اس لیے یہ ثابت ہو گیا کہ آپ پر وحی الٰہی آتی تھی اور دوسری دلیل نبوت خضر علیہ السلام پر یہ دیتے ہیں کہ آپ کا علم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ تھا اور یہ امر دور از قیاس ہے کہ ولی بمقابلہ نبی کے زیادہ عالم ہو۔ اور جو لوگ نبوت خضر علیہ السلام کے منکر ہیں انہوں نے اس دلیل کی تردید میں یہ مہمل دلیل پیش کی ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی کو یہ حکم دیا ہو کہ خضر علیہ السلام سے کہہ دو کہ وہ ایسا کریں۔ لیکن اس بات کی کوئی سند موجود نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد نبوت میں اور کوئی نبی موجود نہیں تھا۔ کیونکہ حضرت یوشع علیہ السلام کو اس وقت تک نبوت عطاء نہ ہوئی تھی۔ نیز یہ کہ حضرت یوشع علیہ السلام بھی بوقت ملاقات خضر علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کے رفیق سفر تھے اور انہوں نے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندر میں مچھلی کے گھس جانے کی اطلاع دی تھی۔

آپ کے رسول ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ پس ثعلبی کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت شعیب علیہ السلام کے بعد مبعوث فرمایا اور آپ زندہ ہیں۔ لیکن اکثر لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ کی وفات آخر وقت میں ہوگی۔ جب قرآن کریم کو دُنیا سے اُٹھا لیا جائے گا۔

کشتی غلام اور قریہ کے متعلق حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا قصہ بہت مشہور ہے۔ ہم نے طوالت اور شہرت کے سبب سے اس کو بیان نہیں کیا۔

فائدہ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ' حضرت خضر علیہ السلام سے جدا ہونے لگے تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے موسیٰ! اگر آپ صبر کرتے تو ایک ہزار عجوبہ و نادر واقعات آپ پر ایسے منکشف ہوتے جو ان واقعات سے بھی جو آپ نے ملاحظہ فرمائے ہیں عجیب تر ہوتے۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی جدائی پر رونا آ گیا اور حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ اللہ کے نبی مجھے نصیحت فرما دیجئے۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ نصیحتیں کیں:

۱۔ آپ اپنی آخرت کی فکر کریں اور لایعنی باتوں کی جستجو میں نہ پڑیں۔
۲۔ امن و امان کے وقت خوف کو نہ بھولیں اور خوف کی حالت میں امن سے مایوس نہ ہوں۔
۳۔ اعلانیہ باتوں میں تدبیر سے کام لیں اور قدرت ہوتے ہوئے احسان کرنا نہ چھوڑیں۔
۴۔ کبھی لجاجت نہ برتیں اور بغیر ضرورت سفر نہ کریں اور جب تک کوئی انتہائی تعجب خیز بات نہ سنیں ہنسیں نہیں۔

۵۔ خطاوار لوگوں کو ان کی خطاؤں پر جب کہ وہ اظہار ندامت کر لیں عار نہ دلائیں اور جب آپ سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو اس پر اے ابن عمران ندامت کے آنسو بہا لیں۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی نعمتیں تمام کرے اور آپ کی عمر کو اپنی اطاعت میں تمام کرے اور دشمن سے آپ کی حفاظت فرمائے۔ اس کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ بھی مجھ کو نصیحت فرما دیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نصیحتیں فرمائیں:

۱۔ غصہ سے اجتناب کرو اور اگر کسی پر غصہ کریں تو صرف اللہ کے معاملہ میں کر سکتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرنے کے سلسلہ میں غصہ اور سختی کرو اور اس میں کسی کی رعایت نہ کرو)۔

۲۔ کسی سے سوائے اللہ کے بارے میں راضی نہ ہوں۔

۳۔ دُنیا سے محبت نہ کرنا اور نہ اس سے بغض رکھیں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے انسان ایمان سے خارج اور کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

پھر حضرت خضر علیہ السلام نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دُعائیں دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت میں آپ کی مدد فرمائے اور آپ کو آپ کے جملہ امور میں سرور و خوشی عطا فرمائے اور مخلوق کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا فرمائے اور اپنے فضل سے نوازے۔ حضرت موسیٰ نے اس دُعا پر آمین فرمایا۔

اوپر کی یہ پوری روایت سہیلیؒ کی ہے۔

علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے علیحدگی کا قصد فرمایا تو ان سے نصیحت کرنے کو کہا۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ علم کو اس لیے مت طلب کرو کہ اسے صرف لوگوں کے سامنے بیان کیا جائے بلکہ علم کو عمل کے لیے حاصل کرو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ابوبکر بن ابی الدنیا کی کتاب ''الھواتف'' میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات ہوئی تو حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو یہ دُعا سکھائی اور فرمایا کہ اس دُعا کا اجر عظیم ہے اور جو شخص ہر نماز کے بعد اس کو پڑھے اس پر رحمت خداوندی نازل ہوتی ہے۔ دُعا یہ ہے:

يَا مَنْ لَا يُشْغِلُهُ سَمْعٌ عَنْ سَمْعٍ وَيَامَنْ لَا تُغَلِّطُهُ الْمَسَائِلُ وَيَامَنْ لَا يُبْرِمُهُ اِلْحَاحُ الْمُلِحِّيْنَ اَذِقْنِيْ بَرْدَ عَفْوِكَ وَحَلَاوَةَ رَحْمَتِكَ.

ایک عجیب حکایت

حافظ ابوبکر خطیب بغدادی نے اپنی کتاب ''المتفق و المتفرق'' میں اسامہ بن زید تنوخی کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ خلیفہ ولید بن عبدالملک اور اس کے بعد خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی جانب سے مصر کے گورنر تھے (یہ وہی سلیمان ہے جس نے مصر کے جزیرہ فسطاط میں مقاس النیل العتیق کی تعمیر کی تھی اور ابن یونس نے اس کا ذکر اپنی تاریخ میں کیا ہے)۔

خطیب آگے لکھتے ہیں کہ اسکندریہ میں ایک بت تھا جس کا نام شراحیل تھا۔ یہ بت سمندر کے کنارے لگا ہوا تھا اور اس بت کی ایک انگلی قسطنطنیہ کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ اس کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے کا تھا یا سکندر اعظم کے زمانے کا' اس بت کے پاس مچھلیاں کثرت سے جمع رہتی تھیں اور لوگ ان کا شکار کیا کرتے تھے۔ اس بت کا قد اتنا لمبا تھا کہ اگر آدمی سیدھا

ہو کر اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے تب اس کے برابر ہو سکتا تھا۔ پس ولید بن عبدالملک بن مروان کے مقرر کردہ گورنر مصر اسامہ بن زید تنوخی نے ولید کو لکھا کہ امیر المؤمنین ہمارے پاس اسکندریہ میں ایک بت سمندر کے کنارے کھڑا ہے۔ جس کو شراجیل کہتے ہیں۔ یہ بت تانبے کا ہے اور ہمارے پاس پیسہ (سکوں) کی قلت ہے۔ اگر امیر المؤمنین حکم دیں تو ہم اس کو اُتار کر اس کے سکہ بنالیں۔ جیسی بھی آپ کی رائے ہو مطلع فرمائیں۔ ولید نے جواب میں لکھا کہ تم اس بت کو تب تک نہ اُتارنا جب تک کہ میں تمہارے پاس پرکھنے والے اشخاص نہ بھیج دوں۔ چنانچہ ولید نے چند پرکھنے والوں کو بھیجا اور انہوں نے اس بت کو سمندر کے کنارے سے اُٹھایا تو اس کی آنکھیں قیمتی یاقوت کی نکلیں اور یہ دونوں یاقوت اس قدر قیمتی تھے کہ کوئی ان کی قیمت کا اندازہ نہ کر سکا۔ اسامہ نے بت کو ڈھلوا کر اس کے سکے بنوالیے۔ جب یہ بت سمندر کے کنارے سے ہٹالیا گیا تو بت کے ہٹتے ہی مچھلیاں وہاں سے چلی گئیں۔ ادھر اُدھر بھی اس جگہ پر مچھلیاں نہیں دیکھی گئیں ورنہ مچھلیاں ہر وقت وہاں موجود رہتی تھیں اور اس قدر رہتی تھیں کہ ہاتھوں سے پکڑی جایا کرتی تھیں۔

اَلْحُوْشِیُ

الحوشی : وحشی اونٹ کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وحشی اونٹ حوش کی جانب منسوب ہیں اور ''حوش'' جنات کا سانڈ ہے۔ اہل عرب کا گمان ہے کہ اس حوش (سانڈ) نے بعض اونٹنیوں سے جفتی کر لی تھی۔ لہٰذا یہ نسل اس کی جانب منسوب ہے۔

اَلْحُوْصَلُ

(ایک بڑا پرندہ) اس پرندہ کا پوٹا کافی بڑا ہوتا ہے اور اس کے پروں سے پوستین بنائی جاتی ہے۔ اس کی جمع حواصل آتی ہے۔

ابن بیطار کہتے ہیں کہ یہ پرندہ مصر میں کثرت سے پایا جاتا ہے اور ''بجع'' و''جمل ماء'' اور کئی دوسرے ناموں سے جانا جاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں سفید اور کالا۔ کالا انتہائی بدبودار اور ناقابل استعمال ہوتا ہے۔ لیکن سفید عمدہ ہوتا ہے اس میں حرارت کم اور رطوبت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔ اس کا استعمال ان لوگوں کے لیے مفید ہے جن کا مزاج گرم ہو جن پر صفراء غالب ہو جائے۔ جوانوں کے لیے بھی اس کا استعمال فائدہ مند ہے۔ یہ تفصیل ابن بیطار کی ہے لیکن لوگوں میں اس کے خلاف مشہور ہے کہ یہ نہایت گرم ہوتا ہے۔ بھیڑ اور لومڑی سے بھی زیادہ حرارت اس میں ہوتی ہے اور اس کا پوٹا انسان کے معدہ کی طرح ہوتا ہے۔

شرعی حکم

حوصل کا کھانا جائز ہے جیسا کہ رافعی وغیرہ سے مذکور ہے اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس میں ''طیر ماء'' کی صورت کیوں نہیں اختیار کی گئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ صورت ان پرندوں کے لیے ہے جو ہمیشہ پانی میں رہتے ہوں اور یہ پرندہ پانی میں تو جاتا ہے لیکن پھر علیحدہ ہو جاتا ہے۔ یعنی گھریلو بطخ کے مانند ہے۔

علامہ دمیریؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس پرندہ کو مدینہ طیبہ میں دیکھا ہے کہ ان پرندوں میں سے ایک پرندہ کئی سال تک وہاں رہا اور نالیوں وغیرہ میں پھرتا رہتا تھا۔

اَلْحُلَان

(بکری کے پیٹ میں پایا جانے والا بچہ) اصمعی کہتے ہیں کہ حلان چھوٹی بکریوں کو کہا جاتا ہے۔ لیکن ابن سکیت کہتے ہیں کہ حلان

سے مراد بکری کا وہ بچہ ہے جو قربانی میں ذبح کیا جاسکے۔

حدیث میں ذکر:

''حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بکری کے بارے میں جو گابھن تھی اور جسے ایک محرم نے قتل کر دیا تھا۔ یہی فیصلہ فرمایا تھا کہ اس کے ضمان میں اس قسم کی بکری دی جائے (الحدیث)۔''

دوسری حدیث میں ہے کہ:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس طریقہ پر ذبح کئے گئے جیسا کہ نہایت ہی بے دردی سے بکری کے پیٹ میں موجود بچہ کو ذبح کر دیا جاتا ہے یعنی ان کا خون بکری کے بچے کے خون سے بھی زیادہ بے قیمت اور ارزاں سمجھا گیا۔''

اس کا حکم ان شاء اللہ آگے بیان کریں گے۔

حَیْدَرَة

شیر کے ناموں میں سے ایک نام۔

حدیث میں حیدرۃ کا ذکر:

بخاری اور مسلم نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

''غزوۂ خیبر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور علی رضی اللہ عنہ اس وقت آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آپؐ نے یہ پیغام بھجوایا تھا کہ ''کل میں محاذ کا نشان (جھنڈا) اس شخص کو دوں گا جو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے اور اس کے رسول کا بھی اور جو خود بھی خدا اور اس کے رسول سے عشق رکھتا ہے۔'' حضرت سلمہ فرماتے ہیں کہ: میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا۔ علی رضی اللہ عنہ شدید آشوب چشم کی وجہ سے خود نہیں چل سکتے تھے اس لیے میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر لے آیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں پر لگایا جس سے فوراً ہی ان کی آشوب چشم کی بیماری جاتی رہی اور پھر آپؐ نے جھنڈا انہیں دے دیا۔''

راوی آگے کہتے ہیں کہ یہود کی جانب سے مرحب' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے نکلا اور یہ اشعار پڑھتا ہوا آیا ؎

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اِنِّیْ مَرْحَبٌ شَاكِیَ السِّلاحِ بَطَلٌ مُحَرَّبٌ

''اہل خیبر جانتے ہیں کہ میں مرحب پہلوان ہوں ہتھیار بند اور آزمودہ کار جنگ۔''

اِذَا الْحُرُوبُ اَقْبَلَتْ تَلَتَهِبُ

''جب لڑائی شروع ہو جاتی ہے اور چنگاریاں اُڑنے لگتی ہیں تو میں بھی سامنے آتا ہوں۔''

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کے جواب میں یہ اشعار کہتے ہوئے آگے بڑھے ؎

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّی حَیْدَرَةْ كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهُهُ الْمُنْظَرِة

''میں وہ ہوں کہ جس کی والدہ نے اس کا نام حیدرہ رکھا تھا اور میں جھاڑی کے اس شیر کی طرح ہوں جس کی طرف دیکھتے ہوئے بھی لوگ کانپتے ہیں۔''

اکیلھم بِالسَّیفِ کِیلَ السَّندَرَةِ [1]

''اور میں تلوار سونت کر بجلی کی طرح دشمن پر جا پڑتا ہوں۔''

یہ کہہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب مرحب پر وار کیا تو اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور خیبر فتح کر لیا۔ سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ قاسم بن ثابت نے ''حیدرۃ'' کی وجہ تسمیہ کے بارے میں تین قول نقل کیے ہیں:

(۱) کتب قدیمہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام اسد لکھا ہوا تھا اور اسد اور حیدر شیر کے لیے مرادف الفاظ ہیں اس لیے حیدرہ کہا گیا ہے۔

(۲) آپ کی ولادت سعیدہ کے وقت آپ کے والد (حضرت ابوطالب) گھر پر موجود نہیں تھے تو والدہ فاطمہ بنت اسد نے اپنے باپ کے نام پر آپ کا نام اسد رکھ دیا۔ پھر جب آپ کے والد تشریف لائے تو انہوں نے آپ کا نام علی (رضی اللہ عنہ) رکھا۔

(۳) بچپن میں آپ کا لقب حیدرہ تھا۔ چونکہ آپ کا جسم شیر کی طرح پر گوشت اور شکم بڑا تھا لہٰذا آپ کو بھی حیدرہ کہا جانے لگا۔ اسی وجہ سے ایک چور نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نافع نامی قید سے بھاگتے ہوئے یہ کہا تھا ؎

وَ لَوْ اَنِّیْ مَکَثْتُ لَهُمْ قَلِیْلاً لَجَرُوْنِیْ لِحَیْدَرَةِ الْبَطِیْن

''اگر میں ان کی قید میں کچھ دن اور رہتا تو وہ ضرور مجھ کو کھینچ کر کلاں شکم کے سامنے ڈال دیتے۔''

کہتے ہیں کہ جنگ خیبر سے پہلے مرحب نے خواب میں دیکھا تھا کہ اس کو ایک شیر نے پھاڑ دیا ہے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بوقت مبارزت مرحب کے سامنے یہ اشعار پڑھے تو مرحب کو اپنا خواب یاد آ گیا اور وہ موت کے ڈر سے کانپنے لگا۔

ایک فقہی مسئلہ

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے ایک شرعی مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ جنگ میں اس طریقہ پر بازی لگانا جائز ہے کہ بازی لگانے والا اگر قتل کر دیا جائے تو عام مسلمانوں کو اس سے ضرر نہ پہنچے۔ پس اگر کوئی کافر مبارزت کا مطالبہ کرے تو کسی مسلمان کو اس کے مقابلہ کے لیے نکلنا مستحب ہے۔

ابوداؤد نے باسناد صحیح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

''غزوہ بدر کے دن مسلمانوں کے مقابلہ پر سب سے پہلے عقبہ اور شیبہ پسران ربیعہ اور ولید پسر عتبہ میدان جنگ میں آئے اور مبارزت طلب کی۔ چنانچہ ان کی پکار پر تین انصاری جوان ان سے مقابلہ کے لیے نکلے۔ عتبہ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے اپنا پتہ بتایا۔ اس پر عتبہ نے کہا کہ ہمارا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے ہم تو صرف اپنے قریشی رشتہ داروں کو

---

[1] السندة: ایک پیمانہ ہوتا ہے۔ اگر اس شعر میں السندرہ سے مراد ناپنا لیا جائے تو شعر کا ترجمہ یہ ہوگا:
''میں دشمنوں کو اپنی تلوار سے اس طرح ناپتا ہوں جس طرح سندرہ ناپتا ہے۔''

چاہتے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہؓ حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن الحرث رضی اللہ عنہم کو نکلنے کے لیے فرمایا۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عتبہ کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے بھائی شیبہ کے اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ ولید بن عتبہ کے مقابلہ میں آ کھڑے ہوئے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ولید کے درمیان صرف دو دو ہاتھ چلنے پائے تھے کہ دونوں زخمی ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیبہ اور عتبہ کو قتل کرنے کے بعد ہم دونوں چچا بھتیجا ولید کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو قتل کر کے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اُٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ کے زخموں سے خون فوارے کی طرح بہہ رہا تھا۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بولے کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا میں شہید مروں گا؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں۔ یہ جواب سن کر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کاش! آج ابو طالب زندہ ہوتے تو ان کو ہمارے حق پر ہونے کا یقین آتا۔ نیز انہیں پتہ چلتا کہ جو مضمون انہوں نے شعر میں پیش کیا ہے اس کے مصداق ہم ہیں بمقابلہ ان کے۔''

حضرت ابو طالب کا وہ شعر یہ ہے ؎

وَ لَا نُسَلِّمُهٗ حَتّٰى نُصَرِّعَ حَوْلَهٗ وَ نُذْهِلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

''ہم ان کو (رسول اللہ کو) قطعاً تمہارے حوالے نہیں کریں گے اور تم ان کو اسی وقت پکڑ سکتے ہو جب ہماری لاشیں گر جائیں اور ہم اپنی اولاد اور بیویوں سے بچھڑ جائیں۔''

اس کے بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے ؎

فَاِن تقطعو ارجلی فَاِنِّیْ مُسْلِمٌ اَرْجِیْ بِهَا عَيْشًا مِنَ اللّٰهِ عَالِيًا

''اگرچہ دشمنوں نے میرا پاؤں کاٹ ڈالا (مگر مجھ کو کوئی غم نہیں اس وجہ سے کہ) میں مسلمان ہوں اور اس کی بدولت مجھ کو اللہ تعالیٰ سے ایک بلند پایہ زندگی یعنی شہادت کی اُمید ہے۔''

وَ اَلْبَسَنِیْ الرَّحْمَانُ مِنْ فَضْلٍ مِنْهُ لِبَاسًا مِنَ الْاِسْلَام غَطّٰى الْمَسَاوِيَا

''اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو اسلام کا ایسا لباس پہنا دیا ہے جس نے کہ میری برائیوں کو چھپا لیا ہے۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ:

''خندق کی جنگ میں عمرو بن عبدود دعوت جنگ دیتے ہوئے سامنے آیا وہ سر سے پاؤں تک لوہے سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس کی پکار پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے بیٹھ جاؤ۔ عمرو نے دوسری بار آواز دی کہ کیا کوئی مرد نہیں ہے جو میرے مقابلہ پر آوے اور کہنے لگا کہ اے مسلمانو! وہ تمہاری جنت کہاں گئی جس کی نسبت تمہارا دعویٰ تھا کہ تم میں سے جو بھی مارا جاوے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اب تم میں سے میرے مقابلے کے لیے کوئی کیوں نہیں نکلتا؟ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے اور اجازت طلب کی۔ آپؐ نے پھر وہی الفاظ کہہ کر آپ کو بٹھا دیا۔ تیسری بار عمرو نے پھر للکارا اور رجزیہ اشعار پڑھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے اور عرض کیا اگر عمرو ہے تو آپؐ کچھ پرواہ نہ فرمائیں، صرف مجھ کو اجازت دے دیں۔

چنانچہ اس بار آپؐ نے اجازت دے دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور عمرو[1] کے مقابل پہنچ گئے۔ عمرو نے پوچھا کہ لڑکے تو کون ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں علی ابن ابی طالب ہوں۔ عمرو نے یہ سن کر کہا کہ بھتیجے مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ میں تو تیرے رشتہ داروں میں سے کسی کو چاہتا ہوں جو عمر میں تجھ سے زیادہ ہو۔ کیونکہ مجھے یہ بات بری معلوم ہوتی ہے کہ میں تیرا خون بہاؤں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مجھ کو تو یہ برا معلوم نہیں ہوتا کہ میں تیرا خون بہاؤں یہ جواب سن کر عمرو غصہ سے سرخ ہو گیا اور گھوڑے سے اُتر کر تلوار سونت لی۔ جو آگ کے شعلے کی طرح چمک رہی تھی۔

پھر آگ بگولہ ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوا اور تلوار کا وار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنی ڈھال پر روکا۔ مگر وار اس قدر شدید تھا کہ تلوار ڈھال کے اندر گھس گئی اور آپ کے سر مبارک کو بھی زخمی کر دیا۔ اس کے بعد شیر خدا نے اس پر جوابی حملہ کیا اور اس کے شانے پر ذوالفقارِ حیدری کی ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔ چونکہ غبار کافی چڑھا ہوا تھا اور جنگ کا منظر کسی کو دکھائی نہ دیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نعرہ تکبیر بلند فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو پتہ چلا کہ عرب کا مشہور پہلوان قتل ہو گیا۔"

بعض روایات میں آیا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عمرو کا مقابلہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا تھا:

اَلْیَوْمَ بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّهٗ لِلشِّرْکِ کُلِّهٖ. "کہ آج ایمان مجسم (علیؓ) کفر مجسم (عمرو) سے صف آراء ہے۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تلوار کا نام ذوالفقار تھا۔ اس کو ذوالفقار اس لیے کہتے تھے کہ اس کے وسط میں کچھ نشانات تھے اور یہ تلوار منبہ بن حجاج کی تھی اور غزوہ بدر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے سامان میں سے ملی تھی اور آپؐ نے اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دیا تھا۔ یہ تلوار خانہ کعبہ کے قریب پائے جانے والے دفینے کے لوہے سے تیار شدہ تھی جو جرہم یا کسی غیر کے دفینہ کے ساتھ برآمد ہوا تھا۔ عمرو بن معدیکرب کی تلوار بھی اسی لوہے کی تھی۔

تتمہ

مقدمۃ العسکر (مقدمۃ الجیش یا سپہ سالار) کے لیے مناسب ہے کہ وہ مندرجہ ذیل حیوانی صفات سے متصف ہو قوت قلب میں شیر کی مانند ہو جو نہ ہمت ہارتا ہے اور نہ پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے۔ کبر میں چیتے کی طرح ہو۔ کیونکہ چیتا دشمن کے سامنے جھکتا نہیں۔ شجاعت میں ریچھ کی طرح' کیونکہ ریچھ اپنے تمام اعضاء سے دشمن کو مارتا ہے۔ حملہ کرنے میں خنزیر کی طرح ہو جو حملہ کرنے کے بعد پیٹھ نہیں پھیرتا۔ اور غارت گری میں بھیڑیئے کی طرح جو اگر ایک جانب سے ناکام ہوتا ہے تو فوراً دوسری جانب سے حملہ کرتا ہے۔ ہتھیاروں کا بوجھ اُٹھانے میں چیونٹی کی طرح جو اپنے وزن سے کئی گنا زیادہ وزن اُٹھا لیتی ہے اور ثابت قدمی میں پتھر کی طرح جو اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا اور وفاداری

---

[1] عمرو بن عبدود (جس کا اوپر حدیث میں تذکرہ ہے) عرب کا ایک مشہور پہلوان تھا اور تن تنہا کئی سو آدمیوں کے لیے کافی سمجھا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ قریش کے تجارتی قافلہ پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا جو تعداد میں پچاس تھے مگر عمرو بن عبدود نے تنہا ان پر حملہ کر کے ان کو بھگا دیا۔ عمرو بن عبدود غزوہ بدر میں زخمی ہو گیا تھا اور میدان جنگ سے بھاگ گیا تھا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام نہ لے لوں گا تب تک سر میں تیل نہ ڈالوں گا۔ چنانچہ یہ مستقل انتقام کے فکر میں لگا رہا اور غزوہ خندق کے دن یہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا اور ایک جگہ سے جہاں پر خندق کی چوڑائی کم تھی' وہاں سے اس نے گھوڑا کودا کر اندر گھس گیا اور مقابلہ کے لیے للکارنے لگا۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔

میں کتے کی طرح جو اپنے مالک کے پیچھے آگ میں بھی داخل ہونے سے گریز نہیں کرتا اور صبر میں گدھے کی طرح اور موقع شناسی میں مرغ کی طرح جو کبھی موقع سے نہیں چوکتا اور حفاظت میں سارس کی طرح اور محنت ومشقت میں بھڑ کی طرح۔ بھڑ ایک چھوٹا سا جانور ہوتا ہے جو خراسان میں پایا جاتا ہے۔

اَلْحَیْرَمَۃ

(گائے) اَلْحَیْرَمَۃ: اس کی جمع حیرم آتی ہے۔ جیسا کہ ابن احمر نے اپنے اس شعر میں استعمال کی ہے ؎

تَبَدَّلَ اَدْمًا مِنْ ظِبَاء وَ حَیْرَمًا

''ہرن کا چمڑا گائے کا چمڑا بن جاتا ہے۔''

اَلْحَیَّۃ

(سانپ) [1] الحیة: اسم جنس ہے مذکر اور مونث سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ مذکر اور مونث میں تمیز کرنے کے لیے اس طرح استعمال کرتے ہیں ھذا حیة ذکر وھذا حیة انثی. مبرد نحوی نے اپنی کتاب ''الکامل'' میں ذکر کیا ہے کہ اس میں تاء جنس کے لیے ہے کہ دجاجة اور بطة میں اگرچہ بعض اہل عرب سے یہ استعمال بھی مروی ہے۔ کہتے ہیں رأیت حیا علی حیة (میں نے ایک سانپ کو سانپنی کے اوپر دیکھا) اور حیة کی جانب نسبت کا استعمال حیوی ہوتا ہے۔ حیات کے مذکر کے لیے حیوت بھی مستعمل ہے جیسا کہ اصمعی کے اس شعر میں ؎

وَ یَاکُل الْحَیَّۃُ وَ الْحَیُوْتَا وَ یَخْنِقُ الْعَجُوْز اَوْ تَمُوْتَا

''سانپ مچھلیوں کو تو کھا جاتا ہے لیکن بوڑھیوں کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔''

ابن خالویہ لکھتے ہیں کہ عربی زبان میں سانپ کے ایک سو نام ہیں۔ اور سہیلی نے مسعودی سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب سانپ کو زمین پر اُتارا تو سب سے پہلے بحستان میں اس کا نزول ہوا۔ چنانچہ بمقابلہ دیگر ممالک کے بحستان میں آج بھی سانپوں کی کثرت ہے اور اگر عربد (قسم سانپ) ''جو سانپوں کو کھا جاتا ہے'' نہ ہوتا تو سانپوں کی کثرت کی وجہ سے اہل بحستان اس کو خالی کر دیتے۔ کعب احبار فرماتے ہیں کہ سانپ کو اللہ تعالیٰ نے اصفہان میں' ابلیس کو جدہ میں' حضرت حوا کو عرفات میں اور حضرت آدم علیہ السلام کو جبل سراندیپ میں اُتارا۔

سراندیپ (لنکا)

بحر ہند میں مملکت چین کا ایک جزیرہ ہے۔ اس کا پہاڑ اس قدر بلند ہے کہ جہاز سے سفر کرنے والے اس پہاڑ کو کئی دن کی مسافت کی دوری سے دیکھ لیتے ہیں۔ اس پہاڑ کے ایک پتھر پر حضرت آدم علیہ السلام کے قدم شریف کا نشان بنا ہوا ہے اور روزانہ رات کے وقت اس نشان پر بجلی جیسی چمک دکھائی دیتی ہے۔ حالانکہ اس وقت آسمان پر بادل کا نام ونشان تک نہیں ہوتا اور روزانہ اس نشان مبارک پر بارش کا

---

[1] عمان: عمان میں سانپ کا عام نام غل ہے جس کی جمع غیلان ہے۔ یہ لفظ پیٹ کے کیڑوں کے لیے بھی مستعمل ہے۔

ہونا لازمی ہے جو اس نشان کو دھوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ اس پہاڑ پر یاقوت [1] سرخ اور الماس پایا جاتا ہے اور بارش ہوتی ہے تو پانی کے بہاؤ کے ساتھ اوپر سے نیچے آ جاتا ہے۔ اور قزوینی نے لکھا ہے کہ یہاں پر عود ہندی بھی کافی تعداد میں دستیاب ہے۔ علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ جبل سراندیپ "ساتید ما" کے قریب ہے۔ ساتید ما ایک جزیرہ ہے جو بحر ہند اور بحر قلزم کے اتصال پر واقع ہے۔ "ساتید ما" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی خون ریزی کے ہیں' اس کو ساتید ما اس وجہ سے کہتے ہیں کہ کوئی دن ایسا نہیں جاتا جو وہاں پر خون ریزی نہ ہوتی ہو۔ البکری نے اپنی کتاب معجم میں اور جوہری نے سیبویہ سے نقل کر کے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ قیصر روم اور کسریٰ فارس میں جنگ ہوئی۔ قیصر کسریٰ کی مملکت میں داخل ہو گیا۔ مگر کسریٰ نے جوابی حملہ کر کے اس کو پسپا کر دیا اور فوج لے کر اس کے تعاقب میں نکلا اور جزیرہ ساتید ما میں اس کو جا کر گھیر لیا۔ قیصر کی فوج گھر جانے کے بعد اس قدر مرعوب ہوئی کہ بلا جنگ کے بھاگ پڑی۔ لیکن کسریٰ کی فوجوں نے ان کو کتوں کی طرح موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ لیکن قیصر روپوش ہو گیا اور ہاتھ نہ آیا۔ اس واقعہ کی منظر کشی کرتے ہوئے شاعر نے کہا ہے ؎

لَمَّا رَأَت سَاتِیدمَا استَعْبَرَتْ ۔۔۔ لِلّٰهِ دُرُّ الیوم من لامَهَا

"محبوبہ نے میرے خونی آنسوؤں کو دیکھا مگر پھر بھی اس کے آنسو جاری نہیں ہوئے۔ اس کی اس سخت دلی پر اگر کوئی اسے ملامت کرے تو ٹھیک ہی ہے۔"

سانپ کی مختلف اقسام ہیں مثلاً رَقْشَاءَ اس سانپ کو کہتے ہیں جس کے بدن پر سفید اور کالے نقطے ہوتے ہیں۔ اس کو رَقْطَاءٌ بھی کہتے ہیں۔ یہ سانپ چت کوریا سانپوں میں سب سے خبیث ہوتا ہے۔ نابغہ نے سلیم کی تعریف میں یہ اشعار کہے ہیں ؎

فَبِتُّ كَأَنِّیْ سَاوَرُتَنِیْ ضَئِیْلَةٌ ۔۔۔ مِنَ الرُّقْشِ فِیْ اَنْیَابِهَا السَّمِ نَاقِعٌ

---

[1] یاقوت: اس کو انگریزی میں (RUBY) ہندی میں مانک' پنجابی میں لعل اور سنسکرت میں پدم راگ کہتے ہیں۔ اس کا عربی نام "لعل" ہے۔ دنیا میں جو جواہرات پائے جاتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کے ہیں ان کو ماہرین نے قیمت کے اعتبار سے اس طرح لکھا ہے:

(۱) الماس (۲) یاقوت (۳) زمرد (۴) نیلم (۵) مروارید (۶) پکھراج (۷) مرجان (۸) زرقون (۹) لہسنیا۔

ان جواہرات کو اول درجہ کے جواہرات بھی کہتے ہیں۔ ہندی میں ان کو "نورتن" اور عربی میں "جواہر تسعہ" کہتے ہیں۔ مغل بادشاہ اکبر نے بھی اسی مناسبت کے لحاظ سے اپنے لیے نو مشیر منتخب کیے تھے جو نورتن کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

اول درجہ کے جواہرات کے اعتبار سے یاقوت دوسرے نمبر کا جواہر ہے اور اس کا شمار اعلیٰ درجہ کے قیمتی پتھروں میں ہوتا ہے۔ یہ پتھر چمکدار اور بلوری لال رنگ کا ہوتا ہے جو اندھیری رات میں بھی چمکتا ہے۔ قدیم زمانے کے شعراء اس کی سرخی کو محبوب کے ہونٹوں سے تشبیہ دیتے تھے۔ اس کا استعمال زیورات کی زیبائش دوبالا کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ خصوصی طور پر بادشاہ اور امراء لوگ اس کو اپنے پاس رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس کو خوش بختی اور ازدواجی زندگی کی خوش گواری سے منسوب کرتے ہیں۔

اقسام: رنگ کے اعتبار سے یاقوت کی چار قسمیں ہیں: (۱) سرخ حمری' جو کہ گہرا لال رنگ کا ہوتا ہے (۲) سرخ اودی' جو کہ گلابی رنگ کا ہوتا ہے (۳) سرخ نارنجی' جو کہ گہرے لال رنگ کے ساتھ کچھ معمولی پیلاہٹ لیے ہوتا ہے (۴) سرخ لیموی' جو کہ پختہ لیمو سے مشابہت رکھتا ہے۔ یعنی زردی مائل سرخ' ویسے اکثر ماہرین جواہرات کے مطابق سب سے اعلیٰ یاقوت وہ ہے جس کا رنگ کبوتر کے تازہ خون سے ملتا ہو۔

شناخت: اس پتھر کے اصلی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ صرف الماس (ڈائمنڈ) سے ہی کٹتا ہے اگر اس کے علاوہ کسی اور پتھر یا کسی اور چیز سے کٹ جائے تو یہ نقلی ہوگا اور یہ پتھر بہت ہلکا ہوتا ہے۔

تاریخ وابستگی: زمانہ قدیم سے یاقوت کا تذکرہ ملتا ہے۔مگر مختصراً چند تاریخی وابستگیاں حسب ذیل ہیں:

(۱) روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو انگوٹھی پہنتے تھے ان میں یاقوت کے نگینہ کی بھی ایک انگوٹھی تھی۔

(۲) حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کہ یاقوت فقر کو زائل کرتا ہے۔

(۳) شیخ محمد بابویہ کی کتاب ''ثواب الاعمال'' میں درج ہے کہ یاقوت کی انگوٹھی پہننا ثواب ہے۔

(۴) حضرت مفضل بن حمر سے روایت ہے کہ حضرت علی بن موسیٰ رضا نے ارشاد فرمایا کہ یاقوت کی انگوٹھی پہننا بہترین ہے۔

(۵) تحفہ عالم شاہی میں تحریر ہے کہ یاقوت رکھنے سے قدر و منزلت اور عزت بڑھتی ہے۔

(۶) حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ یاقوت پہننا فخر اور کار ثواب ہے اور بچوں کے گلہ میں ڈالنے سے مرض ام الصبیان نہیں ہوتا اور اگر حاملہ عورت اس کو بازو پر باندھ لے تو اس کو اسقاط حمل کا ڈر نہیں رہے گا اور ساتھ ساتھ ورم کے لیے بھی مفید ہے۔

(۷) حضرت امام موسیٰ رضا سے روایت ہے کہ یاقوت کی انگوٹھی محتاجگی سے بچاتی ہے۔

(۸) ارسطو نے یاقوت کے متعلق تحریر کیا ہے کہ یہ دشمن کو زیر کرتا ہے۔اس کے پہننے سے قوت ارادی اور حوصلہ بلند ہوتا ہے اور انسان بڑے بڑے کام بغیر کسی جھجک کے کر گزرتا ہے۔

(۹) ایک اعلیٰ قسم کا یاقوت محمود غزنوی کو سومنات کے مندر سے ملا تھا۔اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کا وزن ۱۴۵ کیرٹ تھا اور محمود غزنوی نے اس کو تاحیات اپنے پاس رکھا مگر بعد میں اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔

دُنیا کے مشہور یاقوت: (۱) مشہور عالم یاقوت ''برما اسٹار روبی'' امریکہ کے قدرتی تاریخی چیزوں کے لیے بنائے گئے عجائب گھر میں موجود ہے۔اس کا وزن ۱۰۰ کیرٹ ہے۔یہ ایک نایاب یاقوت شمار کیا جاتا ہے۔

(۲) روس کے عجائب گھر میں زار روس کے تاج کا ایک نگینہ موجود ہے جو اس نے ۱۷۷۸ء میں حاصل کیا تھا۔اس کا حجم چھوٹے انڈے کے برابر ہے اور وزن ۱۱۰ کیرٹ ہے۔یہ بھی مشہور عالم یاقوت ہے۔

(۳) ملکہ وکٹوریہ کے تاج میں ایک یاقوت جڑا ہوا ہے جو خوب صورتی کے لحاظ سے یکتا ہے۔

(۴) شہنشاہ ایران کے پاس بھی ایک قیمتی یاقوت تھا جو آج کل ایران کے عجائب گھر میں ہے۔

یاقوت کے طبی فوائد: مفرح قلب اور مقوی اعضاء رئیسہ ہے۔خون کو متحرک کرتا ہے اور تھرمبوسس (فالج ولقویٰ) کے لیے مفید ہے۔نبض کی رفتار کو اصل حالت میں رکھتا ہے۔خون صاف رکھتا ہے اور پیاس کی شدت کو کم کرتا ہے۔نیز امراض قلب کے لیے بھی مفید ہے۔مرگی، جنون، طاعون اور گنٹھیا کو شفاء دیتا ہے۔رطوبت خشک کرتا ہے اور جگر کو طاقت بخشتا ہے۔نیز وحشت کو دور کرتا ہے اور جریان کے لیے مجرب ہے۔سیلان الرحم کی شکایت دور کرتا ہے۔اس کا سرمہ آنکھ کی تمام بیماریوں کو دور کرتا ہے۔آنکھوں کی بینائی بڑھاتا ہے۔دافع زہر ہے اور کمزوری کو دور کرتا ہے۔

یاقوت کے سحری خواص: فراخ دلی اور محبت بڑھاتا ہے۔ازدواجی زندگی میں مفید اور خوش گوار ہے۔اس کا رنگ مزاج میں تیزی اور پھرتی پیدا کرتا ہے اور روزگار میں ترقی کا باعث ہے اس کو برابر دیکھنے سے بینائی میں اضافہ ہوتا ہے۔انسان کی ہمت بڑھاتا ہے، دل میں وسوسہ پیدا نہیں ہونے دیتا اور انسان میں آخر تک مقابلہ کی صورت میں جرأت پیدا کرتا ہے۔خود اعتمادی اور ہوشیاری پیدا کرتا ہے۔بڑے لوگوں سے تعلقات بڑھانے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

(۳) الماس: اس کا عربی نام ہے۔ انگریزی میں ڈائمنڈ(DIAMOND)' پنجابی میں ہیرا اور سنسکرت میں ہیرک کہتے ہیں۔ یہ بلوری رنگ کا صاف اور شفاف پتھر ہے اور دُنیا میں جو اعلیٰ قسم کے نو جواہرات پائے جاتے ہیں ان میں اس کا اول نمبر ہے یعنی دُنیا کے سب قیمتی پتھروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس کی چمک دمک وخوبصورتی اور سختی طرہ امتیاز ہے۔ اسے شاہی پتھر بھی کہا جاتا ہے اور اسی وجہ سے خزانوں میں محفوظ رکھا جاتا ہے۔ تمام اقوام عالم میں اسے بیک وقت دوسرے تمام جواہرات پر ترجیح دی ہے اور پرانے قلمی نسخوں میں اس کی نشاندہی ۵۰۰ قبل مسیح کی گئی ہے۔

الماس کی اقسام: اس کی بے شمار اقسام ہیں۔ لیکن اہل یورپ اس کی تقسیم چار اقسام میں کرتے ہیں:

(۱) الماس خاص: یہ بلور کی طرح شفاف ہوتا ہے اور اسے سب سے قیمتی اور اعلیٰ پتھر سمجھا جاتا ہے۔ اس کا استعمال نگینوں وزیورات میں کیا جاتا ہے۔

(۲) بورٹ: یہ بھورا سیاہی مائل پتھر ہوتا ہے۔ اس کو صنعتی ضروریات میں استعمال کیا جاتا ہے۔

(۳) بالاس: یہ پتھر بہت سخت ہوتا ہے اور اس میں چمک بالکل نہیں ہوتی اور یہ بھی صنعتی استعمال میں لایا جاتا ہے۔

(۴) کاریونڈا: یہ کالے رنگ کا پتھر ہوتا ہے اور صنعتی استعمال میں لایا جاتا ہے۔

الماس کی شناخت: الماس سختی کے لحاظ سے سب سے سخت پتھر ہوتا ہے۔ اگر یہ پتھر نیلم اور یاقوت کو کاٹ دے تو یہ اصلی الماس ہوگا بصورت دیگر نقلی۔

تاریخی وابستگی: اس کی اہمیت مندرجہ ذیل تاریخی واقعات سے لگائی جاسکتی ہے:

کوہ نور ہیرا: یہ ہیرا آج سے تقریباً ۵۰۰۰ سال پہلے گوداوری کے دریا کے دہانے سے ملا تھا۔ یہ ہیرا ہندوستان کے اکثر شاہان اور شہزادگان کی ملکیت میں رہا اور روایت ہے کہ قیمتی اور لاثانی ہونے کی وجہ سے سب کی نظریں اس پر لگی ہوئی تھیں۔ یہ سازشوں کا باعث بنا۔ مالوہ کے راجہ اس کو اپنی پگڑی میں لگایا کرتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ جس دن یہ پگڑی سے گرجائے گا تو وہ دن رعایا کے لیے باعث تباہی ہوگا۔ اور ۱۳۰۴ء میں ایک دن راجہ کی پگڑی سے بھرے دریا میں گر گیا تو اسی سال سلطان علاؤ الدین نے مالوہ پر حملہ کر کے یہ ہیرا مالوہ کے راجاؤں سے حاصل کرلیا۔ اسی طرح ایک دن یہ ہیرا مہاراجہ بکرم جیت جوگوالیار کا راجہ تھا کے پاس پہنچ گیا۔ ۱۵۲۶ء میں پانی پت کی جنگ کے بعد ابراہیم لودھی کی والدہ نے یہ ہیرا دے کر اپنی اطاعت کا اظہار کیا۔ شہنشاہ ہمایوں نے یہ ہیرا اپنے والد بابر کی خدمت میں پیش کیا۔ بابر نے یہ ہیرا پھر اپنے چہیتے بیٹے ہمایوں کو واپس کر دیا اور پھر روایات کے بموجب اس ہیرے کی برکات کی وجہ سے مغل سلطنت پورے ہندوستان پر چھا گئی۔

کہا جاتا ہے کہ مغلیہ سلطنت میں اس ہیرے نے شہنشاہ اکبر کے زمانے میں سب سے زیادہ چمک دمک دکھائی اور اسی وجہ سے شہنشاہ اکبر کا عہد دور مغلیہ میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اکبر کے ہی دور میں پھر اچانک اس ہیرے کی چمک دمک کم ہوگئی تو شہنشاہ اکبر کے دو بیٹے فوت ہو گئے اور شہزادے سلیم نے بغاوت کردی۔ اور شکستہ دل اکبر ۱۶۰۵ء میں انتقال کر گیا۔

۱۷۳۸ء میں نادرشاہ نے ہندوستان پر چڑھائی کر کے فتوحات حاصل کیں۔ بعد میں ایک دوستی کا معاہدہ مغلوں اور نادرشاہ میں ہوا۔ معاہدہ کی رسم دستخط کے وقت مغل شہزادہ اس ہیرے کو اپنے پگڑی میں لگا کر نادرشاہ کے سامنے آیا تو نادرشاہ نے اس ہیرے کو دیکھتے ہی اپنی پگڑی شہزادہ کے سر پر اور شہزادے کی پگڑی اپنے سر پر رکھ لی" جسے پگڑی بدلنا کہتے ہیں" اس طرح یہ ہیرا نادرشاہ کے ہاتھ لگا۔ نادرشاہ کے بعد اس کے بیٹے شاہ رُخ کو یہ ہیرا ملا اور پھر شاہ رُخ سے افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ کو ملا اور پھر احمد شاہ کے جانشینوں سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہاتھ لگا۔ لیکن ۱۸۴۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بیٹے دلیپ سنگھ کو انگریزوں کے ہاتھ شکست ہوگئی اور کوہ نور ہیرا برطانیہ کے قبضہ میں آیا اور ملکہ وکٹوریہ تک پہنچا اور آج تک وہیں شاہی خزانے میں محفوظ ہے۔

ریجنٹ ہیرا: یہ ہیرا ۱۶۱۶ء میں گولکنڈہ سے ایک قیدی کو مشقت کے دوران ملا۔ اس ہیرے کے ملنے کے بعد یہ قیدی قید سے فرار ہوگیا اور ایک جہاز سے سفر کرنے لگا اور بطور کرایہ اس نے جہاز کے کیپٹن کو دے دیا۔ کیپٹن نے اس ہیرے کو ایک ہندو ساہوکار کو فروخت کر دیا۔ اس کے بعد کئی ہاتھوں میں

''میں نے رات گزاری اس پریشانی اور بے قراری میں جیسا کہ میں سانپ کی گرفت میں ہوں اور اس کا دہانہ زہر سے لبریز ہو۔''

تَبَارَدَهَا الرَّاقُوْنَ مِنْ شَرِّ سَمِّهَا فَتَطْلِقَهُ يَوْمًا وَ يَوْمًا تُرَاجِعُ

← ہوتا ہوا فرانس کے بادشاہ لوئیس تک پہنچا۔ لوئیس نے اس کو اسی ہزار پونڈ میں خرید لیا۔ مگر یہ لوئیس کے لیے منحوس ثابت ہوا۔ کیونکہ اس کے خریدتے ہی انقلاب کی ابتداء ہوگئی اور لوئیس کی حکومت تباہ و برباد ہوگئی۔ آج کل یہ ہیرا فرانس کی اپالو گیلری میں موجود ہے۔

اکبر شاہ هیرا: اس ہیرے پر عربی میں دو عبارتیں کندہ ہیں:

(۱) اکبر شاہ شاہ عالم ۱۰۲۸ھ (۲) شاہ جہاں دو جہاں ۱۰۳۹ھ۔

یہ ہیرا لندن لایا گیا اور اس کو گیکوا ڑ آف بڑودہ میں ۷۵۰۰۰ ڈالر میں خریدا۔ اس کا وزن ۷۲ کیرٹ ہے۔

شاہ هیرا: یہ بہت مشہور ہیرا ہے اور اس کا وزن ۸۸ کیرٹ ہے اور ایک نایاب ہیرا ہے۔ اس پر تین نام کندہ ہیں:

(۱) اکبر شاہ (۲) نظام شاہ اور (۳) فتح علی شاہ۔

اس ہیرے کا فارس (ایران) کی تاریخ سے قریبی رشتہ ہے۔ ۱۸۲۹ء میں شہزادہ خسرو نے زار نکولاس کو روسی سفیر کے تہران میں قتل ہونے کے عوض میں دیا جو آج کل ماسکو کے عجائب گھر میں ہے۔

سانسی هیرا: اس ہیرے کی ایک لمبی اور دلچسپ داستان ہے مگر مختصراً یہ کہ ''مسٹر ڈی سانسی'' جن کا فرانس کے دربار سے تعلق تھا انہوں نے ہنری سوئم شہنشاہ فرانس کی درخواست پر اس ہیرے کو سوئٹزرلینڈ کے ہاتھوں رہن رکھنے کے لیے بھیجا۔ مگر یہ ہیرا لے جانے والا شخص اس ہیرے کی وجہ سے راستہ میں قتل ہوگیا۔ مگر قتل سے پہلے اس شخص نے اس ہیرے کو نگل لیا۔ بعد میں مسٹر سانسی نے اس کا پیٹ چاک کر کے اس ہیرے کو نکلوالیا اور شہنشاہ جیمز اول (انگلستان) کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ جیمز نے اس ۱۶۶۱ء میں فرانس کے بادشاہ کو فروخت کر دیا اور ۱۶۷۶ء میں فرانس کے لوئیسی نے رسم تاج پوشی کے وقت اپنے تاج میں لگوایا۔ لیکن پھر انقلاب فرانس کے دوران یہ ہیرا غائب ہوگیا۔ لیکن ۱۸۶۵ء میں بمبئی کی مشہور پارسی سر جمشید جی جیجا بھائی نے اسے خرید لیا اور پھر اس کے لڑکے نے مہاراجہ پٹیالہ کو فروخت کر دیا۔ اس ہیرے کا وزن ۵۵ کیرٹ تھا۔

الماس (ہیرا) کے طبی فوائد: اس پتھر کو عورت کے زانو پر باندھنے سے دردزہ سے نجات ملتی ہے اور معدہ پر لٹکانے سے انسان درد شکم اور پیچش سے محفوظ رہتا ہے۔ دل کے نزدیک لٹکانے سے دل قوی ہوتا ہے اور مرگی جیسے موذی مرض کو دور کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

اکسیر اعظم: ہیرے کا کشتہ اکسیر، روح حیات اور معاون حیات ہے۔ یہ متعدد لاعلاج امراض کے لیے شافی ہے۔ دُنیا کے کسی بھی طریقہ علاج میں ہیرے کے کشتہ سے موثر اور مکمل علاج ذیابیطس (پیشاب میں شکر آنا) اور فالج ولقوہ اور دق وغیرہ کا نہیں۔ ذیابیطس کے مریض کے لیے صرف اس کی چار خوراکیں کافی ہیں۔ اسی طرح دمہ، لقوہ وغیرہ کے لیے بھی آخری علاج کی حیثیت رکھتا ہے اور چند خوراکوں میں تندرستی بخشتا ہے۔ اوپر بیان کئے گئے کسی بھی مرض کے لیے اس کی ایک خوراک کی مقدار دو چاول کے برابر ہے اور ان تمام بیماریوں کے لیے اس کا کشتہ ہفتہ میں صرف ایک بار استعمال کرایا جاتا ہے۔

خام ہیرا (بغیر کشتہ شدہ) کا ایک ذرہ بھی اگر انسانی معدہ میں چلا جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ اتنا سخت ہوتا ہے کہ جسم کے جس حصہ میں جاتا ہے اس کو کاٹتا چلا جاتا ہے۔ اس کا علاج کافی مشکل ہے تاہم حکماء نے کہا ہے کہ اگر گائے کا دودھ پلا کر قے کرا دیں تو بچنے کے امکانات ہو جاتے ہیں یا چند کھٹمل پیس کر دودھ میں ملا کر پلانے سے بھی آرام آ جاتا ہے۔

الماس کے سحری خواص: اس کو دیکھنے سے دل کو تقویت ملتی ہے۔ طبیعت میں بشاشگی پیدا ہوتی ہے اور قوت ارادی میں پختگی آتی ہے اور اس کے پہننے سے انسان آسمانی بجلی سے محفوظ رہتا ہے۔ اس پر سورج کی کرنیں خاص اثر کرتی ہیں جس سے ذہنی خلفشار دور ہوتا ہے اور مزاج میں یکسانیت پیدا ہوتی ہے۔

''اس کے ڈسنے پر منتر کرنے والے زہر سے بچانے کے لیے منتر پڑھنے لگے لیکن یہ منتر کبھی کامیاب اور کبھی ناکام۔''

تَسْهَرُ مِنْ لَيْلِ التَّمَامِ سَلِيْمَهَا كَحُلِّيْ نِسَاء فِيْ يَدَيْهِ قَعَاقِعُ

''سانپ کا ڈسا ہوا ایسی بیدار رات گزارتا ہے جیسا کہ عورتوں کے ہاتھوں میں گھنگرو والے زیور۔''

ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے ؎

وَ هُمْ ايْقَظُوْا رَقطَ الافاعی و تبهوا عَقَارب لَيْلٍ نام عنها حَوَاتِهَا

''وہ بیدار ہے جیسا کہ سانپ کا ڈسا ہوا بیدار رہتا ہے اور راتوں کو بچھو جو ادھر اُدھر پھرتے ہیں لیکن سونے والے سوتے ہیں۔''

وَ هُمْ نَقَلُوْا عَنِّیْ الَّذِیْ لَمْ افه بِهٖ وَ مَا افةُ الاخبارِ اِلَّا رُوَاتُهَا

''لوگوں نے محبوب کے بارے میں میری طرف منسوب کر کے وہ باتیں کیں جو میرے وہم وخیال میں بھی نہیں تھیں اور واقعہ یہ ہے کہ بہت سی مصیبتیں غلط خبریں اُڑانے والوں کی وجہ سے کھڑی ہوتی ہیں۔''

اہل عرب کا خیال ہے کہ چت کوریا سانپ گونگا ہوتا ہے اور اسی طرح شتر مرغ بھی گونگا ہوتا ہے۔

علی ابن نصر جہضمی کا واقعہ

کہتے ہیں کہ میں متوکل کے پاس پہنچا تو دیکھا وہ رفق کی تعریف کر رہا ہے۔ میں نے کہا امیر المؤمنین اصمعی نے میرے سامنے یہ اشعار پڑھے ہیں ؎

لَمْ اَرَ مِثْلَ الرِّفْقِ فِیْ لِيْنِهٖ اَخْرَجَ لِلْعَذْرَاء مِنْ خِدْرِهَا

''میں نے نرمی میں اس سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔ یہ نرمی ہی ہے جو دوشیزہ کو اس کے محفوظ مکان سے نکال لائی۔''

مَنْ يَسْتَعْنِ بِالرِّفْقِ فِیْ اَمْرِهٖ يَسْتَخْرِجُ الْحَيَّةَ مِنْ جُحْرِهَا

''اور جو بھی اپنے کاموں میں بجائے گرمی کے نرمی برتے گا تو کامیاب ہوگا۔ دیکھو سپیرا سانپ کو اس کے بل سے نرم رویہ اپنا کر ہی نکالتا ہے۔''

متوکل نے یہ شعر سن کر غلام کو کاغذ اور قلم لانے کے لیے حکم دیا۔ چنانچہ غلام نے کاغذ اور قلم خدمت میں پیش کر دیئے تو متوکل نے ان اشعار کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور مجھے انعام عظیم سے نوازا۔ ابوبکر داؤد فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین مستعین باللہ نے نصر بن علی کے پاس ایک پروانہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ آپ کو عہدہ قضاء کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب ان کو یہ پروانہ ملا تو عبدالملک نے ان کو استخارہ کا حکم دیا۔ چنانچہ نصر اپنے گھر واپس آئے اور دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دُعا مانگی: ''اے اللہ! اگر میرے لیے تیرے نزدیک کوئی خیر ہے تو مجھے موت دے دے۔'' اور اس کے بعد سو گئے۔ چنانچہ جب لوگوں نے ان کو جگایا تو مردہ پایا۔ یہ واقعہ ربیع الآخر ۲۵۰ھ کا ہے۔

سانپ کی ایک قسم ''ازعر'' بھی ہے کہ یہ کثیر التعداد بھی ہے۔ اسی کی ایک قسم (ازب) ہے۔ یہ سانپ بالوں والے ہوتے ہیں۔ اور ایک قسم کا نام ''ذوات القرون'' ہے۔ اس سانپ کے سینگ ہوتے ہیں۔ لیکن ارسطو نے اس قسم کے وجود کا انکار کیا ہے۔ مگر ''راجز'' نے یہ شعر کہا ہے ؎

وَ ذَاتَ قَرْنَيْنِ طُحُوْنُ الضِّرْسِ تَنْهِسُ لَوْ تَمَكَّنَتْ مِنْ نَهْسٍ

تُدِيْرُ عَيْنًا كَشِهَابِ الْقَبَسِ

''وہ سانپ سینگوں والے اور داڑھ والے ہیں اگر وہ اپنے دانت گھسا دیں تو گھس کر ہی رہ جائیں ان سانپوں کی آنکھوں سے زہر کے شعلے نکلتے ہیں۔''

سانپ کی ایک قسم ''شجاع'' ہے جس کا ذکر ان شاءاللہ باب الشین میں آئے گا۔ ایک قسم ''عربد'' کہلاتی ہے۔ یہ بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں اور دوسرے سانپوں کو کھا جاتے ہیں اور ایک قسم ''اصلہ'' ہے۔ یہ بہت بڑا سانپ ہوتا ہے اور اس کی شکل انسانوں سے ملتی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب یہ سانپ ہزاروں سال کا ہو جاتا ہے تو اس کا چہرہ انسانوں جیسا ہو جاتا ہے۔ اس سانپ کا ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ یہ انسان کو نگاہ سے ہی ہلاک کر دیتا ہے۔ یعنی جس کسی انسان کی اس پر نظر پڑی اور آنکھیں چار ہوئیں تو فوراً انسان مر جاتا ہے۔

ایک قسم ''صل'' ہے اس کو ''مکللة'' بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے سر پر تاج ہوتا ہے۔ یہ سانپ انتہائی زہریلا ہوتا ہے اور جس جگہ سے گزر جاتا ہے اس کو جلا دیتا ہے اس کے بل کے آس پاس کسی قسم کی سبزی اور ہریالی وغیرہ پیدا نہیں ہوتی اور اگر کوئی پرندہ اس کے بل کے آس پاس سے گزرتا ہے تو وہیں گر کر مر جاتا ہے۔ نیز اگر کوئی حیوان بل کے قریب سے گزرتا ہے تو وہیں ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی شکاری اس پر تیر سے وار کرتا ہے تو وہیں سے سوار کو اور سواری کو بھی ہلاک کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ تاثیر اس کی پھنکار اور آواز میں ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک گھوڑ سوار نے اس کو نیزے سے مارا تو گھوڑا اور سوار دونوں مر گئے۔ یہ سانپ ترکستان میں بکثرت پایا جاتا ہے۔

سانپ کی ایک قسم ''ذوالطفتین'' ہے اور ایک قسم ''ابتر'' (دم کٹا) ہے۔ ان دونوں سانپوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی صحیحین میں مروی ہے کہ:

''آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں قسم کے سانپوں کو مار ڈالو چونکہ ان کے دیکھنے سے بینائی جاتی رہتی ہے اور حاملہ کا حمل گر جاتا ہے۔''

زہری کہتے ہیں کہ ہم نے اس سانپ کا زہر دیکھا ہے۔ اس کے بارے میں مزید تفصیل ان شاءاللہ باب الطاء میں آئے گی۔

سانپ کی ایک قسم کا نام ''ناظرہ'' ہے اس کی آواز ہی سن کر انسان راہی ملک عدم ہو جاتا ہے۔ علامہ دمیریؒ نے سانپوں کی جملہ اقسام کے نام ذیل میں لکھے ہیں:

(۱) اَلْعِيْمُ (۲) اَلْعَيْنُ (۳) اَلصُّمُّ (۴) اَلازْعَرُز (۵) اَلابْتَرُ (۶) اَلنَّاشِرُ (۷) اَلايْنُ (۸) اَلارْقَمُ (۹) اَلاصَلَةُ (۱۰) اَلْجَانُّ (۱۱) اَلثُّعْبَانُ (۱۲) اَلشُّجَاعُ (۱۳) اَلازَبُّ (۱۴) اَلارَبُّ (۱۵) اَلْعُفْوَانُ (یہ افعی کا نر ہوتا ہے) (۱۶) اَلارْقَشُ (۱۷) اَرْقَطُ (۱۸) اَلصَّلُّ (۱۹) ذو الطفتين (۲۰) عَرْبَدْ.

ابن اثیر فرماتے ہیں کہ سانپ کو ابوالبختری، ابوالربیع، ابوعثمان، ابوالعاصی، ابوندعور، ابودثاب، ابویقظان، ام طبق، ام عافیہ، ام عثمان، ام الفتح، ام محبوب، بنات طبق اور حیۃ الصماء بھی کہتے ہیں۔ حیت الصماء انتہائی خبیث سانپ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں ؎

اِذَا تَخَازَرْتُ وَ مَابِیْ مِنْ خَزْرٌ ثُمَّ كَسَرْتُ الطرفَ مِنْ غَيْرِ خُوْرٍ

''جس وقت میں تڑپا اور بظاہر مجھے کوئی تکلیف نہ تھی تو میں نے بندھن بغیر کسی دشواری کے توڑ ڈالے۔''

اَلْفَيْتَنِیْ الوی بَعِيْدُ الْمُسْتَمِرِّ اَحْمَل مَا حَمَلْتُ مِنْ خَيْرٍ وَ شَرِّ

كَالْحَيَّةِ الصَّمَاءِ فِیْ اَصْلِ الشَّجَرِ

''تم نے مجھے دیکھا کہ میں بل کھا رہا ہوں دور دراز جگہ پر اور بوجھ اُٹھائے ہوئے ہوں برائی اور بھلائی کا۔ جیسا کہ نر سانپ جو درخت کی جڑ میں لپٹا ہوا ہو۔''

مذکر سانپ کو صمہ بھی کہتے ہیں۔اس کی جمع صم آتی ہے۔اسی سے ورید بن صمہ کے والد کا نام ہے۔

اہل علم میں سے جن لوگوں نے طبائع حیوانات کا مطالعہ کیا ہے (یعنی ماہر حیوانات) وہ لکھتے ہیں کہ سانپ عموماً ایک ہزار سال تک زندہ رہتا ہے اور ہر سال یہ اپنی جلد (کینچلی) اُتار دیتا ہے۔ نیز یہ ایک سال میں ایک مرتبہ انڈے دیتا ہے اور انڈوں کی تعداد اس کے بدن کی ہڈیوں کے برابر ہوتی ہے یعنی جتنی اس کے جسم میں ہڈیاں ہوتی ہیں اتنی ہی تعداد میں یہ انڈے دیتا ہے۔لیکن اکثر انڈوں پر چیونٹیاں جمع ہو کر ان کو خراب کر دیتی ہیں۔صرف تھوڑے سے انڈوں سے یہ بچے نکل پاتے ہیں۔

سانپ کو اگر بچھو ڈنک مار دے تو وہ فوراً مر جاتا ہے۔سانپ کی ایک قسم حریش بھی ہوتی ہے (جس کا ذکر گزر چکا)۔یہ قسم بھی چکوریا سانپ کی طرح انتہائی خبیث ہوتی ہے اور یہ قسم ریتلے مقامات میں رہتی ہے۔ سانپ کے انڈے لمبوترے اور مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں۔بعض مٹیالے، بعض سبز، کالے اور چتکبرے بھی ہوتے ہیں۔ نیز بعض انڈوں پر سیاہ اور سفید چمکیلے نقطے بھی ہوتے ہیں۔ نیز بعض انڈوں کے اندر پانی جیسا ایک رقیق مادہ ہوتا ہے جو انڈے کے جوف میں ایک لمبے خط کی طرح چپکا ہوا ہوتا ہے۔سانپ عام طریقہ سے جفتی نہیں کرتا بلکہ ان کا جفتی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آپس میں کنڈلی مار کر بیٹھ جاتے ہیں۔سانپ کی زبان شگاف دار (درمیان سے چری ہوئی) ہوتی ہے۔اس لیے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی دو زبانیں ہیں۔سانپ انتہائی حریص اور شری ہوتا ہے۔ چنانچہ جب کبھی وہ مرغی وغیرہ کے بچوں کو پکڑ لیتا ہے تو شیر کی طرح بغیر چبائے نگل جاتا ہے اور جب کبھی یہ سخت چیز کو نگل جاتا ہے تو کسی درخت یا اس جیسی کسی سخت چیز کو سختی سے لپٹ جاتا ہے اور خوب زور لگاتا ہے یہاں تک کہ وہ چیز اس کے پیٹ میں ٹوٹ جاتی ہے۔

سانپ کی یہ عادت ہے کہ جب وہ کسی کو کاٹ لیتا ہے تو اُلٹا ہو جاتا ہے اس سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح سانپ پلٹ کر اپنا پورا زہر انڈیل دیتا ہے مگر یہ بات غلط ہے۔سانپ کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ جب اس کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملتا تو صرف ہوا پر قناعت کرتا ہے۔بھوک کی انتہائی شدت میں بھی وہ ہوا پر ہی قناعت کر لیتا ہے اور جب سانپ بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کا جسم سکڑ کر چھوٹا ہو جاتا ہے اور اس عمر میں سانپ صرف ہوا پر ہی گزارا کرتا ہے۔سانپ کی فطرت میں ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ وہ پانی نہیں چاہتا اور نہ اس کو پانی کی خواہش ہوتی ہے۔لیکن جب کبھی وہ پانی پر پہنچ جاتا ہے تو پھر پیے بغیر نہیں رہتا۔یعنی پانی پر پہنچ کر اسے اپنے نفس پر کنٹرول نہیں رہتا اور چونکہ اسے پینے کی چیز (دودھ وغیرہ) کا شوق ہوتا ہے اور اس لیے بعض دفعہ وہ اس کو اس قدر پی لیتا ہے کہ اس کو نشہ ہو جاتا ہے اور یہ نشہ ہی کبھی کبھی اس کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔

نر سانپ کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ ایک جگہ نہیں رہتا بلکہ مستقل اپنی رہائش کی جگہ کو تبدیل کرتا رہتا ہے۔البتہ مادہ سانپ ایک جگہ پر اس وقت تک رہتی ہے جب تک کہ اس کے انڈوں سے بچے نہ نکل آئیں۔یعنی انڈوں کو سیتی ہے اور جب بچہ نکل آتا ہے اور اپنی غذا حاصل کرنے پر قادر ہو جاتا ہے تو مادہ اس جگہ کو چھوڑ کر کوئی اور جگہ اپنے رہنے کے لیے تلاش کر لیتی ہے۔سانپ کی آنکھیں اس کے سر میں گھومتی نہیں بلکہ ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ جیسے انہیں ایک جگہ کیل کی طرح ٹھونک دیا گیا ہو۔یہی کیفیت ٹڈی کی آنکھوں کی بھی ہوتی ہے۔اگر سانپ کی آنکھ نکال دی جائے تو وہ دوبارہ پیدا ہو جاتی ہیں اسی طرح اس کے دانت توڑ دینے پر اور دم کاٹ دینے پر دوبارہ نکل آتے ہیں۔سانپ کی ایک عجیب عادت یہ بھی ہے کہ وہ برہنہ مرد سے بھاگتا ہے اور آگ سے اس کو فرحت محسوس ہوتی ہے اور اگر سانپ کو گھوڑے کے پسینہ سے تر کیا ہوا کوڑا مار دیا جائے تو وہ فوراً مر جاتا ہے۔لیکن اگر اس کو ذبح کر کے چھوڑ دیا جائے تو مرتا نہیں بلکہ مدتوں

زندہ رہتا ہے۔ جب سانپ اندھا ہو جاتا ہے یا زمین کے نیچے سے نکلتا ہے تو اس کو دکھائی نہیں دیتا اس لیے پھر وہ سونف کو تلاش کر کے اس کے پتوں سے اپنی آنکھیں مس کرتا ہے اس طرح اس کی بینائی واپس آ جاتی ہے "فسبحان من قدر فھدیٰ" کیا ہی شان ہے خدا تعالیٰ کی کہ مبتلا بھی کرتا ہے اور راہ نجات بھی سمجھا دیتا ہے۔

روئے زمین پر کوئی جانور ایسا نہیں جس کا جسم سانپ کے جسم کی طرح قوی ہو اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب کبھی سانپ کسی سوراخ یا بل میں اپنا سینہ داخل کر لیتا ہے تو پھر کسی کی مجال نہیں کہ کوئی طاقت ور سے طاقت ور انسان اس کو کھینچ کر نکال لے بلکہ اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ اگر ایسی کوشش کی گئی تو ناکامی ہوئی ہاں البتہ بیچ سے ٹوٹ جاتا ہے مگر باہر نہیں نکلتا۔ حالانکہ نہ اس کے ناخن ہوتے ہیں اور نہ پیر جن سے مدد حاصل کر سکے۔ اس کی کمر کی یہ قوت اس کی پسلیوں کی وجہ سے ہے اس کی تیس پسلیاں ہوتی ہیں جب یہ چلتا ہے تو اس کے جوڑ ایک دوسرے میں ایسے پیوست ہو جاتے ہیں کہ پھر اس کی مرضی کے بغیر الگ نہیں ہو سکتے۔ چاہے کوئی کتنی ہی طاقت کیوں نہ لگائے۔ سانپ طبعاً اور اصلاً آبی جانور ہے۔ لیکن خشکی میں پیدا ہونے والا سانپ پانی میں بھی رہ سکتا ہے اور اسی طرح پانی میں پیدا ہونے والا سانپ خشکی میں بھی رہ سکتا ہے۔

جاحظ کا قول ہے کہ سانپ (باعتبار زہر) تین قسم کے ہوتے ہیں ایک قسم ان میں سے وہ ہے کہ جس کے کاٹنے پر نہ تریاق اور نہ کوئی دوا فائدہ دیتی ہے۔ اس قسم کے سانپ ثعبان' افعی اور ہندی سانپ ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے کہ جس کے کاٹنے پر تریاق وغیرہ سے فائدہ ہو جاتا ہے اور ان دو قسموں کے علاوہ جو سانپ ہیں ان کا ڈسا ہوا انسان صرف دہشت سے مرتا ہے جیسا کہ اکثر مشاہدہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ماہر حیوانات کا خیال ہے کہ صرف دہشت ہی وہ چیز ہے جس کے ذریعہ زہر میں ہیجان پیدا ہوتا ہے کیونکہ دہشت کی وجہ سے انسانی بدن کے تمام مسامات [1] کھل جاتے ہیں اور زہر بآسانی بدن کے اندر سرایت کر جاتا ہے۔ چنانچہ ایک قصہ مشہور ہے کہ کوئی شخص ایک درخت

---

[1] "مسامات" انسانی جلد (کھال) میں پائے جانے والے وہ مہین اور چھوٹے سوراخ جن کو سادہ آنکھوں سے دیکھنا ممکن نہیں۔ مطلب یہ کہ مسامات اتنے باریک اور چھوٹے ہوتے ہیں کہ خوردبین کے بغیر ان کا دیکھنا ممکن نہیں۔ اور یہ مسامات ہر وقت کھلے رہتے ہیں خاص طور سے ان کا مشاہدہ آپ گرمی کے موسم میں کر سکتے ہیں۔ جب آپ کا تمام بدن پسینہ سے شرابور ہو جاتا ہے۔ یہ پسینہ ان مسامات کے ذریعہ ہی آپ کی جلد کے اوپر آتا ہے۔ رہا یہ نظریہ کہ ان مسامات کے ذریعہ زہر انسانی بدن میں پھیلتا ہے تو یہ غلط ہے۔ جدید تحقیق کی روشنی میں کسی بھی چیز کا انسانی بدن میں ایک جگہ سے سرایت کرنا اور پھر پورے بدن میں پھیلنا ان مسامات کا کام نہیں بلکہ یہ دوران خون کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔ ہر انسان کے بدن میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں دماغ اور دل ایسی بنائی ہیں کہ پورا جسم اولاً تو دماغ کے تابع ہے اور بعد میں دل کے' دل ایک ایسا آلہ ہے جو خون کو پورے جسم انسانی میں بھیجتا ہے اور ساتھ خون کی صفائی وغیرہ بھی کرتا ہے دل کس طرح کام کرتا ہے اس کا اندازہ آپ اس طرح کر سکتے ہیں جیسے کسی غبارے کو جس میں کچھ پانی بھرا ہوا ہو' آپ اس کو دبائیں تو اس کا پانی باہر نکلنے لگے۔ بالکل یہی طریقہ دل کا بھی ہے جو مستقل آپ کے پورے بدن میں شرائین کے ذریعہ خون کو پہنچاتا رہتا ہے حتیٰ کہ سر سے لے کر آپ کے پیر کی چھوٹی انگلی تک خون جاتا ہے اور دل ایک پمپ کی طرح پھیلتا اور سکڑتا رہتا ہے اور جو آپ دل کی دھڑکن محسوس کرتے ہیں یا سنتے ہیں' یہ صرف دل کے کام کرنے کی آواز ہے یعنی دل مستقل پھیلتا اور سکڑتا رہتا ہے جس کے نتیجے میں ایک فورس (دھکہ) پیدا ہوتا ہے اور خون اس فورس (دھکہ) سے تمام شرائین میں جاتا ہے اور پھر یہ شرائین اس کو تمام انسانی بدن میں لے جاتی ہیں۔ یہی خون پھر واپس دل میں آ جاتا ہے اور پھر شرائین کے ذریعہ انسانی اعضاء میں آتا رہتا ہے یعنی ایک سلسلہ خون کے آنے جانے کا مستقل رہتا ہے کہ خون سے بدن کا کوئی بھی حصہ ایک منٹ کے لیے بھی خالی نہیں رہتا۔ یعنی ایک طرف سے خون دل سے ایک خاص دھکے سے نکلتا ہے اور دوسری طرف سے پورے بدن سے ہوتا ہوا پھر دل میں آ جاتا ہے اس لیے اگر کوئی چیز یا مادہ انسان جسم کے کسی حصہ میں داخل ہوتا ہے ⟵

کے نیچے اُلٹا پڑا ہوا سو رہا تھا۔ درخت کی ایک شاخ پر سانپ تھا اس نے لٹک کر اس شخص کے سر میں کاٹ لیا جس سے اس شخص کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا لیکن کوئی چیز معلوم نہیں ہوئی۔ چنانچہ وہ سر کو کھجاتا ہوا پھر سو گیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد بیدار ہوا۔ لیکن اس کو زہر کا کچھ اثر نہ ہوا۔ ادھر کسی شخص نے سانپ کو اس کے سر میں کاٹتے ہوئے دیکھ لیا تھا مگر اس شخص سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ چنانچہ جب اس واقعہ کو کئی دن گزر گئے تو اس شخص نے اس سونے والے سے کہا کہ کیا تمہیں معلوم ہے فلاں دن تم اس درخت کے نیچے سو رہے تھے اور تم کو کسی چیز نے کاٹا تھا۔ اس پر اس شخص نے لاعلمی کا اظہار کیا تو دیکھنے والے شخص نے کہا کہ اس دن ایک سانپ نے درخت کی شاخ سے لٹک کر تمہارے سر میں ڈس لیا تھا۔ چنانچہ یہ سنتے ہی اس شخص پر خوف اور گھبراہٹ اس قدر طاری ہوئی کہ فوراً ہی اس کا انتقال ہو گیا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا زہر پینا

ابن ظفر کی کتاب ''النصائح'' میں لکھا ہے کہ جب اہل حیرہ اپنے قصر ابیض میں قلعہ بند ہو گئے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے نجف میں قیام فرمایا اور اہل نجف کو کہلا کر بھیجا کہ اپنے سرداروں میں سے کسی شخص کو میرے پاس مصالحت کے لیے بھیج دو۔ چنانچہ انہوں نے عبدالمسیح ابن عمرو بن قیس بن حیان بن نفیلۃ الغسانی کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ شخص بہت بوڑھا تھا اور اس کی عمر ساڑے تین سو سال تھی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس بوڑھے سے گفتگو فرمائی جو بہت مشہور ہے۔ دوران گفتگو یہ بوڑھا شخص ایک شیشی ہاتھ میں لیے ہوئے تھا اور بات کرنے کے درمیان بار بار اس شیشی کو دیکھتا رہا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس بوڑھے سے دریافت فرمایا کہ یہ تم بار بار اس شیشی کو کیوں دیکھ رہے ہو اور اس میں کیا شئے ہے؟ بوڑھے نے جواب دیا کہ اس شیشی میں ''سم ساعت'' ہے (یعنی ایسا زہر ہے جو کھانے والے کو گھڑی بھر میں ہلاک کر دے) آپ نے پوچھا کہ اس کو کیوں اپنے ساتھ لائے ہو؟ بوڑھے عبدالمسیح نے جواب دیا کہ اس کو اس وجہ سے ساتھ لایا ہوں کہ اگر آپ کے ساتھ اس گفتگو کا نتیجہ میری قوم کے حق میں سودمند نکلا تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا اور جو شرائط آپ تجویز فرمائیں گے میں ان کو منظور کر لوں گا اور اگر معاملہ اس کے برعکس نکلا تو میں یہ زہر کھا کر خودکشی کر لوں گا۔ کیونکہ مجھ کو یہ امر گوارا نہیں کہ میں اپنی قوم کے پاس بری خبر لے کر جاؤں۔

یہ سن کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ شیشی مجھے دو۔ چنانچہ اس نے دے دی۔ آپ نے شیشی لے کر اس میں سے زہر اپنی ہتھیلی پر لیا اور پھر یہ دُعا پڑھ کر **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰه۔ بِسْمِ اللّٰهِ رَب الارض والسَّماء بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا**

← اس لیے وہ مادہ فوراً خون کے ذریعے پورے جسم میں پھیل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی جسم میں خون کسی وجہ سے کسی حصہ میں نہیں پہنچتا تو وہ حصہ شل ہو جاتا ہے (فالج پڑ جاتا ہے) یعنی انسانی جسم کی حرکت صرف خون سے ہے۔ اگر کسی حصہ میں کسی وجہ سے خون کا دوران بند ہو جائے تو وہ حصہ شل ہو جائے گا۔ رہا گھبراہٹ یا دہشت کا مسئلہ تو گھبراہٹ اور دہشت کے ہوتے ہی انسانی دماغ تیزی سے حرکت کرتا ہے اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ دماغ پورے جسم کو کنٹرول کرتا ہے تو جب کبھی کوئی حادثہ پیش آتا ہے جس کے نتیجہ میں دل کی پمپ کرنے کی رفتار بڑھتی ہے اور جب دل کی پمپ کرنے کی (یا دھڑکنے کی رفتار بڑھے گی) تو لامحالہ خون بھی تیزی سے جسم میں رواں دواں ہوگا۔ اور جو بھی چیز اس وقت انسانی بدن کے کسی حصہ میں داخل ہوگی وہ تیزی سے ہی پورے بدن میں خون کی رفتار کے ساتھ ساتھ پھیلے گی اور اتنی ہی تیزی سے اس چیز کے اثرات انسانی جسم پر مرتب ہوں گے۔ یعنی اگر وہ چیز جو بدن میں داخل ہوئی ہے نقصان دینے والی ہے تو تیزی سے جسم میں نقصان ہوگا اور اگر فائدہ دینے والی ہے تو تیزی سے فائدہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ انجکشن بہ نسبت دواؤں کے زیادہ تیزی سے اثر انداز ہوتا ہے۔

يَضُرُّ مع اسمه شئی فِی الْاَرْض وَلا فِی السَّمَاء وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم. اس زہر کو پی لیا۔

کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ نے تھوڑا سا پانی ٹھوڑی سینہ پر مارا اس سے آپ کو بہت پسینہ آیا اور زہر کا اثر باطل ہو گیا۔ (عبدالمسیح اور اس کی قوم نسطوریہ فرقہ کے عیسائی تھے) جب اس نے یہ حال دیکھا تو واپس چلا گیا اور اپنی قوم سے جا کر کہا کہ میں ایسے شخص کے پاس سے آ رہا ہوں کہ جس نے سم ساعت پی لیا اور اس سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ لہٰذا تم لوگ اس کے مطالبات منظور کر کے اس کو اپنے یہاں سے راضی اور خوش کر کے واپس کر دو کیونکہ یہ قوم ایسی قوم ہے جس میں صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے اور عنقریب اس قوم کی شان بلند ہونے والی ہے۔ چنانچہ اہل حیرہ نے دس ہزار درہم چاندی کے دے کر مسلمانوں سے صلح کر لی۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ سم ساعت صرف ہندی سانپ میں ہوتا ہے اور اس کے اثر کو نہ کوئی تریاق اور نہ کوئی دوا دفع کر سکتی ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ پر زہر کا اثر نہ کرنا

کتاب النصائح میں یہ واقعہ بھی ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی ایک باندی تھی اس نے ایک دن آپ سے پوچھا کہ آپ کس جنس سے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ تیری طرح ایک انسان ہوں۔ اس نے کہا کہ مجھ کو تو آپ انسان معلوم نہیں ہوتے۔ کیونکہ میں نے آپ کو چالیس دن تک برابر زہر کھلایا، مگر آپ کا بال تک بیکا نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں ان کو کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی اور میں تو اسم اعظم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہوں۔ باندی نے پوچھا کہ وہ اسم اعظم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا يَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ شَیْ ءٌ فِی الْاَرْضِ وَلا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم.

اس کے بعد آپ نے باندی سے پوچھا کہ تو نے کس وجہ سے مجھ کو زہر کھلایا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے آپ سے بغض تھا۔ یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا کہ تو لوجہ اللہ آزاد ہے اور جو کچھ تو نے میرے ساتھ بدسلوکی کی وہ بھی تجھے معاف ہے۔

عجیب حکایت

قرطبی نے ''سورۃ الغافر'' کی تفسیر میں ثور بن یزید سے انہوں نے خالد بن معدان سے اور انہوں نے کعب احبار سے یہ روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کیا تو وہ (فخریہ) کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے بڑی کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک سانپ کا طوق پہنا دیا جس کے ستر ہزار بازو اور ہر بازو میں ستر ہزار پر تھے اور ہر ہر پر میں ستر ہزار چہرے تھے اور ہر چہرے میں ستر ہزار منہ اور ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں تھیں اور روزانہ اس سانپ کے منہ سے اتنی بار سبحان اللہ نکلتا تھا جو تعداد میں بارش کے قطروں، درختوں کے پتوں، زمین کے سنگریزوں، ریت کے ذروں، ایام دُنیا اور ملائکہ کی تعداد کے برابر ہوتا تھا۔ یعنی ان تمام چیزوں کو ملا کر جو کچھ تعداد بنے (جن کا شمار ناممکن ہے) اس کی برابر یہ سانپ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا۔ چنانچہ یہ سانپ عرش کو لپٹ گیا اور عرش اس کے نصف جسم تک آیا (یعنی وہ سانپ عرش سے دوگنا تھا) چنانچہ عرش اس سانپ کو دیکھ کر شرمندہ ہو گیا اور اس نے تواضع اختیار کر لی۔

ہارون الرشید کا واقعہ

کہتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید ایک دفعہ رات میں سو رہے تھے تو اس نے یہ آواز سنی:

يَـا راقد الليل انتبه اِنَّ الخَطُوبَ لَهَا سَرَیٰ

ثـقة الفَتٰی مِن نفسهٖ ثِـقَةٌ مُـحَـلِلَةُ الْعُرَیٰ

''اے رات کو سوانے والے جاگ۔ کیونکہ مصیبتیں آگے بڑھ رہی ہیں' نوجوان کو خود اعتمادی چاہیے۔ کیونکہ خود اعتمادی ہی مشکلات کا حل ہے۔''

چنانچہ یہ اشعار سنتے ہی خلیفہ کی آنکھ کھل گئی تو دیکھا کہ شمع گل ہو چکی ہے۔ خلیفہ نے شمع جلانے کا حکم دیا۔ جب روشنی ہوئی تو دیکھا کہ ایک سانپ اس کے پلنگ کے قریب بیٹھا ہوا ہے۔ چنانچہ خلیفہ نے اس کو مار دیا۔

ایک عجیب قصہ

امام الفرج بن الجوزی نے کتاب الاذکیا میں بشر بن فضل سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم حج کے ارادہ سے نکلے تو عرب کے ایک چشمے پر پہنچے تو ہم سے کچھ لوگوں نے کہا کہ یہاں قریب میں تین لڑکیاں ہیں جو حسن و جمال میں بے نظیر اور آپس میں ہمشیرہ ہیں۔ اور یہ تینوں بہنیں طبیب (حکیم) ہیں۔ چنانچہ یہ سن کر ہم کو بھی ان کے دیدار کا اشتیاق ہوا اور ہم نے ان کے پاس جانے کا حیلہ کیا کہ جنگل کی ایک بڑی لکڑی اُٹھا کر اپنے ایک ساتھی کی پنڈلی میں زور سے مار کر خراش لگا دی جس سے وہ خون آلود ہو گیا اور پھر اس ساتھی کو لے کر ان لڑکیوں کے گھر پہنچے اور آواز دی کہ کیا کوئی مار گزیدہ (سانپ کے ڈسے ہوئے) کا جھاڑنے والا ہے؟ میری آواز سن کر ایک لڑکی نکل کر آئی جو سب سے چھوٹی تھی۔ اس نے خوب غور سے اس مصنوعی مار گزیدہ کی پنڈلی کی خراش کو دیکھا اور کہنے لگی کہ سانپ نے اس کو نہیں کاٹا۔ بلکہ جس چیز سے اس کو یہ خراش لگی ہے' اس پر کوئی نر سانپ پیشاب کر گیا ہوگا مگر یہ شخص بچے گا نہیں اور جب آفتاب طلوع ہوگا تو یہ مر جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سورج نکلتے ہی وہ شخص مر گیا۔ ہم کو اس واقعہ سے سخت حیرت ہوئی اور پھر ہم وہاں سے واپس آ گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سانپ کا کلام کرنا

اس کتاب کے آخر میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک منتر کرنے والے پر ہوا جو سانپ کو قبضہ میں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس سانپ نے (جس کو یہ منتر کرنے والا پکڑنے کی فکر میں تھا) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہا کہ اے روح اللہ! اس سے فرما دیجئے کہ اگر یہ مجھ سے دور نہیں ہوگا تو اس کو سخت ترین زک پہنچاؤں گا اور اس کو ڈس لوں گا۔ یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آگے چلے گئے۔ پھر کچھ دور جا کر جب واپس تشریف لائے تو کیا دیکھا کہ وہ سانپ سپیرے کی جھولی میں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سانپ سے فرمایا کہ اے سانپ ابھی تو مجھ سے سپیرے کے بارے میں شکایت کر رہا تھا اور اب اس کی جھولی میں ہے آخر ماجرا کیا ہے؟ تو سانپ نے جواب دیا کہ اے روح اللہ اس نے قسم کھائی تھی اور اب میرے ساتھ دھوکہ کر رہا ہے۔ یعنی یہ کہ مجھ کو چھوڑ دے گا اور اپنی جھولی میں بند نہیں کرے گا۔ لیکن اب یہ ایسا نہیں کر رہا ہے۔ لہٰذا اس کے دھوکے کا زہر اس کے لیے میرے زہر سے زیادہ نقصان دہ ہے۔

نوشیرواں کا واقعہ

''عجائب المخلوقات'' میں علامہ قزوینی نے نوشیرواں عادل کی ایک حکایت بیان کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ''ریحان [1] فارسی'' پہلے ملک فارس میں نہیں تھا بلکہ ایک سانپ نے اس کا بیج نوشیرواں کو لا کر دیا تھا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ نوشیرواں کے زمانے میں ایک سانپ کے بھائی کو ایک بچھو نے کاٹ کر مار ڈالا تھا۔ مرنے والے سانپ کا بھائی یعنی ایک دوسرا سانپ نوشیرواں کے پاس فریاد لے کر آیا تو جیسے

---

[1] ریحان عربی کا لفظ ہے اس کی جمع ریاحین آتی ہے۔ فارسی میں اس کو شاہ سفرم یا شاہ اسفرغم کہتے ہیں اور ہندی میں تلسی یا مردہ' جو کہ ایک دو یا اڑھائی فٹ لمبا پودا ہوتا ہے' کو کہتے ہیں اور اس کے پتوں میں سے تیز قسم کی ایک مخصوص خوشبو آتی ہے۔ اطباء بہت سے امراض میں اس کو استعمال کراتے ہیں۔ ویسے ریحان عربی میں ہر اس سبزہ کو کہتے ہیں جس سے کسی قسم کی کوئی خوشبو آتی ہو جو طبیعت کو ناگوار نہ لگے۔

ہی یہ سانپ نوشیرواں کے قریب پہنچا اس کے مصاحب اس کو مارنے کے لیے دوڑے۔ نوشیرواں نے اپنے مصاحبوں کو روکا اور فرمایا کہ ابھی اس کو نہ مارو مجھے لگتا ہے کہ اس کے آنے کی کوئی خاص وجہ ہے۔ چنانچہ وہ سانپ چل کر نوشیرواں کے قریب آ گیا اور کچھ اس قسم کے اشارے کیے جس سے نوشیرواں سمجھ گیا کہ سانپ مظلوم ہے اور یہ مجھ سے دادرسی چاہتا ہے۔ چنانچہ نوشیرواں نے اس سانپ کے ساتھ اپنا ایک سپاہی بھیج دیا۔ یہ سانپ اس سپاہی کو لے کر ایک کنوئیں کے پاس پہنچا۔ سپاہی نے کنوئیں میں جھانک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں ایک سانپ مرا پڑا ہے اور مرے ہوئے سانپ کی کمر پر ایک بچھو سوار ہے۔ چنانچہ سپاہی نے برچھے سے اس بچھو کو مار ڈالا۔ اور اس احسان کے بدلہ میں سانپ نے بادشاہ کو تخم ریحان دیا۔ بادشاہ نے اس بیج کو بونے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس سے ریحان کا پودا اُگا اور چونکہ نوشیرواں زکام اور دیگر دماغی بیماریوں کا مریض تھا تو اس نے ان امراض کے لیے اس کو استعمال کیا تو بہت مفید پایا۔ اس طرح فارس میں ریحان کی ابتداء ہوئی اور پھر ریحان فارسی بہت سے امراض کے دفعیہ کے لیے مشہور ہو گیا۔

ابن حمیر کا عجیب واقعہ

علامہ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''حلیۃ الاولیاء'' میں مذکور ہے کہ یحییٰ بن عبدالحمید نقل کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سفیان ابن عیینہ کی مجلس میں تھا اور اس وقت وہاں پر کم وبیش ایک ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ پس ابن عیینہ نے ایک شخص سے جو کہ اس کی داہنی جانب آخر صف میں بیٹھا تھا کہ ذرا اُٹھ کر حاضرین کو سانپ کا وہ قصہ تو سناؤ جو تم کو معلوم ہے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ بہت اچھا لیکن پہلے مجھے کمر ٹیکنے کے لیے کوئی چیز عنایت فرما دیں۔ چنانچہ ایک صاحب نے اُٹھ کر ان کی کمر کے پیچھے ایک بڑا تکیہ لگا دیا۔ اس کے بعد حاضرین کو اس نے مخاطب کر کے فرمایا کہ میرے والد نے میرے دادا مرحوم کی زبانی سنا تھا کہ ان کے زمانہ میں ایک شخص جس کا نام ابوالحمیر تھا اور بہت ہی متقی پرہیزگار شخص تھا اکثر روزے رکھتا اور مستقل تہجد پڑھتا۔ اس کو شکار کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ ایک دن وہ شکار کرنے کے لیے جنگل کی طرف گیا اور جنگل میں پہنچ کر شکار کی تلاش شروع ہی کی تھی کہ دفعتاً ایک سانپ ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے محمد بن حمیر مجھے خدا کے واسطے پناہ دو اللہ تعالیٰ تم کو اپنی پناہ میں رکھے گا۔

ابن حمیر نے پوچھا کہ تمہارا دشمن کہاں ہے؟ سانپ نے جواب دیا کہ میرے پیچھے آ رہا ہے۔ پھر ابن حمیر نے پوچھا کہ تم کس اُمت سے تعلق رکھتے ہو؟

سانپ نے جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہوں۔ ابن حمیر نے یہ جواب سن کر اس کے لیے اپنی چادر کھول دی اور کہا کہ اس میں گھس جاؤ۔ مگر سانپ نے جواب دیا کہ اس میں تو وہ مجھے دیکھ لے گا۔ تب ابن حمیر نے اپنی چادر کھول دی اور کہا کہ اس کے اندر آ جاؤ اور اس پوستین اور میرے سینہ کے درمیان چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ لیکن سانپ نے پھر وہی جواب دیا اور کہا کہ وہ یہاں بھی مجھ کو دیکھ لے گا تو ابن حمیر نے کہا کہ آخر پھر تم کو کہاں چھپاؤں؟ تو سانپ نے جواب دیا کہ اگر تم میرے ساتھ بھلائی کرنا چاہتے ہو تو اپنا منہ کھول دو۔ میں اس میں گھس جاؤں گا۔ ابن حمیر نے کہا کہ مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں تم مجھ کو ہلاک نہ کر دو۔ سانپ نے جواب دیا کہ میں خداوند کریم اور اس کے رسولوں' فرشتوں اور حاملین عرش اور آسمانوں پر رہنے والوں کو شاہد بناتا ہوں کہ میں تم کو کوئی ضرر نہ پہنچاؤں گا اور دشمن کے جانے کے بعد فوراً باہر آ جاؤں گا۔ چنانچہ ابن حمیر نے اپنا منہ کھول دیا اور سانپ اس کے منہ میں گھس گیا اور ابن حمیر اس کے لے کر آگے بڑھ گیا۔ ابھی کچھ قدم چلا ھا کہ ایک شخص ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے دوڑتا ہوا آیا اور مجھ سے پوچھا کہ کیا تو نے میرے دشمن کو دیکھا ہے؟ ابن حمیر نے جواب میں پوچھا کہ کیسا دشمن؟ اس نے جواب دیا کہ وہ ایک سانپ ہے جو ابھی اس طرف آیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میں نے اس کو نہیں دیکھا اور پھر اس دروغ گوئی پر فوراً سو مرتبہ استغفار پڑھی اور اس شخص کو چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد سانپ نے اپنا سر باہر نکال

کر پوچھا کہ ذرا دیکھو تو وہ میرا دشمن ہے یا چلا گیا؟ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ اس لیے میں نے سانپ سے کہا کہ تمہارا دشمن چلا گیا ہے اور اب تم باہر آ جاؤ۔

اس پر سانپ نے جواب دیا اے ابن حمیر اب تم اپنے لیے دو باتوں میں سے ایک بات پسند کر لو۔ میں نے کہا وہ کیا تو سانپ نے کہا کہ میں دو جگہ ڈسنا پسند کرتا ہوں ایک جگر کو اور دوسرے دل کو۔ اب یہ تمہیں اختیار ہے کہ اگر تم کہو تو میں تمہارے جگر کو پاش پاش کر دوں یا تمہارے دل کو جھلس دوں تا کہ تمہارا جسم بغیر روح کے رہ جائے۔

ابن حمیر نے جواب دیا کہ سبحان اللہ کیا خوب وعدہ کا ایفاء ہے اور کیا خوب قسموں اور حلفیہ بیان کا نتیجہ ہے۔ ابھی جو تم نے مجھ سے لمبے چوڑے وعدے کئے تھے اور جن کے حوصلے میں میں نے تم کو پناہ دی تھی' کیا تم اس بھلائی کا ایسا ہی بدلہ دینا چاہتے ہو؟

سانپ نے جواب دیا کہ اے ابن حمیر میں نے تجھ سے زیادہ احمق شخص نہیں دیکھا۔ کیا تجھ کو وہ عداوت یاد نہیں جو میرے اور تیرے باپ کے درمیان تھی اور جس کی وجہ سے میں نے ان کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کس وجہ سے تم نے میرے ساتھ نیکی کی۔ ابن حمیر نے کہا کیا تو نے مجھے مارنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں۔ سانپ نے جواب دیا کہ ہاں اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ تو ابن حمیر نے کہا کہ جب تیرا قصد ایسا ہی ہے تو تو مجھ کو اتنی مہلت دے کہ میں اس پہاڑ تک پہنچ جاؤں اور اپنے مرنے کے لیے کوئی جگہ تجویز کر لوں۔ چنانچہ سانپ نے کہا کہ ٹھیک ہے چلو اس پہاڑ تک جانے اور جگہ تجویز کرنے کی تمہیں رعایت ہے۔ چنانچہ اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو کر پہاڑ کی طرف چل دیا اور آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا مانگنی شروع کی:

يَا لَطِيْفُ يَا لَطِيْفُ الْطِفُ بِلُطْفِکَ الْخَفِيِّ يَا لَطِيْفُ يَا قَدِيْرُ اَسْئَالُکَ بِالْقُدْرَةِ الَّتِيْ اِسْتَوَيْتَ بِهَا عَلَى الْعَرْشِ فَلَمْ يَعْلَمُ الْعَرْشُ اَيْنَ مُسْتَقَرُّکَ مِنْهُ يَا حَلِيْمُ يَا عَلِيْمُ يَا عَلِيُّ يَا عَظِيْمُ يَاحَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا اَللّٰهُ اِلَّا مَا كَفَّيْتَنِيْ شَرَّ هٰذِهِ الْحَيَّةَ.

اور ابھی میں نے دوسری دفعہ یہ دُعا پڑھی ہی تھی کہ دفعتاً ایک شخص جو بے حد خوبصورت' خوش پوشاک اور خوشبو سے معطر تھا' میرے سامنے آیا اور کہا السلام علیک میں نے جواب دیا وعلیکم السلام یا اخی (اے میرے بھائی) سلام کا جواب سننے کے بعد اس نے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تمہارا رنگ بدلا ہوا اور تجھ کو پریشان دیکھ رہا ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ ایک دشمن نے مجھ کو ستا رکھا ہے۔ اس کی وجہ سے میں پریشان حال ہوں۔ اس نے پوچھا کہ تمہارا دشمن کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میرے پیٹ کے اندر۔ اس پر اس نے کہا کہ اچھا ذرا منہ کھولو۔ چنانچہ میں نے منہ کھول دیا۔ تو اس نے ایک بڑا سا پتا جو برگ زیتون کے مشابہ تھا میرے منہ میں رکھ دیا اور کہا کہ اس کو چبا کر نگل جاؤ۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا پتا چبا کر نگلنا تھا کہ میرے پیٹ میں مروڑ ہونا شروع ہوا اور وہ سانپ میرے پیٹ میں گھومنے لگا۔ اس کے بعد میں نے اس کو نیچے سے ٹکڑوں کی شکل میں نکال دیا اور اس کے نکلتے ہی میرے دل میں جو خوف چھایا ہوا تھا وہ زائل ہو گیا۔

اس کے بعد میں نے اس شخص سے مخاطب ہو کر کہا کہ برادرم محترم آپ کی تعریف کیا ہے' آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر زبردست احسان کیا ہے اور مجھے اس موذی سے نجات دے دی۔ اس لیے مجھے بتلائیے کہ آپ کون ہیں؟ یہ سن کر وہ شخص مسکرایا اور کہا کہ کیا تم مجھ کو نہیں پہچانتے۔ میں نے کہا کہ خدا کی قسم! میں نہیں جانتا۔ تو اس شخص نے تفصیل سے بتایا کہ جس وقت تمہارے اور سانپ کے درمیان گفتگو ہو چکی اور پھر تم نے اس سے مہلت مانگ کر آسمان کی طرف نگاہ کر کے دُعا مانگنی شروع کی تو ساتوں آسمان کے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے مجھے اپنی عزت اور جلال کی جو کچھ اس سانپ نے میرے بندے کے ساتھ کیا۔ وہ سب مجھ پر آشکارا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا کہ جنت سے شجر طوبیٰ کا ایک پتا توڑ کر لاؤ اور اس کو لے کر میرے بندے ابن حمیر کے

پاس پہنچ جاؤ۔ چنانچہ میں نے جنت سے شجر طوبیٰ کا پتا لیا اور لا کر تجھ کو کھلا دیا۔ اس کا اثر جو کچھ ہوا وہ تم دیکھ چکے اور میرا نام معروف ہے۔ اور میں چوتھے آسمان کا فرشتہ ہوں۔ پھر معروف نے مجھ کو کہا کہ اے محمد بن حمیر سلوک کو لازم پکڑ لو۔ کیونکہ نیکی بدی کے حملوں سے بچاتی ہے۔ اگرچہ وہ شخص جس کے ساتھ نیکی کی گئی ہے اس کی ناقدری کر کے اس کو ضائع کر دے مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ کبھی ضائع نہیں ہوتی۔

فائدہ: حاکم نے ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَدَمِ وَالتَّرَدِیْ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْحَرْقِ وَالْغَرْقِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ یَتَخَبَّطَنِیَ الشَّیْطَانُ عِنْدَالْمَوْتِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ فِیْ سَبِیْلِکَ مُدْبِرًا وَاَعُوْذُبِکَ اَنْ اَمُوْتُ لَدِیْغًا.

''اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں گرنے اور تباہ ہونے سے' جلنے اور ڈوب جانے سے اور اس سے کہ شیطان مجھ کو گمراہ کر دے بوقت موت اور اس سے کہ میدان جہاد سے فرار اختیار کروں اور اس سے کہ ڈسنا میری موت کا باعث ہو۔''

علماء نے اس دُعا کی یہ تاویل فرمائی ہے کہ چونکہ شیطان ملعون اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس وجہ سے وہ مردِ مؤمن کو موت کے وقت بہکانا اور ڈگمگانا چاہتا ہے تاکہ مردِ مومن کا خاتمہ بالخیر نہ ہو سکے۔ اس وجہ سے آپؐ نے شیطان کے شر سے پناہ مانگی ہے اور یہ پناہ گیری اُمت کے لیے تھی۔ کیونکہ حضور ﷺ شیطان کے نرغہ سے قطعی مامون و محفوظ ہیں۔

سانپ اور بچھو کے کاٹے ہوئے کو ملسوع اور ملدوغ کہتے ہیں۔

وظائف و عملیات

بعض علماء متقدمین کا قول ہے کہ جو شخص رات میں اور دن میں اول وقت یہ کہہ لیا کرے:

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلَ اللّٰهِ.

تو وہ سانپ اور بچھو کی زبان اور چور کے ہاتھ سے مامون رہے گا۔

بچھو کے کاٹے ہوئے کو جھاڑنے کا عمل

جھاڑنے والے کو چاہیے کہ پہلے ملدوغ سے دریافت کرے کہ درد کہاں تک پہنچتا ہے۔ پھر اس جگہ پر جہاں تک درد پہنچتا ہو لوہے کی ایک سلاخ رکھے اور جھاڑ کی دُعا (عزیمہ) پڑھے اور بار بار پڑھتا رہے۔ اور درد کی جگہ کو اس سلاخ سے دباتا رہے۔ یہاں تک کہ درد سمٹ کر اس جگہ (زخم) پر پہنچ جائے' جس جگہ بچھو نے ڈسا ہے۔ پھر اس جگہ کو چوسنا شروع کر دے اور جب تک درد بالکل ختم نہ ہو جائے برابر چوستے رہیں۔ دُعا یہ ہے:

سَلَامٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعَالَمِیْنَ وَعَلٰی مُحَمَّدٍ فِی الْمُرْسَلِیْنَ مِنْ حَامِلَاتِ السَّمِّ اَجْمَعِیْنَ لَا دَابَةَ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا وَ رَبِّیْ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا اَجْمَعِیْنَ کَذٰلِکَ یَجْزِیْ عِبَادَهُ الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ نُوْحٌ نو ح نوح قَالَ لَکُمْ نُوْحٌ مَّنْ ذَکَرَنِیْ فَلَا تَلْدَغُوْهُ اِنَّ رَبِّیْ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمْ.

سانپ کے ڈسنے یا باؤلے کتے کے کاٹنے یا زہر پی لینے والے کے لیے مجرب جھاڑ

علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض علماء محققین کے قلم کا لکھا ہوا یہ منتر دیکھا ہے کہ اگر سانپ کے کاٹے ہوئے کو یا کتے

کے کاٹے ہوئے کو یا زہر پی لینے والے کو یا اس کے پیامبر کو (یعنی وہ شخص جو جھاڑنے والے کو اطلاع کرنے یا بلانے آئے) سیدھا کھڑا کیا جائے اور اس کے دونوں قدموں کے گرد ایک دائرہ اس طرح کھینچا جائے کہ داہنے پاؤں کے انگوٹھے سے (خط) دائرہ شروع ہو کر پھر اسی جگہ لوٹ آئے۔ پھر فولاد کی ایک نئی چھری سے دونوں قدموں کے درمیان ایک دوسرا خط کھینچا جائے۔ اس کے بعد داہنے پاؤں کے تلوے اور بائیں پاؤں کے ٹخنے کے نیچے سے مٹی اُٹھا کر ایک پاک برتن میں ڈال دی جائے اور پھر اس مٹی پر پانی چھڑک دیا جائے۔ پھر چھری لے کر اس کو ایک دوسرے برتن میں کھڑی کی جائے۔ اسی طریقہ پر کہ چھری کی نوک اوپر کی جانب ہو۔ اس کے بعد وہ پانی جو پہلے برتن میں ہے (جس میں قدموں کی مٹی بھی ہے) اس چھری پر جو دوسرے برتن میں کھڑی ہے بہایا جائے اور بہاتے وقت منتر (رقیہ) پڑھا جائے اور اس طرح پانی بہایا جائے کہ ادھر آپ کا منتر ختم ہو اُدھر پانی بھی ختم ہو جائے (یعنی منتر کے ساتھ ساتھ پانی بھی ختم ہو جائے) پھر چھری کو اُٹھا کر پہلے برتن میں جو خالی ہوا ہے اسی طرح کھڑا کیا جائے اور وہی عمل دہرایا جائے۔ پھر اس پانی کو سانپ یا پاگل کتے کے کاٹے ہوئے کو یا زہر پینے والے کو پلا دیا جائے۔ ان شاء اللہ فوراً شفا ہو گی۔ عمل یا رقیہ یہ ہے:

سَارَا سَارَا فِیْ سَارَا عَاتِیْ نُوْرٌ نُوْرٌ نور انا وارمیاہ فاہ یا طُوَا کاطوا برملس اوزانا وصنانیما کاما یوقا بنیا ساتیا کاطوط اصباوتا ابریلس توتی تنا اوس.

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ عمل نہایت مجرب ہے اور بارہا آزمایا جا چکا ہے۔

کسی عربی شاعر نے سانپ کے ڈسنے اور بچھو کے کاٹنے کی کیا اچھی مثال دی ہے ؎

قَالُوْا حَبِیْبُکَ مَلْسُوْعٌ فَقُلْتُ لَهُمْ مِنْ عَقرب الصدغ او من حیة الشعر

''لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تیرے محبوب کو کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا ہے (یہ سن کر) میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کنپٹی کے بچھو نے اس کو کاٹ لیا ہے یا اس کو زلفوں کی ناگن نے اس کو ڈس لیا ہے۔''

قَالُوْا بَلٰی مِنْ اِفاعی الارض قُلْتُ لَهُمْ وَ کَیْفَ تَسعی الْاَرْضُ لِلْقَمَرِ

''وہ بولے کہ یہ بات نہیں بلکہ زمین کے سانپوں میں سے کسی سانپ نے اس کو ڈس لیا ہے۔ یہ جواب سن کر میں نے تعجب سے کہا کہ یہ تو بتاؤ کہ زمینی سانپ چاند تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔''

ان اشعار میں شاعر نے اپنی محبوبہ کی صدغ (آنکھ اور کان کا درمیانی حصہ، کنپٹی) کو بچھو سے اور اس کی زلف کو ناگ سے اور خود محبوبہ کو چاند سے تشبیہ دی ہے۔

جمال الملک بن افلح شاعر کا شعر ہے ؎

وَ قَالُوْا یَصِیْر الشعر فی الماءِ حَیَّة اِذَا الشَّمْس حاذته فَمَا خِلْتَهٗ صِدْقًا

''لوگ کہتے ہیں کہ بال پانی میں سانپ بن جاتے ہیں جبکہ سورج کی روشنی ان پر پڑ رہی ہو مجھ کو یہ قول سچا نہیں لگتا۔''

فَلَمَّا الْتَوٰی صَدْغَاهُ فِی مَاء وجهه وَ قَدْ لَسَعَا قَلْبِی تَیَقَّنْتُهٗ حَقًّا

''لیکن محبوبہ نے جب اپنے چہرے پر پانی ڈالا اور اس کی زلفوں نے سانپ کی طرح بل کھا کر میرے دل کو ڈس لیا تو مجھ کو یقین آ گیا کہ لوگوں کا کہنا بالکل صحیح تھا۔''

سانپ کے متعلق عجیب حکایت

مسعودی نے زبیر بن بکار سے نقل کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دو بھائی سفر کے لیے نکلے اور راستہ میں ایک درخت کے سایہ میں جو سڑک کے کنارے تھا دم لینے کے لیے رُکے۔ اس پیڑ کے نیچے ایک پتھر بھی پڑا تھا۔ جب کچھ دیر بعد انہوں نے چلنے کا ارادہ کیا تو اس پتھر کے نیچے سے ایک سانپ ایک دینار لیے ہوئے نکلا اور اس نے وہ دینار ان دونوں بھائیوں کے سامنے ڈال دیا۔ اس دینار کو پا کر وہ دونوں بھائی آپس میں کہنے لگے کہ ہونہ ہو یہاں پر کوئی خزانہ مدفون ہے۔ لہٰذا انہوں نے تین دن تک وہاں قیام کیا۔ اور وہ سانپ روزانہ ایک دینار لا کر ان کے سامنے ڈالتا رہا۔ لیکن چوتھے دن ان بھائیوں میں سے ایک کہنے لگا کہ بھائی ہم کب تک یہاں بیٹھے ہوئے ایک ایک دینار حاصل کرتے رہے گے کیوں نہ اس سانپ کو مار کر خزانہ کو نکال لیا جائے۔ لیکن دوسرے بھائی نے اس کو منع کیا اور کہا کہ اگر اس میں خزانہ نہ نکلا تو ہماری ساری محنت بیکار ہو جائے گی۔ مگر اس نے اس کی بات نہ مانی اور ایک کلہاڑی لے کر سانپ کے انتظار میں بیٹھ گیا اور جیسے ہی سانپ نے پتھر سے سر نکالا اس نے کہلاڑی سے اس پر وار کر دیا مگر حملہ پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا اور وہ صرف زخمی ہو گیا مرا نہیں۔

سانپ نے تیزی سے پلٹ کر جوابی حملہ کیا اور اس کلہاڑی سے حملہ کرنے والے کو ڈس کر ہلاک کر دیا اور واپس پتھر کے اندر گھس گیا۔ دوسرے بھائی نے اپنے ہلاک شدہ بھائی کو دفن کر دیا اور وہیں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ وہ سانپ اگلے دن پھر نکلا۔ مگر اس کے منہ میں کوئی دینار نہیں تھا اور اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ سانپ نکلتے ہی اس کی طرف لپکا مگر اس نے فوراً کہا کہ تجھ کو معلوم ہی ہے کہ میں نے اپنے بھائی کو اس اقدام سے منع کیا تھا اور تیرے قتل کرنے پر اس کا ہم خیال نہیں تھا مگر اس کم بخت نے میرا کہنا نہ مانا اور تم پر حملہ کر بیٹھا جس کے نتیجے میں اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ ان حالات کے تحت کیا یہ ممکن نہیں کہ تو مجھ کو کوئی نقصان نہ پہنچائے اور نہ میں تجھ کو کوئی نقصان پہنچاؤں۔ اور تم پھر اسی طرح مجھ پر مہربان ہو جاؤ جو تم نے چار دن تک ہم پر مہربانی کی تھی۔ لیکن سانپ نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ اس شخص نے پوچھا کہ انکار کی وجہ کیا ہے؟ سانپ نے جواب دیا کہ انکار کی وجہ یہ ہے کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تیرا دل میری طرف سے کبھی صاف نہ ہوگا کیونکہ میں نے تیرے بھائی کو مار ڈالا ہے اور تو اس کی قبر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور میرا دل بھی تیری طرف سے صاف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ میرے سر کا زخم مجھ کو اس صدمہ کی یاد دلاتا رہے گا جو تیرے بھائی کے ہاتھوں مجھ کو اُٹھانا پڑا۔ پھر اس سانپ نے (جو اصل میں جن تھا) نابغہ جعدی کا یہ شعر پڑھا ؎

وَ مَا لَقِيتُ ذَاتَ الصَّفَا مِنْ حَلِيفِهَا وَ كَانَتْ تَرَبِهِ الْمال رَباً و ظاهره

''اور میں اپنے حلیف سے کوئی نیک معاملہ نہیں دیکھ سکا حالانکہ میرا مال اس کی پرورش کرتا تھا اور اس کے ظاہر کا خبر گیر تھا۔''

حدیث کا انکار اور سانپ

رحلہ ابن صلاح اور تاریخ ابن نجار میں یوسف بن علی محمد زنجانی فقیہ شافعی المسلک کے ترجمہ میں مذکور ہے وہ فرماتے ہیں کہ شیخ ابو اسحاق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی امام ابوطیب سے بیان کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ بغداد کی جامع منصور میں بہت سے اہل علم کے ساتھ میں موجود تھا کہ ایک خراسانی آیا اور مسئلہ مصراۃ پر دلیل مانگنے لگا۔ چنانچہ کسی دلیل دینے والے نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے استدلال کیا جو صحیحین میں مذکور ہے تو اس نوجوان نے جواب میں کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت قابل قبول نہیں ہے۔ قاضی فرماتے ہیں کہ وہ نوجوان ابھی اپنی بات مکمل بھی نہیں کر پایا تھا کہ اس کے پاس ایک بڑا سانپ چھت سے آ کر گرا۔ لوگ اس سانپ سے ڈر کر

بھاگنے لگے۔ لیکن وہ سانپ سب کو چھوڑ کر اس خراسانی نوجوان پر حملہ آور ہوا اور اس کے پیچھے لگ گیا تو وہاں پر موجود کچھ لوگوں نے اس نوجوان سے کہا کہ توبہ کرلو۔ کیونکہ تم نے ابھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت پر شبہ کا اظہار کیا تھا یہ اسی کی سزا ہے۔ چنانچہ اس نوجوان نے فوراً توبہ کی تب وہ سانپ اس کے پیچھے سے غائب ہوا۔ یہ واقعہ مستند ہے اور اس کی نقل میں تین ائمہ موجود ہیں' یعنی قاضی ابو طیب' طبری' ابواسحاق اور ابوالقاسم زنجانی۔

اس واقعہ سے ملتا جلتا یہ واقعہ بھی ہے جو ابوالیمین کندی نے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم سے ابومنصور قزاز نے اور ان سے ابوبکر محمد بن قاسم نحوی نے ان سے کریمی نے اور ان سے یزید بن قرۃ الدرع نے عمر بن حبیب سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

ابن حبیب کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ہارون الرشید کی مجلس میں حاضر ہوا تو وہاں مصراۃ کا مسئلہ چھڑ گیا اور زور وشور سے بحث ہونے لگی۔ بعض حضرات نے اس روایت کو دلیل کے طور پر پیش کیا جو اس سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ فریق مخالف نے اس روایت کو قبول نہ کرتے ہوئے کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مقبول الروایت نہیں ہیں اور ان کے ساتھ ہارون الرشید نے بھی ان کی تائید کی تو میں نے آگے بڑھ کر پرزور الفاظ میں کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ثقہ ہیں۔

میرے یہ الفاظ سن کر ہارون نے مجھ کو گھورا تو میں مجلس سے اُٹھ کر گھر آ گیا۔ گھر پہنچ کر ابھی بیٹھا تھا کہ فوراً دروازے پر سپاہی آ گیا اور کہا کہ امیر المؤمنین نے حاضری کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ آپ ابھی میرے ساتھ تشریف لے چلئے۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کی مدافعت کی ہے اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جرم عظیم قرار دیا ہے کہ آپؐ کے صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم پر طعن وتشنیع کی جائے۔ پس اے اللہ رشید سے میری حفاظت فرما اور پھر میں ہارون الرشید کے دربار میں حاضر ہوا' تو دیکھا کہ وہ سونے کی کرسی پر آستین چڑھائے ہوئے ہاتھ میں تلوار لیے بیٹھا ہے اور اس کے سامنے نطع (وہ چمڑا جو مجرم کے قتل کے لیے بچھایا جاتا ہے) بچھا ہوا ہے۔ رشید نے مجھے دیکھ کر کہا کہ اے ابن حبیب آج تک کسی کی جرأت نہیں ہوئی کہ وہ میری بات کو اس طرح رد کردے اور جواب دے جس طرح تو نے کیا ہے۔ تو میں نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین جو آپ نے فرمایا تھا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے احکامات پر عیب لگتا ہے۔

رشید نے پوچھا کہ وہ کس طرح؟ میں نے جواب دیا کہ جب آپؐ کے صحابہ کرام غیر معتبر ہو جائیں گے تو پوری شریعت باطل ہو جائے گی اور تمام فرائض نماز' روزہ' حج' نکاح' طلاق وحدود وغیرہ کے سب احکام غلط اور باطل ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ سب کچھ انہی کے واسطے سے ہم تک پہنچا ہے اور ان کے علاوہ معرفت دین کے لیے ہمارے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ رشید نے یہ سن کر کہا کہ خدا کی قسم! اے ابن حبیب تم نے تو مجھے زندگی بخشی ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے زندگی عطا فرمائے۔ اور پھر مجھے دس ہزار درہم انعام دیئے جانے کا حکم دیا۔

اسی واقعہ کے مثل ایک اور واقعہ بھی ہے جو باب القاف میں قرد کے بیان میں اس شخص سے متعلق آئے گا جو حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا کرتا تھا اس حال میں کہ وہ منبر پر ہوتے تھے۔

تتمہ

طارق ابن شباب زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میراث کے بہت سے مقدموں میں دادا کو بھائیوں کے مثل قرار دے کر فیصلے کیے۔ پھر آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جمع فرمایا اور لکھنے کے لیے لوہے کا ایک پترہ کا ٹکڑا لیا۔ حضرات صحابہ کرام یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اب میراث کے سلسلہ میں دادا کو باپ کے مثل قرار دیں گے لیکن ابھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ لکھنے کی تیاری ہی کر رہے تھے کہ ایک سانپ نمودار ہوا جس کی وجہ سے تمام صحابہ منتشر ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ

چاہتا ہے کہ میں اس فیصلہ کو نافذ کروں تو میں ضرور نافذ کروں گا۔ پھر آپ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے اور اجازت طلب فرما کر گھر میں چلے گئے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس وقت ایک باندی سے سر میں تیل لگوا رہے تھے۔ پس حضرت زید رضی اللہ عنہ نے باندی کو ہٹ جانے کا حکم فرمایا اور کہا کہ آپ قاصد بھیج دیتے میں خود حاضر ہو جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ باندی سے اپنا کام کروایئے، مجھے ضرورت تھی لہٰذا میں خود آپ کے پاس آیا ہوں اور میرا ارادہ ہے کہ (دادا کی میراث کے مسئلہ کے متعلق) میں دادا کو باپ کے قائم مقام کردوں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری رائے اس سے مختلف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر غصہ کی حالت میں واپس آ گئے۔ اور پھر آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ کے متعلق اپنی رائے ایک لکڑی کے ٹکڑے پر لکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کر دی اور ایک درخت کی مثال سے وضاحت کی کہ مثلاً کوئی درخت ایک تنے پر اُگے اور پھر اس سے ایک شاخ نکلے اور پھر اس شاخ سے ایک اور شاخ نکلے تو یہ تنا تمام شاخوں کو سیراب کرتا ہے۔ پس اگر پہلی ہی شاخ کو کاٹنا چاہیں تو پانی دوسری شاخ کی جانب لوٹ جاتا ہے اور اگر دوسری شاخ کو کاٹا جائے تو پانی پہلی شاخ کی جانب لوٹ جاتا ہے۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کا مراسلہ پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب فرماتے ہوئے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا مراسلہ پڑھ کر سنایا اور فرمایا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دادا کے مسئلہ میں یہ رائے دی ہے اور میں اس کو نافذ کرتا ہوں۔

تکملہ

امام حافظ ابوعمر بن عبدالبر وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ابوخراش ہذلی (جن کا اصل نام خویلد بن مرہ تھا) کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سانپ کے کاٹنے کی وجہ سے ہوئی۔

ابوعمر کہتے ہیں کہ ابوخراش اس قدر تیز رفتار دوڑتے تھے کہ بعض دفعہ انہوں نے گھوڑوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ ان کا ایک شعر یہ ہے ؎

رَقَوْنِیْ وَ قَالُوْا یَا خُوَیْلَدُ لَا تَرُعْ   فَقُلْتُ وَ اَنْکَرْتُ الْوُجُوْہُ ہُمْ ہُمْ

''جھاڑنے والوں نے مجھ کو سانپ کے کاٹے سے جھاڑا اور کہنے لگے کہ اے خویلد ڈرو مت (تم اچھے ہو جاؤ گے) میں نے کہا میرا خیال تو یہ ہے کہ میں صورتوں کو نہیں پہچانتا اور نیند کی وجہ سے میرا سر نیچے کو جھکا جاتا ہے۔''

ابوخراش مسلمان ہو گئے تھے اور انہوں نے اسلامی احکامات کی سختی سے پابندی کی تھی۔ آپ کی وفات کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک بار کچھ یمنی لوگ جو کہ حج کو جا رہے تھے آپ کے یہاں مقیم ہوئے اور چونکہ پانی آپ کے گھر سے کافی دور تھا اور اس وقت آپ کے گھر میں پانی بھی ختم تھا اس لیے آپ نے ان یمنی مہمانوں کو ایک رسی مشک اور ایک بکری دے کر کہا کہ آج گھر میں اتفاق سے پانی ختم ہے اس لیے آپ فلاں جگہ سے پانی لے کر اس بکری کو ذبح کر کے پکا لینا اور جب آپ وہاں سے واپس آنے لگیں تو یہ مشک اور رسی کنوئیں پر ہی چھوڑ آنا۔ صبح کو یہاں سے جا کر کوئی لے آئے گا۔ مہمانوں نے کہا کہ بخدا ہم آج کی رات بالکل سفر نہیں کریں گے حتیٰ کہ پانی بھی نہیں لائیں گے۔

چنانچہ ابوخراش خود ہی رسی اور مشک لے کر کنوئیں کی طرف دوڑے تاکہ مہمانوں کو پانی لا دیں اور کنوئیں پر پہنچ کر پانی بھر کر گھر کی طرف واپس ہوئے لیکن گھر پر پہنچنے اور مہمانوں کو پانی دینے سے پہلے ہی آپ کو ایک سانپ نے ڈس لیا۔ آپ تیزی سے گھر پہنچے اور مہمانوں کو پانی دے کر کہا کہ لو جلدی سے بکری ذبح کر لو۔ مگر آپ نے ان کو یہ نہیں بتایا کہ ان کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ چنانچہ مہمانوں

نے وہ بکری ذبح کر کے پکائی اور خوب سیر ہو کر کھائی یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ ادھر ابو خراش نے بھی بستر مرگ پر صبح کی۔ مہمانوں کو جب معلوم ہوا تو وہ تدفین وغیرہ میں شریک ہو کر واپس روانہ ہو گئے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ کی وفات کی خبر ملی اور معلوم ہوا کہ یمنی مہمان آپ کی وفات کا سبب بنے تو آپ کو سخت غصہ آیا اور فرمایا کہ اگر مہمان نوازی سنت نہ ہوتی تو میں یہ حکم نافذ کر دیتا کہ آئندہ کسی یمنی کو ہرگز مہمان نہ رکھا جائے اور اس حکم کو تمام ممالک اسلامیہ میں شائع کرا دیتا۔ پھر آپ نے اپنے عامل یمن کے نام ایک حکم نامہ ارسال فرمایا کہ جب یہ مہمان حج کر کے واپس آئیں تو ان سے ابو خراش کی دیت وصول کی جائے اور تادیباً ان کو سزا بھی دی جائے۔

سانپ اور صندوق ایک عجیب واقعہ

قاضی امام شمس الدین احمد بن خلکان نے وفیات الاعیان میں عماد الدولہ ابوالحسن علی بن بویہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے والد مچھلی کے شکاری تھے اور ان کا ذریعہ معاش سوائے شکار کے اور کچھ نہ تھا۔ ان کے تین لڑکے تھے۔ سب سے بڑے عماد الدولہ' ان سے چھوٹے رکن الدولہ اور سب سے چھوٹے معز الدولہ تھے۔ یہ تینوں لڑکے بادشاہ ہوئے ہیں اور عماد الدولہ ان دونوں کی خوش حالی اور شہرت کا سبب بنے۔ عماد الدولہ کی مملکت میں عراق' عرب وعجم اور اہواز و فارس وغیرہ شامل تھے۔ آپ نے رعایا پروری میں حسن تدبیر سے کام لیا۔

ابن خلکان فرماتے ہیں کہ عماد الدولہ کو ایک مرتبہ ایک عجیب اتفاق پیش آیا کہ جب شیراز اُن کے قبضہ میں آیا تو ان کے رفقاء ان کے پاس آ کر جمع ہوئے اور ان سے مال کے خواستگار ہوئے۔ عماد الدولہ کے پاس اس وقت مال نہیں تھا کہ جو دے کر اُن کو راضی کر لیتے۔ چنانچہ اس فکر کی وجہ سے عماد الدولہ کی ہمت پست ہو گئی۔ چنانچہ وہ اسی فکر میں مبتلا اُٹھ کر ایک دوسرے کمرے میں جو کہ خالی تھا چلے گئے اور کوئی تدبیر سوچنے لگے۔ لیکن جب کوئی تدبیر ذہن میں نہ آئی تو پھر واپس مصاحبوں میں آ گئے۔ اس طرح کئی دن گزر گئے اور رفقاء مال کے لیے تقاضا کرنے لگے تو عماد الدولہ پھر اسی کمرے میں آ کر لیٹ گئے اور کوئی تدبیر سوچنے لگے۔ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اچانک ان کی نگاہ ایک سانپ پر پڑی جو کمرے کی چھت کے ایک شگاف سے نکلا اور دوسرے شگاف میں داخل ہو گیا۔ آپ کو ڈر ہوا کہ کہیں یہ سانپ مجھ پر نہ گر پڑے۔ اس لیے آپ اُٹھے اور فراشوں کو بلا کر ان سے سیڑھی منگوائی اور ان کو حکم دیا کہ اس سیڑھی پر چڑھ کر دیکھو کہ وہ سانپ کہاں گیا؟ فراشوں نے سیڑھی پر چڑھ کر دیکھ بھال شروع کی تو معلوم ہوا کہ اس چھت میں اور دوسری چھت (جو اس سے ملی ہوئی ہے) کے درمیان ایک کھڑکی لگی ہوئی ہے۔ فراشوں نے عماد الدولہ کو اس کی خبر دی۔ انہوں نے اس کو کھولنے کا حکم دیا۔ چنانچہ جب اس کھڑکی کو کھولا گیا تو اس کے اندر صندوق رکھے ہوئے نظر آئے۔

عماد الدولہ نے صندوقوں کو کھولنے کا حکم دیا۔ جب ان کو کھولا گیا تو ان کے اندر سے پانچ لاکھ دینار کی رقم برآمد ہوئی جو عماد الدولہ کے سامنے رکھ دی گئی۔ یہ دیکھ کر عماد الدولہ بہت خوش ہوئے اور اپنے رفقاء کو بلا کر ان کے مطالبات پورے کر دیئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے بگڑے کام کا پھر بنا دیا۔ ان صندوقوں میں ان دیناروں کے علاوہ عمدہ قسم کے کافی تعداد میں کپڑوں کے تھان بھی بھرے ہوئے تھے۔ پھر عماد الدولہ نے ان تھانوں کو جو صندوقوں سے برآمد ہوئے تھے پہننے کے کپڑے سلوانے کے لیے ایک تجربہ کار درزی کی تلاش شروع کی تو لوگوں نے کہا کہ جو درزی سابق بادشاہ کے کپڑے سیتا تھا اس سے اچھا اور کوئی درزی یہاں نہیں ہے۔

چنانچہ عماد الدولہ نے اس درزی کو بلانے کا حکم دیا جو کہ شہر میں کہیں رہتا تھا۔ اتفاق سے یہ درزی بہرہ تھا اور اس کے پاس سابق بادشاہ کی کچھ امانت رکھی ہوئی تھی۔ عماد الدولہ کے بلانے پر اس نے سمجھا کہ کسی چغل خور نے عماد الدولہ سے چغلی کر دی ہے اور اس کو سابق

بادشاہ کی امانت کا پتہ چل گیا ہے۔ چنانچہ جب اسے عمادالدولہ کے سامنے حاضر کیا گیا اور عمادالدولہ نے اس سے کپڑے کو ناپنے کے لیے کہا تو وہ بہرہ ہونے کی وجہ سے سمجھ نہ سکا۔ اور جلدی سے بولا کہ خدا کی قسم! میرے پاس تو صرف بارہ صندوق ہیں اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ ان کے اندر کیا ہے۔ عمادالدولہ نے جب درزی کی زبانی یہ الفاظ سنے تو اس کو بہت حیرت ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے چند آدمیوں کو درزی کے ساتھ روانہ کر دیا اور کہا کہ وہ صندوق اُٹھا لاؤ۔ چنانچہ درزی نے گھر جا کر ان صندوقوں کو ان آدمیوں کے حوالے کر دیا اور ان آدمیوں نے عمادالدولہ کے سامنے لا کر جب ان کے حکم سے ان صندوقوں کو کھولا تو معلوم ہوا کہ یہ صندوق قسم قسم کے قیمتی کپڑوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس طرح عمادالدولہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ مزید احسان فرمایا۔ عمادالدولہ کی وفات ۳۳۸ھ میں ہوئی ہے۔

ایک مسئلہ

گھروں میں جو سانپ نکلتے ہیں ان کو دیکھتے ہی نہ مارا جائے۔ بلکہ تین دن تک ان کو تنبیہ کیا جائے۔ کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ میں کچھ جن مسلمان ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اگر گھر میں سانپ دیکھو تو اس کو تین دن تک مہلت دو۔ بعض علماء نے اس حدیث کو صرف مدینہ منورہ کے لیے محدود کر رکھا ہے۔ مگر علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے اور ہر شہر میں اس پر عمل ہو سکتا ہے۔ تنبیہ کے الفاظ یہ ہیں، یعنی ان الفاظ سے سانپ کو تنبیہ کی جائے:

اَنْشِدُ کُنَّ بِالْعَهْدِ الَّذِیْ اَخَذَهٗ عَلَیْکُنَّ نُوْحٌ وَسُلَیْمَانُ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ اَنْ لَا تُبْدُوْلَنَا وَلَا تُؤْذُوْنَا.

''یعنی میں تم کو وہ عہد یاد دلاتا ہوں جو حضرت نوح اور حضرت سلیمان علیہم السلام نے تم سے لیا تھا کہ تم ہمارے سامنے نہ آؤ نہ ہم کو ستاؤ۔''

ایک آزمودہ عمل

بعض مشائخ سے منقول ہے کہ کاغذ کے چار ٹکڑوں پر مندرجہ ذیل حروف لکھ کر گھر کے چاروں کونوں میں ایک ایک کاغذ رکھ دیں ان شاءاللہ اس سے سانپ بھاگ جائیں گے اور کوئی بھی سانپ گھر میں داخل نہیں ہوگا۔ حروف یہ ہیں:

۱۱۶　۸۱۱۱　ے　ارح۵۵　۱۱ے　۵　۱۱۰۱۱　وو　ے

وو۱۵　بروا۱م　۱۱ح　۱۱۱　ح　ط　ہ　ھ　۸

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ مندرجہ ذیل عمل سانپوں کو بھاگنے کے لیے مجرب ہے اور مجھ کو میرے بعض مشائخ سے ملا ہے اور بارہا اس کو آزمایا جا چکا ہے۔

سانپ کا شرعی حکم

سانپ ضرر کی وجہ سے حرام ہے۔ اسی طرح وہ تریاق جو سانپ کے گوشت سے تیار کیا جاتا ہے۔ اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ لیکن دریا میں جو مچھلی سانپ کے مشابہ ہوتی ہے اس کا کھانا جائز ہے۔ یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔

(حنفیہ کے نزدیک تداوی بالحرام (حرام چیزوں سے علاج) میں فقہا کا اختلاف ہے۔ بعض نے مطلقاً حرام کہا ہے اور بعض بشرط ضرورت یعنی اس شرط پر کہ باخبار طبیب حاذق مسلم یہ معلوم ہو کہ اس مرض کی اور کوئی دوا نہیں اور اس میں شفا مظنون ہے، جائز رکھتے ہیں۔ کمافی الدرالمختار)

آپؐ نے سانپ کو مارنے کا جو حکم دیا ہے وہ استحباب پر محمول ہوگا۔

احادیث میں سانپوں کے مارنے کا حکم

بخاری، مسلم، نسائی وغیرہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے نقل فرماتے ہیں:

''ہم منیٰ میں آنحضور کے ساتھ ایک غار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ پر اس وقت سورۂ مرسلات نازل ہوئی ہم اس کو حضور ﷺ کی زبان مبارک سے رغبت کے ساتھ سن رہے تھے کہ یکا یک ایک سانپ نمودار ہوا۔ آپؐ نے اسے مارنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم اس کو مارنے کے لیے دوڑے مگر وہ ہم سے بچ کر نکل گیا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ خیر تم اس کے شر سے بچ گئے اور وہ تمہارے شر سے بچ گیا۔''

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جب سے ہماری ان سانپوں سے دشمنی ہوئی ہے ہم ان سے محفوظ نہیں رہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو سانپ کو مارتے نہیں بلکہ چھوڑ دے وہ مسلمان نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس شخص نے سانپ کو اس ڈر سے کہ وہ ہم سے بدلہ لے گا، بغیر مارے ہوئے چھوڑ دیا تو اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔''

سنن بیہقی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سانپ، بچھو، چوہا، کوا سب خدا کے نافرمان ہیں۔''

مسند امام احمد میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے سانپ کو مار ڈالا تو اس نے گویا مشرک کو مار ڈالا اور جو اس کو انجام (بدلہ) کے ڈر کی وجہ سے چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سانپ ممسوخ ہیں جیسا کہ بنی اسرائیل بندروں کی صورت میں مسخ کر دیئے گئے تھے۔

امام مسلمؒ اور امام مالکؒ نے مؤطا کے آخر میں اور دیگر محدثین نے ابو سائب مولی ہشام بن زہرہ سے روایت کی ہے:

''فرماتے ہیں کہ: میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ چنانچہ میں آپ کی نماز سے فارغ ہونے کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں، میں نے ایک چار پائی کے نیچے جو مکان کے ایک گوشہ میں بچھی ہوئی تھی کسی چیز کی سرسراہٹ سنی۔ دیکھا تو سانپ ہے، میں اسے مارنے کے لیے اُٹھا۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھتے ہی انگلی کے اشارے سے منع فرمایا۔ چنانچہ میں رُک گیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے گھر کے ایک کمرے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم نے اس کمرے کو دیکھا؟ میں نے کہا کہ جی ہاں! اس کے بعد کہنے لگے کہ اس کمرے میں ہمارے گھرانے کا نوجوان جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی رہا کرتا تھا۔ ہم لوگ معہ اس نوجوان کے غزوۂ خندق کے سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ مدینہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ یہ نوجوان نصف النہار (دوپہر) کے وقت رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر گھر آجاتا اور پھر لوٹ جاتا۔ ایک دن اس نے جب آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپؐ نے فرمایا کہ جب جایا کرو تو اپنے ہتھیار اپنے ساتھ لے جایا کرو۔ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں بنی قریظہ تمہیں زک پہنچا دیں۔

چنانچہ اس نے اپنا نیزہ اپنے ساتھ لے لیا۔ جب وہ گھر پہنچا تو بیوی کو دیکھا کہ دروازے پر کھڑی ہے۔ یہ دیکھ کر اس کو غیرت آئی اور بیوی کو مارنے کے لیے اپنا نیزہ سیدھا کر لیا۔ اس نے کہا کہ ہاتھ تھام لو اور ذرا گھر میں چل کر دیکھو کہ کیا معاملہ ہے اور میں کس وجہ سے گھر سے باہر کھڑی ہوں چنانچہ جب وہ اندر گیا تو دیکھا کہ ایک بڑا سانپ کنڈلی مارے ہوئے بستر پر بیٹھا ہوا ہے۔ نوجوان نے اس سانپ کو نیزہ پر باندھ کر گھر میں نیزہ کھڑا کر دیا۔ سانپ نے تڑپ کر اس نوجوان کو کاٹ لیا۔ اور نوجوان فوراً مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔ سانپ بھی مر گیا مگر یہ معلوم نہیں کہ پہلے کون مرا؟ سانپ یا نوجوان!

ہم آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کی اطلاع کی اور عرض کیا کہ آپؐ اس نوجوان کے لیے زندہ ہونے کی دُعا فرما دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا تم اپنے رفیق کے لیے مغفرت کی دُعا کرو (گویا آپؐ اس کی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے) پھر فرمایا کہ مدینہ میں کچھ جنات ہیں جو اسلام لے آئے ہیں۔ لہٰذا جب تم کسی سانپ کو گھر میں دیکھو تو مارنے سے پہلے تین دن تک اس کو تنبیہ کرو اور اگر اس کے بعد وہ تمہارے سامنے آئے تو مار ڈالو کیونکہ یقیناً پھر وہ شیطان ہے۔''

علماء کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ مدت مہلت تین مرتبہ ان کو تنبیہ کرنا ہے یا تین دن تک تنبیہ کرنا ہے۔ اصح قول یہ ہے کہ تین دن تک تنبیہ کرتے رہیں۔

اسد الغابہ میں عبدالرحمٰن بن ابویعلیٰ سے یہ روایت مروی ہے:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سانپ گھر میں دکھائی دے تو اس سے بآواز بلند کہو کہ تجھے اپنا وعدہ یاد رکھنا چاہیے کہ تو نے نوح اور سلیمان علیہما السلام سے کیا تھا۔ اگر اس کے بعد بھی وہ نظر آئے تو پھر مار ڈالو۔''

حافظ ابوعمر ابن عبدالبر روایت کرتے ہیں:

''عقبہ ابن عامر بن نافع آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پیدا ہوئے اور یہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ جب انہوں نے افریقہ کو فتح کیا تو قیروان نامی جگہ کو جہاں سانپ بے حد تھے انہوں نے بآواز بلند اعلان کیا کہ وادی کے باشندو! ہم اس علاقہ میں اب قیام کریں گے لہٰذا تم یہ علاقہ خالی کر دو۔ آپ کے اس اعلان کے بعد عجیب منظر دیکھنے میں آیا کہ ہر پتھر اور درخت کی جڑ میں سے سانپ نکلتے اور وادی چھوڑ کر دوسرے علاقے میں جاتے تھے۔ جب پورا علاقہ سانپوں سے خالی ہو گیا تو عقبہ اپنے ساتھیوں سے بولے بسم اللہ اب قیام کرو۔''

حضرت عقبہ بن عامر مستجاب الدعوات تھے۔

علماء احناف فرماتے ہیں کہ سفید سانپ کو مارنا نہیں چاہیے کیونکہ یہ جن ہوتا ہے۔ مگر امام طحاوی فرماتے ہیں کہ تمام سانپوں کو مارنے میں کوئی حرج نہیں مگر اولیٰ یہی ہے کہ پہلے ان کو تنبیہ کر دی جائے۔

ایک فقہی مسئلہ نمبر ا

کتاب احیاء میں آداب سفر کے باب میں لکھا ہے کہ یہ بات مستحب ہے کہ جب کوئی شخص سفر یا حضر میں موزہ پہنے تو اس کو پہلے جھاڑ لے تا کہ سانپ اور بچھو کے کاٹنے کے ممکنہ خطرہ سے بچا جا سکے۔ اس مسئلہ کی دلیل ابوامامہ باہلی کی وہ حدیث ہے جو ہم باب الغین میں لفظ غراب کے تحت ذکر کریں گے ان شاء اللہ۔

مسئلہ نمبر ۲

''اگر کوئی سپیرا سانپ کو پکڑ لے جیسا کہ ان کی عادت ہے اور سانپ اس کو کاٹ لے جس سے وہ سپیرا ہلاک ہو جائے تو وہ سپیرا گناہ گار ہوگا یا نہیں؟ فتاویٰ امام نووی میں اس مسئلہ کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اگر اس نے سانپ کو اس نیت سے پکڑا ہے کہ لوگ اس کے فن پر اعتماد کرنے لگیں اور وہ اس فن پر ماہر بھی ہو اور گمان غالب یہ ہے کہ وہ سانپ سے محفوظ رہے گا۔ اس کے باوجود سانپ کے ڈسنے سے اس کا انتقال ہو جائے تو گناہ گار نہیں ہوگا۔ نیز اگر سپیرے سے کوئی سانپ چھوٹ کر کسی کو نقصان پہنچا دے تو سپیرے سے کوئی ضمان نہیں لیا جائے گا۔''

امام احمد زہد میں لکھتے ہیں کہ ایک سپیرا جس کے پاس پٹارے میں چند سانپ تھے یمن میں کسی کے یہاں مہمان ہوا۔ پس رات کو ایک سانپ پٹارے سے نکلا اور گھر کے کسی فرد کو ڈس کر ہلاک کر دیا۔ یمن کے گورنر نے یہ واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس لکھ کر حکم دریافت کیا تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ سپیرے پر کوئی ضمان نہیں البتہ تاکید کر دی جائے کہ آئندہ کسی کے گھر میں مہمان ہو تو اہل خانہ کو مطلع کر دے کہ میرے ساتھ سانپ ہیں۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے یہ روایت منقول ہے:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے میری دستار کا شملہ پکڑا اور فرمایا کہ عمران اللہ تعالیٰ کو اس کی راہ میں خرچ کرنا بے پسند ہے اور بخل ناپسند ہے اس لیے تم کھاؤ' کھلاؤ' اگر تم نے ہاتھ روک لیا تو اللہ تعالیٰ رزق کے دروازے بند کر دے گا اور یہ بھی یاد رہے کہ جب شبہات کا ہجوم ہو تو اللہ تعالیٰ کو بصیرت پر مبنی فیصلے پسند ہیں اور جب مصائب گھیر لیں تو عقل کی راہنمائی انہیں محبوب ہے اور سخاوت اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اگر چہ کھجوریں ہی دی جائیں اور دلیری کو بھی محبوب رکھتے ہیں اگر چہ ایک سانپ ہی مارا جائے۔''

انسان اور سانپ کی عداوت مشہور ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُو. ''اتر جاؤ (زمین پر) اس حال میں کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔''

چنانچہ جمہور علماء کا قول ہے کہ یہ خطاب حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو تھا اور اس میں سانپ اور ابلیس بھی شامل ہیں۔

ضرب الامثال

اہل عرب چستی و چالاکی کی مثال دیتے ہوئے بولتے ہیں: فَلَانَ اَسْمَعَ مِنْ حَيَّةٍ وَاَعْدیٰ مِنْ حَيَّةٍ. اعدی عدو سے ماخوذ ہے جس کے معنی دوڑنے کے ہیں۔ کیونکہ سانپ کو جب کوئی خطرہ محسوس ہوتا ہے تو انتہائی سرعت کے ساتھ اپنے بل میں داخل ہو جاتا ہے۔

احادیث میں بھی سانپ سے مثال دی گئی ہے۔ چنانچہ امام بخاری اور مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام نامانوس ماحول میں رونما ہوا اور عنقریب نامانوس سا ہی ہو جائے گا اور صرف مکہ اور مدینہ میں سمٹ کر رہ جائے گا۔''

حدیث شریف میں ''مسجدین'' سے مراد مسجد حرام اور مسجد نبویؐ ہیں اور ''یارز'' نیضم (ملنا کے معنی میں ہے۔ اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آخر وقت میں مومن کا ایمان آپؐ کی محبت اس کو مدینہ کھینچ لائے گی۔ نیز اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ مدینہ طیبہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا اور اسلام مدینہ میں شان و شوکت کے ساتھ باقی رہے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے لوگوں کا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب

رجوع مراد ہو۔ نیز یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ علم دین اس وقت صرف علماء اور ائمہ مدینہ سے ہی حاصل کیا جائے گا۔ ان شاءاللہ باب المیم میں لفظ مطیہ کے ذیل میں ترمذی کی یہ حدیث نقل کریں گے۔

''آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ لوگ طلب علم میں دور دراز کے سفر کریں گے مگر کہیں صحیح معنوں میں عالم نہیں ملے گا بجز مدینہ کے۔''

کسی چیز کی کراہت کو بیان کرنے کے لیے بولتے ہیں: **من ریح السذاب الی الحیات.** کیونکہ مشہور ہے کہ (سذاب) گندھک کی بدبو سانپ کو سخت ناگوار لگتی ہے۔

اور جب کسی چھوٹے (کمزور) کا مقابلہ کسی بڑے (طاقتور) سے ہو تو کہتے ہیں: **الحیة من الحیة.** اور کبھی اس طرح بھی کہتے ہیں: **الحیوت من الحیة۔**

طبی خواص

عیسیٰ بن علی لکھتے ہیں کہ اگر زندہ سانپ کے ناب (دانت) اکھاڑ کر کسی ایسے شخص کے گلے میں ڈال دیئے جائیں جس کو چوتھیا بخار نے ستا رکھا ہو تو ان شاءاللہ بخار پھر نہیں آئے گا۔ نیز ایسا کرنا دانتوں کے درد کے لیے بھی مفید ہے۔ سانپ کا گوشت حواس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے گوشت کا شوربہ بینائی کو تیز کرتا ہے۔ سانپ کا گوشت سخت اور گرم ہوتا ہے۔ خون کو صاف کرتا ہے اور بہت سے بیماریوں میں مفید ہے۔ سانپ کی کھال کو اگر اونی کپڑوں کے ساتھ رکھ دیا جائے تو کپڑے خراب نہیں ہوتے اور کیڑے وغیرہ سے محفوظ رہتے ہیں اور اگر اس کی کھال کو جلانے کے بعد زیتون کے تیل میں ملا کر درد والے دانت یا داڑھ پر لگایا جائے تو فوراً فائدہ ہوگا۔ اسی طرح اس کی کھال سر کے ساتھ پیس کر گنج والے شخص کے سر پر لیپ کیا جائے تو نئے اور صحت مند بال اُگ آئیں گے۔

سانپ کی کھال اور بھنے ہوئے باز کی دھونی بھی بواسیر کے لیے مفید ہے۔ سانپ کے انڈے کو سہاگہ اور سرکہ میں پیس کر اگر ایسے شخص کو مالش کی جائے جو تازہ تازہ برص کا مریض ہو تو اس کا برص ختم ہو جائے گا۔ سانپ کی کھال کو تین کھجوروں کے ساتھ خوب ملا کر اگر اس شخص کو کھلایا جائے جو پھوڑے اور پھنسیوں کا مریض ہو تو ان شاءاللہ شفا ہوگی اور اگر صحت مند آدمی بھی کھالے تو اس کو آئندہ کبھی پھوڑے پھنسیوں کی بیماری نہ ہوگی۔ سانپ کے دل کو چوتھیا بخار والے مریض کے گلے میں ڈالنے سے فائدہ ہوگا۔

فائدہ: ابن شیبہ وغیرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک بوڑھا شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ اس کی آنکھیں سفید اور بے نور ہو چکی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تمہاری آنکھوں کو کیا ہوگیا؟ تو اس نے جواب دیا کہ میرا پیر ایک دفعہ ایک سانپ کے انڈے پر رکھا گیا اور یہ میری لاعلمی میں ہوا۔ اس وجہ سے میری بینائی ختم ہوگئی۔

آپؐ نے یہ سن کر اس کی آنکھوں میں لعاب مبارک لگا دیا۔ پس اس کی آنکھوں میں روشنی آگئی اور اس قدر تیز بینائی ہوئی کہ اسی سال کی عمر میں جبکہ ان کی آنکھیں سفید ہو چکی تھیں وہ سوئی میں دھاگہ پرونے لگا۔

خواب میں سانپ کی تعبیر

خواب میں سانپ کی تعبیر مختلف طریقہ سے دی جاتی ہے۔ مثلاً دشمن، دولت، زندگی، سیلاب، عورت اور اولاد وغیرہ۔

اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ سانپ سے لڑ رہا ہے اور سانپ اس کو ڈسنے کی فکر میں ہے تو اس کی تعبیر دشمن سے دی جائے گی۔ جیسا کہ قرآن کریم میں سانپ کو دشمن سے تعبیر کیا گیا ہے اور اگر خواب میں یہ دیکھے کہ سانپ کو پکڑ لیا اور اس پر غالب آگیا اور جس طرح

چاہتا ہے اس کو بے بس کر دیتا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ صاحب خواب کو دولت اور فتح نصیب ہوگی۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سانپ کے ذریعہ فرعون کو شکست دی تھی اور اگر کوئی خواب میں یہ دیکھے کہ اس کے منہ سے سانپ نکلا ہے اور خواب دیکھنے والا مریض ہو تو یہ اس کی موت کی جانب اشارہ ہے کیونکہ حیہ (سانپ) اور حیات (زندگی) ایک ہی مادہ سے ہیں اور اگر درختوں اور کھیتوں میں سانپ پھرتے نظر آئیں تو اس کی تعبیر اس کی بیوی کی موت ہے۔

اور اگر کوئی شخص اپنی حاملہ بیوی کو سانپ جنتے ہوئے دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی اولاد نافرمان ہوگی اور اگر کوئی شخص خواب میں سانپ کو مردہ دیکھے تو اس سے مراد دشمن ہے جس کے شر سے اللہ تعالیٰ نے اس کو محفوظ فرما دیا۔ اور جس شخص کو خواب میں سانپ ڈس لے اور ڈسنے کی جگہ پر ورم آ جائے تو اس کی تعبیر مال ہے جو اس شخص کو عنقریب ملے گا۔ کیونکہ زہر سے مال اور ورم سے زیادتی مال مراد ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص خواب میں سانپ کا گوشت کھائے' اس کی تعبیر یہ ہے کہ صاحب خواب کو اپنے دشمن کے مال و دولت پر تصرف حاصل ہوگا اور اگر یہ دیکھا کہ وہ سانپ کا کچا گوشت کھا رہا ہے تو اس کی تعبیر اس کا دشمن ہے جو غائب ہو جائے گا۔ اور اگر خواب میں یہ دیکھا کہ اس کے گھر کی چھت سے کوئی سانپ گرا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے گھر کا کوئی معزز فرد انتقال کر جائے گا اور اگر کسی نے خواب میں سانپ کو نگل لیا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ عنقریب اس کو سلطنت حاصل ہوگی۔

سانپوں کے ساتھ اختلاط دیکھا اور اس سے اس کو کوئی نقصان نہ ہوا تو یہ اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ وہ اپنے دشمن سے مامون رہے گا۔ اور اگر خواب میں یہ دیکھے کہ کسی کے گھر سے سانپ غائب ہو گیا تو اس کی تعبیر اس گھر میں کثرت اموات اور وباء سے ہوگی۔ کیونکہ سانپ سے زندگی مراد ہوتی ہے۔ اگر قیدی اپنے آپ کو سانپوں میں گھرا ہوا دیکھے اور ان سے مامون رہے تو یہ اس کی رہائی کی جانب اشارہ ہے۔ راستہ میں سانپوں کو اس حالت میں دیکھنا کہ وہ پھنکاروں سے لوگوں کو روک رہے ہوں تو اس سے بادشاہ کا ظلم مراد ہے۔ اور اگر کوئی شخص خواب میں سانپ سے کلام کرے تو اس کو خوشی و مسرت حاصل ہوگی۔ کالے سانپ کو خواب میں دیکھنا قوی دشمن کی جانب اشارہ ہے اور اگر کوئی شخص خواب میں کالے سانپ کو قبضہ میں کر لے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سلطنت اور ولایت حاصل کرے گا۔

سفید سانپوں کا خواب میں دیکھنا کمزور دشمن کی جانب اشارہ ہے۔ اژدہے سے اہل و عیال اور بیوی کی عداوت مراد ہوتی ہے اور کبھی اژدہے سے حاسد پڑوسی مراد ہوتا ہے۔ تنین سانپ کا خواب میں دیکھنا خطرناک اور ظالم حکمراں پر دلیل ہے اور کبھی اس سے آگ مراد ہوتی ہے۔ اصلہ سانپ کو خواب میں دیکھنا حسب و نسب والی عورت کی جانب اشارہ ہے۔ شجاع سانپ سے خرچیلی عورت یا جسارت مند لڑکا مراد ہوتا ہے۔ افعیٰ سانپ کی تعبیر مال دار قوم سے دی جاتی ہے۔ ان کے زہر کی کثرت کی وجہ سے گھریلو سانپ کی تعبیر راہزن سے کی جاتی ہے۔ پانی کے سانپ کی تعبیر مال ہے۔ لہٰذا جو شخص خواب میں پانی کے سانپ کو پکڑ لے تو اس کی تعبیر عنقریب ملنے والے مال سے کی جاتی ہے۔ اگر خواب میں سانپ پیٹ کے اندر معلوم ہو یا پیٹ کے اندر دکھائی دے تو اس سے خاندان اور اقارب میں سے کوئی دشمن مراد ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

الحیوت

الحیوت: حیوت بروزن ''سفود'' مذکر سانپ کو کہتے ہیں۔

الحیدوان

الحیدوان: (قمری) اس کا تفصیلی تذکرہ باب الواؤ میں آئے گا۔ ان شاءاللہ

الحیقطان

الحیقطان: قاف پر ضمہ۔ مرغ کو کہتے ہیں۔

اَلْحَیْوَانُ

(ہر وہ چیز جس میں زندگی اور حرکت پائی جاتی ہے)

حیوان جنت کے ایک پانی کا نام بھی ہے جیسا کہ ابن سیدہ نے بیان کیا ہے اور حیوان نامی چوتھے آسمان پر ایک نہر بھی ہے اور ہر روز اس نہر میں ایک فرشتہ غوطہ لگاتا ہے اور پھر نکل کر اپنے پروں کو جھاڑتا ہے۔ جس سے ستر ہزار پانی کے قطرے گرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر قطرے سے ایک فرشتہ پیدا فرماتے ہیں۔ اس طرح ستر ہزار فرشتے روزانہ وجود میں آتے ہیں۔ پھر ان کو حکم ہوتا ہے کہ بیت المعمور کا طواف کریں۔ چنانچہ جب وہ ایک مرتبہ طواف کر لیتے ہیں تو پھر دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔ پھر ان کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان ٹھہر کر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہیں۔

یہ روایت روح بن جناح مولیٰ ولید بن عبدالملک بیان کرتے ہیں۔

حضرت مجاہد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک صحیح عالم شیطان کے مقابلہ میں ایک ہزار عابدوں سے بھاری ہے۔''

یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہے۔

علامہ زمخشری نے آیت ''وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ'' کی تفسیر میں لکھا ہے کہ آخرت کی زندگی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہوگی اور موت نام کی کوئی چیز نہ ہوگی۔ گویا وہ عالم سراپا حیات ہوگا۔

''حیوان'' حَيَّ کا مصدر ہے اس کی اصل ''حییان'' ہے لیکن یاء ثانی کو واؤ سے بدل دیا گیا ہے۔ جیسا کہ عرب میں بعض لوگوں کا نام ''حیوۃ'' تھا۔ انہی معنی کے اعتبار سے ہر اس چیز کو جس میں حیات ہو حیوان کہتے ہیں۔ لفظ حیوان میں بمقابلہ حیات کے معنی کی زیادتی پائی جاتی ہے جو وزن فعلان کا خاصہ ہے۔ حیات کے معنی حرکت کے آتے ہیں۔ اور موت کے معنی سکون' چنانچہ فعلان کا وزن معنی میں زیادتی پیدا کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔

ابن عطیہ کہتے ہیں کہ حیوۃ اور حیوان کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک حیوان مصدر ہے جیسے ھیمان وغیرہ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ عالم آخرت میں موت نہیں ہوگی۔ مجاہد نے یہی کہا ہے اور یہی بہتر ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حیوان کی اصل حییان تھی۔ اجتماع یاء کے ثقل کی وجہ سے ایک یاء کو واؤ سے بدل دیا گیا ہے۔

جاحظ کہتے ہیں کہ حیوان کی چار قسمیں ہیں:

(۱) زمین پر چلنے والے (۲) اُڑنے والے (۳) تیرنے والے (۴) گھسٹنے والے۔
مگر ہر وہ جانور جو اُڑتا ہے وہ چلنے پر بھی قادر ہوتا ہے لیکن جو جانور چلتا ہے وہ اُڑنے پر قادر نہیں ہوتا۔ اور جو حیوان چلتے ہیں ان کی تین اقسام ہیں:
(۱) انسان (۲) مویشی (۳) درندے
دُنیا میں جتنے بھی پرند یعنی اُڑنے والے جانور ہیں ان کی بھی چار اقسام ہیں:
(۱) یا تو وہ سبع یعنی گوشت خور ہیں۔
(۲) یا مویشی یعنی زمین پر چلنے والے ہیں۔
(۳) یا ھمج یعنی ادنیٰ طبقہ کے طائر ہیں اور
(۴) یا حشرات الارض ہیں۔
پہلی قسم یعنی سبع (گوشت خور) میں شکاری پرندے مثلاً باز' شاہین' چیل' کوا' گدھ وغیرہ شامل ہیں اور دوسری قسم میں کبوتر اور فاختہ وغیرہ ہیں اور تیسری قسم میں بھیڑیں' مکھیاں' شہد کی مکھیاں' تتلیاں' اور ٹڈیاں وغیرہ ہیں اور چوتھی قسم میں چیونٹے' چیونٹیاں اور دیمک وغیرہ ہیں' جو موسم برسات میں پر نکال کر اُڑنے لگتے ہیں۔ تیسری اور چوتھی قسم کے جانور اگرچہ اُڑنے والے ہیں مگر ان کا شمار طیور اور پرندوں میں نہیں ہوتا اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر وہ جانور جس کے بازو یعنی پر ہوں وہ طائر کہلائے۔ مثلاً فرشتے یا جنات ان کے بازو ہیں جن سے یہ اُڑتے بھی ہیں مگر طیور نہیں کہلاتے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بحکم خدا جنت کے باغوں میں اُڑتے پھرتے ہیں مگر آپ کا شمار انسانوں میں ہے طیور میں نہیں۔
پرندوں میں بعض ایسے ہیں جو محض گوشت کھاتے ہیں جیسے باز' شاہین' عقاب وغیرہ اور بعض ایسے ہیں جو صرف دانہ کھاتے ہیں' مثلاً کبوتر' فاختہ وغیرہ اور بعض ایسے ہیں جو دونوں چیزیں کھاتے ہیں جیسے مرغی کوا اور چڑیاں کیڑے کو اور مکھیوں وٹڈیوں وغیرہ کو بھی کھا لیتی ہیں۔

جانوروں کو باندھ کر نشانہ بنانا منع ہے

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مروی ہے:
''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس شخص پر لعنت بھیجتا ہے جو کسی جانور کا مثلہ کرے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے اس شخص پر جو کسی ذی روح کو نشانہ بنائے۔''
اور ایک روایت میں ہے:
''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کسی جانور کے ہاتھ پاؤں باندھ کر تیروں (یا بندوقوں) کا نشانہ بنایا جائے۔''
فقہا نے حدیث میں مذکور ''نہی'' سے مراد تحریم لی ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں لعنت کا لفظ موجود ہے اور یہ لعنت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس فعل میں جاندار کو دُکھ دینا' اس کی جان کو تلف کرنا اور اس کی مالیت کو ضائع کرنا ہے۔ علاوہ اس کے اگر وہ جانور حلال ہے تو اس کی حلت کا اور اگر حلال نہیں ہے تو اس کی منفعت کا ایضاع ہے۔

اختتامیہ

کتاب ''التنویر فی اسقاط التدبیر'' میں شیخ تاج الدین عطاءاللہ اسکندری نے لکھا ہے کہ دیگر موجودات کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے حیوان (انسان) کو خصوصی طور پر غذا کا محتاج اسی لیے بنایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات میں سے وہ صفات اس کو عطاء فرمائی ہیں کہ اگر اس کو غذا سے مستغنی چھوڑ دیا جاتا تو بہت ممکن تھا کہ وہ ربوبیت کا دعویٰ کر بیٹھتا یا اپنے اندر ربوبیت کا وجود محسوس کرنے لگتا۔ لہٰذا حق تعالیٰ سبحانہ وتعالیٰ نے جو ''حکیم اور خبیر'' ہے اس کو ماکولات ومشروبات ملبوسات اور دیگر اسباب حاجت کا محتاج بنا دیا تا کہ اس کی یہ تمام حاجتیں خود اس کے دعویٰ کو باطل کرتی رہیں۔

حیوان کا شرعی حکم

امام شافعیؒ کے نزدیک حیوان میں بیع سلم جائز ہے۔ کیونکہ یہ قیمت کی حیثیت سے مشتری کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔ نیز دیت میں بھی یہ چلتا ہے اور نکاح میں مہر کی جگہ چلتا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضور ﷺ نے بھی حیوانات میں بیع سلم کی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے ان کی بیع سلم کو ناجائز قرار دیا ہے اس لیے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کو مکروہ کہتے تھے۔ نیز یہ کہ حیوان کے اوصاف بھی مشخص نہیں کئے جا سکتے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ روایت ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''آنحضور ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں ایک اونٹ دو اونٹ کے عوض لے لوں اور ادائیگی کی مدت بھی متعین کر دوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے اپنا اونٹ جس کا نام عصفور تھا بعوض بیس اونٹ ایک خاص مدت تک کے لیے فروخت کیا اور ابن عمر نے اپنی سواری چار اونٹوں کے عوض میں فروخت کر دی۔ طے یہ ہوا تھا کہ اونٹوں کا مالک یہ چاروں اونٹ مقام زبدہ میں عمر رضی اللہ عنہ کو دے گا۔''

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ حدیث ہے جس کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

''آنحضور ﷺ نے حیوان کو حیوان کے بدلہ میں فروخت کرنے سے منع فرمایا۔'' اس روایت کو ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور صحیح قرار دیا ہے

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو سننا بھی ثابت ہے جیسا کہ علی بن المدینی نے بھی کہا ہے اور اس حدیث پر بہت سے صحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل ہے کہ حیوان کو حیوان کے بدلے میں فروخت کرنا ناجائز ہے۔ سفیان ثوریؒ، اہل کوفہ اور امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے اگر چہ بعض حضرات نے حیوان کو حیوان کے بدلہ میں ادھار فروخت کرنے کی رُخصت دی ہے۔ جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ خطابی فرماتے ہیں کہ سمرہؓ کی حدیث کو محمول کیا جائے گا اس صورت پر جبکہ دونوں طرف ادھار ہو یعنی یہ بیع قرض بعوض قرض کے حکم میں ہو جائے گی۔ یہ تاویل خطابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی گزشتہ روایت کی روشنی میں کرتے ہیں۔ اور امام مالکؒ نے اس صورت میں رُخصت دی ہے جبکہ حیوانات کی اجناس میں اختلاف ہو یعنی اگر حیوانات کی جنس مختلف ہے تو آپ حیوان کو حیوان کے بدلہ ادھار بیچنے کی اجازت دیتے ہیں اور اگر طرفین ہم جنس ہوں تو ناجائز کہتے ہیں۔

الاحیاء میں لکھا ہے کہ حیوانات کی تجارت مکروہ ہے کیونکہ مشتری پسند نہیں کرتا اس میں قضاء الٰہی یعنی موت کو جو بحکم خداوندی ضرور واقع ہوگی۔ کہتے ہیں کہ حیوان کو بیچ اور دو موت خرید۔

تمام جانوروں میں اتلاف کا ضمان قیمت کے ذریعہ وصول کیا جائے گا جیسا کہ صحیحین کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ:

"آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی غلام میں کسی کا حصہ تھا اور اس نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور اس کے پاس اتنے پیسے بھی ہیں کہ جو غلام کی قیمت کے برابر ہیں تو قیمت لگائی جائے گی اور اس کے حصہ کا پیسہ کاٹ کر باقی قیمت شریک کو دی جائے گی اور یہ غلام صرف پہلے آزاد کرنے والے کی طرف سے آزاد سمجھا جائے گا۔"

لہٰذا غلام میں آزادی کے ذریعہ پیدا کی گئی خرابی کی ضمان میں قیمت واجب ہوگی کیونکہ اگر مثل واجب کیا جائے تو ایک ہی جنس میں قیمت کے تفاوت اور اختلاف کے باعث یہ ناممکن ہے۔ لہٰذا ایفائے حق کے لیے قیمت ہی زیادہ مناسب ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک تمام اعضاء حیوان میں اس نقص کی وجہ سے جانور کی جتنی قیمت کم ہوگی اتنا ہی ضمان دلایا جائے گا اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اونٹ گائے اور گھوڑے وغیرہ میں ربع قیمت واجب ہوگی۔ ان شاء اللہ باب الفاء میں لفظ فحل کے بیان میں عروہ البارقی کی حدیث نقل کریں گے جو اس کے ثبوت کی دلیل ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ گدھے اور خچر کی دم کاٹنے کی صورت میں پوری قیمت کو واجب فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ چیز جس کو نقصان پہنچایا گیا ہے نقصان کرنے والے کو دے دی جائے گی۔

طبی خواص

خصی حیوان غیر خصی کی بہ نسبت ٹھنڈا ہوتا ہے۔ تنومند اور چربی دار حیوان لذیذ اور عمدہ ہوتا ہے مگر دیر ہضم ہوتا ہے اور اگر نحیف ہو تو اس کا گوشت اس کے برخلاف ہوتا ہے مگر زود ہضم ہوتا ہے۔ سب سے عمدہ گوشت بکری کی ران کا ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ زود ہضم بھی مگر اس کا گوشت معدہ کو ڈھیلا کرتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ایسے پھلوں کا شربت پیا جائے جو قابض ہوں۔ سب سے زیادہ خوش ذائقہ جوان بھیڑ، کمسن گائے اور خصی بکرے کا ہوتا ہے۔

حیوان کی خواب میں تعبیر

اگر کوئی شخص خواب میں چوپایہ یا پرندے سے گفتگو کرے اور یہ گفتگو اس کی سمجھ میں آجائے تو اس کی تعبیر وہی ہے جو کچھ اس حیوان (چوپایہ یا پرند) نے اس سے کہا ہے اور کبھی اس کی تعبیر یہ دی جاتی ہے کہ خواب دیکھنے والے سے کوئی ایسا امر صادر ہوگا جس پر لوگ تعجب کریں گے۔ اور اگر خواب میں اس کی (چوپایہ یا پرند کی) گفتگو سمجھ میں نہ آئے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ صاحب خواب کا مال ضائع ہو جائے گا۔ کیونکہ حیوان کھائی جانے والی چیز ہے اور اکثر ایسا خواب لغو ہوتا ہے لہٰذا اس کی تفتیش میں نہ پڑنا چاہیے۔

تمام حیوانات کی کھال کو خواب میں دیکھنا حصول میراث یا حصول مکان کی علامت ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: **وَ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوتًا.** (اور ہم نے چوپاؤں کی کھالوں کو تمہارے لیے گھر بنا دیا) اور اگر کوئی شخص خواب میں مندرجہ ذیل جانوروں کی کھال پہن لے تو اس کی تعبیر نعمت، اموال کثیرہ اور علو شان ہے۔ وہ جانور یہ ہیں سمور (نیولے کے مشابہ ایک جانور)، سنجاب لومڑی، خرگوش، چیتا وغیرہ۔ اگر کوئی مریض خواب میں یہ دیکھے کہ اس کی کھال کھینچی جا رہی ہے تو یہ اس کی موت کی طرف اشارہ ہے یا فقر اور رسوائی کی طرف اشارہ ہے۔ بعض اوقات جانور کی کھالیں ان چیزوں پر دلالت کرتی ہیں جو ان سے تیار کی جاتی ہیں۔ چنانچہ اونٹ کی کھال سے طبلہ، بھیڑ کی کھال سے کتابت، بکری کی کھال سے نطوع (چرمی فرش) گائے کی کھال سے ڈول اور تسمہ وغیرہ گدھے اور خچر کی کھال سے ڈول وغیرہ مراد ہوتے ہیں۔ حیوانوں کے بال اور اون وغیرہ کی تعبیر فوائد مال، دولت اور لباس کا بغیر وراثت کے دستیاب ہوتا

ہے۔ سینگ کی تعبیر ہتھیار، مال ودولت، عزت وجاہ سے دی جاتی ہے۔ ہاتھی کے دانت کو خواب میں دیکھنا کسی بادشاہ کے ترکہ کی دستیابی کی جانب اشارہ ہے۔

حیوانوں کے کھروں کی تعبیر بیوی اور شوہر کے درمیان اتفاق اور دوڑ دھوپ کی طرف اشارہ ہے اور حیوانوں کے قدموں کی تعبیر کبھی دشمن کے ارد گرد گھومنے اور کبھی مرض سے دی جاتی ہے اور حیوانوں کی دُموں (پونچھ) کی تعبیر اس جانور کی ہی تعبیر ہوتی ہے جس کی وہ دُم ہے۔ نیز کبھی کبھی دُم کی تعبیر خطرہ ٹلنے اور معاونت سے بھی دیتے ہیں۔ اور حیوانوں کی آوازوں کی تعبیر الگ الگ ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ بکری کی آواز سے عورت یا دوست کی طرف سے مہربانی یا کسی شریف شخص کی جانب سے احسان کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور بکری کے بچہ کی آواز سے مسرت اور شادمانی مراد ہوتی ہے۔ گھوڑے کی ہنہناہٹ سے کسی شریف انسان کی جانب سے ہیبت مراد ہوتی ہے اور گدھے کی آواز کو خواب میں سننا کسی بے وقوف کی جانب اشارہ ہے اور خچر کی آواز سے صعوبت یعنی تنگی مراد ہوتی ہے۔ بچھڑے، بیل، گائے کی آواز کی تعبیر کسی فتنہ میں ملوث ہو جانے کی طرف اشارہ ہے اور اونٹ کی آواز کی تعبیر لمبا سفر ہے جو حج یا جہاد کی غرض سے ہو سکتا ہے۔ شیر کی چنگھاڑ سے مراد کسی ظالم بادشاہ کی ہیبت اور خوف ہے جو صاحب خواب کو لاحق ہوگا۔ اگر کوئی خادم جو چور ہو یا کوئی فاجر وفاسق شخص خواب میں بلی کی آواز سنے تو اس سے اس کی تشہیر کی جانب اشارہ ہے۔ چوہے کی آواز کی تعبیر کسی نقب زن یا چور کی جانب سے نقصان کا پہنچنا ہے۔ خواب میں ہرن کی آواز سننا کسی نیک دل عورت سے فائدہ پہنچنے کی طرف اشارہ ہے اور کتے کی آواز کا خواب میں سننا کسی ظالم کی پشیمانی کی طرف اشارہ ہے اور بھیڑیئے کی آواز سے کسی ظالم کے ظلم کی شروعات کی جانب اشارہ ہے۔ لومڑی کی آواز کی تعبیر جھوٹے مرد سے یا عورت کے مکر وفریب سے دی جاتی ہے۔ گیدڑ کی آواز سے مراد عورتوں یا مایوس قیدیوں کی آہ وبکا ہوتی ہے۔ اور خنزیر کی آواز کا سننا کسی بے وقوف دشمن پر فتح کی نشانی ہے۔ چیتے کی آواز کی تعبیر یہ ہے کہ کسی حریص اور غیر معتبر انسان کے چیلنج کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور اس آواز کا سننے والا اس پر فتح مند ہوگا۔ مینڈک کی آواز سے کسی عالم یا بادشاہ کے کاموں جیسا کوئی کام کرنا مراد ہوتا ہے اور بعض لوگوں نے اس کی تعبیر ناپسندیدہ بات سے دی ہے اور سانپ کی آواز سے ایسے دشمن کی آواز مراد ہوتی ہے جو اپنی دشمنی کو ظاہر کرتا ہو اور اس کی آواز کو سننے والا اس کے مقابلہ میں فتح مند ہوگا۔ اگر سانپ خواب میں کسی سے کوئی اچھی بات کہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اس کا دشمن اس کے سامنے پسپا ہو جائے گا اور لوگ اس امر سے حیران ہوں گے۔

اُمِّ حُبَیْن

(گرگٹ جیسا ایک جانور) **اُمِّ حُبَیْن**: (حاء پر ضمہ اور باء پر فتحہ) اُم حبین اسم جنس معرفہ ہے۔ کبھی کبھی اس پر الف لام بھی داخل ہوتا ہے۔ لیکن ان کے حذف سے یہ نکرہ نہیں ہوتا۔ اس کا نام "حبن" (پیٹ کا سوجنا) سے لیا گیا ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں "**فلان بہ حبن**" (اس کا پیٹ سوجا ہوا ہے) اور چونکہ اس جانور کا پیٹ بڑا ہوتا ہے اس لیے اس کو ام حبین کہا جانے لگا۔ سینہ کے علاوہ اس کے تمام اعضاء گرگٹ کے مشابہ ہوتے ہیں۔ مؤنث تثنیہ اور جمع وغیرہ کے لیے اس کا استعمال اس طرح ہوتا ہے:

ھی انثی الحرابی وھما ام حبین وھن امھات حبین.

ابو منصور نے کہا ہے کہ یہ جانور ہتھیلی کے بقدر بڑا اور گوہ کے مشابہ ہوتا ہے جبکہ صاحب کفایہ نے اس کو گرگٹ کا مؤنث قرار دیا ہے۔ ابن سکیت کہتے ہیں کہ یہ جانور (چھپکلی) سے قدرے چوڑا ہوتا ہے اور اس کے سر میں ایک نشان ہوتا ہے۔ ابو زید کے نزدیک ام حبین سے چور مراد ہیں۔ اس کے چار پیر ہوتے ہیں اور یہ چھوٹی مینڈک کے بقدر بڑا ہوتا ہے۔ شکاری اس کا پیچھا کرتے ہیں تو کہتے ہیں ؎

اَمَّ حَبِیْبَن اَنْشُتَرِیْ بَرْدَیْکِ اِنَّ الْاَمِیْرَ نَاظِر اِلَیْکِ
وَ ضَارِبٌ بسَوْطِهِ جَنْبُیْکِ

''اے ام حبین کیا ہم تیری چادر کو خرید لیں چونکہ امیر تجھے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے اور وہ عنقریب تیرے پہلو میں کوڑے برسائے گا۔''

یہ کہہ کر اس کا پیچھا کرتے ہیں اور اس کو پالیتے ہیں تو یہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو کر پروں کو پھیلا دیتی ہے۔ یہ پر مٹیالے رنگ کے ہوتے ہیں۔ پھر جب شکاری اس کا مزید پیچھا کرتے ہیں تو یہ اپنے پروں کے نیچے والے حصہ کو پھیلا دیتی ہے۔ پروں کے نیچے والے حصہ کی ملی جلی سرخی، زردی اور سفیدی بے حد خوب صورت ہوتی ہے۔ اس کے بعد شکاری اس کا پیچھا چھوڑ دیتے ہیں۔

علی ابن حمزہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ صفت ام عویف (مادہ ٹڈی) کی ہے۔ ام عویف کا مفصل بیان ان شاءاللہ باب العین میں آئے گا۔ ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ ام حبین سورج کی طرف منہ کئے رہتی ہے اور جدھر سورج گھومتا ہے اسی کے ساتھ ساتھ یہ اپنا چہرہ گھماتی رہتی ہے۔ یہی وصف گرگٹ میں پایا جاتا ہے۔

مرصع میں لکھا ہے کہ ام حبین کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ چنانچہ بعض اس کو عضاۃ کی ایک قسم بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اس سے قدرے بڑی ہوتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ گرگٹ کا مؤنث ہے۔ اعرابی اس سے احتراز کرتے ہیں اور اس کی بدبو کی وجہ سے اس کو نہیں کھاتے اور ابن قتیبہ کا یہ کہنا کہ یہ چھپکلی کی ایک قسم ہے اس میں اشکال ہے اس لیے کہ وزغ کے معنی چھپکلی کے ہیں جیسا کہ اہل لغت لکھتے ہیں۔

ام حبین کو حبینة بھی کہتے ہیں۔ یہ بغیر الف لام کے معرفہ ہے واحد اور جمع دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ البتہ کبھی کبھی اس کی جمع ام حبینات، امهات حبین بھی استعمال کرتے ہیں۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

اتموا صلاتكم و لا تصلوا صلاة ام حبين.

''اپنی نماز پوری پڑھو اور ام حبین کی سی نماز مت پڑھو۔''

اس حدیث کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ام حبین کا قاعدہ ہے کہ جب وہ چلتی ہے تو اپنے شکم کے بڑے ہونے کی وجہ سے اپنا سر کبھی اوپر اور کبھی نیچے کر کے چلتی ہے۔ لہٰذا مصلی (نماز پڑھنے والے) کو منع کیا گیا ہے کہ وہ بحالت سجود اپنا سر اونچا نیچا نہ کیا کرے۔

حدیث میں ام حبین کا ذکر:

''ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا دیکھا کہ اس حالت میں کہ ان کا پیٹ نکلا ہوا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مذاقاً ام حبین کہہ کر پکارا۔''

جاحظ فرماتے ہیں کہ ابوزید نحوی نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک اعرابی سے ام حبین کو حبینة کہتے ہوئے سنا ہے اور ام حبین احبن کی تصغیر ہے۔ احبن اس کو کہتے ہیں جو چت لیٹے اور اس کا پیٹ پھول جائے۔

ام حبین کا شرعی حکم

ام حبین، امام شافعیؒ کے نزدیک حلال ہے اس لیے کہ یہ طیبات میں سے ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی محرم اس کو قتل کردے یا حرم میں

کوئی اس کو مار ڈالے تو اس سے فدیہ دلایا جاتا ہے اور امام شافعیؒ کا اصول ہے کہ فدیہ اسی چیز کا دلایا جاتا ہے جو جانور بری ہو اور ماکول اللحم ہو۔

ماوردی سے اس سلسلہ میں دو روایت منقول ہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ حلال ہے اور ابن اثیر نے مرصع میں لکھا ہے کہ یہ حرام ہے۔ ابن عبدالبر کی کتاب ''التمھید'' میں ایک بڑی جماعت سے یہ بات منقول ہے کہ ایک شہری نے کسی اعرابی سے پوچھا کہ کیا تم لوگ یربوع کو کھاتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں! پھر پوچھا کہ سیہی کو کھاتے ہو؟ جواب دیا کہ ہاں! پھر پوچھا کیا ام حبین کو کھاتے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں تو اس پر شہری نے کہا کہ پھر تو ام حبین اس عافیت سے بہت خوش ہوگا۔

اُم حسان

ام حسان: انسان کی ہتھیلی کے بقدر ایک دابہ۔

اُم حسیس

ام حسیس: (حاء پر ضمہ) پانی کا ایک جانور جس کے پاؤں بہت ہوتے ہیں۔

اُم حفصہ

ام حفصہ: گھریلو مرغی۔

اُم حمارس

ام حمارس: (حاء پر فتحہ) ابن اثیر نے کہا ہے کہ ام حمارس ہرن کو کہتے ہیں۔ واللہ اعلم

